

عقائد اہل سنت پر لا جواب دلائل

جاء الحق

مجاہدین کے منہ بند کر دینے والی لا جواب تصنیف

تصنیف لطیف

مفسر شہیر حضرت علامہ مفتی

احمد یار خان نعیمی



ALAHAZRAT NETWORK

اعلیٰ حضرت محمد و آلہ

www.alahazratnetwork.org

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ ۝
 أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

تقلید کی بحث

تقلید کے باب میں پانچ باتیں خیال میں رہنا ضروری ہیں۔

- (۱) تقلید کے معنی اور اس کی قسمیں
- (۲) تقلید کوئی ضروری ہے اور کوئی منع
- (۳) تقلید کس پر لازم ہے اور کس پر نہیں
- (۴) تقلید کے واجب ہونے کے دلائل
- (۵) تقلید پر اعتراضات اور ان کے مکمل جوابات۔ اس لئے اس بحث کے پانچ باب کئے جاتے ہیں۔

باب اول

تقلید کے معنی اور اس کے اقسام

تقلید کے دو معنی ہیں۔ ایک لغوی دوسرے شرعی۔ لغوی معنی ہیں۔ قیادہ و گردن بستن گلے میں ہار یا پنڈا ڈالنا۔ تقلید کے شرعی معنی یہ ہیں کہ کسی کے قول و فعل کو اپنے پر لازم شرعی جاننا یہ سمجھ کر کہ اس کا کلام اور اس کا کام ہمارے لئے حجت ہے۔ کیونکہ یہ شرعی تحقیق ہے۔ جیسے کہ ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول و فعل اپنے لئے دلیل سمجھتے ہیں اور دلائل شرعیہ میں نظر نہیں کرتے۔

حاشیہ حسامی باب مباحثہ رسول اللہ ﷺ میں صفحہ ۸۶ پر شرح مختصر المنار سے نقل کیا اور یہ عبارت نور الانوار بحث تقلید میں بھی ہے۔

التَّحْقِيقُ اتِّبَاعُ الرَّجُلِ غَيْرِهِ فِيمَا سَمِعَهُ يَقُولُ
 أَوْ يَفْعَلُ عَلَيْهِ عَلَى زَعْمِ أَنَّهُ مُجْتَنِبُ بِلَا نَظَرٍ فِي
 الدَّلِيلِ.

تقلید کے معنی ہیں کسی شخص کا اپنے غیر کی اطاعت کرنا اس میں جو اس کو کہتے ہوئے یا کرتے ہوئے سن لے یہ سمجھ کر کہ وہ اہل تحقیق میں سے ہے۔ بغیر دلیل میں نظر کیے ہوئے۔

نیز امام غزالی کتاب المصحفی جلد دوم صفحہ ۳۸ میں فرماتے ہیں التَّحْقِيقُ هُوَ قَبُولُ قَوْلِ بِلَا حُجَّتِهِ۔ مسلم الثبوت میں ہے التَّحْقِيقُ الْعَمَلُ بِقَوْلِ الْغَيْرِ مِنْ غَيْرِ حُجَّتِهِ۔ ترجمہ وہی جو اوپر بیان ہوا اس تعریف سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کرنے کو تقلید نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ ان کا ہر قول و فعل دلیل شرعی ہے تقلید میں ہوتا ہے۔ دلیل شرعی کو نہ دیکھنا۔ لہذا ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتی کہلاتے ہیں نہ کہ مقلد۔ اسی طرح صحابہ کرام و ائمہ دین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتی ہیں نہ کہ مقلد۔ اسی طرح عالم کی اطاعت جو عام مسلمان کرتے ہیں اس کو بھی تقلید نہ کہا جائے گا۔ کیونکہ کوئی بھی ان عالموں کی بات یا ان کے کام کو اپنے لئے حجت نہیں بناتا۔ بلکہ یہ سمجھ کر ان کی بات ماننا ہے کہ مولوی آدمی ہیں کتاب سے دیکھ کر کہہ رہے ہوں گے اگر حجت ہو جائے کہ ان کا یہ فتویٰ غلط تھا کتب فقہ کے خلاف تھا تو کوئی بھی نہ مانے بخلاف قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے کہ اگر وہ حدیث یا قرآن یا اجماع امت کو دیکھ کر مستند فرمادیں تو بھی قبول اور اگر اپنے قیاس سے حکم دیں تو بھی قبول ہوگا۔ یہ فرق ضرور یاد رہے۔

تقلید دو طرح کی ہے۔ تقلید شرعی اور غیر شرعی۔ تقلید شرعی تو شریعت کے احکام میں کسی کی پیروی کرنے کو کہتے ہیں۔ جیسے روزے نماز زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل میں ائمہ دین کی اطاعت کی جاتی ہے اور تقلید غیر شرعی دنیاوی باتوں میں کسی کی پیروی کرنا ہے۔ جیسے طبیب لوگ علم طب میں بوطی سینا کی اور شاعر لوگ داغ امیر یا مرزا غالب کی یا محوی و صرنی لوگ سیوسپ اور غلیل کی پیروی کرتے ہیں اسی طرح ہر پیشہ وراپنے پیشہ میں اس فن کے ماہرین کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ تقلید دنیاوی ہے۔

صوفیائے کرام جو وظائف و اعمال میں اپنے مشائخ کے قول و فعل کی پیروی کرتے ہیں وہ تقلید دینی تو ہے مگر تقلید شرعی نہیں بلکہ تقلید فی الطریقت ہے۔ اس لئے کہ یہ شرعی مسائل حرام و حلال میں تقلید نہیں۔ ہاں جس چیز میں تقلید ہے وہ دینی کام ہے۔

تقلید غیر شرعی اگر شریعت کے خلاف میں ہے تو حرام ہے اگر خلاف اسلام نہ ہو تو جائز ہے بوجہی عورتیں اپنے باپ داداؤں کی ایجاد کی ہوئی شادی غمی کی ان رسوم کی پابندی کریں جو خلاف شریعت ہیں تو حرام ہے اور طبیب لوگ جو طبی مسائل میں بوطی سینا وغیرہ کی پیروی کریں جو کہ مخالف اسلام نہ ہوں تو جائز ہے۔ اسی پہلی قسم کی حرام تقلید کے بارے میں قرآن کریم جگہ جگہ ممانعت فرماتا ہے اور ایسی تقلید کرنے والوں کی برائی فرماتا ہے۔

وَلَا تَطْعَمَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ
 وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا۔ (پہلا سورہ النحلہ ص ۵۷)

اور اس کا کہنا نہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا کام حد سے گزر گیا۔

وَأَن جَاهِدَكَ عَلَىٰ أَن تَشْرِكَ بِى مَالِيَسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا. (پارہ ۱۳ ص ۱۷۷)

وَإِذَا قِيلَ لَهُم تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَالْأَلِی الرُّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَائَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ. (پارہ ۱۳ ص ۱۷۷)

وَإِذَا قِيلَ لَهُم اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَائَنَا. (پارہ ۱۳ ص ۱۷۷)

اور اگر وہ تمھ سے کوشش کریں کہ تو میرا شریک بن کر اس کو جس کا تمھ کو علم نہیں تو ان کا کہا نہ مان۔

اور جب ان سے کہا جائے کہ آؤ اس طرف جو اللہ نے اتارا اور رسول کی طرف کہیں ہم کو وہ بہت ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ اگر چنان کہ باپ دادا کچھت جانیں اور شاہ پر ہوں۔

اور جب ان سے کہا جاوے کہ اللہ کے اتارے ہوئے پر چلو تو کہیں گے ہم تو اس پر چلیں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا۔

ان میں اور ان جیسی آجوں میں اسی تقلید کی برائی فرمائی گئی ہے جو شریعت کے مقابلہ میں جاہل باپ داداؤں کے حرام کاموں میں کی جاوے کہ چونکہ ہمارے باپ دادا ایسا کرتے تھے ہم بھی ایسا کریں گے۔ چاہے یہ کام جائز ہو یا ناجائز۔ یہی شرعی تقلید اور امتدادین کی اطاعت اس سے ان آیات کو کوئی تعلق نہیں ان آجوں سے تقلید ائمہ کو شرک یا حرام کہنا محض بدعتی ہے۔ اس کا بہت خیال رہے۔

موسرا بلب

کن مسائل میں تقلید کی جاتی ہے کن میں نہیں

تقلید شری میں کچھ تفصیل ہے شرعی مسائل تین طرح کے ہیں۔ (۱) عقائد (۲) وہ احکام جو صراحت قرآن پاک یا حدیث شریف سے ثابت ہوں اجتہاد کو ان میں دخل نہ ہو۔ (۳) وہ احکام جو قرآن یا حدیث سے استنباط و اجتہاد کر کے نکالے جائیں۔

عقائد میں کسی کی تقلید جائز نہیں۔ تفسیر روح البیان آفرسورہ ہود زیر آیت نَصِيهِمْ غَيْرَ مَقْضِيٍّ میں ہیں۔ وَفِي الْآيَةِ دَمُ التَّقْلِيدِ وَهُوَ قَبُولُ قَوْلِ الْغَيْرِ بِلَا ذَلِيلٍ وَهُوَ جَائِزٌ فِي الْفُرُوعِ وَالْعَمَلِيَّاتِ وَلَا يَجُوزُ فِي أَصُولِ الدِّينِ وَالْإِعْقَادِيَّاتِ بَلْ لَا بُدَّ مِنَ النَّظَرِ وَالِاسْتِدْلَالِ. اگر کوئی ہم سے پوچھے کہ تو حیدور رسالت وغیرہ تم نے کیسے مانی تو یہ نہ کہا جاوے گا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے فرمانے سے یا کہ فقہ اکبر سے بلکہ دلائل تو حیدور رسالت سے۔ کیونکہ عقائد میں تقلید نہیں ہوتی۔ مقدمہ شامی بحث تقلید المفسر مع الاصل میں ہے۔

یعنی جن کا ہم اعتقاد رکھتے ہیں فرمی مسائل کے علاوہ کہ جن کا اعتقاد رکھنا ہر مکلف پر بغیر کسی کی تقلید کے واجب ہے وہ عقائد وہ ہی ہیں جن پر اہلسنت و جماعت ہیں اور اہلسنت اشاعرہ اور ماتریدہ یہ ہیں۔

(عَنْ مُعْتَقِدِنَا) أَيْ عَمَّ نَعْتَقِدُهُ مِنْ غَيْرِ الْمَسَائِلِ الْفُرْعِيَّةِ بِمَا يَجِبُ إِعْتِقَادُهُ عَلَى كُلِّ مَكَلَّفٍ بِلَا تَقْلِيدٍ لِأَحَدٍ وَهُوَ مَا عَلَيْهِ أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَهُمْ الْأَشَاعِرَةُ وَالْمَاتَرِيدِيَّةُ

نیز تفسیر کبیر پارہ ۱ ص ۱۷۷ تحت فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ میں ہے۔ هَذِهِ الْآيَةُ تَدُلُّ عَلَى أَنَّ التَّقْلِيدَ غَيْرَ كَافٍ فِي الدِّينِ وَأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنَ النَّظَرِ وَالِاسْتِدْلَالِ. صریح احکام میں بھی کسی کی تقلید جائز نہیں۔ پانچ نمازیں نماز کی رکعتیں تیس روزے روزے میں کھانا پینا حرام ہونا یہ وہ مسائل ہیں جن کا ثبوت نص سے صراحت ہے اس لئے یہ نہ کہا جائے گا کہ نمازیں پانچ اس لئے ہیں یا روزے ایک ماہ کے اس لئے ہیں کہ فقہ اکبر میں لکھا ہے یا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے بلکہ اس لئے قرآن و حدیث سے دلائل دیئے جائیں گے۔

جو مسائل قرآن و حدیث یا اجماع امت سے اجتہاد و استنباط کر کے نکالے جائیں۔ ان میں غیر مجتہد پر تقلید کرنا واجب ہے۔ مسائل کی جو ہم نے تقسیم کر دی اور بتا دیا کہ کون سے مسائل تقلید یہ ہیں اور کون سے نہیں اس کا بہت لحاظ رہے بعض موقع پر غیر مقلد اعتراض کرتے ہیں کہ مقلد کو حق نہیں ہوتا کہ دلائل سے مسائل کو نکالے پھر تم لوگ نماز روزے کے لئے قرآنی آیتیں یا احادیث کیوں پیش کرتے ہو اس کا جواب بھی اس امر میں آگیا کہ روزہ و نماز کی فرضیت تقلیدی مسائل سے نہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ سوائے احکام خبر و غیرہ میں تقلید نہ ہوگی۔ جیسے کہ مسئلہ کفر زید وغیرہ۔ نیز قیاسی مسائل میں فقہاء کا قرآن و حدیث سے دلائل پیش کرنا صرف مانے ہوئے مسائل کی تائید کیلئے ہوتا ہے۔ دو مسائل پہلے ہی سے قول امام سے

مانے ہوئے ہوتے ہیں تو بلا نظر فی الدلیل کے یہ معنی نہیں کہ مقلد دلائل دیکھے ہی نہیں بلکہ یہ دلائل سے مسائل حل نہ کرے۔

تیسرا باب

کس پر تقلید کرنا واجب ہے اور کس پر نہیں

مكلف مسلمان دو طرح کے ہیں ایک مجتہد دوسرے غیر مجتہد۔ مجتہد وہ ہے جس میں اس قدر علم لیاقت اور قابلیت ہو کہ قرآنی اشارات و رموز سمجھ سکے اور کلام کے مقصد کو پہچان سکے اس سے مسائل نکال سکے۔ تاج و منور کا پورا علم رکھتا ہو۔ علم صرف و جوہ لغت، وغیرہ میں اکو پوری مہارت حاصل ہو۔ احکام کی تمام آجوں اور احادیث پر اس کی نظر ہو۔ اس کے علاوہ ذکی اور خوش فہم ہو۔ کچھ تفسیرات احمدیہ وغیرہ جو کہ اس درجہ پر نہ پہنچا ہو وہ غیر مجتہد یا مقلد ہے۔ غیر مجتہد پر تقلید ضروری ہے۔ مجتہد کے لئے تقلید منع۔ مجتہد کے چھ طبقے ہیں۔

(۱) مجتہد فی الشرع

(۲) مجتہد فی المذہب

(۳) مجتہد فی المسائل

(۴) اصحاب التفریع

(۵) اصحاب الترجیع

(۶) اصحاب التریز (مقدمہ شامی بحث طبقات الفقہاء)

(۱) مجتہد فی الشرع وہ حضرات ہیں جنہوں نے اجتہاد کرنے کے قواعد بنائے۔ جیسے چاروں امام ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم اجمعین
(۲) مجتہد فی المذہب وہ حضرات ہیں جو ان اصول میں تقلید کرتے ہیں اور ان اصول سے مسائل شرعیہ فرمیدہ خود استنباط کر سکتے ہیں۔ جیسے امام ابو یوسف و محمد ابن مبارک رحمہم اللہ اجمعین۔ کہ یہ قواعد میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد ہیں اور مسائل میں خود مجتہد۔

(۳) مجتہد فی المسائل وہ حضرات ہیں جو قواعد اور مسائل فرمیدہ دونوں میں مقلد ہیں۔ مگر وہ مسائل جن کے متعلق ائمہ کی تصریح نہیں ملتی۔ ان کو قرآن و حدیث وغیرہ دلائل سے نکال سکتے ہیں۔ جیسے امام بخاری اور قاضی خان رحمہم اللہ سرخسی وغیرہم۔

(۴) اصحاب تخریف وہ حضرات ہیں جو اجتہاد تو بالکل نہیں کر سکتے ہاں ائمہ میں سے کسی کے جمل قول کی تفصیل فرما سکتے ہیں جیسے امام کرنی وغیرہ۔

(۵) اصحاب ترجیح وہ حضرات ہیں جو امام صاحب کی چند روایات میں سے بعض کو ترجیح دے سکتے ہیں۔ یعنی اگر کسی مسئلہ میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے دو قول روایت میں آئے تو ان میں سے کسی کو ترجیح دیں۔ یہ وہ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح جہاں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہو تو کسی کے قول کو ترجیح دے سکتے ہیں کہ ہذا اولیٰ یا ہذا صحیح وغیرہ جیسے صاحب قدوری اور صاحب ہدایہ۔

(۶) اصحاب تیز وہ حضرات ہیں جو ظاہر مذہب اور روایات نادرہ اسی طرح قول ضعیف اور قوی اور اقویٰ میں فرق کر سکتے ہیں کہ اقوال مردودہ اور روایات ضعیفہ کو ترک کر دیں۔ اور صحیح روایات اور معتبر قول کو لیں۔ جیسے کہ صاحب کنز اور صاحب درمختار وغیرہ۔

جن میں ان چھ وصفوں میں سے کچھ بھی نہ ہوں۔ وہ مقلد محض ہیں۔ جیسے ہم اور ہمارے زمانہ کے عام علماء کہ ان کا صرف یہی کام ہے کہ کتاب سے مسائل دیکھ کر لوگوں کو بتا دیں۔

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مجتہد کو تقلید کرنا حرام ہے۔ تو ان چھ طبقوں میں جو صاحب ہیں جس درجہ کے مجتہد ہوں گے۔ وہ اس درجہ سے کسی کی تقلید نہ کریں گے۔ اور اس سے اوپر والے درجہ میں مقلد ہوں گے جیسے امام ابو یوسف و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کہ یہ حضرات اصول اور قواعد میں تو امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مقلد ہیں اور مسائل میں چونکہ خود مجتہد ہیں۔ اس لئے ان میں مقلد نہیں۔

ہماری اس تقریر سے غیر مقلدوں کا یہ سول بھی اٹھ گیا کہ جب امام ابو یوسف و محمد علیہما الرحمۃ حق ہیں اور مقلد ہیں تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جگہ جگہ مخالفت کیوں کرتے ہیں۔ تو یہی کہا جاوے گا کہ اصول و قواعد میں یہ حضرات مقلد ہیں۔ اس میں مخالفت نہیں کرتے اور فرعی مسائل میں مخالفت کرتے ہیں اس میں خود مجتہد ہیں۔ وہ کسی کے مقلد نہیں۔

یہ سوال بھی اٹھ گیا کہ تم بہت سے مسائل میں صاحبین کے قول پر فتویٰ دیتے ہو اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کو چھوڑتے ہو پھر تم حنفی کیسے؟ جواب آ گیا کہ بعض درجہ کے فقہاء اصحاب ترجیح بھی ہیں جو چند قولوں میں سے بعض کو ترجیح دیتے ہیں اسی لئے ہم کو ان فقہاء کا ترجیح دیا ہوا جو قول ملا اس پر فتویٰ دیا گیا یہ سوال بھی اٹھ گیا کہ تم اپنے کو حنفی پھر کیوں کہتے ہو۔ بخسفی یا محمدی یا ابن مبارک کہا کیونکہ بہت سی جگہ تم ان کے قول پر عمل کرتے ہو امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ کا قول چھوڑ کر۔ جواب یہی ہوا کہ چونکہ ابو یوسف و محمد ابن مبارک رحمہم اللہ تعالیٰ کے تمام اقوال امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے

اصول اور قوانین پر بنے ہیں۔ لہذا ان میں سے کسی بھی قول کو لینا اور حقیقت امام صاحب ہی کے قول کو لینا ہے جیسے حدیث پر عمل اور حقیقت قرآن پر عمل ہے کہ رب تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے مثلاً امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ کوئی حدیث صحیح ثابت ہو جاوے تو وہ ہی میرا مذہب ہے۔ اب اگر کوئی محقق فی المذہب کوئی صحیح حدیث پا کر اس پر عمل کرے تو وہ اس سے غیر مقلد نہ ہوگا۔ بلکہ حنفی رہے گا۔ کیونکہ اس نے اس حدیث پر امام صاحب کے اس قاعدے سے عمل کیا یہ پوری بحث دیکھو مقدمہ شامی مطلب **صَحَّحَ مِنَ الْإِمَامِ إِذَا صَحَّحَ الْحَدِيثُ فَهُوَ مَذْهَبِي**۔ امام صاحب کے اس قول کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب کوئی حدیث صحیح ثابت ہوئی ہے تو وہ میرا مذہب ہی یعنی ہر مسئلہ اور ہر حدیث میں میں نے بہت جرح تدرج اور تحقیق کی ہے جب اسے اختیار کیا چنانچہ حضرت امام کے یہاں ہر مسئلہ کی بڑی چھان بین ہوتی تھی۔ مجتہد شامی کی طرف سے نہایت تحقیقی گفتگو کے بعد اختیار فرمایا جاتا تھا۔

اگر یہ مختصری تقریر خیال میں رکھی گئی تو بہت مشکوکوں کو ان شاء اللہ عزوجل حل کر دے گی اور بہت کام آوے گی بعض غیر مقلد کہتے ہیں کہ ہم میں اجتہاد کرنے کی قوت ہے۔ لہذا ہم کسی کی تقلید نہیں کرتے۔ اس کے لئے بہت طویل گفتگو کی ضرورت نہیں۔ صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اجتہاد کے لئے کس قدر علم کی ضرورت ہے اور ان حضرات کو وہ قوت علمی حاصل ہے یا نہیں۔

حضرت امام رازی امام غزالی وغیرہ امام ترمذی و امام ابو داؤد وغیرہ حضور غوث پاک۔ حضرت بایزید بسطامی شاد بہاء الحق نقشبند اسلام میں ایسے پایہ کے علماء اور مشائخ گزرے کہ ان پر اہل اسلام جس قدر بھی فکر کریں کم ہے۔ مگر ان حضرات میں سے کوئی صاحب بھی مجتہد نہ ہوئے بلکہ سب مقلد ہی ہوئے۔ خواہ امام شافعی کے مقلد ہوں۔ یا امام ابو حنیفہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ زمانہ موجودہ میں کون ان کی قابلیت کا ہے جب ان کا علم مجتہد بننے کیلئے کافی نہ ہوا۔ تو جن بے چاروں کو ابھی حدیث کی کتابوں کے نام لینا بھی نہ آتے ہوں وہ کس شمار میں ہیں۔

ایک صاحب نے دعویٰ اجتہاد کیا میں نے ان سے صرف اتنا پوچھا کہ سورۃ نکاح سے کس قدر مسائل آپ نکال سکتے ہیں اور اس میں حقیقت مجاہد صریح و کتابیہ ظاہر نہیں کتنے ہیں۔ ان نکاح سے ان چیزوں کے نام بھی نہ سنے تھے۔

چوتھا باب

تقلید واجب ہونے کے دلائل

اس باب میں ہم دو فصلیں لکھتے ہیں۔ پہلی فصل میں تو مطلقاً تقلید کے دلائل ہیں۔ دوسری تقلید شخص کے دلائل۔

فصل اول:

تقلید کا واجب ہونا قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ اور عمل امت اور اقوال مفسرین سے ثابت ہے۔ تقلید مطلقاً بھی اور تقلید مجتہدین بھی ہر ایک تقلید کا ثبوت ہے۔

اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ ہم کو سیدھا راستہ چلا۔ ان کا راستہ جن پر تو نے احسان کیا۔ (سورۃ الفاتحہ)

أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (سورۃ الفاتحہ)

اس سے معلوم ہوا کہ صراط مستقیم وہی ہے۔ جس پر اللہ کے نیک بندے چلے ہوں اور تمام مفسرین محدثین فقہاء اولیاء اللہ غوث قطب و ابدال اللہ کے نیک بندے ہیں وہ سب ہی مقلد گزرے۔ لہذا تقلید ہی سیدھا راستہ ہوا۔ کوئی محدث و مفسر ولی غیر مقلد نہ گزرا۔ غیر مقلد وہ ہے جو مجتہد نہ ہو۔ پھر تقلید نہ کرے۔ جو مجتہد ہو لگ تقلید نہ کرے۔ وہ غیر مقلد نہیں کیونکہ مجتہد کو تقلید کرنا منع ہے۔

لَا يَكْلِفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (سورۃ البقرہ)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ طاقت سے زیادہ کام کی خدا تعالیٰ کسی کو تکلیف نہیں دیتا۔ تو جو شخص اجتہاد نہ کر سکے اور قرآن سے مسائل نہ نکال سکے۔ اس سے تقلید نہ کرانا اور اس سے استنباط کرنا طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنا ہے۔ جب غریب آدمی پر زکوٰۃ اور حج فرض نہیں تو بے علم پر مسائل کا استنباط کرنا کیونکر ضروری ہوگا۔

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور حکم والوں کی جو تم میں سے ہوں۔

مَنْكُمْ (سورۃ آل عمران)

اس آیت میں تین ذاتوں کی اطاعت کا حکم دیا گیا۔ اللہ کی (قرآن) رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی (حدیث) امر والوں کی (فقہ و استنباط کے علماء) مگر کلہا طبع وادجہ لایا گیا۔ اللہ کے لئے ایک اور رسول علیہ السلام اور حکم والوں کے لئے ایک۔ کیونکہ اللہ کی صرف اس کے فرمانے میں ہی اطاعت کی جائے گی نہ کہ اس کے فعل میں اور نہ اس کے سکوت میں۔ وہ کفار کو روک دیتا ہے کبھی ان کو غلطی سے روک دیتا ہے وہ کفر کرتے ہیں۔ مگر ان کو فوراً

عذاب نہیں بھیجتا۔ ہم اس میں رب تعالیٰ کی پیروی نہیں کر سکتے کہ کفار کی امداد کریں بخلاف نبی علیہ السلام و امام مجتہد کے کہ ان کا ہر حکم ان کا ہر کام اور ان کا کسی کو کچھ کرتے ہوئے دیکھ کر خاموش ہونا۔ تینوں چیزوں میں ان کی پیروی کی جاوے گی۔ اس فرق کی وجہ سے دو جگہ اٹھو ابولا اگر کوئی کہے کہ امر والوں سے مراد سلطان اسلامی ہے تو سلطان اسلامی کی اطاعت شرعی احکام میں کی جاوے گی نہ کہ خلاف شرع چیزوں میں اور سلطان وہ شرعی احکام علماء مجتہدین ہی سے معلوم کرے گا حکم تو سب میں فقہ کا ہوتا ہے۔ اسلامی سلطان محض اس کا جاری کرنے والا ہوتا ہے۔ تمام رعایا کا حاکم بادشاہ اور بادشاہ کا حاکم۔ عالم مجتہد لہذا نتیجہ وہی نکلا کہ اولی الامر علمائے مجتہدین ہی ہوتے اگر بادشاہ اسلامی بھی مرادلو۔ جب بھی تقلید تو ثابت ہوئی گئی۔ عالم کی نہ ہوئی بادشاہ کی ہوئی۔

یہ بھی خیال رہے کہ آیت میں اطاعت سے مراد شرعی اطاعت ہے۔

ایک نکتہ اس آیت میں یہ بھی ہے کہ احکام تین طرح کے ہیں۔ صراحۃ قرآن سے ثابت جیسے کہ جس عورت غیر حاملہ کا شوہر مر جائے تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے ان کے لئے حکم ہوا اٹھو اللہ دوسرے وہ جو صراحۃ حدیث سے ثابت ہیں۔ جیسے کہ چاندی سونے کا زیور مرد کو پہننا حرام ہے اس کے لئے فرمایا گیا اٹھو الرسول تیسرے وہ جو نہ تو صراحۃ قرآن سے ثابت ہیں نہ حدیث سے جیسے کہ جاول میں سود کی حرمت قطعی ہے۔ اس کے لئے فرمایا گیا اولی الامر منکم تین طرح کے احکام اور تین علم۔

فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لاتعلمون۔ تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تم کو علم نہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص جس مسئلہ کو نہ جانتا ہو۔ وہ اہل علم سے دریافت کرے۔ وہ اجتہادی مسائل جن کے نکلنے کی ہم میں طاقت نہ ہو۔ مجتہدین سے دریافت کئے جائیں۔ بعض لوگ جے ہیں کہ اس سے مراد تاریخی واقعات ہیں۔ جیسا کہ اوپر کی آیت سے ثابت ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اس آیت کے کلمات مطلق بغیر قید کے ہیں اور پوچھنے کی وجہ ہے نہ جانتا تو جس چیز کو ہم نہ جانتے ہوں اس کا پوچھنا لازم ہے۔

واتبع سبیل من اناب الی۔ اور اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ عزوجل کی طرف رجوع کرنے والوں کی اتباع (تقلید) ضروری ہے یہ حکم بھی عام ہے کیونکہ آیت میں کوئی قید نہیں۔

والذین یقولون ربنا ہب لنا من ازواجنا وذریۃنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما۔ اور وہ جو عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو دے ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے آنکھوں میں خشک اور ہم کو پرہیزگاروں کی شاہد۔

(یوسف: 24)

اس آیت کی تفسیر میں معالم القول میں ہے۔

فلنقتدی بالمتقین ویقتدی بنا المتقون۔ ہم پرہیزگاروں کی پیروی کریں اور پرہیزگار ہماری پیروی کریں۔

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ والوں کی پیروی اور ان کی تقلید ضروری ہے۔

یوم لدعوا کل الناس بامامہم۔ جس دن ہر جماعت کو ہم اس کے امام کے ساتھ بلا کیئے۔

(یوسف: 25)

اس کی تفسیر روح البیان میں اس طرح ہے۔

او مقدم فی الذین فیقال یا خفیی یا شافعی۔ یا امام دینی پیشوا ہے۔ پس قیامت میں کہا جاوے گا کہ اے خفی اے شافعی۔

اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن ہر انسان کو اس کے امام کے ساتھ بلا یا جاوے گا۔ یوں کہا جاوے گا کہ اے خفیو اے شافعیو اے مالکیو چلو تو جس نے امام ہی نہ کیا اس کو کس کے ساتھ بلا یا جائے گا۔ اس کے بارے میں موقیہ کرام فرماتے ہیں کہ جس کا کوئی امام نہیں اس کا امام شیطان ہے۔

واذا قیل امنوا کما امن الناس قالوا اللومن۔ ایمان لانے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم ایسا ایمان لائیں جیسا یہ بے وقوف

کما امن السفہاء۔ ایمان لائے۔

ایمان لائے۔

معلوم ہوا کہ ایمان بھی وہی معتبر ہے جو صالحین کا سا ہو۔ تو مذہب بھی وہی ٹھیک ہے۔ جو نیک بندوں کی طرح ہو اور وہ تقلید ہے۔

دوسری فصل تقلید شخصی کے بیان میں

مکتبہ کتاب الامارۃ میں بحوالہ مسلم ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں۔

من اتاكم وامرکم جميع علی رجل واحد
یرید ان یشتی عصاکم ویفترق جماعتکم
فانقلوه۔

اس میں مراد امام اور علماء دین ہی ہیں۔ کیونکہ حاکم وقت کی اطاعت خلاف شرع احکام میں جائز نہیں ہے۔

مسلم نے کتاب الامارۃ میں ایک باب باندھا باب وجوب طاعته الامراء فی غیر معصیہ، یعنی امیر کی اطاعت غیر معصیت میں واجب ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایک ہی کی اطاعت ضروری ہے۔

مشکوٰۃ شریف کتاب البیوع باب القرائن میں روایت بخاری ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے حضرت ابن مسعود کے ہاں سے فرمایا
لا تسئلوا فی مادام هذا الحبر فیکم جب تک کہ یہ علامہ تم میں رہیں۔ مجھ سے مسائل نہ پوچھو۔ معلوم ہوا کہ افضل کے ہوتے
ہوئے مفقول کی اطاعت نہ کرے اور ہر مقلد کی نظر میں اپنا امام افضل ہوتا ہے۔ حج القدر میں ہے۔

من تولی امر المسلمین شیئاً فاستعمل
علیہم رجلاً ویعلم ان فیہم من هو اولی
بذلک و اعلم منه بکتاب اللہ وسنۃ رسولہ
فقد خان اللہ ورسولہ وجماعۃ المسلمین۔
مشکوٰۃ کتاب الامارۃ فصل اول میں ہے۔

من مات ولیس فی عقبہ بیعة مٹ مینۃ
جاہلیۃ۔

اس میں امام کی بیعت یعنی تقلید اور بیعت اولیاء سب ہی داخل ہیں ورنہ بتاؤنی زمانہ ہالی کس سلطان کی بیعت میں ہیں۔
یہ تو چند آیات و احادیث ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اختصاراً اسی پر قیامت کی گئی۔ اب امت کا عمل دیکھو۔ تو شیخ تابیین کے
زمانہ سے اب تک ساری امت مرحومہ اس ہی تقلید کی حامل ہے کہ جو خود مجتہد نہ ہو۔ وہ ایک مجتہد کی تقلید کرے اور اجماع امت پر عمل کرنا قرآن و
حدیث سے ثابت ہے اور ضروری ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ
الہدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین تولہ
ماتولہ و نصلہ جہنم وساعت مصیراً۔

جس سے معلوم ہوا کہ جو راستہ عام مسلمانوں کا ہو اس کو اختیار کرنا فرض ہے اور تقلید پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آج بھی اور اس سے پہلے بھی عام مسلمان تقلید شخصی ہی کو اچھا جانتے آئے اور مقلد ہی ہوئے آج بھی عرب و عجم میں مسلمان تقلید
شخصی ہی کرتے ہیں اور جو غیر مقلد ہو وہ اجماع کا منکر ہوا اگر اجماع کا اعتبار نہ کرو تو خلاف صدیقی و فاروقی کس طرح ثابت کر دے تو اجماع لغت
سے ہی ثابت ہوئی۔ یہاں تک کہ جو شخص ان دونوں میں سے کسی کا بھی انکار کرے وہ کافر ہے۔ دیکھو شامی وغیرہ اسی طرح تقلید پر بھی اجماع ہوا۔

تفسیر خازن زیر آیت و کونوا مع الصادقین ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انصار سے فرمایا کہ قرآن شریف نے مجاہدین کو صادقین کہا
اولئک ہم الصدیقون پھر فرمایا و کونوا مع الصدیقین بھوں کے ساتھ رہو۔ لہذا تم بھی علیحدہ خلافت نہ قائم کرو۔ ہمارے ساتھ
رہو ایسے ہی ہیں غیر مقلدوں سے کہتا ہوں کہ بھوں نے تقلید کی ہے تم بھی ان کے ساتھ رہو۔ مقلد ہو۔

عقلی دلائل:

دنیا میں انسان کوئی بھی کام بغیر دوسرے کی پیروی کے نہیں کر سکتا۔ ہر ہنر اور علم کے قواعد۔ سب میں اس کے ماہرین کی پیروی کرنا ہوتی ہے۔ دین کا
معاملہ تو دنیا سے کہا زیادہ مشکل ہے۔ اس میں بھی اس کے ماہرین کی پیروی کرنا ہوگی۔ علم حدیث میں بھی تقلید ہے کہ فلاں حدیث اس لئے ضعیف

جو تمہارے پاس آوے حالانکہ تم ایک شخص کی اطاعت پر متفق ہو وہ
چاہتا ہو کہ تمہاری لائمی توڑ دے اور تمہاری جماعت کو متفرق کر دے تو
اس کو قتل کرو۔

ہے کہ بخاری نے یا فلاں محدث نے فلاں راوی کو ضعیف کہا ہے۔ اس کا قول ماننا یہی تو تقلید ہے۔ قرآن کی قرأت میں قاریوں کی تقلید ہے کہ فلاں نے اس طرح اس آیت کو پڑھا ہے قرآن کے اعراب آیات سب ہی تقلید ہی تو ہے نماز میں جب جماعت ہوتی ہے۔ تو امام کی تقلید سب مقتدی کرتے ہیں۔ حکومت اسلامی میں تمام مسلمان ایک بادشاہ کی تقلید کرتے ہیں۔ ریل میں بیٹھتے ہیں تو ایک انجن کی ساری ریل والے تقلید کرتے ہیں۔ غرضیکہ انسان ہر کام میں مقلد ہے اور خیال رہے کہ ان سب عورتوں میں تقلید شخصی ہے۔ نماز کے امام دونہیں۔ بادشاہ اسلام دونہیں۔ تو شریعت کے امام ایک شخص دو کس طرح مقرر کر سکتا ہے۔

مکتوۃ کتاب الجہاد باب اداب السطر میں ہے۔

جبکہ تم آدی سفر میں ہوں تو ایک کو اپنا امیر بنالیں۔

اِذَا كَانَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوا أَحَدَهُمْ۔

پانچواں باب

تقلید پر اعتراضات اور جوابات کچھ بیان میں

مسئلہ تقلید پر مخالفین کے اعتراضات دو طرح کے ہیں۔ ایک واجبات طعن اور تحسوران کے جوابات ضروری نہیں۔ دوسرے وہ جن سے مقلدین کو غیر مقلد دھوکا دیتے ہیں۔ اور عام مقلدین دھوکا کھا لیتے ہیں۔ یہ حسب ذیل ہیں:

سوال (۱): اگر تقلید ضروری تھی تو صحابہ کرام کسی کے مقلد کیوں نہ ہوئے؟

جواب: صحابہ کرام کو کسی کی تقلید کی ضرورت نہ تھی۔ وہ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی برکت سے تمام مسلمانوں کے امام اور پیشوا ہیں کہ انہیں دین امام ابوحنیفہ و شافعی وغیرہ و رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی پیروی کرتے ہیں۔ مکتوۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے:

أَصْحَابِي كَالنَّجْمِ بَابِيهِمْ إِقْدَانِيهِمْ اخْتَلَيْتُمْ۔ میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں تم جن کی پیروی کرو گے ہدایت

پالو گے۔ تم لازم پکڑو میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو۔

عَلَيْكُمْ بَسْنِي وَسُنَّةَ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ۔

یہ سوال تو ایسا ہے کہ جیسے کوئی کہے ہم کسی کے امتی نہیں۔ کیونکہ ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی کے امتی نہ تھے تو امتی نہ ہونا سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ اس سے یہ ہی کہا جاوے گا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو خود نبی ہیں سب آپ کی امت ہیں وہ کس کے امتی ہوتے۔ ہم کو امتی ہونا ضروری ہے ایسے ہی صحابہ کرام تمام کے امام ہیں۔ ان کا کون مسلمان امام ہوتا؟

نہر سے پانی اس کھیت کو دیا جاوے گا جو دریا سے دو ہو۔ مکہ میں کی آواز پر وہ ہی نماز پڑھے گا جو امام سے دو ہو لب دریا کے کھیتوں کو نہر کی ضرورت نہیں۔ صاب اول کے مقتدیوں کو مکہ میں کی ضرورت نہیں صحابہ کرام صاب اول کے مقتدی ہیں۔ وہ بلا واسطہ سینہ پاکب مصطفیٰ ﷺ سے فیض لینے والے ہیں۔ ہم چونکہ اس بحر سے دور ہیں لہذا کسی نہر کے حاجت مند ہیں۔ پھر سمندر سے ہزار ہا دریا جاری ہوتے ہیں۔ جن سب میں پانی تو سمندر ہی کا ہے مگر ان سب کے نام اور راستے جدا ہیں کوئی گنگا کہلاتا ہے کوئی جہنا ایسے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ رحمت کے سمندر ہیں۔ اس سینہ میں سے جو نہر امام ابوحنیفہ ﷺ کے سینہ سے اوتی ہوئی آئی اسے حنفی کہا گیا جو امام مالک کے سینہ سے آئی وہ مذہب مالکی کہلایا۔ پانی سب کا ایک ہے مگر نام جدا گانہ اور ان نہروں کی ہمیں ضرورت پڑی نہ کہ صحابہ کرام کو جیسے حدیث کی اسناد ہمارے لئے ہے صحابہ کرام کے لئے نہیں۔

سوال (۲): رہبری کے لئے قرآن و حدیث کافی ہیں۔ ان میں کیا نہیں جو کہ فقہ سے حاصل کریں قرآن فرماتا ہے کہ:

وَلَا رَطْبٌ وَلَا يَابِسٌ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ وَلَقَدْ يَسِّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدْكِـِ۔ اور نہ ہے کوئی تر اور خشک چیز جو ایک روشن کتاب میں تھی نہ ہو اور چونکہ ہم نے قرآن یاد کرنے کے لئے آسان فرما دیا تو ہے کوئی یاد کرنے والا۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ قرآن میں سب ہے اور قرآن سب کے لئے آسان بھی ہے پھر کس لئے مجتہد کے پاس جاویں؟

جواب: قرآن و حدیث چونکہ رہبری کے لئے کافی ہیں۔ اور ان میں سب کچھ ہے۔ مگر ان سے مسائل نکالنے کی قابلیت ہونی چاہئے۔ سمندر میں موتی ہی۔ مگر ان کو نکالنے کے لئے غوطہ خور کی ضرورت ہے۔ احمد دین اس سمندر کے غوطہ زن ہیں۔ طب کی کتابوں میں سب کچھ لکھا ہے۔ مگر ہم کو حکیم کے پاس جانا اور اس سے نسخہ تجویز کرنا ضروری ہے۔ احمد دین طب ہیں وَلَقَدْ يَسِّرْنَا الْقُرْآنَ میں فرمایا ہے کہ ہم نے قرآن کو حفظ

کرنے کے لئے آسان کیا ہے۔ نہ کہ اس سے مسائل استنباط کرنے کے لئے۔ اگر مسائل نکالنا آسان ہیں تو پھر حدیث کی بھی کیا ضرورت ہے۔ قرآن میں سب کچھ ہے اور قرآن آسان ہے نیز پھر قرآن سکھانے کے لئے ہی کون آئے؟ قرآن میں ہے وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

اور وہ نبی ان کو کتاب اللہ اور حکمت کی باتیں سکھاتے ہیں۔ قرآن وحدیث روحانی دوائیں ہیں امام روحانی طیب۔
سوال (۳):

ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار مت مان کسی کا قول و قرار
دین حق راچار مذہب سا صحر فقہ در دین نبی الہا صحر
جواب:

یہ شعر اصل میں پکڑ الوہیوں کا ہے:

ہوتے ہوئے کبریا کی گفتار مت مان نبی کا قول و قرار
دوسرا شعر بھی اس طرح ہے۔

مسجد دوشت علیحدہ سا صحر فقہ در دین نبی الہا صحر
چار مذہب کا جواب ہم نے اپنے دیوان میں دو شعروں میں اس طرح دیا ہے:

چار رسل فرشتے چار چار کتب ہیں دین چار
آتش و آب و خاک و باد سب کا انہی سے ہے
سلطے دونوں چار چار لطف مجب ہے چار میں
چار کا سارا ماجرا فتم ہے چار یار میں

ثبات

چار کا عدد تو خدا کو بڑا ہی یاد آ رہا ہے۔ کتاب میں بھی چار بھیجیں۔ اور دین بھی چار ہی بتائے انسان کا خیر بھی چار ہی چیزوں سے کیا وغیرہ وغیرہ۔ جب مقصود کے چاروں راستے گھر گئے تو پھر وہاں پہنچنا ناممکن کیونکہ راستے چار ہی ہو سکتے ہیں۔ خانہ کعب کے ارد گرد چار طرف نماز ہوتی ہے۔ مگر رخ سب کا کعبہ کو ایسے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو کعبہ ایمان ہیں۔ چاروں مذہبوں نے چاروں راستے گھیر لئے۔ وہابی کس راستے سے وہاں پہنچیں گے؟ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

مذہب چار چوں چہار راہ اند بہر مت جو جاہ پیاکی
خود کچے بنی از چہار طرف کعبہ راچوں تو سجدہ ہماکی

جس طرح قرآن کے ہوتے ہوئے حدیث کی ضرورت ہے اسی طرح حدیث کے ہوتے ہوئے فقہ کی ضرورت ہے۔ فقہ قرآن وحدیث کی تفسیر ہے اور جو حکم کہ ہم کو نہ حدیث میں ملے نہ قرآن میں اس کو فقہ ہی بیان فرماتا ہے۔

آخر میں میں مکرین قیاس سے دریافت کرتا ہوں کہ جن چیزوں کی تصریح قرآن وحدیث میں نہ ملے یا بظاہر احادیث میں تعارض واقع ہو وہاں کیا کرو گے؟ مثلاً ہوائی جہاز میں نماز پڑھنا کیسی ہے؟ اسی طرح اگر جمعہ کی نماز میں رکعت اول میں جماعت تھی۔ رکعت دوم میں جماعت پیچھے سے بھاگ گئی اب ظہر پڑھیں یا جمعہ؟ اسی طرح دیگر مسائل قیاس میں کیا جواب ہوگا؟ اس لئے بہتر ہے کہ کسی امام کا دامن پکڑ لو۔ اللہ عزوجل توفیق دے۔

بحث علم غیب

اس میں ایک مقدمہ ہے اور دو باب اور ایک خاتمہ بحسن و کرمہ

مقدمہ

اس میں چند فصلیں ہیں

پہلی فصل

غیب کی تعریف اور اس کی اقسام کے بیان میں

غیب وہ چھپی ہوئی چیز ہے۔ جس کو انسان نہ تو آنکھ تک کان وغیرہ حواس سے محسوس کر سکے اور نہ بلا دلیل بدلائل عقل میں آسکے لہذا بختیاب والے کے لئے بھی نہیں۔ کیونکہ وہ یا تو آنکھ سے دیکھ آیا ہے یا سن کر کہہ رہا ہے کہ بھیجی ایک شہر ہے۔ یہ حواس سے علم ہوا۔ اسی طرح کھانوں کی لذتیں اور ان کی خوشبود وغیرہ غیب نہیں کیونکہ یہ چیزیں اگرچہ آنکھ سے چھپی ہیں۔ مگر دوسرے حواس سے معلوم ہیں جن اور ملائکہ اور جنت و دوزخ ہمارے لئے اس وقت غیب نہیں ہیں۔ کیونکہ نہ انکو حواس سے معلوم کر سکتے ہیں اور نہ بلا دلیل عقل سے۔ غیب دو طرح کا ہے ایک وہ جس پر کوئی دلیل قائم ہو سکے۔ یعنی دلائل سے معلوم ہو سکے دوسرا وہ جس کو دلیل سے بھی معلوم نہ کر سکیں پہلے غیب کی مثال جیسے جنت و دوزخ اور خدائے پاک کی ذات و صفات کہ عالم کی چیزیں اور قرآن کی آیات دیکھ کر ان کا پتہ چلتا ہے۔ دوسرے غیب کی مثال جیسے قیامت کا علم کہ کب ہوگی۔ انسان کب مرے گا اور عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی، بد بخت ہے یا نیک بخت کہ ان کو دلائل سے بھی معلوم نہیں کر سکتے۔ اسی دوسرے غیب کو مفاتیح الغیب کہا جاتا ہے اور اس کو پروردگار عالم فرمایا **فَلَا يَظْهَرُ عَلَيْهِ غَيْبٌ أَحَدًا إِلَّا مِنْ أَرْتَضَى مِنْ رُسُولٍ يُضَادِي يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ** کے ماتحت ہے۔

وَالْمُرَادُ بِهِ الْغَيْبُ الَّذِي لَا يَدْرُكُهُ الْحَسَنُ وَلَا تَقْتَصِبُهُ بَدَاهَةُ الْعَقْلِ

”غیب سے مراد وہ چھپی ہوئی چیز ہے جسکو حواس نہ پا سکیں اور نہ بدلائل اس کو عقل پا ہے۔“

تفسیر کبیر سورہ بقرہ کے شروع میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَوْلُ جَمِهُورِ الْمُفَسِّرِينَ أَنَّ الْغَيْبَ هُوَ الَّذِي يَكُونُ غَالِبًا عَنِ الْحَاسَّةِ ثُمَّ هَذَا يَنْقَسِمُ إِلَى مَا عَلَيْهِ ذَلِيلٌ "وَالِإِ مَا لَا ذَلِيلَ عَلَيْهِ"

عام مفسرین کا یہ قول ہے کہ غیب وہ ہے جو حواس سے چھپا ہوا ہو۔ پھر غیب کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک تو وہ جس پر دلیل ہے دوسرے وہ جس پر کوئی دلیل نہیں۔

تفسیر روح البیان میں شروع سورہ بقرہ یؤمنون یا غیب کے ماتحت ہے۔

رَهُوَ مَا غَابَ عَنِ الْحَسَنِ وَالْعَقْلِ غَيْبٌ كَامِلٌ بِحَيْثُ لَا يَدْرُكُ بِوَاحِدٍ مَبْنَاهَا ابْتِدَاءً بِطَرِيقِ الْبَدَاهَةِ وَهُوَ قِسْمَانِ قِسْمٌ لَا ذَلِيلَ عَلَيْهِ وَهُوَ الَّذِي أُرِيدَ بِقَوْلِهِ عَنْهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ وَقِسْمٌ نُصِبَ عَلَيْهِ ذَلِيلٌ كَالصَّالِحِ وَصِفَاتِهِ وَهُوَ الْمُرَادُ

”غیب وہ ہے جو حواس اور عقل سے پورا پورا چھپا ہوا ہو اس طرح کہ کسی ذریعہ سے بھی ابتداء کھلم کھلا معلوم نہ ہو سکے۔ غیب کی دو قسمیں ہیں ایک وہ قسم جس پر کوئی دلیل نہ ہو وہی اس آیت سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس غیب کی کھیاں ہیں۔ دوسری قسم وہ جس پر دلیل قائم ہو جیسے اللہ تعالیٰ اور انکی صفات وہی اس جگہ مراد ہے۔“

فائدہ رنگ آنکھ سے دیکھا جاتا ہے۔ ہونا کہ سے سونگھی جاتی ہے اور لذت زبان سے اور آواز کان سے محسوس ہوتی ہے۔ تو رنگت زبان و کان کے لئے غیب ہے اور ہوا آنکھ کے لئے غیب اگر کوئی اللہ کا بندہ ہو اور لذت کو ان کی شکلوں میں آنکھ سے دیکھ لے وہ بھی علم غیب اعلیٰ ہے جیسے اعمال قیامت میں مختلف شکلوں میں نظر آئیں گے۔ اگر کوئی ان شکلوں کو یہاں دیکھ لے تو یہ بھی علم غیب ہے۔ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

وَمَا مَبْنَاهَا شَهُورًا وَذُهُورًا تَمَرُ وَتَنْقَضِي إِلَّا آتَالِي

”کوئی مہینہ اور کوئی زمانہ عالم میں نہیں گزرتا مگر وہ ہمارے پاس ہو کر اجازت لے کر گزرتا ہے۔“

اسی طرح جو چیز فی الحال موجود نہ ہونے یا بہت دور ہونے یا اندھیرے میں ہونے کی وجہ سے نظر نہ آ سکے وہ بھی غیب ہے اور اس کا جاننا علم غیب۔

جیسے حضور علیہ السلام نے آئندہ پیدا ہونے والی چیزوں کو ملاحظہ فرمایا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تہاوند میں حضرت ساریہ کو مدینہ پاک سے دیکھ لیا، وہ ان تک اپنی آواز پہنچا دی۔ اسی طرح کوئی پنجاب میں بیٹھ کر مکہ معظمہ یا دیگر دور در ملکوں کو شل کف دست کے دیکھے یہ سب عیب ہی میں داخل ہیں۔

بزرگوار کے جو چہمی ہوئی حج معلوم کی جاوے وہ علم غیب نہیں۔ مثلاً کسی آلہ ذریعہ سے عورت کے پیٹ کا بچہ کا معلوم کرتے ہیں۔ یا کہ ٹیلیفون اور ریڈیو سے دور کی آواز سن پیتے ہیں۔ اس کو علم غیب نہ کہیں گے۔ کیونکہ غیب کی تعریف میں عرش کر دیا گیا کہ جو حواس معلوم نہ ہو سکے۔ اور ٹیلیفون یا ریڈیو میں سے جو آواز نقل ہو۔ وہ آوار حواس سے معلوم ہونے کے قابل ہے آلہ سے جو پیٹ کے بچہ کا حواس معلوم ہوا۔ یہ بھی عیب کا علم نہ ہوا۔ جبکہ آلہ نے اس کو ظاہر کر دیا تو اب غیب کہاں رہا۔

خلاصہ یہ کہ اگر کوئی آہ چہمی ہوئی حج کو ظاہر کر دے۔ پھر ظاہر ہو چکے کے بعد ہم اس کو معلوم کر لیں تو علم غیب نہیں۔

دوسری فصل ضروری فوائد کہ بیان میں

علم غیب کے مسئلہ میں گفتگو کرنے سے پہلے چند باتیں خوب خیال رکھی جاویں تو بہت فائدہ ہوگا در بہت سے حضرات خود خود ہی دفع ہو جائیں گے۔

۱۔ نفس علم کسی چیز کا بھی ہو رہا نہیں۔ ہاں بری باتوں کا ترکہ کرنے کے لئے سیکھنا یہ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بعض علم دوسرے علموں سے زیادہ افضل ہوں۔ جیسے علم عقائد۔ علم شریعت۔ علم تصوف دوسرے علموں سے افضل ہیں مگر کوئی علم فی نفسہ بر نہیں جیسے بعض آیات قرآنیہ بعض سے زیادہ ثواب رکھتی ہیں **فَلَهُ** میں تہائی قرآن کا ثواب ہے مگر **تِسْتِ** بداع میں یہ ثواب نہیں (مجموعہ ابہام آیات) **لَوْ لَوْ** کائنات میں عند غیر اللہ **لَوْ حَذُّوا فِیْہِ احْذُوا** کثیراً لیکن کوئی آیت بری نہیں۔ اس لئے کہ اگر کوئی علم بر ہوتا تو خدا کو بھی وہ حاصل نہ ہوتا کہ خدا ہر برائی سے پاک ہے نیز فرشتوں کو خدا کی ذات و صفات کا علم تو تھا۔ مگر حضرت آدم علیہ السلام کو علم کی ساری اچھی بری چیزوں کا علم دیا۔ اور وہ ہی علم اس کی نصیبت کا ثبوت ہو۔ اس علم کی وجہ سے وہ ملک کے استاد قرار پائے اگر بری چیزوں کا علم بر ہوتا تو حضرت آدم علیہ السلام کو علم دے کر استاد نہ بنایا جاتا۔ نیز دنیا میں سب سے بدتر چیز ہے کفر و شرک۔ مگر فقہاء فرماتے ہیں کہ علم حسد بغض اور افتاد کفر یہ شریعہ کا جائنا فرض ہے تاکہ اس سے بچے۔ اسی طرح جادو سیکھنا فرض ہے دفع جادو کے لئے شامی کے مقدمہ میں ہے۔

وَعَلِمَ الرِّیَاءَ وَعَلِمَ الْحَسَدَ وَنَعِبَ وَعَلِمَ لَا يَهْطُ الْمُحَرَّمَةُ وَ لِسُكْفَرَةٍ وَ لِعَسْرِ هَذَا مِنْ اَهَمِّ الْمَهْمَاتِ (ملخصاً)

"یعنی علم ریا اور حسد و حرام اور نظریہ ظلموں کا سیکھنا فرض ہے اور اللہ یہ بہت ہی ضروری ہے۔"

اسی مقدمہ شامی بحث علم نجوم و رمل میں فرماتے ہیں۔ **وہی دحیرۃ النظر تعلمہ فرض لرد ساحر ھل الحرب** "وآخرہ ناظرہ میں لکھا ہے کہ جادو سیکھنا فرض ہے باطل حرب کے جادو کو دفع کرنے کے لئے۔"

۲۔ حیاء العلوم جلد اس باب اول فصل سوم برے علوم کے بیان میں ہے علم کی برائی خود علم ہونے کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ بدوں کے حق میں تیں وجوہ سے ہے راف اس بیان سے بخوبی واضح ہو کہ نفس علم کسی شے کا نہیں۔ بے مگرین کا وہ سوال اٹھ گیا کہ حضور علیہ السلام کو بری چیزوں، چوری، دنا، جادو، شعار کا علم نہیں تھا۔ کیونکہ ان کا جائنا عیب ہے۔ بتاؤ خدا کو بھی ان کا علم ہے یا نہیں؟ اسی لئے اسوں نے شیطان و ملک الموت کا علم حضور علیہ السلام سے زیادہ مانا یہ تو ایسا ہذا، جیسے بخوشی کہتے ہیں کہ خدائے پاک بری چیزوں کا خالق نہیں ہے کیونکہ بری چیزوں کا پیدا کرنا بھی بر ہے۔ نعوذ باللہ۔ مگر علم جادو برا ہے تو اس کی تعلیم کے لئے رب کی طرف سے دفرشتے باروت و ہاروت کیوں نہیں پراترے؟ موسیٰ علیہ السلام کے جادو گروں سے جادو کے علم کے لئے یہ سے موسیٰ علیہ السلام کی حقانیت پہچانی اور آپ پر ایمان لائے۔ دیکھو علم جادو ایمان کا ذریعہ بن گیا۔

۳۔ سارے انبیاء اور ساری مخلوق کے علوم حضور علیہ السلام کو عطا ہوئے۔ اس کو مولوی محمد قاسم ناوٹوی نے تخریر الناس میں مانا ہے۔ جس کے سارے حوالے آتے ہیں تو جس چیز کا علم کسی حقوق کو بھی ہے وہ حضور علیہ السلام کو ضرور ہے بلکہ سب کو جو علم، مادہ حضور علیہ السلام ہی کی تقسیم سے ملا۔ جو علم شاگرد استاد سے ضروری ہے کہ استاد بھی اس کا جائنا والا ہو۔ انبیاء میں حضرت آدم علیہ السلام بھی ہیں۔ اس لئے ہم حضرت آدم و حضرت خلیل اللہ علیہما السلام کے علم سے بھی بحث کریں گے۔

۴۔ قرآن در لوح محفوظ میں سارے واقعات نقل، کان و دیکھوں میں ہیں اور اس پر ملک در بعض اولیاء و نبیاء کی نظریں ہیں اور ہر وقت وہ حضور علیہ السلام کے پیش نظر ہے۔ اس کے حوالہ بھی آتے ہیں۔ اس لئے ہم لوح محفوظ اور قرآنی علوم کا بھی ذکر کر دیں گے۔ اسی طرح کاتب تقدیر و فرشتے

کے علوم کا بھی ذکر کر دیں گے۔
یہ تمام بحثیں علم مصطفیٰ علیہ السلام کے ثابت کرنے کو ہوں گی۔

تیسری فصل

علم غیب کے متعلق عقیدہ اور علم غیب کے مراتب کے بیان میں

علم غیب کی تین صورتیں ہیں اور ان کے پھر علیحدہ احکام ہیں (ارحامی الاعتقاد صفحہ ۵)

۱۔ انذار و اجل عالم بذات ہے۔ اس کے بغیر بتائے کوئی ایک حرف بھی نہیں جان سکتا۔

۲۔ حضور علیہ السلام اور دیگر نبیائے کرام کو رب تعالیٰ نے اپنے بعض غیب کا علم دیا۔

۳۔ حضور علیہ السلام کا علم ساری خلقت سے زیادہ ہے۔ حضرت آدم و خلیل علیہما السلام و رکن موت و شیعان بھی خلقت ہیں۔ یہ تین باتیں ضروریات دین میں سے ہیں ان کا انکار کفر ہے۔

(۱) **قسم دوم** اویسے کر مگر بھی ہاں وسط نبیائے کرام کو کچھ غیب عطا ہوتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پانچ چیزوں میں سے بہت چیزیں علم کا علم دیا۔ جو اس قسم دوم کا منکر ہے وہ مکرہ اور بد مذہب ہے کہ حدیث احادیث کا انکار کرتا ہے۔

(۱) **قسم سوم** حضور علیہ السلام کو قیامت کا بھی علم ملے گا کہ کب ہوگی۔

۲۔ تمام گزشتہ اور آئندہ واقعات جو لوح محفوظ میں ہیں ان کا ہند اس سے بھی زیادہ کا علم دیا گیا۔

۳۔ حضور علیہ السلام کو حقیقت روح اور قرآن کے سارے قشائے علم کا علم دیا گیا۔

چوتھی فصل جب علم غیب کا منکر اپنے دعوے پر دلائل قائم کرے تو چار باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ (۱) روح الغیب ملزم

۱۔ وہ آیت قطعیہ درست ہو جس کے معنی میں چند اشعار نہ نکل سکتے ہوں اور حدیث ہو تو متواتر ہو۔

۲۔ اس آیت یا حدیث سے علم کے عطا کی گئی ہو کہ ہم نے نہیں دیا۔ یا حضور علیہ السلام فرمادیں مجھ کو یہ علم نہیں دیا گیا۔

۳۔ صرف کسی بات کا ظاہر نہ فرماتا کافی نہیں ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام کو علم تو ہو مگر کسی مصیبت سے ظاہر نہ کیا ہو اسی طرح حضور علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ خدا ہی جانے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا یا مجھے کیا معلوم وغیرہ کافی نہیں کہ یہ کلمات بھی علم ذاتی کی نفی اور مخاطب کو خاموش کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔

۴۔ جس کے لئے علم کی نفی کی گئی ہو وہ وقت ہو اور در قیامت تک کا ہو اور ہر کل مصیبت امیر اور بعد قیامت کے تمام واقعات کے علم کا ہم بھی دعوے نہیں کرتے یہ چار نصیحتیں خوب خیال میں رکھی جائیں۔

پہلا باب

علم غیب کے ثبوت کے بیان میں

اس میں چھ نصیحتیں ہیں۔ پہلی فصل میں آیات قرآنیہ سے ثبوت۔ دوسری میں احادیث سے ثبوت تیسری میں حدیث کے شارحین کے پنجھی میں علمائے ائمہ اور فقہاء کے اقوال۔ چوتھیں میں خود منکرین کی کتابوں سے ثبوت۔ چوتھی میں عقلی دلائل اویسہ اللہ کے علم غیب کا بیان۔

پہلی فصل آیات قرآنیہ میں۔

(۱) وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ (پارہ سورہ ۲۰ آیت ۳)

"اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے پھر سب اشیاء ملائکہ پر پیش کیں۔"

تفسیر، رک میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَمَعْنَى تَعْلِيمِهِ أَسْمَاءَ الْمُسْتَحْيَاتِ أَنَّهُ تَعَالَى ارْزُاقُ الْإِحْسَانِ الَّتِي حَلَقَهَا وَعَلَّمَهُ أَنْ هَذَا اسْمُهُ فَهَذَا

وَهَذَا اسْمُهُ بَعِيْثٌ وَهَذَا اسْمُهُ كَذٌّ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلَّمَهُ اسْمَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى الْقِصْعَةَ الْغُرُفَةَ

حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام بتانے کے معنی یہ ہیں کہ رب تعالیٰ نے انکو وہ تمام چیزیں دکھا دیں جس کو پیدا کیا ہے اور انکو بتا دیا کہ اس کا نام گھوڑ اور اس کا نام اونٹ اور اس کا نام قلاں ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ان کو ہر چیز کے نام سکھا دیئے۔ یہاں تک کہ یہ ان اور چلو کے بھی۔

تفسیر جارن میں اسی آیت میں یہی مضمون بیان فرمایا ہے اور بھی زیادہ فرمایا۔

وَقِيلَ عَنَّمْ آدَمَ اسْمَاءَ الْمَلَائِكَةِ وَقِيلَ اسْمَاءُ ذَرِيَّتِهِ وَقِيلَ عَنَّمْهُ الْمَلْعَاتُ كُلُّهَا

”کہا گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تین فرشتوں کے نام سکھا دیئے اور کہا گیا کہ ان کی اور د کے نام اور کہا گیا کہ ان کو تمام زبانیں سکھا دیں۔“
تفسیر کبیر میں اسی آیت کے تحت ہے۔

قَوْلُهُ اِي عَنَّمْهُ صِفَاتُ لَا شَيْءٍ وَغَوِيَّهَا وَهُوَ الْمَشْهُورُ اِنْ الْمُرَادُ اسْمَاءُ كُلِّ شَيْءٍ مِنْ خَلْقٍ مِنْ
احْسَاسِ الْمُحَدَّثَاتِ مِنْ حَمِيعِ اللُّغَاتِ الْمُحْتَضَةِ الَّتِي يَتَكَلَّمُ بِهَا وَلَدُ آدَمَ الْيَوْمَ مِنَ الْعَرَبِيَّةِ
وَالْفَارْسِيَّةِ وَالرُّومِيَّةِ وَغَيْرِهَا

آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے اوصاف اور ان کے حالات سکھا دیئے اور یہ بھی مشہور ہے کہ ہر مخلوق میں سے ہر حادث کی صفات کے سارے نام
ہیں جو تلف زبانوں میں ہو گئے۔ حکماء و آدم آج تک ہونے والے ہیں۔ عربی۔ فارسی۔ رومی وغیرہ۔
تفسیر ابواسمہ دہلی اسی آیت کے تحت ہے۔

وَقِيلَ اسْمَاءَ مَا كَانُ وَمَا يَكُونُ وَقِيلَ اسْمَاءَ حَلِيقَةٍ مِنَ الْمَعْمُولَاتِ وَالْمَحْسُوسَاتِ وَالْمُنْحَيَّلَاتِ
وَالْمَوْهُومَاتِ وَبِهِمْ مَعْرِفَةُ دَوَاتِ الْأَشْيَاءِ وَاسْمَاءُهَا وَحَوَاصِهَا وَمَعَارِفُهَا ضُلُ
الْعَمِّ وَقَوَائِسُ الصُّعَاتِ وَمَوَاصِلُ الْأَنْهَاءِ وَكَمْعَةُ اسْمَاعِلَہَا

”کہا گیا کہ حضرت آدم کو گزشتہ و آئندہ چیزوں کے نام بتا دیئے اور کہا گیا ہے کہ اپنی ساری مخلوق کے نام بتا دیئے عقلی، حسی، خیالی، وہابی چیزیں
بتا دیں، جہر و کبریات، ان کے ناموں کے خالص اس کی پہچان، علم کے قواعد، ہنروں کے قانونوں، ان کے اور اوروں کی تفصیلات اور ان کے استعمال
کے طریقے کا علم حضرت آدم کو اپنا مفروضہ۔“
تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے تحت ہے۔

وَعَنَّمْهُ اَحْوَالُهَا وَمَا يَتَعَلَّقُ بِهَا مِنَ الْمَنَافِعِ الْمَذْبُورَةِ وَعَنَّمْ اسْمَاءَ الْمَلَائِكَةِ وَاسْمَاءَ ذَرِ
يَّتِهِ وَاسْمَاءَ الْحَيَوَانَاتِ وَالْحَمْدَاتِ وَصِفَةِ كُلِّ شَيْءٍ وَاسْمَاءَ الْمَدَنِ وَنَقَرِهَا وَاسْمَاءَ الطَّيْرِ
وَالشَّجَرِ وَمَا يَكُونُ وَاسْمَاءَ كُلِّ شَيْءٍ بِحَسْبِهَا لِي يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَاسْمَاءَ الْمَطْعُومَاتِ وَالْمَشْرُوبَاتِ
وَكُلِّ نَعِيمٍ فِي الْجَنَّةِ وَاسْمَاءَ كُلِّ شَيْءٍ وَفِي الْحَجَرِ عَنَّمْهُ سَبْعُ مِائَةِ لُغَةٍ
”اور حضرت آدم کو چیزوں کے حالات سکھاتے اور جو کچھ ان میں رہی، ان کی نفع میں دو تائے اور ان کو فرشتوں کے نام ان کی اور درجہ ثبات اور جمادات
کے نام بتائے اور ہر چیز کا نام بتایا تمام شہروں اور گاؤں کے نام پرندوں اور درختوں کے نام جو ہو چکا جو کچھ بھی ہو گا ان کے نام اور جو تھمت تک
پیدا فرمایا ان کے نام اور کھانے پینے کی چیزوں کے نام نہایت کی ہر نعمت فرمیکہ ہر چیز کے نام بتا دیئے حدیث میں ہے کہ حضرت آدم کو سات لاکھ
زبانیں سکھائی گئیں۔“

ان تفسیروں سے اتنا معلوم ہوا کہ ان کو تمام چیزوں کے نام سکھائے گئے اور ان کی چیزوں کے نفع و ضرر بتائے گئے
طریقے۔ آلات کا استعمال سب دکھا دیئے۔ لیکن اب میرے قارئین صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم تو دیکھو۔ حق یہ ہے کہ یہ علم آدم میرے آقا کے علم کے
دریا کا ایک قطرہ، میدان کا ایک درہ ہیں۔ شیخ ابن عربی فتوحات کبریٰ باب دہم میں فرماتے ہیں۔

أَوَّلُ نَائِبٍ كُنْ لَهُ صُنِّي اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَلِيقَتُهُ آدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ
”حضور علیہ السلام کے پہلے خلیفہ اور نائب آدم علیہ السلام ہیں۔“

معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام حضور علیہ السلام کے خلیفہ ہیں۔ خلیفہ اس کو کہتے ہیں جو اصل کی غیر موجودگی میں اس کی جگہ کام کرے۔ حضور علیہ
السلام کی پیدائش پاک سے قبل سارے انبیاء حضور علیہ السلام کے نائب تھے یہ مولوی قاسم صاحب نے بھی تجھ پر وراثت میں لکھا ہے۔ جیسا کہ ہم
بیان کریں گے خلیفہ کے علم کا یہ حال ہے۔ نسیم اریاض شرح شفا قاضی میاض میں ہے۔

أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ غُرِصَتُ عَلَيْهِ الْحَلَاوُ مِنْ لُذُنِ آدَمَ إِلَى قِيَامِ الشَّعَةِ فَعَرَفَهُمْ كُنْهُمْ كَمَا عَلَّمَ آدَمَ
الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا

”حضور علیہ السلام پر ساری مخلوقات از حضرت آدم تا روز قیامت پیش کی گئیں پس ان سب کو پہچان یا جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سب نام

”کھائے۔“

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام سب کو جانتے پہچانتے تھے۔

۲ و یُکُونُ الرَّسُولُ عَبْدُكَ شَهِيدًا بِرَدِّ ۲ سُوْرَةُ ۲ اٰیٰت ۳ ”اور یہ رسول تمہارے مجاہدین و گواہ ہوں۔“
تفسیر عزیزی میں اسی آیت کے تحت ہے۔

رسول علیہ السلام مطلع است ہر یوت ہر دین ہر قدین ہر دین خود کہ در کہ ام وچہ از دین من رسیدہ و حقیقت یہاں واضحست و جابے کہ ہر اس ترقی
محبوب مانند ست کد ام ست ہر دے شتا سد گناہاں شمار اور درجات ایماں شمار و اعمال بد و نیک شمار و اعدا و افاق شمار الہذا شہادت اور دینی حکم
شرع و حق است مقبول واجب العمل است۔

”حضور علیہ السلام اپنے نور نبوت کی وجہ سے ہر دین و ر کے دین کو جانتے ہیں کہ دین کے کس درجہ تک پہنچا ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے۔
اور کون سا حجاب اس کی ترقی سے مانع ہے پس حضور علیہ السلام تمہارے من ہوں کہ اور تمہارے ایمانی درجات کو اور تمہارے نیک و بد اعمال اور
تمہارے غلام و رفاق کو پہچانتے ہیں ہذا اس کی گواہی دنیا میں حکم شرع منہ کے حق میں قبول اور واجب اصل ہے۔“
تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے تحت ہے۔

هٰذَا مِثْرِيْ عَسٰی تَصْمِيْحُ الشَّهِيدِ مَعِيَ الرَّاقِبِ وَ الْمَطْلَعِ وَ الْوَحٰةِ فِیْ اَعْتِبَارِ تَصْمِيْحِ الشَّهِيدِ الْاِ
شَارَةُ لٰی اَنْ اَتَعْدِلَ وَ اَتَدْكِبَ نَدَّ يَكُوْنُ عَنْ خُبْرَةٍ وَ مُرَاقِبَةٍ بِحَالِ الشَّاهِدِ وَ مَعِيَ شَهَادَةُ
الرَّسُوْلِ عَلَيْهِمُ اَطْلَاعُهُ رُتَبَةً كُنْ مُتَدَبِّرٌ بَدَنَهُ لِيُوْ يَعْرِفَ دُنُوْهُمْ وَ حَقِيْقَةُ اِيْمَانِهِمْ وَ اَعْمَالِهِمْ
وَ حَسَنَاتِهِمْ وَ سَيِّئَاتِهِمْ وَ اَحْلَاصِهِمْ وَ مَنَافِقِهِمْ وَ عِبَرِ دَلِكْ سُوْرِ الْحَقِّ وَ اَمْنُهُ يَعْرِفُوْنَ دَلِكْ مِنْ
سَائِرِ الْاَقَمِ بِنُوْرِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ

”یہ سب بتا رہے ہیں کہ کلمہ شہید میں محافل اور خبر دے کے معنی بھی شامل ہیں اور اس معنی کے شامل کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ کسی کو عا دس کہنا اور
مغفائی کی گواہی دینا گواہ کے حارت پر مطلع ہونے سے ہو سکتا ہے۔ اور حضور علیہ السلام کی مسلمانوں پر گواہی دینے کے معنی یہ ہیں کہ حضور علیہ السلام
ہر دین و ر کے دینی مرتبہ کو پہچانتے ہیں پس حضور علیہ السلام مسلمانوں کے گناہوں کو انکے ایمان کی حقیقت کو ان کے اچھے برے اعمال کو ان کے
غلام و رفاق و غیرہ کو نور حق سے پہچانتے ہیں اور حضور علیہ السلام کی منہ بھی قیامت میں ہماری انہوں کے یہ حارت چاہے کی مگر حضور علیہ
اسلام کے نور سے۔“

تفسیر خازن میں اسی آیت کے تحت ہے۔

ثُمَّ يُوْصٰی بِمُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَسْأَلُهُ عَنْ اَمْنِهِ فَيُرْ كَبِهِمْ وَ يَسْأَلُهُ بِصَدَقِهِمْ

”پھر قیامت میں حضور علیہ السلام کو بلایا جائیگا پس رب تعالیٰ حضور علیہ السلام سے آپ کی امت کے حارت پوچھے تو آپ انکی مغفائی کی گواہی دیں
گے اور انکی سچائی کی گواہی دیجئے۔“

تفسیر عارک پارہ ۱ سورہ بقرہ میں اسی آیت کے تحت ہے۔

فَيُوْصٰی بِمُحَمَّدٍ فَيَسْأَلُ عَنْ اَمْنِهِ فَيُرْ كَبِهِمْ وَ يَسْأَلُهُ بِصَدَقِهِمْ وَ يَعْنِيْ بِمَعْنٰى التَّكْبِيْرِ

”پھر حضور علیہ السلام کو بلایا جائیگا اور آپکی منہ کے حارت پوچھے جائیں گے پس آپ اپنی منہ کی مغفائی بیان کریں گے اور انکے عا دس ہو چکی گواہی
دیجئے لہذا حضور علیہ السلام تمہاری عداوت کو جانتے ہیں۔“

اس آیت اور ان تفاسیر میں یہ فرمایا گیا کہ قیامت کے دن دوسرے ایمانے کرام کی امتیں بارگاہ الہی میں عرض کریں گی کہ ہمارے پاس تیرا کوئی پیغمبر
نہ پہنچا۔ اس امتوں کے نبی عرض کریں گے کہ خدایا ہم ان میں گئے تیرے احکام پہنچائے مگر ان لوگوں سے قبول نہ کئے۔ رب تعالیٰ کا عیادہ کو حکم ہوگا
کہ چونکہ تم معنی ہو پتا کوئی گواہ دے۔ دوائی گواہی کے لئے منہ مصطفیٰ علیہ السلام کو پیش فرمائیے مسلمان گواہی دیں گے کہ خدایا تیرے پیغمبر پہنچے
ہیں، انہوں نے تیرے احکام پہنچائے تھے۔

ب دو باتیں تحقیق کے لائق ہیں۔ اوں یہ کہ مسلمان گواہی کے قابل ہیں یا نہیں (حق و باطل کا فرق کو ہی بخیر نشانی ہوتی۔ مسلمان پر بیزارگی گواہی قبول ہوتی ہے)
دوسرے یہ کہ اس لوگوں کے اپنے سے پہلے پیغمبروں کا رہنہ نہ دیکھا تھا۔ پھر گواہی کس طرح دے رہے ہیں مسلمان عرض کریں گے کہ خدایا ہم سے
تیرے محبوب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ پہلے پیغمبروں کے تبلیغ کی تھی اس کو سن کر ہم گواہی دے رہے ہیں تب حضور علیہ السلام کو بلایا جائیگا اور

حضور علیہ السلام وہ باتوں کی گواہی دیں گے ایک یہ کہ بونگ فاسق یا کافر نہیں جا کر ان کی گواہی قبول نہ ہو۔ بلکہ مسلمان اور پرہیزگار ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہاں ہم نے ان سے کہا تھا کہ پہلے میوں نے اپنی قوم تک احکام اہل یہ پہنچائے تب ان خلیفوں کے حق میں ڈگری ہوگی۔

اس واقعہ سے چند باتیں حاصل ہوئیں۔ ایک یہ کہ حضور علیہ السلام قیامت تک کے مسلمان کے ایمان میں روزہ، نماز و نہایت سے بالکل خبردار ہیں ورنہ پہلی یعنی صفائی کہ گواہی کیسی ممکن نہیں کہ ایک مسلمان کا بھی کوئی حال آپ سے چھپا رہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی آنے والی نسل کا حال معلوم فرمایا کہ خدا یاں کی اور دہم کی گروہی تو کافر ہوگی **وَلَا يَلِدُ وَلَا يُولَدُ** "الاف حرا کفاراً" بعد ازاں کو فرق کر دے حضرت خضر علیہ السلام نے جس بچے کو قتل فرمایا اس کا آئندہ حال معلوم کر لیا تھا کہ آئندہ اگر زندہ رہا تو سرکش ہوگا تو سید، نبی یا علیہ السلام پر کسی کا حال کیونکر چھپ سکتا ہے دوسرے یہ کہ گروہی خلیفوں اور ان کی انہوں کے حالات حضور علیہ السلام نے خود نبوت دیکھے تھے ورنہ آپ کی گواہی دیکھی ہوئی تھی اگر سنی ہوئی ہوتی تو ایسی گواہی تو اس سے پہلے مسلمان بھی دے چکے تھے کسی گواہی کی انتہا دیکھی گواہی پر ہوتی ہے تیسرے یہ بھی معلوم ہو کہ رب تعالیٰ تو جانتا ہے کہ سچے نبی ہیں مگر پھر بھی گواہیاں لے کر فیصلہ فرماتا ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام مقدمات میں تحقیق فرمادیں درگواہیاں وغیرہ میں تو اس سے رازم یہ نہیں آتا کہ حضور علیہ السلام کو خبر نہ ہو۔ بلکہ مقدمات کا قاعدہ یہی ہوتا ہے اور زیادہ تحقیق اس کی دیکھ ہو تو ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں آیات القرآن میں دیکھیں گواہی کا ذکر آئندہ آیت میں بھی ہے۔

۳۴ **وَحَنَّا بَكَ عَلِيٍّ هَوَاءَ شَهِيدًا** پروردگار! تیرا گواہی ہے کہ

"اور اے محبوب تم کو ان سب پر گواہی دے گا کہ ہم لاؤ چکے۔"

تفسیر نیشاپوری میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

لَا زَوْجَ عَلَيْهِ السَّلَامُ هَذِهِ عَلَى جَمِيعِ الْأَرْوَاحِ وَالْمَعْنُوتِ وَالْمَعْنُوتِ مَعْنُوتُهُ السَّلَامَةُ نَزَلَ مَا حَقَّقَ اللَّهُ نَبِيَّيَ "اس لئے حضور علیہ السلام کی روح مبارک تمام روحوں اور معنوتوں کے دیکھنے والی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ نے جو پہلے پیدا فرمایا وہ میرا نور ہے۔

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَأَعْلَمُ أَنَّهُ يَعْرِضُ عَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَمَلُ أَمْنِهِ عَدُوهُ وَعَنْبَاءُ فِعْرِهِمْ عَسَاءَ فَمَنْ لَدَيْكَ بِشَهِيدٍ عَلَيْهِمْ "حضور علیہ السلام پر آپ کی امت کے اعمال صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں بہت آپ انہ کو ان کی عادات سے جانتے ہیں اور ان کے اعمال کو بھی اس لئے آپ ان پر گواہی دینگے۔

اتَىٰ هَذَا عَلِيٌّ مِنْ أَمْرِ بِالْإِيمَانِ وَعَمِيٍّ مِنْ كُفْرٍ بِالْكَفَرِ وَعَلِيٌّ مِنْ نَافِقٍ مَالِئِ

"حضور علیہ السلام گواہ ہیں منافقوں پر کئے ایمان کے کافروں پر ان کے کفر کے منافقوں پر ان کے نفاق کے۔"

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہو کہ حضور علیہ السلام زماں و مکان و قیامت تمام لوگوں کے کفر و ایمان و احوال و غیرہ سب کو جانتے ہیں اسی لئے آپ سب کے گواہ ہیں یہی تو علم غیب ہے۔

۳۵ **مِنْ دَلِيلِي بِشَفْعِ عَمَلِهِ الْإِبَادَةِ بَعْدَهُ**

وہ کو ہے جو اس کے یہاں شفاعت کرے پھر ان کے عَمَل کے جانا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔

تفسیر نیشاپوری میں اس آیت کے ماتحت ہے۔

يَعْلَمُ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ مِنْ أَرْوَاحٍ لِحَالَتِهَا وَمَا حَقَّقَهُمْ مِنْ أَحْوَالِ الْقِيَامَةِ "حضور علیہ السلام مخلوق کے پسے کے اوں محالہات بھی جانتے ہیں اور جو مخلوق کے بعد قیامت کے احوال میں وہ بھی جانتے ہیں۔"

روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

يَعْلَمُ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ مِنْ أَمْوَالٍ لِحَالَتِهَا وَمَا حَقَّقَهُمْ مِنْ أَحْوَالِ الْقِيَامَةِ وَالْفَرْعُ الْخَلْقِ وَالْغَضَبُ لِرُبِّ

"حضور علیہ السلام مخلوق کے پسے کے حالات جانتے ہیں اللہ تعالیٰ کے مخلوقات کو پیدا کر کے پہلے کے وقت تھا اور ان کے پیچھے کے حالات بھی جانتے ہیں قیامت کے احوال مخلوق کی گھبراہٹ اور رب تعالیٰ کا غضب وغیرہ۔"

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ آیت انگریزی میں **دَلِيلِي** سے لیکر **الْإِبَادَةِ** تک تین صفات حضور علیہ السلام کے بیان

ہوئے۔ ہاں اس واقعہ میں صفات الہیہ ہیں۔ اس میں فرمایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے پاس کوئی بھی اجازت کسی کی شفاعت نہیں کر سکتا اور جن کو شفاعت کی اجازت ہے وہ حضور علیہ السلام ہیں در شفعی کے لئے ضروری ہے کہ گناہگاروں کے اس امر اور ان کے حالات سے واقف ہوتا کہ نازل کی شفاعت نہ ہو جائے اور مستحق شفاعت سے محروم نہ رہ جائیں جیسے طبیب کے لئے ضروری ہے کہ قابل علاج اور لاعلاج مریضوں کو جائے تو فرمایا گیا **یَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ** کہ جس کو ہم نے شفیع بنایا ہے۔ اس کو تمام کام بھی دیا ہے کیوں کہ شفاعت کبریٰ کے لئے علم غیب لازمی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام قیامت میں منافقین کو نہ بچائیں گے۔ یا حضور علیہ السلام کو اپنی بھی خبر نہیں کہ میرا کیا انجام ہوگا محض غلط اور بے دینی ہے جیسا کہ آئندہ آتا ہے **وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ** اور وہ نہیں پاتے اس کے علم میں مگر جتنا وہ چاہے۔

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے تحت ہے۔

يَحْتَمِلُ أَنْ تَكُونَ لَهُمْ كِتَابَةٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ یعنی ہو شاہد عسی احوالہم بعلم ما بین ایدیہم میں سیرہم و معاملاہم و قصصہم و ما حلفہم من أمور الا حرہ و احوال ہل الحثہ و لئار و ہم لا یعلمون شیئاً من معلوماتہ لا بما شاء من معلوماتہ عدم لا ولیاء من عدم الا بیاء بصیرلہ قطرہ من سبعة ابحر و عدم لا بیاء من علم سینا علیہ السلام بہدہ المرلہ فکل رسول و سئی و ولی۔ ائحدون بقدر القدیۃ و الاستعداد من مدیہ و لیس لاحد ان یعدوہ او یفہم علیہ

احتمال یہ بھی ہے اس خمیر سے حضور علیہ السلام مراد ہوں یعنی حضور علیہ السلام کو گونگے حالات کو مشاہدہ فرمانے والے ہیں اور ان کے سامنے کے حالات جانتے ہیں گئے خلاق انکے معادلات اور انکے قصے وغیرہ اور انکے پیچھے کے حالات بھی جانتے ہیں آخرت کے احوال جتنی دورخی لوگوں کے حالات درود لوگ حضور علیہ السلام کے معلومات میں سے کچھ بھی نہیں جانتے مگر اسی قدر جانتا کہ حضور چاہیں اور یہ اللہ کا علم غیبیہ کے سامنے ایسا ہے جیسے ایک قطرہ سات سمندروں کے سامنے اور جیہا کا علم حضور علیہ السلام کے علم کے سامنے اسی درجہ کا ہے اور ہمارے حضور علیہ السلام کا علم رب العالمین کے سامنے اسی درجہ کا۔ جس ہر نبی اور ہر رسول اور ہر پیغمبر اپنی استعداد اور قابلیت کے موافق حضور سے ہی جیتے ہیں اور کسی کو یہ ممکن نہیں کہ حضور علیہ السلام سے آگے بڑھ جائے۔

تفسیر خازن میں اسی آیت کے تحت ہے۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ و **لَوْ سَأَلَ لَرُئِيَ** و **لَيَكُونُ مَا بَيْنَهُمْ عَلَيْهِ مِنْ عِلْمٍ** دلیلاً عسی یؤتیہم کم قال اللہ تعالیٰ **وَلَا يَظْهَرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدٌ** ل من ار قصی من رؤسوں

یعنی خدا تعالیٰ انکو اپنے علم پر اطلاع دیتا ہے درود انبیاء و رسول ہیں تاکہ اس کا علم غیب پر مطلق ہوتا انکی ہمت کی دلیل ہو جیسے رب نے فرمایا ہے کہ جس نہیں ظاہر فرماتا اپنے غیب خاص پر کسی کو سوائے اس کے رسول جس سے رب راضی ہے۔

تفسیر معالم العقول میں اسی آیت کے تحت ہے۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ و **لَوْ سَأَلَ لَرُئِيَ** و **لَيَكُونُ مَا بَيْنَهُمْ عَلَيْهِ مِنْ عِلْمٍ** دلیلاً عسی یؤتیہم کم قال اللہ تعالیٰ **وَلَا يَظْهَرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدٌ** ل من ار قصی من رؤسوں

یعنی یہ لوگ علم غیب کو نہیں گھیر سکتے مگر جس قدر کہ چاہے جس کی خبر رسولوں نے دی۔

اس آیت اور ان تفسیر سے اتنا معلوم ہوا کہ اس آیت میں یا تو خدا کا علم مرد ہے خدا کا علم کسی کو حاصل نہیں ہاں جس کو رب ہی دینا چاہے تو اس کو علم غیب حاصل ہوتا ہے اور رب تو انبیاء کو دیا اور انبیاء کے درمیان سے بعض مومنین کو دیا۔ لہذا ان کو بھی۔ عطا ہے کسی علم غیب حاصل ہو۔ کتنا دیا اس کا ذکر آئندہ آوے گا۔

یاد رہے کہ حضور علیہ السلام کے علم کو کوئی نہیں پاسکتا۔ مگر جس کو حضور علیہ السلام ہی دینا چاہیں تو عطا فرمادیں۔ لہذا حضرت آدم تبارق قیامت جس کو جس قدر علم ملے۔ وہ حضور علیہ السلام کے علم دیا کے دریا کا قطرہ ہے اس میں حضرت آدم اور فرشتوں وغیرہ کا علم بھی شامل ہے در حضرت آدم علیہ السلام کے علم کی وسعت ہم علم آدم کی آیت کے تحت بیان کر چکے ہیں۔

(۵) **وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْهِرَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْنِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ** (بقرہ سورہ ۳ آیت ۷) اور اللہ کی مشابہت نہیں ہے کہ اسے عام کو حق کو غیب کا علم دے ہاں اللہ جن جتنا چاہے رسولوں میں سے جس کو چاہے۔

آپ نہ جانتے تھے۔

اس آیت اور تفاسیر سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو قرآن آئندہ اور گزشتہ واقعات کی خبر دے دی گئی۔ مگر عربی زبان میں عموم کے لئے ہوتا ہے تو آیت سے یہ معلوم ہو کہ شریعت کے احکام دنیا کے سارے واقعات، لوگوں کے ایسی فیعیات وغیرہ جو کچھ بھی آپ کے علم میں تھا سب ہی بتا دیا اس میں یہ قید لگانا کہ اس سے مراد صرف احکام ہیں اپنی طرف سے قید ہے جو قرآن وحدیث اور امت کا عقیدہ کے خلاف ہے۔ جیسا کہ سند بیان ہوگا۔

(۷) مَا فُرِطَ فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ اِنَّ لَفُرَانَ مُشْتَمِلًا عَلٰی جَمِيعِ لَا حَوَالٍ (حارون)

”ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھاندا تھا قرآن کریم تمام حالات پر شامل ہے۔ (حارون)“

تفسیر انوار منظریں میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

یہی سُوْح الْمَحْفُوْظُ فَانَّهُ مُشْتَمِلٌ عَلٰی مَا يَحْتَرٰی فِي الْكِتَابِ مِنْ حَبْلِ رَ دَقِيْقٍ سَهْ يَمْلِكُ فِيْهِ اَمْرٌ حَيَوٰى وَلَا جَمَادٍ
”کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے کیونکہ یہ لوح محفوظ باتوں پر مشتمل ہے جو عام میں ہوتا ہے ہر ظاہر اور باہر ایک اس میں کسی حیوان اور جماد کا معائنہ چھوڑا نہ گیا۔“

تفسیر مرآۃ البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

ای مَا فُرِطًا فِي الْكِتَابِ دَكْرٌ حَدَّثَ مِنْ حَلَقٍ مَّكِّنَ لَا يَبْصُرُ دَكْرٌ فِي الْكِتَابِ اَلَا يُؤَيِّدُوْنَ بِاَوَّلِ الْمَعْرِفَةِ
”یعنی اس کتاب میں کلمات میں سے کسی کا ذکر چھوڑا ہے لیکن اس ذکر کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ مگر وہ جسکی معرفت کے انور سے تائید کی گئی ہو۔“
امام شمرانی طبقات کبر نے میں فرماتے ہیں۔۔۔ خود روح الامن ص ۵۵

لَوْ فَتَحَ اللّٰهُ عَنِ قُلُوْبِكُمْ اَفْصَالَ الْمَسَدِ لَا ضَعْفَ عَلٰی مَا فِيْ بُرَانَ مِنَ الْعُلُوْمِ وَ سَتَغِيْثُ عَنْ النُّظَرِ فِيْ
سُوْرَةٍ فَنَ فِيْهِ جَمِيعُ مَا رَفَعْنَا فِيْ صَفَحَاتٍ مَّا خُوْدَقْنَا لَللّٰهِ مَا فُرِطَ فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ
”اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کے بند قفل کھول دے تو قرآن معلوم پر مطلع ہو جائے جو قرآن میں ہیں۔“ اور قرآن کے سوا دوسرے چیز سے ہے پر وہ ہو جائے۔
کیونکہ قرآن میں تمام وہ چیزیں ہیں جو وجود کے سطحوں میں نکلی ہیں، رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَا فُرِطَ فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ
اس آیت اور تفاسیر سے معلوم ہوا کہ کتاب میں دنیا و آخرت کے سارے حالات موجود ہیں اب کتاب سے مراد یا تو قرآن ہے یا لوح محفوظ۔ در قرآن بھی حضور علیہ السلام کے علم میں ہے اور لوح محفوظ بھی جیسا کہ آئندہ آدے گا۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ تمام دنیا و آخرت کے حالات حضور علیہ السلام کے علم میں ہوئے۔ کیونکہ سارے علوم قرآن اور لوح محفوظ میں ہیں۔ اور قرآن دونوں محفوظ حضور کے علم میں ہیں۔

۸. وَلَا رَطْبٌ وَلَا يَابِسٌ اَلَا فِيْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۝۶۵ سُوْرہٴ ۶۵ یٰۤاٰی ۵۹

(روح بیاں) هُوَ اَلْبُوْحُ الْمَحْفُوْظُ فَهَدَّ صَبْطُ اللّٰهِ فِيْهِ جَمِيعُ الْمَفْذُوْرَاتِ الْكُوْبِيَةِ لِهٰوْنَدٍ تَرْجِعُ اِلٰی
الْعَبْدِ يَعْرِفُهَا الْعُلَمَاءُ بِاللّٰهِ (تفسیر کبریٰ عی آیت) وَ اِنْدَ هٰذَا الْكِتَابِ اَمُوْرٌ حَذَّاهُ تَهْ نَعَالِيْ كِتَابٍ هَدَّهٖ اَلَا
حَوَالٍ فِيْ اَلْبُوْحِ الْمَحْفُوْظِ تَنْفَعُ الْمَسْكَةُ عَلٰی مَا دَعَمَ اللّٰهُ فِي الْمَعْنُوْمَاتِ لِيَكُوْنَ دَكْرٌ
عِبْرَةً مِّنْ كَامِلَةٍ لِلْمَسْكَةِ اَلْمُوْتَحِنِ بِالْبُوْحِ الْمَحْفُوْظِ لَا تُهْمُ يُقَابِلُوْنَ بِهِ مَا يَحْدُثُ فِيْ صَحِيْفَةِ هٰذَا
الْعَالَمِ فِيْحَذُوْهُ مُوْ فَصَّالَهُ (تفسیر حارون عی آیت) وَ اِنْشَاءً اِنْ اَمْرًا بِالْكِتَابِ الْمُبِيْنِ هُوَ اَلْبُوْحُ الْمَحْفُوْظُ
لَا اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ فِيْهِ عِلْمَ مَا يَكُوْنُ وَمَا قَدْ كَانَ قَبْلَ اَنْ يَّحْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَئِنْ اَحْصٰى
الْاَشْيَاءَ كُنْهًا فِيْ هٰذَا الْكِتَابِ تَنْفَعُ الْمَسْكَةُ عَلٰی مَا دَعَمَ

”وہ لوح محفوظ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ساری ہوسکنے والی چیزیں جمع فرمادیں۔ ان فائدوں کی وجہوں سے جو بندوں کی طرف ہوتے ہیں۔ انکو
صلائے ربانی جاتے ہیں اس لکھنے میں چند فائدے ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان حالات کو لوح محفوظ میں اس لئے لکھا تھا۔ تاکہ مانگہ خبردار
ہو جائیں ان معلومات میں علم الہی جاری ہوتے پر یہی بات ان فرشتوں کے لئے چوری چوری عبرت بن جائے جو لوح محفوظ پر مقرر ہیں کیونکہ وہ
فرشتے واقعات کا اس تحریر سے مقابلہ کرتے ہیں جو عام میں نئے نئے ہوتے رہتے ہیں تو اس کو لوح محفوظ کے موافق پاتے ہیں دوسری وجہ یہ
ہے کہ کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں جو کچھ ہوگا اور جو کچھ سماں دہش کی پیدائش سے پہلے ہو چکا سب کا علم لکھ دیا

اور اس تمام چیزوں کے لکھنے سے اس کتاب میں فائدہ یہ ہے کہ فرشتے انکے علم کے جاری کرنے پر واقف ہو جائیں۔“

تفسیر رک یہی آیت **هُوَ عِلْمُ اللَّهِ وَاللُّوحُ** ”وہ کتاب یا تو علم لئی ہے یا لوح محفوظ۔“

تفسیر نور امتیاس میں تفسیر بر عہد اس میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

كُلُّ ذَلِكَ فِي لُوحٍ الْمَحْفُوظِ مَبِينٍ مَّفْدُوحًا وَفَتْحًا

”یہ تمام چیزیں لوح محفوظ میں ہیں کہ اس کی مقدار اور اس کا وقت بیان کر دیا گیا ہے۔“

اس آیت اور ان تفسیر سے معلوم ہوا کہ لوح محفوظ میں ہر شے کی اصل چیز ہے اور لوح محفوظ و فرشتے اور اللہ کے خاص بندے جانتے ہیں اور علم مصطفیٰ علیہ السلام اس سب کو محیط ہے ہذا یہ تمام علوم علم مصطفیٰ علیہ السلام کے دریا کے قطرے ہیں۔

(۹) **بَرَأَ عَيْكَ لِكِتَابٍ بَيِّنًا لِّكُلِّ شَيْءٍ** بارہ سورہ ۶۰ آیت ۸۹

”اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔“

تفسیر جیتی یہی آیت **بَرَأَ عَيْكَ لِكِتَابٍ بَرَأَ قُرْآنٍ بَيِّنًا لِّكُلِّ شَيْءٍ** روشن ہونے

ہمہ چیز اور امور دیں و دیا تفصیل و اجمال (تفسیر روح البیان یہی آیت) **بَيِّنًا لِّكُلِّ شَيْءٍ** میں اس کا لک

أَحْوَالُ الْأَنْبِيَاءِ هُمْ (تفسیر تکان یہی آیت) **قَالَ الْمُسَاهِدُ** یوما ما من شئی فی العالم الا هو فی

کتاب اللہ فقیل له فاس ذکر العبادات فقال فی قوله لیس عینکم **خُشَاعٌ** ان تدخنو بیوتنا غیر

مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ

”ہم نے آپ پر یہ کتاب قرآن دین و دنیا کی ہر چیز کا روشن بیان بنا کر بھیجی تفصیل و اجمال۔ اس کے بیان کیلئے جو اپنی چیزوں سے تعلق رکھتی ہوں اور اس میں سے انہوں اور انکے پیروں کے حالات ہیں حضرت مجاہد نے ایک دن فرمایا کہ عوام میں کوئی شے ایسی نہیں جو قرآن میں نہ ہو تو ان سے کہا گیا کہ سراپا نکاد کر کہاں ہے انہوں نے فرمایا کہ اس آیت میں ہے کہ تم پر گناہ نہیں کہ تم ان گھروں میں داخل ہو جس میں کوئی رہتا نہ ہو اور تمہارا دم اس سامان ہو۔“

اس آیت اور اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں ہر دنیوی و دینی چیز ہے اور قرآن رب تعالیٰ نے محبوب علیہ السلام کو سکھایا **الرَّحْمَنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ** یہ تمام چیزیں علم مصطفیٰ علیہ السلام میں آئیں۔

(۱۰) **وَتَفْصِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ** بارہ سورہ ۶۰ آیت ۳

”اور لوح محفوظ میں جو کچھ لکھا ہے قرآن سب کی تفصیل ہے اس میں کچھ شک نہیں۔“

(جہاں یہی آیت) **تَفْصِيلُ الْكِتَابِ نَبِيْنُ مَا كَتَبَ اللَّهُ تَعَالَى مِنْ الْأَحْكَامِ وَعِبْرًا** (جمل یہی آیت) ای فی

اللُّوحِ الْمَحْفُوظِ (روح البیان یہی آیت) ای و تفصیل ما خلق و انبأ من الحقائق و الشرائع و فی

الْأَوِيَّاتِ السَّحْمِيَةِ ای تفصیل الجملة لئی ہی المنقذ المكنوث فی الكتب الادی لا يتطرق اليه

الْمَحْوُ وَالْإِتْبَاطُ لِأَنَّهُ أَرْزَلِيٌّ أَبَدِيٌّ

یہ تفصیل کتاب ہے اس میں وہ احکام اور اس کے سوا دوسری چیزیں بیان کی جاتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیں۔ یہی لوح محفوظ میں تفصیل ہے۔ یہی یہ قرآن ان شری و حقیقت کی چیزوں کی تفصیل ہے جو ثابت کی جا چکی ہیں اور ثابت و حدیث تجزیہ میں ہے کہ اس تمام کی تفصیل ہے جو تقدیر میں لکھی ہیں اور اس کتاب میں لکھی جا چکی ہیں جس میں رد و بدل نہیں ہوتا کیونکہ وہ کتاب ابدی و ہدی ہے۔

اس آیت میں سارے تفسیر سے ثابت ہو کہ قرآن کریم میں احکام شرعیہ اور تمام علوم موجود ہیں۔ اس آیت سے پتہ لگا کہ قرآن میں سارے لوح

محفوظ کی تفصیل ہے اور لوح محفوظ میں سارے علوم ہیں۔ **وَلَا رَطْبٌ وَلَا يَابِسٌ إِلَّا فِي كِتَابٍ نَّبِيسٍ** اور قرآن حضور علیہ السلام کے

علم میں ہے۔ **الرَّحْمَنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ** ہذا سر لوح محفوظ حضور علیہ السلام کے علم میں ہے کیونکہ قرآن لوح محفوظ کی تفصیل ہے۔

(۱) **مَكَانِ حَدِيثِ أَنْصَرِي وَلَكِنْ تَصَدِّقُ الْإِدْيِ بِيْنِ يَدِهِ وَتَفْصِيلُ كُنْ شَيْءٍ** (بارہ سورہ ۶۰ آیت ۱)

(تفسیر عازری یہی آیت) یعنی فی ہذا القرآن المنزل علیک یا محمدؐ تفصیل کُل تحت خُ الیہ من الحلال و الحرام و الخُذود و الا حُکُم و الفُصص و الموعظ و الامثال و غیر دَلک مَما یُحُتُخ الیہ العباد فی امر دسہم و ذیابہم تفسیر حسی میں ہے و تفصیل کُل شئی ما من شئی فی العدم الا ہو فی کتاب اللہ تعالیٰ "یعنی اس قرآن میں ہر اس چیز کا بیان ہمد چیز یا کلمات یا شہد در دین و دنیا۔"

(۱۲) لَوْ حَمَلَ عِلْمُهُ الْقُرْآنَ ۝ حَقِی الْاِسْمُ ۝ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ ۝ پارہ ۲ - سورہ ۵۵ آیت ۴۵) تفسیر معالم القزلی و سبکی یہی آیت حق الاسماء ہی محمدؐ علیہ سلام عظمہ بیان یعنی یہاں ہا کُن و مایکُنوں سے کئی بیانات کی بات نہیں اسے سے اگلی کلاسوں کی تحدیق سے اور ہر چیز کا مفصل بیان۔ یہی اس قرآن میں جو آپ پر اتارا گیا۔ "محمد ﷺ ہر اس چیز کی تفصیل ہے جسکی آپ کو ضرورت ہو حال اور حریم سرائیں اور احکام اور قصے اور نصیحتیں اور مثالیں۔ ان کے علاوہ اور وہ چیزیں جن کی بدوں کو اپنے دینی و دنیاوی معاملات میں ضرورت پڑتی ہے۔ یہی اس قرآن میں ہر اس چیز کا بیان ہے جسکی دین و دنیا میں ضرورت ہو۔ (کتاب الاموال بن سراقہ میں ہے) عام میں کوئی چیز کسی نہیں جو قرآن میں نہ ہو۔ رحمان نے اپنے محبوب کو قرآن سکھا دیا ان نسبت کی جاں محمد کو پیدا کیا ماکان وہاں لکوں کا بیان اس کو سکھا دیا۔ اللہ نے اس میں بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا اور ان کو بیان یعنی ساری گلی بکھینی ہاتھوں کا بیان سکھا دیا۔

تفسیر عازری یہی آیت۔ قبل اراد بالاسماء محمد صلی اللہ علیہ وسلم عظمہ البیان یعنی یہاں ہا کُن و مایکُنوں لَانْہ علیہ السلام نبیء عن خبر الاولین و الاخرین وعن یوم الذین "کہا گیا ہے کہ انسان سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ ان کو اگلے پچھلے مور کا بیان سکھا دیا گیا کیونکہ حضور علیہ السلام کو انگلیوں اور پچھلوں کی اور قیامت کے دن خبر دے دی گئی۔"

(روح البیان یہی آیت) و عظم بیاب علیہ السلام ہوا و اسرار الالوہیۃ کما قال و عظمک مامہ نکتہ نعم "یعنی ہمارے نبی علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے قرآن اور اپنی ربوبیت کے بھید سکھا دیئے جیسا کہ خود رب تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کو سکھا دیں وہ ہاتھیں جو آپ نہ جانتے تھے۔ انسان سے مراد خضر انسانی ہے یا آدم علیہ السلام یا حضور علیہ السلام۔"

(معالم القزلی یہی آیت) وقیل لاسان ہما محمد علیہ السلام و ب نہ عظمک مالم نکتہ نعم "کہا گیا ہے کہ اس آیت میں انسان سے مراد حضور علیہ السلام ہیں اور بیان سے مراد ہے کہ آپ کو وہ تمام ہاتھیں سکھا دیں جو نہ جانتے تھے۔" تفسیر حسینی یہی آیت یا وجود محمدؐ ہوا سوزا پیدا سے یا مراد ہے کہ پیدا فرمایا حضور علیہ السلام کی ذات کو اور سکھا دیا ان کو جو ہو چکا ہے یا ہوگا۔ ان ہاتھوں اور تاقیر سے معلوم ہوا کہ قرآن میں سب کچھ ہے اور اس کا سر راہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیا گیا۔

(۱۳) مَا اَسْتَسْعِمُ رَتِّکَ مَحْجُوْبٍ (تفسیر روح البیان یہی آیت) ی لیس مستور عما کان فی الارل و ما سیکون ابی لابل لائن الحن ہو استسویل است عالہ بما کان و حبیرو بما سیکون "تم اپنے رب کے فضل سے محجوب نہیں۔ یعنی آپ سے وہ ہاتھیں چھپی ہوئی نہیں ہیں جو رل میں ہیں اور وہ جو بدست ہوگی۔ کیونکہ جن کے معنی ہیں چھپنا ہلک آپ اس کو جانتے ہیں جو ہو چکا اور خبر دہر ہیں اس سے جو ہوگا۔"

اس آیت و تفسیر سے علم فیہ کل ثابت ہوا۔

(۱۴) وَلِسَ مَا سَلَّہُمْ لِقَوْلِیْ نَمَّا کُنْ مَخْوَضٍ وَسَعَفٍ (پارہ ۲ - سورہ ۵۹ آیت ۶۵) "اور اے محبوب اگر تم ان سے پوچھو گے تو کہیں گے کہ ہم یہاں ہی ہیں نہیں میں تھے۔"

(تفسیر در مشور طبری یہی آیت) عن معجہ اللہ انہ قال فی قولہ تعالیٰ وَلِسَ مَا سَلَّہُمْ الْحَقَّ اَنْ رَجُلٌ مِّنَ الْمُصَافِقِیْنَ یُحَدِّثُا مُحَمَّدًا نَّافِقًا فَلَانِ بُوَد کدا و کدا و مایند رہہ بلعب

حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے اس آیت کے نزول کے بارے میں وَلِسَ مَا سَلَّہُمْ کما یک منافق نے کہا تھا کہ محمد ﷺ فرماتے ہیں کہ فلاں کی اونٹنی فلاں جنگل میں ہے ان کو غیب کی کیا خبر۔

یہ جب تک ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب ہو۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس سے مطلع فرما دیتے ہوں۔

(مومن القرآن میں یہی آیت) عسی الغیب وخبر السماء وما اطلع علیہ من الاحبار والقصاص بصیر ی
سحیل بقول انہ باتیہ عنہ الغیب فلا یحل بہ علیکم بل نعلمکم ونحیرکم ولا یکنفہ کم یکنفہ

الکاهن (عاریت یہی آیت) بقول انہ علیہ السلام یبایہ عنہ الغیب فلا یحل بہ علیکم بل نعلمکم

حضور علیہ السلام غیب پر در آسانی خبروں پر اور ان خبروں و قصوں پر پختہ نہیں ہیں۔ مراد یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے پاس علم غیب آتا ہے جس وہ اس میں تم پر پختہ نہیں کرتے بلکہ تم کو سکھاتے ہیں اور تم کو خبر دیتے ہیں جیسے کہ کانیں چھپاتے ہیں ویسے نہیں چھپاتے مراد یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے پاس علم غیب آتا ہے تو تم پر اس میں کچھ نہیں فرماتے۔ بلکہ تم کو سکھاتے ہیں۔

اس آیت و عبارت سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو کو علم غیب سکھاتے ہیں۔ اور سکھائے گا وہی جو خود جانتا ہے۔

(۱۸) وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَدُنَّا عَلَمًا "اور اس کو اپنا علم لدنی عطا کیا۔ یعنی حضرت خضرؑ۔"

(بیضاوی میں یہی آیت) اِی مِمَّا یَحْتَضِرُ بَاہ لَا یَعْلَمُ اِلَّا بِسِرِّ غِیْبٍ وَهُوَ عَنِ الْغِیْبِ

"حضرت خضرؑ کو وہ علم سکھائے جو ہمارے ساتھ خاص ہیں بغیر ہمارے بتائے کوئی نہیں جانتا اور وہ علم غیب ہے۔"

تفسیر ابن جریر میں سیدنا محمد اللہ بن عباس سے روایت ہے۔

قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا کَانَ رَاحِلًا یَعْنٰهُ عِلْمُ الْغِیْبِ لَدِ الْغَلِیْ

"حضرت خضرؑ سے فرمایا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے وہ خضرؑ علم غیب جانتے تھے کہ انہوں نے جاں لیا۔"

(روح بیان یہی آیت) هُوَ عَنِ الْغُیُوبِ وَالْاَحْبَارِ عَمَّا بَادَاہُ یَعْلَمُ کَمَا دَهَبَ لِبِهْ اِبْنِ عَبَّاسٍ

"حضرت خضرؑ کو جو لدنی علم سکھا دیا وہ علم غیب ہے اور اس غیب کے متعلق خبر دیتا ہے خدا کے حکم سے جیسا کہ اس طرف ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھے ہیں۔"

(تفسیر رک یہی آیت) یَعْنٰی الْاَحْبَارَ مَالِغُیُوبٍ وَقَبْلِ الْعِلْمِ الْاِنْدَسٰی مَا حَصَلَ لِلْعَبْدِ بِطَرِیْقِ الْاِلٰهِم

"یعنی حضرت خضرؑ غیب کی خبریں اور کہا گیا ہے کہ علم لدنی وہ ہوتا ہے جو بندے کو الہام کے طریقہ پر حاصل ہو۔"

(تفسیر خازن یہی آیت) اِی عَلِمَ الْاَبْطٰنُ الْاِلٰہَ مَا "یعنی حضرت خضرؑ کو علم ہاں الہام کے طریقہ پر عطا فرمایا۔"

اس آیت و تفسیری عبارتوں سے معلوم ہو کہ رب تعالیٰ نے حضرت خضرؑ کو بھی علم غیب عطا فرمایا تھا جس سے لازم آتا ہے کہ حضور علیہ السلام کو بھی علم غیب عطا ہوا۔ کیونکہ آپ تمام مخلوق کی سے زیادہ عالم ہیں اور حضرت خضر علیہ السلام بھی حقوق ہیں۔

(۱۹) وَكَذٰلِكَ نُبْرِ اِبْرٰہِیْمَ مَلٰكُوتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (پارہ ۲۰ سورہ ۲۱ ص ۵۷)

"اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں۔ ساری بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی۔"

(تفسیر خازن یہی آیت) اُقْبِیْمَ عَلٰی صَحْرٰہِ وَكُشِفَ لَہٗ عَنِ السَّمٰوٰتِ حَتّٰی رَاٰی الْعَرْشَ وَالْکُرْسِیَّ وَ مَا فِی

السَّمٰوٰتِ وَكُشِفَ لَہٗ عَنِ الْاَرْضِ حَتّٰی نَظَرَ اِلٰی اَسْفَلَ لَا رَحِیْمٍ وَرَاٰی مَا فِیْہَا مِنْ لَعَنٰتٍ

"حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صحرا پر کھڑا کیا گیا اور اسے سینے آسمان کھول دیئے گئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے عرش و کرسی اور جو کچھ آسمانوں میں ہے دیکھ لیا اور آپ کیلئے زمین کھول دی گئی یہاں تک کہ انہوں نے زمین کی ہفت آسمانوں کی جو زمینوں میں ہیں۔"

(تفسیر رک یہی آیت) قَالَ مُجٰہِدٌ فَرَحَ لَہٗ السَّمٰوٰتِ السَّبْعُ فَنَظَرَ اِلٰی مَا فِیْہُنَّ حَتّٰی اَنْتَہٰی نَظَرُہٗ اِلٰی

الْعَرْشِ وَفَرِحَتْ لَہٗ الْاَرْضُ وَنَظَرَ اِلٰی مَا فِیْہُنَّ

"روح البیاض یہی آیت" عجائب و بدائع آسمانہ در زمین بار در وہ عرش تا تحت الارض بروئے منکشف ساختہ۔ مجاہد نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کے لئے ساتوں آسمان کھول دیئے گئے پس انہوں نے دیکھ لیا۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے۔ یہاں تک کہ ان کی نظر عرش تک پہنچ گئی اور ان کے لئے سات زمینیں کھولی گئیں کہ انہوں نے وہ چیزیں دیکھیں جو زمینوں میں ہیں۔ ابراہیم کو آسمان و زمین کی عجائبات و غرائب دکھائے اور عرش کی

بلندی سے تحت الارض تک کھول دیا۔

تفسیر ابن جریر ابن حاتم میں اسی آیت کے تحت ہے۔

أَنَّهُ جُلُّ لَهُ الْأُمُورُ سُورَهُ وَعَلَانِيَتُهُ فَلَمْ يَحْفَظْ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِّنْ أَعْمَالٍ لِّحَالَتِهِ
 "حضرت ابراہیم پر کھلی پوشیدہ تمام چیزیں کھل گئیں پس ان پر مخلوق کے اعمال میں سے کچھ بھی چھپا نہ رہا۔"

(تفسیر کبیریہ آیت) إِنَّ اللَّهَ شَقُّ لَهُ السَّمُومِ حَتَّى رَأَى الْعَرْشَ وَالْكَرْسِيَّ وَالْمِائِي حَيْثُ يَنْتَهِي إِلَيْهِ قُوَّةُ
 الْعَالَمِ الْجَسَمِيِّ وَرَأَى مَالِي السَّمُومِ مِنَ الْعَجَائِبِ وَالْبَدَائِعِ وَرَأَى مَالِي بَطْنِ الْأَرْضِ مِنَ
 الْعَجَائِبِ وَالْغَرَائِبِ

"لہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کیسے سانسوں کو چیر دیا یہاں تک کہ انہوں نے عرش و کرسی اور جہاں تک جسمانی علم کی قوت ختم ہوتی ہے دیکھ لیا۔ اور وہ عجیب و غریب چیزیں بھی دیکھیں جو آسمانوں میں ہیں۔ اور وہ عجیب و غریب چیزیں بھی دیکھیں جو زمین کے پیٹ میں ہیں۔"
 اس آیت اور ان تفسیری عبارات سے معلوم ہو کہ ارشاد تبارک و تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھائے گئے اور مخلوق کے اعمال کی بھی ان کو خبر دی گئی اور حضور علیہ السلام کا علم اس سے کہیں زیادہ ہے تو ماننا پڑے گا کہ حضور علیہ السلام کو بھی یہ معلوم عطا ہوئے۔
 خیال رہے کہ عرش کے علم میں سوج محفوظ بھی گئی اور سوج محفوظ میں کیا لکھا ہے اس کو ہم پہلے بیان کر چکے۔ لہذا ماکان و مائکون کا علم تو ان کو بھی حاصل ہو اور علم ابراہیمی اور علم حضرت آدم علیہ السلام حضور علیہ السلام کے علم کے دریا کا قطرہ ہے۔

(۲۰) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَأْكُلْ طَعَامُكُمْ نَرْۢحَمَہُ الْاَشْكَمُ بِنَاوَمِلَہُ اس کی تفسیر روئے دیبیاں اکبر و حارث میں ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ میں تمہیں کھانے کے گندہ شدہ و سکنبدہ کے سارے حالات بتا سکتا ہوں کہ کھانے سے کیا دراپ کہاں جائے گا۔ تفسیر کبیر نے تو فرمایا کہ یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ یہ کھانا نفع دے گا یا نقصان۔ یہ چیزیں وہی بتا سکتا ہے جو ہر درہ کی خبر رکھتا ہو پھر فرماتے ہیں۔

وَلَكُمْ مِّنْۢ مَّا عَمْسِيْ رَبِّیْ (پارہ ۲ سورہ ۲۵ آیت ۳) یہ علم تو میرے صوم کا بعض حصہ ہے۔

اب قاضی کہ حضور علیہ السلام کا علم کتنا ہوگا۔ علم یسعی تو علم مصطفیٰ کے مستند کا قطرہ ہے اور یہی صیہ السلام نے فرمایا۔

وَبَشِّرْکُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدْحَرُوْنَ فِیْۤیْہِۢنَّ نُوْمٌ (پارہ ۳ سورہ ۳ آیت ۴۹)

"میں تمہیں بتا سکتا ہوں جو کچھ تم پنے گھروں میں کھاتے اور اور جو کچھ جمع کرتے ہو۔"

دیکھو کھانا گھر میں کھایا اور رکھا گیا۔ جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام موجود نہیں تھے اور انکی خبر آپ باہر دے رہے ہیں یہ علم غیب۔

(۲۱) یٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْنَنُوْا عَلٰیۤیْ شَیْءٍ اِنْۢ بَدَلْکُمْ تَسْنُوْکُمْ (پارہ ۵ سورہ ۵ آیت ۱۰۱)

"اے ایمان والو! اسکی باتیں ہمارے محبوب سے نہ پوچھو کہ اگر تم پر ظاہری جاوین تو تمہیں ناگوار ہوں۔"

بخاری شریف میں سیدنا عبداللہ ابن عباس سے روایت کی عس ابن عباس قال کان فہم یس، فلوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسہراء فیقولون لڑخل من ہبی ویقولون الرّاحد یں ہفتی فاسئل اللہ فیہم ہدہ لا یتہ یٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْأَلُوْا عَنۢۢ شَیْءٍ

فقہہ حاکمین سے اب دلائل کے جواب کچھ نہیں بنے صرف یہ کہہ دیتے ہیں کہ جس آیت میں کُلُّ شَیْءٍ کا ذکر ہوا یا فرمایا گیا عالم تکس تعلیم ان میں مراد شریعت کے حکام ہیں نہ کہ اور چیزیں اس کے لئے چند دلائل لاتے ہیں۔

(۱) کُلُّ شَیْءٍ غیر متناہی (بے انتہا) ہیں در غیر متناہی چیزوں کا علم خدا کے سوائے کو ہونا منطقی قاعدے سے بالکل باطل ہے دلیل تسلسل ہے۔

(۲) بہت سے مغربین نے بھی کُلُّ شَیْءٍ کے معنی لئے ہیں میں 'مورد الذی ہیں' بھی دین کے حکام جیسے جلالین وغیرہ۔

(۳) قرآن پاک میں بہت جگہ کُلُّ شَیْءٍ لڑیا گیا ہے مگر اس سے بعض چیزیں مراد ہیں جیسے 'اَوْنِیْتُ مِّنْ کُلِّ شَیْءٍ' بلقیس کو کُلُّ شَیْءٍ دی گئی۔ حالانکہ بلقیس کو بعض چیزیں ہی دی گئی تھیں۔

مگر یہ دلائل نہیں صرف لفظ جنسی ہے اور محوکا۔ ان کے جوابات یہ ہیں۔

عربی زبان میں کلر کل در کلر نا عموم کے لئے آتے ہیں۔ اور قرآن کا ایک ایک کلمہ قطعی ہے اس میں کوئی قید لگانا محض پنے قیاس سے جائز نہیں۔ قرآن پاک کے عام کلمات کو حدیث احادیث سے بھی حاصل نہیں بنا سکتے۔ چہ جائیکہ محض اپنی رائے سے۔

دوسری فصل

علم غیب کی احادیث کے بیان میں

اس فصل میں ہم سرورِ کائنات کی احادیث بیان کرتے ہیں۔ پھر اسی بیروں کی ترتیب سے تیسری فصل میں ان حدیثوں کی شرح بیان کریں گے۔
(۱) بخاری کتاب بدء الخلق در مشکوٰۃ جلد دوم باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء میں حضرت قاروق سے روایت ہے۔

قَم فَبَارَسُوهُ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا فِي حَبْرٍ عَنْ بَدَأِ الْخَلْقِ حَتَّى دَخَلَ أَهْلُ الْحُتَّةِ مَبَارِلَهُمْ وَهَلْ لِنَارٍ مَبَارِلُهُمْ حَقَقَ ذَلِكَ مِنْ حَقِّهِمْ وَسَبَّهِ مِنْ سَبِّهِ

"حضور علیہ السلام نے ایک جگہ قیام فرمایا جس کو بتہء پیچہ آتش کی خبر دی۔ یہاں تک کہ جنتی لوگ اپنی سزوں میں پٹائی گئے اور جہنمی پٹی میں جس نے یاد رکھا۔ اس نے یاد رکھا اور جو بھول گیا وہ بھول گیا۔"

اس جگہ حضور علیہ السلام نے دو قسم کے واقعات کی خبر دی (۱) عالم کی پیدائش کی ابتداء کس طرح ہوئی (۲) پھر عام کی انتہا کس طرح ہوگی۔ یعنی از روئے اول تا قیام قیامت ایک ایک ذمہ بیان کر دیا۔

(۲) مشکوٰۃ باب الحجرات میں مسلم سے بروایت محمد بن احمد ہی طرح منقول ہے مگر اس میں قاروق ہے۔

فِي حَبْرٍ نَابِغًا هُوَ كَأَنَّ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ فَاَعْلَمْنَا أَحَقَّظًا

"ہم کو قیام ان واقعات کی خبر دے دی جو قیامت تک ہو جائے گی۔ پس ہم میں سے عالم وہ ہے جو ان باتوں کا زیادہ حافظ ہے۔"
(۳) مشکوٰۃ باب الخلق میں بخاری و مسلم سے بروایت حضرت حذیفہ ہے۔

مَا تَرَكَ شَيْئًا يَكُونُ مَقَامَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ إِلَّا حَدَّثَ بِهِ حَقِّهِمْ وَسَبَّهِ مِنْ سَبِّهِ

"حضور علیہ السلام نے اس جگہ قیامت تک کی کوئی چیز نہ چھوڑی مگر اس کی خبر دے دی جس نے یاد رکھا یا نہ رکھا جو بھول گیا وہ بھول گیا۔"
(۴) مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین میں مسلم سے بروایت ثویاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

أَنَّ اللَّهَ رَوَى لِي الْأَرْضَ فَرَأَى بَيْتَ مُشَارِقِ الْأَرْضِ وَمَعَارِبِهَا
"اللہ نے میرے لئے زمین سمیٹ دی جس میں نے زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھا۔"
(۵) مشکوٰۃ باب المساجد میں عبد الرحمن بن عائش سے روایت ہے۔

رَأَى بَيْتَ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ فِي أَحْسَنِ ضُورٍ فَلَوْ صَعَّ كَفَّهُ بَيْنَ كَتِفَيْ فَوْ حُدُثُ بَرْدِهَا بَيْنَ ثَدْيَيْ فَعَمَّتْ
فَالْفِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

"میں نے اپنے رب کو اچھی صورت میں دیکھا رب تعالیٰ نے اپنا دست قدرت ہمارے سپر پر رکھا۔ جسکی ٹھنڈک ہم نے اپنے قلب میں پائی پس تمام آسمان و زمین کی چیزوں کو ہم نے جان لیا۔"

(۶) شرح مہذب مدنیہ لمورقانی میں حضرت عبد اللہ ابن عمر کی روایت سے ہے۔

أَنَّ اللَّهَ رَفَعَ لِي الذُّبَابَ فَإِنَّا انْطَرُ الْيَهَا وَالِي مَا هُوَ كَأَنَّ فِيهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ كُنَّا نَنْظُرُ إِلَى كَفِّي هَذَا
"لقد تعالیٰ نے ہمارے سامنے ساری دنیا کو پیش فرمادیا جس میں ہم اس دنیا کو اور جو اس میں قیامت تک ہونے والا ہے اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے اپنے اس ہاتھ کو دیکھتے ہیں۔"

(۷) مشکوٰۃ باب المساجد بروایت ترمذی ہے۔

فَلَنَجْنِي لِي كُلِّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ "میں ہمارے لئے ہر چیز ظاہر ہو گئی اور ہم نے پہچان لی۔"
(۸) مسند امام احمد بن حنبل میں بروایت ابو نعیم و غفری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

مَا تَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَائِدٍ فَسَبَّ سِيْرَ نَفْسِي الذُّبَابَ يَنْبَغُ مِنْ ثَدْيِ مَائَةٍ

فَصَبَّ عَدَا قَدْ سَمَاءُ لَنَا نَاسِعَهُ وَاسْمُ اسْمِهِ وَاسْمُ قَبْلَتِهِ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ

"میں نے چھوڑا حضور علیہ السلام نے کسی شے چھوڑا جو اسے کو دنیا کے ختم ہونے تک جن کی تعداد میں سو سے زیادہ تک پہنچے گی مگر ہم کو اس کا نام اس کے باب کا نام اس کے قبیلے کا نام بتا دیا۔"

(۱۰) منقولہ آداب و کرامات میں بخاری سے روایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

خُفِّفَ عَنِّي دَاوُدُ الْقُرْآنُ فَكَانَ بِمَنْزِلِ دَوَابِّهِ فَيُفْرَخُ فَيُفْرَخُ الْقُرْآنُ قَبْلَ نُسُوحِ

"حضرت داؤد علیہ السلام پر قرآن (ریور) کو اس قدر ہلکا کر دیا گیا تھا کہ وہ اپنے گھوڑوں کو زمین گائے کا حکم دیتے تھے تو آپ اس کی زمین سے پہلے ریور پڑھ لیتے تھے۔"

یہ حدیث اس جگہ اس لئے بیان کی گئی کہ حضور علیہ السلام نے ایک وعظ میں زاول باختر واقعات میں فرمادئے تو یہ بھی آپ کا معجزہ تھا۔ جیسا کہ حضرت داؤد آن کی آن میں ساری زیور شریف پڑھ لیتے تھے۔

(۱۱) منقولہ آداب مناقب اہل البیت میں ہے۔

ثَلَاثُ فَاطِمَةٌ اِنْ شَاءَ اللهُ عَلَامَةٌ تَكُونُ فِي حَجَرِكَ

"حضور علیہ السلام نے خیر دی کہ فاطمہ ہر اسے فرزند پیدا ہوگا۔ جو تہہ ری پرورش میں رہے گا۔"

(۲) بخاری باب اثبات عذاب القبر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل ہے۔

مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقُبُورٍ يُعَذِّبُ فِيهَا نَفْسٌ نَهْمًا يُعَذِّبُ وَمَا يُعَذِّبُانَ فِي كَبِيرٍ أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَرِفُ مِنَ الْمَوْلِ وَأَمَّا لَا حَرَّ فَكَانَ يَمْنَى بِالْمَسْمُوعَةِ ثُمَّ أَحَدٌ حَرِيْدَةٌ طَلَبَتْ فَشَقَّهَا سَاصِبٌ ثُمَّ عَرَّرَ فِي كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً فَلَعْنَهُ اِنْ يُحْقَقُ عَلَيْهِمَا مَا لَهُ يَبْسَا

"حضور علیہ السلام دو قبروں پر گزرے جن میں عذاب ہو رہا تھا تو فرمایا کہ ان دونوں شخصوں کو عذاب دیا جا رہا ہے در کسی دشوار بات میں طلب نہیں ہو رہا ہے ان میں سے ایک تو چھوٹا بچہ تھا اور دوسرا چھٹی لڑکی تھی پھر ایک تر شاخ کو لے کر اسکو آدھا آدھا چیر چیر ہر قبر میں ایک ایک گاڑ دیا اور فرمایا کہ جب تک یہ گلائے خشک نہ ہوں گے ان دونوں شخصوں سے عذاب میں کمی کی جاوے گی۔"

(۱۳) بخاری کتاب المقام کتاب السنن اور تفسیر خازن میں روایت لا یسنلوا عن اشیاء ان یبدلکم ہے۔

قَالَ عَلِيٌّ لَمَّا رَدَّ كُرْسِيَّ السَّاعَةِ وَدَكَرَ اَنْ يَسْجُدَ بِهَا اَمُورًا عَظَمًا ثُمَّ قَالَ مَا مِنْ رَجُلٍ احبَّ اَنْ يُسْئَلَ عَنْ شَيْءٍ فَلْيَسْئَلْ عَنْهُ فَوَاللهِ لَا تَسْئَلُونِي عَنْ شَيْءٍ اِلَّا احْبَبْتُكُمْ مَا ذَمُّتُ فِي مَقَامِي هَذَا فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا مَدْحِي قُلْ اِنَّا نَزَلْنَا بِكَ عَذَابُ اللهِ مِنْ حَدِّهِ فَفَصِّلْ لَنَا فِي اِسْمِكَ خَدِّقْهُ ثُمَّ كَثُرَ اَنْ

كُلُّ مَنْ سَلَوْنِي سَلَوْنِي

"حضور علیہ السلام منبر پر کھڑے ہوئے اس وقت کا ذکر فرمایا کہ اس سے پہلے بڑے بڑے واقعات ہیں پھر فرمایا کہ جو شخص جو بات پوچھنا چاہے پوچھ لے قسم خدا کی جب تک ہم اس جگہ ہی منبر پر ہیں تم کوئی بات ہم سے نہ پوچھو گے مگر ہم تم کو اس کی خبر دیں گے ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ میرا بھائی کہاں ہے؟ فرمایا جہم میں عہد نبی خدا نے کھڑے ہو کر دریافت کیا کہ میرا پاپ کون ہے فرمایا حد افہ۔ پھر بار بار فرماتے رہے کہ پوچھو پوچھو۔"

خیال رہے کہ جنسی یا جنتی ہونا علوم غیبیہ میں سے ہے کہ سید ہے یا شقی سی طرف کون کس کا بیٹا ہے یہ اسکی بات ہے کہ جس کا علم سوائے اس کی ماں کے اور کسی کو نہیں ہو سکتا قرآن میں لکھا ہوں کہ جو کہ اندھیرے جا لے، دیا آخرت سب کو دیکھتی ہیں۔

(۱۴) باب مناقب اہل میں ہے۔

قَالَ يَوْمَ حَبِيرٍ لَا عَصْنَ هَذِهِ الزُّبَّةُ عَذَارًا خَلَا يَفْتَحُ اللهُ عَلَى يَدَيْهِ بِحَثِّ اللهِ وَرَسُولِهِ

"حضور علیہ السلام نے خبیر کے دس فرمایا کہ ہم کل یہ جہنم اس کو دیں گے جسکے ہاتھ پر اللہ خیر فتح فرمایا اور وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔"

(۵) منقولہ آداب مقام میں ابو زر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔

عُزِّهَتْ عَنِّي اَعْمَالُ اَمْنِي حَسَنُهَا وَسَيِّئُهَا وَجَدْتُ فِي مَحَاسِنِ اَعْمَالِي اَلَا دِي يُصَاطِعِي الطَّرِيقِ

"ہم پر ہماری نسبت کے اعمال پیش کئے گئے اچھے بھی اور برے بھی ہم نے کئے اچھے اعمال میں وہ تکلیف وہ جتنی بھی پائی جو راستے سے ہٹا دی جائے۔"

(۱۶) مسلم جلد دوم کتاب الجہاد باب غزوہ بدر میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا مَصْرُغُ فَلَانٍ يَصُغُ يَدَهُ عَمِي لَا رَحْصَ هَهُمَا هَهُمَا قَالَ فَمَا هَاطَ أَحَدُهُمْ عَنْ مَوْصِعٍ يَدُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

”حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ فلاں شخص کے گریے کی جگہ ہے اور اپنے دست مبارک کو ادھر ادھر زمین پر رکھتے تھے وہی نے فرمایا کہ کوئی بھی مقتولیں میں سے حضور علیہ السلام کے ہاتھ کی جگہ سے ڈر بھی نہ بنا۔“

خیال رہے کہ کوکس جگہ مرے گا۔ یہ علوم غریبہ میں سے ہے جس کی خبر حضور علیہ السلام جنگ بدر میں ایک روز پہلے دے رہے ہیں۔

(۱۷) مقلوۃ باب المنجرات میں حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

فَقَالَ رَاحِلُ تَالِهٍ اِنْ رَنِيتُ كَالْيَوْمِ دَسَبَ يَسْكُنُهُ فَقَدْ اَلَدْتُ اَعْجَبَ مِنْ هَذَا رَاحِلُ فِي السَّحَلَاتِ بَيْنَ الْحَرَلِينَ يُحْبِرُكُمْ بِمَا مَضَى وَمَا هُوَ كَنْ بَعْدَكُمْ

”فکاری آدی نے کہا کہ میں نے آج کی طرح کبھی نہ دیکھا کہ بھیڑیا تمیں کر رہا ہے تو بھیڑیا، کہ اس سے عجیب بات یہ ہے کہ ایک صاحب (حصہ) دومید لوں کے درمیانی نخلستان (مدینہ) میں ہیں اور تم کو گزشتہ اور آئندہ کی خبریں دے رہے ہیں۔“

(۸) تفسیر خازن پارہ ۳ ریخت ماکوں اللہ لیدر الصومیں علی ما ائمه علیہ ہے۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ غُرِصَتُ عَلِيٍّ أَهْنَى فِي ضَوْرِهِ فِي الطَّيْلِ كَمَا غُرِصَتُ عَلِيٍّ اَدَمُ وَ اَنْعَمْتُ مِنْ يُؤْمِنُ وَمَنْ يَكْفُرُ بِي فَبَلِّغْ ذَلِكَ الصَّافِيْنَ قَالُوْا "سَهْرَاءُ رَعِمَ مُحَمَّدًا يَعْنِي مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ وَمَنْ يَكْفُرُ مَضَى لَهُ يَخْلُقُ بَعْدَ وَحْنٍ مَعَهُ وَمَا يَعْرِفُ فَبَلِّغْ ذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَامَ عَلِيٌّ الْمَسِيرُ فَحَمَدَ اللَّهَ وَ ثَنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَا لِي قَوْمٌ طَعَمُوا فِي عَمَلِي لَا تَسْتَلُوْا بِي عَنْ شَيْئٍ فَيَسْأَلِيَكُمْ وَبَيْنَ السَّاعَةِ اِلَّا اَبَاكُمْ بِهِ

”حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم پر ہماری امت پیش فرمائی گئی اپنی اپنی صورتوں میں مٹی میں صرح کہ حضرت آدم پر پیش ہوئی تھی ہم کو بتا دو گی کون ہم پر ایمان لایا اور کون کفر کریگا۔ یہ خبر منافقین کو پہنچی تو وہ جس کر کہنے لگا کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ن کو لوگوں کی پیدائش سے پہلے ہی کافر و مومن کی خبر ہوگئی ہم تو ان کے ساتھ ہیں اور ہم کو نہیں پہنچتے یہ خبر حضور علیہ السلام کی پہنچی تو آپ منبر پر کھڑے ہوئے ارخہ کی حمد و ثناء کی پھر فرمایا کہ قوموں کا کیا حال ہے کہ ہمارے علم میں طے کرتے ہیں اب سے قیامت تک کسی چیز کے بارے میں جو بھی تم ہم سے پوچھو گے ہم تم کو خبر دیں گے۔“

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ حضور علیہ السلام کے علم میں طے کرتا منافقوں کا طریقہ ہے۔ دوسرے یہ کہ قیامت تک کہ واقعات سارے حضور علیہ السلام کے علم میں ہیں۔

(۹) مقلوۃ کتاب الغرض باب مراسم فصل اوں میں مسلم سے روایت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

اَنَّى لَا عَرَفَ اَسْمَاءُ هُمْ وَاَسْمَاءُ اَبَاءُ هُمْ وَاَنَّى اَنْ حَبْلُوْلَهُمْ حَبْرُ فَوَارِسٍ اَوْ مِنْ حَبْرٍ فَوَارِسٍ عَلِيٌّ ظَهَرَ الْاَزْهَرُ

”ہم ان کے (دجال سے جہاد کی تیاری کر رہے اوں) ناموں کے باپ دادوں کے نام ان کے گھوڑوں کے رنگ پہنچتے ہیں وہ روئے زمین پر بہترین سوار ہیں۔“

(۲۰) مقلوۃ شریف باب مناقب ابی بکر و عمر میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ کیا کوئی ایسا بھی ہے جس کی نیکیاں تاروں کے برابر ہوں فرمایا ہاں وہ عمر ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک کے سارے لوگوں کے تمام ظاہری اور پوشیدہ اعمال کی پوری خبر ہے اور آسمانوں کے تمام ظاہر و پوشیدہ تاروں کا بھی تفصیلی علم ہے۔ حالانکہ بعض بعض بارے اب تک غلا سٹہ کو سائنسی بات سے بھی معلوم نہ ہو سکے۔ حضور علیہ السلام نے ان دونوں چیزوں کو ملحوظ فرما کر فرمایا کہ عمر کی نیکیاں تاروں کے برابر ہیں۔ دو چیزوں کی برابری یا کسی دہائی بتا سکتا ہے جسے دونوں چیزوں کا علم بھی ہو اور مقدمہ بھی معلوم ہو۔

ان کے علاوہ اور بہت سی احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر قصداً اسی قدر پر کفایت کی گئی ان احادیث سے کہ معلوم ہوا کہ تمام عالم حضور ﷺ

کے سامنے اس طرح ہے جیسے پتی کف دست۔ خیال رہے کہ عالم رکھتے ہیں، ماسواہ اللہ کو تو عالم اجسام، عالم ارواح، عالم امر، عالم مکان، عالم زمانہ، عرش و فرش، غرضیکہ ہر چیز پر حضور علیہ السلام کی نظر ہے اور عالم میں لوح محفوظ بھی ہے۔ جس میں سارے حالات ہیں۔ دوسرے یہ معلوم ہوا کہ اگلے پچیسے سارے واقعات پر بھی اطلاع رکھتے ہیں۔ تیسرے یہ معلوم ہوا کہ تاریک راتوں میں تنہائی کے اندر جو کام کئے جاویں وہ بھی نگاہ مصطفیٰ ﷺ سے پوشیدہ نہیں کہ عبد اللہ کے والدہ حضرت آمنہؓ کو بتا دیں۔ چوتھے یہ معلوم ہو کہ کون کب مرے گا۔ کہاں مرے گا۔ کس حال میں مرے گا۔ کافر یا مسکن، مجرمت کے پتہ میں کیا ہے یہ بھی میرے حضور علیہ السلام پر بھی عین غرضیکہ روزِ رازہ اور قطرہ قطرہ علم میں ہے۔

تیسری فصل

شارحین احادیث کے اقوال میں مذکورہ علم غیب

(۱) یعنی شرح بخاری۔ فتح الباری ارشاد الساری شرح بخاری۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں حدیث نمبر ۱ کے ماتحت ہے۔

فیه دلالة علیٰ نہ احبر فی المجلس لواحد بجمع احوال المحنوقات من ابتداء ہا الی انتہا

اس حدیث میں دلالت ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک ہی مجلس میں ساری مخلوقات کے سارے حالات کی ابتداء تا انتہا خبر دے دی۔

(۲) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ اور شرح شفا لاسلامی قاری ذرقانی شرح مواہب۔ نیم الریاض شرین شفا میں حدیث نمبر ۱ میں ہے۔

وحاصلہ انہ طوی لہ الارض وجعلها محفو عہ کہیبہ کف، فیه مرء ۃ یطر الی جمعہا و طواھا

بتصریب بعیدھا الی قریبھا حتی اظہع علی ما فیہا

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کیسے زمین سمیت دی گئی اور اس کو ایسے جمع فرمادیا گیا جیسے ہاتھ میں آئی ہو اور وہ محض اس چمچ سے آئی ہو

دیکھتا ہے اور زمین کو اس طرح سمیٹا کہ دور کی کو قریب کر دیا، اسکے قریب کھلے۔ یہاں تک کہ ہم نے دیکھ لیا کہ تمام چیزیں کو جو زمین میں ہیں۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں حدیث نمبر ۱ کے ماتحت ہے۔

فعممت بسبب و ضول ذلک العیص ما فی السموت و الارض یعنی ما عنده الله متا فیہما من

المنسکة و لا شجار و غیرہا و هو عبارة عن سعة عنده اندی فتح الله وقال ابن حجر ای جمیع

الکائنات الئی فی السموت بل و ما لوفہا کما یستد من قضة المعراج و الارض ہی بمعنی

الحس و جمیع ما فی الارضیں السبع بل و ما نحہا کما افادہ احبارہ علیہ السلام عن الثور

و الخویب الذی علیہما الارضون

”اس فیض کے پہنچنے سے ہم نے تمام وہ چیزیں جان لیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں یعنی آسمان و زمین میں وہ چیزیں جو اللہ سے تائیں فرشتے اور

درخت وغیرہ یہ آپ کے اس وسیع علم کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر ظاہر فرمایا۔ ابن حجر نے فرمایا کہ جان لی وہ تمام مخلوقات جو آسمانوں (بلکہ جو اس

کے اوپر ہے) جیسا کہ حدیث معراج سے معلوم ہوتا ہے اور زمین میں ہے اور تمام وہ چیزیں جو ساتوں زمین بلکہ جو اس سے نیچے ہیں جیسا کہ ن

حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے جن میں حضور علیہ السلام نے گائے و بچھل کی خبر ہے دی جن پر زمینیں قائم ہیں۔“

الحدیثات شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

”عبارت است از حوسر تمام علوم جزوی و کلی و احاطہ آں“ یہ حدیث تمام جزئی و کلی علموں کے حاصل ہونے اور انکے احاطہ کا بیان ہے۔

(۷) اھدیہ الملمات میں حدیث نمبر ۱ کے ماتحت بیان فرمایا۔

”ہیں ظاہر شد مرابر چیز ر علوم و شائستہ ہمدرا“ ہم پر ہر قسم کا علم ظاہر ہو گیا اور ہم نے سب کو پہچان لیا۔

علامہ ذرقانی شرح مواہب میں اسی حدیث نمبر ۱ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

ای اظہر و کشف لی الذبیا بحیث احطت بجمع ما فیہا فاما یطر لبہا والی ما ہو کائن فیہا الی

یوم القیمة کائما یطر الی کفی ہدہ اشارۃ الی انہ یطر حقیقۃ دفع بہ انہ ارید بالیظر العین

”یعنی ہمارے سامنے دنیا ظاہر کی گئی اور کھولی گئی کہ ہم نے، انکی تمام چیزوں کا احاطہ کر لیا پس ہم اس دنیا کو اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا

ہے اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے کہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے حیثیتِ ملاحظہ فرمایا یہ مثالِ روح ہو گیا کہ نظر سے مراد علم ہے۔“
(۸) امام احمد قسطلانی موبہ شریف میں یہ حدیث نمبر ۸ فرماتے ہیں۔

وَلَا شَكَّ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَصْلَحَهُ أَرْبَعٌ مِنْ ذَلِكَ وَلَقِيَ عَلَيْهِ عِلْمُ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ
”اس میں شک نہیں کہ اللہ نے حضور کو اس سے بھی زیادہ پر مطلع فرمایا درآپ کو سارے عالم کے پچھلے حضرت کا علم دیا۔“
ملاحظہ فرمائی مرقۃ میں حدیث نمبر ۸ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

يُحِبُّكُمْ بِمَا عَصَيْتُمْ أَيْ سَبَقَ مِنْ حَبْرِ الْأَوَّلِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَا هُوَ كَأَنْ يَبْعَثُكُمْ أَيْ مِنْ تَحْتَ الْأَخْيَرِينَ
فِي الدُّنْيَا وَمِنْ حَوَالِ الْأَحْمَعِينَ فِي الْآخِرَةِ
”تم کو حضور علیہ السلام انگوٹوں کی گداری ہوئی خبریں دیتے ہیں اور جو کچھ تمہارے بعد پچھلوں کی خبریں ہیں وہ بھی بتاتے ہیں۔ دنیاوی حالات اور آخرت کے سارے حالات۔“
(۹) مرقۃ میں حدیث نمبر ۹ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

فِيهِ مَعْ كُونُهُ مِنَ الْمُنْعَجَرِ بِدَلَالَةِ عَمِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مُجِئًا بِكُتُبٍ وَ الْخُرَابَاتِ مِنَ الْكُنُوتِ وَ غَيْرِهَا
اس حدیث میں منجورہ ہوئیے ساتھ ہی ساتھ اس پہ بھی دہشت ہے کہ حضور علیہ السلام کا علم بھی اور جزئی واقعات کو گھیرے ہوئے ہے۔
محدثین کے ان رشادات سے معلوم ہو کہ حضور علیہ السلام تمام عالم کو در اس میں آتا ہوتا ہونے والے واقعات کو اس طرح ملاحظہ فرما رہے ہیں۔
جیسے کوئی اپنے ہاتھ میں آئینہ کر کے دیکھتا ہے اس عالم میں لوح محفوظ بھی ہے دوسرے یہ معلوم ہو کہ تمام اولین و آخرین یعنی امیاء و ملائکہ و ادویہ کا علم آپ کو عطا فرمایا گیا۔ انبیاء میں حضرت آدم و حضرت خلیل و حضرت خضر علیہم السلام داخل ہیں۔ اور ملائکہ میں عایشین عرش اور حاضرین لوح محفوظ بھی شامل ہیں اور ان کا علم تو سارے ماکان و مایکوں کو محیط ہے۔ تو حضور کے علم کا کیا پوچھنا۔ اس وسعت علم میں علوم غیبی بھی گئے۔

چوتھی فصل

علمائے امت کے اقوال کے بیان میں دربارہ علم غیب

مدارج النہج کے خطبہ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (پارہ ۲ سورہ ۵ آیت ۳)
”وہی اول ہے وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن وہی ہر چیز کو جانتا ہے۔“

یہ خدا کی حمد بھی ہے اور نعمتِ مطلق علیہ السلام بھی۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ ”وہی علی اللہ علیہ وسلم، تا سب ہمہ چیز ارشادات و احکام ہی و حکام و صفات حق و اسما و افعال و آثار و جمیع علوم ظاہر و باطن و اول و آخر حادثہ و مود و صدق فوق کُلِّ دَی عِلْمِ عِلْمِ شَدِّ“ حضور علیہ السلام تمام چیزوں کے جاننے والے ہیں اور انہوں نے خدائے پاک کی شائیں اس کے احکام حق تعالیٰ کے صفات اور افعال اور سارے ظاہری باطنی و آخر کے علوم احاطہ فرمایا ہے۔

اسی مدارج جلد اول باب پنجم در ذکر فضائل آنحضرت صفحہ ۳۳ میں ہے۔ ”اور مان آدم تا محمد اولیٰ مردے علیہ السلام منکشف ساختہ تا ہمہ حوس و دوزخ اول و آخر معلوم گردد و پاران خود رانیز بعضی احوال خبر داد۔“

حضرت آدم سے صور پھونکنے تک تمام حضور علیہ السلام پر ظاہر فرمایا تا کہ اول سے آخر تک کے سارے حالات آپ کو معلوم ہو جائیں اور حضور ﷺ نے بعض حالات کی خبر اپنے صحابہ کو بھی دی۔
علامہ ذرقانی شرح سواہب مدنی میں فرماتے ہیں۔

وَقَدْ تَوَاتَرَتْ الْأَخْبَارُ وَاتَّصَفَتْ مَعَالِيهَا عَمِيٌّ طَلَاعُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَمِيٌّ الْغَيْبِ وَلَا يَفِي الْآيَةُ
الدَّالَّةُ عَلَى أَنَّهُ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ لَا الْمُسْمَى عَمُّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ غَيْرِ وَاسْطَةِ أَمَّا أَطْلَاعُهُ عَلَيْهِ
بِأَعْلَامِ اللَّهِ فَصَحْفٌ بِقَوْلِهِ تَعَالَى لَا مِنْ أَرْتَقِي مِنْ رُسُوبِ

احادیث اس پر متواتر ہیں اور کلمہ معانی اس پر متفق ہیں کہ حضور علیہ السلام کو غیب پر اطلاع ہے اور یہ مسئلہ آنحضور کے خلاف نہیں جو اس دراست کرتی ہیں کہ خدا کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا کیونکہ جس غیب کی نہی ہے وہ وہم و خیال واسطہ ہے (دقیق) لیکن حضور کا غیب پر مطلع ہونا اللہ کے بتائے سے وہ

ثابت ہے عرب کے اس قول سے کہ سوائے پسندیدہ رسول کے

شفا شریف میں قاضی میاض علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں (خود آخر اپنی شرح قصیدہ)۔

حَضَّ اللَّهُ تَعَالَى بِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا لَا طَّلَاعَ عَلَى جَمِيعِ مَصَالِحِ دِينٍ وَالدِّينِ وَمَصَالِحِ أُمَّتِهِ وَكَانَ
فِي الْأُمَمِ وَمَا سَبَّكَوْنَ فِي أُمَّتِهِ مِنَ الشَّيْرِ وَبِقَطْمِيرٍ وَعَنِ جَمِيعِ قُورٍ الْمَعَارِفِ كَأَحْوَالِ الْقَبْرِ وَ
الْهَرَاتِصِ وَالْعَادَةِ وَالْحِسَابِ

”اللہ نے حضور علیہ السلام کو خاص فرمایا تمام دینی و دنیاوی مصالحتوں پر مطلع فرما کر اور اپنی امت کے مصلحت اور گزشتہ امتوں کے واقعات و دینی
امت کے ادنیٰ سے ادنیٰ واقعہ پر خبردار فرمادیا۔ اور قریٰ معرفت کے فنون پر مطلع فرمادیا جیسے دل کے حالات و انقضائے عبادت اور علم حساب۔“

وَلَمْ يَكُنْ مِنْ خُودِكَ الدُّنْيَا وَصَوْنُهَا وَمِنْ غُيُومِكَ عِلْمُ النَّوْجِ وَالْقِيَمَةِ

”دنیا و آخرت آپ ہی کے کرم سے ہے اور لون و قلم کا علم آپ کے علوم کا بعض حصہ ہے۔“

شرح قصیدہ بردہ مصنفہ علامہ ابراہیم بکھاری میں اس شعر کے ماتحت ہے۔

فَإِنْ قِيلَ ذَاكَ عِلْمُ النَّوْجِ وَالْقِيَمَةِ بَعْضُ غُيُومِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَمَا بَعْضُ لَا حَرَّ أَحْيَبَ بَأْسَ الْبَعْضِ الْآخِرِ

هُوَ مَا أَحْبَبَهُ اللَّهُ تَعَالَى مِنْ أَحْوَالِ الْآخِرَةِ لِأَنَّ الْقِيَمَةَ نَعَا كَسَبَ فِي النَّوْجِ مَا هُوَ كَسَبَ لِيَوْمِ الْقِيَمَةِ

”گر کہا جاوے کہ جب نوح و قلم کا علم حضور کے علوم کا بعض ہو تو دوسرے بعض کون سے علوم ہیں جواب دیا جاوے گا کہ وہ بعض آخرت کے حالات کا
علم ہے جسکی اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو خبر دی کیونکہ قلم نے تو نوح میں وہی لکھا ہے جو قیامت تک ہوئے والا ہے۔“

ملا علی قاری حل عقد شرح قصیدہ بردہ میں ہی شعر کے ماتحت فرماتے ہیں۔

وَكُونَ غُيُومَهُمَا مِنْ غُيُومِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَ غُيُومُهُ تَتَوَخَّ لِي الْكُتُبِ وَ مَحْرُوسَاتِ وَ حَقَائِقِ وَ مَعَارِفِ

وَعَوْرَاتِ تَتَعَلَّقُ بِذَاتِ وَ لُصْفَاتِ وَ عَمِيمَاتِ يَكُونُ بَهْرُ نَسْنَسِ بَحُورِ عِلْمِهِ وَ حُرُوفَاتِ مِنْ سَطُورِ عِلْمِهِ

”نوح و قلم کے علوم حضور علیہ السلام کے علوم کے بعض اس لئے ہیں کہ حضور کے علوم منقسم ہیں جزئیات اور کلیات اور حقائق اور معرفت و رت

معرفتوں کی طرف جس کا تعلق ذات و صفات سے ہے لہذا نوح و قلم کا علم حضور کے علم کے دریاؤں کی ایک نہر ہے اور حضور علیہ السلام کے علم کی

سطروں کا ایک حرف۔“

ان عبارتوں سے بعد فرمادیا کہ وہ نوح و قلم جن کے علوم کو قرآن سے فرمادیا کہ

وَلَا رَطْبٌ وَلَا يَابِسٌ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُنْبَسٍ ”کوئی خشک و تر چیز کسی نہیں جو لون محفوظ میں نہ ہو۔“

اس کے علوم علم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سمندروں کا ایک قطرہ ہے تو معلوم ہوا کہ ماسک و ماسکوں کا علم حضور علیہ السلام کے علم کے دفتر

کا ایک نقطہ ہے۔

امام بصیری صاحب قصیدہ بردہ اپنے دوسرے قصیدہ وائے القریٰ میں فرماتے ہیں۔

وَمَعَ لِعَالَمِينَ عِلْمًا وَ حِلْمًا فَهُوَ بِحُورٍ لَمْ نَعْمَهَا الْأَعْدَاءُ

”حضور علیہ السلام کے بے علم و خلاق سے جہانوں کو گھیر لیا۔ پس آپ ایسے سمندر ہیں کہ اس کو گھیرنے والے نہ گھیر سکے۔“

شیخ سیماں جمل اس شعر کی شرح میں اقوال احمدیہ میں فرماتے ہیں۔

أَيُّ وَمَعَ عِلْمِهِ عُلُومَ الْعَالَمِينَ إِلَّا نَسِ وَالْجِسِّ وَالْمَسْكَةِ لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَطْعَمَهُ عَلَى الْعَالَمِ نَحْمَهُ فَعَلَّمَهُ

عِلْمَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ وَمَا كَانَ وَمَا يَكُونُ وَ حَسْبُكَ عِلْمُهُ الْقُرْآنُ وَقَدْ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى مَا

فَرَطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ حَبِي

”یعنی آپ کا علم تمام جہانوں یعنی جن و انساں و فرشتوں کے علم کو گھیرے ہوئے ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے آپ کو تمام عام پر خبردار فرمایا پس اگلے

پچھوں کا علم سکھایا اور ماکان و مایکون بتایا اور حضور علیہ السلام کے علم کے لئے علم قرآنی کافی ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے اس کتاب میں کوئی چیز

امٹا نہ رکھی۔“

امام ابن حجر کی اس شعر کی شرح میں افضل القدی میں فرماتے ہیں۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَعَالَى اطَّعِمَهُ عَلَى الْعَالَمِ فَعَمَّ الْأُولَى وَالْآخِرِينَ وَمَا كَانَ وَمَا يَكُونُ

”کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام جہان پر جبر وافر فرمایا جس آپ نے اولین و آخرین کو درجہ کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہوگا اس کو جان لیا“
ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ سارے جہان والوں کا علم حضور علیہ السلام کو دیا گیا۔ جہان والوں میں حضرت آدم و ماٹکہ اور ملک الموت اور شیطان وغیرہ سب ہی ہیں۔ اور ملک الموت و شیطان کے لئے علم غیب تو دیر بعد ہی ملے گا۔
امام بھیرہ قصبہ ہمدان میں فرماتے ہیں۔

وَكُنْهُمْ مِنْ رُسُلِ اللَّهِ فَلَمَسَ عِرْفَا مِنْ الْبَحْرِ اِدْر شَفَا مِنْ الذَّيْمِ

”تمام رسول حضور علیہ السلام سے ہی نیٹے والے ہیں سمندر سے ایک چلو یا تیز بادش سے بچیں۔“
علامہ خرپوتی شرح قصبہ ہمدان میں اس شعر کے تحت فرماتے ہیں۔

ذَٰ جَمِيعِ الْاَنْبِيَاءِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ طَلَبُوا وَاحِدًا وَنَعِمَ مِنْ عَمَلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَدَى كَالْبَحْرِ فِي لَعْنَةِ لُكْرَمٍ مِنْ
كَرَمِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الَّذِي هُوَ كَانَدِيْمٌ لَدُنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَعْصُومٌ وَهُوَ مَعْصُومٌ لِأَنَّهُ تَعَالَى خَلْقُ بَدَاءِ رُوحِهِ
عَلَيْهِ السَّلَامُ وَوَصَّعَ عَنْهُمْ لَانْبِيَاءٍ وَعَلِمَ مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ ثُمَّ حَمَلَهُمْ فِي خَدِّهِ وَغَنَمَهُمْ مِنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ

”ہر نبی نے حضور علیہ السلام کے اس علم سے مانگا اور اپنی جو سماعت میں سمندر کی طرح ہے اور سب نے کرم حضور ﷺ کے اس کرم سے حاصل کیا جو
تیز بادش کی طرح ہے کیونکہ حضور علیہ السلام فیض دے دے ہیں اور دہائی فیض دے دے۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے لا حضور علیہ السلام کی روح پیدا
فرمائی پھر اس روح میں نبیوں کے اور ما کاں و مانگوں کے علم رکھے پھر اس رسول کو پیدا فرمایا جس اس سب نے اپنے علوم حضور ﷺ سے لئے۔
حافظ سلیمان امیر بڑ شریف ص ۲۸۸ میں فرماتے ہیں۔

يَعْلَمُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ لَعْرَشِ لِي الْعَرْشِ وَيَطْمَعُ عَنِ جَمِيعِ مَا فِيهَا وَهَذَا الْعَنْوَمُ بِالسَّيِّئَةِ إِلَيْهِ عَلَيْهِ
السَّلَامُ كَالْفِ مِّنْ سَيِّئِ خَرَاءِ أَلِي هِيَ الْفَرَانِ الْعَرَبِ

حضور علیہ السلام عرش سے فرش تک کو جانتے ہیں اور جو کچھ ان میں ہے اسکی خبر رکھتے ہیں اور یہ سارے علوم حضور علیہ السلام کی بہت سے ایسے ہیں
جیسے اللہ ۶۶ جزو کی نسبت سے جو قرآن کریم ہیں۔

امام سلطان مواب میں فرماتے ہیں۔

النَّبِيُّ مَا حُوْدَةٌ مِنَ النَّبِيِّ مَعْنَى الْحَبْرِ أَيْ اطَّعِمَهُ اللَّهُ عَلَى الْعَبْدِ

”بوت مانے شتق ہے جس کے معنی ہیں خبر یعنی اللہ نے اس کو غیب پر جبر و فرمایا۔“

مواب لدنیہ جلد دوم صفحہ ۹۲، القسم الثانی فصلا حبر بہ علیہ السلام من العیوب میں ہے۔

لَا شَكَّ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَدْ اطَّعِمَهُ عَنِ اِرْيَدٍ مِنْ دَمِكِ وَالْقِي عَلَيْهِ عَمَّ الْأُولَى وَالْآخِرِينَ

”اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو اس سے بھی زیادہ پر اطلاع دی اور آپ پر گلوں، بچپنوں کا علم پیش کر دیا۔“
حضرت مجدد الف ثانی مکتوبات شریف جلد اوّل مکتوب ۳۱۰ میں فرماتے ہیں۔

پر علم کہ مخصوص۔ دست بجات خاص رسل را اطلاع سے اخذ۔ ”رج النبوة جلد اول میں ہے۔“ اربعے صلحا ارا اہل فضل شنیدہ شدہ کہ بعضی عرفا کتابے
نوشتہ احداثت کردہ اندکی اس حضرت را تمام علوم لعی معلوم ساخت بودند و این سخن بظاہر مخالف سیدے از در است تا قائل آنچہ قصد باشد
جو علم رب تعالیٰ کیساتھ خاص ہے اس پر خاص رسولوں کو اطلاع دیتے ہیں۔ بعض علمائے صاحبین میں سے تا گیا ہے کہ بعض عارفین نے کوئی کتاب
لکھی ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ حضور علیہ السلام کو تمام علوم الہیہ معلوم کر دیئے گئے تھے۔ یہ کلام بظاہر تو بہت سے دلیل کے خلاف ہے نہ معلوم کہ
قائل نے اس سے کیا مراد لی ہے۔

یہ عبارت اس لئے پیش کی گئی کہ بعض لوگوں نے حضور علیہ السلام کا علم حد کے علم کے برابر مانا و فرق صرف ذاتی اور عطائی کا جانا۔ مگر شیخ
عبدالحمق نے اس کو مشرک نہ مانا۔ بلکہ عارف کہا۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے علم غیب مانا مشرک نہیں۔ میرزا محمد رسالہ کے خطبہ میں
ہے۔ کَانَ صَوَادِقِ التَّصَدِيقَاتِ بَطْيَانِهَا مَتَوَخَّيَةً إِلَى حَضْرَةِ الْاَقْدَسِ وَحَقَائِقِ التَّصَوُّرَاتِ بِانْفُسِهَا
مُتَوَسِّلَةً إِلَى حَبَابِ الْمُفَذِّ بِسُفْرُوخِهِ الْمَعْلَى مَرَكِرِ الْمُعْغُولَاتِ تَصَوُّرَاتِهَا وَتَصَدِيقَاتِهَا وَنُصْبِهَا الْعَلِيَا

مسبع العقیدات نظر ثانیات و فطریاً تھا اس کی شرح لواء الہدی مصنف غلام بخش میں اس عبارت کے ماتحت ہے **فدائہ علیہ السلام جامع بیس جمیع اصحاء لعلوم سبحان اللہ اس عبارت نے پروے اٹھا دیئے۔** منطقیوں نے بھی بارگاہ نبوت میں پیشانی رگڑ دی۔

مولانا عمر العلوم عبدالحی لکھنوی علیہ الرحمۃ خطبہ حواشی میر ہند سالہ میں فرماتے ہیں۔

عَلَّمَهُ غُورًا مَا حَتَّى عَلَيْهِ الْعِلْمُ لَا عَنَى وَمَا اسْتَطَاعَ عَلَى احاطَتِهَا اللَّوْحُ لَا وَهِيَ لَمْ يَلِدْ الذَّهْرُ مِثْلَهُ مِنْ لَارٍ وَلَمْ يُولَدْ إِلَى الْاَبَدِ فَبِئْسَ لَهُ مِنْ فِى سَمَوَاتٍ وَ لَارِضٍ كُفُوًا احَدٌ

"حضور علیہ السلام کو رب نے وہ علوم سکھائے جن پر علم اعلیٰ بھی مشتمل نہیں اور جس کے غیرے نے پر وہ محفوظ قادر نہیں نہ تو آپ کی مثل زمانے میں پیدا ہو لیں سے اور نہ اب تک ہو در آسمانوں و زمین میں کوئی آپ کا ہمسر نہیں۔"

علامہ شتوتی جمع التہذیب میں فرماتے ہیں۔

قَدْ وَرَدَتْ اِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَمْ يَخْرُجْ شَيْءٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتَّى اطْعَمَهُ عَنَى كُلِّ شَيْءٍ

"یہ وہ ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو دنیا سے نہ نکالا یہاں تک کہ آپ کو کچھ سرچیز پر مطلع فرمادیا۔"

شرح معانی لکھی صفحہ ۷۷ میں ہے۔

بِالْجَمَلَةِ الْعِلْمُ بِالْفَيْبِ اَمْرٌ تَعَزَّدِيهِ اللَّهُ تَعَالَى لَا سَبِيلَ لِيهِ لِلْعَبَادِ لَا بِعِلَامٍ مِنْهُ اَوْ لِهَامٍ بِطَرِيقِ

الْمُعْجَزَةِ اَوْ الْكِرَامَةِ

"غلام یہ ہے کہ فیب جانا ایک ایسی بات ہے جو خدا سے خاص ہے بدو کو اس تک کوئی راہ نہیں بلکہ رب کے بتائے یا ہام فرمائے معجزے یا کرامت کے طریقہ پر۔"

در مختار شروع کتاب انج میں ہے۔

فَرَضَ الْحَجَّ سِتَّةَ تَسْعٍ وَاِنَّمَا اُخْرَدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَعِشْرَ لَعْدَرٍ مَعَ عِلْمِهِ بِفَدَاءِ حَبْنِهِ لِيَكْمَلَ التَّبَعُ

"حج ۹ھ میں فرض ہوا اور حضور علیہ السلام نے اس کو سہ ماہ تک مؤخر فرمایا کسی عذر کی وجہ سے اور حضور علیہ السلام کو اپنی زندگی پاک کے باقی رہنے کا علم بھی تھا۔ تاکہ تبلیغ پوری ہو جائے۔"

اس عبارت سے معلوم کہ کب وفات ہوگی اس کا جانا علوم غیب سے ہے مگر حضور علیہ السلام کو اپنی وفات کی خبر تھی۔ کہ سنہ ۹ھ میں نہ ہوگی۔ اسی لئے اس میں حج نہ فرمایا۔ ورنہ حج فرض ہوتے ہی اس کا ادا کرنا ضروری ہے کیونکہ ہم کو موت کی خبر نہیں۔

خرپاتی نے شرح تفسیر ہمدانی میں اس شعر کے ماتحت بیان فرمایا۔

وَوَاقِفُونَ لَذِيهِ عِنْدَ حَدِّهِمْ وَهِيَ حَدِيثُ بُرْوَى عَنْ مُعَاوِيَةَ اَنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ بَيْنَ يَدَيْهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ

فَمَّا لَمْ يَلْقَ الْذُّوْدَ خَرَفَ لَعْدَهُ وَاقَمَ بِنَاءً وَفَرَّقَ لَسِينَ وَلَا تَعَوَّ الْمِيَمَ مَعَ اَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ

يَكْتُبُ وَلَمْ يَقْرَأْ مِنْ كِتَابِ الْاَوَّلِينَ

"حضرت امیر معاویہ سے حدیث مروی ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کے سامنے کھڑے تھے۔ پس حضور علیہ السلام نے ان کو فرمایا کہ دوام اس طرح رکھو قلم کو پھیرا اب کو سیدھا کر دو سین میں فرق کرو۔ اور ہم کو ٹیلہ حاکم کرو۔ باوجودیکہ حضور علیہ السلام نے لکھنا نہ سیکھا اور نہ انگوٹ کی کتاب پڑھی۔"

تفسیر روح البیان میں روایت **وَلَا نَحْطُ بِمَعْنَى** ہے۔

حضور علیہ السلام مٹوں کو جانتے تھے اور انکی خبر بھی دیتے تھے۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام علم خط بھی بخوبی جانتے تھے۔ انکی پوری تحقیق ہماری کتاب شاہ حبیب الرحمن آیات القرآن میں دیکھو مشکوٰی شریف میں ہے۔

مرید کن در چشم خاک دلایا	تا بہ جہنم ز اہل تانا اٹھا
کاملاں از دور غامت بشنود	تا پھر تانا پودت در دود
بلکہ پیش از نادان تو سالبا	دیدہ داشتند چھدی حال

حال تو عالم یک یک موبو

زانگہ پر ہستہ از اسرار نو

اسی مٹوئی شریف میں مورا ناگوار قیدیوں کا ایک واقعہ نقل فرما کر فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رشا فرمایا۔

مکرم سر عالم بقم نہاں

آدم و خواہستہ از جہاں

من شمار وقت ذرات است

دیدہ پایستہ و مشکوں و پست

از حدود آسمان ہے حمد

آنچہ دانستہ بدم افروں نہ شد

یعنی ہم سارے جہان کو اس وقت سے دیکھ رہے ہیں جب آدم و حوا پیدا ہوئے تھے اسے کافر قیدیوں ہم نے تمہیں جہنم کے دس مومن اور ہماری دیکھا تھا۔ اس نے تمہیں قید کیا ہے کہ تم ایمان لاؤ۔ بے ستوں آسمان کی پیدائش ہم نے دیکھی ہے اس کچھ نہ زیادہ ہو۔
لہذا نے کرم کے ال قوس سے معلوم ہو کہ حضور علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے سارے انبیاء ملائکہ سے زیادہ علوم عطا فرمائے سورج محفوظ و قلم کے علوم حضور علیہ السلام کے علوم کا قہر ہے اور عام کی کوئی چیز ایسی نہیں جو اس چشم حق بین سے مخفی رہی ہو۔

پانچویں فصل

مناہین کو تائید کے بیان میں

اب تک تو منافقین کی مہارات سے علم، عجب حضور علیہ السلام کے لئے ثابت کیا گیا۔ اب منافقین کے اکابر کی وہ مہارت پیش کی جاتی ہیں۔ جن سے مسئلہ علم غیب بخوبی حل ہو جاتا ہے۔

حاجی امداد اللہ صاحب شام انداویہ صلیہ امیں فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ علم غیب عبادہ و ادبہ کو نہیں ہوتا، میں کہتا ہوں کہ اہل حق جس طرف نظر کرتے ہیں۔ دریافت و ادراک ملحیات کا ان کو ہوتا ہے۔ اصل میں یہ علم حق ہے۔ مختصر یہ کہ اسلام کو حدیبیہ در حضرت عائشہ کے معاہدہ کی خبر پہنچی۔ اس کو دلیل اپنے دعویٰ کی سمجھتے ہیں۔ یہ لفظ ہے کیونکہ علم کے واسطے توجہ ضروری ہے۔ (ادوار غیبیہ ص ۲۵)

مسووی رشید احمد سنگھوی لکھتے ہیں کہ رشید یہ صحیح ہے کہ میں فرماتے ہیں۔ انبیاء علیہ السلام کو ہر وہ مشاہدہ و امور غیبیہ در تھیکہ (مستحق حق تعالیٰ کا ہوتا ہے)

کَمَا قَالَ الشَّيْ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَوْ تَعَصَّوْا مَا أَعَدَّ لَكُمْ قَلْبًا وَلَكِنْ كَثِيرًا أَوْفَرًا أَيْ اِزِي مَا لَا تَرَوْنَ (ابوہیبہ ص ۲۲)

مسووی اشرف علی تھانوی حکیل الحقین مطبوعہ ہندوستان پرنٹنگ پریس صفحہ ۳۵ میں فرماتے ہیں کہ شریعت میں وارد ہوا ہے کہ رسل و ادبیاء غیب در آئندہ کی خبر دیا کرتے ہیں۔ کیونکہ جب خدا غیب اور آئندہ کے حوادث کو جانتا ہے اس لئے کہ ہر حادثہ اس کے علم سے اسی کے ارادے کے متعلق ہونے سے اسی کے فعل سے پیدا ہوتا ہے تو پھر اس سے کون مرمانع ہو سکتا ہے۔ کہ یہی خدا ن رسل و ادبیاء میں سے جسے چاہے اسے غیب یا آئندہ کی خبر دے دے۔ مگر چہ ہم اس کے قائل ہیں کہ قدرت انسانی کا یہ صحیح نہیں کہ وہ بد اقا اور خود مضیات میں سے کسی شے کو جان سکے لیکن اگر خدا کسی کو بتادے تو اس کو کون روک سکتا ہے۔ پس ان لوگوں کو جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ خدا کے بتائے سے ہی معلوم ہوتا ہے اور پھر وہ لوگ دروں کو خبر دیتے ہیں۔ ان میں سے یہ کوئی نہیں جو بد اقا علم غیب کا دعویٰ کرتا ہو۔ چنانچہ شریعت محمدیہ باہدات علم غیب کے دعویٰ کرنے کو اعلیٰ درجہ کے ممنوعات میں شمار کرتی ہے۔ اور جو اس کا دعویٰ کرے اس کو کافر مانتا ہے۔

مسووی محمد قاسم صاحب نانوتوی تھذیرات اس کے صفحہ ۴ پر لکھتے ہیں۔ علوم دین مشا اور ہیں اور علوم آخرین اور لیکن وہ سب علم رسول اللہ میں مجتمع ہیں۔ اسی طرح سے عام حقیقی رسول اللہ ہیں اور انبیاء باقی اور اولیاء باسرخ ہیں۔

اس آحری عبارت پر غور کرنا چاہیے کہ مسووی قاسم صاحب نے حضور علیہ السلام میں اولین اور آخرین کا علم جمع دنا ہے۔ در دین میں حضرت آدم و حضرت قلیل و حضرت ابراہیم علیہم السلام اسی طرح سارے ملائکہ حاملین عرش و حاضرین سورج محفوظ بھی شامل ہیں۔ لہذا سب کے علوم سے حضور علیہ السلام کا علم زیادہ ہونا چاہیے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے علم کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

چھٹی فصل

علم غیب کے عقلی دلائل اور اولیاء کے علم غیب کے بیان میں

چند عقلی دلائل سے بھی علم ماکاں و مائیں کا ثابت ہے وہ دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سلطنت الہیہ کے دور پر اعظم بلکہ اعظم ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ اللہ بنایا گیا۔ تو حضور علیہ السلام اس سلطنت کے خلیفہ اعظم اور زمین میں تائب رب العین ہیں۔ اور سلطنت کے مقرر کردہ حاکم میں دو وصف لازم ہیں۔ ایک تو علم دوسرے اختیار۔ اس دنیاوی سلطنت کے حکام جس قدر بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ اسی قدر ان کی معلومات اور اختیارات زیادہ ہوتے ہیں۔ فلکشر کو سارے مملکت کا علم و اختیارات۔ دائرے کو سارے ملک کے متعلق علم و اختیارات ضروری ہیں کہ ان دونوں کے بغیر وہ حکومت کر ہی نہیں سکتے۔ اور سلطانی قانون رعایا میں جاری ہی نہیں کر سکتے۔ اسی طرح حضرات انبیاء میں جن کا جس قدر بڑا درجہ اسی قدر ان کے اختیارات اور علم زیادہ۔ حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کو رب العالمین نے ان کے علم ہی سے ثابت فرمایا کہ چونکہ اس کو اتنا وسیع علم دیا ہے وہی خلافت الہیہ کے سارے امور میں پھر ملانکہ سے سجدہ کرتا ان کے اختیارات خصوصاً کا ثبوت تھا کہ مذکور بھی ان کے سامنے جھک گئے۔ چونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سارے عالم کے ہی و عرش و فرش کے لوگ آپ کے اتنی ہیں۔ لہذا ضروری تھا کہ آپ کو تمام انبیاء سے زیادہ علم اور زیادہ اختیارات دیئے جاویں۔ کی سب سے بہت سے معجزات دکھائے گئے۔ چاند سارے سے چھڑا۔ ذوبا ہوا سورج و پس فرمایا۔ پانی برسا پھر حکم دیا۔ کھل گیا۔ یہ سب اپنے خدا واد اختیارات کا اظہار تھا۔

(۲) موسیٰ قاسم صاحب نافوتی نے تختہ بناس میں لکھا ہے کہ امجدہ نصف سے علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں۔ رہا اہل۔ اس میں ایک ہر کبھی اتنی نی سے بڑھ جاتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ عمل میں اتنی نی سے بڑھ سکتے ہیں۔ مگر علم میں نی کا زیادہ ہونا ضروری ہے اور حضور علیہ السلام کے اتنی تو ملانکہ بھی ہیں لیکنوں للعلمین مدبراً تو علم میں حضور علیہ السلام کا ملانکہ سے زیادہ ہونا ضروری ہے اور۔ پھر حضور علیہ السلام کس وصف میں نصف سے افضل ہوں گے اور ملانکہ حاضرین لوح محفوظ کو تو ماکاں و مائیں کا علم ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ حضور علیہ السلام کو اس سے بھی زیادہ علم ہو۔ (۳) چند سال کمال استاد کی صحبت میں رہ کر انسان عالم بن جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام قبل و وقت پاک کروڑوں برس رب تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر رہے تو حضور کیوں نہ کامل عالم ہوں۔ روح انہی ان نے **لقد جاءکم فیہ** کی تفسیر میں فرمایا کہ حضرت جبریل نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ ایک ستر ہزار سال بعد چلے گا۔ اور میں نے اسے ہنر بزار دفعہ چکے دیکھا۔ فرمایا وہ تار ہم ہی تھے۔ حساب نکالو۔ کتنے کروڑ برس دربار خاص میں حاضری رہی۔

(۴) اگر شکر کے علم میں کچھ کمی رہے تو اس کی صرف چار ہی وجہ ہو سکتی ہیں۔ اولاً تو یہ کہ شکر دانا اہل تھا۔ استاد سے پارافیش لے نہ سکا۔ دوم یہ کہ استاد کمال نہ تھا کہ مکمل سکھا نہ سکا۔ سوم یہ کہ استاد یا پھیل تھا کہ پورا پورا علم اس شکر کو نہ دیا اس زیادہ کوئی اور پیرا شکر دانا تھا کہ اس کو سکھا نا چاہتا ہے۔ چوتھے یہ کہ جو کتاب پڑھائی وہ ناقص تھی۔ اس چار وجوہ کے سوا اور کوئی وجہ ہو سکتی ہی نہیں یہاں تک کہ نے والا پورا درکار کیجئے و لے محبوب علیہ السلام کیا سکھا یا قرآن و اپنے خاص علوم بتاؤ یا رب تعالیٰ کامل استاد نہیں۔ یا رسول اللہ علیہ السلام لائق شکر نہیں؟ حضور علیہ السلام سے زیادہ کوئی اور پیرا ہے؟ یا کہ قرآن مکمل نہیں؟ جب ن میں سے کوئی بات نہیں۔ رب تعالیٰ کامل عطا کرنے والا محبوب علیہ السلام کامل پینے والے۔ قرآن کریم کامل کتاب۔ **الرحمن عنہ** انفرادی وہی سب سے زیادہ مقبول بارگاہ۔ پھر علم کیوں ناقص۔

(۵) رب تعالیٰ سے ہر بات لوح محفوظ میں کیوں لکھی۔ لکھا تو اپنی یادداشت کے لئے ہوتا ہے کہ بھول نہ جائیں۔ یا دوسروں کے بتائے کے لئے رب تعالیٰ تو بھولوں سے پاک لہذا اس نے دوسروں ہی کے لئے لکھا اور حضور علیہ السلام تو دوسروں سے زیادہ محبوب لہذا وہ تحریر حضور کے لئے ہے۔

(۶) فہیوں کی غیب رب تعالیٰ کی ذات ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کی تمنا فرمائی تو فرمادیا گیا۔ **لیس فیہ** تم ہم کو نہ دیکھ سکو گے۔ جب محبوب علیہ السلام نے رب ہی کو معراج میں پائی۔ ظاہری نبیوں کے آنکھوں سے دیکھ لیا۔ تو عالم کی چیز ہے جو آپ سے چھپ سکے۔

اور کوئی غیب کیا تم سے کہا ہو بھلا

دیدار الہی کی بحث ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں دیکھو۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ الایمان بالقدر فصل اول کے آخر میں ہے۔

کہ ان لیس صلی اللہ علیہ وسلم ر فی الذب لا یفلاہ بہ نوراً

”حضور علیہ السلام سے دیا میں رب کو دیکھا۔ کیونکہ خود نور ہو گئے تھے۔“

۷) شیطان دیا کا گمراہ کرنے والا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دیا کے ہادی۔ گویا شیطان دیوانی بیماری ہے۔ در نبی علیہ السلام طبیب مطلق۔

رب تعالیٰ نے شیطان کو گمراہ کرنے کے لئے اتنا وسیع طمر دیا کہ دنیا کا کوئی شخص اس کی نگاہ سے غائب نہیں۔ پھر سے یہ بھی خبر ہے کہ کون گمراہ ہو سکتا ہے۔ کون نہیں۔ اور جو گمراہ ہو سکتا ہے۔ وہ کس جیل سے۔ ایسے ہی وہ ہر دین کے ہر مسئلہ سے خبردار ہے اس لئے ہر نیکی سے روکتا ہے۔ ہر برائی کراتا ہے۔ اس نے رب تعالیٰ سے عرض کیا تھا۔ **لَا عُوْیُنُہُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا عِبَادُکَ مِنْہِ الْمُحْصِیْنَ** جب گمراہ کرنے والے کو تھام

علم دیا گیا۔ تو ضروری ہے کہ دیا کے طبیب مطلق صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت دینے کے لئے اس کہیں زیادہ ظلم والے ہوں کہ آپ ہر شخص کو اس کی بیماری کو اس کی استعداد کو اس کے علاج کو جانیں۔ ورنہ ہدایت مکمل نہ ہوگی۔ اور رب تعالیٰ پر اعتراض پڑے گا کہ اس نے گمراہ کرنے والے کو قوی کیا اور ہادی کو کمزور رکھا۔ لہذا اگر اسی تو کمال رہی اور ہدایت ناقص۔

۸) رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی کے خطاب سے **پکارا بِاَیْہَا نَبِیُّ** در نبی کے معنی ہیں۔ خبر دینے والا۔ اگر اس جبر سے صرف دین کی خبر مراد ہو تو ہر مولوی ہی ہے اور ائمہ دین کے وقت مراد ہوں تو ہر خیاب۔ ریڈیو، خط، تاریخینے والا ہی ہو جاوے۔ معلوم ہو کہ نبی میں خبریں معتبر ہیں یہی فرشتہ کی در عرش کی خبر دینے والا ہے۔ تاریخ، اخبار، کامنٹس سبکیں۔ وہاں نبی کا علم ہوتا ہے معلوم ہو کہ علم غیب نبی کے معنی میں داخل ہے۔ یہاں تک کہ حضور علیہ السلام کے علم غیب کی بحث تھی۔ اب یہ بھی چاہنا چاہئے کہ حضور علیہ السلام کے صدقے سے اوپر لے کر دم کو بھی علم غیب دیا جاتا ہے۔ مگر اس کا علم نبی علیہ السلام کے واسطے سے ہوتا ہے اور ان کے علم کے مستند کا قطعہ۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں کتاب عقائد تالیف شیخ ابو عبد اللہ شیرازی سے نقل فرماتے ہیں۔

العبد یفعل فی الاحوال حسی بصر الی معنی لزواجہ فیعدہ الغیب

بندہ عبادت میں منتقل ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ روحانیت کی مفت پڑتا ہے۔ پس غیب جانتا ہے۔

اسی کتاب مرقاۃ میں کتاب عقائد سے نقل فرمایا۔

یظنّ العبد علی حقائق الاشیاء ویسأل فی الغیب وعلی الغیب

”کامل بندہ حیرت کی حقیقتوں پر مطلع ہو جاتا ہے اور اس پر غیب اور غیب الغیب کھل جاتے ہیں۔“

مرقاۃ جلد دوم صفحہ ۶ باب الضلوة عسی **نَبِیِّ وَصَیْہَا** میں فرماتے ہیں۔

السُّؤَالُ الزَّكِيَّةُ الْفَدَسِيَّةُ دَانَحْرُودَت عَنْ اِعْلَاقِ الدِّيَةِ حَرَحَت وَانْصَلَّتْ بِالْمَلَاءِ الْاَعْلٰی وَلَمْ

يَبْقٰ لَهُ حِجَابٌ فَرٰى الْكُنْ كَ لَمْ يَهْدْ بِنَفْسِہَا اَوْ بِاَحْبَارِ الْمَلِكِ لَهَا

”پاک و صاف نفس جبکہ بدلتی علاقوں سے خالی ہو جاتے ہیں تو ترقی کر کے بزم ہاں سے مل جاتے ہیں اور اس پر کوئی پردہ باقی نہیں رہتا۔ پس وہ تمام یروں کا مثل محسوس و حاضر کے دیکھتے ہیں خود تو اپنے آپ یا فرشتہ کے الہام سے۔“

شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر عزیری سورہ جن میں فرماتے ہیں۔ ”طلاق بروح محفوظہ وادین نقوش نیز اربعے الہا۔ تو اتر است۔“ روح محفوظہ کی خبر رکھنا اور اس کی تحریر دیکھنا بعض اولیاء اللہ سے بھی بطریق تو ترسحقوں ہے۔

امام ائیں حجر کی کتاب انعام میں اور علامہ شامی سل الجہام میں فرماتے ہیں۔

الخواص یعجزون ان یعلمہ الغیب فی فصبہ او قصہ کم وقع لکثیر منہم واشتہر

”جانے ہے کہ خاص خاص حضرات کسی معاملہ یا فیصے میں غیب جاں میں جیسا کہ بہت سے اولیاء اللہ سے واقع ہوا اور یہ مشہور بھی ہو گیا۔“

شاہ ولی اللہ صاحب الحافظ القدس میں فرماتے ہیں۔

”نفس کلیہ بجائے جسد عارف سے خود ذات و عارف بجائے روح و جسد عام بطعم حضور سے جند۔“

عارف کا نفس بالکل جسم بن جاتا ہے اور عارف کی ذات بجائے روح کے ہو جاتی ہے وہ تمام عارف کو علم حصولی سے دیکھتا ہے۔

در کتابی شرح مواہب جلد ۷ صفحہ ۲۳۸ میں فرماتے ہیں۔

قال فی لفظانہ المسمی اطلاق العبد عسی عیب من عیوب اللہ بدسبل حبر اتفو من فرائسہ المؤمن

ہو نہ یظنّ بؤر اللہ لا یستعرب وھو معرے کث بصرہ اللہ ی یضربہ فمں الحق بصرہ ف طلائعہ

عسی لغیب لا یستعرب

لَمْ يَجْهَدِ الْقَدَمُ غَنُومَ الْغَيْبِ ”نہی خود میں مجتہدیں کا قدم مضبوط ہے۔“
حضورِ نبوتِ پاک فرماتے ہیں۔

نَظَرْتُ إِلَى بِلَادِ اللَّهِ جَمْعَهَا
 "ہم نے اللہ کے سارے شہروں کو اس طرح دیکھ لیا۔"

”خُذُوا زِينَتَكُمْ عَلَىٰ طُحُفِ الْإِقْبَالِ
”جیسے چندرائی کے ذیلے ہوئے ہوں۔“

شیخ عبدالحق محدث دہلوی دہداد شرار میں حضور غوث پاک کا ارشاد نقل فرماتے ہیں۔

قال رضى الله عنه يا ابطال يا ابطال هُمز و حد واعن هذا البحر لئدى لا ساحل له وعرة قرني ان
السعداء والاشقياء يعرضون عنى وان بونوا فاعبى فى الشرح المحفوظ واشاعى فى بحر علم الله
”سے بہا اور اے فرزندو آقا اس دریائے کچھ لے لو۔ جسکا کنارہ ہی نہیں۔ قسم ہے اپنے رب کی کہ تحقیق نیک بخت اور بد بخت لوگ۔ مجھ پر پیش کیے
جاتے ہیں اور ہمارا گوشہ چشم میں محفوظ رہتا ہے اور میں نہ کے علم کے سمندر میں غوطے نہا رہا ہوں۔“

مولانا جانی بھٹا، انس میں حضرت خوب بہ والدین تشہد یہ قدس سرہ کا قوس نقل فرماتے ہیں۔
حضرت عزیز بن علیہ الرحمۃ لکھتے اند کہ میں در نظر میں مرقہ چوں سفرہ ایست دما می گویم کہ چوں نامنے است بچہ چیز از نظر ایشان غائب نیست۔
"حضرت عزیز" ان علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ اس گروہ اولیاء کی فکر میں زمین و ستر خواں کی طرف سے ہے۔ درہم کہتے ہیں کہ ناخن کی طرح ہے کہ کوئی چیز
ان کی نظر سے غائب نہیں۔"
امام شعرانی کبریٰ احمر میں فرماتے ہیں۔

وَقَالَ شَيْخُ الْإِسْلَامِ عَلِيُّ الْحَوْزِيُّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَمَعَتْهُ بَقُولُ لَا يَكْمُلُ الرُّوحُ عِلْمًا حَتَّى يَهْمُ حُرُوكَاتُ مُرِيدِهِ فِي اسْتِقَالِهِ فِي الْأَصْلَابِ وَهُوَ مِنْ يَوْمِ الْمَسِّ إِلَى اسْتِقْرَارِهِ فِي الْحَيَّةِ أَوْ فِي الْمَاءِ

”ہم نے اپنے شیخ سید علی خواجہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارے نزدیک اس وقت تک کوئی مرد کامل نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے مرید کی حرکات نہی کو نہ جان لے۔ یوم میثاق سے بے کراں کے جنم یا دوزخ میں داخل ہونے تک کو۔“

شاہ اولی اللہ صاحب فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں۔

ثُمَّ إِنَّهُ يَجِدُ لِي حَبْرَ الْحَوِّ يُصَيِّرُ عَبْدَ اللَّهِ الْيَسْحَى لَهُ كُلُّ شَيْءٍ

”پھر وہ مرد عارف ہارگا حق کی طرف جذب ہو جاتے ہیں جس کو وہ اللہ کے بندے ہوتے ہیں اور انکو جنتیٰ ملے ہو جاتی ہے۔“

مشکوٰۃ جہد اول کتاب الدعوت باب ذکر اللہ والقرآن میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، پر روایت بخاری۔

فدا حیثه فکست سمعه الدی یسمع به و بصره الدی یبصر به و بده الدی یبسط بها و رحمة الدی یمشی بها

”رب تعالیٰ فرماتا ہے میں جبکہ میں اس بندے سے محبت کرتا ہوں تو اس کے کان میں جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور آنکھ میں جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اور اس کا پاؤں جس سے چلتا ہے۔“

یہ بھی خیال رہے کہ حضرت خضر علیہ السلام والیہاں علیہ السلام اس وقت زمین پر زندہ ہیں۔ اور یہ حضرات اب نقیصہ مصطفیٰ علیہ السلام کے ولی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب تشریف لائیں گے وہ بھی اس نقیصہ کے ولی کی حیثیت سے ہوں گے۔ ان کے علوم کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ ان کے علوم بھی اب حضور علیہ السلام کی نقیصہ کے اولیاء کے علوم ہیں۔

دوسرا باب

علم غیب پر اعتراضات کے بیان میں

اس باب میں چار فصلیں ہیں۔ پہلی فصل اس آیات قرآنیہ کے بیان میں جو مخالفین پیش کرتے ہیں دوسری فصل احادیث کے بیان میں تیسری فصل اقوال علماء فقہاء کے بیان میں۔ چوتھی فصل عقلی اعتراضات کے بیان میں۔

اس بات کے شروع سے پہلے بطور چند ضروری بحثیں قائل غور ہیں۔

(۱) جن آیات و احادیث یا اقوال فقہاء میں حضور علیہ السلام کے علم غیب کی نفی ہے ان میں یا تو ذاتی علم مرد ہے یا قہری معلومات یعنی رب تعالیٰ کے معلومات کے برابر عطائی علم کی نفی نہیں درت پھر آیات و احادیث میں جو ہم ثبات میں عیاں کر چکے ہیں مطابقت کیوں کر ہوگی۔ علامہ ابن حجر قذافی حدیث میں اس قسم کے تمام دلائل کے جواب میں فرماتے ہیں۔

مَعَا هَا لَا يَعْلَمُ ذَلِكَ اسْتِقْلَالًا وَعِلْمُهُ احْصِيَهُ الْاَلَلُ تَعَالَى اِنَّمَا الْمُعْجَزَاتُ وَالْكَرَمُ لِمَنْ لِيَا عِلَامِ
اللّٰهُ تَعَالٰی

”اے اللہ کے معنی یہ ہیں کہ مستقل طور پر (داتی) اور احاطہ کے طور پر کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے لیکن معجزات اور کرامات پس وہ خدا کے قہر سے ہوتے ہیں۔“

مخالفین کہتے ہیں کہ جن دلائل میں علم غیب کا ثبوت ہے اس سے مراد سب کچھ کا علم ہے۔ اور جن میں نفی ہے ان سے مراد ذاتی (نیاد کی چیزوں کے علوم ہیں۔ مگر یہ تو جہ ان آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ و اقوال علمائے کرام کے خلاف ہے۔ جو ہم نے ثبوت میں پیش کی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کا علم۔ اسی طرح یونس محفوظ کا علم سب ہی چیز و کائنات میں ہے۔ پھر حضور علیہ السلام کا فرمانا کہ تمام عالم ہمارے سامنے مثل ہاتھ کے ہے لہذا یہ تو جہ بالکل باطل ہے۔

(۲) مخالفین کے پیش کردہ دلائل کہ رب فرماتا ہے کہ غیب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یا حضور فرماتے ہیں کہ میں غیب نہیں جانتا یا فقہاء فرماتے ہیں کہ جو غیر خدا کے علم غیب مانے وہ کافر ہے۔ وہ خود مخالفین کے بھی خلاف ہیں۔ کیونکہ بعض علوم غیبیہ کے تو وہ بھی قائل ہیں۔ صرف جمیع مآکان و ملکوں میں اختلاف ہے اس آیات و اقوال فقہاء سے تو یہ بھی نہیں نکال سکتے۔ کیونکہ اگر ایک بات کا بھی علم مانا۔ ان دلائل کے خلاف ہو۔ سہیہ کلیہ کی تفتیش موجب جزئیہ ہوتی ہے۔

مخالفین کہتے ہیں کہ اس دلائل میں کل علم غیب کی نفی ہے نہ کہ بعض کی تو جھگڑ ہی ختم ہو گیا۔ کیونکہ مآکان و ملکوں علم ہی کے سمندروں کا قہر ہے۔ ہم بھی حضور علیہ السلام کے لئے علوم الہیہ کے مقابلہ میں بعض ہی علم کے قائل ہیں۔

(۳) مخالفین کہتے ہیں کہ علم غیب حد کی صفت ہے ہذا غیر خدا کے لئے، نہ کفر ہے اس کفر میں وہ بھی داخل ہو گئے۔ کیونکہ صفت الہیہ میں اگر ایک میں شرکت مانی تو کفر ہو جو شخص عالم کی ایک چیز کا خالق کسی بندے کو مانے وہ بھی بے دین ہے۔ تمام عالم کا خالق کسی کو مانے تو بھی کافر اور وہ بھی بعض علم غیب تو حضور علیہ السلام کے لئے ثابت کرتے ہیں۔ پھر کفر سے کیسے بچے ہاں یہ کہو کہ ذاتی علم خدا کی صفت صحتی علم حضور علیہ السلام کی صفت لہذا اشرف نہ ہوا یہی ہم کہتے ہیں۔

پہلی فصل

آیات قرآنیہ کے بیان میں

(۱) قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبُ (پارہ ۷ سورہ ۶، آیت ۵)

”تم فرمادو کہ تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہہ کر میں آپ غیب جان بیٹا ہوں۔“

اس آیت کی چار توجہیں مفسرین نے کی ہیں اول تو یہ کہ علم غیب ذاتی کی غیبت ہے۔ دوم یہ کہ کل علم کی غیبت ہے۔ تیسرے یہ کہ کلام تو مع انکسار کے طور پر بیان فرمادیا گیا ہے۔ چہارم یہ کہ آیت کے معنی یہ ہیں میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میں غیب جانتا ہوں یعنی دعویٰ علم غیب کی غیبت ہے نہ کہ علم غیب کی ملاحضہ ہوں تھامیر۔

تفسیر نیشاپوری میں اس آیت کے ماتحت ہے۔

يَحْتَمِلُ أَنْ يُكُونَ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبُ عَصَا عِصَى لَا قَوْلُ لَكُمْ أَيْ قُلْ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبُ فَيَكُونُ فِيهِ

دَلَالَةٌ أَنَّ الْغَيْبُ لَا يَسْتَقِلُّ لَا يَعْلَمُهُ إِلَّا اللَّهُ

”اس آیت میں یہ احتساب بھی ہے کہ اعلم کا صلف، اقوال پر ہو یعنی اسے محبوب فرمادو کہ میں غیب نہیں جانتا تو اس میں دلالت اس پر ہوگی کہ غیب بالاستقلال یعنی ذاتی سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔“

تفسیر بیضاوی یہی آیت۔

لَا أَعْلَمُ الْغَيْبُ مَا لَمْ يُوْحَ إِلَيَّ أَوْ لَمْ يَنْصِبْ عَلَيْهِ دَلِيلُ

”میں غیب نہیں جانتا جب تک اسکی مجھ پر وحی نہ کی جاوے یا کوئی دلیل نہ ہو۔“

یا اس سے مراد کل علم کی غیبت ہے۔ تفسیر کبیر میں ای آیت کے ماتحت ہے۔

قَوْلُهُ لَا أَعْلَمُ الْغَيْبُ يَدُلُّ عَلَى اعْتِرَافِهِ بِأَنَّهُ عَزِيزٌ عَلِيمٌ بِكُلِّ الْمَعْنُومَاتِ

”یہ فرمان کہ میں غیب نہیں جانتا حضور علیہ السلام کے اس اقرار پر دلالت کرتا ہے کہ آپ سارے معلومات نہیں جانتے۔“

یا یہ کلام بطور تواضع و انکسار فرمایا گیا۔ تفسیر حازن میں ای آیت کے ماتحت ہے۔

وَمَا نَقُولُ عَنْ نَفْسِهِ الشَّرِيفَةِ هَذِهِ الْأَنْشَاءُ تَوَاضَعًا نَعَايَ وَاعْتِرَافًا لِنُفُودِهِ فَلَسْتُ أَقُولُ شَيْئًا مِنْ

ذَلِكَ وَلَا أَذْعِيهِ

”حضور علیہ السلام نے اس چیز وکی اپنی ذات کریمہ سے نفی فرمائی رب کے لئے عاجزی کرتے ہوئے اور اپنی ہدگی کا اقرار فرماتے ہوئے یعنی میں

انہیں سے کچھ نہیں کہتا اور کسی چیز کا دعویٰ نہیں کرتا۔“

تفسیر مرآۃ البیان میں ہے۔

وَتَوَضَّعَ حِينَ أَقَامَ نَفْسَهُ مَقَامَ لَا سَابِقَةَ بَعْدَ أَنْ كَانَ أَشْرَفَ خَلْقِ اللَّهِ مِنَ الْعَرْشِ إِلَى الشَّرَى وَ

أَطْهَرَ مِنَ الْكَرْهِ وَبَيْنَ وَاسِزٍ وَحَاسِيَيْنِ خُضُوعًا لِحَبْرَتِهِ وَحُشُوعًا لِمَكُونِهِ

”حضور علیہ السلام نے انکسار فرمایا کہ اپنی ذات کو نسبت کی جگہ میں رکھا اور نہ آپ از عرش تا فرش ساری مخلوق میں اشرف ہیں اور نہ نگہ اور روحانین

سے زیادہ سترے ہیں۔ حق تعالیٰ کی شان جباری کے سامنے عاجزی کے طور پر تنگی عظمت کے سامنے پستی کے عہد کے طریقہ پر یہ فرمایا۔ یہ دعویٰ

علم غیب کی غیبت ہے کہ میں علم غیب کا دعویٰ نہیں کرتا۔

تفسیر نیشاپوری میں ہے۔

أَيْ لَا أَذْعِي الْقُدْرَةَ عَلَى كُلِّ الْمَقْذُورَاتِ وَ لَعَلَّه بِكُلِّ الْمَعْنُومَاتِ

”یعنی میں تمام مقدرات پر قدرت رکھنے اور تمام معلومات کے جاننے کا دعویٰ نہیں کرتا۔“

تفسیر کبیر یہی آیت۔

أَيْ لَا أَذْعِي نَحْوِي مَوْضُوفًا بِعِلْمِ اللَّهِ وَ بِمَحْمُوعٍ عِدَّةٍ الْكَلَامِ حَصَلَ أَنَّهُ لَا يَذْعِي إِلَّا لِهَيْبَةٍ

”یعنی میں اللہ کے علم سے متصف ہونیکا دعویٰ نہیں کرتا اور ان دونوں باتوں کے مجموعہ کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام خدا ہونیکا دعویٰ نہیں کرتا۔“

عَصَفَ عَنِ عَدَى حَرَانِ اللّٰهِ وَلَا مَذْكُرَ دَسْتِي اِي وَلَا اَدْعٰى اَسِي عَدٰى وَكِنْ لَا اَقُوْلُ لَكُمْ فَمِنْ

قُلْ اِنَّ سَيِّئَ اللّٰهِ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ فَقَدْ اَحْطٰ بِمَا اَصَابَ اِس کا عصف عدى حرائس اللہ پر ہے اور لا رائدہ ہے لئی کا یاد دہانے والی یعنی میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ خدا کے تعالٰیٰ میں غیب جانتا ہوں اس بنا پر کہ قرآن اللہ میرے پاس تو ہیں مگر میں یہ کہتا نہیں۔ تو جو شخص یہ کہے کہ میں اللہ غیب نہیں جانتے تھے اس سے غلطی کی اس آیت میں جس میں یہ مصیب تھا۔

تفسیر مدارک یہی آیت۔

وَمَحَلُّ لَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ النَّصْبُ عَصَفًا عَنِ مَحَلِّ عَدَى حَرَانِ اللّٰهِ لِاَنَّهُ مِنْ جُمْلَةِ الْحَقُوْلِ كَمَاَنَّهُ قَالُ لَا اَقُوْلُ لَكُمْ هٰذَا الْقَوْلُ وَلَا هٰذَا الْقَوْلُ وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ

”وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ اَرَابِ ر ہے عدى حرائس اللہ کے محل پر عصف کی وجہ سے کیونکہ یہ بھی کہی ہوئی بات میں سے ہے گویا آپ نے یوں فرمایا کہ میں تم سے نہ یہ کہتا ہوں اور نہ یہ۔“

تفسیر نیشاپوری اِی قُلْ لَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ لِيَكُوْنَ فَاِنَّ دَلَالَتَهُ عَنِ الْغَيْبِ بِسُفْلَانِ لَا مَعْلَمَهُ اِلَّا اللّٰهُ

معنی اس آیت میں لا قول دو جگہ ہے پہلے لا قول کے بعد دو چیزوں کا ذکر ہے کہ میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ غیب جانتا ہوں۔ دوسرے لا قول کے بعد صرف ایک چیز کا ذکر ہے کہ میں نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں۔ اس لئے کہ پہلے دو میں تو دعویٰ کی لئی ہے اور مدعی کا ثبوت اور دوسرے قول میں دعویٰ اور مدعی دونوں کی نفی ہے یعنی میرے پاس اللہ کے خزانے بھی ہیں اور میں غیب بھی جانتا ہوں۔ مگر ان کا دعویٰ اور مدعی دونوں کی نفی ہے جی میرے پاس اللہ کے خزانے بھی ہیں اور میں غیب بھی جانتا ہوں۔ مگر ان کا دعویٰ نہیں کرتا۔ حدیث پاک میں ہے۔ اَوْفَيْتُ مَقَاتِيحَ حَرَانِ لَا رَحْصَ مَشْكُوْهٍ فَاِنَّ مَسِيْدَ الْمَرْسِيْنَ يَتَّقِيْ مَخْذُوْمًا مِّنْ خَزَائِنِ كَيْسٍ دَعَا دِيْ كُنِيْ وَرَحْمَ غَيْبِ كِي حَادِثٌ يَّمْ يَشْ كَرُجْ كِي۔ اور نہ میں واقع میں فرشتہ ہوں اور نہ اس کا دعویٰ کرتا ہوں۔ اگر یہ نکتہ نہیں۔ تو ایک ہی جگہ لا قول۔ اتنی تھا۔ دو جگہ کیوں لایا گیا۔ گمراہی میں کا ہوئی تو جنہیں نیکی جاوے تو یہ آیت مخاضین کے بھی خلاف ہے کیونکہ بعض علم غیب تو وہ بھی مانتے ہیں۔ اور یہ آیت بالکل لئی کر رہی ہے۔ نیز یہاں لکھ میں کفار سے خطاب ہے یعنی کافروں میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس خزانے ہیں تم تو چور ہو۔ چوروں کو خزانے نہیں بتائے جاتے۔ قریشیانوں کی طرح امرا کی چوری نہ کرو۔ رب تعالٰیٰ نے بھی شیطان کو آسمان پر جانے سے منع کیا۔ روکا کہ وہ چور ہے۔ یہ تو صدیق سے کہہ جاؤ کہ مجھے خزانہ الہیہ کی بھینیاں سپرد ہوئیں نیز یہاں معذرت فرما کر بتاؤ کہ خزانہ میرے پاس نہیں میری ملک میں ہیں۔ کیونکہ خزانہ خزانہ الہی کے پاس درحالک کی ملک میں ہوتا ہے۔ میں خزانہ نہیں دیکھا کہ ان کے اشارہ پر ہاں برسائے ان کی انگلیوں سے چٹختے چاری ہوئے۔

۳) وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَا مَسْكُوتٌ مِّنَ الْحَجَرِ (بارہ سورہ۔ بت ۸۸)

”اور اگر میں غیب جان لیا کرتا تو میں ہوتا کہ میں نے بہت بھلائی جمع کر لی۔“

اس آیت کے بھی مفسرین نے غیب مطلب بتائے ہیں۔ ایک یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ کلام بطور کسب رکھے ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں تمام معلومات الہیہ جانتے کی نفی کرنا مقصود ہے۔ تیسرے یہ کہ علم غیب ذاتی کی نفی ہے۔

نسیم الریاض میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَوْلُهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ فَاِنَّ الصَّمِيَّ عَنْهُ مِّنْ عِبَرٍ وَاسْطَبَّةٍ وَاَمَّا اِطْلَاغُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِاَعْلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰی فَاَمْرٌ مَُّتَحَقِّقٌ بِقَوْلِهِ تَعَالٰی فَلَا يَظْهَرُ عَلٰی عِيَبِهِ اَحَدًا اِلَّا مِّنْ اَرْبَعِيْ مِّنْ رُّسُوْلٍ

علم غیب کا ماننا اس آیت کے معنی نہیں کہ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ اس کی نفی علم غیب و وسط کی ہے لیکن حضور علیہ السلام کا غیب پر مطلع ہونا اللہ کے بتانے سے واقع ہے رب تعالٰیٰ کے اس فرمان کہ وہ ہے

فَلَا يَظْهَرُ عَلٰی عِيَبِهِ اَحَدٌ مِّنْ كُلِّ مَطْلُوْبٍ اَلٰلِہِ يَشْفَعُ لَہِیْ جَانَّتِیْ نَفْسِیْ

شرح مواقف میں میر سید شریف فرماتے ہیں۔

الَا طَّلَاعُ عَلَىٰ جَمِيعِ الْمَغِيبَاتِ لَا يَحِبُّ لِنَبِيِّ وَلَدِ أَقَالِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ (الآيَةُ) وَجَمِيعُ مُغِيبَاتٍ غَيْرُ مُتَاهِيَةٍ
صادی حاشیہ جلالین میں ہے یہی آیت۔

اِنْ قُلْتُ اَنْ هَذَا يَشْكُلُ مَعَ مَا تَقْدِرُ مِنْ اَنْهُ اطَّلَعَ عَلَىٰ جَمِيعِ مُغِيبَاتِ الذُّبِّ وَالْاَحْرَةِ وَالْجَوَابُ اَنْهُ
قَالَ ذَلِكَ تَوَاصُّفًا

تمام سطحوں پر مطلع ہونا ہی کیسے ضروری نہیں اسی سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَآيَةُ تَرَامُغِ غَيْرِ تَنَاهِي
ہیں۔ (یہ کلام کسار کے طور پر ہے اگر تم کہو کہ یہ آیت گزشتہ کلام کے خلاف ہے۔ کہ حضور علیہ السلام کو تمام دنیا و دیر دی نجوہوں پر مطلع کر دیا گیا تو
جو سب یہ ہے کہ یہ کلام لَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ بطور انکار فرمایا گیا ہے۔
تفسیر غارنا میں جمیل حاشیہ جلالین سے اسی آیت کے ماتحت نقل کیا۔

فَلَمْ قُلْتُ قَدْ أَخْبَرَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنْ الْمَغِيبَاتِ فَدَحَاءُ بِأَحَادِيثٍ فِي الصُّحُوحِ بِذَلِكَ وَهُوَ
مِنْ أَعْظَمِ مُعْجَزَاتِهِ فَكَيْفَ الْحَمْعُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قَوْلِهِ لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ قُلْتُ بِحَتْمٍ اِنْ يَكُونُ قَدَرُهُ
تَوَاصُّفًا وَادْنَا وَالْمَعْنَى لَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اِنْ نَظُمْنِي اللَّهُ عَلَيْهِ وَبَعْدُ لَهُ لِي وَبِحَتْمٍ اِنْ يَكُونُ قَالَ
ذَلِكَ قَبْلَ اَنْ يُطْلِعَهُ اللَّهُ عَلَى الْغَيْبِ فَمَتَى طَلَعَهُ اللَّهُ احْمَرَهُ

نہیں اگر تم کہو کہ حضور علیہ السلام نے بہت سے نبیوں کی خبر دی ہے اور اس کے متعلق بہت سی احادیث صحیحہ وارد ہیں۔ اور علم غیب تو حضور علیہ السلام کا
بڑا معجزہ ہے تو اس باتوں میں اور اس آیت میں لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ میں مطابقت کس طرح ہوگی تو میں کہوں گا کہ یہاں اہتمام یہ ہے کہ یہ
کلام کسار کے طریقہ پر فرمایا ہو اور اس کے معنی یہ ہیں کہ میں غیب نہیں جانتا بغیر خدا کے بتائے اور یہ بھی اہتمام ہے کہ یہ کلام غیب پر مطلع ہونے سے
پہلے کا ہو۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو غیب پر مطلع فرمایا تو خبریں دیں۔
علامہ سیمان جمل نے تو حاشیہ جلالین جلد دوم صفحہ ۲۵۸ میں اسی کی شکل فرمادی۔

اِي قُلْ لَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ لِيَكُونَ فِيهِ دَلَالَةٌ عَلَىٰ اَنَّ الْغَيْبَ بِمُسْتَفْلَاةٍ لَا يَعْلَمُ إِلَّا اللَّهُ
”یعنی فرمادو کہ میں غیب نہیں جانتا“ اس آیت میں اس پر درست ہے کہ غیب ہر استغناء یعنی ذاتی خدا کے سوائے کوئی نہیں جانتا۔“
تفسیر صادی یہی آیت

اَوْ اَنَّ عِلْمَهُ بِالْمَغِيبِ كَلَا عِلْمِهِ مِنْ حَيْثُ اَنْهُ لَا قُدْرَةَ لَهُ عَلَى تَعْيِيرِ مَا قَدَّرَ اللَّهُ فَيَكُونُ الْمَعْنَى حَيْثُ
لَوْ كَانَ عِلْمُهُ حَقِيقَتِي بَانَ اَقْدَرُ عَلَى مَا أُرِيدُ وَقُوْعُهُ لَا مَسْكَوْرَتٌ مِنَ الْحَبِيرِ
”حضور علیہ السلام کا علم غیب جانات نہ جانے کی طرح ہے۔ کیونکہ آپ کو اس چیز کے بدلنے پر قدرت نہیں جو اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمادیں۔ تو معنی
یہ ہوئے کہ اگر مجھ کو امر حقیقی ہوتا اس طرح کہ میں چاہی امر کے واقع کرنے پر قادر ہوتا تو خیر بہت سی جمع کر لیتا۔“

یہ تو جہ نہایت ہی نفیس ہے کیونکہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سی خیر جمع کر لیتا اور مجھ کو تکلیف نہ پہنچتی اور صرف کسی چیز کا جانا
خیر جمع کرنے اور مصیبت سے بچنے کے لئے کافی نہیں جب تک کہ خیر کے حاصل کرنے اور مصیبت سے بچنے پر مستقل قدرت نہ ہو۔ مجھ کو علم ہے کہ
بڑھاپا آدیا اور اس کے بعد مجھ کو یہ تکلیف پہنچیں گی۔ مگر یہ صاف ہے کہ دفع کرنے پر قدرت نہیں۔ مجھے آج خبر ہے کہ لحد چند روز کے بعد مگر
ہو جاوے گا۔ کہ میرے پاس آج روپیہ نہیں کہ بہت سا نقد خرید لوں خرید نہیں سکتا۔ مظلوم ہو کہ خیر حاصل کرنا مصیبت سے بچنا علم اور قدرت دونوں
پر موقوف ہے اور یہاں قدرت کا ذکر نہیں۔ تو علم غیب سے وہ علم مراد ہے جو قدرت حقیقی کے ساتھ ہو یعنی علم ذاتی جو لامر الوہیت ہے جس کے ساتھ
قدرت حقیقی لازم ہے ورنہ آیت کے معنی نہیں درست ہوتے۔ کیونکہ مقدم اور تالی میں تروم نہیں رہتا اور اس کے بغیر قیاس درست نہیں ہوتا۔

نیز دیکھو کہ تو اس آیت کے یہ معنی کرتے ہیں کہ اگر میں غیب جانتا تو بہت خیر جمع کر لیتا اور مجھے کوئی مصیبت نہ پہنچتی۔ مگر چونکہ میرے پاس خیر

ہے اور نہ میں مصیبت سے بچا ہوا غیب نہیں جانتا۔

ہم یہ ترجمہ کر سکتے ہیں کہ غور کر لو اگر میرے پاس خیر ہوا اور میں مصیبت سے بچوں تو سمجھ لو کہ مجھے علم غیب بھی ہے میرے پاس بہت خیر تو ہے۔

مِنْ يُؤْتِ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ حِزًّا كَثِيرًا نِزْلًا اَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ نِزْلًا نَعْمُهُمُ الْكِتَابُ وَالْحِكْمَةُ اور میں مصیبت سے بھی محفوظ کہ رب تعالیٰ سے مراد یہ واللہ بعصمتک ما شئناں لہذا مجھے علم غیب بھی ہے۔ یہ آیت تو علم غیب کے ثبوت میں ہے نہ کہ انکار میں۔

روح بیاں یہی آیت

وَقَدْ ذَهَبَ بِبَعْضِ الْمَشْرِعِ لِيْ اَنْ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَسَّ يَعْرِفُ وَقَدْ اَلْتَمَعَتْ بِاعْلَامِ اللّٰهِ وَهُوَ لَا يَأْتِي الْخَصْرَ فِي الْاَيَةِ كَمَا لَا يَخْفَى

”بعض مشرّع اس طرف گئے ہیں کہ نبی علیہ السلام قیامت کا وقت بھی جانتے تھے اللہ کے بتائے سے اور ان کا یہ کلام اس آیت کے حق کے خلاف نہیں۔ جیسا کہ نقل نہیں۔“

۳) وَعِنْدَ مُفَاتِحِ الْغَيْبِ لَا يَعْنِيهَا لَا هُوَ بِرَبِّهِ سُوْرَةُ ۶۵ بَت ۵۹

”اور اسی کے پاس ہیں سچیاں غیب کی ان کو وہ ہی جانتا ہے۔“

مفسرین نے مراد یہ ہے کہ مفاتیح غیب (غیب کی کھجور) سے مراد یہ تو غیب کے خزانے ہیں۔ یعنی سارے معلومات غیب کا جانا یا اس سے مراد ہے غیب کو اس طرح کے پیروں کے پیدا کرنے پر قادر ہونا۔ کیونکہ کئی کام یہ ہی ہوتا ہے کہ اس سے نقل کھو جائے اور اندر کی چیز باہر اور باہر کی چیز اندر کر دی جائے اسی طرح حاضر کو غائب و غائب کو حاضر کرنا یعنی پیدا کرنے اور موت دینے کی قدرت پروردگاری کو ہے۔

تفسیر کبیر میں اسی آیت کے تحت ہے۔

فَكَذَلِكَ هُنَا لَمَّا كُنْ عَلَمًا بِجَمِيعِ الْمَعْلُومَاتِ عِبْرَ هَذَا الْمَعْنَى بِإِعْبَارَةِ الْمَذْكُورَةِ وَعَنِ

التَّفسيرِ الدَّاسِي الْمُرَادُ مِنْهُ الْقُدْرَةُ عَلَى كُلِّ الْمُمَكِّنَاتِ

”جبکہ پروردگار تمام معلومات کا جاننے والا ہے تو اس مطلب کو اس عبارت سے بیان کیا اور دوسری صورت پر مراد اس سے سارے ممکنات پر قادر ہونا ہے۔“

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے تحت ہے۔

وَقَسَمُ تَصْوِيرِهَا أَلَدَى هُوَ مَصْنُوعٌ يُفْصَحُ بِهِ بَابُ عَدَمِ تَكْوِينِهَا عَلَى ضَوْرَتِهَا وَكَوْنُهَا هُوَ الْمَكْنُونُ

فَلَمَّا مَلَكَوتُ كُلِّ شَيْءٍ يَكُونُ كُلُّ شَيْءٍ وَقَدْ تَمَّ الْمَكْنُونُ بِيَدِ اللَّهِ لِأَنَّ الْغَيْبَ هُوَ عَدَمُ التَّكْوِينِ

”ان چیزوں کے نقش باء سے کالم جو یک کئی ہے جس سے ان چیزوں کے پیدائش کا دروازہ کھولا جاتا ہے (انکی مناسب صورتوں پر) وہ ہی ملکوت ہے، ہاں ہر چیز کے ملکوت کے قلم سے ہر چیز کی ہستی ہوتی ہے اور ملکوت کا قلم اللہ کا ہاتھ میں ہے اس لئے کہ غیب سے مراد پیدا کرنا یا جانا ہے۔“

تفسیر خازن میں اسی آیت کے تحت ہے۔

لَآ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَعَالَى لَمَّا كُنْ عَلَمًا بِجَمِيعِ مَعْنُومَاتِ عِبْرَ هَذَا الْمَعْنَى بِإِعْبَارَةِ الْعَادَةِ وَعَلَى التَّفسيرِ الدَّاسِي

يَكُونُ الْمَعْنَى وَعَدَهُ حِرَاسُ الْغَيْبِ وَالْمُرَادُ مِنْهُ الْقُدْرَةُ لِكَمْنَةِ عَلَى كُلِّ الْمُمَكِّنَاتِ

”کیونکہ رب تعالیٰ جب تمام معلومات کا جاننے والا ہے تو اس کے معنی کو اس عبارت سے بیان کیا اور دوسری تفسیر پر انکے معنی یہ ہونگے کہ اس کے نزدیک غیب کے خزانے ہیں اور اس سے مراد ہے ہر ممکن چیز پر قدرت کاملہ۔“

یا اس سے مراد ہے کہ غیب کی سچیاں بغیر تعلیم کسی کوئی نہیں جانتا۔

تفسیر عراقی ابیہن میں ہے۔

قَالَ الْحَرِيرِيُّ لَا يَعْنِيهَا لَا هُوَ وَمَنْ يَنْطَلِعُهُ عَلَيْهَا مِنْ حَسْبٍ وَحَسْبٍ أَيْ لَا يَعْنِيهَا لِأَوَّلُونَ وَالْآخِرُونَ قَبْلَ

إِظْهَارِهِ تَعَالَى ذَلِكَ لَهُمْ

”حریری نے فرمایا کہ ان سچیاں کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور سوائے ان محبوبوں کے جن کو اللہ جود رکھے کوئی نہیں جانتا یعنی ان کو اگلے پچھلے اللہ کے

ظاہر فرمانے سے پہلے نہیں جانتے۔“

وَحَدُّ اخْتِصَاصِهَا بِهِ دَعَايَ أَنَّهُ لَا يَعْلَمُهَا كَمَا هِيَ ابْتِدَاءً، لَا هُوَ

”غیب کی کنجیوں کے حد تعالیٰ کے ساتھ حاصل ہونگی وجہ یہ ہے کہ جیسی وہ ہیں اس طرح ابتداء خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔“

اس آیت کے، مگر وہ مطلب نہ بیان کئے جاویں جو ہم نے بتائے تو یہ جاننے کے بھی حادف ہے کیونکہ بعض علم غیب وہ بھی جانتے ہیں۔ اور اس میں علم غیب کی بالکل کمی ہے۔

مکتہ بعض صاحبوں نے مجھ سے فرمایا کہ ائمہ حضرت قدس سرہ نے اس جگہ یہ لکھ لکھا ہے وہ یہ کہ اس آیت میں ہے۔ **عَدَّة مَصَاحِح**

الغیب دوسری میں ہے **لَهُ مَقَالِيدُ السَّمُوتِ وَ الْأَرْضِ** مَصَاحِح اور مقالید دونوں کے معنی ہیں کنجیاں اور مگر مَصَاحِح کا دوسرا غریبی

مصحح ہوا اور مقالید کا دوسرا غریبی معنی م، دو بتواتر ہے نکتہ (مکتہ) جس سے سمجھ میں آتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنجی ہے

لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضور علیہ السلام جیسے میں وہی کوئی نہیں جانتا۔ حقیقت محمدیہ کو رب ہی جانے مَصَاحِح جمع اس

لئے بولا کہ آپ کی ہر رحمت الہی کی کنجی ہے آپ کا نور عام کی کنجی **كُلُّ الْعَالَمِ مِنْ مَوْرِدِ قِيَامَتِ** میں آپ کا مجدد و شفاعت کی کنجی ہے

جنت میں آپ کا نام ہر رحمت کی کنجی اور جنت میں آپ کا جانا سب کے لئے جنت کے کھلنے کی کنجی ہے۔ دیکھو ہماری کتاب شاہ صیب الرحمن۔

مکتہ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں اب یہ سوال ہے کہ کنجی سے کسی کے لئے درود اور غیب کھولا گی کیا یا نہیں؟

یا کسی کو کوئی کنجی دی گئی یا نہیں؟ اس جواب قرآن وحدیث سے پرمختہ آں فرماتا ہے۔ **لَا يَكُنْ لَكَ فِتْنَةٌ** ہم نے آپ کے لئے

نہ ہر پرکھوں دیا۔ کیا کھوں دیا؟ اس کی نہیں تو ہمیں ہماری کتاب شاہ صیب الرحمن من آیات القرآن میں دیکھو۔ قل ان کنجی میں وہ ہی چیز رکھی

جاتی ہے۔ جو کھوں کر نکالی ہو اور جسے نکالنا نہ ہو۔ وہ زمین میں افس کر دی جاتی ہے۔ پتہ لگا کہ غیب کسی کو دینا تھا اس نے کنجی بھی بھیگی۔

حدیث میں ہے۔ **أَوْفَيْتُ مَصَاحِحَ حُرِّ الْأَرْضِ** مجھ کو زمین کے فرائض کی کنجیاں دے دی گئیں۔ اس سے معلوم ہو کہ حضور ﷺ کو

کنجی دی بھی گئی آپ کے لئے فتح باب بھی ہوا۔

(۴) **قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ لَٰكُنَّ** (پارہ ۲۰ سورہ ۲۱ اب ۱۵)

”تم فرماؤ غیب نہیں جانتے وہ آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر نہ۔“

اس آیت کے بھی مفسرین نے دو مطلب بیان فرمائے غیب ذاتی کوئی نہیں جانتا۔ کلی غیب کوئی نہیں جانتا۔

تفسیر المودع جلیل میں اسی آیت کے ماحض ہے۔

مَعَاذَ يَعْلَمُ لَغَيْبٍ لَا دَلِيلَ لَآؤُ بِلَا تَعْلِيمٍ وَ حَمِيعَ الْغَيْبِ

”اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ بغیر دلیل یا بغیر بتائے یا سارے غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔“

تفسیر مدارک یہی آیت

و لَغَيْبٍ مَا لَمْ يَنْصُرْ عَلَيْهِ دَلِيلٌ وَلَا أَصْلَحَ عَلَيْهِ مَحْنُوقٌ

”غیب وہ ہے جس پر کوئی دلیل نہ ہو اور کسی مخلوق کو اس پر مطلع نہ کیا گیا ہو۔“

مدارک کی اس توجہ سے معلوم ہوا کہ اس کی صحت میں جو علم محتاط ہو وہ غیب نہیں کیا جاتا غیب صرف ذاتی کو کہتے ہیں۔ اب کوئی اشکال ہی نہیں

رہا۔ جس آیات میں غیب کی کمی ہے وہ علم ذاتی کی ہے، اس آیت کے کچھ گے ہے۔ **مَا مِنْ عَابٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ**

الْأُفَى كَتَبَ مُبِينٌ جس سے معلوم ہوا کہ ہر غیب لوح محفوظ یا قرآن میں محفوظ ہے۔

لِقَاؤِ مَا مَرُودِي

مَا مَعِيَ قَوْلَ اللَّهِ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمُوتِ وَ أَشْبَهَ ذَلِكَ مع انہ قد علم ما فی عبد و الجوائ

مَعَهُ لَا يَعْلَمُ ذَلِكَ اسْتِقْلَالًا وَ أَمَّا الْمُعْجَرَاتُ وَ لِكِرَامَاتُ فَحَصَلَتْ بِعِلْمِ اللَّهِ لَا اسْتِقْلَالًا

آیت **لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمُوتِ** وغیرہ کے کیا معنی ہیں۔ حالانکہ حضور علیہ السلام آئندہ کی باتیں جانتے ہیں جو اب اس کے معنی یہ ہیں

کہ غیب کو مستقل طور پر (ذاتی) کوئی نہیں جانتا لیکن معجزات اور کرامات میں یہ غیب کے بتانے سے حاصل ہوئے نہ کہ بالاستقلال۔

امام ابن حجر کی فتاویٰ حدیث میں فرماتے ہیں۔

مذكروا في الآية صريح به الووئ في فدواه فصل لا يعلم ذلك استقلالاً وعدم احاطة بكل
المعلومات

شرح فقہاء نقضاتی میں ہے۔ ہذا الا یہ فی الا بت الذلہ علی ائہ یعلمہ العیب الا اللہ و ان النبی علیہ السلام غیر
و سبطہ ما اطلاعہ علیہ باعلاء اللہ وامرہ متحقق

ہم نے اس آیت کے بارے میں جو کچھ کہا اسکی امام نووی نے اپنے فتویٰ تصریح کی ہے انہوں نے کہا کہ غیب مستقل طور پر سارے مخلوقات الہیہ کو کوئی نہیں جانتا یہ کلام ان آیات کے خلاف نہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا کیونکہ لفظ ہے واسطہ علم کی ہے لیکن اللہ کی تعلیم سے جانتا یہ ثابت ہے۔

اگر اس آیت کے یہ مطلب نہ مانتے جاویں تو مخالفین کے بھی خداف ہے کیونکہ وہ بھی بعض لمحوں کا علم حضور علیہ السلام کو دانتے ہیں۔ اور اس میں بالکل لٹی ہے۔ غیر انہوں نے شیطان و ملک الموت کو علم غیب دیا ہے۔ دیکھو برحق جو قطعاً صوفیۃ پھر اس آیت کا کیا مطلب بتائیں گے قرآن کریم میں ہے اِنَّ عِلْمَ خدا کے سوا کسی کا نہیں رہ جائیگا۔ لیسو ابھی لا رخصت کی ہی دو تمام چیزیں ہیں جو آسمان وزمین میں ہیں۔ وحشی باللہ جبکہ اللہ کافی گواہ ہے وحشی باللہ وکیلا اللہ کافی وکیل ہے وحشی باللہ حسب اللہ کافی حساب لینے والا ہے۔

ان آیات سے معلوم ہو کہ حکومت، ملکیت، گوی، وکالت، حساب لینا سب اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اس بادشاہ کو حاکم، ہر شخص کو پتی چیزوں کا مالک، مشرکین کو وکیل، محاسب اور عام لوگوں کو مقتدمات کا گواہ بنا جاتا ہے۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ اس آیات میں حکومت، ملکیت وغیرہ سے حقیقی وردتی مراد ہے اور دوسروں کے لئے یہ اصناف بہ عطاء ہی ملے گئے اسی طرح آیات غیب میں جو بھی کرنا لازم ہے کہ حقیقی کی غیر سے نفی ہے اور عطا کی کاشیت۔

(۵) وَمَا عَسَا فِ الشَّعْرِ وَمَا يَسْهُى لَهٗ اِنْ هُوَ اِلَّا ذَكَرُ وُقُرَّانٍ مُّبِينٍ بارہ ۲۳ سورہ یس ایہ ۶۹

"درہم نے اس کو شعر کہنا نہ سکھایا اور نہ وہ کئی شان کے، بقی ہے وہ جو نہیں مگر نصیحت اور روش قرآن۔"

مفسرین نے اس آیت کے تین مطلب بتائے ہیں ولایہ کہ ظلم کے چند معنی ہیں۔ جانا بلکہ (مشق و تخریر) وغیرہ) اس جگہ ظلم کے دوسرے معنی مرد ہیں۔ یعنی ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر گوئی کا ملکہ نہ دیا نہ یہ کہ اس کو اچھا برا صحیح غلط شعر پہچاننے کا شعور نہ دیا۔ دوسرے یہ کہ شعر کے دو معنی ہیں ایک تو وزن و قافیہ و کلام (عز) دوسرے بھونپی در وہمی یعنی ہم نے اس کو بھونپی در وہمی باتیں نہ سکھائیں وہ جو کچھ فرماتے ہیں حق ہے۔ تیسرے یہ کہ شعر سے مراد اس جگہ جمالی کلام ہے۔ یعنی ہم نے اس کو ہر چیز کی تفصیل بتائی ہے۔ کہ معنی اور ہرمانی باتیں و مفصلا سگھل سی علم بمعنی ملکہ قرآن کریم فرماتا ہے **وَعَلَّمَ صَفْهًا مِّنْهُ لَعَلَّ يَلْمِزُكَ** اور ہم نے اس کو تمہارا ایک پہنا دینا تاکہ یہ۔

وہی نے حضرت جابر سے روایت کیا۔

عَنْوَ بِيكُم الرَّمِي مَعْنَى اِهْنِي اَوْ دَوْتِر مَد رِي سَكِي۔

و لا صَحُّ لَه كَان لَا يُحْسِنُهُ وَلَكِنْ كَان يُعَبِّرُ حَبِيبُ الشَّعْرِ وَرَدِيَّةُ
 ”زیادہ صحیح ہے کہ آپ شعر بخوبی پڑھتے نہ تھے لیکن اچھے اور ردی شعر میں فرق فرماتے تھے۔“

روح بیان یہی آیت **لَا تُحَرِّمُوا عَلَيْهِ فِئَهِمْ** نہ ہو **لَا تُحَرِّمُوا** شعر آپ کے لئے شعر بنانا منع تھا۔ شعر کے معنی ہیں جھوٹا کلام کفار کہہ کر تے تھے کہ قرآن کریم شعر ہے اور حضور علیہ السلام شاعر ہیں۔ **لَا تُحَرِّمُوا** شعر اس شعر سے مراد بھی جھوٹا کلام تو ان کے اس کو اس کی تردید ای آیت نے کر دی کیونکہ مرہا گیا ہے۔ **لَا تُحَرِّمُوا** **فِئَهِمْ** وہ جو نہیں مگر نصیحت اور روشن قرآن یہاں کہ شعر سے مراد منظوم کلام ہو تو اس صہارت سے آیت کا کیا تعلق ہوگا۔

مدارک سید علی آیت

”ای مَا عَلَّمَنا النَّبِیَّ عَلَیْهِ السَّلَامُ قُرْاَنَ الشُّعْرِ اَوْ مَا عَمَدَ بِحَبِیْبِهِ لِقُرْاَنَ الشُّعْرِ عَنِ مَعْنَى ث الْقُرْاَنَ لَیْسَ بِشُعْرِ
 ”یعنی ہم نے نبی علیہ السلام کو شعر کہانہ سکھایا ہم نے ان کو قرآن کی تعلیم سے شعر نہ سکھایا۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم شعر نہیں۔“

خارجی یہی آیت۔

وَلَمَّا هِيَ انْ يَكُونُ الْفُرَّانُ مِنْ جَسَدٍ لِّشَعْرٍ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَفُرَّانٌ مُبِينٌ

"جبکہ اس کی تردید فرمادی کہ قرآن کریم شعر کی جنس سے ہو تو رب تعالیٰ نے فرمادیا کہ نہیں ہے وہ مگر فصاحت اور روشن کتاب۔"

قِيلَ اِنْ كُفَّارٌ فَرِيضٌ قَالُوْا اِنْ مُحَمَّدًا شَاعِرٌ وَمَا يَفْقَرُ لَهُ شَعْرٌ وَاِنْ لَّاهُ نَكْدِيْنًا لَّهُمْ وَمَا عَلَّمَاهُ لَشَعْرٍ

"کہا گیا ہے کہ کفار فریض نے کہا تھا کہ حضور علیہ السلام شاعر ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں (قرآن) وہ شعر ہے اس کی تکفیب کیسے رب تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔"

تنبیہ اس جگہ غلط فہمی سے ہوا کہ روایت میں آیا ہے کہ کسی علیہ السلام کی زبان پاک شعر کے موافق نہ تھی یعنی آپ کوئی شعر پڑھتے تھے تو

وزن بگڑ جاتا۔

دیکھو اسی خارج میں ہے۔

اِی مَا يَسْهَلُ لَهُ ذَلِكْ وَمَا يَصْلُحُ مِنْهُ حَيْثُ لَوْ اَرَادَ نَصَبَ شَعْرٍ لَمْ يَتَّ تْ لِدَلِكْ يَدَارِكُ اِی جَعَلَاهُ

يَحِيْثُ لَوْ اَرَادَ قِرَاءَةَ شَعْرٍ لَمْ يَنْتَهِلْ

"یعنی آپ کو شعر پڑھنا آسان نہ تھا اور آپ سے درست۔ ادا ہوتا تھا اگر کسی شعر کو نظم فرما دیا اور وہ مردانے تو ہو سکتا تھا یعنی ہم نے آپ کو اس طرح

کیا ہے کہ اگر آپ شعر پڑھنے کا ارادہ فرمادیں تو آسان نہ ہو۔"

تفسیر کبیر وَمَا يَسْهَلُ لَهُ حَتَّى اِنَّ تَمَثَّلَ لَهُ سَيْتٌ شَعْرٍ مُّصْعٍ مِنْهُ مُرَاحِفٌ

"آپ کو شعر آسان نہیں۔ یہاں تک کہ اگر کسی کو ادا فرمادے گا ارادہ فرمادیں تو آپ سے ٹوٹا ہوا سنا جاتا ہے۔"

اس کا جو ب یہ ہے کہ شعر کا علم اور بے شعر کا پڑھنا اور پڑے پڑے شعر اور محاورہ کا کر پڑھ نہیں سکتے بہت سے نعت خواں و رتوں علم شعر نہیں رکھتے مگر

شعر پڑھنے پر پورے قادر ہوتے ہیں۔ آپ روٹی پکانا پڑھتے نہیں مگر بھی بری موٹی ہار یک خوب جان لیتے ہیں۔

آپ کی صاحبزادوں سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو شعر پڑھنے کا ملکہ در مشق نہ تھی۔ نہ کہ شعر کی پچھل نہ تھی۔ یہی ہم نے کہا تھا۔ حضور علیہ السلام

کا بعض شعر پسند تھے اور بعض ناپسند۔

روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

كَانَ أَحَبُّ الْحَدِيثِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَشَعْرٍ وَابَقَ كَانُ بَعْضُ الْحَدِيثِ لَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ الشَّعْرُ

"حضور علیہ السلام کو شعر بہت پسند بھی تھا ورنہ بہت ناپسند بھی۔"

نیز احادیث سے ثابت ہے کہ آپ سے بعض شعر کے شعر پڑھے ہیں ورنہ ان کی تعریف فرمائی جیسے کہ لَا كُشُّ شَنْسِي مَا حَلَّ اللَّهُ بِاطْلُ

اگر اچھے بڑے شعر کی پچھل نہیں تو یہ تعریف فرماتا کیسا؟ شعر سے مراد ایمان یعنی غیر مفصل کلام در معنی ہیں۔

روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَالَ لِشَيْخٍ الْاَكْبَرِ اَعْلَمَ اَنْ اَشْعَرَ مَحَلٍّ نَاحِلٍ وَ لِّلْعَرِ وَ التَّوْبَةُ اِی مَا مَرَّ مَا مُحَمَّدًا عَلَيْهِ

السَّلَامُ شَيْئًا وَلَا الْعَرَبُ وَلَا حَظْفَةُ مَشْنِي وَ مَحَلُّ نَرِيْدُ شَيْئًا وَلَا جَعَلْنَا لَهُ الْحَطَابَ حَيْثُ لَمْ يَهْمُ

"جانتا چاہیے کہ شعر ایمان اور انجمن سے اس کا مقام ہے یعنی ہم نے حضور علیہ السلام کے لئے کسی چیز کے اشارے نہ کئے ورنہ یہ کیا کہ ہم ارادہ

کچھ فرمائیں اور خطاب کچھ کریں اور اس سے اس طرح ایمان کلام نہ فرمایا کہ کچھ میں نہ آوے۔"

(۶) مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَّمْ يَفْضُصْ عَلَيْكَ بِرۡه ۲۳ سورہ ۲۰ آیت ۸۔)

"سبھیوں میں سے کسی کا احوال تم سے بیان فرمایا اور کسی کا احوال نہ بیان فرمایا۔"

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے چند توجہیں فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں تمام انبیاء کے حالات کا علم دینے کی نفی نہیں۔ بلکہ قرآن کریم میں صریح

ذکر کی گئی ہے۔ یعنی بعض انبیاء کے واقعات صریح بیان نہ فرمائے۔ دوسرے یہ کہ ذکر تفصیل کی نفی ہے۔ اور ایمان کو سب کا فرمایا گیا ہے۔ تیسرے

یہ کہ وحی ظاہر میں سب کا بیان نہ ہوا۔ وحی خفی میں سب کا ذکر فرمایا گیا۔

تفسیر مادی میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

اِنَّ السَّيِّئَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَحْزَنْ مِنَ الدُّنْيَا حَتَّى عَمِىَ جَمِيعُ الْاَسْبَابِ نَقْصِيلاً كَيْفَ لَا وَهُمْ مُخْتَفُونَ
مَعَهُ وَحُلْفَتُهُمْ لَيْلَةٌ اِلَّا سُرَاءُ فِى بَيْتِ الْمُقَدَّسِ وَلَكِنَّ الْعِلْمَ الْمَكُونُ وَنَمَّا تَرَكَ بَيَانُ قَصَصِهِمْ
لَا مَنَّةَ رَحْمَةً بِهِمْ فَلَمْ يُكْتَفِهِمْ لِأَمَّا كَانُوا يُطَبَّقُونَ

”حضور علیہ السلام دنیا سے تشریف لے گئے یہاں تک کہ تمام انبیاء کو تحصیل جان لیا۔ کیونکہ۔ جانیں دو سب پیغمبر آپ ہی سے پیدا ہوئے اور سب معراج بیت المقدس میں آپ کے حقیقی بے لیکن یہ علم کنون ہے اور ان پیغمبروں کے قصے چھوڑ دیئے امت کے لئے ان پر رحمت فرماتے ہوئے پس انگوشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔“
مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۵۰ میں ہے۔

هَذَا لِإِبْلَاقِ قَوْلِهِ تَعَالَى مَعَهُمْ مِنْ لَمْ تَقْصُصْ عَلَيْكَ لِأَنَّ السَّيِّئَ هُوَ الْمُعْصِي وَكَذَلِكَ هُوَ الْإِحْمَدُ
وَالسَّيِّئُ مُقَيَّدٌ بِالْوَحْيِ الْجَلِيِّ وَالثَّبُوتُ مُعْتَقَدٌ بِوَحْيِ نَحْوِي

یہ کلام اس آیت کے خلاف نہیں کہ مَعَهُمْ مِنْ لَمْ تَقْصُصْ عَلَيْكَ کیونکہ نبی کو علم تفصیل کی ہے اور ثبوت علم و جان کا ہے یا نبی وہی ظاہر (قرآن) کی ہے۔ اور ثبوت وہی غیبی (حدیث) کا ہے۔

قرآن فرماتا ہے كَلَّا نَقْصُصْ عَلَيْكَ مِنْ بَاءِ الرُّسُلِ مَا نَشِئْتُمْ بِهِ فَوَادِّكَ
”اور سب کچھ ہم تم کو رسوئوں کی خبریں سناتے ہیں جس سے تمہارا دل ٹھہرائیں۔“

(ی) یَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَنْصُتُ مَا دَحِمُوا فُلُوهُ لَا عَمَلٌ لَكَ مِنْ عِلْمِ الْغُيُوبِ (پہلے سورہ ۵۵ ب ۱۰۹)
”جس دن اللہ جمع فرما دے گا رسوئوں کو۔ پھر فرما دے گا کہ تم کو کیا جواب ملا۔ عرض کریں گے ہمیں کچھ علم نہیں ہے شک تو ہی نبیوں کا خوب جانے والا ہے۔“
مفسرین نے اس آیت کریمہ کی دو تفسیریں فرمائی ہیں اول یہ کہ خدا یا تیرے علم کے مقابلہ میں ہم کو علم نہیں۔ دوسرے یہ کہ ادب یا یہ عرض کیا گیا۔ تیسرے یہ کہ قیامت میں جس وقت نفسی نفسی فرمے گا وقت ہر گاہ وقت عیسائے کرم یہ فرمائیں گے۔ بعد میں پھر عرض کریں گے ہم نے اپنی قوم کو تبلیغ احکام کی مگر انہوں نے نہ مانا۔ وہ کفار کہیں گے کہ ہم کو احکام نہ پہنچے۔ جس پر اللہ تعالیٰ علیہ السلام انبیائے کرام کی گواہی دے گی۔
تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَعَلَى هَذَا الْقَوْلِ نَبَطُ الْقَوْلِ الْعِلْمُ عَنِ الْمَعْنَى لَا كَمَا يَرَى الْعَمَاءُ لِأَنَّ عَمَلَهُمْ صَارَ كَلَامًا عِلْمٌ عِنْدَ اللَّهِ
”پس اس قول کی بناء پر پیغمبروں نے اپنی ذات سے علم کی ٹہنی کی اگرچہ وہ جانتے تھے کیونکہ علم اللہ کے علم کے سامنے مثل نہ ہونے کے ہوا کیا۔“
مدارک قالوا ادبک تادب ای علمنا بقط مع علمک فکنت لا علمنا
نہیں نے یہ عرض کیا دنا یعنی ہمارا علم تیرے علم کے ساتھ ساتھ ہے پس گو یا ہم کو علم ہی نہیں۔“

تفسیر کبیر یہی آیت۔ اِنَّ الرُّسُلَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ مَا عَمُوا اِنَّ اللَّهَ عَالِمُ لَا يَجْهَلُ حَيْثُ لَا يَسْأَلُ عَدْلٌ لَا
يُظْلَمُ عِلْمُو اِنَّ قَوْلَهُمْ لَا يُفِيدُ حَيْرًا وَلَا يَدْفَعُ شَرًّا وَلَا دُبٌّ هِيَ الشُّكُوتُ وَتَهْوِيصُ الْأَمْرِ إِلَى اللَّهِ
وَعَدْلُهُ فَهَلْ لَوْ لَا عِلْمُ لَمْ يَضَاهِ يَهِيَ آيَتٌ وَفِي الْمَعْنَى لَا عَمَلٌ لَنَا إِلَى حَبِّ عَمَلِك
”(حازن) ہم نے کرام نے جب جاں لیا کہ تہ عام ہے بے علم نہیں۔ علم ہے سمجھ نہیں۔ انصاف اور ہے خام نہیں تو وہ سمجھ گئے کہ ان کی بات نہ تو بھلائی کا قاعدہ دہی اور نہ مصیبت کو دفع کر گئی۔ پس ادب خاموشی میں ہے اور معاذ کو اللہ کے عدل کی طرف سپرد کردینے میں ہے لہذا انہوں نے عرض کر دیا کہ ہم کو علم نہیں کیا گیا ہے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم کو تیرے علم کے مقابل علم نہیں۔“

روح بیان یہی آیت اِنَّ هَذَا اس حوَاب یُکُونُ فِی مَعْصِ مَوَاضِ الْعِصْمَةِ وَبَرَجِ غَفْوَتِهِمْ إِلَيْهِمْ فَيُشْهِدُونَ عَلَى
قَوْمِهِمْ أَنَّهُمْ يَنْفَعُونَ لِرُسُلِهِمْ وَإِنَّ قَوْمَهُمْ كَيْفَ رَدُّوْا عَلَيْهِمْ
یہ جو بقیامت کے بعض موقعوں میں ہوگا۔ اس کے بعد جو اس قائم ہوں گے تو اپنی قوم پر گواہی دیں گے کہ ہم نے رسالت کی تبلیغ فرمادی اور ہمارے قوم نے کیا جواب دیا (طحا)۔

(۸) **وَمَا أَدْرِ مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بَكُمْ** "اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جاویگا اور تمہارے ساتھ کیا۔"

اس سے مخالفین دلیل پکڑتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو نہ تو اپنی خبر تھی۔ نہ کسی اور کی کہ قیامت میں ہم سے کیا معاملہ کیا جاوے گا۔ لیکن اس کی تفسیر میں مفسرین کے دوقوس ہیں۔ اولاً یہ کہ اس آیت میں روایت کی گئی ہے نہ کہ ہم کی۔ وراثت انگل اور قیاس سے جانے کو کہتے ہیں۔ یعنی میں بعیر وحی سے قیاس سے یہ مورثیں جانتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ یہ آیت حضور علیہ السلام کو یہ باتیں بتانے سے پہلے کی ہے۔ ہدایہ منسوخ ہے۔ تفسیر صادی میں ہے یہی آیت۔

ما حَرَّحَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ الذُّبِّ حَتَّى عَلَّمَهُ اللَّهُ فِي الْقُرْآنِ مَا يُعْمَلُ بِهِ وَبِالْمُؤْمِسِينَ فِي الذُّبِّ وَالْآخِرَةِ أَجْمَالًا وَتَفْصِيلًا

"کہ ان سے دوسو تین سے درکافروں سے دنیا و آخرت میں کیا کیا جاویگا۔ کہ ان سے اور مومنین سے اور کافروں سے دیا اور آخرت میں کیا کیا جاوے گا۔"

علامہ ارحس محمد شفی رسالہ مانع و منسوخ میں فرماتے ہیں۔ **وَمَا أَدْرِ مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بَكُمْ نُسَخَ بِقَوْلِهِ أَنَّا فَتَحْنَا لَكَ آيَاتِ مَا أَدْرِ مَا يُفْعَلُ** منسوخ ہے **أَنَا فَتَحْنَا لَكَ** تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

لَسَا بَرَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ فَرَحَ مُشْرِكُونَ فَقَدُوا الْأَلَمَاتِ وَنَغَرَى مَا مَرَّامُ وَمَرُّ مُحَمَّدٍ الْوَاحِدِ وَمَالَهُ عَلِيًّا مِنْ مَرِيئِهِ وَفَصْلٍ لَوْلَا أَنَّهُ مَا أَبْدَعَ مَا بِقَوْلِهِ لَا حَبْرَ لَدَى بَعْنِهِ بَمَا يُفْعَلُ بِهِ فَأَمَرَلِ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ لِيُعْصِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ دَسَكِ الْآيَةِ فَالْقَبْ بَصَحَاتُ هَيْئَتِكَ يَا سَيِّدَ اللَّهِ قَدْ عَلِمْتَ مَا يُفْعَلُ بِكَ فَمَا دَانَ فَعَلَ بِمَا فَمَرَّ اللَّهُ بِنِدْحِ الْمُؤْمِسِينَ وَالْمُؤْمِسَاتِ حَبْ (الایہ) وَا مَرَّ وَبَشَّرَ الْمُؤْمِسِينَ بِأَنَّهُ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ فَصْلًا كَبِيرًا وَهَذَا قَوْلُ سَيِّدٍ وَقَدَّاهُ وَعَكْرَمَهُ قَوْلُ اتِّمَامِ هَذَا قَوْلُ أَنَّهُ يُعْصِرُ بِفَعْرَانِ دَبِهِ وَأَتَمَّ أَحْبَرُ بِفَعْرَانِ دَبِهِ عَمَّ الْخُدَيْبِيَّةِ فَسَخَ ذَلِكَ

"جب یہ آیت نازل ہوئی تو مشرک خوش ہوئے اور کہے گئے کہ رات و روزی کی قسم ہمارا اور حضور علیہ السلام کا تو یکساں حال ہے انگو ہم پر کوئی زیادتی اور بزرگی نہیں اگر وہ قرآن کو اپنی طرف سے گھڑ کر نہ کہتے ہوتے تو ان کو جیسے والا خدا نہیں بتا دیتا کہ ان سے کیا معاملہ کرے گا تو رب نے یہ آیت اتاری لیفصر لک اللہ ما تقدم من دسک الایہ میں صحت کرام نے عرض کیا کہ یارسوس اللہ آپ کو مبارک ہو آپ نے تو جانی جو آپ کے ساتھ ہوگا ہم سے کیا معاملہ کیا جاوے گا تو یہ آیت اتری کہ داخل فرمایا اللہ مسلمان مرد اور عورتوں کو جنتوں میں (الایہ) اور یہ آیت اتری کہ مسلمانوں کو خوشخبری دیتے ہیں کہ ان کے لئے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہے یہ حضرت انس اور قنہ و دیگر کا قول ہے۔ یہ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت سے پہلے کی ہے جبکہ حضور علیہ السلام کو ان کی مغفرت کی خبر دی گئی مغفرت کی خبر آجکود یہیہ کے سال دی گئی تو یہ آیت منسوخ ہوگئی۔

اگر کوئی کہے کہ آیت لا ادری خبر ہے اور منسوخ نہیں ہو سکتی تو اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ بہت سے علماء شیخ جبر جاز کہتے ہیں۔ جیسے **وَلَنْ تُبْذَرُوا (الایہ) لَا يُكْتَفَى اللَّهُ نَفْسًا** سے منسوخ ہے ایسے ہی لا ادری کو بن عباس و انس و ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے **أَنَا فَتَحْنَا لَكَ** سے منسوخ ہے (تفسیر کبیر در مشورۃ و اسود) دوسرے یہ کہ یہاں گویا فرمایا گیا۔ **فَلَا أَدْرِ** اور قل امر ہے۔ شیخ کا تعلق اسی سے ہے۔ تیسرے یہ کہ بعض آیات صورت میں خبر و دعویٰ میں علم ہیں جیسے **كُتِبَ عَلَيْكُمُ الضِّيَاقُ بِاللَّهِ عَلَى النَّاسِ حُجُّ الْبَيْتِ** وغیرہ۔ چوتھی خبروں کا شیخ جاز ہے چوتھے یہ کہ اعتراض ہم پر نہیں بلکہ ان تفسیر اور احادیث پر ہے جس سے شیخ ثابت ہے۔

اگر اس آیت کے تذکرہ یا مطلب نہ بیان کئے جاویں تو صد با احادیث کی مخالفت ہوگی حضور علیہ السلام سے فرمایا کہ قیامت کے دن **لَوْ أَنَّ الْحَمْدَ** ہمارے ہاتھ میں ہوگا آدم و آدمین ہمارے جہنم کے نیچے ہوں گے۔ شعا عت کبریٰ ہم فرمائیں گے۔ ہمارا حوض ایسا ہوگا۔ اس کے برتن اس طرح ہوں گے وغیرہ وغیرہ ایو بکھرتی ہیں۔ حسن و حسین جو انان جنت کے سردار ہیں۔ فاطمہؓ ہر اخوتین جنت کی سردار ہیں۔ کسی کو فرمایا کہ تو جہنمی ہے۔ ایک آدمی بہت چھ جہاد کر رہا ہے صحابہ کرام نے اس کی تعریف کی فرمایا کہ وہ جہنمی ہے۔ آخر کار اس نے خودکشی کی۔ مگر معاد اللہ حضور علیہ السلام کو پٹائی بھی جبر نہ ہو تو اپنی اور دیگر حضرات کی یہ جہریں کس طرح ستارے ہیں وہ تو جس کے ایمان کی رجسٹری فرمادیں۔ وہ کمال

مومن ہے۔ اس جگہ بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر اختصاراً اسی پر کفایت کرتا ہوں، حد اور مست سمجھ عطا فرما دے آمین۔

(۹) لَا يَعْلَمُهُمْ أَحَدٌ مِّنْهُمْ (پارہ ۹ سورہ ۹ آیت ۱۰) ”تم ان کو نہیں جانتے ہم ان کو جانتے ہیں۔“

اس آیت سے مخالفین دلیل پکڑتے ہیں کہ حضور علیہ السلام وہ درمیں آنے والے منافقوں کو نہ پہچانتے تھے بلکہ علم عیب کیسے؟ مگر مفسرین نے اس آیت کی یہ توجیہ کی ہے کہ اس آیت کے بعد یہ آیت نازل ہوئی وَلَنَعْرِفُهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ اور ضرور تم ان کو بات کے طریقہ سے پہچان لو گے، ہذا یہ آیت منسوخ ہے یہ توجیہ ہے کہ بغیر ہمارے بتائے ان کو نہیں پہچانتے۔
جمل میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَإِنْ قُلْتُمْ كَيْفَ نَعْلَمُ بِهِمَا السَّافِقِينَ وَابْنَهُ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى وَلَنَعْرِفُهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ
فَوَجَبَتْ أَنْ يَبْلُغَ لُغِي بَرْتِ قَسْ أَيْ لَا تَبَات

اسی جمل میں یہ آیت۔ وَلَنَعْرِفُهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ بے فکد بعد دلتک لَا يَتَكُنُّهُ مُسَافِقٌ عِدَّ السَّيِّ عِيهِ
السَّلَامُ لَا عَرَفَهُ وَيَسْتَدِلُّ عَنِ فَسَادِ بَاطِلِهِ وَبِقَافِهِ

اسی جمل میں یہ آیت۔ وَلَنَعْرِفُهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ بے فکد بعد دلتک لَا يَتَكُنُّهُ مُسَافِقٌ عِدَّ السَّيِّ عِيهِ
السَّلَامُ لَا عَرَفَهُ وَيَسْتَدِلُّ عَنِ فَسَادِ بَاطِلِهِ وَبِقَافِهِ

اگر تم کہو کہ حضور علیہ السلام کے منافقین کا حال جاننے کی نئی کیوں نہ گئی حالانکہ آیت وَلَنَعْرِفُهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ میں اس کے جاننے کا ثبوت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نئی کی آیت ثبوت کی آیت سے پہلے تری ہے اس آیت کے بعد کوئی بھی منافق حضور علیہ السلام کی حرکت میں کام نہ کرنا تھا۔ مگر حضور علیہ السلام ان کو پہچان پتے تھے اور اس کے ضد باطن اور باطن پر دلیل پکڑتے تھے۔
تفسیر بیضاوی یہی آیت۔

حَصَى عَيْبِكَ حَالِيهِمْ مَعَ كَدَالِ فُطْنِكَ وَصَدَقَ فِرْسَنُكَ

”آپ پر اس کا حال موجود آپ کی کمال سمجھ اور نگی مردم شناسی کے قلمی رو کیا۔“

اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں نذارے سے پتہ لگانے کی نئی ہے۔ اگر اس آیت کی یہ توجیہ نہیں کی جاوے تو ان احادیث کی مخالفت ہوگی جن سے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام منافقوں کو پہچانتے تھے۔ مگر پر دوپہشی سے کام لیتے تھے۔
یعنی شرح بخاری جلد صلی ۲۲۱ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

عَطَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَفَاحَ أَخْرَجَ بِالْقُلَانِ فَانْكَرَ مُسَافِقُ فَاحْرَجَ
مِنْهُمْ نَاسًا فَفَضَحَهُ

”حضور علیہ السلام نے جمعہ کے دن خطبہ پڑھا۔ اس فرمایا کہ اے نکلاں نکل جا کیونکہ تو منافق ہے ان میں سے بہت سے آدمیوں کو رسوا کر کے نکال دیا۔“
شرح شفا ملاحی قاری جلد اول صلی ۲۳۱ میں فرماتے ہیں۔

عَنْ أَبِي عُبَيْسٍ كَانَ لِمُصْطَفَى مِنَ الزَّحَالِ ثَلَاثَةُ مَائَةٍ وَتِسْعِينَ

”ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ منافقین مرد تین سو تھے اور عورتیں ایک سو تھیں۔“

ہم اثبات علم غیب میں ایک حدیث پیش کر چکے ہیں۔ جس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہم پر ہماری تسبیح پیش کی گئی۔ ہذا ہم نے منافقوں اور کفار اور مومنین کو پہچان لیا۔ اس پر منافقین نے اعتراض کیا اور قرآن کی آیت ان کے جواب کے لئے آئی۔ سب دلائل میں مطابقت کرنے کے لئے یہ توجیہ کرنا ضروری ہے۔ نیز یہ کلام ظہار غضب کے لئے جوتا ہے، اگر بچہ کو باپ مارنے لگے اور کوئی باپ سے بچائے تو وہ کہتا ہے کہ اس شخصیت کو تم نہیں جانتے میں جانتا ہوں۔ اس سے علم کی نفی نہیں۔

۱۰) رب تعالیٰ فرماتا ہے **وَلَا تَصْلُ عِیَیْ أَحَدٌ مِّنْهُمَا** ابداً حضور علیہ السلام نے عبد القدان ابن ابی منافق کی نماز جنازہ یا تو پڑھ کر یا پڑھنا چاہی فاروق عظیم نے منع کیا۔ مگر ان کی عرض نہ سنی تب یہ آیت اتری۔ جس میں آپ کو منافقین کی نماز جنازہ سے روکا گیا۔ مگر علم غیب تھا تو منافق کا جنازہ کیوں پڑھا؟

جواب اس منافق کا حضرت عباس پر کچھ احساس پر تھا اور اس کا فرزند شخص موس تھا اور خود اس منافق نے وصیت کی تھی کہ میرا جنازہ حضور پڑھائیں۔ اس وقت تک اس کی سمجھ نہ تھی۔ بعد اونی مصلحت سے اجازت پر عمل فرمایا۔ تفسیر کبیرہ روح البیان نے فرمایا کہ اس کی وصیت علامت تھی اور شریعت کا علم ظاہر پر ہے۔ جس پر حضور علیہ السلام نے عمل فرمایا۔ رب کو منظور تھا کہ حبیب کا دشمن ظاہری عزت بھی پاوے۔ لہذا قرآن کریم نے حضرت فاروق کی تائید فرمادی عرضید اس مسئلہ کو علم غیب سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کا منافق ہونا ظاہر تھا۔ مگر اس نماز میں بہت سی مصلحتیں تھیں۔ کریم کا کریم فیراقتیاری ہوتا ہے۔ اور پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ فاروق عظیم کو پتہ لگ جائے مگر حضور کو پتہ نہ لگے۔

۱) **وَيَسْئَلُكَ عَنِ الرُّوحِ قُلُوبُ الرُّوحِ** میں امر میں وہ دوسرے میں لعنہ الا قبیلا ۱۴۰ سورہ ۵۵ آیت ۸۵
 "اور تم سے روح کو پوچھتے ہیں۔ تم فرمادو کہ وہ میرے رب کے علم سے ایک چیز ہے اور تم کو علم نہ مل سکتا۔"

منافقین اس آیت سے دلیل لاتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو روح کا علم تھا کہ روح کیا چیز ہے لہذا آپ کو علم غیب ملی۔ ہو اس میں تیں، مور قائل غور ہیں۔ اولاً یہ کہ اس آیت میں یہ کہاں ہے کہ ہم نے حضور علیہ السلام کو یہ علم نہیں دیا۔ یا حضور علیہ السلام نے کہاں فرمایا کہ مجھے روح کا علم نہیں ملا۔ لہذا اس آیت کو کئی علم روح کی دلیل بنانا محض جھوٹ ہے۔ اس میں تو پوچھنے والے کافروں سے فرمایا گیا کہ تم کو علم بہت تھوڑا سا دیا گیا ہے تم کو روح کی حقیقت کا علم نہیں دوسرے یہ کہ **قُلُوبُ الرُّوحِ** میں امر ربی کے معنی حضرت قید عالم شیخ مر علی شاہ صاحب فاضل گولڑوی علیہ رحمۃ لے

سیف چشتیائی میں حضرت شیخ الدین بن عربی سے یہ نقل فرمایا کہ **قُلُوبُ الرُّوحِ** میں امر دوسری مراد کہ روح، مراد سے ہے۔ یعنی عالم بہت سے ہیں عام عناصر، عالم امر، عام امکاں وغیرہ تو روح عالم امر کی چیز ہے اور تم لوگ عالم عناصر کے قسم اس کی حقیقت کو نہیں جانتے کیونکہ اسے کافروں کو تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ روح البیان میں یہ آیت لائبر کہ **الابصار** وهو یدرک **الابصار** ہے۔

لَا تَهْتَابُ مَعَهُ تَحَاوَرُ فِی تَدْرُکِ الْمُسْتَعْنِ عَنِ عَالَمِ الْمَطْعَةِ ثُمَّ عَنِ عَالَمِ الْوِجَاحِ حَتَّى وَصَلَ إِلَى عَالَمِ الْأَمْرِ وَعَيْنُ الرُّؤُوسِ مِنْ عَالَمِ الْأَحْسَاءِ فَسَلَّحَ عَنْ لُحْنِ وَرَأَى رَبَّهُ بِالْكَفْلِ

"حضور علیہ السلام معراج کی رات عالم عناصر سے آگے بڑھے پھر عالم طہارت سے پھر عالم ارواح سے یہاں تک کہ عالم امر تک جا پہنچے اور سر کی آنکھ عام اجسام سے ہے جس میں آپ ان تمام چیزوں سے پیچھے ہو گئے اور رب تعالیٰ کل ذات سے دیکھا۔"

اس سے معلوم ہو کہ شب معراج میں حضور علیہ السلام نے عالم امر کی سیر کی جس فرمائی بلکہ خود بھی عالم امر میں سے بن گئے۔ اور پے رب کو دیکھا۔ اور اسی عالم امر کی روح بھی ہے۔ پھر آپ پر روح کی کمر چلی روکتی ہے۔ جس طرح ہم حسو کو جانتے پہچانتے ہیں جیسی علیہ سلام آدمی بشر اور آدمی روح تھے کیونکہ حضرت مریم تو بشر تھیں اور حضرت جبریل روح فارسید **لِبَہَارِ زَوْجِہَا** ہم نے حضرت مریم کے پاس اپنی روح یعنی جبریل کو بھیجی۔ و آپ کی پیدائش حضرت جبریل کی چھوٹک سے ہوئی۔ اس لئے دونوں امور آپ میں موجود ہیں۔

قرآنات کلیہ باب ۵۵ میں شیخ کبر فرماتے ہیں۔

فَكَانَ نَصْفُهُ بَشَرًا وَنَصْفُهُ لَا حَرْزًا وَخَامِطُهُ مَسْكًا لَا حَرْبَ وَهَبَهُ مَرْبِهِ

"حضرت مسک نصف بشر و نصف دوم پاک روح ہیں۔ کیونکہ جبریل نے حضرت مریم کو انہیں بخشا۔"

اور اس کی پیدائش بھی حضور علیہ السلام کے نور سے ہے۔ تو گویا حضور علیہ السلام از سر تا پا روح ہیں۔

روح البیان نے اسی آیت **لَا تُدْرِكُ** کے تحت لکھا ہے۔

الْحَقِيقَةُ لِمُحَمَّدٍ هِيَ حَقِيقَةُ لِحَقَائِقِ وَهُوَ الْمَوْجُودُ الْعَامُّ الشَّامِلُ

"حقیقت محمدیہ تمام حقیقتوں کی حقیقت ہے اور وہی وجود عام ہے۔"

لہذا آیت کے معنی یہ ہوئے کہ روح دو جوارہ بھی کن سے بلا واسطہ پیدا ہو۔ اور وہ حقیقت محمدیہ ہے۔ کہ بلا واسطہ ان کی پیدائش ان کے نور سے ہے مطلب یہ ہو کہ عام کی روح حقیقی میں ہوں۔ تفسیر کبیر نے اس جگہ فرمایا کہ یہاں روح سے قرآن یا جبریل مراد ہیں۔ کفار نے سول کیا تھا کہ قرآن کیا ہے شعر ہے یا کائنات؟ جبریل کون ہیں؟ اور کیسے آتے ہیں؟ جواب دیا گیا کہ قرآن امرای ہے نہ شعر ہے نہ جادو۔ جبریل مر لکھی سے آتے ہیں۔

وما ينزل الا بروح اى کبر میں ہے۔ خدا کا معرفت اللہ تعالیٰ ممکنہ بل خاصۃً فی مایع
 یصع من معرفة الروح "جب حضور علیہ السلام خدا کو پہنچیں تو روح کو کبھی نہ پہنچیں۔"
 تیسرے یہ کہ مفسرین و محدثین نے تصریح فرمائی ہے کہ حضور علیہ السلام کو روح کا علم تھا۔
 تفسیر حازن نے اسی آیت کے تحت لکھا۔

قيل ان النبي عليه السلام علم معنى الروح لكن لم يحبر به لان مرك الاخبار كان عدما لنبوته
 و لقول الاصح ان الله استأثر بعلم الروح
 "کہا گیا ہے کہ نبی علیہ السلام کو حقیقت روح معلوم تھی لیکن انکی خبر نہ دی کیونکہ یہ خبر دینا انکی نبوت کی علامت اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ علم روح
 سے حاصل ہے۔ اس مہارت میں علم روح ماننے والوں کو شرک نہ کہا گیا اور سان سے قول کو خطا بتایا۔"
 تفسیر روح البیان اسی آیت کی تفسیر میں ہے۔

حل مصب حبيب الله ان يكون حاضرا بالروح مع انه عالم بالله وقد من الله عليه بقوله وعظمك
 ما لم تكن تعلم
 "حضور علیہ السلام کی شان اس سے بلند ہے کہ آپ روح سے ناواقف ہوں حالانکہ آپ اللہ سے واقف ہیں رب نے آپ پر احسان جنایا کہ فرمایا جو
 کچھ آپ نہ جانتے تھے وہ آپ کو بتا دیا۔"

تفسیر رک یہی آیت۔ وقيل كان سورا عن خلق الروح يعنى مخلوق ام لا لقوله من امر ربي دليل
 خلق الروح فكان جوارها
 "کہا گیا ہے کہ سورا روح کی پیدائش سے متعلق تھا کہ وہ مخلوق بھی ہے یا نہیں اور رب کا فرمان مس امر ربی روح کے مخلوق ہونے کی
 دلیل ہے لہذا یہ جواب ہو گیا۔"

اس مہارت سے معلوم ہو کہ اس آیت میں روح کا علم ہونے نہ ہونے سے بحث ہی نہیں ہو رہی ہے یہاں تو ذکر حقو قیت روح کا ہے۔ مد رت النبوت
 جلد دوم صفحہ ۴۴۱ اصل یہ انسان کا کفار فقرہ سمجھا دے میں ش فرماتے ہیں۔
 "چہ گوشت جرات کند مومن عارف کی علمی علم حقیقت روح رسید المرسلین و امام، عارفین کند و دادہ مست اور احق سبحانہ علم ذات و صفات خود روح کردہ
 برائے دفع میں از علوم و بین و آخرین روح انسانی چہ باشد کہ در حسب جامعیت اسے قطره است زود بودا رہ است از بیوا۔
 احیاء العلوم میں امام غزالی فرماتے ہیں۔

ولا نعلم ان ذلك لم يكتسب مكشوفاً لرسول الله عليه السلام ان من لم يعرف نفسه فكيف
 يعرف الله سبحانه فلا يبعد ان يكون ذلك مكشوفاً لبعض الاولياء والعلماء
 "مومن عارف یہ امت کس طرح کر سکتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے حقیقت روح کے علم کی نفی کرے حالانکہ رب نے ان کو اپنی ذات و صفات کا علم
 دیا ہے، و ان پر علوم و بین و آخرین کھول دیے حضور علیہ السلام کے علم کے مقابل روح انسانی کی کیا حقیقت ہے وہ تو اس دریا کا ایک قطرہ اور جنگل
 کا ایک درہ ہے۔ تم یہ گمان نہ کرنا کہ روح حضور علیہ السلام کو تھی۔ کیونکہ جو بچے کو نہ پہنچے گا۔ وہ اللہ کو اس طرح پہنچا سکتا ہے یہ بھی بعید نہیں کہ
 روح بعض اولیاء و علماء کو ظاہر ہو۔"

ان مہارت سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو علم روح عطا ہوا کیونکہ حضور کے صدقے سے بعض علماء و اولیاء کو بھی ملے۔ بعض لوگوں نے اس کا انکار بھی
 کیا۔ مگر وہ بد دلیل ہے۔ نیز جب نبوت و نبی کے دلائل ہوں تو نبوت کو اختیار کرنا چاہیے جیسا کہ ہم قہرہ اصول کا بیان کر چکے ہیں۔

(۱۲) **عَمَّا لَلَّهِ عَمَّكَ لَمَّا اَدَّتْ لِهَمَّ** غزوہٴ ثبوک میں بعض منافقین نے غلط یہاں نہ کر کے شرکت نہ کی۔ حضور علیہ السلام کو ان کی حیلہ ساری کا پتہ لگا ورنہیں جہاد میں نہ جاسکی اجازت دے دی اس آیت میں آپ پر عتاب فرمایا گیا کہ کیوں اجازت دی۔ اگر آپ کو علم غیب ہوتا۔ تو اصل حال آپ پر نکاح ہوتا۔

جواب اس آیت میں آپ پر عتاب ہے اور نہ حضور ان کے فریب سے بے خبر تھے۔ بلکہ حضور علیہ السلام نے انکی پردہ پوشی فرماتے ہوئے اجازت دی۔ رب نے فرمایا کہ اے مجرموں کے پردہ پوش! آپ نے ان کو رسوا کیوں نہ کیا؟ عتاب غلطی پر ہوتا ہے یہاں غلطی کون سے ہوئی تھی؟

عَمَّا لَلَّهِ کلمہ دعائیہ ہے۔ کے عتاب۔

(۱۳) **يَسْتَلُوْكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيُّنَ مَّرْسِيْهِ فَبِمَا مِّنْ ذِكْرِهَا** (اب ۳۰ سورہ ۹۵۔ ایہ ۴۲، ۴۳)

"تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں کہ وہ کب کے لئے ٹھہری ہوئی ہے تم کو اس میں سے کیا تعلق۔"

اس آیت سے منافقین دلیل لاتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم نہ تھا کہ کب ہوگی۔ لہذا آپ کو علم غیب ملی نہ ہو۔ جو ب صحیح یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو یہ بھی عطا فرمایا۔ مفسرین نے اس آیت کی چند توجہیں کی ہیں۔ یک تو یہ کہ آیت ہم قیامت عطا کرنے سے پہلے کی ہے دوم یہ کہ اس سے مقصود سالکین کو جواب دینے سے روکنا ہے نہ کہ بکے عمر کی نفی۔ تیسرے یہ کہ اس آیت میں فرمایا گیا۔ **مِّنْ ذِكْرِهَا** آپ اس قیامت کی نشانیوں میں سے ایک ہیں آپ کو دیکھ کر ہی حال دنیا چاہیے کہ قیامت قریب ہے۔ چوتھے یہ کہ اس میں فرمایا گیا ہے کہ وہاں میں آپ یہ باتیں بتائے نہیں بھیجے گئے۔

تفسیر صادی یہی آیت۔

وَهَذَا قَبْلَ اَعْلَامِهِ بِوَقْتِهَا فَلَا بُدَّ لِيْ اَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِمَحْرُجٍ مِّنَ الدُّنْيَا حَتَّى اَعْلَمَهُ اللّٰهُ بِجَمِيعِ مَغِيْبَاتِ الدُّنْيَا وَلَا حَرَةَ

"یہ آیت حضور علیہ السلام کو قیامت کے وقت کی خبر دینے سے پہلے کی ہے لہذا یہ اس قول کے خلاف نہیں کہ حضور علیہ السلام دنیا سے نہ گئے یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو دنیا و آخرت کے سارے علوم عطا دیے۔"

روح ہیمن یہی آیت۔

قَدْ ذَهَبَ بِبَعْضِ الْمَشَاحِجِ اِلَى اَنْ اَسْئَلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَاْنَ يَعْرِفُ وَقْتُ السَّاعَةِ بِاَعْلَامِ اللّٰهِ وَهُوَ لَا يُنَاقِلُ الْحَصْرَ فِي الْاَيَةِ

"بعض مشائخ دھر گئے ہیں کہ نبی علیہ السلام قیامت کے وقت جانتے تھے انہ کے بتانے سے اور یہ قول اس آیت کے مصر کے خلاف نہیں۔"

روح ہیمن میں یہی آیت پارہ ۹۰ برآیت **بَسْلُوْكَ كَذَنكَ حَقِّيْ عَنِّيْ** میں بھی ہے اور وہاں یہ بھی ہے کہ دنیا کی کل عمر ۷ ہزار سال ہے۔ یہ وہ آیت بھی ثابت ہے۔ جس سے معلوم ہو کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم ہے۔

تفسیر حارث یہی آیت **وَقَبْلَ مَعْبَدَةٍ فَبِمَا اَسْكَرْنَا لَسُوْا لِهَمَّ اَي فَبِمَا هَذَا السَّوَالُ ثُمَّ قَالَ اِنَّ يٰ مُحَمَّدُ مِّنْ ذِكْرِهَا اَي مِّنْ عَلَامَتِهَا لَا نَكَ اَحْوَالُ الرُّسُلِ لَكِنَّمَا هُوَ ذِكْرٌ دَلِيْلًا عَنِ دُنُوْهِهَا**

"کہا گیا ہے کہ فیما کفار کے سوال کا انکار ہے یعنی ر کا سوال کس شمار میں ہے پھر فرمایا کہ آپ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس قیامت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ کیونکہ آپ آخری نبی ہیں جس میں اس کو دلیل کافی ہے قیامت قریب ہونے پر۔"

تفسیر رک یہی آیت **اَوْ كَاْنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَرْوِ يَدْ كُرُ السَّاعَةِ وَيَسْتَلِ عَنِّيْ حَتَّى يَرْوِيَتْ فَيُوْا نَعَمْتُ مِّنْ كَثْرَةِ ذِكْرِهَا**

"یہ حضور علیہ السلام قیامت کا بہت ہی ذکر فرماتے تھے اور انکے بارے میں سوال کئے جاتے تھے یہاں تک کہ آیت اتری جس پر آیت تعجب ہے آپ کے زیادہ ذکر قیامت فرمانے پر۔"

اب اس آیت کا مطلب یہ ہو کہ آپ کس قدر ذکر قیامت فرماتے ہیں۔

مدارک یہی آیت اور فہم سنگر لسوالیہ عیہا ی فیہ ہذا لسوال ثلث قال اب من ذکرہا و انت احقر
 الابیاء علامۃ من علامہا فلا معنی لسوالیہ عیہا
 ”یہا کفار کے سوال کا انکار ہے یعنی یہ سوال کس شمار میں ہے پھر فرمایا کہ آپ اس قیامت کی شاعری میں سے ہیں۔ کیونکہ آپ آخری نبی ہیں۔
 قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہیں اب انکے قیامت کے پوچھنے کے کوئی معنی ہی نہیں۔“
 اب اس آیت کا مطلب یہ ہو کہ اس کا قیامت کے متعلق پوچھنا خود ہے آپ خود اس کی علامت ہیں وہ کیوں پوچھتے ہیں۔
 مدارک یہی آیت۔

قبیل فہم اب من ذکرہا متصل بالسوال ای بسئلونک عن الساعة ای من سہا ویقولون انہا
 انت من ذکرہا ثم استأنف فقال لی ربک

”در کہا گیا ہے کہ فہم اب سوال سے مراد ہوا ہے یعنی کفار آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کا قیام کب ہوگا؟ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ کو اس کا
 علم کہاں سے آیا پھر رب تعالیٰ نے اپنی بات شروع کی لیسری ربک اب اس آیت کا مطلب یہ ہو کہ کفار نے پوچھا کہ آپ کو یہ علم کہاں سے
 ہے۔ رب نے فرمایا کہ اللہ کی طرف سے تو یہ آیت علم قیامت کا ثبوت ہے۔

مدارک یہی آیت انما اب منذر من یحشہا ای لہ نعت لعمہم موقف الساعة انما اب لہ
 ”یعنی آپ اس لئے نہیں بھیجے گئے کہ ان کو قیامت کے وقت کی خبر دیں۔“

اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ کفار کا یہ کہنا کہ اگر آپ قیامت کی خبر دے دیں تو آپ نبی ہیں اور نہیں۔ محض یہود ہے کیونکہ قیامت کی خبر دینا نبوت
 کے لوازمات میں سے نہیں۔ نبی کے لئے تبلیغ کا مضروری ہے۔

مدارج النبوة جلد دوم صفحہ ۳۰ وصل ایذا رسالتی کفار و قراء صحابہ را میں ہے۔
 و بعضی علماء علم ساعد نیز مثل ابن معنی گفت اند ”یعنی بعض علماء نے روح کی طرح حضور کو قیامت کا علم بھی مانا۔“

(۱۳) بسئلونک کانک حتمی عیہا قل انما علمہا عند اللہ ہرہ ۹ سورہ ۱۰۰ بت ۸۰
 ”تم سے یہاں پوچھتے ہیں گویا تم نے سکو خوب تحقیق کر رکھا ہے تو فرماؤ کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔“

حقائق اس آیت کو پیش کر کے کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام قیامت کا علم نہیں۔ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس آیت میں یہ کہاں ہے کہ آپ کو
 قیامت کا علم نہیں دیا۔ اس میں تو یہ ہے کہ اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ دے دیے کی کمی نہیں۔ وہم یہ کہ علم قیامت دینے سے قبل کی آیت ہے۔

تفسیر مدنی یہی آیت والدی یحب لا یمان بہ ن النبی عبہ السلام لہ یفعل من الذب حتی اعلمہ اللہ
 بحمیم المعیبات انی تحصل فی الذبا و لا حرة فہو بعہم کما ہی عین یفعل لہ و رد زہمت

لی مذہب فہا انظر فیہا کما انظر امی کفی ہذہ و ورد انہ اطلع لی الجنة و ما فیہا و انار و ما
 فیہا و غیر ذلک مہا تو اترت الا حمار و لکن امر یکنہا بعصا

”جس پر ایمان نہ تھا ضروری ہے یہ ہے کہ نبی علیہ السلام دنیا سے منتقل نہ ہوئے یہاں تک کہ رب نے آپ کو وہ تمام چیزیں بتا دیں جو دنیا اور آخرت
 میں آئے کہ ہمارے سامنے دیا پیش کی گئی۔ پس ہم اس میں اس طرح نظر کر رہے ہیں جیسے بچے اس ہاتھ میں یہ بھی آئے ہے کہ ہم کو حسرت اور وہاں کی محنتوں

اور درد و غم اور وہاں کے غم یوں پر اطلاع دی گئی علاوہ ازیں اور متوجہ خبریں ہیں لیکن بعض کے چھپانے کا حکم دیا گیا۔“

تفسیر خازن میں اس آیت میں ہے کہ اس کی اصل عبارت یہ ہے۔ بسئلونک عیہا کانک حتمی یعنی یہ لوگ آپ سے اس طرح
 پوچھتے ہیں گویا آپ ان پر بیڑے مہربان ہیں۔ اور آپ ان کو غافل دیں گے حالانکہ یہ اسرار الہی میں سے ہے وغیرہ سے چھپاتا ہے۔ معلوم ہو کہ

حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم ہے مگر کھار کی اجازت نہیں۔

يَسْتَدْرِكُ النَّاسَ عَنِ السَّاعَةِ فِي أَمْعَا عَلَمُهَا عَمْدُ اللَّهِ (پارہ ۲۲ سورہ ۲۳ آیت ۶۳)

”لوگ تم سے قیامت کو پہنچنے میں تم فرماؤ کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔“

جواب تفسیر صاوی یہی آیت اَمْعَا وَقْتَ السَّوَالِ وَلَا عِلْمَ يَحْرُجُ سَلَامٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتَّى أَطْلَعَهُ اللَّهُ عَلَى جَمِيعِ الْمُغَيَّبَاتِ وَمِنْ جُمْلَتِهَا السَّاعَةُ

”یعنی اس قیامت پر کوئی مطلع نہیں اور یہ سوال کے وقت تو اللہ ہی علیہ السلام تشریف نہ لے گئے یہاں تک کہ آپ کو اللہ سے تمام محبوب پر مطلع فرما دیا۔ جن میں سے قیامت بھی ہے۔“

روحِ بیباں یہی آیت۔ و لیس من شرط النبی ان یعلم الغیب بغیر تعلیم من اللہ تعالیٰ
”در نبی شرائط میں سے یہ نہیں ہے کہ اللہ کے بغیر بتائے غیب چاہے۔“

اس آیت میں کسی کو علم قیامت دینے کی نفی نہیں بلکہ اس سے حضور علیہ السلام کے نہ جانے پر دلیل پکڑنا غلط ہے۔
تفسیر صاوی میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

اَلْمَعْنَى لَا يَفِيضُ عَلَيْهِ غَيْرُهُ نَعْنَى فَلَا يَمْلِكُ فِي زَمَانِهِ اَللَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَخْرُجُ مِنَ الْغَيْبِ حَتَّى يُطْلَعَ عَلَيْهِ مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ وَمَا هُوَ كَمَنْ وَمِنْ جُمْلَتِهَا عِلْمُ السَّاعَةِ

”معنی یہ ہیں کہ قیامت کا علم خدا کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔ پس یہ آیت اس کے خلاف نہیں کہ نبی صلیہ سلام دنیا سے تشریف نہ لے گئے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ سے نہ کوئی دیکھ سکے۔ پچھلے واقعات پر مطلع فرما دیا۔ ان میں سے قیامت کا علم بھی ہے۔“

مخالفین علم قیامت کی نفی کی دلیل میں شروع مشکوٰۃ کی وہ ہدایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت جریرؓ نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا، احبر لی عن الساعة مجھے قیامت کے متعلق خبر دیجئے تو فرمایا۔ مَا الْمَسْئُورُ عَلَيْهَا عِلْمٌ مِّنْ مَّشْرِئِ اس یعنی اس بارے میں ہم سائل سے زیادہ جاننے والے نہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ کو قیامت کا علم نہیں۔

مگر یہ دلیل بھی محض لغو ہے۔ روایت سے ایک یہ کہ اس میں حضور علیہ السلام نے اپنے جاننے کی نفی نہیں کی بلکہ زیادتی علم کی نفی کی۔ ورنہ فرماتے لَا عِلْمَ ”میں نہیں جانتا“ حتیٰ دراز عبارت کیوں ارشاد فرمائی؟ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اے جریر! اس مسئلہ میں میرا اور تمہارا علم برابر ہے کہ مجھ کو بھی

خبر ہے اور تم کو بھی اس مجلس میں یہ چچ کر اذکار کرنا مناسب نہیں۔ دوسرے یہ کہ جو بن کر حضرت جریرؓ نے عرض کیا۔ فَاخْبِرْ عَنِ السَّاعَةِ ”اے نبی! قیامت کی نشاں ہی بتا دیجئے اس پر حضور علیہ السلام نے چند نشانیاں بیان فرمائیں کہ ولادۂ فرماں ہوگی اور کبھی لوگ عزت پائیں گے وغیرہ وغیرہ جس کو قیامت کا بالکل علم ہی نہ ہو۔ اس سے نشان پوچھنا یا معنی نشان اور پتہ تو جاننے والے سے پوچھا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام سے قیامت کا علم ہونے کا دن بتا دیا۔
مشکوٰۃ باب الجہد میں ہے۔

لَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ ”قیامت قائم نہ ہوگی مگر جمعہ کے دن۔“
نکدہ اور صحیح کی نقل ملاحظہ فرمائیے۔

بُعِثْتُ اَمَّا وَ السَّاعَةُ كِهَانِيس ”ہم اور قیامت اس طرح ملے ہوئے جیسے گئے ہیں۔“ (مشکوٰۃ باب طلب الہدایہ)

یعنی ہمارے زمانہ کے بعد میں قیامت ہی ہے اور اس قدر علامات قیامت ارشاد فرمائیں۔ کہ ایک بات بھی نہ چھوڑی۔ آج میں قسم کیا کر کہہ سکتا ہوں کہ ابھی قیامت نہیں آ سکتی کیونکہ نہ ابھی دجاس آیا۔ حضرت مسیح و مہدی نہ آتے مغرب سے نکلا۔ اس علامات نے قیامت کو بالکل ظاہر فرما دیا پھر قیامت کا علم نہ ہونے کے کیا معنی؟ ایسے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ سن نہ بتایا کہ فلاں سن میں قیامت ہوگی۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ پاک میں سن مقرر ہی ہوئی تھی۔ سن ہجری عہد فاروقی میں مقرر ہوئی کہ ہجرت تو ربیع الاول میں ہوئی مگر سن ہجری کا آغاز محرم سے ہوتا ہے۔ بلکہ اس زمانہ میں قاعدہ یہ تھا کہ سال میں جو کوئی بھی اہم واقعہ ہو اس سال منسوب کر دیا۔ سال قبل، سال فتح، سال حدیبیہ وغیرہ۔ تو سن ہجری کس طرح بتایا جاسکتا تھا۔ اس دن کے علامات وغیرہ سب بتا دیئے اور جو ذات اس قدر تفصیلی حد میں بیان کرے وہ بے علم کس طرح ہو سکتی ہے؟ نیز اہم ثبوت علم غیب میں وہ حدیث پیش کر چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے قیامت تک کے من وعن و حالات بیان کر دیئے۔ اب کیسے ممکن ہے کہ قیامت کا علم نہ ہو۔ کیونکہ دنیا ختم ہوتے ہی قیامت ہے اور حضور علیہ السلام کو یہ علم ہے کہ کونسا واقعہ کس کے بعد ہوگا جو آخری واقعہ ارشاد فرمایا وہی دنیا

کی انتہا ہے اور قیامت کی ابتداء دہلی ہوئی چیزوں میں سے ایک کی انتہا کا ہم دوسری کے ابتداء کا علم ہوتا ہے۔ اس پر خوب غور کر لیا جاوے۔ نہایت نفیس تحقیق ہے جو حضرت صدرالفاصل مرشدی ستاد دی مولانا سید نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے ایک تقریر کے دوران ارشاد فرمائی۔

اعتراض ۱۶ ان الله عهده علم الساعة وَيُرْسِلُ لعيث وَيَعْلَمُ مَا فِي الارحام وما يدري نفس

مآدا تكسب غداً و ما يدري نفس بي ارض تغوت ان الله عبيد حبير (پارہ ۲ سورہ ۳۱ آیت ۳۳)

"پیشک اللہ کے پاس ہے قیامت کا علم اور تانتا ہے مینا اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے اور کوئی جاننے نہ کل کیا کائے گی اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس میں کس میں مرگئی پیشک اللہ جانتے والا تانتا والا ہے۔"

اس آیت سے مخالفین کہتے ہیں کہ پانچ چیزوں کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں یہ اللہ کی صفت ہے جو کسی غیر کیسے ثابت کرے وہ مشرک ہے اسی کو علوم غمہ کہتے ہیں قیامت کب ہوگی، ہارث کب ہوگی، عورت کے پیٹ میں بڑ کا ہے یا لڑکی اور کل کیا ہوگا اور کون کہاں مرے گا؟ اس آیت کی تائید میں شرح مشکوٰۃ کی روایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت جبریلؑ حضور علیہ السلام سے قیامت کے متعلق دریافت کیا۔ تو فرمایا۔ **فلی حمس لا یعلم**

ہس لا للہ لئم قراء ان الله عهده علم الساعة یعنی پانچ چیزیں وہ ہیں جن کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ پھر یہی آیت تواتر فرمائی۔ ہم علوم غمہ کے بارے میں نہایت مصفاہ تحقیق کرتے ہیں اور ناظرین سے انصاف کی توقع اور اپنے رب سے تمنا قبول رکھتے ہیں، والا اس آیت کی تفسیر میں مصرعین کے اقوال پھر اس حدیث کے متعلق محدثین کے اقوال پھر اپنی تحقیق پیش کرتے ہیں۔

تفسیرات احمد پید پڑ آیت مذکورہ۔

ولک ان بقول ان عم هذه الحمسة ان لا یعلمہا حد لا للہ لکن بخور ان یعلمہا من یشاء من محبیہ و اولیاء ہ بقریہ قوہ ندرے ان الله علمہ حبر بمعنی المصحر

"در تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ ان پانچ باتوں کو اگرچہ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ لیکن جائز ہے کہ خدا پاک اپنے ولیوں و محبوبوں میں سے جس کو چاہے سکھائے اس قوں کے قریب سے کہ اللہ جانتے والا ہے، مائے وال ہے خیر بمعنی خبر۔"

تفسیر صادی آیت مادا تکسب غدا کے تحت فرماتے ہیں۔

ی من حیث د نہ و اما باعلام للہ لعبد فلا مع مہ کلا نبیاء و بعض الا نبیاء قل تعالی ولا یحیطون بشی من علمہ الا بما شاء قل تعالی فلا یظہر علی عبیدہ احد الا من ارغی من رنوب فلا مع من کون اللہ یطیع بعض عبده لصلح علی بعض معیت فکون معہ رنوبی و کرامہ لدو لی ولدلک قال العلماء الحق انه لمہ بحر من الذبیا حتی اطلعه علی تلک الحمس

"یعنی اس باتوں کو کوئی اپنے آپ نہیں جانتا لیکن کسی بندے کا اللہ کے ماننے سے جانتا اس سے کوئی مانع نہیں جیسے پیام اور بعض اوسما رب نے فرمایا کہ یہ لوگ خدا کے علم کو نہیں گھیر سکتے مگر جس قدر رب چاہے اور فرمایا کہ اپنے فیب پر کسی کو ظاہر نہیں فرما تا سوائے برگزیدہ رسولوں کے پس اگر خدا تعالیٰ اپنے بعض نیک بندوں کو بعض غیب پر مطلع فرمادے تو کوئی مانع نہیں پس یہ طریقی کا مجزہ اور وہی کی کرامت ہوگا اسی سے علماء نے فرمایا کہ حق یہ ہے کہ حضور علیہ السلام دیا سے تشریف نہیں لے سکے یہاں تک کہ اس کو پانچ باتوں پر رب نے مطلع فرمادیا۔"

تفسیر مرآۃ البیان در آیت یعلم ما فی الارحام ہے۔

سجعت ایضاً من بعض الا نبیاء انه احبر ما فی الرحم من ذکر و انشی و رئیس بعینی ما احبر

"ہم نے بعض اولیاء کو سنا کہ انہوں نے پیٹ کے پچڑ کی یا لڑکے کی خبر دی اور ہم نے پٹی آنکھوں سے وہی دیکھا جس کی انہوں نے خبر دی تھی۔

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے تحت ہے۔

وما زوی عن الانبیاء والا ولیاء من الاحبار عن العیوب فیستعیم اللہ ما طریق الوحی او بطریق الالہام و الکشف و کذا احبر بعض الا نبیاء عن نزول المطر و حبر عفا فی الزحم من ذکر و انشی فوقع کما احبر "در جو غیب کی خبریں انبیاء و اولیاء سے مروی ہیں پس یہ لہذا تعلیم سے ہے یا وحی یا الہام کے طریقے سے۔ اور اسی طرح بعض اولیاء نے ہارث آئے کی خبر دی اور بعض نے رحم کے پچڑ کی یا لڑکی کی خبر دی تو وہی ہوا جو انہوں نے کہا تھا۔"

قیامت کے علم کی تحقیق ہم اس سے پہنچے کر چکے ہیں۔ جو علوم غمہ میں سے ہے۔

ان تفسیر کی عبارتوں سے معلوم ہو کہ رب تعالیٰ نے علوم خمسہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے اور اس آیت میں خیر بمعنی خیر ہے۔ اس کے متعلق اور بھی تفسیر کی عبارتیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر اس پر مختصر کرتا ہوں۔ اب دوسری مشکوٰۃ شروع کتاب النہج کی حدیث کہ یہ پانچ چیزیں کوئی نہیں جانتا اس کی شرحیں ملاحظہ ہوں اب مرقطبی، امام بخاری، امام قسطلانی شرح بخاری میں اور مطاوعی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب النہج میں اس حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

فمن ادعی شینی مہا غیر فہدی لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان کادبا فی دعویہ
 "پس جو شخص ان پانچوں میں سے کسی چیز کے علم کا دعویٰ کرے حضور علیہ السلام کی طرف بغیر نسبت کے ہوئے وہ اپنے دعویٰ میں مجھوتا ہے۔"
 معانی میں شیخ عبدالحق عیالرحمۃ اسی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

المُرَادُ بِعَلَمِ بَدُوْنِ تَعْلِيْمِ اللّٰہِ تَعَالٰی "مراد یہ ہے کہ ان پانچوں باتوں کو بغیر اللہ کے بتائے کوئی نہیں جانتا۔"
 بعض المعانی میں شیخ عبدالحق اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں "مراد آنسب کہ ہے تعلیم الہی بحسب عقل ایسا را ائمہ حرامہ اور انہی الذکر کہ جز حدیث سے بتائے کہ اس را ائمہ مکرر آئندہ سے بتائی اور خود کہے را بوجہ والہام بدعا کہ "مراد یہ ہے کہ ان امور میں کو بغیر اللہ کے بتائے ہوئے عقل کے نہ رہے کوئی نہیں جان سکتا۔ کیونکہ ان کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ مگر وہ جس کو اللہ اپنی طرف سے بتا دے۔ وہی یا اللہ مہ سے۔
 امام قسطلانی شرح بخاری کتاب التفسیر سورہ مد میں فرماتے ہیں۔

لَا یَعْلَمُ مَنِ تَقْوَمُ الشَّعْبَةُ إِلَّا اللّٰہُ وَالْأَمْرُ مِنْ رَسُوْلِہِ فَاِنَّهُ یُطْلَعُ عَلٰی عِیْبِہِ وَ الْوَلٰئِی الدَّبْعُ لَہِ
 بِأَعُوْذِہُ عَمَّہُ
 "کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب ہوگی سوائے اللہ کے اور پسندیدہ رسول نے جو تکذیب تعالیٰ اس کو اپنے غیب پر مطلع فرماتا ہے وہ ان کا تابع ولی ان سے وہ غیب بتاتا ہے۔"

البحر المحیط حاشیہ ابن ماجہ باب اثراء السامعہ زیر حدیث حمص لا یعلمین الا اللہ ہے۔
 اخبار الضد بن روحہ باب حارحہ ثبہا حارحہ باب فو مدت بعد وفاتہ ائمہ کثوم بہت ہی بکر
 فہذا من الفرسۃ والظنّ ینصدق اللہ فراسہ لثوم
 "صدیق کبر رخصی اللہ عز نے پٹی بیوی بہت خارجہ کو خبر دی کہ وہ نبی سے حاملہ ہیں۔ لہذا صدیق کی وفات کے بعد مکتوم بہت صدیق پیدا ہوئیں
 پس یہ فرست اور ظن ہے خدا تعالیٰ مومن کی فرست کو سچا کر دیتا ہے۔"
 سید شریف محمد اعزیز مسعود اب الاہدیز میں فرماتے ہیں۔

ہو علیہ السلام لا یحیی علیہ من شئی من الحمص المدکورہ فی لایۃ و کیف یحیی ذلک
 و لا قطب الشبۃ من ائمہ لشریعة یعلموہا وہم دون الغوث فکیف یغوث فکیف بسید الا
 ولین و لا حویں الادی ہو سبب کل شئی ومنہ کل شئی
 "حضور علیہ السلام پر ان چانچہ مذکورہ میں سے کچھ بھی چمپا ہوا نہیں اور حضور پر یہ امور چلی کیونکر ہو سکتے ہیں حالانکہ آپ کی امت کے ساتھ قطب ان کو
 جانتے ہیں پس غوث کا کیا پوچھتا اور پھر سید الانبیاء علیہ السلام کا کیا کہنا جو ہر چیز کے سبب ہیں اور جس سے ہر چیز ہے۔"
 علامہ جلال الدین سیوطی رضی اللہ عنہ شرح جامع صغیر میں اسی حدیث کے متعلق فرماتے ہیں۔

قوله علیہ السلام الا هو معاذ اللہ لا یعلمہا احدہما لا هو لکن قد بعثہ بہ ما اعلام اللہ فانہم من
 بعثہا وقد وجدنا ذلک معبر واحد کما، یا جماعة عمنو امنی یمنون وعضوا ماہی الارحام
 "حضور علیہ السلام کا فرمانا لا ہو اس کے معنی یہ ہیں کہ گو اپنے آپ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا لیکن کبھی اللہ کے بتانے سے جاں بیٹے ہیں کیونکہ
 یہاں وہ لوگ ہیں جو جانتے ہیں ہم سے متعدد وہاں پانچ جیسے ہم نے ایک جماعت کو، یکساں وہ جانتے ہیں کہ کب مرینگے اور پانتے ہیں حکم کے پھر کو۔
 مکی علامہ جلال الدین سیوطی خصائص شریف میں فرماتے ہیں۔

عبر ص علیہ ماہو کائن فی ائمہ حتی تقوم الشبۃ
 "حضور علیہ السلام پر تمام وہ چیزیں پیش کر دی گئیں جو آپ کی امت میں قیامت تک ہونوالی ہیں۔"

علامہ مجاہد بن ابی سفیان نے اس میں فرماتے ہیں۔

لَمْ يَحْجُجِ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ الدُّنْيَا الْآخِرَةَ اِنْ اَعْمَهُ اللهُ بِهَدَاهِ الْاُمُورَ لِحَمْسَةِ

"حضور علیہ السلام دنیا سے تشریف نہ لے گئے مگر ان کے بعد کہ اللہ نے آپ کو ان پانچوں چیزوں کا علم بتا دیا۔"

جمع النہایہ میں علامہ شتوتائی فرماتے ہیں۔

قَدْ وَرَدَ اَنَّ اللَّهَ تَعَالَى يُحْجِجُ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتَّى اطَّاعَهُ اللهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ

"یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو دنیا سے خارج نہ کیا یہاں تک کہ سرچرچہ پر مطلع نہ کر دیا۔"

یہی علامہ شتوتائی کی جمع النہایہ میں فرماتے ہیں۔

قَالَ بَعْضُ الْمُفَسِّرِينَ لَا يَعْنِي هَذَا الْحَمْسُ عَلَمًا لِدُنْيَا بِلَا وَاسْطَةٍ اِلَّا اَنَّ اللَّهَ فَاعْلَمَ بِهَذَا الصِّفَةِ مِمَّا

اِخْتَصَّ اللهُ بِهِ وَاَمَّا بِوَاسْطَةٍ فَلَا يَحْتَصُّ بِهِ

"بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ان پانچ باتوں کو ذاتی طور پر بلا واسطہ تو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا پس اس طرح کا علم خدا سے خاص ہے لیکن علم ہاواسطہ وہ خدا سے خاص نہیں۔"

فتوحات وہبہ شرح اربعین ہادی میں فاضل ابن علیہ فرماتے ہیں۔

الْحَقُّ كَمَا جَمَعَ اَنَّ اللَّهَ لَمْ يَقْصُ سِوَا عِبْدِهِ السَّلَامُ حَتَّى اطَّاعَهُ عَلَى كُلِّ مَا اِيْهِمْ عِنْدَ اَنَّهُ اَعْرَفُ

بِكُنْهِمْ بَعْضُ زَا اِلَّا عِلَامٌ بِبَعْضٍ

"حق وہی ہے جو ایک جماعت نے کہا ہے کہ اللہ نے حضور علیہ السلام کو وفات نہ دی یہاں تک کہ پوشیدہ چیزوں پر خبردار کر دیا لیکن بعض کے چہرے اور بعض کے بتانے کا حکم دیا۔"

شاہ عبدالعزیز صاحب ہستان محدثین ص ۱۱۴ میں فرماتے ہیں۔ "نقل می کند کہ والد شیخ ابن حجر افرغانی۔ ریت کبیدہ حاطر بخشود شیخ فرمود کہ از پشت تو فرزندے خود آمد کہ علم خود دنیا را پر کند۔"

نقل ہے کہ شیخ ابن حجر کے والد کا کوئی بچہ نہ جیتا تھا۔ یوں دل ہو کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے شیخ نے فرمایا کہ تمہاری پشت سے ایسا فرزند ہو گا کہ اپنے علم سے دنیا کو بھر دے گا۔ یہاں تک کہ علوم غیبی کے سب سے بڑے علم دہاں تھے۔ انکی عقل دلیل یہ ہے کہ مخالفین بھی مانتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا علم تمام مخلوق سے زیادہ ہے۔ جس کا حوالہ ہم تقدیر الناس سے پیش کر چکے ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ مخلوق میں سے کسی کو ان پانچ چیزوں کا علم دیا گیا یا نہیں۔ مشکوٰۃ کتاب الایمان بالقدر میں ہے کہ قسم داور میں بچے جننے کا ذکر فرماتے ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

لَمْ يَعْشُ اللهُ اَلِيْهِ مَدْكًا مَّارِجٌ كَسَمْتُ لِيَكُنَّ عَمَلُهُ وَاحِدَةً وَرَدِّقَهُ وَشَقِيٌّ اَوْ سَعِيْدٌ ثُمَّ يَصْهَحُ فِيْهِ الْوُجُوْخُ

"یعنی پھر رب تعالیٰ ایک فرشتہ کو چار ہاتھیں بنا کر بھیجتا ہے وہ فرشتہ کھڑے ہوتا ہے اس کا علم انکی موت اس کا رزق اور یہ کہ نیک یا بد بخت پھر روح پھونک جاتی ہے۔"

یہی علوم غیبی ہیں اور تمام موجودہ اور گزشتہ لوگوں کی یہ پانچ باتیں وہ فرشتہ کتاب تقدیر چانتا ہے

مشکوٰۃ اسی باب میں ہے۔

كُتِبَ لِلَّهِ مَقَادِيْرُ الْخَلْقِ فَبِئْسَ اَنْ يُخْلَقَ السَّمَوَاتُ وَالْاَرْضُ بِحَمْسِ مِائَةِ

"لقد نے زمین و آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے مخلوقات کی تقدیریں لکھ دیں۔"

معلوم ہوا کہ لوح محفوظ میں علوم غیبی ہیں۔ تو وہ ملائکہ جو لوح محفوظ پر مقرر ہیں اسی طرح انبیاء و اوصیاء جس کی نظریوں محفوظ پر رہتی ہے ان کو یہ علوم غیبی حاصل ہوئے۔ مشکوٰۃ کتاب الایمان بالقدر میں ہے کہ جبرائیل کے دن حضرت آدم علیہ السلام کو تمام ولادہ آدم کی روحیں سیاہ و سفید رنگ میں دکھادی گئیں کہ سیاہ روحیں کافروں کی ہیں سفید مسلمانوں کی۔ معراج میں حضور علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس طرح دیکھا کہ ان کے داہنے جانب سفید درہاںیں جاں سپ سیاہ رنگ کی ارواح ہیں یعنی جنتی و دوزخی لوگ مسلمانوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور کفار کو ملاحظہ فرما کر غمگین۔ سی مشکوٰۃ کتاب الایمان بالقدر میں ہے۔ کہ ایک دن حضور علیہ السلام اپنے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں لئے ہوئے جمع صحابہ میں تشریف لائے۔ اور داہنے ہاتھ کی کتاب کے بارے میں فرمایا کہ نام میں ان کے قبائل کے ہیں۔ اور آغز میں ان ناموں کا نوٹ بھی لگا دیا گیا ہے۔ کہ کل کتنے۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ قاری نے مرقات میں فرمایا۔ **الطَّاهِرُ مِنَ الْاَشَارَاتِ اَيْضًا حَسْبَانِ وَفِيهِ تَمَثُّلٌ** شہرہ سے یہی ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ کتابیں دیکھیں جس سے یہی شخص۔ اسی مکتوۃ باب عذاب القہر میں ہے کہ جو مرد نکیرین کے امتحان میں کامیاب یا ناکام ہوتا ہے تو نکیرین کہتے ہیں۔ **قَدْ كُنَّا بَعْدَهُ نَكْ تَقْرُونَ هَذَا** ہم تو پہلے ہی سے جانتے تھے کہ تو یہ کہے گا۔ معلوم ہوا کہ نکیرین کو امتحانِ مینت سے پہلے ہی سعادت اور شقاوت کا علم ہوتا ہے۔ امتحان تو فقط پابندیِ قانون یا معترض کا سر بند کرنے کو ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب کسی صالح آدمی کی بیوی اس لڑتی ہے تو حنت سے حور پکارتی ہے کہ یہ حیرے پاس چندوں کا مہمان ہے۔ پھر ہمارے پاس آئے۔ ہے اس جھگڑا کر مکتوۃ کتاب الکاف فی عشرة النساء معلوم ہو کہ حور کو بھی خبر ہوتی ہے کہ اس کا خاتمہ ہالغیر ہوگا۔ حضور علیہ السلام۔ جب بدر میں ایک دن پہلے درمیں پر نشان لگا کر فرمایا کہ یہاں فلاں کا فرمے گا اور یہاں فلاں۔ موت کی زمین کا علم ہو۔ (مکتوۃ کتاب البہار)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ علوم غیب کا علم اللہ نے بعض بندوں کو بھی دیا ہے۔ پھر حضور علیہ السلام کا علم ان سب کے علوم کو جمع تو کس طرح ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام کو علوم غیب حاصل نہ ہوں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ پانچ علوم عطا کی حدیث ہو کر خدا کی صفت نہیں۔ ورنہ کسی کو ان میں سے ایک بات کا بھی علم نہ ہوتا۔ صفت الہی میں شرکت نہ تو کلام جائز۔ اس دلائل کے جواب اس شاء اللہ مخالف سے۔ بن سکیں گے۔

اعتراض ۱۶ **وَمَا يَعْلَمُ سِوَاهُ إِلَّا اللَّهُ** تشابہات آیات کی تاویل رب تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تشابہات آیات کا علم نہ تھا۔

جواب اس آیت میں یہ کہاں فرمایا گیا کہ ہم نے تشابہات کا علم کسی کو دیا بھی نہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **الرَّحْمَنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ** اپنے حبیب کو رحمان نے قرآن سکھایا۔ جب رب نے سارا قرآن حضور کو سکھایا تو تشابہات بھی سکھا دیے۔ اسی سے حنفی مذہب کا عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام تشابہات کو جانتے ہیں ورنہ ان کا بارل کرنا بیکار ہوگا۔ شافعیوں کے نزدیک علماء بھی جانتے ہیں وہ **وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ** پر وقف کرتے ہیں۔ شوافع کے ہاں اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ تشابہات کا علم اللہ تعالیٰ اور معبود علیہ کے سوا کسی کو نہیں۔

دوسری فصل

نفی غیب کی احادیث کر بیاں میں

مخالفین نفی غیب کے لئے بہت سی احادیث پیش کرتے ہیں ان سب کا اجماعی جواب تو یہ ہے کہ ان احادیث میں حضور علیہ السلام نے یہ نہ فرمایا کہ مجھے رب نے فلاں چیز کا علم دیا بلکہ کسی میں تو ہے۔ **اللہ علمہ** کسی میں ہے مجھے کیا خبر کسی میں ہے کہ فلاں بات حضور علیہ السلام نے نہ بتائی۔ کسی میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فلاں سے یہ بات پوچھی۔ اور یہ تمہاری باتیں علم کی نفی ثابت نہیں کرتیں۔ نہ بتایا پوچھنا **اللہ اعلم** فرمانا اور بہت سی مصنفین کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے بہت سی باتیں خدا نے بندوں کو نہ بتائیں۔ سوال کے باوجود نفی رکھا۔ بہت سی چیزوں کے متعلق پوروں گارہام فرشتوں سے پوچھتا ہے کیا اس کو بھی علم نہیں۔ ایک حدیث صحیح تفسیر الدلائل میں لاؤ۔ جس میں عدائے علم طیب کی نفی ہو۔ مگر ان شاء اللہ نہ رہیں گے۔ یہ جو بے ہمتی کا کافی قہر پھر بھی اس کی مشہور احادیث عرض کر کے جواب عرض کرتا ہوں۔ **وما للہ التوفیق**

اعتراض (۱) مقلوۃ باب اعلان نکاح کی پہلی حدیث ہے کہ حضور علیہ السلام ایک مکان میں تشریف لے گئے جہاں نصاریٰ کی کچھ بچیاں دف بجا کر جنگ بدر کے مقتولین کے مرثیہ کے گیت گائے لگیں اس میں سے کسی نے یہ مصرع پڑھا۔

ولیسابی بعنہ ما فی عبد "ہم میں ایسے ہی ہیں جو کل کی ہمت جانتے ہیں۔"

تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ چھوڑ دو۔ وہی گائے جاؤ جو پہلے گاری تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو علم غیب نہیں تھا اگر ہوتا تو آپ ان کو پہلے کہنے سے نہ دیتے۔ لگی بات سے کیوں روکا۔

جواب اول تو غور کرنا چاہیے کہ یہ مصرع خود ان بچیوں نے تو بتایا ہی نہیں۔ کیونکہ بچیوں کو شعر بتانا نہیں آتا۔ اور نہ کسی کافر و مشرک نے بتایا۔ کیوں کہ وہ حضور علیہ السلام کو ہی نہیں مانتے تھے۔ احوال یہ کسی صحابی کا شعر ہے۔ بتاؤ وہ شعر بتانے والے صحابی معاذ اللہ مشرک ہیں یا نہیں؟ پھر حضور ﷺ نے نہ تو اس شعر بتانے والے کو برا کہا نہ شعر کی مذمت کی۔ بلکہ ان کو گائے سے روکا۔ کیوں روکا؟ چار وجہ سے، اول تو یہ کہ اگر کوئی گارے سے سامنے گاری تقریب کرے۔ تو بطور کبر رکھتے ہیں۔ رہے میاں ایہ باتیں چھوڑ دو وہی باتیں کرو۔ یہ بھی کبر و افرمایا۔ دوم یہ کہ ہمیں کوہ گائے بھانے کے درمیان نعت کے اشعار پڑھنے سے ممانعت فرمائی اس کے لئے ادب چاہئے۔ تیسرے یہ کہ علم غیب کی نسبت اپنی طرف کرنے کو ناپسند فرمایا۔ چوتھے یہ کہ مرثیہ کے درمیان نعت ہونا ناپسند فرمایا۔ چہاں کہ کل نعت خوش کرتے ہیں کہ نعت و مرثیہ کو ملا کر پڑھتے ہیں۔

مرقاۃ میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

لکرامۃ نسبہ علمہ لعیب ابہ لآئہ لا بعنہ العیب لآئہ و ابعنہ نؤمنول من لعیب ما عدہ او

لکرامۃ ن بدکر فی ثاء صرب نذف و ثاء مرثیہ العنلی لعنوا مصبہ عن دانک

"منع فرمایا کہ علم کی نسبت اپنی طرف کرنے کو۔ کیونکہ علم غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور رسول وہی غیب جانتے ہیں جو اللہ بتائے یا پنا پسند کیا کہ آپ کا ذکر دف بھانے میں مقتولین کے مرثیہ کے درمیان کیا جاوے کہ آپ کا درجہ اس سے اعلیٰ ہے۔"

احمد المعانی میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

"گفتا اند کہ منع انحضرت ازین قول بجهت آن است کہ در اے ساد علم غیب است بہ آنحضرت را تا خوش مدو بعضے گویند کہ بجهت آن است کہ ذکر شریف دے در آغا بوجہ مناسب نہ باشد۔"

شارحین نے کہا ہے حضور علیہ السلام کا اس کو منع فرمانا سنیے ہے کہ اس میں علم غیب کی نسبت حضور کی طرف ہے۔ ہذا آج کو ناپسند آئی در بعض نے فرمایا کہ آپ کا ذکر شریف ہمیں کوہ میں مناسب نہیں۔"

اعتراض (۲) حدیث پاک میں انصار باغوں میں در درخت کی شاخ مادہ درخت میں لگاتے تھے تاکہ پھل زیادہ دے اس فصل سے انصار کو حضور ﷺ نے منع فرمایا (اس کام کو عرب میں تلحیح کہتے ہیں) انصار سے تلحیح چھوڑ دی۔ خدا کی شان پھل گھٹ گئے اس کی شکایت سرکارِ دو عالم کی خدمت میں پیش ہوئی تو فرمایا۔

نم اعنہ بامور ذب کیم "اپنے دنیاوی معاملات تم جانتے ہو۔"

معلوم ہوا کہ آج کو یہ علم نہ تھا کہ تلحیح روکنے سے پھل گھٹ جاوے گئے اور انصار کا علم آپ سے زیادہ ثابت ہوا۔

جواب حضور علیہ السلام کا فرمانا **انم اعنہ بامور ذب کیم** انکھار تاراضی ہے کہ جب تم صبر نہیں کرتے تو دنیاوی معاملات تم جانو۔ جیسے ہم کسی سے کوئی بات کہیں اور وہ اس میں کچھ تامل کرے تو کہتے ہیں بھائی تو جان۔ اس سے نفی عام مقصود نہیں۔

شرح شفاء علی قاری بحث معجزات میں فرماتے ہیں۔

وَحَصَّنَهُ اللَّهُ مِنَ الْإِغْلَاقِ عَلَى جَمِيعِ مَصَالِحِ الدِّينِ وَالْدُّنْيَا وَامْتَنَ كُلَّ بَأْتِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَجَدَ الْإِنْفَازَ بِمُصْخَرِ النَّحْلِ فَصَلَّاهُ بِرُكُوعِهِ فَكُنُوزُهُ بِخَرْجِ شَيْءٍ وَخَرَجَ شَيْءًا فَصَلَّاهُ بِسَمْعِهِ بِأَمُورِ دُنْيَاكُمْ قَالَ شَيْخُ بَسْطُوسِي (۱) دَانَ بِحَمْلِهِمْ عَلَى حَرْقِ الْعَوْدِ فِي ذَلِكَ الْبَابِ التَّوَكُّلِ وَأَمَّا هَذَا فَلَمْ يَمَسْتَوْفِ فَصَلَّاهُ بِعَرَفٍ بِدُنْيَاكُمْ وَلَوْ امْتَنُتُمْ وَتَحَنَّنُوا فِي سَبْعَةِ سَنِينَ لَكُنْتُمْ أَمْرَهُدَ بِمَحَبَّةِ

”لہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو تمام وحی و دنیاوی مصلحتوں پر مطلع فرماتے سے خاص فرمایا اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضور نے نصار کو درختوں کی تلخ کرتے ہوئے پایا تو فرمایا کہ تم سکو چھوڑ دیتے تو اچھا تھا انہوں نے چھوڑ دیا تو کچھ بھل ہی نہ آیا یا قہص آیا تو فرمایا کہ اپنے دنیاوی معاملات تم جانو۔ شیخ بسوی نے فرمایا کہ آپ نے چاہا تھا کہ ان کو خلاف عادت کام کر کے باب توکل تک پہنچادیں۔ انہوں نے نہ مانا تو فرمادیں کہ تم جانو۔ اگر وہ مان جاتے اور وہ ایک سارا نقصان برداشت کر بیٹے تو اس محنت سے بچ جاتے۔“

ملا قاری اسی شرح شفاء جلد دوم صفحہ ۴۳۸ میں فرماتے ہیں۔

وَلَوْ لَبِثُوا عَلَى كَلَامِهِ لَفَلَّوْا بِسَبْعِينَ نَجْعًا عَلَيْهِمْ تَكْنِيفُ الْمَصَاحِبَةِ

”مگر وہ حضرات حضور کے فرمان پر ثابت رہتے تو اس فن میں فوقیت بجاتے اور اس سے اس تلخ کی محنت دور ہو جاتی۔“

فصل الخطاب میں علامہ یحییٰ سے نقل فرمایا۔

وَلَا يَعْرُبُ عَنْ عِلْمِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَثْقَلُ دُرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي سَمَاءٍ مِنْ حَيْثُ مَرَّتْهُ وَأَنْ كَانُ يَقُولُ أَسْمِعْهُمْ بِأَمُورِ دُنْيَاكُمْ

”حضور علیہ السلام کے علم سے زمین و آسمان میں اور ہر چیز پر شیدائیں گر چہ آپ فرماتے تھے کہ دنیاوی کام تم جانو۔“

حضرت جعفر علیہ السلام نے کبھی کاٹکاری۔ کبھی اور۔ کاٹکاروں کی محبت حاصل کی۔ مگر وہ لگے آئے سے پہلے حکم دیا کہ لہجہ کاشت کرو۔ اور فرمایا۔

فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُوهُ فِي سَبْعَةٍ (کہ جو کچھ کاٹو اس کو پالی ہی میں رہنے دو۔)

یعنی گیہوں کی حفاظت کا طریقہ سکھایا۔ آج بھی لہجہ کو بھوسے میں رکھ کر اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ کو کھیتی ہاڑی کا خفیہ رکس طرح معلوم ہوا؟ اور فرمایا۔

أَحْمَسِي عَلَى عَرَائِصِ الْأَرْضِ أَمِي حَفِيفٌ عَلَيْهِمُ (پارہ ۳ سورہ ۱۲ آیت ۵۵)

”مجھ کو زمین کے عزرائص پر مقرر کرو میں اس کا محافظ اور ہر کام جاننے والا ہوں۔“

یہ کئی نظامات وغیرہ کس سے سکھے؟ تو کیا حضور علیہ السلام کی دانائی اور حضور کا علم حضرت جعفر علیہ السلام سے بھی کم ہے۔ محاذ اللہ۔

اعتراظ (۳) ترمذی کتاب التفسیر سورہ نعام میں ہے کہ حضرت مسروق عاشر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت فرماتے ہیں کہ جو شخص کہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے رب کو دیکھا کسی شی کو چھپایا وہ جھوٹا ہے۔

وَمَنْ دَعَا أَنَّهُ يَلْقَاهُ فِي عِبَادَةٍ فَقَدْ أُعْطِيَ الْفَرِيضَةَ عَلَى اللَّهِ

”وہ جو کہے کہ حضور علیہ السلام کل کی بات جانتے ہیں اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا۔“

جواب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ تین باتیں اپنے ظاہری معنی پر نہیں ہیں آپ کے یہ قول پلہ رائے سے ہیں۔ اس پر کوئی حدیث مرفوعہ پیش نہیں فرماتیں بلکہ آیات سے استدلال فرماتی ہیں رب تعالیٰ کو دیکھنے کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت پیش فرمائی۔ اور اب تک حضور علیہ السلام اس کو مانتے چلے آئے ہیں۔ دیکھو اس کی تحقیق مدارج اور نسیم الریاض وغیرہ میں ہو رہی کتاب شام صلیب الرحمن سورہ نجم میں اسی طرح صدیق کا فرمانا کہ حضور علیہ السلام نے کوئی چیز نہ چھپائی۔ اس سے مرد حکام شریعہ سمجھتے ہیں۔ ورنہ بہت سے اسرار الہیہ پر لوگوں کو مطلع نہ فرمایا۔

مشکوٰۃ کتاب اعظم دوم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ کو حضور علیہ السلام سے دو قسم کے علوم ملے۔ ایک وہ جن کی تبلیغ کر دی۔ دوسرے وہ کہ اگر تم کو بتاؤں تو تم میرا گلا کاٹ دو۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسرار الہیہ نا محرم سے چھپائے گئے۔ اسی طرح صدیق کا یہ فرمان کہ کل کی بات حضور علیہ السلام نہیں جانتے تھے۔ اس سے مراد ہے بالذات نہ جانا اور نہ صدقہا حادث اور قرآنی آیات کی مخالفت لازم آوے گی۔ حضور علیہ السلام نے قیامت کی، دجال کی، امام مہدی کی اور حوض

کوثر کی شفاعت بلکہ امام حسین کی شہادت کی۔ جنگ بدر ہونے سے پیشتر کفار کے قتل کی۔ اور جگہ قتل کی خبر دی۔ نیز مگر صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فرماؤں کے ظاہری معنی بھی کئے جاویں تو مخالفین کے بھی خلاف ہے کہ وہ بھی بہت سے غیوب کا علم دیتے ہیں اور اس میں بالکل نفی ہے۔ مجھے آج یقین ہے کہ کل چپشنہ ہوگا۔ سورج نکلے گا۔ رات آوے گی۔ یہ بھی تو کل کی بات کا ہم ہوں۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے معراج جسمانی کا بھی انکار فرمایا۔ مگر یہی کہا جاتا ہے کہ واقعہ معراج نکلے نکاح میں آنے سے پیشتر کا ہے۔ جو اب تک نکلے علم میں نہ آیا تھا۔

اعتراض (۴) صدیقہ کا ہار گم ہو گیا۔ جگہ جگہ تلاش کرایا گیا نہ ملا پھر اونٹ کے پیچے سے برآمد ہو مگر حضور علیہ السلام کو علم تھا تو لوگوں کو اسی وقت کیوں نہ بتا دیا کہ ہار وہاں ہے۔ معلوم ہوا کہ علم نہ تھا۔

جواب اس حدیث سے نہ بتایا معلوم ہو کہ نہ کد نہ چانا ورنہ بتانے میں صدمہ ہاکتیں ہوتی ہیں حضرات صحابہ نے چاند کے ٹھنڈے بڑھنے کا سبب دریافت کیا۔ رب تعالیٰ نے نہ بتایا تو کیا خدا اپنے پاک کو بھی علم نہیں؟ مرضی الہی یہ تھی کہ صدیقہ کا ہار گم ہو، مسلمان اس کی تلاش میں یہاں تک جاویں ظہر کا وقت آ جاوے پانی نہ ملے تب حضور علیہ السلام سے عرض کیا جاوے کہ اب کیا کریں تب آیت تہنم نازل ہو جس سے حضرت صدیقہ کی عظمت قیامت تک مسلمان معلوم کریں کہ ان کے طفیل ہم کو تہنم ملا۔ اگر اسی وقت ہار بتا دیا جاتا۔ تو آیت تہنم کیوں نازل ہوتی۔ رب کے کام اسباب سے ہوتے ہیں۔ تعجب ہوتا کہ جو آنکھ قیامت تک کے حالات کو مشاہدہ کرے۔ اس سے اونٹ کے پیچے کی چیز کس طرح غفلت رہے۔ شان محبوب علیہ السلام پہچاننے کی خدا کی توفیق دے۔

اعتراض (۵) مشکوٰۃ باب الخوض والشفاء میں ہے۔

لیر دن علیٰ اقوام اعرف فہم وبعرفوس فی نہ یحاج بیسی و بیہم فافون انہم می فبقا انک لا نداری ما احد نو بعدک افون منحقا لمن عر بعدی

”خوض پر ہمارے پاس کچھ تو میں نیکی جھوٹا ہم پہچانتے ہیں درود ہم کو پہچانتے ہیں پھر ہمارے اور ان کے ارمیاں آ کر دی جاوے گی ہم کہیں گے کہ یہ تو ہمارے لوگ ہیں تو کہا جاویگا کہ آپ نہیں جانتے کہ اسہوں نے آپ کے بعد کیا نئے کام کئے ہیں فرمائیں گے دوری ہو دوری ہو اس کو جو میرے بعد دینا دے۔“

اس سے معلوم ہو کہ حضور علیہ السلام کو قیامت میں بھی اپنے پرے اور سامن و کافر کی پہچان نہ ہوگی کیونکہ آپ مرتدین کو فرمائیں گے کہ یہ میرے صحابہ ہیں اور طاغوتک عرض کریں گے کہ آپ نہیں جانتے۔

جواب حضور علیہ السلام کا ان کو صحابی کہنا طعن کے طور پر ہوگا کہ اس کو آنے دو یہ تو ہمارے بڑے قلعہ صحابہ ہیں طاغوتک کا یہ عرض کرنا ان کو سن کر تسلیم کرنے کے لئے ہوگا۔ ورنہ طاغوتک نے ان کو یہاں تک آنے ہی کیوں دیا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ جنہی کافر سے کہا جاوے گا۔

ذق نیک امت العربیز الکربیم ”غذاب چکھ۔ تو تو حمت کرم والا ہے۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سورج کو دیکھ کر فرمایا تھا۔ ہذا ربی یہ میرا رب ہے۔

پھر فرار کی بات تو یہ ہے کہ آج تو حضور علیہ السلام اس سارے واقعہ کو جانتے ہیں اور فرماتے ہیں **اعرف فہم ہم ان کو پہچانتے ہیں** کیا اس دن ہمیں جائیں گے؟ نیز قیامت کے دن مسلمانوں کی چند علامات ہوں گی۔ اعضاء وضو کا چمکنا، چہرہ انور فی ہونا یوہ سبب فی خوة و نسو دة داہے ہاتھ میں نامہ عمان کا ہونا، پیشانی پر سجدہ کا داغ ہونا۔ (دیکھو مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ اور بخاری حدیث میں ان کے خلاف ہونا۔ اور ان لوگوں کو طاغوتک کا روکنا۔ ان کے رتہ ذکی خاص علامت ہوگی جو آج بیان ہو رہی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ نئی علامات کے ہوتے ہوئے حضور ان کو نہ پہچانیں۔ نیز آج تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنتی و جہنمی لوگوں کی خبر دے دی۔ مشرہ و مشرہ کو بشارت دی۔ دوکت میں صحابہ کرم کو دکھا دیں۔ جن میں جنتی اور جہنمی لوگوں کے نام ہیں وہاں نہ پہچانتے کے کیا معنی؟ حضور علیہ السلام کو جہنمیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

یعرف المجرمون بسیمہم نیز فرماتا ہے سیمہم فی و خوہم من اثر المسخود معلوم ہوا کہ قیامت میں نیک و بد لوگوں کی علامات چہروں پر ہوں گی۔

مشکوٰۃ باب الخوض والشفاء میں ہے کہ جنتی مسلمان جہنمی مسلمانوں کو کانٹنے کے لئے جہنم میں جائیں گے اور ان کی پیشانی کے داغ سجدہ دیکھ کر ان کو جل چکنے کے بعد نکالیں گے اور ان سے فرمایا جاوے گا۔

فمن وحدثہ فی قلبہ مثقال درة من حیر فی خبر خوة

”جس کے دل میں رانگی کے برابر ایمان پاؤ اس کو نکال لے جائو۔“

دیکھو جتنی مسلمان دوزخی مسلمانوں کے دل کے ایمان کو پیچھے نہتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ کس کے دوس میں کس دوجہ کا ایمان ہے۔ دینار کے برابر یازرہ کے برابر۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چہرہ دیکھ کر علامات دیکھ کر بھی خبر نہیں ہوتی کہ یہ مسلمان ہیں یا کافر۔ لہذا تعالیٰ سمجھ نصیب کرے۔

اعتراض (۶) بخاری جلد اول کتاب بونا نر میں حضرت ام العلاء کی روایت ہے۔

وَاللّٰہُ مَا اَدْرِیْ وَاَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ یَفْعَلُ بِیْ

"خدا کی قسم میں نہیں جانتا خدا نہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جاوے گا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی بھی خبر نہ تھی کہ قیامت میں مجھ سے کیا معاملہ ہوگا۔

جواب اس جگہ علم کی نفی نہیں۔ بلکہ روایت کی نفی ہے۔ یعنی میں اپنے نکل و قیاس سے نہیں چانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ بلکہ اس کا تعلق وحی الہی سے ہے تو بے ام علامہ تم جو حقائق میں مقلوب کے خلقی ہونے کی کوئی محض قیاس سے دے رہی ہو۔ یہ معتبر نہیں۔ اس غیب کی خبروں میں تو انبیاء کرام بھی قیاس نہیں فرماتے۔ ورنہ مشکوٰۃ باب فصائل سید المرسلین میں ہے کہ ہم ولاد آدم کے سردار ہیں اس روز ہوا الحمد للہ ہمارے ہاتھ میں ہوگا۔ آدم آدمیوں ہمارے جھنڈے کے نیچے ہونگے۔ اس کی مطابقت کس طرح کی جاوے گی۔

اعتراض (۷) بخاری جلد دوم کتاب المتقاری باب حدیث اکف میں ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو تہمت لگی۔ آپ اس میں پریشان تو رہے مگر بغیر وحی آئے ہوئے کچھ نہ فرما سکے کہ یہ جست جج ہے یا نہ کہ اگر ہم غیب ہوتا تو پریشانی کیسی؟ اور اتنے روز تک خاموشی کیوں فرمائی۔

جواب اس میں بھی نہ جانا ثابت ہے نہ کہ نہ جانا۔ نہ جانا سے نہ جانا لازم نہیں آتا۔ خود رب نے بھی بہت روز تک ان کی عصمت کی آیات نہ اتاریں تو کیا رب کو خبر نہ تھی نیز بخاری کی اسی حدیث میں ہے۔

ما علمت علی اہلی لا حسراً "میں اپنی بیوی کی پاکدامنی ہی جانتا ہوں۔"

حس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم ہے وقت سے پہلے علم نہیں اور یہ تو ہو سکتی نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ پر یہ گمانی ہوئی ہو۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکما فرمایا۔

لَا تَسْمَعُوْا حٰثِرَ مَرَدُوْنَ وَاَصْوَاتٍ مِّنْہُمْ حِیْرًا قُلُوْا ھٰذَا کَلِمَۃٌ تُخْرِسُ (پارہ ۸ سورہ ۲۴ آیت ۱۲)

"یعنی مسلمان مردوں و عورتوں نے اپنے دلوں میں نیک گمانی کیوں نہ کی اور فرما کیوں نہ کہا کہ کھل ہو بہتان ہے۔"

پیدا لگا کہ نزول برائت سے پہلے ہی مسلمانوں پر نیک گمانی واجب اور بدگمانی حرام تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام حرام سے معصوم ہیں۔ تو آپ بدگمانی ہرگز نہیں فرما سکتے۔ ہاں آپ کافر یا فرما **اَلْکٰفِرِیْنَ** آپ پر وہ جب تھا کہ کیونکہ آپ کے گھر کا معاملہ تھا۔ رہی پریشانی اور تنا سکوت۔ یہ کیوں ہوا؟ پریشانی کی وجہ معاذ اللہ لا علمی نہیں ہے۔ اگر کسی عزت و عظمت والے کو خطہ الزام لگا دیا جاوے اور وہ خود جانتا بھی ہو کہ یہ الزام غلط ہے۔ پھر بھی اپنی بدنامی کے مدیشہ سے پریشان ہوتا ہے لوگوں میں فساد کا پھیلنا ہی پریشانی کا باعث ہوا۔ اگر آیات ملاؤں کے انتظار میں نہ فرمایا جاتا۔ اور پیسے ہی عصمت کا اظہار فرمایا جاتا تو منافقین کہتے کہ اپنی اہل حاکم کی حمایت کی۔ اور مسلمانوں کو تہمت کے مسائل نہ معلوم ہوتے اور پھر مقدمات میں تحقیقات کرنے کا طریقہ نہ آتا اور صدیقہ الکبریٰ کو صبر کا وہ ثواب نہ تھا جواب ملا۔ اس تاخیر میں صد ہا حکمتیں ہیں۔ اور یہ تو مسئلہ غلط تھا کہ نبی کی بیوی بدکار نہیں ہو سکتیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

الْحٰیثُ ثَلَاثٌ لِلْحَبِیْثِیْنَ وَ لِلْحَبِیْثُوْنَ لِلْحَبِیْثٰتِ (پارہ ۸ سورہ ۲۴ آیت ۲۶)

"گندی عورتیں گندے مردوں کے لئے ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لئے۔"

اس گندگی سے مراد گندگی رونا ہے۔ یعنی بی بی کی بیوی یہ نہیں ہو سکتی۔ ہاں کافر ہو سکتی ہے کہ کفر سخت جرم ہے۔ مگر گمنونی چیز نہیں۔ ہر شخص اس کا دشمن کرنا اور زنا سے ہر طبیعت نفرت اور عداوت کرتی ہے۔ اسی لئے نبیاء کی بیوی کو بھی جواب میں اعتد نہیں ہوتا۔ دیکھو مشکوٰۃ کتاب النفس کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس پر تعجب فرمایا کہ عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے اور اس کی تحقیق ہماری کتاب شان حبیبہ رحمان میں بھی ہے۔ تو کیا حضور علیہ السلام کو عقیدے کا یہ مسئلہ بھی معلوم نہیں تھا کہ صدیقہ سیدہ حبیبہ کی زوجہ پاک ہیں نہ سے یہ قصور ہو سکتی نہیں۔ نیز مرضی لکھی یہ بھی کہ محبوبہ محبوب علیہ السلام کی عصمت کی گواہی ہم براہ راست دین اور قرآن میں یہ آیات اتار کر قیامت تک کہ مسلمانوں سے تمام دنیا میں ان کی پاکدامنی کے خطبے پڑھو لیں کہ ناری ناریوں میں ان کی عصمت کے گیت گایا کریں اب اگر حضور علیہ السلام خود ہی بیان فرمادیتے تو یہ خوبیاں حاصل نہ ہوتیں فرضیکہ علم تو تھا اظہار نہ تھا۔

ملطف یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کو ریختا نے تہمت لگائی۔ تو رب تعالیٰ نے ان کی صفائی خود بیان نہ فرمائی بلکہ یک شیر خرورچہ کے درمیان چاکدامنی سے پاکدامنی فرمادی۔ حضرت مریم کو تہمت لگی۔ تو شیر خروروح اللہ سے ان کی عصمت ظاہر کی۔ مگر محبوب علیہ السلام کی محبوبہ پر وجہ کو الزام لگانا تو کسی

بچہ یا مرثیہ سے عصمت کی گواہی نہ دلوائی گئی۔ بلکہ یہ گواہی خود خالق نے دی اور گویا قرآن کا بیڑہ بچایا۔ تاکہ یہ گواہی میاں کارکن بنے اور مخلوق کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبوبیت کا پتہ چلے۔

تنبیہ ایک جہل ہے ایک نسیان ایک ذہول۔ جہل نہ جانتا ہے۔ نسیاں جاں کر حافضہ سے نکل جاتا۔ ذہول یہ ہے کہ کوئی چیز حافظہ میں ہو مگر دوسرے توجہ نہ رہے۔ ایک شخص قرآن نہ پڑھا دوسرے نے حفظ کر کے بھلا دیا۔ تیسرا شخص حافظہ کامل ہے۔ اگر کسی وقت کوئی آیت اس پر بھی توجہ نہ سکا۔ توجہ نہ رہی۔ پسند تو قرآن سے جا مل۔ دوسرا ناسی، تیسرا دال، چوتھا نسیا، پانچواں ذہول۔ خیرائے کرام کو بعض وقت کسی خاص چیز کا نسیان ہو سکتا ہے مگر بعد میں اس پر قائم نہیں رہتے۔ قرآن کریم سیدنا آدم علیہ السلام کے لئے فرماتا ہے **فَلَسَىٰ وَلَهُ مَجْدٌ لَّهِ عَرَفْنَا** وہ بھول گئے ہم نے اس کا قصہ نہ پایا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی نظر روح محفوظ پر تھی۔ یہ تمام واقعات پیش نظر تھے۔ مگر ارادہ لمبی کچھ مدت کے لئے نسیاں ہو گیا۔ قیامت میں شفیع کی تلاش میں سارے مسلمان جس میں محدثین و مفسرین و فقہاء و سب ہی ہیں۔ انبیاء کرام کے پاس جائیں گے کہ آپ شفاعت فرمادیں۔ وہ شفاعت تو نہ کریں گے ورنہ شفیع اللہ نہیں کا صحیح پہ دیں گے۔ خیر سے فرمادیں گے کہ حضرت نوح کے پاس جاؤ۔ وہاں جاؤ، وہاں جاؤ شاید وہ تمہاری شفاعت کریں۔ حارثہ دہا میں سب کا عقیدہ تھا وہ ہے کہ قیامت میں شفیع اللہ ہمیں حضور علیہ السلام ہی ہیں۔ یہ ہو ذہول کہ ان باتوں کی طرف توجہ نہ رہی۔ مگر حضور علیہ السلام کسی وقت کوئی بات نہ بتائیں تو اس کی وجہ ذہول (اور توجہ نہ ہونا) ہو سکتی ہے۔ سبے علمی ثابت نہ ہوگی رب تعالیٰ فرماتا ہے **وَلَنُكَلِّمَنَّ فِیْہِ لَمَنَ الْغَافِلِیْنَ** اگرچہ آپ اس سے پہلے واقعہ حضرت یوسف علیہ السلام سے سب پر دوا تھے غافل فرمایا جا مل نہ فرمایا۔ غافل وہ کہ واقعہ علم میں ہے۔ مگر اصرار دہیاں نہیں نکلتا میں فرماتے ہیں کسی نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے پوچھا۔

زمعشر ہوئے اور بن شیبہ جہاد اور چاہ کنکاش ندیدی

کما آپ نے حضرت یوسفؑ کے کردی کی خوشبو مصر سے تو پانی بہ کر کھان کے کوئی میں رہے۔ تو آپ مظلوم نہ کر سکے۔ جواب دیا۔

نکلتے۔ حوس، مایہ، حق، جہاں، مست، دوسے پیدا ہو دیکرو منہاں، مست، گے بر طارم، اعلیٰ، ششما، گے بر پشت، پائے، خدوت، ہنیم
فرمایا کہ ہمارا حال بجلی کی تڑپ کی طرح ہے کبھی غبار کبھی چمپا ہو اور قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو علم تھا کہ ماہ کنکات
مصر میں جلی دے رہا ہے۔ فرماتے ہیں۔

وَعَدَمٌ مِّنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (پارہ ۳ سورہ ۴ آیت ۸۶) ”مجھے خدا نے سچ سے (وہ باتیں معلوم ہیں جو تم کو نہیں معلوم۔“

روح ہیمن پارہ ۱۲ اور آیت **وَصَدَّٰدُ سَمُوْعٍ لِّیْ قَوْمِهٖ** میں ہے کہ رب تعالیٰ کو اپنے پیاروں کا رونا بہت پسند ہے حضرت نوح
 اتنا روئے کہ نام ہی نوح ہوا۔ یعنی نوح اور گریہ داری کرنے والے۔ حضرت یعقوب کے رونے کے لئے فراقِ یوسف سبب بنا ہری تھا ورنہ ن کا رونا
 بلندی درجات کا سبب تھا۔ بعد ازاں کا یہ رونا حضرت یوسف سے بے خبری کی وجہ سے تھا بلکہ **الْمَحْدَرُ قُطْرَةٌ لِّحَقِیْقَتِهِ** مثنوی میں ہے۔

حُشَق لَکَی نَیست مِیں کار مَست۔ حَس لَکَی نَکس رَخت رَست۔
خُش بَیادِ چاند شَب دَئے تُو دُوقِہ و رَم پَور بَہائے تُو
بَیامِین کو مَصر مِیں حَقرت یوسف علیہ سَلام ے اِیک حَید ے رُک لَیا۔ بَہائِیوں ے اِگر حَتم نَہائی اور قاتِچے دَہوں کی گودِی تَیش کی کہ بَیامِین مَصر
شاعِی قَہدی دَئے گئے مَکر فرمایا۔

بل سؤلت لکم انفسکم امرۃ پر سورہ ۱۲ آیت ۱۸، "کہ تمہارے نفس نے تمہیں جید سمجھا دیا۔"

یعنی یوسف کو بھی مجھ سے میری اولاد نے ہی جد کیا اور بنیامین کو بھی، میری اولاد حضرت یوسف نے حید ہی سے روکا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل واقعہ کی خبر ہے۔ پھر اہل ہرمصر میں یعقوب علیہ السلام کے دو فرزند وہ گئے تھے ایک جیامس دوسرے یوہا۔ مگر فرماتے ہیں۔

عسی اللہ! ان یابیہو حمیفاً ” قریب ہے کہ اللہ اس تئیں کو مجھ سے ملائے۔“

تیس کوں تھے؟ تیسرے حضرت یوسف علیہ السلام ہی تھے۔ جب زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو گھر میں بند کر کے بری خواہش کرنا چاہی تو اس ہمد مکاں میں یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف کے پاس پہنچے اور دانت تلے انگلی دبا کر اشارہ کیا کہ ہرگز نہیں۔ اے فرزندِ حبیب کام تمہارا نہیں ہے کہ تم نبی کے بیٹے ہو جس کو قرآن فرماتا ہے۔

وہم یہ لو لا ان دی نرہں رہہ "وہ بھی رنغا کا قصہ کر لیتے اگر رب کی دیل نہ دیکھ جتے۔"

یہ بھی خیال رہے کہ یہ اور اہل یوسف علیہ السلام نے خبر دی کہ اہل کو بھینڑ کھا گیا اور آپ کو قیض اور بھینڑی کی خبر سے یہ کا جھوٹا ہونا معلوم ہو گیا تھا کہ بھینڑی نے عرض کیا تھا کہ ہم پر بیہوش کا گوشت حرام ہے، دیکھو قیض، خاندان، درون، ابیان سورہ یوسف۔ پھر آپ اپنے فرزند کی تلاش میں جنگل میں کیوں نہ گئے؟ معلوم ہو کہ باخبر تھے مگر راز دار تھے جانتے تھے کہ فرزند سے مصر میں مدقات ہوگی۔ اسی طرح یوسف علیہ السلام کو بہت سے موقع ملے مگر والد اپنی خبر نہ دی معلوم ہوا کہ حکم کا اتھار تھا کنہاں سے پیٹھے ہوئے یعقوب علیہ السلام اپنے فرزندوں کی ایک ایک بات دیکھ لیں۔ مگر

حضور علیہ السلام اپنی طبیعت ہر محدیق کی بنی حضرت صدیقہ کے حالات سے بے خبر ہوں۔ مگر جو رب انکوائٹا علم دیتا ہے طاقت مفید بھی دیتا ہے کہ دیکھتے ہیں مگر بے مرضی لہی راز فاش نہیں کرتے ہیں **لَا تَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رَحْمَتُهُ** ہماری یہ تقریر اگر خیال میں رہی تو بہت مفید ہوگی۔

ان شاء اللہ

اعتراض (۸) حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے بعض اروج کے گھر شہدہ عتکہ فرمایا اس پر حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ آپ کے دین پاک سے مغایر کی بوتل رہی ہے۔ تو فرمایا کہ ہم نے مغایر نہیں استعمال فرمایا۔ شہدہ بیبا ہے۔ مگر حضور نے اپنے پر شہد حرم کر لیا۔ جس پر آیات قرآنی **لَمْ يَجْعَلْ لَكُمْ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ** مظلوم ہوا کہ اپنے دین پاک کی ہوا بھی علم نہ تھا کہ اس بوتل رہی ہے یا نہیں۔

جواب اس کا جواب اسی آیت میں ہے۔ **تَسْعَىٰ مَرَصَاتٍ** (رواحک) اے حبیب یہ حرام فرماتا آپ کی بے جبری سے نہیں بلکہ ن معترض رواج کی رضا کے لئے ہے نیز اپنے مسکے بوفیب نہیں محسوس چیز ہے بر صبح الہ ماغ محسوس کر لیتا ہے کیا دیوبندی جیاد کے حواس کو بھی ناقص ماننے لگے گاں کے حواس کی قوت کو مولا ماننے یاں فرمایا۔

لطف آب و لطف خاک و لطف گل بہت محسوس روحیں اہل دل

قلبی گو منکر دتا راستہ در حواس او سیاہ رنگانہ مست

اعتراض (۹) اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا تو خیر میں زہر آلود گوشت کیوں کھالیا۔ مگر جانتے ہوئے کھایا تو یہ خود کشی کی کوشش ہے۔ جس سے کمی معصوم ہے۔

جواب اس وقت حضور علیہ السلام کو یہ بھی علم تھا کہ اس میں زہر ہے اور یہ بھی خبر تھی کہ زہر ہر صبر پر تکلم ہی اثر نہ کرے گا۔ اور یہ بھی خبر تھی کہ رب تعالیٰ کی مرضی پر ہی تھی کہ ہم اسے کھا میں تاکہ بوقت وفات اس کا ثر لوئے اور ہم کو شہادت کی دفات عطا فرمائی جاوے رضی برضا تھے۔

اعتراض (۱۰) اگر حضور علیہ السلام کو علم غیب تھا تو حیر معونہ کے منافقین (دھوکے سے آپ سے ستر (۷۰) صحابہ کرام کیوں بے گئے؟ جنہیں وہاں لے جا کر شہید کر دیا۔ اس آفت میں انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیوں پھنسا یا۔

جواب جی ہاں حضور علیہ السلام کو یہ بھی خبر تھی کہ یہ معونہ دوائے منافقین ہیں اور یہ بھی خبر تھی کہ لوگ ان ستر صحابہ کو شہید کر دیں گے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی خبر تھی کہ مرضی الہی یہی ہے اور ان ستر کی شہادت کا وقت آ گیا ہے۔ یہ بھی جانتے تھے کہ رب تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا بندے کی شان ہے اور یم علیہ السلام تو مرضی الہی پا کر فرار نہ پر چھری سے کرتا رہا ہو گئے کی یہ بے گناہ پر عظم تھا جنہیں بلکہ رضائے مولیٰ پر رضا تھی۔ اچھا بتاؤ رب تعالیٰ کو تو خبر تھی کہ گوشت میں زہر ہے۔ اور حیر معونہ دوائے ان ستر کو شہید کر دیں گے۔ اس نے وحی بھیج کر کیوں نہ روک دیا۔ اللہ تعالیٰ سمجھو دے۔

تیسری فصل

علم غیب کے خلاف عبارات فقہاء کے بیان میں

اعتراض (۱) قتلائی قاضی خاں میں ہے۔

وَحُلَّ تَرْوُوحٌ بِغَيْرِ شُهُودٍ فَقَالَ الرَّحْلُ وَالْمَرْءُ هَذَا رَسُولُ رَاكِبٍ كَرِيمٍ قَالُوا ابْكُونْ كَهْرًا لِأَنَّهُ اعْتَقَدَ

رسول الله عليه السلام يعلم الغيب وهو ما كان يعلم الغيب حين كان في حياته فكيف بعد الموت

”کسی نے بغیر گواہوں کے نکاح کیا تو مرد اور عورت نے کہا ہم سجدہ اور رسول کو گواہ کیا تو لوگوں نے کہا کہ یہ تو بکفر ہے کیونکہ اس اعتقاد کو کہ رسول اللہ علیہ السلام غیب جانتے ہیں حاکم آپ تو غیب زندگی میں نہ جانتے تھے چہ جائیکہ موت کے بعد۔“

امتواض (۲) شرح فقہ کبر میں حافلہ ربی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

وذكر الحنفية بصريح بالسكفير باعتقاد ن لئلي عليه السلام بعدم الغيب لمصادفه قوله تعالى

قُلْ لَا يَعْنِيهِ مِنْ فِتْنَةِ الْمُشْرِكِينَ وَالْأَرْضُ لِلَّهِ

”خفیوں نے صراحتاً ذکر کیا ہے کہ یہ حقائق ذکر نہی علیہ السلام غیب جانتے تھے مگر ہے کیونکہ یہ عقیدہ خدائے پاک کے اس فرمان کے خلاف ہے کہ فرما دو آسمانوں اور زمین کا غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔“

ان دونوں عہد رتوں سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو ظلم غیب ماننا کفر ہے۔

جواب : من دونوں مہارتوں کا اجماعی اور تفرامی جواب تو یہ ہے کہ مخالفین بھی حضور علیہ السلام کو بعض علم غیبی مانتے ہیں۔ لہذا وہ بھی کافر ہوئے

کیونکہ ان عہدوں میں کل یا بعض کا ذکر تو نہیں ہے۔ یہ ہے کہ جو بھی حضور علیہ السلام کو علم غیب مانے دو کافر ہے۔ خود ایک کا مانے پر یادہ کا۔ تو وہ بھی

خیر منائیں مولوی شرف علی تھانوی نے حفظ الایمان میں بچوں، پاکوں اور جانوروں کو بعض علم غیبی دیا ہے۔ مولوی عظیم احمد صاحب نے پرہیز

قلمرو میں شیطان اور ملک الموت کو وسیع علم غیب ملا۔ مولوی قاسم صاحب نے تحفہ برساتوں میں کہا ہے کہ ہماری قلمرواقت سے حضور علیہ السلام

کوظم ریادہ ناب اس تینوں صاحبوں پر کیا حکم لگایا جاوے گا؟ تفصیلی جواب یہ ہے کہ قاضی خاں کی مہارت میں ہے **فلو** لوگوں نے کہا اور قاضی

خاس وغیرہ فقہاء کی عادت یہ ہے کہ وہ **فلو** اس جگہ بولتے ہیں جہاں اس کو یہ قول پسند نہ ہو۔ شامی جلد پنجم ص ۴۳۵ میں ہے۔

لَقَدْ قُلُّوا أَنْتُمْ كَرُّوْا فِيهِ حِلَافٌ "لفظ قُلُّوا" وہاں یوں جاتا ہے جہاں اختلاف ہو۔"

فتیہ الستملی شرع مدیہ الفصل بحث ثوبہ میں ہے۔

كلامه قاصي، حين يشير إلى عدم احتجازه له حيث قد قُبِلَ الأُصْنَى عليه في القعدة الأخيرة فهي

قوله قال اشارة الى عذو استحقاقه له وال انه عذو مدعو عن الائمة كما قضاة ذلك

نہیں ہوا۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ:

مَنَعَاتُ فِي جَبَارَاتِهِمْ لَمَنْ يَسْتَعِزُّهَا

میں نے ان کو دیکھا تھا کہ وہ ایک بڑے بڑے گھر میں رہتے تھے۔

درعی کتابت کا شمار 7 میں ہے۔

تاریخ و حوالہ

نُروِّحُ رَحْلُ بِشَهَادَةِ اللَّهِ وَدُسْرُلَهُ لَمْ يَحْرَسَ قَبْلَ يَكْفُرُ

”ایک شخص نے تاج کیا تھا اور رسول کی گواہی سے تو نہیں جائز ہے بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ وہ کافر ہو جائیگا۔“

اس عہد کے ماتحت شری نے تاجدار خان سے قتل ہے۔

وَفِي الْحُجَّةِ ذَكَرَ فِي الْمُنْتَظَرِ لَا يَكْفُرُ لِأَنَّ الْأَشْيَاءَ تُعْرَضُ عَلَى رُوحِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَنَّ

الرُّسُلُ يَعْرِفُونَ بَعْضَ الْغَيْبِ قَالِ اللَّهُ تَعَالَى وَلَا يَظْهَرُ عَلَيْهِ أَحَدًا أَلَمْ يَرْسُلْ قُلْتُ

بِذِكْرِ وَالْفِ كُتُبِ الْعَقْدِ الثَّامِي مِنْ خُتْمِهِ كَمَا بَوَّابِ الْأَوَّلِ وَالْأَخِيرِ عَمَّا يَوْمُ الْمُقَابَلِ

"مفتی محمد امجد علی صاحب دہلوی نے فرمایا کہ اگرچہ حضرت علیؓ نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے جانشین قرار دیا تھا، مگر یہ صرف ایک عوامی تقریر تھی جس کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔"

پس نہیں ظاہر فرماتا ہے غیب پر کسی کو سوائے پندیدہ دوسروں کے میں کبتر ہوں کہ کتب عقائد میں ہے کہ اویہ الفدی کر مات میں سے بعض چھوٹ پر مطلع ہوتا بھی ہے۔
 شری باب المرتدین میں مسئلہ بز زید کر فرما کر فرمایا۔
 حاصلہ ن دعوی الغیب معارضة لصق الفرائ بکفر بها الا ان اسد دلک صریحاً او دلالة الى سبب کوحی او لہام
 "اس کا خلاصہ یہ ہے دعوی علم غیب نفس قرآنی کے خلاف ہے۔ اس سے کافر ہوگا مگر جبکہ اس کو مصراحتہ یا درندہ کسی سبب کی طرف نسبت کر دے جیسے کہ وحی یا الہام۔"
 معدن الحقائق شرح کنز الدقائق ورفعتہ الردات میں ہے۔
 وفي النصمرات و لصحیح نه لا یکفر لان الابیاء یعلمون العیب و یعرض علیہم الاشیاء فلا یكون کفراً
 "نصمرات میں ہے صحیح یہ ہے کہ وہ شخص کافر نہ ہوگا کیونکہ نبیائے کرام غیب جانتے ہیں اور ان پر چیزیں پیش کی جاتی ہیں۔ اس سے یہ کفر نہ ہوگا۔"
 ان عبارات سے معلوم ہو کہ عقیدہ علم غیب پر فتوے کفر کا ناخط ہے۔ بلکہ فقہ کا بھی عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام کو علم غیب دیا گیا۔
 ملا قاری کی عبارت چہری نقاش نہیں کی۔ اصل عبارت یہ ہے جو مطلب واضح کرتی ہے۔
 ثم اعلم ان الابیاء لم یعلموا الخبیات من الاشیاء الا ما علمہم اللہ و ذکر الحقیقہ نصراً یحایا لتکفیر الخ
 "پھر جانو کہ نبیائے کرام غیب چہرہ نقاش نہیں جانتے سوائے اس کے جو انکو اللہ تعالیٰ اور انبیوں نے کھری تصریح کی جو نبی علیہ السلام کو علم غیب چاہے۔ الخ"
 اب پورا مطلب معلوم ہو کہ نبی علیہ السلام کو علم غیب ذاتی ماننے کو ملا قاری کفر فرما رہے ہیں۔ کہ عطائی۔ کیونکہ عطائی کو تو مان رہے ہیں اور پھر ان کی عبارتیں ہم ثبوت علم غیب میں پیش کر چکے ہیں کہ ملا قاری حضور علیہ السلام کو تمام ماکان و ما یکان کا علم مانتے ہیں۔

چوتھی فصل

علم غیب پر عقلی اعتراضات کہ یہاں میں

اعتراض (۱) علم غیب خدا کی صفت ہے اس میں کسی کو شریک کرنا شرک فی الصفت ہے لہذا حضور علیہ السلام کو علم غیب ماننا شرک ہے۔

جواب غیب جاننا بھی خدا کی صفت ہے حاضر چیزوں کا جاننا بھی خدا کی صفت ہے۔ **عالم الغیب والشہادۃ** اسی طرح مستند یکنواز مدعا ہوتا سب خدا کی صفات ہیں۔ تو اگر کسی کو حاضر چیز کا علم ماننا کسی کو سب یا بصیر یا حسی ماننا ہر طرح شرک ہو۔ فرق یہ ہی کیا جاتا ہے کہ ہمارا مستند یکنواز مدعا یہ ہوتا خدا کے دینے سے ہے اور حادث ہے۔ خدا کی یہ صفات ذاتی اور قدیم پھر شرک کیسا؟ اسی طرح علم غیب نبی عطا کی اور حادث اور تنہا ہی ہے۔ رب کا علم ذاتی قدیم اور کل معلومات غیر متناہیہ کا ہے نیز یہ شرک تو تم پر بھی لازم ہے۔ کیونکہ تم حضور علیہ السلام کے لئے علم غیب ماننے ہو بعض ہی کا کسی۔ اور خدا کی صفت میں تمکا اور حاضر ہر طرح شرک کرنا شرک ہے۔ نیز مولوی حسین علی صاحب دہلوی لکھتے ہیں جو مولوی رشید احمد صاحب کے خاص شاگرد ہیں۔ اپنی کتاب ہفتہ اخیر ان زیر آیت **معلّم مستقرّها ومنستودعہا کُلّ فی کتب منسب** میں لکھتے ہیں کہ خدا کو ہر وقت غلو قات کہیں اس کا علم نہیں ہوتا۔ بلکہ بندے جب اعمال کر لیتے ہیں۔ جب علم ہوتا ہے۔ اب تو علم غیب خدا کی صفت دینی ہی نہیں۔ پھر کسی کو علم غیب ماننا شرک کیوں ہوگا۔

اعتراض (۲) حضور علیہ السلام کو علم غیب سب حاصل ہوا۔ تم کہی تو کہتے ہو کہ شب معراج میں ان کے منہ سے اظہار ہوا کیا اس علم غیب خدا اور کہی کہتے ہو کہ خواب میں رب کو دیکھا کہ اس اپنا دست قدرت حضور علیہ السلام کے شانہ پر رکھا۔ جس تمام علوم حاصل ہوئے۔ بھی کہتے ہو کہ قرآن تمام چیزوں کا بیان ہے۔ اس کے نزول شتم ہونے سے علم غیب خدا۔ اس میں کوئی بات درست ہے۔ اگر نزول قرآن سے پہلے علم مل چکا تھا تو قرآن سے کیا ملا۔ تحصیل حاصل محال ہے۔

جواب حضور علیہ السلام کو کس علم غیب و حادث سے پہلے ہی عطا ہو چکا تھا کیونکہ آپ حادث سے قبل تمام روئے میں ہی تھے۔

کُنْ بِنَا وَادْمُ بِنَا طَبِیْ وَالْمَاءُ اور نبی کہتے ہیں اس کو ہیں جو غیب کی خبر رکھے مگر کاب و لکون کی تکمیل شب معراج میں ہوئی۔ لیکن یہ تمام علوم شہودی تھے کہ تمام اشیاء کو نظر سے مشاہدہ فرمایا۔ پھر قرآن نے ان ہی دیکھی ہوئی چیزوں کا بیان فرمایا اسی لئے قرآن میں ہے۔ **نَبِیُّ الْمَلٰٓئِکَۃِ شَہِیْدٌ** ہر چیز کا بیان اور معراج میں ہو **فَصَحٰی لٰی کُلُّ شَیْءٍ وَ عَرَفْتُ** دیکھنا اور ہے بیان کچھ اور۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام کو پیچہ اظہار کر ان کو تمام چیزیں دکھادیں۔ بعد میں ان کے نام بتائے۔ وہ مشاہدہ تھا اور یہ بیان۔ اگر چیزیں دکھائی نہ گئی تھیں تو **لَمَّا عَرَفُوْهُمُ عَلٰی الْمَمٰکِیْہِ** کے کیا سمجھتے ہوں گے۔ یعنی پھر ان چیزوں کو خاک کے پریش فرما دیا ہندو لوں تو سمجھ گئے ہیں کہ معراج میں بھی علم ہو۔ اور قرآن سے بھی۔ اگر کہا جائے کہ پھر نزول قرآن سے کیا فائدہ سب باتیں تو پہلے ہی سے حضور کو معلوم تھیں۔ بتائی جاتی ہے نامعلوم چیز۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نزول قرآن صرف حضور علیہ السلام کے علم کے لئے نہیں ہوتا۔ بلکہ اس پر رہا دیگر فائدے ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ کسی آیت کے نزول سے پہلے اس کے احکام جاری نہ ہوں گے۔ اس کی علامات وغیرہ نہ ہوں گے۔ اگر نزول قرآن حضور علیہ السلام کے علم کے لئے ہے تو بعض سورتیں وہاں کیوں نازل ہوئیں۔

تفسیر ہاداک میں ہے۔

فَاتَحٰۤا الْکِتٰبَ مَکْیٰۤہُ وَقِیْلَ مَدِیْنَةٌ وَّالَاَصْحٰۤاۤہَا مَکْیٰۤہُ وَّ مَدِیْنَةٌ مَّرَلٰتُ بَعَثْکَ ثُمَّ مَّرَلٰتُ بِالْمَدِیْنَةِ

”سورۃ فاتحہ کی ہے اور کہا گیا ہے کہ مدنی ہے اور مکی تریہ ہے کہ یہ کئی بھی ہے اور مدنی بھی والا کہ میں تاروں ہوئی پھر مدینہ میں۔“

مشکوٰۃ حدیث معراج میں ہے کہ حضور علیہ السلام کو شب معراج میں پانچ ملازیم اور سورۃ بقرہ کی آخری آیات عطا ہوئیں۔ اس حدیث کی شریعت میں ملا علی قاری نے سوں کیا کہ معراج تو مکہ معظمہ میں ہوئی اور سورہ بقرہ مدنی ہے۔ پھر اس کی آخری آیات میں کیسے عطا ہوئیں؟ تو جواب دیتے ہیں۔

حٰصِبُہُ اللّٰہُ وَقَعَ بَکَرٰۤاۤلْ وَّحٰی فِیْہِ نَعِیْظٰۤہَا لَہٗ وَ اِہْتِمَافٌ لِّشَآۤہِہٖ وَ حٰی اللّٰہُ اَیُّہٗ فِی نَمَکِہِ الْیَمِیْنَةُ بَلَا

وَ اِبْطَۃُ جَبْرِیْلَ

”خلاصہ یہ ہے کہ اس میں وحی مکرر ہوئی حضور علیہ السلام کی تعلیم اور آچکے تمام شان کیلئے۔ جس قدر نے اس رات بغیر واسطہ جبریل وحی فرمادی۔“

اسی حدیث کے ماتحت معات میں ہے۔

سر آلت عینہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ المعراج بلا واسطۃ ثم برز بہا جبریل فأنبت فی المصاحف
 "شب معراج میں یہ آیات بغير واسطہ کے تریں پھراں جبریل نے اتار تو قرآن میں رکھی گئیں۔"

بتاؤ کہ زبوں کس نے ہوا؟ حضور علیہ السلام کو تو پیسے رول سے علم حاصل ہو چکا تھا۔ نیز ہر سال ماہ رمضان میں جبریل امین حضور علیہ السلام کو سارا
 قرآن سناتے تھے۔ مقدمہ نور الاول اور تعریف کتاب میں ہے۔

لأنہ کان یسر علیہ السلام دفعته واحدة فی کتب شہر رمضان حملته
 بتاؤ کہ زبوں کیوں تھا؟ بلکہ قرآن سے مظلوم ہوتا ہے کہ حضور کو تمام آسمانی کتابوں کا پورا علم تھا رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

يا اهل الكتاب قد جاءکم رسولنا ننبئ لکم کثیرا مما کنتم تحفون من الکتاب وبعضوا علی کثیر
 (ہزارہ ۶ سورہ ۵ آیت ۱۵)

"یہی اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے دو رسول آئے جو تمہاری بہت سی چھپائی ہوئی کتاب کو ظاہر فرماتے ہیں اور بہت سے درگزر فرماتے ہیں۔"
 اگر حضور علیہ السلام کے علم میں ساری کتب آسمانی نہیں تو اس کا ظاہر فرماتا یا نہ فرماتا کیا مجھے حقیقت یہ ہے کہ حضور علیہ السلام اول ہی سے قرآن کے
 عارف تھے۔ مگر قرآنی احکام نزول سے قبل جاری۔ فرمائے اسی لئے بخاری کی پہلی حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل نے عارف میں پہلی ہزار کر عرض
 کیا اقرء آپ پڑھیے یہ عرض کیا کہ فلاں آیت پڑھیے اور پڑھو سی سے کہتے میں جو جانتا ہوں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ما انا بقاریع میں
 نہیں پڑھنے والا میں تو پڑھانے والا ہوں پڑھ تو پیسے ہی یا ہے سو محفوظ میں قرآن ہے اور حضور علیہ السلام کے علم میں پیسے ہی سے ہے۔ آپ
 ولادت سے پیسے ہی صاحب قرآن ہیں۔ بغیر وحی کے نبوت کیسی؟ لہذا ماننا ہوگا کہ قبل ولادت ہی قرآن کے عارف ہیں۔ حج بھی بعض بچے حافظ
 پیدا ہوتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ نے پیدا ہوتے ہی فرمایا انا نبی انا نبی اکبر رب نے مجھے کتاب دی۔ معلوم ہوا کہ ابھی سے کتاب کو جانتے ہیں بعض
 ظہیروں کے لئے فرمایا انا نبی الخکیم صبا ہم نے انہیں بھیجی سی سے علم و حکمت دی۔ حضور نے پیدا ہوتے ہی عہدہ کر کے شفا کی
 شفا کی۔ عہدہ دار شفا کی علم قرآنی ہے۔ حضور غوث پاک نے ماہ رمضان میں ماں کا دودھ نہ پیا۔ یہ بھی علم قرآنی ہے۔ نور انوار کے
 خبہ میں طاق کی بحث میں ہے یعنی ان العمل باضران کس حبتہ لہ من غیر تکلف معلوم ہوا کہ قرآن پر عمل کرنا حضور ﷺ
 کی پیدائشی عادت ہے ہمیشہ حیدر دلی کا ایک پستان پاک چوسا۔ دوسری بچی کے لئے پھوڑا۔ یہ صبر و نصاب بھی قرآنی علم ہے۔ مگر ابتداء سے
 قرآن کے عارف نہیں تو یہ عمل کیسے فرما رہے ہیں۔ دیوبندیوں کا ایک مشہور اعتراض یہ بھی ہے کہ تمہاری پیش کردہ آیتوں کے عموم سے لازم آتا ہے
 کہ حضور کا علم رب کے برابر ہو۔ مگر انہوں میں قیامت تک کی قید لگاتے ہو حالہ لکن تعلم میں۔ تو قیامت کی قید ہے۔ ماکاں دیکھو کا
 ذکر۔ در ایک دفعہ خالص ہونے سے آئندہ خصوص کا دروازہ کھل جاتا ہے دیکھو کتب اصول۔ ہذا ہم انہوں میں احکام شرعیہ کی قید لگاتے ہیں یعنی
 اس سے صرف شرعی احکام مراد ہیں۔

جواب اس کا یہ ہے کہ یہاں آیت میں تخصیص نہیں بلکہ عقلی تشابہ کیونکہ رب کا علم میر غنائی ہے قلوب کا داغ غیر غنائی علوم نہیں
 سکتا۔ برہان شمس وغیرہ سے بہذا امتناعی ہوگا۔ احادیث سے پتہ لگا کہ قیامت تک کی حضور نے خبر دی اسی لئے یہ دعویٰ کیا گیا تشابہ کا در علم ہے اور
 تخصیص کا حکم دوسرے دیکھو اقیموصلوۃ سے بچے دیوانے کا حد خارج ہیں یہ تخصیص نہیں بلکہ تشابہ ہے۔

فقیر نے یہ مختصری تقریر علم غیب کے متعلق کر دی۔ اس کی زیادہ تحقیق کرنا ہو تو رسا کہ مبارک اللہ العیاد کا مطاع کرو۔ جو کچھ میں نے کہا یہ اس بحر کی
 ایک ہر ہے چونکہ مجھے اور مسائل پر بھی گفتگو کرنا ہے۔ بہذا اسی پر استغنا کرتا ہوں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی حیر جمعہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین برحمہک وھو ارحم الراحمین

حاضر و ناظر کی بحث

اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں

مقدمہ حاضر و ناظر کی لغوی اور شرعی معنی کی تحقیق میں

حاضر کے لغوی معنی ہیں سامنے موجود ہونا یعنی غائب نہ ہونا الصراحہ المعبر میں ہے۔ حاضر حصرۃً مجلس القاصی و حصر الغائب حضوراً قدم من عبثه حتی الارب میں ہے حاضر حاضر شذوہ۔ ناظرے چند معنی ہیں۔ دیکھنے والا، آنکھ کا کل نظر، تاک کی رگ، آنکھ کا پانی۔ الصراحہ المعبر میں ہے۔ والناظر الشواد الا صغر من العین الندی یضربہ الانسان شحصہ کاوس اللغات میں ہے۔ والناظر الشواد فی العین و لصربضہ و عرق فی الالف و فیہ ماء الصر علی الصراح میں انہیابی بکر راری کہتے ہیں۔ لناظر فی المقتض الشواد لا صغر لندی فیہ الماء العین جہاں تک ہماری نظر کام کرے وہاں تک ہم ناظر ہیں اور جس جگہ تک ہماری دسترس ہو کہ تصرف کریں وہاں تک ہم حاضر ہیں۔ آسمان تک نظر کام کرتی ہے وہاں تک ہم ناظر یعنی دیکھے والے ہیں مگر وہاں ہم حاضر نہیں۔ کیونکہ وہاں دسترس نہیں۔ اور جس جگہ یہ یا گھر میں ہم موجود ہیں وہاں حاضر ہیں کہ اس جگہ ہماری پہنچ ہے۔ عالم میں حاضر و ناظر کے شرعی معنی یہ ہیں کہ قوت قدسیہ والا ایک ہی جگہ رہ کر تمام عالم کو اپنے کف دست کی طرح دیکھے اور دور و قریب کی آوازیں سے یا ایک آن میں تمام عالم کی سیر کرے اور صد ہا کون پر حاضر ہوں کی حاجت روا کی کرے۔ یہ قدر خواہ صرف روحانی ہو یا جسم مثالی کے ساتھ ہو یا اسی جسم سے ہو تو قبر میں مدفن یا کسی جگہ موجود ہے ان سب معنی کا ثبوت بردگان دین کے لئے قرآن و حدیث و اقوال علماء سے ہے۔

پہلا باب

حاضر و ناظر کے ثبوت میں

اس میں پانچ فصلیں ہیں

پہلی فصل آیات قرآنیہ سے ثبوت

۱) يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا فَخْرًا وَنَذِيرًا وَدُعَاءَ إِلَى اللَّهِ وَرَحْمَةً لِّرَّاسِخِينَ ۚ قَدْ جَاءَكَ الْبَيِّنَاتُ الْكَافَّةُ وَإِنَّا لَنَاصِرُكَ بِالْحَقِّ وَالْحَقَّ كَذَّبُوا ۚ (سورہ ۲۴ آیت ۴۶)

”اے غیب کی خبریں بتانے والے پیغمبر ہم نے تم کو بھیجا جاوے اور نذر و تحریج اور دلائل اور اللہ کی طرف اشارے قلم سے جاتا اور چکا دیئے والے کتاب“

شہاد کے معنی گوہ بھی ہو سکتے ہیں اور حاضر و ناظر بھی، گواہ کو شہاد میں لئے کہتے ہیں کہ وہ موقع پر حاضر تھا۔ حضور علیہ السلام کو شہاد یا تو اس نے فرمایا گیا کہ آپ دنیا میں عالم غیب کو دیکھ کر گواہی دے رہے ہیں ورنہ سارے انبیاء گواہ تھے یا اس لئے کہ قیامت میں تمام انبیاء کی یحییٰ گواہی دیں گے یہ گواہی بغیر دیکھے ہوئے نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح آپ کا ہنر اور نذر و دعویٰ اللہ ہوتا ہے کہ سارے پیغمبروں نے یہ کام کئے مگر میں نے حضور علیہ السلام نے دیکھ کر۔ اسی لئے معراج صرف حضور کو ہوئی۔ سرخ منیر آفتاب کو کہتے ہیں وہ بھی عام میں ہر جگہ ہوتا ہے مگر مگر میں موجود۔ آپ بھی ہر جگہ موجود ہیں۔ اس آیت کے ہر کلمہ سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہے۔

۲) وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (پارہ ۲ سورہ ۲ آیت ۱۴۳)

”اور بات یحییٰ ہے کہ ہم نے تم کو سب امتوں میں افضل کیا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے محبوب اور گواہ“

۳) فَكَيْفَ دَاخِلًا مِنْكُمْ أُمَّةٌ بِشَهِيدٍ وَحُكْمٍ عَلَى قَوْلٍ شَهِيدًا (پارہ ۵ سورہ ۴ آیت ۴۱)

”تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ رکھیں اور اے محبوب تم کو ان سب پر گواہ و گنہگار بنائیں۔“

ان آیتوں میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ قیامت کے دن دیگر انبیاء کرام کی اشیاء عرض کریں گی کہ ہم تک تیرے پیغمبروں نے تیرے احکام نہ پہنچائے تھے۔ اچانک کرام عرض کریں گے کہ ہم نے احکام پہنچا دیئے تھے اور اپنی گواہی کے لئے امت مصطفیٰ علیہ السلام کو پیش کریں گے۔ ان کو کوئی اعتراض ہوگا کہ تم نے سب پیغمبروں کا کیا کیا۔ پایا۔ تم ہم پر دیکھے کیسے گواہی دے رہے ہو؟ یہ عرض کریں گے کہ ہم سے حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا تب حضور علیہ السلام کی گواہی لی جاوے گی۔ آپ دو گواہیاں دیں گے ایک تو یہ نبیوں نے تبلیغ کی۔ دوسری یہ کہ میری امت و اے قابل گواہی ہیں۔ بس مقدمہ ختم۔ انبیاء کرام کے حق میں ڈگری۔ اگر حضور علیہ السلام نے گزشتہ انبیاء کی تبلیغ اور آئندہ اپنی امت کے حالات کو خود چشم حق بین سے مدح و تحسین فرمایا تھا تو آپ کی گواہی پر جرح کیوں نہ ہوئی؟ جیسی کہ امت کی گواہی پر جرح ہوئی تھی معلوم ہوا کہ یہ گواہی دیکھی ہوئی تھی اور پہلی سنی ہوئی۔ اس سے آپ کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوا۔ اس آیت کی تحقیق ہم بحث علم غیب میں کر چکے ہیں۔

۴) فَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ (پارہ ۵ سورہ ۹ آیت ۲۸)

”بے شک تمہارے پاس تشریف دے گئے تم میں سے وہ رسول جس پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔“

اس آیت سے تین طرح حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہے ایک یہ کہ **جَاءَكُمْ** میں قیامت تک کے مسلمانوں سے خطاب ہے کہ تم سب کے پاس حضور علیہ السلام تشریف دے گئے جس سے معلوم ہوا کہ یہی علیہ السلام ہر مسلمان کے پاس ہیں اور مسلمان تو عام میں ہر جگہ ہیں تو حضور علیہ السلام بھی ہر جگہ موجود ہیں۔ دوم یہ فرمایا گیا **مِنْ أَنْفُسِكُمْ** تمہاری نفسوں میں سے ہے یعنی ان کا نام تم میں آیا ہے جیسے جاں کا قالب میں آنا کہ قالب کی رگ رگ اور رو تکتے رو تکتے میں موجود اور ہر ایک سے خبر دار رہتی ہے۔ ایسے ہی حضور علیہ السلام ہر مسلمان کے ہر فعل سے خبردار ہیں۔

آنکھوں میں ہیں لیکن شکل نظریوں دل میں ہیں جیسے جسم میں جاں

ہیں مجھ میں وہ لیکن مجھ سے نہیں اس شان کی جلوہ مائی ہے !

اگر آیت کے صرف یہ معنی ہوتے کہ وہ تم میں سے ایک انسان ہیں تو **مِنْكُمْ** کافی تھا **مِنْ أَنْفُسِكُمْ** کیوں ارشاد ہوا؟ تیسرے یہ کہ فرمایا گیا **عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ** ان پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے جس سے معلوم ہوا کہ تمہاری راحت و تکلیف کی ہر وقت حضور کو خبر ہے تب ہی تو ہماری تکلیف سے قلب مبارک کو تکلیف ہوتی ہے ورنہ اگر ہماری خبر ہی نہ ہو تو تکلیف کیسی؟ یہ کلمہ بھی حقیقت میں **أَنْفُسِكُمْ** کا پیمانہ ہے کہ جس

طرح جسم کے کسی عضو کو دکھ ہو تو روح کو تکلیف اسی طرح تم کو دکھ ہو تو آقا و کرائی اس کرم کے قربان۔ صلی اللہ علیہ وسلم

(۵) وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ حَاءُ وَكَفَّاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا (پارہ ۵ سورہ ۳ آیت ۶۳)

”اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمادیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا صریح پائیں۔“

اس سے معلوم ہو کہ گنہگاروں کی بخشش کی سبیل صرف یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی پارگاہ میں حاضر ہو کر شفاعت مانگیں۔ اور حضور کرم کریمانہ سے شفاعت فرمادیں۔ اور یہ تو مطلب ہو سکتا نہیں کہ مدینہ پاک میں حاضر ہوں۔ ورنہ پھر ہم فقیر پر دسی گنہگاروں کی مغفرت کی کیا سبیل ہوگی۔ اور بالذکر بھی عمر میں ایک دو ہفتے جتنے ہیں اور متادون رات کرتے ہیں۔ لہذا تکلیف **ما فوق الطاق** ہوگی لہذا مطلب یہ ہو کہ وہ توبہ رے پاس موجود ہیں تم غائب ہو تم بھی حاضر ہو جاؤ کہ ادھر متوجہ ہو جاؤ۔

پار نزدیک تر ر من بمن است
دین جب میں کہ من ازوئے دورم
معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر ہیں۔

(۶) وَمَا رَسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ پھر فرماتا ہے۔ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ
”اور ہم نے تم کو نہ بھی مگر رحمت سارے جہان کیلئے اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہے۔“

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام جہانوں کے لئے رحمت ہیں اور رحمت جہانوں کو محیط۔ لہذا حضور علیہ السلام جہانوں کو محیط و خیرین رہے کہ رب کی شان ہے رب تعالیٰ۔ حبیب کی شان ہے رحمتا عظیمین معلوم ہوا کہ اللہ جس کا رب ہے۔ حضور علیہ السلام اس کے لئے رحمت۔

(۷) مَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنَّهُمْ يَفْقَهُمُ (پارہ ۹ سورہ ۶ آیت ۳۳)

”اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو۔“

یعنی عذاب الہی اس لئے نہیں آتا کہ ان میں آپ موجود ہیں اور عام عذاب تو قیامت تک کسی جگہ بھی۔ آئے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام قیامت تک ہر جگہ موجود ہیں۔ بلکہ روح البیان میں فرمادیا ہے کہ حضور علیہ السلام ہر سعید و شقی کے ساتھ رہتے ہیں۔ اس کا ذکر تیسری فصل میں آتا ہے۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَعِظُوا أُنْفُسَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ ”جاں لو کہ تم سب میں رسول اللہ تشریف فرما ہیں۔“

یہ تمام صحابہ کرم سے خطاب ہے، اور صحابہ کرام تو تلف جگہ جے تھے معلوم ہو کہ حضور سب جگہ کئے پاس ہیں۔

(۸) وَكَذَٰلِكَ يُرَىٰ اِبْرَاهِيمَ مُنْكَوَتِ السَّمُوتِ وَ الْاَرْضِ (پارہ ۷ سورہ ۶ آیت ۷۵)

”اور اسی طرح ہم پر ایم کو دکھاتے ہیں۔ ساری ہادشا ہی آسمانوں اور زمین کی۔“

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رب نے تمام عالم پوشم سر مداحہ کراویا۔ حضور علیہ السلام کا درجہ ان سے اعلیٰ ہے لہذا ضروری ہے کہ آپ نے بھی عالم کو مشاہدہ فرمایا ہو۔ اس آیت کی تحقیق بحث طریف میں گذر گئی۔

(۹) اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ (پارہ ۳۰ سورہ ۱۰۵ آیت ۱)

”اے محبوب کیا تم نے دیکھا کہ تمہارے رب نے ان ہاتھی والوں کا کیا حال کیا۔“

(۱۰) اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ (پارہ ۳۰ سورہ ۸۹ آیت ۶)

”کیا تم نے نہ دیکھا کہ تمہارے رب نے قوم عاد کیا ساتھ کیا کیا۔“

قوم عاد اور اصحاب فیل کا وہ حادثہ لاوت پاک سے پہلے کا ہے مگر فرمایا جاتا ہے کہ تم کو کیا آپ نے نہ دیکھا یعنی دیکھا ہے اگر کوئی کہہ کہ قرآن کریم کفار کے بارے میں فرماتا ہے۔

اَلَمْ يَرَوْا كَمَا هُمْ مُنْكَوَتِ السَّمُوتِ وَ الْاَرْضِ (پارہ ۷ سورہ ۶ آیت ۱)

”کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کئی قومیں ہرک کردیں۔“

کفار نے اپنے سے پہلے کفار کو ہدایت نہ دیکھا تھا۔ مگر فرمایا گیا کہ یہاں نہ دیکھنا اسوں نے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں نہ کفار کے اجڑے ہوئے ملک اور چاہ شدہ مکانات کا دیکھنا مراد ہے اور چونکہ کفار اپنے سفروں میں اس مقامات سے گزرتے تھے اس لئے فرمایا گیا کہ یہ لوگ اس چیز اس کو دیکھ کر عبرت کیوں نہیں پکڑتے۔ حضور علیہ السلام نے یہ تو ظاہر میں دنیا کی سیاحت فرمائی اور نہ قوم عاد و معمرہ کے اجڑے ہوئے ملکوں کو بظاہر دیکھا۔ اس لئے ماننا ہوگا کہ یہاں اور نبوت سے دیکھنا مراد ہے۔

(۱۱) قرآن کریم جگہ جگہ اد فرماتا ہے **وَادْفَالِ رُنْكَ لِمَمْلُكَةٍ** جبکہ آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا **وَدَفَالِ مُوسَى** لقومہ جبکہ موسیٰ علیہ السلام سے اپنی قوم سے کہا **وَعِیرَہ** اس جگہ مفسرین محذوف نکالتے ہیں **اَدْشُکْرَ یحییٰ** اس وقت کو یاد کرو۔ اور یاد وہ چیز دلائی جاتی ہے جو پہلے سے دیکھی بھلی ہو اور توجہ نہ ہو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام گزشتہ واقعات حضور کے دیکھے ہوئے ہیں۔ روح بیاں نے لکھا ہے کہ حضرت آدم کے سارے واقعات حضور علیہ السلام مشاہد و فرما رہے تھے اس کا ذکر آگے آتا ہے، اگر کوئی کہے کہ نبی اسرائیل سے بھی خطاب ہے **وَادْجِیْبْ نَحْمَ مِنْ اَنْ فِرْعَوْنَ** اس وقت کو یاد کرو۔ جبکہ ہم نے تم کو ان فرعوں سے نجات دی تھی۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ کے یہودی اس زمانہ میں کہاں تھے مگر مفسرین یہاں بھی **اَدْشُکْرَ** محذوف نکالتے ہیں۔ جواب دیا جائیگا کہ ان ہی اسرائیل کو تاریخی واقعات معلوم تھے۔ کتب تواریخ پڑھی تھیں۔ اس طرف اس کو متوجہ کیا گیا۔ حضور علیہ السلام نے نہ کسی سے پڑھنا نہ کتب تاریخ کا مطالعہ فرمایا اور نہ کسی مورخ کی صحبت میں رہے نہ تعلیم یافتہ قوم میں پادش پائی بہ آپ کو بخیر و نبوت علم کا ذریعہ کیا تھا۔

(۱۲) **اَوَلٰی یٰۤاٰیٰتُہُم مِّنْ اٰیٰتِہِم** ”نبی مسلمانوں سے ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہیں۔“

مولوی قاسم صاحب اپنی مدرسہ باندہ تفسیر میں اس صلفہ میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں **اَوَلٰی** کے معنی قریب تر ہیں۔ تو آیت کے معنی ہوئے نبی مسلمانوں سے ان کی جان سے بھی زیادہ قریب میں سب سے زیادہ قریب ہم سے ہماری جان اور جان سے بھی قریب نبی علیہ السلام ہیں اور زیادہ قریب چیز بھی چھپی رہتی ہے۔ یہی راہی قریب کی وجہ سے آنکھ سے نظر نہیں آتے۔

تسبیہ اس جگہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ مقلد ہو اور مقتدوایات یا احادیث سے دلیل لینا جائز نہیں وہ تو قول امام پیش کرے۔ لہذا ائمہ صرف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول ہی پیش کر سکتے ہوں گا جواب چند طرح سے ہے۔ ایک یہ کہ آپ خود حاضر و غائر ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس بارے میں امام صاحب کا قول پیش کریں۔ دوسرے یہ کہ یہ تقلید کی بحث میں حرج کر چکے ہیں کہ مسئلہ حقا میں تقلید نہیں ہوتی۔ بلکہ مسائل فقہیہ اجتہاد یہ میں ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ عقیدہ کا ہے۔ تیسرے یہ کہ صریح آیات و احادیث سے مقلد بھی استدلال کر سکتا ہے۔ ہاں اس سے مسائل کا استنباط نہیں کر سکتا۔ محمدی میں ہے۔

وَمَا فہِمُ الْاَحْکَامُ مِنْ شَعْرِ الظَّاهِرِ وَالنَّصِّ وَالْمَعْرِفِیْسِ مُحْتَشَبِہِ دَیِّ بِالْمَحْتَبِہِ ہَلْ یَقْدِرُ عَلَیہِ الْعُمَّاءُ الْاَعْمٰ

”جو حکام ظاہر نفس و مفسر سے کچھ جاویں۔ وہ مجتہد سے خاص نہیں۔ بلکہ اس پر عام علماء قادر ہیں۔“

مسلم اثبوت میں ہے۔ **وَاِیضًا شَاعَ وَدَاعَ اَحْصَ حِجَہِہٖ سَفَا وَحِیْفًا بِالْعُمُوْمَاتِ مِنْ غَیْرِ مَکْبَرٍ** نیز عام آیات سے دلیل پکڑنا خلف و صف میں بغیر کسی انکار کے شائع ہے۔

قرآن بھی فرماتا ہے **فَاسْئَلُوْا اَہْلَ لَذٰکِرِ اَنْ کُنْہُ لَا تَعْلَمُوْا** اگر تم نہ جانتے ہو تو ذکر وادوں سے پوچھو۔ اجتہادی مسائل ہم نہیں جانتے ان میں آئمہ کی تقلید کرتے ہیں اور صریح آیات کا ترجمہ جانتے ہیں اس میں تقلید نہیں۔ جو تھے یہ کہ مسئلہ حاضر و غائر پر فقہاء محدثین اور مفسرین کے قول بھی آئمہ و فضلوں میں آ رہے ہیں دیکھو اور غور کرو حاضر و غائر کا عقیدہ سارے مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔

دوسری فصل حاضر و ناظر کی احادیث کے بیان میں

اس میں تمام وہ احادیث پیش کی جاویں گی جو مسئلہ علم غیب میں گزر چکی ہیں۔ خصوصاً حدیث نمبر ۶، ۸، ۷، ۹، جن کا مضمون یہ ہے کہ ہم تمام عالم کو مثل کف دست دیکھ رہے ہیں۔ ہم پر ہماری امت اپنی صورتوں میں پیش ہوئی اور ہم ان کے نام، ان کے باپ داروں کے نام، ان کے گھوڑوں کے رنگ جانتے ہیں وغیرہ وغیرہ اسی طرح ان کی شرح میں محدثین کے اقوال گزر چکے ہیں وہ پیش کئے جائیں گے خصوصاً مرقاۃ، درقانی، وغیرہ کی عبارتیں ان کے علاوہ حسب دلیل احادیث اور بھی پیش کی جاویں گی۔

مشکوٰۃ باب اثبات غیب القمر میں ہے۔

(۱) فَبُصُولَانِ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ

”تکبیرین میت سے پوچھتے ہیں کہ تم انکے (محمد رسول اللہ) کے بارے میں کیا کہتے تھے۔“

افہیض المعانی میں اسی حدیث کے تحت ہے یعنی ہذا الرجل کہی گویند آنحضرت را می خواہند۔ ہذا الرجل سے مراد حضور علیہ السلام کی ذات ستودہ صنادید ہے۔ افہیض المعانی میں یہی حدیث ہے یا حضار ذات شریف دے درعیانے ہا این طریق کہ در قبر مشائے دے علیہ السلام حاضر ساختہ باشند و در دریں جا بشارتے است عظیم مرتضیٰ غزوہ را کہ اگر امیدیں شادی جان دہندہ زندہ و گور و زندہ جائے و در دنیا قبر میں خدا بر ظہور آہنگی ذات شریف کو حاضر کرتے ہیں اس طرح کہ قبر میں حضور علیہ السلام کا وجود مثالی موجود کر دیتے ہیں اور اس جگہ مشاقاں غرورہ کو بڑی خوشخبری ہے کہ اگر اس شادی کی امید پر جان دے دیں اور زندہ قبروں میں چلے جائیں تو اس کا موقع ہے۔

حاشیہ مشکوٰۃ میں یہی حدیث ہے۔ **فَقِيلَ يُكْشَفُ لِمَنْتَ حَتَّى يَرَى النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهِيَ بُشْرَى عَظِيمَةٌ**

”کہا گیا ہے کہ میت سے حجاب اٹھا دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہے اور یہ بڑی ہی خوشخبری ہے۔“

تفسیر تاجی شرح بخاری جلد ۲ ص ۳۰۰ کتاب الجنائز میں ہے۔

فَقِيلَ يُكْشَفُ لِمَنْتَ حَتَّى يَرَى النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهِيَ بُشْرَى عَظِيمَةٌ لِمَنْ مِّنْ أَهْلِ بَيْتِهِ

”کہا گیا ہے کہ میت سے حجاب اٹھا دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہے اور یہ مسلمانوں کے لئے بڑی خوشخبری ہے اگر ٹھیک رہے۔“

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہذا الرجل معبود ذاتی کی طرف اشارہ ہے کہ فرشتے مردہ سے پوچھتے ہیں کہ وہ جوتیرے ذہن میں موجود ہیں انہیں تو کیا کہتا تھا؟ مگر یہ درست نہیں کیونکہ ایسا ہوتا تو کافر میت سے سوال نہ ہوتا کیونکہ وہ تو حضور علیہ السلام کے تصور سے خالی مذاہن ہے۔ نیز کافر اس کے جواب میں یہ نہ کہتا۔ میں نہیں جانتا بلکہ پوچھتا تم کس کے بارے میں سوال کرتے ہو؟ اس کے **لَا أَدْرِي** کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضور کو آنکھوں سے دیکھ تو رہا ہے مگر پہچان نہیں اور یہاں اشارہ خارجی ہے۔

اس حدیث در عبارتوں سے معلوم ہو کہ قبر میں میت کو حضور علیہ السلام کا دیدار کرا کر سوال ہوتا ہے تو اس میں معنی بدرستی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تیرے سامنے جلوہ گر ہیں۔ کیا کہتا تھا ہذا اشارہ قریب ہے معلوم ہوا کہ دکھا کر قریب کر کے پھر پوچھتے ہیں۔ اسی لئے حضرات صوفیائے کرام اور عشاق موت کی تمنا کرتے ہیں اور قبر کہ پہلی رات کو دولہا کے دیہار کی رات کہتے ہیں۔

الطیغریات فرماتے ہیں۔

جان تو جاتے ہی جاہلی قیامت یہ ہے کہ یہاں مرنے پہ ٹھہر ہے نگارہ تیرا

مولانا آسی فرماتے ہیں۔

سج پھوے نہ سائیں کفن میں آسی جس کے جویاں تھے ہے اس گل کی ملاقات کی رات

ہم نے اپنے دیوان میں عرض کیا ہے۔ مرقہ کی چمکی شب ہے دولہا کی دید کی شب اس شب پہ عید صدقے اس کا جواب کیا اسی لئے برکان دین کے وصال کے دن کو در عرس کہتے ہیں، عرس کے معنی ہیں شادی کیونکہ عرس یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دولہا کے دیدار کا دن ہے۔

اور ایک وقت میں ہزار ہا جگہ ہزاروں مردے دفن ہوتے ہیں۔ تو اگر حضور علیہ السلام حاضر و ناظر نہیں ہیں تو ہر جگہ جلوہ گری کیسی؟ ثابت ہو کہ حجاب ہماری نگاہوں پر ہے۔ مانگہ اس حجاب کو اٹھا دیتے ہیں جیسے کہ دن میں کوئی خیمہ میں بیٹھا ہو اور آفتاب اس کی نگاہ سے غائب ہو کسی نے اس خیمہ کو اوپر سے ہٹا کر سورج دکھایا۔

(۲) مشکوٰۃ باب التحریض علی قیوم النفل میں ہے۔

استيقظ رسولُ الله صَلَّى الله عليه وسلم ليلةً فرغاً يَقُولُ سُبْحَانَ اللهَ مَاذَا أَمْرُ اللَّيْلَةِ مِنَ الْحَرَانِ

وَمَا ذَا نَزَلٍ مِنَ الْفَتَى

"ایک شب حضور علیہ السلام گھبرائے ہوئے بید رہے فرماتے تھے کہ سبحان اللہ اس رات میں کس قدر خوف ہے اور کس قدر فتنے اتارے گئے ہیں۔" اس سے معلوم ہوا کہ آنکھوں کو چشم کی طرح مٹا دینا خطرناک ہے۔

(۳) مشکوٰۃ باب الحجرات میں اس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

سَعَى السَّبِي عَلَى السَّلَامِ رَيْدًا جَعْفَرًا وَابْنِ رَوَاحَةَ لِنَاسٍ قَبْلَ نُبَاتِهِمْ حَبْرًا ثُمَّ فَقَالَ أَحَدُ الرَّايَةِ رَيْدًا

فَأُصِيبَ إِلَى حَتَّى أَحَدِ الرَّايَةِ سَيْفٌ مِنْ سَيْفِ اللَّهِ يَعْنِي حَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ حَتَّى فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ

"حضور علیہ السلام نے ریدہ و جعفر و ابن رواحہ کی رات کی ہر موت آنے سے پہلے لوگوں کو خبر موت دے دی۔ فرمایا کہ اب جنت اریہ نے لے لیا اور وہ شہید ہو گئے۔ یہاں تک کہ جنت اریہ کی لگوں کو خداوندین وید نے پایا آنکھ کہ اللہ نے اس کو فتح دے دی۔"

اس سے معلوم ہوا کہ موت جو کہ یہ سورہ سے بہت ہی دور ہے وہاں جو کچھ ہو رہا ہے اس کو حضور مدینہ سے دیکھ رہے ہیں۔

(۴) مشکوٰۃ جلد دوم باب انکرامات کے بعد باب وفاة النبی علیہ السلام میں ہے۔

وَأَنْ مَوْعِدُكُمْ الْحَوْضُ وَأَنْ لَا يَنْظُرَ إِلَيْهِ وَابْنُ فِي مَضَامِي

"تمہاری ملاقات کی جگہ حوض کوثر ہے۔ میں اس کو اسی جگہ سے دیکھ رہا ہوں۔"

(۵) مشکوٰۃ باب تسویطہ الخلف میں ہے۔

اقْبِمُوا صُفُوفَكُمْ فَاَسِي اِرْتَحِمَ مِنْ وَرَائِي "اپنی صفیں سیدھی رکھی کیونکہ ہم تم کو اپنے پیچھے بھی دیکھتے ہیں۔"

(۶) ترمذی جلد دوم باب العلم باب ما جاء فی دھاب العلم میں ہے۔

كُنْتُ مَعَ لَسِي عَلَى السَّلَامِ فَتَحَصَّ بِصُرْهُ لِي السَّمَاءُ ثُمَّ قَالَ هَذَا وَأَنْ يُحْتَلَسَ الْعِلْمُ مِنَ النَّاسِ

حَتَّى لَا يَقْدَرُوا مَعَهُ عَلَى شَيْبِي

"ہم حضور علیہ السلام کے ساتھ تھے کہ آپ نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور فرمایا کہ یہ وہ وقت ہے جبکہ علم لوگوں سے چھین لیا جائیگا حتیٰ کہ اس پر بالکل قابو نہ پا سکیں گے۔"

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری مرقۃ کتاب العلم میں فرماتے ہیں۔

فَكَثُرَ عَلَيْهِ السَّلَامُ سَاطِرُ السَّمَاءِ كَمَا شَفَّ بَاسِرُ رَاجِلُهُ فَاَحْمَرُ بَدَنِهِ

"جب حضور علیہ السلام نے آسمان کی طرف دیکھا تو آپ پر آگ کی موت کا قرب نہ ہو گیا تو انکی خبر دے دی۔"

(۷) مشکوٰۃ شروع باب الفتن فصل اوں میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے مدینہ پاک کی ایک پہاڑی پر کھڑے ہو کر صحابہ کرام سے پوچھا کہ میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں کیا تم بھی دیکھتے ہو؟ عرض کیا کہ نہیں فرمایا۔

فَلَسِي رِي الْفَتَى نَفَعَ حَلَلُ بِنُوتِكُمْ كَوْفِ الْمَطَرِ

"میں تمہارے گھروں میں ہارٹ کی طرح فتنے رتے دیکھتا ہوں۔"

معلوم ہوا کہ پریدی و چاری فتنے جو عرصہ کے بعد ہونے والے تھے انہیں بھی ملاحظہ فرما رہے تھے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی چشم حق بین آنکھوں کے واقعات اور دور قریب کے حالات اور حوض کوثر حست و دور رخ و غیرہ کو ملاحظہ فرماتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے طفیل حضور کے خدا کو بھی خدا کے قدرت و علم عطا فرماتا ہے۔

(۸) مشکوٰۃ جلد دوم باب انکرامات میں ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لشکر کا سردار ساریہ کو بتا کر کہا وہ نہ بھیجی۔

فَيَسْمَا عُمَرُ بِحَطُّتٍ فَيَجْعَلُ يَصْبِغُ بِأَسَارِيهِ أَحَبُّ

"عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ میں خطبہ پڑھتے ہوئے پکارنے لگے کہ اے ساریہ یہ بہاؤ کو لو۔"

کچھ عرصہ کے بعد اس لشکر سے قاصد آئے ورنہ انہوں نے بیان کیا کہ ہم کو دشمن نے شکست دے دی تھی کہ ہم نے کسی پکارنے والے کی آواز سنی جو کہ رہا تھا کہ ساریہ بہاؤ کو لو۔ تو ہم نے بہاؤ کو ہائی پشت کے پیچھے لیا۔ خدا نے انکو شکست دے دی۔

(۹) امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فقہ اکبر اور علامہ جلال الدین سیوطی نے جامع کبیر میں حارث بن عمار اور حارث بن عثمان رضی اللہ عنہما سے

روایت کی کہ ایک بار میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو سرکارت نے مجھ سے سوال فرمایا کہ اسے حادثہ تم کس حال میں دیکھا ہے۔ میں عرض کیا کہ سچا مومن ہو کر فرمایا کہ تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے میں نے عرض کیا۔

وَتَكُنِّي اسطُرُ الْمِي عَرْشِ رَبِّي بَارِزًا وَكَاسِي اسطُرِ الْمِي هَلْ لِحُجَّةٍ بَيْنَ رُؤُوسِ فِيهَا وَكَاسِي اسطُرِ الْمِي اَهْلِ الدَّرِ يَنْصَاغُونَ فِيهَا

"میں گویا عرش الہی کو ظاہر دیکھ رہا ہوں۔ اور گویا جنتوں کو ایک دوسرے سے جنت میں ملتے ہوئے دروازوں کو دور رخ میں شور مچاتے ہوئے دیکھتا ہوں۔"

اسی قصہ کو شوی شریف میں نقل کیا ہے۔

بہشت حَتّٰی بَعْدَ دَوْرِخِ جَنّتِ مَسْ ہست پیدا ہم چوں بہت این عِشّٰی ہن
بیک دای شامِ غلّٰی مَ چھ مہم من دجہ در آسپا
کہ سبّی کہ در پگانہ کی است عِشّٰی من پیدا چو مورد ہائی ست
میں بگویم یا فردِ بدمِ غلّٰی لب گزیرش مصطفیٰ جی کہ ہن

میرے سامنے ۸ بہشت اور ۷ دروازے ظاہر ہیں۔ جیسے ہندو کے سارے بت ہیں ہر ایک قلوب کو یہ پہچانتے ہوں جیسے چل میں جہ اور گیہوں۔ کہ جنتی کون ہے اور دورخی کون۔ میرے سامنے یہ سب پھلی اور چوٹی کی طرح ہیں۔ چپ رہوں یا کچھ اور کیوں۔ حضور نے کام پکڑ لیا کہ میں۔

جب اس آفتاب کے زروں کی نظر کا یہ حال کہ جنت و دوزخ، عرش و فرش، جنتی و دوزخی کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو اس آفتاب کو زمین کی نظر کا کیا چمکنا ہے۔

۱۰) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو صرف جماعت صحابہ کو پڑھائی بحالت نماز ہاتھ اٹھایا جیسے کچھ بیٹا چاہتے ہیں بعد نماز صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ نماز میں یہ جنبش کیسی تھی۔ فرمایا ہم پر جنت عِشّٰی کی مٹی چاہا کہ ہم اس کا ایک خوشہ توڑیں۔ مگر چھوڑ دیا تاکہ لوگوں کا علم ہا صیب قائم رہے۔ مگر یہ توڑ بیٹے تو لوگ باقی مت اس سے کھاتے رہے اس سے پتہ لگا کہ حضور مدینہ میں کھڑے ہیں ہاتھ اٹھا تو جنت میں پہنچا قسم دے۔ میں ہے ہاتھ جنت الفردوس کے بارگاہِ خوش پر یہ ہے حاضر دناظر کے معنی۔ اسی طرح حضور کا ہاتھ مدینہ منورہ سے ہماری ادنیٰ کشتی پر پہنچ کر چڑھ کر سکتا ہے۔

تیسری فصل حاضر و ناظر کہ ثبوت فقہاء اور علماء امت کہ اقوال سے

۱) در مختار جلد سوم باب المرتدین بحث کرامت الاولیاء میں ہے۔

یا حاصرُ یا ناظرُ لیس بکھبر "اے حاضر اے ناظر کہنا کفر نہیں ہے۔"

شامی میں اسی کے ماتحت ہے۔

فَإِنَّ الْخَصُورَ بِمَسِي الْعَمِ شَامِعٌ مَسْكُونٌ مِّنْ مَّحْوَى ثَنَةً لَا هُوَ رَأْفَتُهُمْ وَالْأَطْرُ بِمَعْنَى الرُّؤْيَةِ الْمِ يَعْنِي بَدَنٌ لِّلَّ تَبْرِي فَالْمَعْنَى بِأَعْلَانِهِ مِّنْ رَّيِّ

"(بخاری) کیونکہ حضور بمعنی علم مشہور ہے قرآن میں ہے کہ نہیں ہوتا تم کا مشورہ مگر رب ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نظر بمعنی دیکھنا ہے رب فرماتا ہے کیا نہیں جانتا کہ اللہ دیکھتا ہے پس سکتے معنی یہ ہوئے کہ اے عالم اے دیکھنے والے۔"

۲) در مختار جلد اول باب کیلئے الصلوٰۃ میں ہے۔

وَيَقْصِدُ بِالْفَافِ التَّشْهَدَ الْاِسْمَاءَ كُنْهٌ مَّعْنَى عَنِي لَّهِ وَنُسَلَّمَ عَلَيَّ سَنَهُ بَصْه

"القیات کے لفظوں میں خود کہنے کی سیت کرے گویا ہماری رب کو تحیہ اور خود نبی علیہ السلام کو سلام عرض کر رہا ہے۔"

شامی میں اسی عبارت کے ماتحت فرماتے ہیں۔

اِی لَا يَفْصِدُ الْاَحْبَارَ وَالْحُكَمَاءَ عَمَّا وَقَعَ لِي الْمَعْرَاجُ مِنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَمِنْ رُبِّهِ وَمِنْ الْمَشْكُفَةِ

"یعنی القیات میں معراج کے اس مقام کے قصہ کی سیت نہ کرے جو حضور علیہ السلام اور رب تعالیٰ اور ملائکہ کے درمیان ہو۔"

فقہاء کی ان عبارات سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کو حاضر دناظر کہنا کفر نہیں ہے اور القیات میں حضور علیہ السلام کو حاضر جان کر سلام عرض کرے القیات کے متعلق اور بھی عبارت آتی ہیں مجمع لبرکات میں شیخ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں۔ "وے علیہ السلام پر احوال و عمال امت مطلع ست ہر مقرر ہوں و

خاصیت درگاہ خود مفیض و حاضر و ناظر است۔ "حضور علیہ السلام امت کے حالات و اعمال پر مطلع ہیں اور حاضرین و بارگاہ کو فیض پہنچانے والے اور حاضر و ناظر ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے رسالہ ہزوم مکی بہ سنوک اقرب اسل میں بالتوجہ سیدارسل میں فرماتے ہیں۔ باچندیں اختلاف و کثرت مذاہب کہ در علماء امت دست یک کس و دریں مسئلہ غلافی نیست کہ "مختصر علیہ السلام تحقیق حیات بے شائبہ مجاز تو ہم تاویل و انعم و ہاقی است و بر غمال امت حاضر و ناظر است و مرعا ہاں حقیقت را و متوجہاں شخصیت را مفیض و مربی (احوال سب) اس اختلاف و مذاہب کے باوجود جو علمائے امت میں ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ حضور علیہ السلام حقیقی زندگی سے بغیر تاویل و مجاز کے احساں کے باقی و ردائے ہیں اور امت کے اعمال پر حاضر و ناظر ہیں اور حقیقت کے طلسم را اور حاضرین و بارگاہ و فیض رساں اور مربی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح توح الفیوب صفحہ ۳۳۳ فرماتے ہیں۔ "ما راجعہ الیہم السلام بحیات حقیقی و دنیاوی حی و باقی و منحصر ان دریں چاروں نیست۔" انبیاء علیہم السلام دنیاوی حقیقی زندگی سے بندہ اور باقی عمل و آفرینے والے ہیں اس میں کوئی کلام نہیں۔

مرقات باب ما یقال عند حصرہ الموت کے آخر میں ہے۔

ولا تباعد عن لاویاء حیث طویب لہم الارض و حصص لہم ابدان مکتسبہ متعدّدۃ و حد و ہا فی انما یکن مختلفۃ فی ان و اجد

"یعنی دنیا و اللہ یک آں میں چند جگہ ہو سکتے ہیں و ان کے یک وقت چند اجسام ہو سکتے ہیں۔"

فلا میں ہے۔ ان لم یکن فی البیت احد فضل السلام عیبک ثبہا لسی و در حمہ لله و بر کاتہ

"جب گھر میں کوئی نہ ہو تو تم کہو کہ اے نبی تم پر سلام اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔"

اس کے ماتحت ماحل قاری شرح فطامی فرماتے ہیں۔

لا روح لسی علیہ السلام حاضر فی نبوت اہل الاسلام

"کیونکہ نبی علیہ السلام کی روح مبارک مسلمانوں کے گھروں میں حاضر ہے۔"

شیخ عبدالحق دہلوی علیہ الرحمۃ مدار السنۃ میں فرماتے ہیں۔ "ذکر کیں در اور و بفرست بر دے علیہ السلام وہاں در حال ذکر گوید حاضر است پیش تو در حیات حیات دہی بھی تو اور امتا مذہب با جہاں و تعظیم و بیت و حیا و بد نکلے علیہ السلام کی بندہ و بی شہود کلام تر رہا کہ دے علیہ السلام متصف است

بہارات الہیہ دیکھے صفات انکی آں است کہ اب حلیس من ذکر می، حضور علیہ السلام کو یاد کرو اور در ادب و محبت اور حالت ذکر میں ایسے رہو کہ حضور حیات حیات میں تمہارے سامنے ہیں و تم ان کو دیکھتے ہو ادب اور جلال اور تعظیم اور محبت و حیا سے رہو اور چاہو کہ حضور علیہ السلام دیکھتے اور سنتے ہیں تمہارے کلام کو کیونکہ حضور علیہ السلام صفات الہی سے موصوف ہیں اور اللہ کی یک صفت یہ ہے کہ میں اپنے ذکر کا کام نہیں ہوں۔ امام ابن عربی مغل میں اور امام قسطلانی مواہب جلد دوم صفحہ ۶۸ فصل ثانی رپارۃ قیرہ الشریف میں فرماتے ہیں۔

وقد قال غصماء لا فرق بین موتہ و حیوۃ علیہ السلام فی مشاہدۃ لآئمہ و معرفۃ باحوالہم و بیانہم و عوانہم و حواطرہم و ذالک حلی عنہ لاحقاء بہ

ہمارے علماء نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کی زندگی اور وفات میں کوئی فرق نہیں اپنی امت کو دیکھتے ہیں اور ان کے حالات دنیاوی اور رازے اور اس کی باتوں کو جانتے ہیں یہ آپ کو بالکل ظاہر ہے۔ اس میں پوشیدگی نہیں۔"

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ماحل قاری فرماتے ہیں۔

وقال العری سئم علیہ اذا دخل فی المسجد فانه علیہ السلام یحضر فی المسجد

"امام غران نے فرمایا کہ جب تم مسجد میں جاؤ تم حضور علیہ السلام کو سلام عرض کرو کیونکہ آپ مسجدوں میں موجود ہیں۔"

تسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض جلد سوم کے آخر میں ہے۔

الانبیاء علیہم من جہتہ الاحسام و الظواہر مع البشر و بواصیلہم و فوہم الروحانیۃ مکیۃ و لداتوی مشارق الارض و معاربہا تسع اطیاط السماء و تسع راعیۃ حویں اذا اراد الرسول الیہم "جیسے کرام جسمانی در غاہری طور پر بشر کے ساتھ ہیں اور ان کے باطن اور روحانی قوتیں لگی ہیں اسی لئے وہ زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھتے ہیں اور آسمانوں کی چار چار اہست سختے ہیں اور جبریل کی خوشبو پھیلنے سے جب وہیں پراترتے ہیں۔"

دلائل الخیرات کے خصلہ میں ہے۔

وقيل لرسول الله اراء بب صلوة النصيب عليك مش عاب ومن ياتى بعدك ما حلفنا عندك فقال اسمع صوة هل محسبى و اعرفه و اعرض عني غير هم عرض

”حضور علیہ السلام سے پوچھ گیا کہ آپ سے دور رہنے والوں اور بعد میں آنے والوں کے درود کا آپ کے نزدیک کیا حال ہے تو فرمایا کہ ہم محبت و لاں کے درود تو خود سنتے ہیں اور انکو پہچانتے ہیں اور غیر خالص کا درود ہم پر پیش کر دیا جاتا ہے۔

فقہاء قاضی عیاض جلد دوم میں ہے۔

عن عصفه قال اد دحنت المسجد اقول السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركته

”عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب میں مسجد میں داخل ہوتا ہوں تو کہتا ہوں کہ سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور برکات۔“

اس کی تائید یو ڈو ویس باب الدعاء عند دخول المسجد کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

مدارج النبوة صفحہ ۳۵۰ جلد دوم قسم چہارم و سلم حیات نبیہ میں ہے۔ ”اگر بعد ازاں گویا کہ حق تعالیٰ جس شریف و احسنے و قدر سے منشیہ و است کہ در ہر مکان کے خود بہ تشریف تکلف خواہیجہ خواہیجہ آسمان و خواہیجہ زمین خواہیجہ غیر دے صورتے دارد و وجود ثبوت نسبت خاصہ ہر در ہر حال۔“ اس کے بعد گر کہیں کہہ دے کہ حق تعالیٰ نے حضور کے جسم پاک کو ایسی حالت و قدر بخشی ہے کہ جس مکان میں چاہیں تشریف لے جائیں خواہ بحیثہ اس جسم سے خواہ قسم مثالی سے خواہ آسمان پر خواہ قبر میں تو درست ہے۔ قبر سے ہر حال میں خاصہ نسبت رہتی ہے۔ مصباح ہدایت ترجمہ عرف المعارف مصنف شیخ شہاب الدین سہروردی صفحہ ۶۵ میں ہے۔ ”کس باید کہ بندہ بچکان کہ حق سبحانہ و بے دستہ بر جمیع احوال خود ظاہر و باطن و قف و مطیع بندہ رسول اللہ علیہ السلام را نیز ظاہر و باطن حاضر داند۔ تا مطالعہ صورت تقسیم و ذکات اور ہوا رہیہ ہی نفقت آداب حضرتش دلیل یو اوزن قاللت دے سردا ملاک شرم دارد و بچہ و ذوق آداب محبت و فروغ گزروں۔“ جس چاہئے کہ بندہ جس طرح حق تعالیٰ کو ہر حال میں ظاہر و باطن طور پر وقف جانتا ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کو بھی ظاہر و باطن جانے تاکہ آپ کی صورت کا دیکھنا آپ کی ہمیشہ تقسیم و تقاریر اور اس بارگاہ کے ادب کی دلیل ہو جاوے۔ در آپ کی ظاہر و باطن میں قاللت سے شرف کرے اور حضور علیہ السلام کی محبت پاک کے ادب کا کوئی دقیقہ نہ چھوڑے۔

نقہ و نقہ و صلا امت کے اس احوال سے حضور علیہ السلام کا حاضر و غایب ہونا بخوبی واضح ہوا اب ہم ”یکو یہ دکھاتے ہیں کہ ہماری لہر میں حضور ﷺ کے متعلق کیا خیال رکھے اس کے متعلق ہم درختار اور شامی عبارتیں تو شروع فصل میں پیش کر چکے ہیں۔ دیگر بزرگاب دین کی عبارتیں سنئے اور اپنے ایمان کو تازہ کیجئے۔ اھدیہ المصحات کتاب اصول و باب التثبہ اور مدارج النبوة جلد ۱۳۵ باب پنجم ذکر فضائل آنحضرت میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ ”وہم عرقا گفتہ اند کہ میں بہت سر پاں حقیقت محمدیہ ست در در موجودات و افراد ممکنات جس شخصیت در ذرات مصداق موجود حاضر است جس مصلی را باید کہ معنی آگاہ شدہ و ازین شہود غافل نہ بود تا انوار قرب و اسرار معرفت سورہ جائد کر دو۔“ بعض عارفین نے کہا کہ اقیات میں یہ خطاب اس لئے ہے کہ حقیقت محمدیہ موجودات کے دروہ میں اور ممکنات کے ہر فرد میں سرایت کئے ہے۔ پس حضور ﷺ ہماری ذات میں موجود حاضر ہیں ہماری کو چاہئے کہ اس معنی سے آگاہ رہے و اس شہود سے غافل نہ ہوتا کہ قرب کے نور اور معرفت کے امیدوں سے کامیاب ہو جاوے۔ احیاء العلوم جلد اول باب چہارم فصل سوم نماز کی باطنی شرطوں میں امام غزالی فرماتے ہیں۔

و حصری فکک انی علیہ السلام و شحصہ الکرہ و قل للسلام عليك ايها النبي ورحمته الله و برکاته در اپنے دل میں نبی علیہ السلام کو اور آپ کی ذات پاک کو حاضر جانو اور کہو السلام عليك ايها النبي ورحمته الله و برکاته اسی طرح مراقبہ التکبہ میں ہے۔ ملک الحق میں نواب صدیق حسن خان بھوپالی دہلی صفحہ ۳۳ پر وہی عبارت لکھتے ہیں جو ہم نے ابھی اھدیہ المصحات کی اقیات کے بارے میں لکھی تھی کہ چاہئے کہ حضور کو حاضر و ناظر جان کر اقیات میں سلام کرے پھر یہ شعر لکھتے ہیں۔

در رہ عشق مرحلہ قرب و بعد نیست
می جمع میاں و دعائی فرستہ

عشق کی راہ میں دور و قریب کی سز نہیں ہے
میں تم کو دیکھتا ہوں اور دعا کرتا ہوں

علامہ شیخ محمد فرماتے ہیں۔

و حو طب علیہ السلام کاشہ اشارۃ انہ تعالیٰ یکشف لہ عن المصلین من ائمہ حیہ یگوں
کالحاصر بشہد لھم لعل اعمہم و لیکن تدنکر خصوصہ ما یمرید الخشوع و الخشوع

”حضور علیہ السلام کو نماز خطاب کیا گیا شاید کہ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت میں سے ہماریوں کا حال آپ پر ظاہر فرماتا ہے۔ حتیٰ کہ آپ مثل حاضر کے ہوتے ہیں اس کے اعمال کو سمجھے میں اور اس لئے کہ آپ کی حاضرت کا خیال رہا دیتی خشوع و خضوع کا سبب ہو جاوے۔“

مسئلہ حاضر ناظر پر بعض ضمنی مسائل بھی موقوف ہیں۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ رُوح شرق میں ہو اور نہ وہ مغرب میں اور کچھ پیدا ہو۔ اور رُوح کہتا ہے کہ کچھ میرا ہے تو کچھ اسی کا ہے شاید یہ ولی اللہ ہو۔ در کرامت سے اپنی نبی کے پاس پہنچا ہو۔ دیکھو شامی جلد دوم باب ثبوت النسب شامی جلد سوم باب المرتبہ میں مطلب کرامات ادبیاء میں ہے۔

و طي المسافة منه لفعله عليه السلام رويت في الارض ويدل عليه ما قالو فيمن كان في المشرق وترواج امرأته لمغرب كانت بولد بدخفه وفي انصار حامية ان هذه المسئلة تؤيد الحوار "درست ملے کرنا بھی اسی کرامت میں سے ہے حضور ﷺ کے فرمانے کی وجہ سے کہ میرے لئے رشتہ سمیٹ دی گئی۔ اس پر وہ مسئلہ درست کرنا ہے جو فقہائے نے کہا کہ کوئی شخص مشرق میں ہو اور مغرب میں رہے وہاں عورت سے نکاح کرے پھر وہ عورت کچھ بچے تو کچھ اس مرد سے ملتی ہوگا اور ثار خا یہ میں ہے کہ یہ مسئلہ اس کرامت کے جائز ہو سکتی تائید کرتا ہے۔"

شامی یہی مقام۔ والاصناف ما ذكره الامام تقي حین نس عذبه حكي ان مكعبة كانت تروو واحد من الاولياء هل يجوز القول به ففصل بقض معاذة على سبب الكرامة لاهل الولاية حنوت هي السنة "نصاف کی بات وہ نقل ہے جو امام شامی نے اس وقت کہے جبکہ ان سے سو یا گیا کہ کہا جاتا ہے کہ کعب ایک دن کی زیارت کرنے جاتا ہے کیا یہ کہنا جائز ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اولیاء اللہ کے لئے خلاف عادت کا کرامت کے طریقہ پر اہل سنت کے نزدیک جائز ہے۔" اس عہد رت سے معلوم ہوا کہ کعب معظم بھی اولیاء اللہ کی زیارت کرنے کے لئے عام میں پھر لگاتا ہے۔ تفسیر روح البیان سورہ ملک کے آخر میں ہے۔

قال الامام العزالي والزمون عنه لسلامه له الحار في طواف العالم مع ارواح الضحابة لقدره كثير من الاولياء

"امام عزالی نے فرمایا ہے کہ حضور علیہ السلام کو دنیا میں میرے فرمانے کا اپنے صحابہ کے رُوحوں کے ساتھ حقیقہ ہے آپ کو بہت سے اولیاء اللہ نے دیکھا ہے۔" اعطاء لاذکیاء فی حیات الاولیاء میں علامہ جلال الدین سیوطی صلی اللہ علیہ وسلم پر فرماتے ہیں۔

السنظر فی اعمال ائمه والاستعصار لئله من الشیئات والدعاء بکشف البلاء علیهم و تروذ فی اقصار الارض والسرکه فیها وخصور حصاره من صالحی ائمه فی هذه الامور من اشده کما و ردت بذلک الحديث والاثار

"پہلی سنت کے اعمال میں نگاہ رکھنا ان کے لئے گناہوں سے مستغفار کرنا ان سے دفع ہلاکت دعا فرمانا طواف زمین میں آنا جانا اس میں برکت دینا در پہلی سنت میں کوئی صانع آدمی مر جاوے تو اس کے جنازے میں جانا یہ چیزیں حضور علیہ السلام کا مشفق ہیں جیسے کہ اس پر احادیث اور آثار آئے ہیں۔" امام غزالی رحمہ اللہ من العلل میں فرماتے ہیں۔ "رباب قلوب مشاہدہ کی کشتہ در پیہہ کی نیماہ و ملنگہ۔ (مسلکام کی شہنشاہی)۔" صاحب دل حضرات جانتے ہوئے انبیاء و ملائکہ کو دیکھتے ہیں۔ اور ان سے بات چیت کرتے ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی شرح حدود میں فرماتے ہیں۔

ان اعتقد الناس ان روجه ومثله فی وقت قراءة المولد وحرم مصا و قراءه لفصائد بحضر حار "مگر لوگ یہ عقیدہ رکھیں کہ حضور علیہ السلام کی رُوح اور آپ کی مثال مولود شریف پڑھے اور ختم مصا اور نعت خوانی کے وقت آتی ہے تو جائز ہے۔" موبوی عبدالحی صاحب رسالہ ترویج البیان تشریح علم شربہ الدخان میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص نعت خواں تھا اور حقہ بھی پیتا تھا۔ اس سے خواب میں دیکھا کہ نبی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب تم مولود شریف پڑھتے ہو تو ہم رونق مند و مجلس ہوتے ہیں۔ مگر جب حقہ آ جاتا ہے۔ تو ہم فوراً مجلس سے واپس ہو جاتے ہیں۔

ان عوارت سے معلوم ہو کہ حضور علیہ السلام کی نگاہ پاک ہر وقت عالم کی ذرہ ذرہ پر ہے اور نہ رطل و تقرآن، محفل میلاد شریف اور نعت خوانی کی مجالس میں اسی طرح صاحبین کی نماز جنازہ میں خاص طور پر اپنی جسم پاک سے تشریف فرما ہوتے ہیں۔

تفسیر روح البیان پارہ ۲۶ سورہ فتح ریت انار مسک شاہدا ہے۔

چوتھی فصل

حاضر و ناظر کا ثبوت مخالفین کی کتابوں سے

تحدیر الناس مفعلاً میں مولوی قاسم صاحب ہالی دوسری بار یہ کہتے ہیں کہ **النَّبِيُّ وَبِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ** کو بعد ازیں **مِنْ أَنْفُسِهِمْ** کے دیکھے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام کو اپنی امت کے ساتھ وہ قرب ہے کہ ان کی جانوں کو بھی ان کے ساتھ حاصل نہیں کیونکہ اولیٰ بمعنی اقرب ہے۔ ترجمہ صراط مستقیم معنف مولوی انجیل دہلوی صفحہ ۳۴ میں چوتھی ہدایت جب عشق کے بیان میں کوئلے اور آگ کی مثال دے کر کہتے ہیں۔ "اسی طرح جب اس صاحب کے نفس کامل کو رحمانی کوشش اور جذب کی موجیں احادیث کے دریاؤں کی تہ میں کھینچ کر لے جاتی ہے تو **بِالْحَقِّ** اور **لَيْسَ فِي خُبْنِي سِوَى اللَّهِ** کا تو رواں اس سے صادر ہوتے گئے ہے اور یہ حدیث قدسی **كُنْتُ سَمْعَهُ** **الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ** **الَّذِي يَبْصُرُ بِهِ وَبَدَنِي** **يَبْطِشُ بِهِ** اور ایک اور روایت کی رو سے **لَيْسَ لِي سِوَى اللَّهِ** **يَتَكَلَّمُ بِهِ** اسی حالت کی حکایت ہے۔ اس عبارت میں صاف اقرار ہے کہ جب انسان ذاتی اللہ ہو جاتا ہے۔ تو خدائی طاقت سے دیکھتا سنتا اور چھوتا در ہوتا ہے۔ یعنی عام کی ہر چیز دیکھتا ہے ہر دور و نزدیک کی چیزوں کو چھتا ہے یہی حاضر و ناظر کے معنی ہیں اور جب معمولی انسان ذاتی اللہ ہو کر اس درجہ میں پہنچ جاوے تو سید الانس والجان علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر ذاتی اللہ کون ہو سکتا ہے تو یہ درجہ اولیٰ حضور علیہ السلام حاضر و ناظر ہوئے۔ امداد اسلوب صفحہ ۱۰ میں مولوی رشید محمد صاحب گشتوی لکھتے ہیں۔

"ہم مرید عظیم دند کہ روح شیخ متقیہ یک مکان بیست جس ہر جا کہ مرید باشد قریب یا بعید اگر چہ شیخ اور مست اور روحانیت اور در بیست جس میں امر محکم دار و بر وقت شیخ رہتا دو اور در وہ قلب پیدا آید ہر دم مستفیض ہو۔ شیخ را قلب حاضر آرد وہاں حال سوال کند بہت روح شیخ ہاں اللہ تعالیٰ القاء خود کرد مگر بہ نام شرط مست و بسبب رب قلب شیخ را سبب قلب ناطق می شود ہوسے حق تعالیٰ را دے کشند حق تعالیٰ اور احمد ثانی کند۔"

"مرید یہ بھی یقین سے جانے کہ شیخ کی روح ایک جگہ میں قید نہیں ہے مرید جہاں بھی ہو دور ہو یا نزدیک اگر چہ جہ کے جسم سے دور ہے لیکن جہ کی روحانیت دور نہیں جب یہ بات ثابت ہوگئی تو ہر وقت جہ کی یاد رکھے اور وہی تعلق اس سے ظاہر ہو اور ہر وقت اس فائدہ پہنچتا ہے مرید واقعہ جات میں جہ کا محتاج ہوتا ہے شیخ کو اپنے دل میں حاضر کر کے زبان حال سے اس سے ملنے جہ کی روانہ نہ کے حکم سے ضرور اللہ کرے گی۔ مگر چار تعلق شرط ہے اور شیخ سے ہی تعلق کی وجہ سے دل کی زبان گویا ہو جاتی ہے اور حق تعالیٰ کی طرف راہ کھل جاتی ہے اور حق تعالیٰ اسکو صاحب الہام کر دیتا ہے۔"

اس عبارت میں حسب دلیل فائدے ہیں (۱) جہ کا مریدوں کے پاس حاضر و ناظر ہونا (۲) مرید کا تصور شیخ میں رہنا (۳) جہ کا حاجت رد ہونا (۴) مرید خدا کو چھوڑ کر اپنے جہ سے ملنے (۵) جہ مرید کو اللہ کرتا ہے (۶) جہ مرید کا دل جاری کر دیتا ہے۔ جب جہ میں یہ طاقتیں ہیں تو جو مانگہ اور انسانوں کے شیخ الشیوخ میں صلی اللہ علیہ وسلم ان میں یہ چھ صفات مانگا کیوں شرک ہے؟ اس عبارت نے تو مخالفین کے سارے مذہب پر پانی بکھیر دیا **لِلَّهِ الْحَمْدُ** سب تقویٰ، ایمان، فہم، حفظ، ایمان مفعلاً میں مولوی اشرف علی صاحب تھانوی لکھتے ہیں کہ ابو یزید سے پوچھا گیا **طیئری** زمین کی نسبت۔ تو آپ نے فرمایا یہ کوئی چیز کمال کی نہیں دیکھو اب میں مشرق سے مغرب تک ایک جگہ میں قطع کر جاتا ہے۔

اس عبارت میں صاف اقرار ہے کہ آفاقاً مشرق سے مغرب تک پہنچ جانا اہل اللہ کو تو کیا کفار و مشرکین سے بھی ممکن ہے بلکہ ہوتا رہتا ہے اور یہ حاضر و ناظر کے معنی ہیں۔ تقریباً الامان کے لحاظ سے شرک ہے۔ منک الختام معنف نواب صدیق حس جوبانی و ہانی کی عبارت ہم بحث ثبوت میں پیش کر چکے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ انتہیات میں سلام عینک سے خطاب اس لئے ہے کہ حضور علیہ السلام عالم کے دروڈرہ میں موجود ہیں۔ لہذا غماری کی ذات میں موجود حاضر ہیں۔ ان عبارت سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا بخوبی واضح ہے۔

پانچویں فصل

حاضر و ناظر ہونا کا ثبوت دلائل عقلیہ سے

اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات جو ان کائنات ہے یعنی جس قدر کائنات کہ دیگر اجیائے کرم یا آئندہ اویائے عظام یا کسی مخلوق کو مل چکے یا نہیں گئے وہ سب بلکہ ان سے بھی زیادہ حضور علیہ السلام کو عطا فرما دیئے بلکہ حضور ہی کے ذریعہ سے ان کو ملے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **فَبَهْدَىٰ لَهُمْ أَفْتَدَهُ** آپ ان سب کی رہ چلو۔

اس کی تفسیر روح البیان میں ہے۔

فَجَمَعَ اللَّهُ كُلَّ خَصْلَةٍ فِي حَبِيبِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ "اللہ نے ہر ایک خصلت حضور علیہ السلام کو عطا فرمائی۔" مولانا جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

حسن یوسف دم یعنی بیٹا داری

آنچہ خواہاں ہمہ دائرہ تو تھا داری

نیر مودی محمد قاسم صاحب تحفۃ الیاس ص ۲۹ میں لکھتے ہیں اور انبیاء رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر سب کو پہنچاتے ہیں۔ غرض اور نبیاء میں جو کچھ ہے وہ عقل و عکس محمدی ہے کہ قاعدے پر بہت سے واکل قرآن و احادیث و اقوال علماء سے پیش کئے جاسکتے ہیں۔ مگر چونکہ مخالفین اس کو ماننے میں۔ اس لئے اس پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں۔ تو پہلا قاعدہ یہ مسلم ہے کہ جو صفت کس کی مخلوق کو ملی وہ تو عقل و کمال حضور علیہ السلام کو عطا ہوئی۔ اب ہم بتاتے ہیں کہ ضرورتاً ظاہر ہونا عطا کیا گیا نہ پڑے گا کہ یہ صفت بھی حضور علیہ السلام کو عطا ہوئی۔ اب ہم بتاتے ہیں کہ ضرورتاً ظاہر ہونا کس کی مخلوق کو عطا ہو۔ ہم اس بحث حاضر و ناظر کے مقدمہ میں عرض کر دیا ہے کہ حاضر و ناظر ہونے کے تین معنی ہیں ایک جگہ رہ کر تمام کام کو شکل کف دست کے دیکھنا۔ ایک آں میں عام کی سیر کر لینا اور صمد ہا کوں پر کسی کی مدد کر دینا اس جسم یا جسم مثالی کا متعدد جگہ موجود ہو جانا۔ یہ صفات بہت سی مخلوقات کو ملی ہیں۔

(روح البیان در خوار و تفسیر کبیر وغیرہ تفسیر میں پارہ ۷ سورہ اسراء۔)

حَسْبِيَ ذَاكَ أَحَدُكُمْ لِمَوْتٍ مُّوَفَّقُهُ صد حبیب لازم نمک لموت من نصیب یساروں من حبیب شاء "یعنی ملک الموت کے لئے ساری زمین طشت کی طرح کر دی گئی ہے کہ جہاں سے چاہیں لے لیں۔" اسی روح البیان میں اسی جگہ ہے۔

لَيْسَ عِنْدَ الْمَوْتِ صَفْوَةٌ فَصْلٌ لِّأَرْوَاحٍ وَنَ كَثْرَتِ وَكَسَتْ فِي امْكَبَةِ مُتَعَدَّةٍ "ملک الموت پر رو میں بغض کرے میں کوئی دشواری نہیں اگر چہ رو میں زیادہ ہوں اور لطف جگہ میں ہوں۔" تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

مِنْ أَهْلِ بَيْتٍ شَعْرٌ وَلَا صَدْرٌ إِلَّا مَلِكُ الْمَوْتِ يُطِيفُ بِهِمْ يَوْمَ مَوْتِهِمْ "کوئی خیمہ اور مکان والے نہیں مگر ملک الموت ہر دور کے پاس دوہار جاتے ہیں۔"

مشکوٰۃ باب فصل ۷۸۰ میں ہے کہ جب ارکان و نگہب ہوتی ہے تو شیطان ۳۶ میل بھاگ جاتا ہے پھر جہاں یہ ختم ہو نہیں کہ پھر موجود اس تاریکی رقی رکابہ عالم ہے۔

جب ہم سوتے ہیں تو ہماری ایک روح جسم سے نکل کر عالم میں سیر کرتی ہے جسے روح سیرنی کہتے ہیں جس کا ثبوت قرآن پاک میں ہے۔ **وَنُفِثَ مِنْكُمْ أُخْرَىٰ** اور جہاں کسی نے جسم کے پاس کمرے ہو کر اس کو افشاہ وہی روح جو بھی مکہ معظمہ یا مدینہ پاک میں تھی آتا نا تا جسم میں آکر داخل ہوگئی اور آدمی بیدار ہو گیا۔

روح بیان ریات **وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّكُم مِّنْ لَّيْلٍ** ہے۔

فَدَا انْتَهَ مِنَ الْيَوْمِ عَادَتِ الرُّوحِ إِلَىٰ حِمْدٍ بِاسْرِعٍ مِّنْ لُّحْطَةٍ

"یعنی جب انسان خیمہ سے بیدار ہوتا ہے تو روح جسم میں ایک لُحْطہ سے بھی کم میں لوٹ آتی ہے۔"

ہمارے دور نظر آن کی آں میں آسمانوں پر جا کر زمین پر آجاتا ہے ہمارا خیال آں واحد میں تمام عالم کی سیر کر رہتا ہے بجلی تار ٹیلیفون اور ڈاک سیکر کی قوت کا

یہ عالم ہے کہ آدھے سیکنڈ میں زمین کے قطر کو طے کر لیتے ہیں حضرت جبریل کی رفتار کا یہ عالم ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جب آدھے کوئیں سے نیچے چلے اور حضرت جبریل سدرہ سے چلے یوسف علیہ السلام بھی کوئیں کی تہ کو نہ پہنچے تھے کہ جبریل سدرہ سے وہاں پہنچ گئے۔ دیکھو تفسیر روح البیان ریت ان یجعلوا فی غبته اسحب حضرت غلیل نے غلیل پر چھری چائی۔ ابھی چھری رو نہ ہوئی تھی کہ جبریل سدرہ سے مع ذہب غلیل اللہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت سلیمان کے دریا صفائیں برحیے ایک پلک بھپکنے سے پہلے بقیس کا تخت یمن سے لا کر شام میں حضرت سلیمان کی خدمت میں حاضر کر دیا جس کا ثبوت قرآن میں ہے کہ **بالتیک به قبل ان یرنذ الیک طرفک** معلوم ہو کہ آصف کو یہ بھی خبر تھی کہ تخت کہاں ہے۔ خیوں کرنا چاہیے کہ پلک بھپکنے سے پہلے یمن لوٹ گئے بھی اور لوٹ بھی آئے اور تاورنی تخت بھی لے آئے۔ رہی بحث کہ حضرت سلیمان میں تخت لانے کی طاقت تھی یا نہیں کہ وہ ہم اسی بحث کے دوسرے باب میں بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ معراج میں سارے انبیاء نے بیت المقدس میں حضور علیہ السلام کے پیچھے غارِ داکی۔ حضور براق پر تشریف لے گئے۔ دریا کی رفتار کا یہ عالم کہ حد نظر اس کا ایک قدم پڑتا تھا۔ مگر رفتار جیاد کا یہ عالم کہ ابھی بیت المقدس میں مقتدی تھے اور ابھی علق آسمانوں پر پہنچ گئے حضور فرماتے ہیں کہ ہم نے لہب آسمان پر لاس قطبیر سے ملاقات کی جس سے معلوم ہوا کہ برقی کی یہ رفتار غریب تھی کہ دوہا گھوڑے پر سوار ہو کر غریب ہی جا کر تے ہیں اور انبیاء کی خدمت گزاری کا وقت تھا۔ ابھی بیت المقدس میں اور ابھی افلاک پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ المسکات آخر باب زیارۃ القبور میں فرمایا کہ ہر ہفتہ کے دس مردوں کی راحیں، پتے حویش و اقدار کے یہاں جا کر اس سے ایصالِ ثواب کی تسکرتی ہیں۔ اب اگر کسی میت کے غریب و قریب دوسرے مرگ میں بھی رہتے ہوں تو وہاں ہی پہنچیں گی۔

ہماری اس گفتگو سے بخوبی معلوم ہو گیا کہ سارے عالم پر نگاہ رکھنا ہر جگہ کی آفاقا سیر کر لینا ایک وقت میں چند جگہ پایا جانا یہ وہ صفات ہیں کہ رب سے اپنے بندوں کو معاف فرمائی ہیں۔ اس سے دو باتیں لازم آئیں ایک تو یہ کہ کسی بندے کو ہر جگہ حاضر و ناظر مانا شرک نہیں کہ شرک کہتے ہیں۔ خدا کی ذات و صفات میں کسی کو شریک ماننا۔ یہاں یہ نہیں دوسرے یہ کہ حضور علیہ السلام کے خدا میں ہر جگہ رہنے کی طاقت ہے تو حضور علیہ السلام میں ہر جگہ الٰہی یہ صفت ہے۔

(۲) دنیا میں پالی اور دانہ ہر جگہ موجود نہیں۔ بلکہ خاص خاص جگہ ہے۔ پانی تو کوئیں اور تالاب و دریا و فیرہ میں ہے (انہ کھیت یا گھروں و فیرہ میں۔ مگر ہوا اور دھوپ عالم نے گوشہ گوشہ میں ہے کہ فلاسفہ کے نزدیک خلا کااں ہے ہر جگہ ہوا ہے۔ اس لئے کہ ہوا دروشتی کی ہر وقت ہر چیز کو ضرورت ہے اور حبیب خدا علیہ السلام کی بھی ہر مخلوق ہی کو ہر وقت ضرورت ہے جیسا کہ ہم روح بیان و فیرہ کے حوالے سے ثابت کر چکے تو لازم ہے کہ حضور علیہ السلام کی ہر جگہ حیوہ گری ہے۔

(۳) حضور علیہ السلام تمام عالم کی اصل ہیں۔ **وکل الخلق من نوری** اور اصل کا اپنی فروغ میں مادہ کا سارے مشقات میں ایک کا سارے مخلوق میں رہنا ضروری ہے۔

ہر ایک اس سے ہے وہ ہر اک میں ہیں وہ ہیں ایک عم حساب کے
جنے نہ جہاں کی وہ ہی بناء وہ نہیں جو نہ سے بنا نہیں

دوسرا باب

مسئلہ حاضر ناظر پر اعتراضات کے بیان میں

اعتراض ۱ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خدا کی صفت ہے عسی کُلّ شئی شہیداً بکُلّ شئی مُعْبِط لہذا اجمیر میں یہ صفت، ناشرک فی الصلہ ہے۔

جواب ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خدا کی صفت ہرگز نہیں۔ خدا کے تعالیٰ جہد و رمکان سے پاک ہے کتب عقائد میں ہے۔

لا یسجری علیہ رماثٌ و لا یستمن علیہ مکانٌ۔ حدیثِ رامہ گزرتے کو ٹکڑا رہے سطلی اجسام چاند میں رو کر گزرتا ہے انہیں کی عمر ہوتی ہے۔ چاند سورج تارے حور و غلمان فرشتے پنگ آسمان پر یعنی علیہ اسلام معراج میں حضور علیہ اسلام رامہ سے ٹکھڑا ہیں اور نہ کوئی جگہ حد کو گھیرے خدا تعالیٰ حاضر ہے مگر بغیر جگہ کے اسی نے فیم استوی علی العرش کو قہار ہات سے مانا گیا ہے اور ممکن شئی محیط وغیرہ آیات میں مفسرین فرماتے ہیں علماً و قدرۃ یعنی اللہ کا علم اور اس کی قدرت عالم کو گھیرے ہوئے ہے۔

وہی لامکاں کے تکیے پر عرشِ تخت نشین ہوئے !

وہ نمی ہیں جن کے ہیں یہ مکاں وہ خد ہے جس کا مکاں نہیں

خدا کو ہر جگہ میں مانتا ہے یعنی ہے۔ ہر جگہ میں ہوتا تو رسول خدا کی شان ہوسکتی ہے اور گر مان بھی لیا جائے تو بے مصلحت بھی تو بھی حضور علیہ السلام کی یہ صفت عطا کی۔ حادثات و مخلوق بقضاء الہی میں ہے اور خدا کی یہ صفت ذاتی قدیم غیر مخلوق ہے کسی کے فیض میں نہیں اسے فرق ہوتے ہوئے شرک کیسا اچھے حیوان مع بصر و غیرہ تو لے رشید یہ جلد اس کتاب البدعات صفحہ ۹ میں ہے۔ "فقد راعى الله ما هو موجود في حاضره انما هي غير ثابتہ ہے اگر باہدام اللہ تعالیٰ جانتا ہے تو شرک نہیں ورنہ شرک ہے۔" یہی مضمون ۱۲ میں قاعدہ صفحہ ۲۳ میں ہے مولوی رشید احمد صاحب نے رجسٹری فرمادی کہ غیر خدا کو ہر جگہ حاضر و ناظر جاننا یہ عطا الہی شرک نہیں اگر کوئی کہے کہ اس سے درمنا آتا ہے کہ خالقیت و جوب قدیم و غیرہ دیگر صفات الہیہ بھی پیغمبروں کو عطا کی گئی تھیں اور حضور کو خالق و جب قدیم کہا کر تو اس کا جواب یہ ہے کہ چار صفات قائل عطا نہیں کہ ان پر الوہیت کا مدار ہے، وجوب، قدیم، مطلق، نہ مراد دیگر صفات کی نقلی تھوڑا سا میں بھی ہوسکتی ہے۔ جیسے مع بصر حیات و غیرہ مگر ان میں بھی بڑا فرق ہوگا رب کی یہ صفات ذاتی، واجب، قدیم، مطلق، نہ بننے والی اور مخلوق کی عطا کی ممکن، عطا کی۔

جو ہوتی خدائی بھی دینے کے قابل

خدا یمن کے آتے وہ بندہ خدا

قرآن کریم نے فرمایا۔ وَمَا كُنْتُ لَدَيْهِمْ إِذْ يَقُولُ أَفْلَاكُمُھُمْ (پارہ ۳ سورہ آیت ۴۳)

”آپ اب کے پاس نہ تھے جبکہ وہ لوگ اپنے اپنے قلمبانی میں اس رہے تھے۔“

حضرت مریم کے حاصل کرنے کے لئے۔

وما كنت لذيهم نادمًا مرہمہ "آپ نکلے پاس نہ تھے جبکہ انہوں نے اپنے معاد پر اتفاق کیا۔

وما كنت بحبيب بقربي **دلفيا** لي موسى ٢٥٨٤ + سورة البقرة ٢٥٨٤ ب ٢٥٨٤

”آپ مغربی کنارہ میں نہ تھے جبکہ ہم نے حضرت موسیٰ کی طرف حکم بھیجا۔“

وما كنت بجانب الظُّورِ ادِّبَا

پارہ ۲۵ سورہ ۲۸ آیت ۲۶

”آپ طور کی طرف نہ تھے جبکہ ہم نے حضرت موسیٰ کو آواز دی۔“

نہ آیات سے معلوم ہوا کہ گزشتہ زمانہ تک جو یہ مذکورہ واقعات ہوئے، اب وقت آپ وہاں موجود تھے صاف ظاہر ہوا کہ حضور ﷺ ہر جگہ حاضر رہا قرآن نہیں۔

جواب یہ ساراں وجہ سے ہے کہ معترض کو حاضر و ناظر کے معنی کی خبر نہیں، ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حاضر و ناظر کی تین صورتیں ہیں ایک جگہ رہ کر سارے عام کو دیکھنا۔ تین کی تین میں سارے عام میر کر لینا۔ ایک وقت میں چند جگہ ہونا۔ ان آیات میں فرمایا گیا کہ آپ بائیں صم پاک وہاں موجود نہ تھے ال میں یہ کہیں ہے کہ آپ اس واقعات کو دیکھنا بھی نہیں فرما رہے تھے اس جسدِ معصومی سے وہاں نہ ہونا اور ہے اور ان واقعات کو مشاہدہ فرمانا کچھ اور جگہ آیات مذکورہ کا مطلب ہی یہ ہے کہ اے محبوب علیہ السلام آپ وہاں۔ ایں صم موجود نہ تھے لیکن پھر آپ کو اس واقعات کا علم اور مشاہدہ ہے جس سے معلوم ہوا کہ آپ سچے نبی ہیں یہ آیات تو حضور کا حاضر و ناظر ہونا ثابت کر رہی ہیں۔

تفسیر صادی میں **وَمَا كُنْتُ بِحَاسِبِ الطُّورِ** آیت کی تفسیر میں ہے۔

وَهَدَىٰ النَّظْرَ إِلَى الْعَالَمِ الْحَسَّاسِ لَا وَهَمَ الْحِجَّةِ عَنِ الْحَصْبِ وَأَمَّا بِالنَّظَرِ إِلَى الْعَالَمِ الرُّوحَانِيِّ فَهُوَ حَاصِرٌ دَلِيلُهُ كُلُّ رَسُولٍ وَمَا وَقَعَ مِنْ لَدُنْهِ لِي لَا يَطْهَرُ بِحُجَّتِهِ الشَّرِيفِ تَفْسِيرِ صَادِي سُوْرَةِ قَصَصٍ

”یعنی یہ فرمانا کہ مومن علیہ السلام کے اس واقعہ کی جگہ نہ تھے جسمانی لحاظ سے ہے عالم روحانی کی حیثیت سے حضور علیہ السلام ہر رسول کی رسالت اور آدم علیہ السلام سے لے کر آپ کے جسمانی عبور تک کے تمام واقعات پر حاضر ہیں۔“

یہ ہجرت کے دن غار ثور میں صدیق صدق کو لئے ہوئے جلوہ گر ہیں کہ کفار مکہ دراندازہ غار پر آپہنچے حضرت صدیق پریشان ہوئے تو حضور نے فرمایا۔

لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَهُ (پارہ ۹۰ سورہ ۹۰ آیت ۴۰) ”ختم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔“

کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ہمارے ساتھ تو ہے مگر کفار کے ساتھ نہیں لہذا ہر جگہ نہیں کیونکہ کفار بھی تو عامی میں تھے نیز غزوہ احد سے فارغ ہو کر کفار سے خطاب فرمایا۔

اللَّهُ مُولٌ وَلَا مَوْلَىٰ لَكَ ”اللہ ہمارا مولیٰ تمہارا کوئی مولیٰ نہیں۔“

جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی سلطنت و حکومت فقط مسلمانوں پر تو ہے کفار پر نہیں۔ مولیٰ بمعنی ولی۔ تو جس طرح ان دونوں کلاموں میں تو جیہہ کر دو گے کہ پہلے کلام سے مراد ہے کہ اللہ رحم و کرم سے ہمارے ساتھ ہے اور جبر و قہر سے کفار کے ساتھ اور دوسری کلام میں مراد ہے کہ وہ دگاراں ہمارے ہیں اور تمہارا ولی تو ہے مگر ناصر اور مہرباں نہیں اسی طرح اس آیت میں بھی کہا جائیگا کہ بطریق ظاہر۔ میں جسدِ صغریٰ آپ اس وقت تکے پاس نہ تھے۔

اعتراض ۳ قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَمَنْ أَهْلِي الْمَدِينَةِ مَرَدُّوْا عَنِّي لِمَ أَقُلُ لَا تَعْلَمُهُمْ جَعَلْتُ لَهُمْ آيَةً (سورہ ۹ آیت ۱۰۱)

”اور کچھ مدینہ والے ان کی غم ہو گئی ہے۔ نفاق۔ کہ تم نہیں جانتے ہم جانتے ہیں۔“

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر نہیں آپ کو منافقین کے اندرونی ردوں کی بھی خبر ہوتی ہے لہذا آپ ان سے بے خبر تھے۔

جواب اس کا تفصیلی جواب ہم بحثِ علم غیب میں اسی آیت کے تحت دے چکے ہیں۔

اعتراض ۴ بخاری کتاب التفسیر میں ہے یہ ابنِ ارقم نے عبد اللہ ابن ابی کی شکایت کی کہ وہ لوگوں سے کہتا ہے۔

لَا تَسْقُوْا عَنِّي مِنْ عِدَّةِ رَسُوْلِ اللَّهِ مسلمانوں کو کچھ خرچ نہ دو۔ عبد اللہ ابن ابی سے ہار گاد ہی میں آکر جھوٹی قسم کھان کہ میں نے یہ نہ کہا تھا **فَصَدَّقْتُهُمْ وَكَذَّبْتَنِي** حضور علیہ السلام نے ان کو سچا دیا اور مجھ کو جھوٹا۔ اگر حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر دناظر ہیں۔ تو ان ابی کی غلط تصدیق کیوں کر وہی جب آیت کریمہ نے نازل ہو کر یہ ابنِ ارقم کی تصدیق کی تو یہ سچ ہوئے۔

جواب عبد اللہ ابن ابی کی تصدیق فرمادیے سے لازم نہیں کہ آپ کو اصل واقعہ کا علم بھی نہ ہو شرعاً مقدمہ میں ضروری ہے کہ یا تو مدعی کو وہ پیش کرے۔ ورنہ مدعی قسم کھا کر مقدمہ جیت لے گا۔ کیونکہ قاضی کا فیصلہ مدعی کی گواہی یا مدعی علیہ کی قسم پر ہوتا ہے۔ نہ قاضی کے ذاتی علم پر یا ابنِ ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدعی تھے کہ ابن ابی نے تو جین کی اور ابن ابی مکر چو کہ حضرت زید کے پاس گوی نہ تھی عبد اللہ کی قسم پر فیصلہ کر دیا گیا۔ پھر جب قرآن نے زید کی گواہی دی جب اس گواہی سے انکی تصدیق ہوئی۔ قیامت میں گذشتہ کفار انبیاء کی تبلیغ کا شمار کریں گے اور انبیاء دعویٰ۔ رب العین امتِ مصطفیٰ علیہ السلام سے انبیاء کرام کے حق میں گواہی میں ٹکرا انبیاء کرام کی تصدیق فرمایا گا۔ اسی طرح کفار عرض کریں گے۔

وَاللَّهُ رَئِبٌ مَّا كُنَّا مُشْبِرِ كَيْفَ خدا کی قسم ہم مشرک نہ تھے تب انکے نامہ عثمان اور ملائکہ اور ان کے اعضاء سے گواہی سے کران کے خلاف فیصلہ ہوگا۔ تو کیا رب کو بھی اصل واقعہ کا پتہ نہ تھا۔ ضرور تھا مگر یہ قانون کی پابندی ہے کذب سی کے معنی ہیں کہ میری بات نہ دانی۔ یہ معنی ہیں کہ میری بات نہ دانی۔ یہ معنی نہیں کہ مجھ کو جھوٹا فرمایا۔ کیونکہ جھوٹا قاسم ہوتا ہے اور تمام صحابہ عادل ہیں اور کسی مسلمان کو بد دلیل قاسم نہیں کہا جاسکتا۔ کبھی دیوبندی کہتے ہیں کہ کیا نبی علیہ السلام گندی جگہ اور دور رخ میں بھی حاضر ہیں۔ ان کو وہاں مانتا ہے ادنیٰ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کا ہر جگہ حاضری ہونا یہاں جیسے سورج کی شعاع یا نور نظریہ فرشتوں کا ہر جگہ ہونا کہ یہ چیزیں ہر جگہ موجود ہیں۔ مگر گندی سے گندی نہیں ہوتیں۔ بقاؤ تم رب کو اس سب جگہ حاضر دتے ہو یا نہیں؟ گمراہ تے ہو تو اس کی بے ادبی ہوئی یا نہیں۔ نور آفتاب گندی جگہ پڑنے سے ناپاک نہیں تو حقیقت محمدیہ جسے رب نور فرمائے اس پر ناپاکی کے احکام کیوں جاری ہو گئے۔

اعتراض ۵ ترجمہ میں لائن مسحور سے روایت ہے۔

لَا يَنْفَعِي أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِي شَيْئًا فَإِنِّي أَحِبُّ أَنْ أُحْرَجَ إِلَيْكُمْ وَتَأْسِيَهُ الْمُصَدِّر

”کوئی شخص ہم سے کسی صحابی کی باتیں نہ گائے ہم چاہتے ہیں کہ تمہارے پاس صاف دل آیا کریں۔“

اگر حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر ہوتے تو جبر پہنچانے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ کو ایسے ہی خبر رہتی۔

جواب انبیائے کرم کے علم شہودی میں ہر وقت ہر چیز رہتی ہے مگر ہر چیز پر ہر وقت توجہ بنا ضروری نہیں۔ اس کے متعلق ہم بحث علم غیب میں

صحابی ۷۰ دلفند صاحب کی عبارت پیش کر چکے ہیں۔ ب حدیث کا مطلب بالکل واضح ہے کہ ہم کو لوگوں کی باتوں کی طرف توجہ دلا کر کسی کی طرف

سے ناراض نہ بنادے۔ ایک جگہ ارشاد ہوا ہے **دروسی ماتر ککنکم جب تک ہم تم کو چھوڑے ہر چیز تم بھی چھوڑے رہو۔**

اعتراض ۶ غلطی میں ہے۔

مِنْ صُنِّي عَلِيٍّ عَمْدَ قَبْرِی سَمِعْتُهُ وَمِنْ صُنِّي عَلِيٍّ رَأَيْتُهُ

”جو شخص ہم پر ہماری قبر کے پاس درود بھیجتا ہے تو ہم خود سنتے ہیں اور دور سے بھیجتا ہے تو ہم تک پہنچا دیتا ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ دور کی آواز آپ تک نہیں پہنچتی ورنہ پہنچے جانے کی کیا ضرورت ہے۔

جواب اس حدیث میں یہ کہاں ہے کہ درود ہم نہیں سنتے۔ مطلب بالکل ظاہر ہے کہ قریب والے کا درود تو صرف خود سنتے ہیں۔ درود دوائے

دور سنتے بھی ہیں اور پہنچا دیتے بھی جاتا ہے ہم حاضر و ناظر کے ثبوت میں دلائل ظہیرت کی درود بت پیش کر چکے ہیں کہ اہل محبت کا درود تو ہم بغیر بغیر

خود سن پیتے ہیں۔ اور غیر محبت والوں کا درود پہنچا دیا جاتا ہے تو دور و قریب سے مراد ولی دوری قریبی ہے۔ کہ مسافت کے یگانے۔

گر بہ علی و پیش و یحییٰ مگر ہا علی دور یعنی پیش و یحییٰ

پہنچائے جانے سے لازم نہیں آتا کہ آپ اس کو سنتے ہی نہیں۔ ورنہ ہاں تک بندہ کے اعمال بارگاہ اسی میں پیش کرتے ہیں تو کیا رب کو خبر نہیں۔ درود کی

پیشی میں بندہ کی عزت ہے کہ درود پاک کی برکت سے ان کا یہ رتبہ ہوا کہ غلاموں کا نام شہنشاہ ام کی بارگاہ میں آ گیا۔ **صُنِّي لَكَ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ**

لفظ فرمائے ہیں کہ نبی کی توجہ نہ کرنے والے کی توجہ قبول نہیں۔ دیکھو شی با ب مرتدین کیونکہ یہ توجہ حق الہی ہے جو توجہ سے معاف نہیں ہوتا مگر

تو ہیں کی حضور کو خبر نہیں ہوتی تو یہ حق الہی کی کبریٰ۔ غیبت اسی وقت حق الہی بنتی ہے جب اس کی جبر اس کو ہوا دے جس کی غیبت کی گئی اور نہ حق لہ

رہتی ہے۔ دیکھو شرح فقہا کبیر مصنف دہلوی قاری۔

کتاب جلاء الدہام مصنف ابن قیم شامی ج ۱ ص ۳۷۷ حدیث نمبر ۱۰۸ میں ہے۔

لَيْسَ مِنْ عَبْدِ يَصْنِي عَمِّي الْآبَدِي صَوْنَهُ حَيْثُ كَانَ فَبَعْدَ وَفَاتِكَ فَإِنَّ وَعْدَ وَفَاتِي

”یعنی کوئی کہیں سے دور و شریف پر سے مجھے انکی آواز پہنچتی ہے۔ یہ دستور بعد وفات بھی رہیگا۔“

جلاء الدہام مطبوعہ دارالطباعۃ العلمیہ ص ۳۷۷ میں انہیں مصنف مولانا جلال الدین سیوطی ص ۴۴۲ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

اصحابی حوسی صلو علی فی کل یوم لائیس و لجمعة بعد وفاتی فسی اسمع صلو تکم بلا واسطۃ

”یعنی ہر جمعہ اور کو جمعہ پر درود یاد دہاؤ میری وفات کے بعد کیونکہ میں تمہارا درود بلا واسطہ سنتا ہوں۔“

اعتراض ۷ ثلوثی برازیہ میں ہے۔

مِنْ قُلِّ أَنْ رَوَّاحَ لَمْ يَبْعِ حَاصِرَةً نَعْمَ يَكْفُرُ ”جو کہے کہ مشائخ کی رو میں حاضر ہیں جاتی ہیں وہ کافر ہیں۔“

شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر فتح العزیز ص ۵۵ میں فرماتے ہیں کہ انبیاء و مرسلین و الواصلین و الوصیاء و شہیدین فرما دہر کس در ہر جا قدرت بر جمیع

مقدورات ثابت کنند یعنی نبی اور پیغمبروں کے لئے خدائی صفات جیسے علم غیب اور ہر جگہ سے ہر شخص کی فریاد سننا اور تمام ممکنات پر قدرت ثابت

کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ علم غیب اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا حد کی صفت ہے۔ کسی اور میں مانا صریح کفر ہے۔ یہ فقہ کی معتبر کتاب ہے

وہ ظلم کفر دے رہی ہے۔

جواب ثلوثی برازیہ کی ظاہر عبارت کے زو میں تو مخالفین بھی آتے ہیں۔ اور تو اس لئے کہ ہم اہل السلوک مصنف مولوی رشید احمد صاحب کی

عبارت پیش کر چکے ہیں۔ جس میں انہوں نے نہایت صفائی سے شیخ کی روح کو مریدین کے پاس حاضر جانے کی تعلیم دی ہے۔ دوسرے اس لئے

کہ برازیہ کی عبارت میں یہ تصریح نہیں ہے کہ کس جگہ روح مشائخ کو حاضر جانے ہر جگہ یا بعض جگہ اس اطلاق سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی

مشائخ کی روح کو ایک جگہ بھی حاضر جانے یا ایک بات کا علم بھی مانے تو کافر ہے اب مخالفین بھی ارواح مشائخ کو ان کی قبر یا مقام صلیب بر رخ وغیرہ

جہاں وہ رہتی ہیں۔ وہاں تو حاضر مانے کی۔ پس کہیں بھی مانا کفر ہوا۔ تیسرے اس لئے کہ ہم اس بحث حاضر و ناظر میں شامی کی عبارت پیش کر چکے

ہیں کہ یہ عارضہ ناظر کہنا کفر نہیں ہے۔ چوتھے یہ کہ ہم جمعۃ المذہبات اور احیاء العلوم بلکہ نواب صدیق حسن خان بھوپالی وہابی کی عبادت بیان کر چکے ہیں۔ جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ہر کی اپنے قلب میں حضور علیہ السلام کو حاضر جاں کر **السلام علیک یھٰ ائییٰ** کہے۔ اب ان اکابر فقہاء پر برزیہ کا فتویٰ جاری ہوگا یہ نہیں ہوتا ماننا ہوگا کہ برزیہ میں جس حاضر و ناظر ماننے کو کفر فرمایا جا رہا ہے وہ حاضر و ناظر ہونا ہے جو صفت الہیہ ہے یعنی ذاتی، قدیم، واجب، بغیر کسی جگہ میں ہونے کے ایسا حاضر ہونا رب کی صفت ہے وہ ہر جگہ ہے مگر کسی جگہ میں نہیں، پہلے سوال کے جواب میں ہم فتویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۹۱ کی عبارت اور ہر اچھے قلم کو صفحہ ۳۳ کی عبارت نقل کر چکے ہیں جس سے ثابت ہو کہ موسوی رشید احمد خلیل احمد صاحب بھی اس فتوے میں ہم سے متفق ہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کی عبارت بالکل واضح ہے کہ مشرک و نبیاء کی قدرت تمام مقدورات الہیہ پر اللہ کی طرف ماننا کفر ہے ورنہ خود شاہ عبدالعزیز صاحب **وبسکون المرئسون علیکم شہیداً** کے ماتحت حضور علیہ السلام کو حاضر و ناظر مانتے ہیں۔ اس کی بحث علم غیب میں اسی آیت مذکورہ کے ماتحت لکھ چکے ہیں۔

اعتراض ۸

اگر حضور حاضر بھی ہیں اور نور بھی تو چاہیے کہ اہل بیت میں بھی اندھیرا نہ ہو مگر ہر جگہ اندھیرا ہوتا ہے لہذا یا تو حضور نور نہیں یا نور ہیں مگر ہر جگہ حاضر نہیں۔

جواب اس کے دو ہیں ایک اثری دوسرا تحقیقی۔ جواب اثری تو یہ ہے کہ قرآن مجید نور ہے اور ہر گھر میں بھی نیز فرشتے نور بھی ہیں اور ہر انسان کے ساتھ بھی ہر رب تعالیٰ نور بھی ہے اور ہر ایک کے ساتھ بھی مگر یہ بھی بات کو اندھیرا ہوتا ہے لہذا یا تو فرشتے۔ قرآن مجید۔ خدا تعالیٰ نور نہیں یا حاضر نہیں۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ قرآن۔ فرشتوں کی نورانیت ایمانی ہے اور نور کو دیکھنے کے لئے دیکھنے والے میں بصیرت کا نور چاہئے بعض مصلحت قبول لوگ وہ نور اب بھی مشاہدہ کرتے ہیں۔

اعتراض ۹

بعض فاضل جب کوئی راست نہیں پاتے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم عیسیٰ میں ہر جگہ پہنچ چکی عاقبت مانتے ہیں۔ اسی طرح آصف ابن برخیا اور ملک اموت میں یہ طاقت حسیم کرتے ہیں مگر یہ نہیں مانتے کہ دیگر حقوق کے کائنات و ظہیروں میں یہ حضور علیہ السلام میں جمع ہیں۔ موسوی قاسم صاحب تحذیر الناس میں لکھتے ہیں کہ "رہا عمل اس میں بسا اوقات غیر نبی نبی سے بڑھ جاتے ہیں" رجوم اللہ نہیں میں موسوی حسین احمد صاحب لکھا کہ دیکھو تخت طلسم لانے کی طاقت حضرت سیمان میں نہ تھی ورنہ آصف میں تھی ورنہ آپ خود ہی کیوں نہ آئے اسی طرح ہندو نے کہا کہ **احصیٰ بمالہ نحصہ حراً** اے سیمان میں وہ بات معلوم کر کے آیا ہوں جس کی خبر آنکھیں نہیں بند ہندو کی آنکھ میں کے اندر کاپالی دیکھ سکتی ہے اسی لئے وہ حضرت سیمان کی خدمت میں رہتا تھا کہ جنگل میں زمین کے اندر کاپالی تائے اور حضرت سیمان کو اس کی خبر نہ تھی معلوم ہوا کہ نبیاء کے علم و طاقت سے غیر نبی بلکہ جانوروں کا علم و طاقت زیادہ ہو سکتا ہے۔

جواب غیر نبی میں نبی سے زیادہ یا کسی اور نبی میں حضور علیہ السلام سے زیادہ کمال ماننا صریح آیت قرآنی اور حدیث صحیحہ اور اجماع امت کے خلاف ہے خود مخالفین بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں جن کی عبارات ہم پیش کر چکے ہیں۔ یہ فتوے اعتراض خود اپنے مذہب کو پھولانا ہے۔ شفاء شریف میں ہے کہ اگر کوئی کہے فلاں کا علم حضور علیہ السلام سے زیادہ ہے۔ وہ کافر ہے۔ کسی بھی حال میں کسی کو حضور علیہ السلام سے زیادہ ماننا کفر ہے کوئی غیر نبی نبی سے نہ تو علم میں بڑھ سکتا ہے نہ عمل میں۔ اگر کسی کی عمر ۸۰ سال ہو اور وہ اس تمام مدت میں عبادت ہی کرے ورنہ کہے کہ میری عبادت تو ۸۰ سال کی ہے اور حضور علیہ السلام کی عبادت کل پچیس برس کی۔ لہذا عبادت میں حضور سے میں بڑھ گیا وہ بے دین ہے۔ ن کے یک عیدے کا جو ثوب ہے وہ ۷۲۰ ری۔ لاکھوں برس کی عبادت سے کہیں بڑھ کر ہے صرف یہ ہوا کہ اس کی محنت زیادہ ہوئی مگر قرب الہی، درجہ اور ثوب میں نبی سے اس کو کوئی نسبت ہی نہیں۔ شمس نبی تو بہت بلند والا ہے۔ مشکوٰۃ باب فضل اصحاب میں ہے کہ میرے صحابی کا تھوڑے جو خیرات کرنا تمہارے پہاڑ پھر سونا خیرات کرنے سے افضل ہے۔ قصوں ہی اسرائیل نے یک ہزار ماہ یعنی ۸۳ سال چار ماہ مسلسل عبادت کی۔ مسلمانوں کو اس پر رشک ہوا کہ ہم اس کا درجہ ثوب کیسے پائیں تو آیت کریمہ **تری بیلہ لفسر حیر من لف شہر شب قدر** تو ہر ماہ سے بھی بہتر ہے۔ یعنی ۷۷ مسلمانوں تم کو ہم ایک شب قدر دیتے ہیں کہ اس شب میں عبادت نبی اسرائیل کی غرار ماہ کی عبادت سے بہتر ہے تو حضور علیہ السلام کی ایک ایک ساعت لاکھوں شب قدر سے افضل ہے۔ جس مسجد پاک کے یک گوشہ میں سید الانبیاءؑ مہرماں ہیں یعنی مسجد نبوی وہاں کی یک رکعت پچاس ہزار کے برابریں رکعتی ہے۔ جس کے قریب میں جاری عبادت ایسی پھرتی پھلتی ہے تو ان کی عبادت کا کیا پوچھنا ہے۔

اس طرح یہ کہنا کہ آصف ابن برخیا میں تخت لانے کی طاقت تھی نہ کہ حضرت سیمان میں محض بیہودہ بکواس ہے۔

قرآن کریم فرماتا ہے۔ **وقال الہدیٰ عندہ عمنہ من الکتاب انا انیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک** (پارہ ۹ سورہ ۷۷ آیت ۳۰)

"اس نے کہا جس کو کتاب کا علم تھا کہ میں اس تخت چھین کر آپ کے چپک چھپنے سے پہلے صرغہ صدمت کر دوں گا۔"

حضور علیہ السلام کو بشر یا بھائی کہنے کی بحث

اس میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں

مقدمہ نبی کی تعریف اور ان کے حوجت کے بیان میں

عقیدہ نبی وہ انسان ہیں جن کو اللہ سے حکام شریعت کی تبلیغ کے لئے بھیجا (شرح حقانہ) ہدائی نہ تو غیر انسان ہو اور نہ عورت۔ قرآن فرماتا ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَحَلًا نُوْحِي إِلَيْهِمْ بِرَبِّهِمْ سُوْرَةُ ٢ بسم

”وہم نے آپ سے پہلے نہ بھیجا مگر اس مردوں کو جس کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔“

معلوم ہو کہ جن حرشت، محرومت وغیرہ نبی نہیں ہو سکتے۔ عقیدہ نبی ہمیشہ اعلیٰ خاندان و رعایا نسب میں سے ہوتے ہیں اور نہایت عمدہ اخلاق ال کو عطا ہوتے ہیں۔ دلیل قوم اور ادنیٰ حرکات سے محفوظ (بہا شریعت) بخدا کی جلال کے شرف میں ہے کہ جب ہرقل بادشاہ روم کے پاس حضور

ﷺ کا فرمان دیا پچا کہ **اسلم تسلم** اسلام لے سلامت رہے گا۔ تو ہرقل نے ایوسفیا کو یہ کہ حضور علیہ السلام کے متعلق کچھ سونات

کئے۔ پہلا سوال یہ تھا کہ **کیف سبہ فیکم** تم میں ان کا خاندان و نسب کیا ہے؟ یوسفیا نے کہا **ہو فیا ذوسب** وہ ہم میں نہایت

اعلیٰ خاندان والے ہیں یعنی قریشی ہاشمی و مطہری میں **مصر** سے **مصر** کے جواب میں ہرقل نے کہا **وکنک لک لو اس نبوت فی قومہا**

ہمیشہ میرے کرم داری قوم و اعلیٰ خاندان میں بھیجے جاتے ہیں۔ جس سے معلوم ہو کہ امیائے کرم داری خاندان میں تشریف لاتے ہیں۔

تنبیہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہر قوم میں نبی آئے یعنی معاد اللہ بھگنوں، چماروں، ہندوؤں، بدھ اور جینی وغیرہ میں نبی کی قوم سے آئے۔

ہذا لاں گرد، کرشن، گوتم بدھ وغیرہ چونکہ نبی تھے اس لئے ان کو یہ نہ کہہ۔ قرآن فرماتا ہے۔ **لکن قوم ہاد ہاد ہر قوم میں ہادی ہیں۔** نیز عورتیں بھی

نبی ہوئی ہیں۔ کیونکہ حضرت موسیٰ کی والدہ اور حضرت مریم کو نبی ہوئی اور جس کو نبی ہوا وہ نبی ہے۔ **ووجب الی ہم موسیٰ وغیرہ** ہذا یہ

عورتیں نبی ہیں۔ مگر یہ دونوں قول غلط ہیں اول تو اس لئے کہ وہ آیت پوری نہیں بیاں کی اور ترجمہ بھی درست نہیں کیا۔ آیت یہ ہے۔

نم است مندر و لکن قوم ہاد تم ذرا ستانے والے اور ہر قوم کے ہادی ہو۔ یعنی ہر قوم کا ہادی ہونا حضور علیہ السلام کی صفت ہے۔ دیگر

انبیاء خاص قوموں کے نبی ہوتے تھے اور اے محبوب تم ہر قوم کے نبی ہو۔ گراماں بھی یہاں سے کہ اس آیت کے یہی معنی ہیں کہ ہر قوم میں

ہادی ہوئے تو یہ کہاں ہے کہ قوم میں اس ہی قوم سے ہادی ہوئے۔ ہو سکتا ہے کہ اشرف قوم میں نبی آئے۔ دیگر قومیں بھی ان کے ماتحت رہیں۔

حضور علیہ السلام قریشی ہیں۔ مگر ہذاں شیخ اسید فرسید ساری قوموں بلکہ ساری مخلوق کے نبی ہیں **ہر لفظ ہادی** عام ہے کہ نبی ہو یا غیر نبی۔

تو یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ہر قوم میں اس قوم میں سے بعض بعض کے لئے رہبر ہوئے۔ بلکہ ہادی، کرشن وغیرہ کی ہستی کا بھی شرعی ثبوت نہیں قرآن و

حدیث نے اس کی خبر نہ دی۔ صرف بت پرستوں کے درمیان کا پتہ گاہ بھی اس طرح کہ کسی کے چار ہاتھ کسی کے چہ پاؤں۔ کسی کے منہ پر ہاتھی کی

سی سونٹ۔ کسی کے چوڑے ٹنگور کی سی دم۔ ان کے نام بھی گھڑے ہوئے دریاں کی صورتیں بھی۔

رب نے عرب کے بت پرستوں کو فرمایا۔

ان ہی الا اسماء ستموھا انتم و اباءکم (پارہ ۲ سورہ ۵۳ ب ۲۳)

”یہ تمہارے اور تمہارے باپ داداؤں کے گھڑے ہوئے نام ہیں۔“

جب ان کے ہونے کا بھی ثبوت نہیں تو انہیں ہی مان لینا کون سی جھنڈی ہے۔

دوسرے قوم اس لئے عطا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کے دل میں القاء پابا ہو گیا تھا جسے قرآن نے **اوحیا** سے تعبیر کیا وہی

یعنی الہام بھی آتی ہے۔ جیسے قرآن میں ہے **واوحی ربک لی النحل** سب کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈالی یہاں

وحی بمعنی دل میں ڈالنا ہے حضرت مریم کو وہ وحی تبلیغی نہ تھی اور نہ وہ تبلیغ حکام کے لئے بھیجی گئی۔ نیز فرشتے کا ہر کلام وحی نہیں اور ہر وحی تبلیغی نہیں بعض

صحابہ نے ملائکہ کے کلام سنے ہیں اور بوقت موت اور قبور و حشر میں سب ہی ملائکہ سے کلام کریں گے حالانکہ سب نبی نہیں۔ اس کی پوری تحقیق ہماری

کتاب شان حبیب الرحمن میں دیکھو۔

عقیدہ کوئی شخص اپنی عبادت و اعمال سے نبوت نہیں پاسکتا۔ نبوت محض عطا الہی ہے۔ **اللہ اعلمہ حیث یجعل ربہ اللہ خوب**

جاتا ہے کہ جہاں اپنی رسالت رکھے اور غیر نبی خواہ مومن ہو یا کافر بدال یا کچھ اور۔ تو نبی کے برابر ہو سکتا ہے اس سے بڑھ سکے یہ چند مورخیاں میں رہیں۔

پہلا باب

اِس باب میں کہ نبی علیہ کو بشر یا بانی وغیرہ کہنا حرام ہے۔

نبی جس بشر میں آتے ہیں اور انسان ہی ہوتے ہیں۔ جس یا بشر یا فرشتہ نہیں ہوتے یہ دیادی احکام ہیں۔ ورنہ بشریت کی ابتداء آدم علیہ السلام سے ہوئی۔ کیونکہ وہ ہی بولشہر ہیں اور حضور علیہ السلام اس وقت نبی ہیں جبکہ آدم علیہ السلام اب وکل میں ہیں خود فرشتے میں **کُنْتُ نَبِيَّ وَادَمُ** **بِئْسَ الْمَاءُ وَبِطْنٍ** اس وقت حضور ہی ہیں بشر نہیں سب کچھ صحیح لیکن ان کو بشر یا انسان کہہ کر پکارنا یا حضور علیہ السلام کو یا محمد یا کسے اور ایم کے پاب یا اے بھائی یا داد وغیرہ بری کے الفاظ سے یاد کرنا حرام ہے۔ اور اگر ہانت کی نیت سے پکارنا تو کافر ہے۔ عالمگیری وغیرہ کتب فقہ میں ہے کہ شخص حضور علیہ السلام کو **هَذَا الرَّسُولُ** یہ مرد ہانت کی نیت سے کہے تو کافر ہے بلکہ یا رسول اللہ یا حبیب اللہ یا شفیع اللہ نہیں وغیرہ عظمت کے کلمات سے یاد کرنا حرام ہے۔ شعرہ جو اشعار میں یا محمد کھدیتے ہیں وہ سچی سوتیلی جد سے ہے پڑھے دے لے کو حرام ہے کہ **صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** کہہ لے، اسی طرح جو کہتے ہیں کہ۔

واہ کیا جو وہ کرم ہے شہ پلنی حیرا

یہ حیرا انتہائی ناز کا کلمہ ہے جیسے آقا میں حیرے قرباں۔ اے ماں تو کہاں ہے؟ اے اللہ تو ہم پر رحم فرما اس تو وحی سے کی حیثیت اور ہے۔
(۱) قرآن مجید میں ہے۔

لَا تَحْمِلُوْا دُعَاءَ الرُّسُلِ بِيَكُمُ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (پارہ ۸ سورہ ۲۴ آیت ۶۳)

وَلَا تَحْمِلُوْا اِلٰهَ بِالْقَوْلِ كَحَمَلِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطْ اَعْمَالُكُمْ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ (پارہ ۲ سورہ ۲۹ آیت ۲)
"رسول کے پکارنے کو ایسا نہ ٹھہراؤ جیسا کہ تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے اعمال پر ہانت ہو جائے اور تم کو خبر نہ ہو۔"

مضبوطی اعمال کفر کی وجہ سے ہوتی ہے ہر ارج جلد دراصل از جملہ رعایت حقوق اولیت میں ہے۔ خود سید اور ایہام مہارک، اوچتا لکھی خواہندہ بعضے رشتا بعض راہلکہ بگویند یا رسول اللہ یا نبی یا تو قیر و توفیق۔ "نبی علیہ السلام کو ان کا نام پاک لے کر نہ پڑا جیسے بعض بعض کو بدتے ہیں۔ بلکہ یوں کہو یا رسول اللہ یا نبی اللہ تو قیر و عزت کے ساتھ۔

تفسیر روح البیان (۱) آیت **لَا تَحْمِلُوْا** ہے۔

وَالْمَعْنٰی لَا تَحْمِلُوْا دُعَاءَ نَحْمُ يٰ اَهْ وَبِسْمِیْكُمْ نَحْمُ يٰ اَهْ بمعصکم بعض لاسمہ مثل یا فحمتہ ویا اہن عبد اللہ **وَلٰكِنْ بِسْمِیْهِ السَّمْعُظْمُ مَثَلُ یٰ سَبِّیْ** اللہ ویا رسول اللہ کہہ لے **لَا تَحْمِلُوْا دُعَاءَ نَحْمُ يٰ اَهْ وَبِسْمِیْكُمْ نَحْمُ يٰ اَهْ** بمعصکم بعض لاسمہ مثل یا فحمتہ ویا اہن عبد اللہ **وَلٰكِنْ بِسْمِیْهِ السَّمْعُظْمُ مَثَلُ یٰ سَبِّیْ** اللہ ویا رسول اللہ کہہ لے
"معنی یہ ہیں کہ حضور علیہ السلام کو پکارنا یا نام بیانا ایسا نہ بناؤ جیسا کہ بعض لوگ بعض کو نام سے پکارتے ہیں جیسے یا محمد اور یا بن عبد اللہ وغیرہ لیکن ان کے عظمت و بے القاب سے پکارو جیسے یا نبی اللہ یا رسول اللہ جیسا کہ خود رب تعالیٰ فرماتا ہے یا ایہا النبی یا ایہا الرسول۔"

ان آیات قرآنیہ اور اقوال مفسرین و محدثین سے معلوم ہو کہ حضور علیہ السلام کا ادب ہر حال میں محفوظ رکھا جاوے نہ وہ میں، کلام میں، ہر د میں۔
(۲) دنیاوی عظمت و اس کو بھی اس کا نام لے کر نہیں پکارا جاتا۔ اس کو والدہ صاحبہ باپ کو والدہ ماجدہ، بھائی کو بھائی صاحبہ جیسے الفاظ سے یاد کرتے ہیں مگر کوئی پتی، ماں کو باپ کی بیوی یا باپ کو ماں کا شوہر کہے یا اس کا نام لے کر پکارے یا اس کو بھیا وغیرہ کہے۔ تو، گرچہ بات تو سچی ہے مگر بے ادب گستاخ کہا جائیگا کہ براہی کے کلمات سے کیوں یاد نہ آیا۔ حضور علیہ السلام تو صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان کا نام سے پکارنا یا بھائی وغیرہ کہنا یقیناً حرام ہے۔ مگر میں، میں، میں سب ہی عورتیں ہیں مگر ان کے نام و کام و احکام جدا گانہ جو ماں کو بیوی یا بیوی کو ماں کہہ کر پکارے وہ بے ایمان ہی ہے اور جو نہ سب کو ایک نگاہ سے دیکھے وہ مردود ہے، ایسے ہی جو نبی کو امتی یا امتی کو نبی کی طرح سمجھے وہ ملعون ہے، جو بند یوں نے نبی کو امتی کا درجہ دیا ان کے پیشوا مولوی سمیع نے سید احمد بریلوی کو نبی کے براہ گیری و کھوسرط المستقیم کا عتاب عطا دیا۔

(۳) رب تعالیٰ جس کو کوئی خاص درجہ عطا فرمائے۔ اس کو عام القاب سے پکارنا اس کے ان مراتب عالیہ کا انکار کرنا ہے گرد دنیاوی عظمت کی طرف سے کسی کو فوہ یا خاں بہادر کا خطاب ملے تو اس کو آدمی یا آدمی کا بچہ یا بھائی وغیرہ کہنا اور ان القاب کو یاد کرنا جرم ہے کہ سکا مطلب تو یہ ہے کہ تم حکومت کے حصہ کئے ہوئے ان خطابات سے ناراض ہو تو جس ذات عالی کو رب کی طرف سے نبی رسول کا خطاب ملے اس کو ان القاب کے علاوہ بھائی وغیرہ کہنا جرم ہے۔

(۴) خود پروردگار عام نے قرآن کریم میں حضور علیہ السلام کو یا محمد یا خاتم النبیین کہہ کر نہ پکارا بلکہ یا ایہا النبی یا ایہا الرسول یا ایہا المرسل یا ایہا المرسل وغیرہ وغیرہ پر سے القاب سے پکارا حارثہ دوسرے ہے تو ہم غلاموں کو کیا حق ہے کہ ان کو بشر یا بھائی کہہ کر پکاریں۔

(۵) قرآن کریم نے کفار مکہ کا یہ طریقہ بتایا ہے کہ وہ عیہ کو بشر کہتے تھے۔

قُلُوا امَّا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُ وَلَسْ اَعْصِمُ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اَنْتُمْ لَحَسْرَتٌ (پارہ ۸ سورہ ۲۵ آیت ۱۵)

”کافرو بولے نہیں ہو تم مگر ہم جیسے بشر مگر تم نے اپنے جیسے بشر کی پیروی کی تو تم نقصان والے ہو وغیرہ وغیرہ۔“

اس قسم کی بہت سی آیات ہیں اسی طرح مسادات بتایا عیہ کر مکی شاہ حنا طریقتی میں ہے کہ اس نے کہا۔

حقیقتی میں ناب و حلقہ میں طیس ”خدا یا تو نے مجھے آگ سے اور انگوٹھی سے پیدا فرمایا۔“

مطلب یہ کہ میں ان سے افضل ہوں اسی طرح اب یہ کہنا کہ ہم میں اور غیبروں میں کیا فرق ہے۔ ہم بھی بشر وہ بھی بشر بلکہ ہم دندوہ مردے پر سب ایسی کلام ہے۔

دوسرا باب

مسئلہ بشریت پر اعتراضات کے بیان میں

اختراض ممبر ۱ قرآن فرماتا ہے۔

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (پارہ ۲۳ سورہ ۲۱ آیت ۶) ”اے محبوب فرما دو کہ میں تم جیسا بشر ہوں۔“

اس آیت قرآنیہ سے معلوم ہو کہ حضور بھی ہماری طرح بشر ہیں اگر نہیں تو آیت معاد اللہ جھوٹی ہو جائیگی۔

جواب کی تہت میں چند طرح غور کرنا لازم ہے ایک یہ کہ فرمایا گیا ہے قُلْ اے محبوب آپ فرمادو۔ تو یہ کہہ فرمانے کی صرف حضور علیہ السلام کو

اجازت ہے کہ آپ بطور کبار تو واضح فرمادیں یہ نہیں کہ قُلُوْا اِنَّمَا هُوَ بَشَرٌ مِّثْلُنا سے کو تو تم کہا کرو کہ حضور علیہ السلام ہم جیسے بشر ہیں۔ بلکہ

قُلْ میں اس جا ب اشارہ ہے کہ بشر وغیرہ کلمات تم کہہ دو ہم تو نہ کہیں گے۔ ہم فرمائیں گے۔

هٰذَا وَنَبَشَرٌ وَاَدْعٰ اِلٰہِیْہِ بَادِمَہ وَاَسْرَحٰ فِیہِ اہم تو فرمائیں گے یا نبیہا المذلول یا نبیہا المذل

وغیرہ ہم تو آپ کی شاں بڑھائیں گے آپ انکار یہ فرما سکتے ہیں۔ نیز اس آیت میں کفار سے خطاب ہے۔ چونکہ ہر چیز اپنی غیرض من سے نفرت کرتی

ہے لہذا فرمایا گیا کہ اے کفار تم مجھ سے گھبراؤ جنس میں تمہاری جنس سے ہوں یعنی بشر ہوں۔ شکاری جانوروں کی سی تو دریں نکال کر شکار کرتا ہے۔

اس سے کفار کو اپنی طرف مائل کرنا مقصود ہے مگر دوسری ہندی بھی کفار میں سے ہی ہیں تو ان سے بھی یہ خطاب ہو سکتا ہے ہم مسلمانوں سے فرمایا گیا

اِنَّكُمْ مِّنْہِی طوطے کے سامنے آئینہ رکھ کر اور خود آئینہ کے پیچھے کھڑے ہو کر بولتے ہیں تاکہ طوطا پناکس آئینہ میں دیکھ کر سمجھے کہ یہ میرے جس کی

تواری ہے انہیائے کرام رب کا آئینہ ہیں اور وہ ان کی ہوتی ہے اور کلام رب کا۔ گفت من آئینہ مشغول دوست۔ یہ عکس کا لفظ ہے دوسرے اس

طرح کہ مِّنْہِی پر آیت فتم نہ ہوئی بلکہ آگے آ رہا ہے۔ یوحیٰ لہٰی + یوحیٰ لہٰی کی قید کی ہے جیسے ہم کہیں کہ یہ دیگر حیوانات کی

طرح حیوان ہے مگر ناطق ہے تو ناطق کی قید نے یہ اور دیگر حیوانات میں ذاتی فرق پیدا کر دیا کہ اس قید سے یہ تو اشرف المخلوقات انسان ہو۔

اور دوسرے حیوانات اور شے اسی طرح وحی کی صفت نے ہی اور انسانی میں بہت بڑا فرق بتا دیا۔ حیوان اور سب میں صرف ایک درجہ کا فرق ہے مگر

بشریت اور شان مصطفیٰ میں ۲ درجہ کا فرق ہے اور بشر پھر شہید پھر متقی پھر دلی پھر ابدال پھر دنا پھر قطب پھر عوٹ پھر غوث الاعظم پھر تاجی پھر

صحابی پھر مہاجر پھر صدیق پھر نبی پھر رحمت لعل بین وغیرہ یہ ۲ مراتب کا اجہلی ذکر ہے۔ تفصیل دیکھنا ہوتا ہماری کتاب شاں حبیب ارجاں میں

ملاحظہ کرو۔ تو عام بشر در مصطفیٰ علیہ السلام میں شرکت کیسی؟ یہ شرکت تو ایسی بھی نہیں جیسی کہ جس عالی یا کسی عرض عام کے فرد کو انسان سے ہے یہ تو

ایہا ہوا کہ کوئی کہے اللہ ہماری طرح موجود ہے۔ اللہ ہماری طرح مسیح و عیسیٰ ہے کیونکہ کلمہ موجود عظیم ہر جہہ بود جاتا ہے۔ جس طرح ہماری موجودیت

اور رب کی موجودیت میں کوئی نسبت ہی نہیں۔ ایسے ہی ہماری بشریت اور محبوب علیہ السلام کی بشریت میں کوئی نسبت نہیں۔

مولانا مثنوی میں فرماتے ہیں۔

اے ہزاراں جبریل احمد بشر

بہر حق سوئے غریباں یک نظر

”حضور علیہ السلام کی بشریت ہزار ہا جبریلی حیثیت سے ملتی ہے۔“

تیسرے اس طرح کہ قرآن کریم میں ہے۔ **مِنْ نُورِهِ كَمِثْقَا ذَرَّةٍ فِي سَاِدَةٍ** کہ نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک ذرہ کی مثال میں ایک چرائی ہے۔ اس آیت میں بھی کلمہ مثل ہے تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ نور خدا چراغ کی طرح روشنی ہے۔ اسی طرح قرآن میں ہے۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ اِلَّا اَعْيُنُهُنَّ بِالْغَيْبِ فَتَحَسبُنَهُنَّ كُمًّا لَّكُم بَارَءٌ سُوْرَةُ ۱۰۹ آیت ۳۸

”انہیں ہے کوئی جانور زمین میں۔ کوئی پرندہ جو ہے بازوؤں سے اڑتا ہو مگر وہ تمہاری طرح آنکھیں ہیں۔“

یہاں بھی کلمہ امثال موجود ہے تو کیا یہ سمجھا درست ہوگا کہ ہر درست ہوگا کہ ہر انسان گدھے تو جیسا ہے ہرگز نہیں نیز ان کا حصر ضافی ہے نہ کہ حقیقی جی میں نہ خدا ہوں نہ خدا کا بیٹا بلکہ تمہاری طرح خاص بندہ ہوں جیسے ہر درست ہر درست کا کہنا **اِنَّمَا مِثْلُ قَضَةٍ**

چوتھے اس طرح کہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام ایمان عبادت، معاملات غرضیکہ کسی شے میں ہم جیسے نہیں ہر بات میں فرق عظیم ہے۔ حضور علیہ السلام کا کلمہ ہے **اِنَّ رُسُوْلِيْ بَلَدٌ** میں اللہ کا رسول ہوں۔ اگر ہم یہ کہیں تو کافر ہو جاویں۔ حضور علیہ السلام کا یہاں دیکھی ہوئی چیزوں پر کہ رب کو حسد و دروغ کوٹا کھٹا فرمایا۔ ہمارا ایمان ہمارے لئے ارکان سلام پانچ حضور علیہ السلام کے لئے چار یعنی آپ پر

رکوة فرض نہیں۔ دیکھو شی شروع کتاب اخر کوة۔ ہم پر پانچ نمازیں فرض حضور علیہ السلام پر چار یعنی تہجد بھی فرض **وَمِنْ اَلْبَلِیْلِ فَتَجِدُهُ** یہ

سَافِنُهُ لَکَ ہم کو چار چیزوں کی اجازت حضور علیہ السلام کے لئے کوئی پابندی نہیں جس قدر چاہیں۔ ہماری بی بیوں ہمارے مرنے کے بعد دوسرے نکاح کر سکتی ہیں۔ مگر حضور علیہ السلام کی ازواج پاک سب مسلمانوں کی مائیں **وَاَوْاَحِدَهُنَّ اَنْفِهِنَّ** کسی کے نکاح میں نہیں آسکتی

وَلَا تَسْکُنُوْا اَوْاَحِدَهُنَّ ہمارے بعد ابنا ہمارے بعد ہماری میراث تقسیم ہو حضور کی میراث نہ بنے ہمارے پیٹھاپا نکاح نہ ہو پاک۔ حضور ﷺ کے فضائل شریف امت کے لئے پاک (دیکھو شی باب ۱۰۷) مرقات باب احکام امیہا فصل اول میں ہے **ثُمَّ اَحْصَا کَثِیْرًا** میں

اصْحَابُ طَهَارَةٍ فصلانہ اسی مرقاة باب اسر کے شروع میں ہے۔ **وَلَدَا حُجْمُهُ اَبُو طَلِبَةَ فَشَرِبَ دَمَهُ** اسی طرح ہر راجح النبوة میں جہاں اصل عربی شریف صفحہ ۲۵ میں بھی ہے۔ یہ تو شرعی احکام میں فرق بتائے گئے ورنہ لاکھوں مور میں فرق عظیم ہے۔ ہم کو اس ذات کریم سے کوئی نسبت ہی نہیں یوں سمجھو کہ بے مثل خالق کے بے مثل بندے ہیں۔

بے مثل حق کے منظر ہو پھر مثل تمہارا کیونکر ہو نہیں کوئی تمہارا ہم رجبہ نہ کوئی تمہارا ہم پڑ

اس قدر فرق عظیم کے ہوتے ہوئے مشابہت کے کیا حقیقی۔

پانچویں اس طرح کہ اس آیت میں ہے **بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ** یہ نہیں ہے کہ **اِنْسَانٌ مِّثْلُکُمْ** بشر کے معنی ہیں دو بشر۔ یعنی ظاہری چہرے مہر واد۔

بشر کہتے ہیں ظاہر کمال کو۔ تو معنی یہ ہوئے کہ میں ظاہر رنگ و روپ میں تم جیسا معلوم ہوتا ہوں کہ صفائے بدن دیکھنے میں یکساں معلوم ہوتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے **یَسُوْ حَسْبِیْ اَلْحِی** ہم صاحب دینی ہیں۔ یہ کھنگو بھی فقط ظاہری طور پر ہے۔ ورنہ ہمارے ظاہری صفہ کو حضور علیہ السلام کے

اعضاء مبارکہ سے کوئی نسبت نہیں۔ قدرت لہی تو دیکھو کہ منہ کا لعاب شریف کھاری کنوئیں میں پڑے پانی کو شلہ کر دے۔ حدیبیہ کے جنگ کوئیں میں پڑ جاوے تو پانی پید کر دے حضرت جابر کی داغی میں پڑ کر شور بار و بولیاں بڑھا دے۔ آٹے میں پڑے تو آٹے میں برکت دے صدیق کے پاؤں میں پٹکی کر ساپ کے سر کو دفع کرے۔ میدان میں چٹک کے نوٹے ہوئے پاؤں میں پہنچ کر بڑی جواز دے۔ حضرت علی کی دھکی ہوئی تکیے لگے تو کل

جو ہر کام دے۔ آج ہزار روپیہ کی رو بھی اس قدر اثر نہیں رکھتی۔ اگر سر پاک سے قدم پاک تک ہر مصو شریف کی برکات دیکھنا ہیں تو ہماری کتاب شان حبیب رحمان کا مطالعہ کرو۔ ہمارے ہر مصو کا سایہ حضور ﷺ کے کسی مصو کا سایہ نہیں پیت پاک میں مفک و غیر سے بہتر خوشبو۔

چھٹے اس طرح کہ شیخ عبدالحق مدارج النبوة جلد ۱ باب سوم وصل ارالہ شبہات میں فرماتے ہیں در حقیقت قشایہات اند علماء آب و معانی لائقہ تادیدات رائقہ کرد و رائج بحق ساحتہ اند۔ یہ آیات حقیقت میں قشایہات ہیں کہ علماء نے ان کے مناسب معانی اور بہتر تاویس کر کے حق کی طرف پھیرا ہے۔

اس سے معلوم ہو کہ جس طرح **یَسُوْ حَسْبِیْ اَلْحِی** فوق بدیہہ **بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ** و غیر وہ آیات جو بظاہر شان خداوندی کے خلاف معلوم ہوتی ہے وہ قشایہات ہیں۔ اسی طرح **اِنَّمَا بَشَرٌ** و غیر وہ آیات جو بظاہر شان مصطفیٰ کے خلاف ہیں قشایہات ہیں لہذا اس کے ظاہر سے دلیل

پکڑنا لفظ ہے۔

ساتویں اس طرح کے روز وصال کے بارے میں حضور نے فرمایا: **اِنَّكُمْ مَنَلِي** تم میں ہم جیسا کہ ہے؟ چنانچہ نقل پڑھنے کے بارے میں فرمایا: **لَكُنْ لِسْتُ كَحَدِّكُمْ** لیکن ہم تمہاری طرح نہیں۔ صحابہ کرام نے بہت موقعوں پر فرمایا: **اِنَّكُمْ مَنَلِي** ہم میں حضور علیہ السلام کی طرح کوں ہے؟ حادثہ تو فرمادی ہیں کہ حضور علیہ السلام ہم جیسے نہیں اور اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم جیسے ہی ہیں ان میں مطابقت کرنا ضروری ہے وہ اسی طرح ہو سکتی ہے کہ آیت میں تاویل کی جاوے۔

”ظہویں اس طرح کہ تفسیر سورہ مریم میں **كَبَّيْعَصَ** کے تحت ہے کہ حضور علیہ السلام کی تین صورتیں ہیں۔ صورت بشری، صورت حق، صورت مکی شریعت کا ذکر **اِنَّكُمْ مَنَلِي** کا ذکر ہوا۔ **مَنْ رَاسِي فَخَذَرُ الْحَقِّ** جس نے ہم کو دیکھا حق کو دیکھا صورت مکی کا ذکر **لِي مَعَ اللَّهِ** وقت لا یسفی فیہ منک مفرت ولا نبی مر من بعض وقت ہم واللہ سے وقرب ہوتا ہے کہ اس میں مقرب فرشتہ کی گنجائش ہے نہ مرسل نبی کی۔ معراج میں سورہ بقرہ کی طاققت جبریل ختم ہو گئی۔ مگر حضور علیہ السلام کی بشری طاققت کی بھی ابتدا نہ تھی اس آیت میں محض یک صورت کا ذکر ہے۔

نویں اس طرح کہ **بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ** میں یہ تو فرمایا کہ ہم تم جیسے بشر ہیں یہ نہ فرمایا کہ کس وصف میں تم جیسے ہیں۔ جس طرح تم محض بندہ ہو۔ نہ خدا نہ خدا کے بیٹے نہ خدا کی صفات سے موصوف اسی طرح عبد اللہ ہوں نہ ابن اللہ ہوں جیسا بچوں نے چند معجزات دیکھ کر عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہہ دیا۔ تم ہمارے صد ہا معجزات دیکھو یہ نہ کہہ دینا بلکہ عبد اللہ و رسول۔

تفسیر کبیر شروع پارہ ۱۲ پر آیت **فَقَالَ الْخَلَاءُ لَدُنْهِ كَفَرُوا** قصہ نوح میں ہے کہ یہی بشر اس لئے ہوتے ہیں کہ اگر فرشتہ ہوتے تو لوگ ان کے معجزات کو نہ کی مکی طاققت پر محسوس کر دیتے۔ آپ جب بشر ہو کر یہ معجزات دکھاتے ہیں تو ان کا کمال معلوم ہوتا ہے فرسید انبیاء کی بشریت اس کمال ہے ہند آیت کا مقصود یہ ہو کہ ہم تم جیسے بشر ہو کر ایسے معجزات دکھاتے ہیں۔ تم تو دکھا دو۔

دسویں اس طرح کہ بہت سے لفظ وہ ہیں جو تفسیر پڑھنے سے متحمل فرما سکتے ہیں اور وہ ان کا کمال ہے گرد و سرا کوئی ان کی شان میں یہ کہے تو گستاخی ہے دیکھو آدم علیہ السلام نے عرض کیا **رَبَّنَا ظَلَمْنَا** انفس جنس علیہ السلام نے رب سے عرض کیا **نُنِي كَسْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ** موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا **فَلْعَلَّهَا دَارُكَ مِنْ نَصْلِ لِسْ** لیکن کوئی دوسرے گرجن حضرت کو ظالم یا ضال کہے تو ایمان سے خارج ہوگا۔ اسی طرح بشر کا لفظ بھی ہے۔

اعتراض ۹ حضور علیہ السلام نے اپنے حلقہ فرمایا **اَكْرَمُوْا** احکم تم اپنے بھائی کا (ہمارے) احترام کرو جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہمارے بھائی ہیں۔ مگر بڑے بھائی ہیں نہ کہ چھوٹے۔

(۳) قرآن فرماتا ہے۔

وَلِي مَدْيَنَ اِحٰفَهُ شُعَيْبًا وَّلِي لُثْمُوْدَ اِحٰفَهُ صَالِحًا وَّلِي عَادٍ اِحٰفَهُ هُوْدًا (پارہ ۹ سورہ ۲۱)

”یہ آیات میں رب نے انبیاء کے کرام کو مدین شعیب اور عاد کا بھائی فرمایا معلوم ہوا کہ انہی ماعتبوں کے بھائی ہوتے ہیں۔“

جواب حضور علیہ السلام نے اپنے کرام کو مدین شعیب اور عاد کا بھائی فرمایا **اِحٰفَهُ** اس فرمے سے ہم کو بھائی کہنے کی جازت کیسے ملی؟ ایک بادشاہ اپنی رعایا سے کہتا ہے کہ میں آپ لوگوں کا خادم ہوں تو رعایا کو حق نہیں کہ بادشاہ کو خادم کہہ کر پکارے۔ اسی طرح رب سے ارشاد فرمایا کہ حضرت شعیب وصالح و ہود علیہم السلام مدین اور لثموذ اور عاد تو قوموں میں سے تھے۔ کسی اور قوم کے تھے۔ یہ بتانے کے لئے **اِحٰفَهُ** فرمایا یہ کہاں فرمایا کہ ان کی قوم وادوں کو بھائی کہنے کی جازت دی گئی ہے۔ اور ہم پہلے باب میں ثابت کر چکے ہیں کہ انبیاء کے مکتوبہ برائی کے القاب سے پکارنا حرام ہے اور لفظ بھائی برابری کا لفظ ہے۔ باب بھی گوارہ نہیں کرتا کہ اس کا بیٹا اس کو بھائی کہے۔

اعتراض ۱۰ قرآن کہتا ہے **لَمَّا الْمَوْصُورِ اِحْوٰةً مُّسْلِمًا** ان میں بھائی ہیں اور حضور علیہ السلام بھی مومن ہیں لہذا آپ بھی ہم مسلمانوں کے بھائی ہوئے تو حضور علیہ السلام کو کیوں نہ بھائی کہا جاوے۔

جواب پھر تو خدا کو بھی اپنا بھائی کہو کیونکہ وہ بھی مومن ہے قرآن میں ہے **الْعَدُوْسُ سَلَامٌ** اور ہر مومن آپس میں بھائی۔ ہذا بعد بھی مسلمانوں کا بھائی معاد اللہ۔ بھائی کی بیوی بھی ہوتی ہے اور اس کا جناح طائر اور نیکی کی بیویاں مسلمانوں کی، ان میں ہیں ان سے نکاح کرنا حرام ہے (قرآن کریم) ہذا انہی ہمارے لئے مثال والد ہوئے والد کی بیوی ماں ہے۔ کے بھائی کی۔ جناب ہم تو مومن ہیں اور حضور علیہ السلام مومن ایمان۔

تصیّد پر وہ شریک میں ہے۔

فَالصَّدِيقُ فِي الْعَارِ وَالصَّدِيقُ لَمْ يُرَيَا ”یعنی عار و شرم میں صدق بھی تھا صدیق بھی تھے۔“

حضور علیہ السلام اور عام مومنین میں صرف لفظ مومن کا شراک ہے جیسے رب اور عام مومنین میں نہ کہ حقیقت مومن میں ہم اور طرح کے مومن ہیں انکی تفصیل ہم جواب نمبر ۱ بیان کر چکے ہیں۔

اعتراض ۵ حضور علیہ السلام اور آدم ہیں ہماری طرح کھاتے پیتے سوتے جاگتے اور مد کی گذارتے ہیں بیمار ہوتے ہیں موت آتی ہے اتنی باتوں میں شرکت ہوتے ہوئے گو بشر بنا بھی کیوں نہ کیا جاوے۔

جواب اس کا فیصلہ مشغی میں خوب فرما دیا ہے۔

گفت ایک ما بشر ایٹاں بشر	ما د ایٹاں بہت غلام خود ا
ایں نہ واسطہ ایٹاں از علی	بہت فرقتہ درمیاں ہے ایٹا
ہر دو یک گل خورد و زبور و فعل	زاں یکے شد نیش رں دیگر عمل
ہر دو گوں آہو گیا خورد نہ و آب	زیں یکے سرگیں شد و راں مقلب
ایں خورد گرد و پایدی زیں چھا	وہاں خورد گرد و ہر نور خدا

کفار نے کہا ہم اور علیہ السلام بشر ہیں کیونکہ ہم اور وہ دونوں کھانے پینے میں وابستہ ہیں نہ وہوں نے یہ نہ جانا کہ دنیا میں بہت بڑا فرق ہے۔ بھڑ اور شہد کی مکھی ایک ہی پھوس چوتی ہے مگر اس سے ربر اور اس سے شہد بنتا ہے۔ دونوں جرن ایک ہی نہ پانی کھاتے ہیں۔ مگر ایک سے پاخانہ اور دوسرے سے مشک بنتا ہے۔ یہ جو کھاتا ہے اس سے چیدی بنتی ہے نبی کے کھانے سے نور خدا ہوتا ہے۔

یہ سو تو ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ میری کتاب اور قرآن یکساں ہیں۔ کیونکہ دونوں ایک ہی روشنائی سے ایک کاغذ پر ایک ہی قلم سے لکھی گئیں۔ ایک ہی قسم کے حروف گھٹی و دلوں نہیں ایک ہی پریش میں چھپیں۔ ایک ہی جھد سار نے جھد بانڈی۔ ایک ہی اندری میں رکھی گئیں پھر ن میں فرق ہی کیا ہے۔ مگر کوئی یہ قوف بھی نہیں کہے گا کہ اس خط بری باتوں سے ہماری کتاب قرآن کی طرح ہوگئی۔ تو ہم صاحب قرآن کی مثل کس طرح ہو سکتے ہیں؟ یہ نہ دیکھا کہ حضور کا کلمہ پڑھا جاتا ہے ان کو معراج ہوتی۔ کو نماز میں سلام کرتے ہیں ان پر درود بھیجتے ہیں۔ تمام عبادت و اولیاءان کے خدام ہار گاہ ہیں۔ یہ اوصاف و صفات تو کیا مانگ کو بھی نہ ملے۔

فَمُحَمَّدٌ بَشَرٌ لَّا كَالْبَشَرِ ”حضور علیہ السلام بشر ہیں عام بشر نہیں“

يَا قُوتٌ حَمَرٌ لَّا كَالْحَمَرِ ”یا قوت پھر ہے مگر عام پھر نہیں“

بعض دین بندی کہتے ہیں کہ اگر حضور کو بشر کہنا حرام ہے تو چاہئے کہ نہ اس پر عہد کہنا بھی حرام ہو کہ سب کے معنی قریب قریب ہیں ہر جگہ میں **غَبْدٌ وَرَسُولُهُ کَیْسَ کہتے ہو؟**

جواب یہ ہے کہ لفظ بشر کفار بہت اہانت کہتے تھے اور نبی کو رب نے انسان یا عبد بطور تعظیم فرمایا **حَسْبُ الْاِنْسَانِ عُنْمَةُ الْيَمِينِ** اور اسری بعدہ **لَبَّاءُ** لہذا یہ الفاظ تعظیم کہتا جائز ہے اور بشر بہا حرام ہے جیسے **دَاعَا** اور **اَنْطَرْنَا** ہم معنی ہیں۔ مگر **دَاعَا** کہنا حرام ہے کہ طریقہ کفار ہے۔

ڈاکٹر قبائل نے کیا خوب فرمایا۔

عہد دیگر عہد چیزے دیگر **لو سراپا انتظار او منتظر**

حضور کی عہدیت سے رب کی شان ظاہر ہوتی ہے۔ در رب کی عظمت سے ہماری عہدیت چمکی وزیر بھی شاہی خادم ہے اور سپاہی بھی مگر وزیر سے بادشاہ کی شان کا تمہور اور شاہی نوکری سے سپاہی کی عزت۔

اعتراض ۶ شاکل ترمذی میں حضرت صدیق کی روایت ہے کہ فرماتی ہیں **کَیْسَ بَشَرٌ مِّنَ الْبَشَرِ** حضور علیہ السلام بشر ہیں میں سے ایک بشر تھے۔ اسی طرح جب حضور علیہ السلام سے عائشہ صدیقہ کو پتی زوجیت سے شرف فرمایا چاہا۔ تو صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں آپ کا بھائی ہوں کیا میری دختر آپ کو حلال ہے۔ یہ کہو حضرت عائشہ نے حضور علیہ السلام کو بشر کہا اور صدیق نے اپنے کو حضور کا بھائی بتایا۔

جواب بشر یا بھائی کہہ کر پارتا یا محاورہ میں نبی علیہ السلام کو یہ کہنا حرام ہے عقیدہ کے بیان یا دریاقت مسائل کے اور احکام ہیں۔ حضرت صدیقہ یا صدیق رضی اللہ عنہما عام گفتگو میں حضور علیہ السلام کو بھائی یا بشر کہتے تھے یہاں ضرورتاً اس کلمہ کو استعمال فرمایا ہے صلفاً الکبریٰ تو یہ لڑائی ہیں

کہ حضور علیہ السلام کی زندگی پاک نہایت بے تکلفی اور سادگی سے عام مسلمانوں کی طرح گزری کہ چناہر کام اپنے ہاتھوں سے انجام دیتے تھے۔ اسی طرح حضرت صدیق اکبر نے مسئلہ دریافت کیا کہ حضور نے مجھے خطاب اخوت سے نوازا ہے کیا اس خطاب پر حقیقی بھائی کے احکام جاری ہونگے یا نہیں؟ اور میری ورہ حضور کو حلال ہوگی یا نہیں؟ ہم بھی عقیدے کے ذکر میں کہتے ہیں کہ نبی بشر ہوتے ہیں۔ حضرت خلیل نے ایک ضرورت پر حضرت سارہ کو فرمایا **ہذا اختی** یہ میری بہن ہیں سارا نکدہ آپ کی بیوی تھیں۔ اس سے لارہ نہیں آتا کہ حضرت سارہ اب آپ کو بھائی کہہ کر پکارتیں۔

ہم اس حضرات کا عام محاورہ دیکھتے ہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ حضور علیہ السلام رشتہ میں صدیقہ کے رواج اور سیدنا علی کے بھائی حضرت عباس کے بھائی کی اور وہ ہیں۔ مگر یہ حضرت جب بھی روایت حدیث کرتے ہیں تو صدیقہ یہ نہیں فرماتیں کہ میرے رواج سے فرمایا یہ حضرت عباس یا حضرت علی رضی اللہ عنہما یہ نہیں کہتے کہ ہمارے بھتیجے یا ہمارے بھائی نے یہ فرمایا۔ سب یہی فرماتے ہیں **فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم** تو جو حضرات رشتہ کے لحاظ سے بھائی ہیں وہ بھی بھائی نہیں کہتے تو ہم کینوں غلاموں کو کیا حق ہے کہ بھائی کہیں۔

نسبت خود بسکت کردم و اس معظم
ز انکہ نسبت بسکت کوئے تشبہ ادبی است
بزر ہار بشویم دامن بھک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کس ہے ادبی است

جناب شروع اسلام میں تو یہ حکم تھا کہ حضور علیہ السلام سے کچھ عرض کرنا چاہے۔ وہ پہلے کچھ صدقہ دے بعد میں عرض کرے۔

قرآن فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا حِمْزُ الْوَسْوَءِ فَهَذَا مَوَائِيسُ يَدِي مَحْوُكُهُ صَدَقَةٌ (پہرہ ۲۸ سورہ ۵۸ آیت ۲)

”یعنی اے ایمان والو! جب تم رسول سے کوئی بات آہستہ عرض کرنا چاہو تو اپنی عرض سے پہلے کچھ صدقہ دے لو۔“

سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر عمل بھی کیا کہ ایک دن غزوات کر کے دس مسائل دریافت کئے (تعمیہ حازن پی تبت) مگر یہ حکم اگرچہ منسوخ ہو گیا۔ مگر محبوب علیہ السلام کی عظمت شان کا پتہ لگ گیا کہ نماز میں رب سے ہم کلام ہو تو صرف وضو کرو۔ لیکن حضور علیہ السلام سے عرض معروض کرنا ہو تو صدقہ کرو پھر بھائی کہنا کہاں رہا؟

بحث نداء یا رسول اللہ یا نعرہ یا رسول اللہ

حضور علیہ السلام کو دریا دریا سے پکارتا جا کر ہے۔ ان کی ظاہری زندگی پاک میں بھی درپردہ وقفات شریف بھی خواہ ایک ہی شخص عرض کرے یا رسول اللہ یا ایک جماعت مل کر نعرہ رسالت گائے۔ یا رسول اللہ ہر طرح جا کر ہے۔ اس بحث کو ہم دو باب میں تقسیم کرتے ہیں۔

پہلا باب

نداء یا رسول اللہ کے ثبوت میں

حضور علیہ السلام کو نہ مکرنا قرآن کریم فعل طاعت صحابہ اور عمل امت سے ثابت ہے قرآن کریم سے بہت مقامات میں حضور علیہ السلام کو نہ مکرنا یا ایہا النبی یا ایہا الرسل یا ایہا المرسلین یا ایہا المدثر وغیرہ تمام آیات میں حضور علیہ السلام کو پکارا گیا ہے۔ ہاں دیگر انبیائے کرام کو اس کے نام سے پکارا یا ہو کہ یہ عیسیٰ یا یحییٰ یا یزیدیم یا آدم وغیرہ مگر محبوب علیہ السلام کو پیارے پیارے القاب سے نہ مکرنا یا۔

یا آدم است یا پدر نبیاء خطاب یا ایہا النبی خطاب محمد است

بلکہ قرآن کریم نے عام مسلمانوں کو بھی پکارا یا ایہا تدبیر امور اور مسلمانوں کو قسم دیا کہ ہمارے محبوب علیہ السلام کو پکارو مگر جسے القاب سے لاتجمعوا ذعاء الرسل بیکم کذعاء بعضکم بعضا اس میں حضور علیہ السلام کو پکارنے سے نہیں روکا گیا بلکہ فرمایا گیا ہے کہ ادب کی طرح۔ پکارو۔

قرآن نے فرمایا ادعواہم لا بآء ہم را کوں کے باپ کی طرف نسبت کر کے پکارو۔ اس آیت میں جہالت ہے کہ یہ اس عارضہ میں اللہ کو پکارو۔ مگر اس کو ابن حارث کہ ابن رسول اللہ نہ کہو۔ اسی طرح کفار کو جہالت دی گئی کہ وہ اپنے مدکاروں کو اپنی امداد کیلئے بدلیں وادعوا شہداءکم ذون اللہ ان کنتم صدقین

مشکوٰۃ کی جمل حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل نے عرض کیا یا محمد احرمی عن الاسلام یہ پائی گئی۔ مشکوٰۃ باب وفات النبی میں ہے بوقت وفات ملک الموت نے عرض کیا۔ یا محمد ان اللہ ارسیب الیک نہ پائی گئی۔ اس باب صلوٰۃ میں حضرت عثمان ابن حنیف سے روایت ہے کہ ایک تاجر نے ہار گاہ رسالت میں حاضر ہو کر طالب دعا ہوئے را کو یہ عارضہ دہوئی۔

اللہم بنی اسدک واتو خہ الیک یا محمد بنی لرحمۃ یا محمد انی قد نوجہت بک الی ربی فی حاجتی ہدہ لتعصی اللہم فشفعہ فی قال ابو اسحق ہذا حدیث صحیح

اے اللہ میں تجھ سے مدد مانگتا ہوں درتیری طرف حضور علیہ السلام نبی الرحمتہ کے ساتھ توجہ ہوتا ہوں یا محمد ﷺ میں نے آپ کے ذریعہ سے اپنے رب کی طرف اپنی اس حاجت میں توجہ کی تاکہ حاجت چاری ہو۔ اے اللہ میرے لئے حضور کی شفاعت قبول فرما ابو اسحق نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ یہ دعا قیامت تک کے مسلمانوں کو سکھائی گئی ہے اس میں نہ بھی ہے اور حضور علیہ السلام سے مدد بھی مانگی ہے۔

عالمگیری جلد اول کتاب الحج آداب زیارت قبر نبی علیہ السلام میں ہے۔

ثم یقول السلام علیک یا نبی اللہ اشہد انک رسول اللہ
اے نبی آپ پر سلام ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے نبی ہیں۔

پھر فرماتے ہیں ویقول السلام علیک یا حبیبہ رسول اللہ علیک یا صاحب رسول اللہ فی الغد
پھر فرماتے ہیں فیقول السلام علیک یا میر العوالم السلام علیک یا مظهر الاسلام السلام علیک یا مفسر الاصاب یعنی صدیق اکبر کو یوں سلام پیش کرے کہ آپ پر سلام ہوا اے رسول اللہ کے بچے جانشین۔ آپ پر سلام ہو اے رسول اللہ ﷺ کے عار کے ساتھی۔ اور حضرت فاروق کو یوں سلام کرے کہ آپ پر سلام ہوا اے مسلمانوں کے امیر آپ پر سلام ہو۔ اے اسلام کو چکانے والے آپ پر سلام ہوا۔ نبیوں کو توڑنے والے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اس میں حضور علیہ السلام کو بھی ندا ہے اور حضور کے پہلو میں آرام فرماتے والے حضرت صدیق و فاروق کو بھی۔ اکابر امت اولیاء ملت مشائخ و بزرگماں دین اپنی دعاؤں اور وظائف میں یا رسول اللہ کہتے ہیں۔

تفسیر پروردگار ہے۔

سواک عبد خنول الحادث العمم

"کہ مصیبت عامہ کے وقت جس کی پناہ لوں"

یا اکرم الخلق مافی من الذوبہ

"اے بہترین مخلوق" کہے سو میرے کوئی نہیں"

امام زین العابدین فرماتے ہیں اپنے قصیدہ میں۔

محبوس ایدی الظمیں فی موکب الفردھم

"وہ اس زوحام میں ظالموں کی قید میں ہے"

یا رحمۃ للعنیں ادرك لدین العابدین

"اے رحمتہ معالین زین العابدین کی مدد کو پہنچے"

مولانا جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

نہ سخر رحمۃ للعالمی زعم و ماں چہ فارغ نشینی

زنجبوری برآمد جان عالم رحم یا نبی اللہ رحم

جہاں سے عالم کی جان نکل رہی ہے۔ یا نبی اللہ رحم فرما۔ کیا آخر آپ رحمۃ للعالمیں نہیں ہیں پھر ہم مجرموں سے فارغ کیوں ہو بیٹھے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے قصیدہ نعمان میں فرماتے ہیں۔

ارخور صاک و احسی بحماک

یا سید السادات حنک قاصد

اے پیشواؤں کے پیشوا میں دلی قصد سے آپ کے حضور آیا ہوں آپ کے مرض کا امیدوار ہوں۔ اور اپنے کو آپ کی پناہ میں دیتا ہوں۔

ان اشعار میں حضور کو برا بھی ہے اور حضور علیہ السلام سے استغاثت بھی اور یہ خدا اور سے بعد وفات شریف ہے۔ تمام مسلمان غبار میں کہتے ہیں۔

السَّلامُ عَمِیکَ اَیُّہا اَسْتُ وِرحمۃ اللہ وبرکاتہ یہاں حضور علیہ الصلوٰۃ کو پکارنا واجب ہے۔ التقیات کے متعلق ہم شامی اور

اشعۃ المعانی کی عبارتیں حاضر دنا طرکی بحث میں پیش کر چکے ہیں وہاں دیکھو یہ مشکوٰۃ تھی تہا یا رسول اللہ کہنے کہ۔ اگر بہت لوگ مل کر غزوہ رسالت

لگائیں تو بھی جائز ہے کیونکہ جب ہر شخص کو یا رسول اللہ کہنا جائز ہو تو ایک ساتھ فکر بھی کہنا جائز ہے چند مباح چیزوں کو کھانے سے مجموعہ مباح ہی ہوگا

جیسے برائی حلال ہے۔ اس کے حدوں چیزوں کا مجموعہ ہے یزائ کا ثبوت صریح نہیں ہے۔

مسلم آخر جلد دوم باب حدیث ابجر قال میں حضرت براہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب حضور علیہ السلام ہجرت فرما کر مدینہ پاک داخل ہوئے۔

فصعد الزحان والساء فوق النیوب وصرق العمدان والحدہ فی الطروق یاذاؤن یا فحمہ یا رسول

اللہ یا فحمہ یا رسول اللہ

"تو عورتیں اور مرد مکر کی پھٹوں پر چڑھ گئے اور بچے اور غلام لگی کوچوں میں متفرق ہو گئے نعرے لگاتے پھرتے تھے یا محمد یا محمد یا رسول اللہ یا محمد یا رسول اللہ۔"

اس حدیث مسلم سے نعرہ رسالت کا صریح ثبوت ہو اور معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کرام نعرہ لگایا کرتے تھے۔ اسی حدیث ہجرت میں ہے کہ صی یہ کرام

نے جنوں بھی لگلا ہے اور جب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سفر سے واپس مدینہ پاک تشریف لاتے تو اہل مدینہ حضور علیہ السلام کا استقبال کرتے

اور جنوں نکالتے (دیکھو مشکوٰۃ بخاری وغیرہ) جلسہ کے معنی ہیں۔ میٹھک یا مشقت، جنوں اس کی جمع ہے جیسے جلسہ کی جمع جلوس۔ بعضی کو زور دہن ذکر

انہی کا جلسہ ہے کہ ایک ہی جگہ ادا ہوتی ہے اور حج کا ذکر جنوں کہ اس میں محوم پھر کر دکر ہوتا ہے قرآن سے ثابت ہے کہ تابوت یکینہ کو ملائکہ بالکل

جلوس لائے۔ یوقت ولادت پاک اور معراج میں فرشتوں نے حضور کا جلوس لگلا۔ اور اچھوں کی نقل کرنا بھی باعث ثواب ہے۔ لہذا یہ مردی

جلوس اس اصل کی نقل ہے اور باعث ثواب ہے۔

دوسرا باب

خدا۔ یا رسول اللہ پر اعتراضات کیے بیلی میں

(۱) قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَلَا تَدْعُ مِ دُونَ اللَّهِ مَا لَا يَفْعَلُ وَلَا بَصُرُكَ (پارہ ۵ سورہ ۱۰۶ ص ۱۰۶)

”لہ کے سوا اں کو نہ پکارو جو تم کو نفع (نقصان نہ پہنچا سکیں۔“

معلوم ہوا کہ غیر خدا کا پکارنا منع ہے۔

وَيَدْعُونَ مِ دُونَ اللَّهِ مَا لَا يَفْعَلُهُ وَلَا بَصُرُهُ

”خدا کے سوا اں کو پکارتے ہیں جو ان کے لئے نافع و معزز نہیں۔“

ثابت ہوا کہ غیر خدا کو پکارنا بت پرستوں کا کام ہے۔

جواب اس جگہ میں جہاں بھی غلط دعا ہے اس مرد یا عورت (دیکھو جہاں میں اور دیگر تفسیر) معنی یہ ہیں کہ اللہ کے سوا کسی کو

مست پکارو۔ دوسری آیات اس معنی کی تائید کرتی ہیں رب فرماتا ہے وَمِمَّنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ اٰنْہَا اٰحْمَرُ جو خدا کے ساتھ دوسرے معبود کو

پکارے (عبادت کرے) معلوم ہوا کہ غیر خدا کو نہ سمجھو نہ پکارتو نہ شکر ہے کیونکہ یہ غیر خدا کی عبادت ہے اگر اں آیات کے یہ معنی نہ کئے جاویں تو ہم

نے جو آیات واحادیث اور علماء دین کے اقوال پیش کئے ہیں میں غیر خدا کو پکارنا کیا ہے سب شرک ہوگا۔ پھر زندہ کو پکارو یا مردہ کو سامنے والے کو

پکارو یا دور والے کو سب ہی شرک ہوگا اور اذان ہم لوگ بھائی بہن دوست آشنا کو پکارتے ہی ہیں۔ تو عام میں کوئی بھی شرک سے نہ بچا۔ نیز شرک کہتے

ہیں غیر خدا کو خدا کی دست یا صفات میں شامل کرنا کسی کو اور دعا پکارنا اس میں کوں سے صحت الٰہی میں داخل کرنا ہے پھر یہ شرک کیوں ہوا؟

(۲) فَذْكُرُوْا اللّٰهَ قَبْلَ مَا نَذْكُرُ عَلٰی جُنُوْكُمْ ”پس اللہ کو کھڑے بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر یاد کرو۔“

اس سے معلوم ہوا کہ اٹھتے بیٹھتے غیر خدا کا نام جپنا شرک ہے صرف اللہ ہی کا ذکر کرنا چاہیے۔

جواب اس آیت سے ذکر رسول اللہ کو ضرور شرک سمجھنا ناہی ہے۔ تہ تو یہ فروری ہے کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو ہر حال میں ہر

طرح خدا کا ذکر کر سکتے ہو۔ یعنی نماز میں تو پابندی تھی کہ بغیر وضو نہ ہو، بعد رکوع اور قعدہ میں جلوس قرآن کریم۔ ہو بلا طر بیٹھ کر یا بیٹھ کر نہ ہو مگر

جب نماز سے فارغ ہو چکے تو یہ پابندی اٹھ گئیں۔ ب کھڑے بیٹھے اپنے ہر طرح خدا کو یاد کر سکتے ہوں

اس آیت میں چند امور قائل غور ہیں یک یہ کہ یہ اسر فاد شکرو اللہ وجوب کے لئے نہیں صرف جو رکے لئے ہے کہ نماز کے علاوہ چاہے خدا کو یاد

کر و خور غیر خدا کو خواہ بالکل خاموش رہو ہر بات کی اجازت ہے دوسرے یہ کہ اگر یہ امر واجب کے لئے بھی ہو تو بھی ذکر غیر اللہ ذکر اللہ کی نفی نہیں

تاکہ ذکر اللہ کے واجب ہوئے سے یہ حرام ہو جاوے بلکہ ذکر اللہ کی نفی عدم ذکر اللہ ہے تیسرے یہ کہ اگر ذکر اللہ کی نفی میں بھی ن جاوے تب

بھی ایک نفی کے واجب ہونے سے دوسری نفی زیادہ سے زیادہ حرام ہوگی نہ کہ شرک۔ مگر خیال رہے کہ حرام یا فرض ہونا فعل کی صفت ہے نہ کہ

عدم فعل کی۔ چوتھے یہ کہ حضور علیہ السلام کا ذکر ہوا۔ اللہ خدا ہی کا ذکر ہے۔

مِمَّنْ يَطْعُ الرُّسُوْلَ فَلَهُ اَصْحٰ اللّٰه (پارہ ۵ سورہ ۳ ص ۹۰)

”جس نے رسول اللہ کی فرمانبرداری کی اس کے لئے اللہ کی فرمانبرداری کی۔“

جب کلمہ نماز حج درود و خطبہ اذان فرض کہ ساری عبادت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذکر داخل اور مردی ہے تو نماز سے خارج نکاح کر اٹھتے بیٹھتے

کیوں حرام ہوگا جو شخص ہر حال میں اٹھتے بیٹھتے درود شریف یا کلمہ پڑھے تو حضور کا ذکر کر رہا ہے ثواب کا مستحق ہے پانچویں اس طرح

نہایت بد اس لیے اور سورہ منافقوں اور وہ آیات جس میں کفار یا بتوں کا ذکر ہے ان کا پڑھنا ذکر اللہ ہے یا نہیں ضرور ہے کیونکہ یہ قرآنی

آیات ہیں۔ ہر کلمہ پہ ثواب ہے اگر چہ اں آیات میں نہ کو کفار یا بت ہیں مگر کلمہ تو اللہ کا ہے۔ کلام ہی کا ذکر تو ذکر اللہ ہو۔ مگر رحمت الٰہی یا اور بھی

محمد رسول اللہ کا ذکر اللہ ہو یہ کیا اصراف ہے؟ قرآن میں ہے فَاٰنْ فِرْعَوْنُ فِرْعَوْنُ نے کہا فَاٰنْ پڑھنے پر تمہیں ثواب اور غلط فہموں پڑھنے پر

پچاس ثواب کیونکہ ہر حرف کے دس ثواب ہیں تو فرعون کا نام قرآن میں پڑھا گیا پچاس نیکیاں ہیں اور محمد رسول اللہ کا نام لیا تو شرک ہو گیا۔ یہ کیا

مصل ہے؟ ساتویں اس طرح کہ حضرت یعقوب علیہ السلام مفرق حضرت یوسف میں اٹھتے بیٹھتے حضرت یوسف کے نام کی رٹ فرماتے تھے اور ن

کی یاد میں اس قدر روئے کہ آنکھیں سفید ہو گئیں اسی طرح حضرت آدم فریق حضرت نوح، میں حضرت ابراہیم العابدین فریق امام حسین میں اٹھتے بیٹھتے ان کے نام چپا کرتے تھے اور ہر جان حال یہ کہتے تھے۔

حال من در ہجرت والہ کمر ریہ مقبوع نیست اور ہر گم کردہ یودن پدہ گم کردہ ایم

بتاؤں پر یہ حکم شرک جاری ہوگا یا نہیں اگر نہیں تو آج تو عاشق ہر حال میں اپنی نبی کو یاد کرے وہ کیوں شرک ہوگا؟ ایک تاجر دن رات تجارت کا ذکر کرتا رہتا ہے طاب علم دل رت ہر حال میں سبقت یاد کرتا ہے۔ وہ بھی غیر خدا کا نام چپ رہا ہے وہ کیوں شرک نہیں۔

نوٹ ینا مگر صاحب میں ہمارا درمونی ثناء اللہ امرتسری کا اسی مسئلہ نہ یا رسول اللہ پر متاثر ہو۔ ثناء اللہ صاحب سے یہی آیت قریش کی۔ ہم نے صرف تین سوال کئے ایک یہ کہ قرآن میں امر کتنے معنی میں آیا ہے اور یہاں کون سے معنی میں استعمال ہوا؟ دوسرے یہ کہ ایک نفیض کے وجہ ہونے سے دوسری نفیض حرم ہوگی یا نہیں؟ تیسرے یہ کہ ذکر اللہ کی نفیض کیا ہے؟ ذکر غیر اللہ یا عدم ذکر اللہ؟ جس کا جواب یہ دیا کہ آپ نے ان سوالات میں اصول فقہ اور منطق کو دخل دیا ہے یہ دونوں علم بدعت ہیں گویا کہ چٹل رہنا سنت ہے میراں سے سوال کیا کہ بدعت کی صحیح تعریف ایسی کر دو جس سے مغل میں دو حرام رہے اور اخبار احمدیٹ کا اناسنت ہو؟ یہ سوالات اب تک اس تمام پر قائم ہیں۔ ابھی وہ رندہ ہیں کوئی صاحب ان سے جو بات دلا دیں ہم مشکور ہوں گے مگر اب انہوں نے ثناء اللہ صاحب تو بغیر جواب دیئے انہوں سے چلے گئے کاش کوئی ان کے محقق صاحب جواب دے کر ان کی روح کو خوش کریں۔

اعتراض ۱ بخاری جلد دوم کتاب مسجد بن بحث مصالح باب الاخذ بالیدین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم کو حضور علیہ السلام نے اتھتات میں السلام عبیک اٹھا لئی و رحمته اللہ وبرکاته مکہ بافتہ فص قلد السلام عسی لئی صلی اللہ علیہ وسلم جب حضور علیہ السلام کی وفات ہوئی تو ہم نے اتھتات میں یوں پڑھا السلام علی النبی یعنی شریع بخاری میں اس حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

لفظاھز ہاٹھہم کسوا یقولون السلام عبیک مکف لحصہ فی حباہ نسی علیہ السلام لثامات لرسولوا لخطب و ذکر وہ بدقط العیبة فصارو یقولون السلام علی النبی

"حدیث کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ صحابہ کرام حضور کی زندگی پاک میں اسلام علیک کاف خطاب سے کہتے تھے لیکن جبکہ حضور علیہ السلام کی وفات ہوئی تو خطاب چھوڑ دیا اور لفظ ثامات سے ذکر کیا اور کہنے لگے۔"

اس حدیث اور شرح کی عبارت سے معلوم ہو کہ اتھتات میں اسلام صیف بہار مدگی پاک مصطفیٰ صیہ سلام میں تھا حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد اتھتات میں بھی مداء کو چھوڑ دیا گیا تو جب صحابہ کرام نے اتھتات میں سے خدا کو نکال دیا تو جو شخص لڑ کے خارج میں یا روضہ لندہ وغیرہ کہے تو بالکل علی شرک ہے۔

جواب بخاری اور بخاری کی یہ عبارات تو آپ کے خلاف بھی ہیں کیونکہ آج تک کسی امام مجتہد نے اتھتات کے بدلنے کا حکم نہ دیا۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابن مسعود کی اور امام شافعی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی اتھتات اختیار فرمائیں۔ مگر دونوں اتھتات میں السلام عبیک اٹھا لئی ہے غیر مقلد بھی حواہ ثنائی ہوں یا غرضی یہی خطاب و اتھتات پر مبنی ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہ کرام نے اپنے اجتہاد سے اتھتات کو بدلا اور حدیث مرفوعہ کے مقابل اجتہاد صحابی قبول نہیں۔ اور ان صحابہ کرام نے بھی اس لئے تبدیل نہ کیا کہ مذہب غائب حرم ہے۔ اور زندگی پاک میں دور رہنے والے صحابہ خطاب و اتھتات نہ پڑھتے۔ آخر میں بخیر، مکہ مکرمہ، نجد، عراق تمام جگہ لڑ رہی تھی۔ تو اس میں وہی اتھتات پڑھی جاتی تھی۔ خدا عاتب برہم ہوتی تھی۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو حجاز میں تشریف فرما تھے اور مدائن اتھتات ہر جگہ پڑھی جا رہی تھی نہ حضور علیہ السلام نے منع فرمایا نہ صحابہ کرام نے کچھ شریک کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اتھتات سکھاتے وقت یہ فرمایا تھا کہ یہ اتھتات صرف ہماری زندگی پاک میں ہے اور ہماری وفات شریف کے بعد دوسری پڑھنا۔

فتاویٰ رشیدیہ جلد ۱۱ کتاب الخطائے صغیرہ میں ہے۔ "مہمہ اصیغہ خطاب کو بدن ضروری نہیں اور اس میں تقلید بعض صحابہ کی ضروری نہیں۔ ورنہ خود حضور علیہ السلام فرماتے کہ بعد میرے انتقال کے خطاب نہ کرنا۔ بہر حال صیغہ خطاب رکھنا اولیٰ ہے۔ اصل تعلیم اسی طرح ہے۔ خلاصہ جو یہ ہو کہ بعض صحابہ کا یہ فعل حجت نہیں ورنہ ہم آدھے گا کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں شرک ہوتا رہا۔ ورنہ نہ فرمایا گیا۔ بعد میں بھی بعض نے بدل نہ کر کے لے۔"

بلکہ مرقات باب التعمید فیہ فصل میں ہے۔ **وَأَفْهَوْنَ مِنْ مَسْغُودٍ كَثَافَتُوهُ الْحَقُّ فَهُوَ رَوَانَتُهُ ابْنِ عَوَانَتِهِ وَرَوَانَتُهُ الْبَحَارَتِ أَصْلُ فِيهَا أَنْ دَلَّكَ لَيْسَ مِنْ قَوْلِ ابْنِ مَسْغُودٍ سَ مِنْ فِيهِ الرُّوَانَةُ وَلَقَطَهَا فَمَقَابِلُ قُلُوبِ سَلَامٍ يَعْنِي عَلَى النَّبِيِّ فَقَوْلُهُ فَمَا سَلَامٌ يَعْمَلُ ثُمَّ أَرَادَهُ اسْمُ رَوَانَةٍ عَنِ مَا كُنَّا عِنْدَهُ فِي حَيَاتِهِ** اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام نے امتیاز ہرگز نہ بدلی یہ صرف روی کی قییم ہے نہ کہ اصل واقعہ۔

(۴) بعض وہابی یہ کہتے ہیں کہ کسی نبی یا ولی کو دور سے یہ سمجھ کر پکارنا وہ ہماری آواز سنتے ہیں شرک ہے کیونکہ دور کی آواز سننا تو خدا ہی کی صفت ہے غیر خدا میں یہ طاقت ماننا شرک ہے۔ اگر یہ عقیدہ ہو تو یا رسول اللہ یا خوث وغیرہ کہنا جائز ہے۔ جیسے ہوا کو نہ دیا کرتے ہیں ”سن اے ہوا وغیرہ کہ وہاں یہ خیال نہیں ہوتا کہ ہوائی ہے۔ ج کل عام وہابی یہی عذر پیش کرتے ہیں تو وہی رشید یہ وغیرہ میں اسی پر دروہا ہے۔

جواب دور سے آواز سننا ہرگز خدا کی صفت نہیں۔ کیونکہ دور سے آواز نہ سنے جو پکارنے والے سے دور ہو۔

رب تعالیٰ تو شریک سے بھی زیادہ قریب ہے خوفناک ہے۔

مَنْ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ”ہم تو شریک سے بھی زیادہ قریب ہیں۔“

وَدَامَا لَكَ عِبَادِي عَنِّي قَرِيبٌ ”جب میرے رب سے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو فرمادو کہ قریب ہیں۔“

مَنْ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ (پارہ ۲ سورہ ۲۰ آیت ۱۵)

”ہم اس بارے میں مقابلہ تمہارے زیادہ قریب ہیں مگر تم دیکھتے نہیں۔“

ہذا پروردگار تو قریب ہی کی آواز سنتا ہے ہر آواز اس سے قریب ہی ہوتی ہے کہ وہ خود قریب ہے اور اگر مان بیا جاوے کہ دور کی آواز سننا اس کی صفت ہے تو قریب کی آواز سننا بھی تو اس کی صفت ہے ہذا چاہیے کہ قریب والے کو بھی سامع سمجھ کر۔ پکارو۔ ور۔ شرک ہو جاوے گے سب کو بہرہ جانو۔ نیز جس طرح دور کی آواز سننا خدا کی صفت ہے اسی طرح دور کی چیز دیکھنا۔ دور کی خوشبو پانینا بھی تو صفت اسی ہے اور ہم علم طیب اور حاضر و ناظر کی بحث میں ثابت کر چکے ہیں کہ اوہاء اللہ کے لئے دور دور ایک یکساں ہیں۔ جب اس کی نظر دور قریب کو یکساں دیکھ سکتی ہے تو اگر اس کے کان دور دور ایک کی آوازیں سن میں تو کیوں شرک ہوا؟ یہ صفت نہ کو بہ عطا دہی حاصل ہوا۔ اب ہم دکھاتے ہیں کہ دور کی آواز نیوا اوہا سنا سکتے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے کنعان میں بیٹھے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کی ٹپیل کی خوشبو پاں اور فرمایا۔ **اِنْسِي لَاحِدَرِيحَ يَوْسُفَ** بتاؤ یہ شرک ہوا یا نہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ پاک سے حضرت ساریہ کو آواز دی جو مقام نہاد میں جنگ کر رہے تھے۔ اور حضرت ساریہ نے وہ آوازیں ہی (دیکھو مقلوۃ باب الکرامات فصل ثالث) حضرت فاروقی کی ”کھنے دور سے دیکھا حضرت ساریہ کے کان نے دور سے

سن۔ تفسیر روح البیاء وجہ بین ودارک وغیرہ تفسیر میں برآیت **وَأَذِنَ فِي النَّاسِ بِالْحَبَشَةِ** ہے کہ حضرت امیر ایم علیہ السلام نے خانہ کعبہ بنا کر پہاڑ پر کھڑے ہو کر تمام روحوں کو آواز دی کہ اے اللہ کے بندو چہو قیامت تک جو بھی پیدا ہونے والے ہیں۔ سب نے وہ آواز سن لی۔ جس نے بیسک کہہ یا وہ ضرور حج کرے گا اور جو روح خاموش رہی وہ کبھی حج نہیں کر سکتی کیسے یہاں تو دور کے علاوہ پیداؤں سے پہلے سب نے حضرت ظیل کی آوازیں ہی یہ شرک ہوا یا نہیں؟ اسی طرح حضرت ظیل نے ہارگا اور بظیل میں عرض کیا کہ مولیٰ مجھے دکھاوے کہ تو مردے کو کس طرح زندہ فرمائے گا تو حکم ہوا کہ چار پرندوں کو ذبح کر کے اس کے گوشت چار پہاڑوں میں رکھو **ثُمَّ دَغْنَسُ بِأَتَيْسِكِ** معنی پھر انہیں پکارو دوڑتے ہوئے ”نہیں گے۔ دیکھو مردہ جانوروں کو پکارا گیا اور وہ ڈارے ہوئے آئے تو کیا ولیا اللہ اس جانوروں سے بھی کہیں؟ ”ج ایک شخص مدین میں بیٹھ کر بذریعہ ٹیلیفون ہندوستان کے آدمی سے بات کرتا ہے اور یہ سمجھ کر اس کو پکارتا ہے کہ ہندوستان کا آدمی اس کہہ کے ذریعہ میری بات سنتا ہے یہ پکارنا شرک ہے کہ نہیں؟ تو اگر کسی مسلمان کا عقیدہ یہ ہو کہ قوت ہوتے شیعوں کی قوت سے زیادہ ہے اور حضرت عیسا قوت خدا سے ہر ایک کی آواز سنتے ہیں۔ پھر پکارے یا رسول اللہ الغیث تو کیوں شرک ہو حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک سفر میں جاتے ہوئے ایک جنگل میں چوٹی کی آواز دور سے سنی۔ وہ کہتی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ ادْخُلُوا مَسْكِنَكُمْ لَا يَحْصُمُكُمْ سُلَيْمٌ وَحَنُودُهُ وَهَبْ لَا يَشْفَعُكُمْ (پارہ ۹ سورہ ۲۰ آیت ۱۸)

”اے جو شیعوں نے گھروں میں چلی جاؤ تمہیں کچل نہ ڈالیں سلیمان اور اس کا لشکر بے خبری میں (پارہ ۹ سورہ شمل)“

تفسیر روح بیاں وغیرہ اسی آیت کے ماتحت ہے کہ آپ نے تمس میں سے جیوتی کی یہ آؤ زنی خیال کرو کہ جیوتی کی آواز اور تمس میں کا فاصلہ کیسے یہ
 شرک ہو کہ نہیں؟ مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر میں ہے کہ دفن کے بعد میت قبر میں سے باہر دھوکے پاؤں کی آؤ زنتی ہے اور زین کو دیکھتی
 اور پہنچاتی ہے اسی لئے قبرستان میں حاکم اہل قبور کو سلام کرنا چاہیے اس قدر مٹی کے نیچے ہو کر اتنی آہستہ آؤ زنتی کس قدر دور کی آواز سنتا ہے۔ کہو
 شرک ہو یا نہیں؟ ہم بحث علم غیب و باریہ القدیس مشکوٰۃ کتاب الدعوات کی حدیث نقل کر چکے ہیں کہ اللہ کا وہ عبادی طاقت سے دیکھتا، سنتا اور چھوتا
 ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ اپنی قوت سے عطا فرمادے۔ وہ اگر دور سے سنے تو کیوں شرک ہے؟ مخالفین کے معتقد اور مستحق ممولوی مہدائی صاحب
 لکھنوی قادیانی عہد لکھی کتاب العقائد صفحہ ۳۳ میں اس سب کے جواب میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ **لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ** حضور علیہ السلام کی
 شان ہے اور **فُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ** حضور علیہ السلام کی صفت ہے یک حدیث نقل فرماتے ہیں۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ چاند آپ کے ساتھ کیا معاملہ کرتا تھا۔ جبکہ آپ چہل روزہ تھے۔ آپ نے فرمایا
 کہ ماہر مشافہ نے میرا ہاتھ مضبوط باندھ دیا تھا۔ اس کی ادیت سے مجھ کو روٹا آتا تھا اور چاند منع کرتا تھا۔ حضرت عباس نے عرض کیا کہ ت
 دنوں آپ چہل روزہ (چالیس دن) کے تھے یہ حال کیونکر معلوم ہوا؟ فرمایا سوچ محفوظ پر قلم چل تھا اور میں سنتا تھا۔ حالانکہ حکم ماہر میں تھا
 اور فرشتے عرش کے نیچے تسبیح کرتے تھے اور میں نہ کی تسبیح کی آواز سنتا تھا۔ حالانکہ حکم ماہر میں تھا۔ اس روایت سے تو ثابت ہو کہ حضور علیہ
 الصلوٰۃ والسلام والدہ ماجدہ کے حکم میں ہی عرش و فرش کی تمام آوازیں سنتے تھے۔ حدیث میں ہے کہ جب کوئی عورت اپنے نیک شوہر سے لڑے تو
 جنت سے حور پاکر اسے ملامت کرتی ہے (مشکوٰۃ باب معاشرۃ النساء) معلوم ہوا کہ گھر کی کوٹھڑی کی جگہ کو حور اتنی دور سے دیکھتی ورنہ کتنی ہے اور
 پھر سے علم غیب بھی ہے اس آئی کا انہما بخیر ہوگا۔ اور میں سے دور کی چیز دیکھتے ہیں ریہ یونینیون سے دور کی آؤ زنتی ہیں۔ تو کیا بیوت و ریت کی
 طاقت بجلی کی طاقت سے بھی کم ہے معراج میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنت میں حضرت دس کی قدم کی آہستہ سنی حار نکہ دس کو معراج نہ ہوئی
 تھی ورنہ گھر میں تھے یہاں نماز تہجد کے لئے چل پھر رہے ہوں گے وہاں آہستہ سنی جاری تھی اور اگر حضرت دس بھی بحکم شان جنت میں
 پہنچے تو حاضر و ناظر کا ثبوت ہوا۔

ان سب باتوں کے متعلق مخالف یہی کہے گا کہ وہ تو خدا نے بتایا تو ان حضرات نے سن لیا۔ پس ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء کو حد دور کی
 آوازیں سننا ہے تو یہ سنتے ہیں خدا تعالیٰ کی یہ صفت، اتنی س کی عطائی۔ خدا کی یہ صفت قدیم۔ ان حضرات کی حادثہ۔ خدا کی یہ صفت کسی کے قبضہ
 میں نہیں اس کی یہ صفت خدا کے قبضہ میں خدا کا سنتا بغیر کان وغیرہ عضو کے۔ اس کا سنتا کان سے جسے فرق ہوتے ہوئے شرک کیا؟ اس کا خدا کے
 متعلق اور بہت کچھ کہا جاسکتا ہے مگر اسی قدر پر ہی کفایت ہے۔

بڑے عباس نے عقلمندوں کے لئے اوتھے چلے۔ اڑوے نے
 میں منیاد کچھ کے اس لوں پتھر بھی کلمہ پڑھوے نے

بحث اولیاء اللہ و انبیاء سے مدد مانگنا

اولیاء اللہ اور پیام کرام سے مدد مانگنا جائز ہے جبکہ اس کا عقیدہ یہ ہو کہ حقیقی خدا تو رب تعالیٰ ہی کی ہے یہ حضرات اس کے مظہر ہیں اور مسلمان کا یہ ہی عقیدہ ہوتا ہے کوئی جاہل بھی کسی ولی کو خدا نہیں سمجھتا۔ اس بحث میں دو باب ہیں۔

پہلا باب

غیر اللہ سے مدد مانگ کر ثبوت میں

غیر اللہ سے مدد مانگنے کا ثبوت قرآنی آیات، حدیث صحیحہ اور اقوال فقہاء و محدثین اور خود کائنات کے قوال سے ہے ہم ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں۔

قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ ذُرِّيَّتِكُمْ وَاللَّهُ يَكْتُبُ لَهُمْ صُحُفَهُمْ (پارہ ۲ سورہ ۲۴ آیت ۲۴)

”اور اللہ کے سوا اپنے سارے محتاجوں کو بلاؤ۔“

اس میں کفار کو دعوت دی گئی ہے کہ قرآن کی جیسا ایک سورہ خطا کر لے گا اور اپنی امداد کے لئے اپنے محتاجوں کو بلاؤ۔ غیر اللہ سے مدد لینے کی اچھارت دی گئی۔

قُلْ مَنْ ابْغَاكَ مِنَ اللَّهِ قُلْ الْخَوَارِجُونَ مَعْزُومٌ (پارہ ۳ سورہ ۳ آیت ۵۲)

”کہا مسیح نے کون ہے جو مدد کرے میری طرف اللہ کی کہا حواریوں نے ہم مدد کریں گے اللہ کے دین کی۔“

اس میں فرمایا گیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ میرا مددگار کون ہے۔ حضرت مسیح نے میرا اللہ سے مدد طلب کی۔

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (پارہ ۶ سورہ ۵ آیت ۲)

”مدد کرو ایک دوسرے کی وہ نیک کاموں کے اور نیکوئی کے اور نہ مدد کرو ایک دوسرے کی اوپر گناہ اور پاداشی کے۔“

اس آیت میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حکم دیا گیا۔

اِنْ تَضَرُّوا بِاللَّهِ يَضُرُّكُمْ (پارہ ۲۶ سورہ ۷ آیت ۱) ”کہ مدد کر دے تو اللہ کے دین کی مدد کر پکا وہ تمہاری۔“

اس میں خود رب تعالیٰ نے جو کہ می ہے اپنے بندوں سے مدد طلب فرمائی۔ رب تعالیٰ نے یثاق کے دس ارواح نبیاء سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں مہم لایا۔

لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَتَضَعُنَّ (پارہ ۳ سورہ ۳ آیت ۹۱) ”کہ تم اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔“

معلوم ہوا کہ اللہ کے بندوں کی مدد یثاق کے دن سے حکم ہے۔

اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ (پارہ ۲ سورہ ۲ آیت ۱۵۳) ”مدد طلب کرو صبر اور نماز کے۔“

اس میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو اور نماز و صبر بھی تو غیر اللہ ہیں۔

وَعِيسَىٰ بِقُوَّةٍ ”مدد کرو میری ساتھ قوت کے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت دوا القدر میں نے دیوار کھلی بناتے وقت لوگوں سے مدد طلب فرمائی۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَيُّدِكُمْ اَنْصُرُهُ وَبِالْمُؤْمِنِينَ (پارہ ۱۰ سورہ ۸ آیت ۲۲) ”اے نبی رب بے آپ کو پتی مدد اور مسلمانوں کے ذریعہ قوت بخشی۔“

فرماتا ہے۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (پارہ ۱۰ سورہ ۸ آیت ۲۴)

”اے نبی آپ کو اللہ اور آپ کے مطیع مسلمان کافی ہیں۔“

فرماتا ہے۔

فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاةُ وَحْسِرِينَ وَصَالِحِ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْكِينِ بَعْدَ ذَلِكَ طَيِّبٌ (پارہ ۲۸ سورہ ۲۶ آیت ۳)

”یعنی رسول کے مددگار اللہ اور جبریل اور متقی مسلمان ہیں بعد میں فرشتے ان کے مددگار ہیں۔“

فرماتا ہے۔

اُمَّا وَلَكُمْ لَقَدْ وُورِسُوْلُهُ وَلَدِيْنَ اَمْسُوْا اَلَّذِيْنَ يَتَّقِيْمُوْنَ الصُّلُوْةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ
(پارہ ۶ سورہ ۵۵ آیت ۵۵)

”یعنی اے مسلمانوں تمہارا دعا گو خدا اور رسول اور وہ مسلمان ہیں جو زکوٰۃ دیتے ہیں سر پر پڑھتے ہیں۔“

فرماتا ہے وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَنُفُوْسٌ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ دُوسری جگہ فرماتا ہے لَحْنٌ اَوْلِیَآءُكُمْ فِی الْحَیْوةِ الدُّنْیَا
وَلَفِی الْاٰخِرَةِ مَعْلُوْمٌ ہُو کہ رب تعالیٰ بھی دعا گو ہے اور مسلمان بھی آپس میں ایک دوسرے کے مگر رب تعالیٰ بالذات دعا گو اور یہ ہاں عرض۔
موسیٰ علیہ السلام کو جب تیغ کے لئے فرعوں کے پاس جاسے کا قلم ہوا تو عرض کیا۔

وَجَعَلَ لِیْ وَرِیْثًا اَھْلٰی ہِزُوْنَ اَحٰی اَشْدَدُ بِہِ رَدِّیْ (پارہ ۶ سورہ ۲۰ آیت ۲۹-۳۰)

”خدا یا میرے بھائی کوئی بھائی میرا اور یہ کروے میری پشت کو ان کی مدد سے مضبوط کر دے۔“

رب تعالیٰ نے یہ نہ فرمایا کہ تم نے میرے سوا سہارا کیوں یا میں کیا کافی نہیں ہوں۔ بلکہ ان کی درخواست منظور فرماں۔ معلوم ہوا کہ بندوں کا سہارا الہی
ملک انجاء ہے۔

مشکوٰۃ باب اسمو وعلیہ میں ابن کعب اسکی سے روایت مسلم ہے کہ حضور علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا۔

سَلِّ فَلَئِنْ اَسْبَغْتَ فَرَأٰیْکَ فِی الْحِجَہِ قُلٌّ اَوْ غَیْرَ دِمَکٍ فَفَلَتْ هُوَ دَالِکَ قُلٌّ فَاَعْنٰی عَمٰی
لَفِیْکَ بِکَثْرَةِ السُّجُوْدِ

”کچھ، تنگ لو میں نے کہا کہ میں آپ سے جنت میں آپ کی ہر ایسی دیکھتا ہوں۔ فرمایا کچھ رہا تنگ ہے میں نے کہا صرف یہ ہی فرمایا کہ آپ
لفس پر یاد دہانوا قل سے میری مدد کرو۔“

اس سے ثابت ہو کہ حضرت ربیعہ نے حضور سے جنت مانگی۔ تو یہ نہ فرمایا کہ تم نے خدا کے سوا مجھ سے جنت مانگی تم مشرک ہو گئے بلکہ فرمایا وہ تو منظور
ہے کچھ اور بھی مانگو۔ یہ غیر خدا سے مدد مانگنا ہے۔ پھر مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی فرماتے ہیں اعنسی سے رہیدہ تم بھی اس کام میں
میری اتنی مدد کرو زیادہ لو اقل پڑھا کر دیے بھی غیر اللہ سے مدد طلب ہے۔ اسی حدیث پاک کے تحت افعیہ الصعات میں ہے۔ ”وارطاق سوال کہ
فرمودہ اس شخص میں نہ کرو مطلقاً ہے خاص معلوم ہے شوق کار بند بدست بدست ذکر مت اوست ہر چہ خود بدو ہانچہ و درکار خود بدہ۔“

فَلَنْ مِّنْ خُودِکَ لَذِیْبٍ وَ صَرٰیہَا ”اگر غیریت دنیا و مافیہا آرزو داری“

وَمِنْ غُلُوْمِکَ عِلْمٌ اَلْمَلُوْحُ وَ الْقِسْمُ ”بہر گاہش عیا و ہر چہ می خوی تمن کن“

سوال کو مطلق فرمادے سے کہ فرمایا کچھ، تنگ ہو۔ کسی خاص چیز سے متعین نہ فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ سارا معاملہ صورتی کے ہاتھ کر رہی نہ میں ہے۔ جو
چاہیں جس کو چاہیں اپنے رب کے حکم سے دیدیں۔ کیونکہ دنیا و آخرت آپ ہی کی طاقت سے ہے اور میں و قلم کا علم آپ کے علوم کا ایک حصہ ہے، اگر
دنیا و آخرت کی خیر چاہتے ہوتو اس کے آستانے پر آؤ اور جو چاہو مانگ لو۔

خاندان کعبہ میں ۳۶۰ بہت رہے اور تیس سو ساٹھ رہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں جب پاک ہوا رب تعالیٰ نے بتا دیا کہ جب میرا گھر کعبہ
میرے محبوب کے مدوا کے پاک نہیں ہو سکتا۔ تو تمہارا دل من کی نظر کرم کے بغیر پاک نہیں ہو سکتا۔

نور رافو کے خطبہ میں خلق کی بحث میں ہے۔ ہُو اَسْحُوْذُ اِلَکُم بِہِیْ وَ سَوَیْہِیْ خَالِفِہِ یعنی دونوں جہاں اوروں کو بخش دینا اور خود
خالق کی طرف متوجہ ہو جانا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مطلق ہے اور ظاہر ہے کہ دونوں دوسروں کو وہی بخشے گا جو جو ان کا مالک ہوگا۔ ملکیت ثابت ہوئی۔
شیخ مہدالحق کی ان عبارت سے یہ فیصلہ نہ کیا کہ دنیا و آخرت کی تمام باتیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مانگو، مت مانگو، جہنم سے پناہ مانگو، بلکہ اللہ کو مانگو۔
ایک صوفی شاعر خوب فرماتے ہیں۔

مگر از تو سے خواہم خدا را خدایا از تو عشق صلتی را

یا رسول اللہ میں آپ سے اللہ کو مانگتا ہوں

اور اے اللہ میں تجھ سے رسول اللہ کو مانگتا ہوں

حضرت قہر عالم محدث علی چوہنی دام ظلیم سے فرمایا کہ بے تہائی فرماتا ہے

وَلَوْ أَنَّهُمْ ادَّخَلُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفِرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَحَّدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا
اس کا ترجمہ ہے کہ اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر کے آپ کی بارگاہ میں آجاتے پھر خدا سے اپنی مغفرت مانگتے اور یہ رسول بھی ان کے لئے دعائے
مغفرت کرتے تو یہ لوگ آپ کے پاس اللہ کو پا لیتے۔ مگر کس شاہ میں نبو اب رَحِيمًا تو یہ تو یہ فرمانے والا میرا یعنی آپ کے پاس آئے سے
ان کو خدا مل جاتا۔

اللہ کو بھی پایا سوئی میری گلی میں

احمد اموات کی طرح مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے تحت فرمایا ہے **فَعَطَى لِمَنْ شَاءَ مَا شَاءَ** کہ حضور علیہ السلام جس کو چاہیں
دے دیں تفسیر کبیر جلد سوم پارہ ۷ سورہ صافات زیر آیت ۷۰ **اسِرْ كُوْا لِحَبِطْ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُوْنَ** ہے۔

وَنَسِهَا الْاَنْبِيَاءُ وَهُمْ اَلْسِنٌ عَطَتْهُ لَهٗ بِعَالِي مِّنْ لِّعَٰلَمٍ مَّا لَا حَنْدَ يَقْدِرُوْنَ عَلٰی اَنْتَصِرُ فِیْ بَوَاطِنِ
لِّلْعَالَمِیْنَ وَارَاحَهُمْ وَاَيْضًا عَطَتْهُمْ مِّنْ اَلْمَدْرِۃِ وَنَمَكَهُ مَّا لَا حَنْدَ يَقْدِرُوْنَ عَلٰی اَنْتَصِرُ فِیْ ظَوْهِرِ اَلْحَقِیْقِ
"تیسرے ال میں نسیا ہیں یہ وہ حضرات ہیں جس کو رب نے علوم اور معارف اس قدر دیئے ہیں۔ جن سے وہ مخلوق کی اندرونی حاست درجہ کی
ارواح پر تصرف کر سکتے ہیں اور ان کو اس قدر قدرت و قوت دی ہے جس سے مخلوق کے ظاہر پر تصرف کر سکتے ہیں۔"

اسی تفسیر کبیر پارہ ۷ **وَاَدْفُلْ رُبُّكَ لِمَسْكَنِهِ** اس کی تفسیر میں ہے کہ عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جو کوئی
جنگل میں پھنس جائے تو کہے۔

اَعِیْزُوْنِیْ عِندَ اللّٰهِ بِرَحْمَتِکُمْ اَللّٰهُ "اے اللہ کے بندو میری مدد کر اور بے رحم فرمائے۔"

تفسیر روح البیان سورہ مائدہ پارہ ۷ زیر آیت **وَيَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا** ہے کہ شیخ صلاح الدین فرماتے ہیں۔ مجھ کو رب نے قدرت
دی ہے کہ میں آسمان کو زمین پر گرادوں اگر میں چاہوں تو تمام دنیا و انبیاؤں کو ہلاک کر دوں اللہ کی قدرت سے لیکن ہم صلاح کی دعا کرتے ہیں۔
مشکوٰۃ شریف میں ہے۔

اولیاء باہست قدرت ازالہ تیر جت ہار مگر واہ زلزلہ

اویہ کو اللہ سے یہ قدرت ملی ہے کہ پھوٹا ہو تیر دہیں کر لیں

افقہ الصغیر شروع باب زیارت القبر میں ہے امام غزالی گفتہ ہر کہ استمد او مردہ شود بوسے در حیات استمد او مردہ سے شود بوسے بعد از وفات کے
اور مشائخ گفتہ ویدیم چہ رکس و رمشائخ کہ تصرف فی کتند در قبور خود ماتند تصرف ایٹان در حیات خود یا بیشتر۔ تو بے سے گوید کہ امام اجماعی قوی ز مست
دمن سے گویم کہ امام اجماعیت قوی تر و دلیار تصرف در کون حاصل است و اس نیست مگر روح ایٹان در روح باقی است۔ "امام غزالی سے فرمایا
کہ جس سے زندگی میں مدد ملے گی جاتی ہے اس سے اس کی وفات کے بعد بھی مدد ملے گی جاوے ایک بر رگ نے فرمایا کہ چار مضمون کو ہم نے دیکھا کہ وہ
قبروں میں بھی وہی عمل در آمد کرتے ہیں جو زندگی میں کرتے تھے یا زیادہ۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ زندہ کی مدد زیادہ قوی ہے اور میں کہتا ہوں کہ
مردہ کی مدد زیادہ قوی و ایسا ہی حکومت جہانوں میں ہے اور یہ نہیں ہے مگر ان کی روح کو کیونکہ ارواں باقی ہیں۔
حاشیہ مشکوٰۃ باب زیارت القبر میں ہے۔

وَفَا اَلَا سَمَدًا ذٰلِہٖ اَهْلٌ یَّقْبُرُوْنَ فِیْ غَیْرِ النَّبِیِّ عِندَہٗ السَّلَامُ وَالْاَنْبِیَاءُ لَقَدْ اَمَرَ کَثِیْرٌ مِّنْ لِّفْقَہٗ
وَنَبَئِہٖ لَمَشَائِخُ الصُّوْفِیَہٗ وَبَعْضُ النُّفُہَا، فَاَلَا اِمَامًا اَشْفَعٰی قَبْرُ مُوْسٰی لَکَاظِمٌ تَرْیَاقُ مُحَرَّبٌ
لَا حَیَۃَ اَلدُّعَا وَفَاَلَا اِمَامًا اَلْعَرَالِیُّ مِّنْ یُّسْتَعٰذُ فِیْ حَیَاتِہٖ یُسْتَعٰذُ بَعْدَ وَفَاتِہٖ

"نبی علیہ السلام و دیگر انبیائے کرام کے علاوہ اور اہل قبور سے دعا مانگنے کا بہت سے فقہانے نکال دیا۔ در مشائخ صوفیہ در بعض فقہاء نے اس کو ثابت کیا
ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ موی کاظم کی قبر قبولیت دعا کیلئے آزمودہ تریاق ہے اور امام محمد غزالی نے فرمایا کہ جس سے زندگی میں مدد ملے گی جاسکتی
ہے اس سے بعد وفات بھی مدد ملے گی جاسکتی ہے۔"

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا دیگر انبیائے کرام سے مدد مانگنے میں تو کسی کا اختلاف نہیں۔ قبور اویہاء اللہ سے مدد مانگنے میں
اختلاف ہے علمائے ظاہر میں نے نکال دیا صوفیہ کرام اور فقہاء اہل کشف نے جائز فرمایا۔

حس حسین صفحہ ۲۰۲ میں ہے۔ ”اِنْ ارَادَ عَوْنُ مَافِيْهِمْ يٰۤاَعْبَادَ اللّٰهِ اَعِيْزُوْهُ اَعِيْزُوْهُ يٰۤاَعْبَادَ اللّٰهِ اَعِيْزُوْهُ“
 ”جب مدد پینا چاہے تو کہہ ے اللہ کے بندو میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو میری مدد کرو اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔“
 اس کی شرح الحرمزائشین میں مدخلی قاری اسی جگہ فرماتے ہیں۔

۱۵ اہمیتِ دُاعیۃُ حُکمہ بارِ حقِ فَلَاحِ فَمِنَا دِیَا عِبَادَ اللّٰہِ احْبِسُوا
 "یعنی جب جنگل میں کسی کا جانور بھاگ جائے تو "وارد کو اسے اندکے بندو اسے روک دو۔"
 عباد اللہ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

الْفَرَادِيهِمْ لَمَنْكَةً اَوْ الْمُسْلِمُونَ مِنَ الْحَيِّ اَوْ رَحَائِلُ الْعَيْبِ الْغُسُونِ بَابِ اِي

”یعنی بدوں سے یا تو فرشتے یا مسلمان یا جن یا رجال، غیب یعنی بدل مراد ہیں۔“

پھر فرماتے ہیں۔ ہد حدیث حسنہ بحسب محتاج الیہ المسافرون و نہ محرب
 ”یہ حدیث حسن ہے مسافروں کو اس حدیث کی سخت ضرورت ہے اور یہ عمل محرب ہے۔“

شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر فتح العزیز صفحہ ۴۰ پر فرماتے ہیں۔ ”ہاید فہمید کہ استعانت از غیر یوحے کہ، عہدہ باشد اور احوال، یکی نہ مذہب حرام مست و اگر انکسار محض بجانب حق است۔ اور اکیے از مظاہر محسوس بھی دانستہ و بکار خدائے اسبابی و حکمت اوتعالیٰ آں نمودہ بغیر استعانت خدا ہر ہر نہاید دور از عرفان تصور بود و در شرح نیز جائزہ در دست در انبیاء و اولیاء میں نوع استعانت تفسیر کردہ اند و در حقیقت میں نوع استعانت بغیر نیست بلکہ استعانت حضرت حق است لا غیر۔“ سمجھنا چاہیے کہ کسی غیر سے مدد مانگنا بھروسہ کے طریقہ پر کہ اس کو خدا الٰہی نہ سمجھے حرام ہے اور اگر تو بہ حق تعالیٰ کی طرف ہے اس کو اللہ کی مدد کا ایک مظہر جان کر اور اللہ کی حکمت اور کارخانہ اسباب جان کر اس سے خدا بری مدد مانگی تو عرفان سے دور نہیں ہے در شریعت میں جائز ہے اور اس کو انبیاء و اولیاء کی مدد کہتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ حق تعالیٰ کے غیر سے مدد مانگنا نہیں ہے لیکن اس کی مدد سے ہے تفسیر عزیزی سورہ بقرہ صفحہ ۶۶ میں شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں۔ ”فعال عادی الٰہی راضل شکیدن فرزند توسیع رزق و شفاء مریض و امثالہ و الکرام مشرکان نسبت بہ ارواح خبیثہ امتناع نہ پند کا فری شویہ۔ اور تا شیراکی یا خواص قلوقات دی و نہاد ارادہ یہ و مغایرہ دعائے صلحاء و بندگان آکہ ہمہ از جناب اور درخواست انہی راجع مطلب ہی کہنا نہ ہی لمہندہ و در ایماں ایشان خلل نہی افسدہ۔“ اللہ کے کام جیسے لڑکا بچہ رقی بڑھاتا یا بچہ کو اچھا کرنا اور اس کی مثل کو مشرکین خبیثہ رعبوں اور بتوں کی طرف نسبت کرتے ہیں اور کافر ہو جاتے ہیں اور مسلمان دن اسور کو قہم لہی یا اس کی مخلوق کی حاصیت سے جانتے ہیں جیسے کہ دو نمیں یا مغایرہ یا اس کے نیک بندوں کی دعائیں کہ وہ بندے رب کی بارگاہ سے مانگ کر لوگوں کی حاجت روائی کرتے ہیں اور اس مومنین کے ایمان میں اس سے خلل نہیں آتا۔

بستان احمد شیر میں شاہ عبدالعزیز صاحب شیخ ابوالعباس احمد زردنی کے یہ شعدار نقل کرتے ہیں۔

۱) انا لُمریدی جامع نشانه

و ان کُنْتُ فِی صَبَیٍّ وَ کَرَبٍ وَ حَشَنَةٍ لِّمَادِ بَیَّارِ رُوقِ اتِ بَسْرَعَتِهِ

میں اپنے مرید کی پرگندگیوں کو جمع کرنے والا ہوں جبکہ زمانہ کی مصیبتیں اس کو تکلیف دیں۔ اگر تو عقلی یا مصیبت یا وحشت میں ہو تو پکار کر اے درویش! میں فوراً آؤں گا۔

تفسیر کبیر و روح البیان و خازن میں سورہ یوسف ریت فلک فی السبحر بصع سبیل ہے الاستعداد بالنس فی دفع الضرر و تنظیم حائرة اور خازن ریت فی سماء الشیخ ہے الاستعداد بالمحذوق فی دفع الضرر جائز معصیت دور کرنے کے لئے مخلوق سے مدد لینا جائز ہے۔

دو عمارتیں جو سوہاگہاں کے باغ میں تھیں، ان کے درمیان سے ایک چھوٹی سی گلی گزرتی تھی۔

اِنَّ الْاَسْمَانَ اِذَا اصْبَحَ لَهُ شَيْئًا وَّارَادَ اَنْ يُرْزَقَ اللهُ عَلَيْهِ فَلَيفًا عَلٰى مَكْرٍ عَلِيٍّ مُّسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ و
 يَقْرَأُ الْفَاتِحَةَ وَيُهْدِي ثَوَابَهَا لِسَيِّدِي عَلَيْهِ السَّلَامُ ثُمَّ يَهْدِي ثَوَابَهَا لِسَيِّدِي مُحَمَّدٍ اَبْنِ عَلِيٍّ يَقُولُ يَا
 سَيِّدِي يَا حَمْدُ اَبْنِ عَلِيٍّ اِنْ لَكَ تَرْزُقُ عَنِّي صَالِي وَاَلَا مَرَعُكَ مِنْ دِيُوْنِ الْاَوَلِيَّاءِ وَنَا اللهُ يُرْزَقُ
 صَالَتُهُ بِهَرَّتَجَتِهِ

"جس کسی کی کوئی چیز کم ہو جائے اور وہ چاہے کہ خدا وہ چیز واپس مدد سے تو کسی اونچی جگہ پر قبضہ کو منہ کر کے کہے گا اور سورہ فاتحہ پڑھ کر اس

ثواب میں علیہ السلام کو ہدیہ کرے پھر سیدی احمد ابن علون کو پھر یزدنا پڑھے میرے آقا اے احمد بن عوان اگر آپ نے میری چیز نہ دی تو میں آپ کو دفتر اوسوہ سے نکال دوں گا۔ پس خدا تعالیٰ سب کی سب چیزیں اس کی برکت سے مدد دے گا۔"

اس دعا میں سید احمد ابن علون کو پکارا بھی ان سے مدد مانگی اس سے کہی ہوئی چیز بھی طلب کی اور یہ دعا کس نے بتائی خفیوں کے فقیہ اعظم صاحب در مختار نے حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قصیدہ نعمان میں فرماتے ہیں۔

یا اکرم النصیب یا کرم لؤری بدلی بخودک و ارضی برصاک

یا طامع بالحدود مک لم یکن لای حبیبہ فی الامام سواک

"اے موجودات سے اکرم اور نعمت الہی کے خزانے جو اللہ نے آپ کو دیا ہے مجھے بھی دیجئے اور اللہ نے آپ کو راضی کیا ہے مجھے بھی آپ راضی فرمادیجئے۔ میں آپ کی سخاوت کا امیدوار ہوں آپ کے سوا ابو حنیفہ کا خلعت میں کوئی نہیں۔ اس میں حضور علیہ السلام سے صریح مدد کی گئی ہے۔" قصیدہ ورد میں ہے۔

یا اکرم لخلق مانی من الودع سوک عند خنوں الحادث العزم

"اے تمام مخلوق سے بہتر میرا بچے سوا کوئی نہیں جس کی میں پہلوں مصیبت کے وقت"

مگر ہم اس عہد فقہ کا کلام جمع کریں۔ جس میں انہوں نے حضور علیہ السلام سے مدد مانگی ہے۔ تو اس کے لئے دفتر درکار ہیں صرف اتنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ بیزہم سطر برائے ریاست قبور میں شامی کی عبارت نقل کریں گے۔ جس میں امام شافعی فرماتے ہیں جب مجھے کوئی حاجت پیش ہوتی ہے تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر آتا ہوں اس کی برکت سے کام ہو جاتا ہے۔ زہد قاطر الفاتر فی ترجمہ سیدی الشریف عبد القادر مصنفہ عامل قاری صفحہ ۶۱ میں حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل فرمایا۔

میں استغاثہ ہی الی کربۃ کسب عہ ومن بدسی بدسی فی شدہ فرحب عہ ومن یوشل ہی الی اللہ فی حاجۃ فصب "یعنی جو کوئی رب دُغم میں مجھ سے مدد مانگے تو سارے دُغم دور ہوگا اور جو حق کے وقت میرا نام لے کر مجھے پکارے تو وہ شدت دفع ہوگی اور جو کسی حاجت میں رب کی طرف مجھے وسیلہ مانے تو سب حاجت پوری ہوگی۔"

پھر اسی جگہ ہے کہ حضور غوث پاک لہار خوشی کی ترکیب بتاتے ہیں کہ دو رکعت نقل پڑھے۔ ہر رکعت میں ۱۱ بار سورہ احصا پڑھے۔ سلام پھیر کر بار صلوٰۃ وسلام پڑھے پھر ہندو کی طرف (جانب ال) "قدم چلے ہر قدم پر میرا نام لے کر پائی حاجت عرض کرے اور دوشہ پڑھے۔

ایدر کنی صبیۃ و اب دحیری و صبیۃ فی الذب و اب نصیری

دعائ علی حامی الحمی و غو محدی د صاع فی بیداء عفتی بعیری

یہ کہہ کر ملا علی قاری فرماتے ہیں وقد تجزب دالک مرارۃ فصیح یعنی بارہا اس ترغوشہ کا تجربہ کیا گیا۔ درست لکھا کہ ہے کہ حضور غوث پاک مسلمانوں کو تعلیم دیتے ہیں کہ مصیبت کے وقت مجھ سے مدد مانگو اور خفیوں کے بڑے معجز عام ملا علی قاری رحمت اللہ علیہ سے بغیر تردید نقل فرما کر فرماتے ہیں اس کا تجربہ کیا گیا بالکل صحیح ہے۔ معظوم ہو کر برگوں سے بعد وفات مدد مانگ چاہو اور فائدہ مند ہے۔

یہاں تک تو ہم نے قرآنی آیات و احادیث اور اقوال فقہاء و علماء مشائخ سے ثبوت دیا اب خود منع کرنے والوں کے اقوال سے ثبوت ملاحظہ ہوں۔ مولوی محمود حسن صاحب دیوبند یوں کے شیخ الہند اپنے ترجمہ قرآن میں جس کے چار پاروں کا حاشیہ انہوں نے لکھا ہادی کا مولوی شبیر احمد صاحب ہے۔ اس میں **بناک سبعین** کے تحت فرماتے ہیں "ہاں اگر کسی مقبول بندے کو اللہ رحمت الہی اور غیر مشعل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے۔ کہ یہ استعانت در حقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے" پس فیصدی کر دیا۔ یہی ہمارا دعویٰ ہے کوئی مسلمان بھی کسی نبی یا ولی کو خدا نہیں جانتا نہ خدا کا فرزند محض دیکھتا ہے۔

لہذا فی رشیدیہ جلد اول کتاب النحر و باجہ صفحہ ۶۲ پر ایک سوال وجوب ہے۔

سوال اشعار میں مضمون کے پڑھنے۔ "یا رسول اللہ کبریا فریاد ہے + یا محمد مصطفیٰ فریاد ہے + مدد کر بہر خدا حضرت محمد مصطفیٰ + میری تم سے ہر گھڑی فریاد ہے + کیسے ہیں۔

الجواب ایسے الفاظ پڑھنے محبت میں اور خلوت میں ہیں خیال کہ حق تعالیٰ آپ کی دانت کو مطلع فرمادے یا محض محبت سے جا کسی خیال کے جائز ہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد سوم صفحہ ۵ پر ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب سے کسی نے سوال کیا کہ ان اشعار کو بطور وظیفہ یا ورد پڑھنا کیسا ہے۔

یا رسول اللہ ﷺ نظر حلا

یا رسول اللہ ﷺ اسمع قلنا

انسی فی بحر ہم مغرق

خدیجی سہل لہ اشکنا

یا قصیدہ پردہ کا یہ شعر غنیدہ کرتا۔

یا اکرم الحق حامی من الودیہ

سو ک عند خلول الحادث العمم

جو ب دیا کہ ایسے کلمات کو نظم ہوں یا نثر در کرنا مکروہ تنزیہی ہے کفر و فسق نہیں۔

ان دونوں عبارتوں میں حضور علیہ السلام سے مدد مانگنے کو کفر و شرک نہیں بلکہ جائز و زیادہ مکروہ تنزیہی کہا + قصائد قافی میں مولوی کام صاحب فرماتے ہیں۔

مدد کر اے احمدی کہ تیرے سوا نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار

اس میں حضور علیہ السلام سے مدد مانگی ہے اور عرض کیا ہے آپ کے سوا میرا کوئی بھی حامی نہیں یعنی خدا کو بھی بھول گئے + ترجمہ صراط مستقیم اردو خانہ تیسرا فارہ صفحہ ۱۰۲ پر مولوی شعیب صاحب فرماتے ہیں۔ اسی طرح ان مراتب عالیہ اور مضامین رفیعہ مضامین عام مثلاً اور عام شہادت میں تصرف کرنے کے مادیون مطلق اور مجاز ہوتے ہیں۔

حامی اعلیٰ اللہ صاحب فرماتے ہیں۔

جہاز امت کا حق سے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں

تہاب چاہے لاپرواہ یا تر؟ یا رسول اللہ

لہذا فی رشیدیہ جلد ۱۱ کتاب اہدات صفحہ ۹۹ میں ہے۔ اور بعض روایات میں جو یہ ہے۔ عیسوی یا عباد اللہ یعنی اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔ تو وہ فی الواقع کسی حیت سے استعانت نہیں بلکہ خداوند جو ہر شے میں موجود ہوتے ہیں ان سے طلب اعانت ہے کہ حق تعالیٰ ان کو اسی کام کے واسطے دہاں مقرر کیا ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگوں میں کچھ اللہ کے بندے اللہ کی طرف سے اسی لئے رہتے ہیں کہ لوگوں کی مدد کریں ان سے مدد مانگنا جائز ہے + مددگی ہمار بھی یہ ہے کہ اللہ کے بندوں سے استمداد جائز ہے۔ رہا یہ فیصلہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدد فرما سکتے ہیں یا کہ نہیں ہم اس کے متعلق بہت کچھ عرض کر چکے اور متعدد عقلی دلائل میں بھی بیان کر چکے۔

مولوی محمود حسن (صاحب اول و ثانیہ صفحہ ۲ پر فرماتے ہیں۔ "آپ اصل میں بعد خدا مالک عالم ہیں جمادات ہوں یا حیوانات، یعنی آدم ہوں یا غیر آدم۔ لہذا آپ اصل میں مالک ہیں اور یہی وجہ ہے کہ عدل و سہر آپ کے دماغ میں واجب لادانہ تھا۔" صراط مستقیم دوسری ہدایت کا پہلا افادہ صفحہ ۶۰ میں مولوی اسماعیل صاحب فرماتے ہیں۔ "اور حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے یقیناً پر بھی ایک گونہ نصیحت ثابت ہے اور وہ نصیحت آپ کے فرماں برداروں کا زیادہ ہونا اور مقامات و الایات و کفایت و غوثیت اور ابدانیت اور انہی جیسے باقی خدمات آپ کے زمانہ سے سے کر دنیا کے ختم ہونے تک آپ ہی کی وساطت سے ہوتا ہے اور بادشاہوں کی بادشاہت اور امیروں کی مہارت میں آپ کو وہ دخل ہے جو عام ملکوت کی سیر کرنے والوں پر ملتی نہیں۔

اس عبارت سے صاف معلوم ہو کہ سلطنت امیری و الایات غوثیت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لوگوں کو ملتی ہے دیوبندیوں کے پیرو مشد حاجی امداد اللہ صاحب اپنی کتاب خیاء القلوب میں فرماتے ہیں اس مرتبہ میں پہنچ کر بندہ خدا کا حلیہ ہو کر لوگوں کو اس تک پہنچاتا ہے اور ظاہر میں بندہ باطن میں خدا ہو جاتا ہے اس کو پرورش کہتے ہیں اور اس میں وجوب و امکان مساوی ہیں۔ کسی کو کسی پر غلبہ نہیں اس مرتبہ پہنچ کر عارف عام پر منحصر ہو جاتا ہے۔ (خیاء القلوب مطبوعہ کتب خانہ اشرفیہ رشیدیہ کتب خانہ ۹۹ کے مرتب کا بیان) غور کرو باوجود صاحب سے بندہ کو باطن میں خدا مان یا عالم میں مصروف۔

یکشنبہ ۹ جولائی ۱۹۶۱ء کے جنگ راولپنڈی میں خبر شائع کہ صدر پاکستان محمد یاقوت خان صاحب جب امریکہ کے دورے پر کرچی سے روانہ ہوئے تو مولانا احتشام الحق صاحب دیوبندی نے صدر کے بازو پر امام ضامن باندھا اور ۱۰ جولائی ۱۹۶۱ء دو شنبہ کے جنگ میں مولانا کا فوٹو شائع ہوا جس میں آپ صدر کے بازو پر امام ضامن باندھ رہے ہیں۔ امام ضامن کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہم امام حسین کے نام کا روپیہ مسافر کے بازو پر باندھتے ہیں امام ضامن، اسکے ضامن ہیں۔ اس کے سپرد کرتے ہیں۔ جب مسافر بے خبریت واپس آئے تب اس روپیہ کی فاتحہ امام حسین کے نام کی جاوے جن کے سپرد مسافر کیا گیا تھا۔ دیکھو اس میں امام حسین کی مدد بھی دی گئی۔ اس فاتحہ بھی کی گئی اس کی نذر بھی مانی گئی۔ جناب صدر کو ان کے سپرد بھی کیا بھلا اللہ کیسا ایمان، فرد و کام ہے خدا کا شکر ہے کہ دیوبندی بھی اس کے قائل ہو گئے۔

امداد الفتاویٰ مصنفہ مولوی اشرف علی تھانوی علی صاحب جلد ۴ کتاب العقائد و کلام صفحہ ۹۹ میں ہے جو استعانت و استمداد یا اعتقاد علم و قدرت مستقل ہو و شرک ہے اور جو باعتقاد علم قدرت غیر مستقل ہو اور وہ علم قدرت کسی دلیل سے ثابت ہو جائے تو جائز ہے۔ خواہ مستمد نہ ہی ہو یا میت "کس فیصلہ ہی فرما دیا کہ مخلوق کو غیر مستقل قدرت مالاں سے استمداد جائز ہے۔ اگرچہ میت ہی سے مانگی جائے یہی ہم کہتے ہیں۔

مولوی اشرف علی صاحب نے اپنی کتاب نشر الطیب کے آخر میں شیم الحییب کے عربی کے اشعار کا ترجمہ کیا جس کا نام شیم الطیب رکھا۔ جس میں حضور علیہ السلام سے بہ درجہ امداد مانگی اشعار حسب ذیل ہیں۔

شیم الطیب ترجمہ شیم الحییب مصنفہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی صفحہ ۱۳۵۔

یا شعیب العباد حد بیدی	"دھیری کیجئے میری نبی"
است لی الاضرار فعمدی	"تکلیف میں تم ہی ہو میرے دن"
لیس لی منحاء سواک اعث	"جز تمہارے ہے کہاں میری پناہ"
مسی الصر سیدی سدی	"تو ج کلفت مجھ پہ آغاب ہوئی ا"
عشی نذر ابن عبد اللہ	"ابن عبد اللہ زمانہ ہے خلاف"
نکس فعیثا فاست لی مدری	"اے مرے مولیٰ خبر لیجئے مری"

"نام احمد چوں چھپنے شد حسین"

"نہیں چہ باشد ذات آں روح الامین"

"نشر الطیب فی ذکر ابن الحییب"

دوسرا باب

اولیاء اللہ سے ہمارے مانگنے کا عقلی ثبوت

دنیا آخرت کا نمونہ ہے اور یہاں کے کاروبار اس عالم کے کاروبار کا پتہ دیتے ہیں اسی لئے قرآن کریم نے حشر نشر اور رب کی الوہیت کو دیادی مثالوں سے ثابت فرمایا ہے۔ مثلاً فرمایا کہ خشک زمین پر بارش پڑتی ہے تو پھر سبز رہن جاتی ہے۔ اسی طرح بے جان جسموں کو وہ بارہ حیات دی جاوے گی نیز فرمایا کہ تم گوارہ نہیں کرتے کہ تمہارے غلاموں میں کوئی اور شریک ہو تو تمہاری ملکیت میں بتوں وغیرہ کو کیوں شریک مانتے ہو؟ غرض کہ دنیا آخرت کا نمونہ ہے اور دنیا میں تو یہ دیکھ گیا ہے کہ یہاں کے بادشاہ ہر کام خود اپنے ہاتھ سے نہیں کرتے۔ بلکہ سلطنت کے کاموں کے لئے محکمہ بنادیتے ہیں اور ہر محکمہ میں مختلف حیثیت کے لوگ رکھتے ہیں کوئی افسر اور کوئی ماتحت۔ پھر اس تمام محکموں کا مختار یا حاکم اعلیٰ اور براعظم کو منتف کرتے ہیں۔ یہی ہر کام بادشاہ کی مرضی اس کے مشاء سے ہوتا ہے۔ لیکن بد واسطہ اس کے ہاتھ سے نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ بادشاہ مجبوری کی وجہ سے ہٹا کر رکھتا ہے کیونکہ بادشاہ خود پانی پی سکتا ہے۔ اپنی اکثر ضروریات زندگی خود اس کا مددے سکتا ہے لیکن رعوب کا تقاضہ ہے کہ ہر کام حدام سے سوا جاوے اور رعایا کو ہدایت ہوتی ہے کہ اپنی ضروریات کے وقت ان ضرور کردہ حکام کی طرف رجوع کرو۔ چہری میں شفاء جانے جا کر ڈاکٹر سے کہو۔ مقدمات میں پکھری جا کر جج سے وکلاء کے درمیان سے کہو وغیرہ وغیرہ اس مصائب میں رعایا کا اس حکام کی طرف جانا بادشاہ کی بغاوت نہیں ہے بلکہ یہ ہیں اس کی مشاء کے مطابق ہے کہ اس نے اس کو حکام اسی لئے مقرر کیا ہے۔ ہاں اگر یہ رعایا دوسرے کو اپنا بادشاہ بنا کر اس سے مدد کے طالب ہوں تو اب ہائی ہے کیونکہ شاہی انتخاب والوں کو چھوڑ اور غیر کو پناہ کا حکم دینا۔ جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو سمجھو کہ یہی طریقہ سلطنت الہیہ کا ہے وہ قادر ہے کہ دیا کا جڑ پھوٹا ہر کام اپنی قدرت سے خود ہی پورا فرمادے مگر یہ نہیں کرتا بلکہ نظام عالم کے لئے ملائکہ وغیرہ ہم کو مقرر فرمادیا اور ان کے پیچھے پیچھے دھکے کر دیتے۔ جان نکالے دلوں کا ایک محکمہ جس کے افسر اعلیٰ حضرت عزرائیل ہیں۔ اسی طرح نس کی حفاظت، رزق پہنچانا، بارش برسانا، ماؤں کے عید میں بچے بنانا۔ اس کی تقدیر لکھنا۔ دفن میتوں سے سوالات کرنا۔ صورت پھونک کر مردوں کو زندہ کرنا۔ در قیامت قائم کرنا۔ پھر قیامت میں جنت و دوزخ کا انتظام کرنا۔ غرض کہ دنیا و آخرت کے سارے کام ملائکہ میں تقسیم فرمادیئے۔

اسی طرح اپنے مقبول انسانوں کے سپرد بھی عام کام کا انتظام کیا اور اس کو اختیارات خصوصی عطا فرمائے۔ کتب تصوف دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اولیاء اللہ کے کتنے طبقے ہیں اور کس کے ذمہ کون کون سے کام ہیں اس کی وجہ یہ نہیں کہ رب تعالیٰ ان کا محتاج ہے۔ نہیں بلکہ ان کی سلطنت کا یہی تقاضا ہے پھر ان حضرات کو خصوصی اختیارات بھی دیئے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ فرماتے ہیں کہ ہم یہ کر سکتے ہیں یہ محض ہمارا حق نہیں۔ بلکہ قرآن وحدیث اس پر شاہد ہیں۔

حضرت جبریل نے حضرت مریم سے کہا۔

قُلْ إِنَّمَا أَرْسَلْتُ رَبِّكَ لَهَب لَكَ غُلَامًا رَكِيًّا (پارہ ۲ سورہ ۱۹ بیت ۹)

"مریم میں تمہارے رب کا قاصد ہوں۔ آیا ہوں تاکہ تم کو پاک فرزند دوں۔"

معلوم ہوا کہ حضرت جبریل نے بتا دیتے ہیں۔

حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں۔

أَحْبَبُ لَكُمْ مِنَ الطَّيْرِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ وَدَفْعُ فِيهِ لِيَكُونَ طَيْرًا بَشَرًا اللَّهُ (پارہ ۳ سورہ ۳۰ بیت ۲۹)

"میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی شکل بنا کر اس میں پھونکتا ہوں تو وہ ہمارے غم سے پردہ ہوں جاتا ہے۔"

معلوم ہوا کہ حضرت مسیح باذن الہی بے جان کو جان بخشتے ہیں۔

قُلْ يَتُوبُ لَكُمْ مَلِكُ السَّمَوَاتِ الْأُثَى وَكَذَلِكَ (پارہ ۲ سورہ ۳۲ بیت ۱۱)

"فرمادو کہ تم کو ملک اموت و قات دیجئے جو تیر پر مقرر کئے گئے ہیں۔"

معلوم ہوا کہ حضرت عزرائیل جاندار کو بے جان کرتے ہیں۔ اور بھی اس قسم کی بہت سی آیات ہیں جس میں حدی کی کاموں کو بندوں کی طرف نسبت کیا گیا ہے۔

رب تعالیٰ حضور طیر الصلوٰۃ والسلام کی شان میں فرماتا ہے۔

وَبَرَّ كَيْفِهِمْ وَيُعْنِمُهُمُ الْكِتَابُ وَالْحِكْمَةُ (پارہ ۳ سورہ ۳۰ بیت ۱۶)

"ہمارے محبوب ان کو پاک فرماتے ہیں اور ان کو کتاب وحکمت سکھاتے ہیں۔"

اعمالہم اللہ ورسولہ من قصده " انکو اللہ اور رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔"

معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر گندگی سے پاک بھی فرماتے ہیں اور فقیروں کو غنی بھی کرتے ہیں۔

خُد من اموالہم صدقۃً تطہرہم و نرکبہم بھا (پارہ ۹ سورہ ۹ ب ۳۳)

"آپ ان کے مالوں سے صدقے وصول فرمادیجئے اور اس سے ان کو پاک فرمادیجئے۔"

معلوم ہوا کہ وہ اسی عمل خدا کے یہاں قبول ہے جو ہر گاہ رسالت میں منظور ہو جائے۔

ولو انہم رضوا ما اتاہم اللہ ورسولہ وقلوا حسبنا اللہ سیؤ تبنا اللہ من قصدہم ورسولہ

(پارہ ۱۰ سورہ ۹ آیت ۵۹)

"اور کیا چھ ہوتا۔ گر وہ اس پر راضی ہوتی جو اللہ رسول نے نگو دیا اور کہتے نہ لہ ہم کو کافی ہے اب ہم کو اللہ اپنے فضل سے اور رسول دیں گے۔"

معلوم ہو کہ سوس علیہ الصلوٰۃ والسلام دیتے ہیں۔ ان آیات سے معلوم ہو کہ گروئی کہے کہ ہم کو سوس اللہ عزت دیتے ہیں مال دار دیتے ہیں تو صحیح ہے کیونکہ

آیات نے یہ بتایا لیکن مقصد وہی ہوگا کہ یہ حضرت حکمت الہیہ کے حکام میں رب تعالیٰ نے ان کو دیا یہ ہم کو دیتے ہیں۔ اسی طرح مصیبت کے وقت اور یہ

اللہ یا انبیائے کرام سے مدد مانگنا بھی اسی طرح ہوا۔ جس طرح کہ بیماری اور مقدمہ میں بادشاہ کی رعایا ڈاکٹر یا حاکم سے مدد مانگتی ہے۔

قرآن نے فرمایا۔

ولو انہم اذ ظلموا انفسہم حواء وک فاستغفروا اللہ و مستغفرلہم الزنوں یوحذو اللہ تو با

(حیفا پارہ ۵ سورہ ۴ آیت ۶۴)

"گر یہ گنہگار اپنی جانوں پر ظلم کر کے اے محبوب تمہارے پاس آجاتے اور پھر اللہ سے مغفرت مانگتے اور اے محبوب آپ بھی ان کیسے دعا ئے مغفرت

فرماتے تو یہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے۔"

عالمگیری کتاب الحج باب زیارۃ قبر النبی میں فرماتے ہیں کہ اب بھی جب راز و خصل پاک پر حاضر ہوتو یہ آیت پڑھے۔ یہ تو دیا میں تھا۔ قبر میں

تیس سوال پھرین کرتے ہیں۔ اول تو میں رب تک تیرا رب کون ہے؟ بندہ کہتا ہے کہ اللہ۔ پھر پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا؟ بندہ کہتا ہے کہ اسلام۔

ان سوالوں میں سلام کی ساری باتیں آگئیں۔ مگر بھی پوچھ نہیں ہو۔ بلکہ آخری سوال ہوتا ہے کہ بزرگشہد و لے آقا کو تو کیا کہتا ہے؟ جب یہ صراحت

کہلوایا کہ ہاں میں ان کو پہچانتا ہوں۔ یہ میرے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تب سوالات ختم ہوتے ہیں تو قبر میں ان کے نام کی امداد سے

نجات ہوتی۔ قیمت میں لوگ تک کہ شلیج کو ہی وصول ہیں گے جب حضور علیہ السلام کے دروازے تک پہنچی جائیں گے تب حساب و کتاب شروع

ہوگا۔ وہ بھی حضور کی شفاعت سے معلوم ہو کہ رب کو یہ منظور ہے کہ سارا عالم حضور علیہ السلام کا ہی محتاج رہے یہاں بھی قبر میں بھی اور حشر میں

بھی۔ اسی لئے فرمایا **واستغوا لیہ الیوم سینہ** تم رب کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ یہی ہر جگہ وسیلہ مصطفیٰ علیہ السلام کی ضرورت ہے۔

اگر یہاں وسیلہ سے مراد نیک اعمال ہی کا وسیلہ مراد ہو تو ہم جیسے گنہگار بد عمل اور مسلمانوں کے لئے دیکھانے اور وہ جو بھانہ تے ہی مرجاویں وہ سب

بے وسیلہ ہی رہ جاویں۔ نیز نیک اعمال بھی تو حضور ہی کے فضل سے حاصل ہوں گے۔ پھر بھی ہوا سب صورتیں کا وسیلہ ضروری ہوا۔ نبی کے وسیلہ کے

کفار بھی قائل تھے۔ **وکانو یستغفون علی النبی کھڑوا** کہہ معطر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ سے بتوں سے پاک ہوا

اور حضور ہی کے وسیلہ سے قبل بنا **لمو لیک قبلہ تر صبا** بلکہ حضور ہی کے وسیلہ سے قرآن قرآن کہ دیا۔ اور قرآن کی آیات حضور کے کی

عینی ہونے سے کی عینی ہیں ورنہ وہ تو عرشی ہیں۔

شیطان بد اسلحہ نبیاء رب تک پہنچنا چاہتا ہے تو شہاب سے بارود جاتا ہے اگر مدینہ کے رستے سے جاتا تو ہرگز نہ مارا جاتا۔ یہی نتیجہ ان کا بھی ہوگا

جو کہتے ہیں خدا کو مان خدا کے سوا کسی کو نہ مان۔

ہماری اس تقریر سے اتنا معلوم ہوا کہ ایماء و اولیاء سے مدد مانگنا یا ان کو حاجت روا چاہنا نہ شرک ہے اور نہ خدا کی بغاوت بلکہ یمن قانون اسلامی اور

نظام الہی کے بالکل مطابق ہے جناب معراج میں نماز اولاد پچاس وقت کی فرض فرمائی۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عرض پر کم کرتے کرتے پانچ

رکھیں آخر کیوں ۱۲ اسی لئے مخلوق جائے کہ نماز پچاس کی پانچ رہیں۔ اس میں موسیٰ علیہ السلام کی مدد شامل ہے۔ یہی اللہ کے مقبول بعد وفات بھی مدد

فرماتے ہیں۔ رہا مشرکین کا اپنے بتوں سے مدد مانگنا یہ بالکل شرک ہے وہ درجہ سے۔ اول تو اس لئے کہ وہ ان بتوں میں خدائی اثر اور ان کو جھوٹا

خدا مان کر مدد مانگتے ہیں۔ اس لئے ان کو وہ یا شرکاء کہتے ہیں۔ یعنی ان بتوں کو اللہ کا بندہ اور پھر الوہیت کا حصہ دار مانتے ہیں جیسے عیسیٰ علیہ السلام کو

عیسائی لٹکا بندہ ہونے کے ساتھ اس اللہ یا ٹارٹ ٹارٹ یا عین اللہ مانتے ہیں مومن ان اولیاء و انبیاء کو کھنکھن بندہ ہی مان کر ان کو اس طرح کا حاجت روا

مذاہبِ حاکم ماں لے دو بھرم ہے۔ مصلحتی حکام، نو، خود ساختہ حاکموں سے بچو۔ ایسے ہی ربانی حکام سے مدد و کھڑکیاں صرین سے بچو۔
 مولیٰ علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے حکم دیا کہ۔

ادھب الیٰ فرعون اللہ طہی بارہ سورہ ۲۰۵ بیت ۲۴ "فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو گیا۔"

آپ نے عرض کیا۔ واجعل لّٰی وزیر من اہلبی ہرؤں احیٰ اشذذبہ ازری بارہ سورہ ۲۰۵ بیت ۲۹ (۳۱، ۳۰)
 "مولیٰ حضرت ہاموں کو میرا وزیر بنا دے جس سے میرے بار و کثوت ہو۔"

رب تعالیٰ نے بھی نہ فرمایا کہ تم میرے سوا کسی اور سہارہ کیوں لیا؟ بلکہ منظور فرمایا۔ معلوم ہوا کہ لہذا وہاں کا سہارا لینا طریقہ حیا ہے۔

اعتراض ۱۔ درمختار دہب مرتدین کہ مات اولیٰ میں ہے کہ قول **ثبت لّٰہ** قبل **یکفرہ** معلوم ہو کہ یا عبدالقادر
 جیلانی **شیئاً لّٰہ** کہنا کفر ہے۔

جواب یہاں **شیئاً لّٰہ** کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی حاجت روائی کے لئے کچھ دو۔ رب تعالیٰ تمہارا محتاج ہے جیسے کہ جانا ہے کہ یتیم کے لئے
 کچھ دو۔ یہ معنی واقعی کفر ہیں۔ اس کی شرح میں شامی نے فرمایا۔ **انما ان قصد المعنی الضحیح فانظر لّٰہ لا باس بہ** یعنی
 اگر اس سے صحیح معنی کی سہت کی کہ لہ کے لئے مجھے کچھ دو یہ جائز ہے اور ہمارے نزدیک **ثبت لّٰہ** کا یہ معنی مطلب ہے۔

اعتراض ۲

دو کیا ہے جو نہیں ملتا خدا سے جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے ا

جواب

دو چندہ ہے جو نہیں ملتا خدا سے جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے
 تو سل کر نہیں سکتے خدا سے اسے ہم مانگتے ہیں اولیاء سے

اعتراض ۳۔ خدا کے بندے ہو کر طبر کے پاس کیوں جائیں؟ ہم اس کے بندے میں چاہے کہ کسی سے حاجتیں مانگیں (تتوفیۃ الیہاں)۔
 جواب ہم خدا کے بندہ خدا کے حکم سے خدا کے بندوں کے پاس جاتے ہیں۔ قرآن بھیج رہا ہے۔ کہ اسی سے گدشتہ تقریر۔ اور خدا سے ن
 بندوں کو اسی لئے دنیا میں بھیجا ہے۔

حاکم حکیم دارو دو دین یہ کچھ نہ دین مردود یہ مراد کس آیت خبر کی ہے ا

اعتراض ۴۔ قرآن کریم نے کفار کا کفر یہ بیان کیا ہے کہ وہ جنوں سے مدد مانگتے ہیں۔ وہ جنوں سے مدد مانگ کر مشرک ہوئے اور تم اولیاء سے۔
 جواب اور تم بھی مشرک ہوئے اخصیاء، پولیس اور حاکم سے مدد مانگ کر یہ فرق ہم اپنی عقلی تقریر میں بیان کر چکے ہیں۔
 رب تعالیٰ لہا مانے۔

ومن علیٰ لّٰہ فلیس تحد لہ بصیرا بارہ سورہ ۵۰ آیت ۵۲

"خس پر خدا کی حسرت ہوتی ہے۔ سکا دگا کوئی نہیں ہوتا مومن پر خدا تعالیٰ کی رحمت ہے اس کے لئے رب تعالیٰ نے بہت مددگار بنائے۔"

اعتراض ۵۔ شرح فقہ کبیر میں حاکمی قاری نے لکھا ہے کہ حضرت غلیل نے "م" میں پہنچی کہ حضرت جبریل کے پوچھنے پر بھی اس سے
 مدد نہ مانگی۔ بلکہ فرمایا ہے جبریل تم سے کوئی حاجت نہیں، اگر غیر خدا سے حاجت مانگنا جائز ہوتا تو ایسی شدت میں غلیل اللہ جبریل سے کیوں مدد نہ
 طلب کرتے۔

جواب یہ وقت امتحان تھا، مدد دینا تھا کہ حرف شکایت مرے نکالنا اور کو ناپسند ہوگا۔ اسی نے غلیل اللہ نے اس وقت خدا سے بھی دعا نہ کی بلکہ
 فرمایا کہ اسے جبریل تم سے کچھ حاجت نہیں اور جس سے ہے وہ خود چاہتا ہے جیسے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی
 خبر دی۔ مگر اس مصیبت کے دفع ہونے کی کسی نے بھی دعا نہ کی۔ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ حضرت مرتضیٰ نے نہ حضرت فاطمہؓ ہر ارضی اللہ
 تعالیٰ عنہا نے۔

اعتراض ۶۔ لہذا وہاں سے مدد مانگنا جائز ہے مگر مردوں سے نہیں۔ کیونکہ زندہ میں مدد کی حاجت ہے مردہ میں نہیں۔ لہذا یہ مشرک ہے۔

جواب قرآن میں ہے **وایاک نستعین** ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ اس میں زندہ اور مردے کا فرق کہاں۔ کیا زندہ کی عبادت
 جائز ہے مردے کے نہیں؟ جس طرح غیر خدا کی عبادت مطلقاً مشرک ہے زندہ کی ہو یا مردے کی استمداد بھی مطلقاً مشرک ہونی چاہیے۔

مولیٰ علیہ السلام نے اپنی وفات کے ڈھائی ہزار برس بعد امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مدد فرمائی کہ شب معراج میں پچاس لہروں کی بجائے

پانچ کرا دیں۔ رب تعالیٰ جانتا تھا کہ ہماری پانچ رہیں گی مگر بزرگانِ دین کی مدد کے لئے پچاس مقرر فرما کر پھر دوسری روں کی دعا سے پانچ مقرر فرمائیں۔ استمداد کے منکرین کو چاہئے کہ نمازیں پچاس پڑھا کریں۔ کیونکہ پانچ میں غیر اللہ کی مدد شامل ہے۔ نیز قرآن کریم تو فرماتا ہے کہ ادعیاء اللہ زندہ ہیں ان کو مردہ نہ کہو اور نہ چالو۔

وَلَا تَقُولُوا الْمَيِّتُ يَنْفُتُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءُ وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُوْنَ (پارہ ۳ سورہ ۲۹ آیت ۵۴)

"جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے اس کو مردہ نہ کیونکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تم حساس نہیں کرتے۔"

جب یہ زندہ ہوئے تو اس سے مدد حاصل کرنا جائز ہوا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ شہداء کے بارے میں ہے جو کہ تلواریں سے راہِ خدا میں مارے جا دیں گے۔ مگر یہ بدوجہ زیادتی ہے اس لئے کہ آیت میں تو ہے کہ تلواریں کا ذکر نہیں ہے جو حضرات شہید لٹی کی تلوار سے مقتول ہوئے وہ بھی اس میں داخل ہیں (مدح الہیان) اسی لئے حدیث پاک میں آیا کہ جو دُوب کمرے، جل جادوے، اطاعون میں مرے، عورت ریتگی کی حالت میں مرے۔ طالب علم مسافر و غیرہ سب شہید ہیں۔ نیز اگر صرف تلواریں سے مقتول تو زندہ ہوں، باقی سب مردے تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام در صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معاذ اللہ مردہ ماننا زہم آوے گا۔ حالانکہ سب کا منتظر عقیدہ ہے کہ حضراتِ نبوت کامل زندہ ہیں۔ نیز زندہ اور مردے سے مدد مانگنے کی حقیقی بہیم ثبوت استمداد میں کر چکے ہیں کہ مہمراہی فرماتے ہیں کہ جس سے زندگی میں مدد چاہتی ہے بعد موت بھی اس سے مدد مانگی جاوے اور اس کی کچھ حقیقی بوسہ حرکات اور سفر زیارت تلواریں بھی ہوگی۔ اَسَاءَ اللَّهُ تَعَالٰی

تفسیر صادیؒ فرسورہ قصص وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ اٰخَرَ کی تفسیر میں ہے۔

فَحَسْبُ فُلَيْسَ فِي الْآيَةِ دَلِيلٌ عَلَى مَرَعَمَ الْخَوَارِجِ مِنْ اَنْ الطُّغْيَانِ مِنَ الْغَيْرِ حَبٌّ وَمَيْتًا شَرَكْتُ لَآلِهَ حَسْبُ فُلَيْسَ لَا اَنْ سَوَاءَ الْعَبْرَ مِنْ اَحْرَاءَ اللَّهُ الْفَعْلُ اَوْ لِنَصْرِ عَمِي بَدَدَ فِدَا يَكُونُ وَاحِبًا لَّآلِهَ مِنْ التَّمَسُّكِ بِالْاَسْبَابِ وَلَا يَنْكُرُ الْاَسْبَابُ اِلَّا خُفُوْدًا وَحِفْوَ لَا

"یعنی یہاں لائے معنی میں نہ پوجا بلکہ اس آیت میں رُخا رہوں کی دلیل نہیں جو کہتے ہیں کہ غیر خدا سے خواہ زندہ ہو یا مردہ کچھ مانگنا شرک ہے۔ خاریجوں کی یہ نیکو اس جہالت ہے کیونکہ غیر خدا سے مانگنا اس طرح کہ رب اس کے درپے سے نفع نقصان دے کبھی واجب ہوتا ہے یہ طلب اسباب کا حاصل کرنا ہے اور اسباب کا انکار نہ کرے گا مگر منکر یا جاہل۔"

اس عبارت سے تین باتیں معلوم ہوں گی (۱) غیر خدا سے مانگنا صرف جائز نہیں بلکہ واجب بھی ہوتا ہے (۲) اس طلب کا انکار خاریجی کرتے ہیں (۳) لائے معنی میں پوجنے کی نلی ہے نہ کہ پکارے کی یا مدد مانگنے کی۔

اعتراض ۱۰ بزرگانِ دین کو دیکھا گیا ہے کہ بڑھاپے میں چل بچ نہیں سکتے اور بعد وفات بالکل بے دست و پا ہیں پھر ایسے کمزوروں سے مدد دینا بتوں سے مدد کی طرح غریب ہے۔ اس کی بہائی رب تعالیٰ نے یہاں کی کہ **وَلَا يَسْتَعِيْنُهُ نَذْبَابٌ شَيْئًا لَا يَسْتَعِيْذُ اَمَةً اَوْ اٰثَرًا** قبروں سے کبھی بھی دفع نہیں کر سکتے۔ ہماری کیا مدد کریں گے۔

جواب یہ تمام کمزوریاں اس جسمِ حاکی پر اس لئے خاریجی ہوتی ہیں کہ اس کا تعلق روح ہے کمزور ہو گیا روح میں کوئی کمزوری نہیں، بلکہ بعد موت اور زیادہ قوی ہو جاتی ہے کہ قبر کے اندر سے ہر دلوں کو دیکھتی اور قدموں کی دھار سنتی ہے۔ خصوصاً ارواحِ انبیاء رب تعالیٰ نے فرمایا ہے **وَلَا حَرَفٌ حَبِيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاَوَّلٰی** پر پچھلی غمزدگی گذشتہ غمزدگی سے آپ کے لئے بہتر ہے اور ستمہ ادوی کی روح سے ہے۔ یہ نہ جسمِ غمزدگی سے کفار جن سے مدد مانگتے ہیں وہ روحانی طاقت سے خالی ہیں نیز وہ چمروں کو پتہ نہ دگا جاتے ہیں جن میں روح بالکل نہیں۔

تفسیر روح البیان پارہ ۱۰ آیت **يُحْصِلُوْهُ عَمَّا وَيُخْرِجُوْهُ عَمَّا** کی تفسیر میں ہے کہ حضرت خاند امیر نے رہبر یا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضور علیہ السلام سے خیبر میں رہ کر لکھا۔ مگر بوقت وفات اثر ظاہر ہوا کہ انہوں نے مقام حقیقت میں رہ کر رہا تھا۔ اور زہر کا اثر حقیقت پر نہیں ہوتا۔ بوقتِ بشریت کا ظہور تھا کہ موت بشریت پر طاری ہوتی ہے۔ لہذا اب اثر ظاہر ہوا۔ حضرات کو قبر کی کبھی تو کیا عالم کو پست دینے کی طاقت ہے۔ مگر اس جانب توجہ نہیں۔ حاتم کتبہ میں تیس سو برس بت رہے رب نے دور نہ کیے تو کیا خدا کمزور ہے اپنے گھر سے نجات دور نہ کر سکا؟ رب کبھی دے۔

اعتراض ۱۱ حضرت علیؓ و امام حسینؓ میں اگر کچھ طاقت ہوتی تو خود دشمنوں سے کیوں شہید ہوتے جب وہ اپنی معصیت دفع نہ

کر سکے۔ تو تمہاری معصیت کیا دفع کریں گے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَلَا يَسْتَعِيْذُ اَمَةً**

جواب ان دفع معصیت کی طاقت تو تھی۔ مگر طاقت کا استعمال نہ کیا۔ کیونکہ رب تعالیٰ کی مرضی ایسی ہی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کا عصا و فرعون کو بھی

کھا سکتا تھا۔ مگر وہاں استعمال نہ کیا اب ہم جس رخصی اللہ عزہ میں طاقت تھی کہ نہ ہر میں خوش کوڑا منگا بیٹے قرأت کی یہ حقیقت تھی مگر رخصی پر خضاء الہی
ٹھے۔ دیکھو یہاں میں ہمارے پاک پانی ہوتا ہے۔ مگر حکم الہی کی وجہ سے استعمال نہیں کرتے بخلاف جنوں کے کہ ان میں طاقت ہی نہیں۔ لہذا یہ
آیت انبیاء و رسل کے لئے پڑھنا یہی ہے۔ یہ جنوں کے لئے ہے۔ حضرت جس کے ماما نے ہر دار پٹی الگیوں سے پانی کے ٹٹھے بہا دیئے یہ
پانی جنت سے آتا تھا۔

بحث بدعت کے معنی اور اس کے اقسام و احکام

اس میں دو باب ہیں۔ پہلا باب بدعت کے معنی اور اس کے اقسام و احکام ہیں۔ دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات ہیں۔

پہلا باب

بدعت کے معنی اور اس کے اقسام و احکام میں

بدعت کے لغوی معنی ہیں نئی چیز۔

قرآن کریم فرماتا ہے۔ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ، پھر سورہٴ ۲۶ ص ۳۶ ب ۹، ”فرما دو کہ میں یا رسول نہیں ہوں۔“

نیز فرماتا ہے۔ بَدِيعٌ لِّسَمَوٰتٍ وَٱلْاَرْضِ ”آسمانوں اور زمینوں کا ایجاد کرنے والا ہے۔“

نیز فرماتا ہے۔ وَرَهْبَانِيَّةً اٰتَدَعَوْا هَآءِ مَا كُنَّا مِنْ عِبَادِهِمْ

ان آیات میں بدعت لغوی معنی میں استعمال ہو ہے۔ یعنی ایجاد کرنا، یا بنانا، وغیرہ۔

مرقاۃ مفقودہ باب الاحصاء بالکتاب و السنۃ میں ہے

قُلْ اَلْبُدْعَةُ لِبَدْعِهِ كُلِّ شَيْءٍ غِبِلٌ عَنِ عِبْرِ مَثَابٍ سَبَقِ ”بدعت وہ کام ہے جو بغیر گذری مثال کے کیا جاوے۔“

سب بدعت میں معنی میں استعمل ہوتا ہے۔ یا کام جو حضور انور کے بعد ایجاد ہوا۔ خلاف سنت کام جو بدعت میں استعمل ہو۔ برے عقائد جو بعد میں پیدا ہوئے پہلے معنی سے بدعت دو قسم کی ہے۔ جسہ سید دوسرے دو معنی سے ہر بدعت سید ہی ہے جن پر لوگوں نے فرمایا کہ ہر بدعت سید ہوتی ہے وہاں دوسرے معنی مرا ہیں وہ جو حدیث میں ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے وہاں تیسرے معنی مرا ہیں ہذا احادیث و اقوال علماء آپس میں متعارض نہیں۔

بدعت کے شرعی معنی ہیں وہ اعتقاد یا وہ اعمال جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ حیات ہی میں نہ ہوں بعد میں ایجاد ہوئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بدعت شرعی دو طرح کی ہوئی۔ بدعت اعتقادی اور بدعت عملی۔ بدعت اعتقادی ان برے عقائد کو کہتے ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد مسلمان میں ایجاد ہوئے جیسا کہ یہودی، مجوسی اور مشرکین کے عقائد بدعت اعتقادی نہیں۔ کیونکہ یہ حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں موجود تھے۔ نیز یہ عقائد کو جیسا کہ غیر بھی سلائی عقائد نہیں کہتے اور جبر، یہ قدر، یہ مرجع، چکر الہی، غیر مقدم، و غیر بدعت اعتقادی ہیں۔ کیونکہ یہ سب بعد کو بنے۔ اور یہ لوگ س کو سلائی عقائد سمجھتے ہیں۔ مثلاً یہ بندی کہتے ہیں کہ خدا اجھوٹ پر قادر ہے۔ حضور علیہ السلام قیب سے جا ملے یا حضور ﷺ کا خیال نہ کر میں تل گدھے کے خیال سے بدتر ہے۔ یہ ناپاک عقیدے بارہویں صدی کی پیداوار ہیں۔ جیسا کہ ہم شری سے اس کا ثبوت مقدمہ کتاب میں دے چکے ہیں۔ بدعت حسہ کے ثبوت ملاحظہ ہوں۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَحَسْبُكَ فَنُوبُ ٱلَّذِينَ اَتٰبُفُوهُ رَفَنَ زُرْحَمَتُهُ وَرَهْبَانِيَّةً اٰتَدَعَوْا هَآءِ مَا كُنَّا مِنْ عِبَادِهِمُ ٱلْاَبْتَدَاءُ رَصُوْنَ لَنَّهُ

پھر فرماتا ہے۔ فَتَسَا ٱلَّذِينَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اٰخِرُهُمْ اِسْتِثْنٰی سے معلوم ہوا کہ جیسے لوگوں نے بدعت حسہ یعنی تارک الدہا ہو جانا ایجاد کیا

رب نے اس کی تعریف کی بلکہ اس پر جرم بھی دیا۔ ہاں جو سے نبی نہ سیکان پر عقاب تیار فرمایا گیا۔ افسار عوہا حق رعایت ہا دیکھو ایجاد

بدعت پر عقاب نہیں ہوا بلکہ جس نے پر معلوم ہوا کہ بدعت حسہ اچھی چیز ہے اور باعث ثواب۔ مگر اس پر پابندی نہ کرنا بُرا خبیث الامر

اور دھوکا لہذا چاہئے کہ مسلمان محفل میدا شریف وغیرہ پر پابندی کریں۔ مفقودہ باب الاحصاء کی پہلی حدیث ہے کہ من احداث فی

امرنا ہذا ما لیس منہ فہو رد جو شخص ہمارے اس دین میں وہ عقیدے ایجاد کرے جو دین کے خلاف ہوں وہ مردود ہے۔ ہم نے ناکے

معنی عقیدے اس لئے کئے ہیں کہ دین عقائد کا ہی نام ہے اعمال فروع میں بے نزاری گنہگار ہے بے دین یا کافر نہیں۔ بدعت ایجاد تو گمراہ ہے یا کافر۔

اس کے تحت مرقات میں ہے۔

وَلَمَعْنٰی اَنْ مِّنْ اَحَدٍ فِی الْاِسْلَامِ رَآءُ فِہُو مَرْدُوْدٌ عِنْدَ اَقْوَالِہِی وَصِفِ اَلْاَمْرِ اِمَارَةً لِّیْ اَنْ

امر الاسلام کمال ”معنی یہ ہیں کہ جو اسلام میں ایسا عقیدہ نکالے کہ دین سے نہیں ہے وہ اس پر رد ہے میں کہتا ہوں کہ ہذا امر کے وصف میں اس طرف اشارہ ہے کہ اسلام کا معاملہ مکمل ہو چکا۔“

ثابت ہو کہ بدعت عقیدے کو فرمایا گیا۔ اسی مشکوٰۃ باب ۱۰، ۱۱ میں ہمارے ہمارے ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی نے کہا کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے تو فرمایا: **بَلَّغْنِيْ تَهْ قَدْ اَحْدَثَ فَاِنْ كُنْ اَحْدَثٌ فَلَا تُصَلِّهِ مَعِيَ السَّلَامُ** مجھے خبر لی کہ وہ بدعتی ہو گیا ہے اگر ایسا ہو تو اس کو میرا سلام نہ کہنا۔ بدعتی کیسے ہوا؟ فرماتے ہیں۔

يَقُولُ يَكُونُ فِي أُمِّي حَسَنٌ وَمَسْحٌ أَوْ قَدْ فِيهَا هَلِ الْقَدَرُ

”حضور علیہ السلام فرماتے تھے کہ میری امت میں زمین میں دفن صورت بدلنے والا چھوڑنا ہوگا تو یہ لوگوں میں۔“

معلوم ہوا کہ وہ قدریہ یعنی تقدیر کا منکر ہو گیا تھا۔ اس کو منکر فرمایا۔

درمختار کتاب الصلوة باب الامت میں ہے۔

وَمُبْتَدِعُ أَيِّ صَاحِبِ بَدْعَةٍ وَهِيَ اعْتِقَادُ حِلَالِ الْمَعْرُوفِ عَنِ الرَّسُولِ

"ہدنی نام کے پیچھے نہ ذکر و نہ ہے بدعت اس عقیدے کے خلاف اعتقاد رکھتا ہے جو حضور علیہ السلام معروف ہیں۔"

من جہالت سے معلوم ہوا کہ بدعت نئے اور پرے عقائد کو بھی کہتے ہیں اور بدعت اور بدعتی پر جو بحث و مباحثہ عادیات میں آتی ہیں ان سے مراد بدعت اعتقادیہ ہے حدیث میں ہے کہ جس سے بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کے ڈھانے پر جد و جہد کی۔ یعنی بدعت اعتقادیہ واسطے کی۔ قتادہ بن رشید یہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ 4 میں ہے ”جس بدعت میں ایسی شے عید ہے وہ بدعت لی احق کہ ہے۔ جیسا کہ روافض خوارج کی بدعت ہے۔

بدعت مملیٰ ہر وہ کام ہے جو حضور علیہ السلام کے زمانہ پاکہ کے بعد اپنی وجوہ خواہ وہ دنیاوی ہو یا جہی خواہ مسیحی بدکردار کے زمانہ میں ہو یا اس کے بھی بعد۔

مرقات باب الاصلہام میں ہے۔

وفي الشَّرعِ أحدُ ثَمالِهِ يُكسَى في عهدِ رسولِ اللَّهِ عليه السَّلامُ

"بدعت شریعت میں اس کام کا بھلا دیکر رہا ہے جو کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ ہو۔"

الاعتقاد الصحیح میں یہ لفظ ”بدعت“ ہر چیز پر مشتمل ہے جو بعد از پیغمبر علیہ السلام بدعت است۔ جو کام حضور علیہ السلام کے بعد پیدا ہوا وہ بدعت ہے۔ ان دونوں معنیوں میں نہ تو دینی کام کی قید ہے نہ دنیوی کام کی۔ بدعت کا لفظ جو کام بھی ہو دینی ہو دنیوی حضور علیہ السلام کے بعد جب بھی ہو جو نہ صحابہ میں یا اس کے بعد وہ بدعت ہے ہاں عرف عام میں ایجاد سے صحابہ کو مستحجاب کہتے ہیں بدعت نہیں بولتے یہ عرف ہے اور نہ خود فاروقی عظیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تراویح کی بدعت قرار دیا کہ **باعتدال البدعہ** ہدہ یہ تو بہت ہی اچھی بدعت ہے۔

بدعت مملی دو قسم کی ہے۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔ بدعت حسنہ وہ یا کام جو کسی سنت کے خلاف نہ ہو جیسے مجلس میلہ دار ودینی، رکن درختے نئے عمارت کھانے اور پریس میں قرآن و دینی کتب کا چھپوانا اور بدعت سیئہ وہ جو کہ کسی سنت کے خلاف ہو یا سنت کو مٹانے والی ہو۔ جیسے کہ خیر عربی میں خطبہ جمعہ و عیدیں پڑھنا، کہ لاؤڈ سپیکر پر نور پڑھنا پڑھانا کہ اس میں خطبہ یعنی عربی میں۔ ہوتا اور تبلیغ تکبیر کی سنت اٹھ جاتی ہے۔ یعنی بذریعہ میکسین کے آواز پہنچانا بدعت حسنہ جائز بلکہ بعض وقت مستحب اور واجب بھی ہے اور بدعت سیئہ مکروہ تنزیہی یا مکروہ تحریمی یا حرام ہے۔ اس تقسیم کو ہم آئندہ بیان کریں گے۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی دلیل سنو۔ **اشعۃ المفاتیح** جلد اول باب ۱۰ صفحہ زیر حدیث **و کُلُّ بدعتہ ضلالۃ** ہے "اگرچہ موافق اصول و قواعد است و قیاس کردہ شدہ است" تا بدعت حسنہ کو چند و چند مخالف "تا" باشد باعث ضلالت گویند۔ جو بدعت کے اصول و قواعد میں اور سنت کے موافق ہے اور اس سے قیاس کی ہوئی ہے۔ اس کو بدعت حسنہ کہتے ہیں اور جو اس کے خلاف ہے اس کو بدعت گمراہی کہتے ہیں۔

میں سنّ فی الاسلام سنّۂ حسنہ و سنّۂ قبیحہ میں عمل کیا میں بعدہ میں غیر ان بقیص میں انورہم شیعین و میں سنّ فی الاسلام سنّۂ حسنہ و سنّۂ قبیحہ میں عمل کیا میں بعدہ میں غیر ان بقیص میں انورہم شیعین جو کوئی اسلام میں چھ طریقہ جاری کرے اس کو اس کا ثواب ملے گا۔ اور اس کا بھی جو اس پر عمل کریں میا واران کے ثواب سے کچھ کم نہ ہوگا۔ اور جو شخص اسلام میں بڑا طریقہ جاری کرے اس پر اس کا گناہ بھی ہے اور ان کا بھی جو اس پر عمل کریں اور ان کے گناہ میں بھی کچھ کمی ہوگی معصوم ہوا کہ اسلام میں کار خیر بچاؤ کرنا ثواب کا باعث ہے۔ ورنہ بے کام نکان گناہ کا موجب۔

شرعی کے مقدمہ میں فیصلہ کل امام بو حنیفہ یا سہرا تے جوئے کہتے ہیں۔

قَالَ الْعُلَمَاءُ هَذِهِ أَحَادِيثٌ مِنْ فَوَائِدِ الْأَسْلَافِ وَهِيَ أَنَّ كُلَّ مَنْ أَبْدَعَ شَيْئًا مِنَ الشَّرِّ كَانَ عَلَيْهِ مِثْلُ وَرَرٍ مِنْ الْقَنْدَرِ بِهِ فِي ذَنْبِكَ وَكُلُّ مَنْ أَبْدَعَ شَيْئًا مِنَ الْحَيْرِ كَانَ لَهُ مِثْلُ حَرِّ ثَوْبٍ مَنْ يُعْمَلُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ

علماء فرماتے ہیں کہ یہ حدیثیں اسلام کے قانون ہیں کہ جو شخص کوئی بدعت ایجاد کرے اس پر اس کام میں ساری پیروی کرنی والوں کا گناہ ہے اور جو شخص بھی بدعت نکالے اسکو قیامت تک کے سارے پیروی کرنے والوں کا ثواب ہے۔

اس سے بھی معلوم ہو کہ بدعتِ ثواب ہے اور بری بدعت گناہ۔ نئی بدعت وہ ہے جو سنت کے خلاف ہو۔ انکی بھی دلیل ماحظ ہو۔ مشکوٰۃ باب الاحصام میں ہے۔

”محدث فی مروتا هذا ما ليس منه فهو رد“ جو شخص جو کچھ اس دین میں کوئی نئی چیز نکالے جو کہ دین سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔“
 دین سے نہیں ہے کے معنی یہ ہیں کہ دین کے خلاف ہے۔ چنانچہ ائمتہ المعصومات میں اسی حدیث کی شرح میں ہے۔ ”وہر اذ چیز سے است کہ مخالف و متغیر نہ باشد“ اس سے مراد وہ چیز ہے جو کہ دین کے خلاف یا دین کو بدلنے والی ہو۔
 اسی مشکوٰۃ باب الاحصام تیسری فصل میں ہے۔

”ماحدث قوم بدعة لا رفع منها من السنة فتشك نسبة خبر من حدثت بدعة“
 ”کوئی قوم بدعت ایجاد نہیں کرتی مگر اتنی سنت اٹھ جاتی ہے۔ لہذا سنت کو یہاں بدعت کے ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔“

اس کی شرح میں ائمتہ المعصومات میں ہے ”دچوں حدیث بدعت رافع سنت است ہمیں قیاس قامت سنت قاطع بدعت جو بد ہو۔“ اور جب بدعت نکالنا سنت کو مٹانے والا ہے تو سنت کو قائم کرنا بدعت کو مٹانے والے ہوگا۔
 اس حدیث اور انکی شرح سے یہ معلوم ہوا کہ بدعت سیدہ یعنی بری بدعت وہ ہے کہ جس سے سنت مٹ جاوے۔ انکی مثالیں ہم پہلے دے چکے ہیں۔ بدعت حسد اور بدعت سیدہ کی پہچان خوب یاد رکھنا چاہئے کہ اسی جگہ دھوکا ہوتا ہے۔

بدعت کی قسمیں اور ان کے اقسام

یہ تو معلوم ہو چکا کہ بدعت دو طرح کی ہے۔ بدعت حسد اور بدعت سیدہ۔ اب یاد رکھنا چاہئے کہ بدعت حسد میں طرح کی ہوتی ہے۔ بدعت جائزہ بدعت مستحبہ بدعت واجبہ۔ اور بدعت سیدہ دو طرح کی ہوتی ہے۔ بدعت مکروہ اور بدعت حرام۔ اس تقسیم کی دلیل ماحظ ہو۔
 مرقاۃ باب الاحصام یا کتاب ولسفہ میں ہے۔

”البدعة اما واجبة كنعيم الثور وندوب افضول النقة و اما محرمة كمدھب لحرية و اما مندوبة كاحداث الزوابط و مدارس و كل احسان لم يعهد في لصدور الاول كالتراويح اي بالجماعة العامة و اما مكروهة كذخرفة المسجد و اما فحاة عقاب الصبح و التوسع ببديد الماكيل و المشارب“

”بدعت یا تو واجب ہے جیسے علم نوح کا سکھانا اور اصول فقہ کا جمع کرنا اور یا حرام ہے جیسے جبریہ مذہب اور یا مستحب ہے۔ جیسے مسافر جانوں اور مدرسوں کا ایجاد کرنا اور ہر وہ بھی بات جو پہلے زمانہ میں نہ تھی اور جیسے عام بدعت سے تراویح پڑھنا اور یا مکروہ ہے جیسے مسجدوں کو فخریہ عزت دینا اور یا جائز ہے جیسے فخری نماز کے بعد مصافحہ کرنا اور عہدہ عمرہ کھانوں اور شربتوں میں وسعت کرنا۔“
 شامی جلد اول کتاب الصلوٰۃ باب الامت میں ہے۔

ای صاحب بدعة محرمة و الا فقد تكون و حنة كصب الا ذلة و تعلم السحر و مندوبة كاحداث سحور باج و مدرسة و كل احسان لم يكن في اضدر الا و ل مكروهة كزخرفة المسجد و مباحة كالتوسع ببديد الماكيل و المشارب و نيب كما في شرح الجامع الصغير

”یعنی حرام بدعت والے کے پیچھے نہ رکھو وہ بدعت تو کبھی واجب ہوتی جیسے کہ لاکھ قائم کرنا اور علم نوح سکھانا اور کبھی مستحب جیسے مسافر خانہ اور مدرسے اور ہر وہ بھی چیز جو کہ پہلے زمانہ میں نہ تھی اس کا ایجاد کرنا اور کبھی مکروہ جیسے کہ مسجدوں کی فخریہ عزت اور کبھی مباح جیسے عہدہ کھانے شربتوں اور کپڑوں میں وسعت کرنا اسی طرح جامع صغیر کی شرح میں ہے۔“

ان عبارت سے بدعت کی پانچ قسمیں بخوبی واضح ہوئیں۔ بہت معلوم ہوا کہ ہر بدعت حرام نہیں بلکہ بعض بدعتیں کبھی ضروری بھی ہوتی ہیں جیسے کہ علم فقہ اصول فقہ قرآن کریم کا جمع کرنا یا قرآن کریم میں اعراب لگانا یا آج کل قرآن کریم کا چھپنا اور دینی مدرسوں کے درس وغیرہ جانا۔

شرعی جلد پنجم بحث قرہائی میں ہے۔

فَلْ لَّيْسَ لَّيْسَاتُ تَجْعَلُ لِعَادَاتِ عِبَادَاتٍ "کیونکہ نیت خیر عادات کو عبادت بنا دیتی ہے۔"

اسی طرح مرقاۃ بحث نیت میں بھی ہے۔

ان حدیث و فقہی عباراتوں سے معلوم ہوا کہ جو جائز کام میتِ ثواب سے کیا جاوے یا مسلمان اس کو ثواب کا کام جانے۔ وہ عند اللہ بھی کارِ ثواب ہے۔ مسلمان اللہ کے گواہ ہیں جس کے ایسے ہونے کی کوئی ایسی وجہ ہے اور جس کو یہ کہیں وہ بر۔ گوئی کی نہیں بحث ہماری کتاب شاہ حبیب الرحمن میں دیکھو اور اس کتاب میں بھی عرض بزرگان کی بحث میں کچھ اس کا ذکر آویگا۔

بدعت واجبہ وہ نیا کام جو شرعاً منع نہ ہو اور اس کے چھوڑنے سے دین میں حرج واقع ہو۔ جیسے کہ قرآن کے اعراب اور دینی مدارس اور علم و نحو وغیرہ پڑھنا اس کے حوالے لکھ چکے۔

بدعت مکروہہ وہ نیا کام جس سے کوئی سنت چھوٹ جاوے۔ اگر سنت غیر سوکندہ چھوٹی تو یہ بدعت مکروہہ تیز بھی ہے۔ اور اگر سنت مکروہہ چھوٹی تو یہ بدعت مکروہہ تحریمی۔ کئی مثالیں اور حوالے لکھ رہے۔

بدعت حرام وہ نیا کام جس کوئی واجب چھوٹ جاوے۔ یعنی واجب کو مٹانے والی ہو۔

در مختار باب ۱۰۱۱ میں ہے کہ اذان کے بعد سلام کرنا ۸۱۲ھ میں ایجاد ہوا۔ لیکن وہ بدعت حسنہ ہے اس کے ماتحت شامی میں ہے کہ اذان جو ق کے بارے میں فرماتے ہیں۔

ففيه دليل على انه غير مكروه لان المنوارث لا يكرهون مكروها وكذا لك تفوت في الاذان بين يدي الحطيم فيكون بدعته حسنة دھارہ المؤمن حسنًا لہو عند اللہ حسن

اس سے معلوم ہوا کہ جو جائز کام مسلمانوں میں مروج ہو جائے باعثِ ثواب ہے۔

آگاہ آپ کو دکھائیں کہ اسلام کی کوئی عبادت بدعت حسہ سے خالی نہیں۔ فہرست ملاحظہ ہو۔

ایمان مسلمان کے بچے بچہ کو ایمان بخش اور ایمان مٹانے کا ذکر یا جاتا ہے۔ ایمان کی یہ دو قسمیں اور ان کے یہ دونوں نام بدعت ہیں قرونِ ثلاثہ میں اس کا پتہ نہیں۔

حج ریل گاڑیوں، مارہویں، موٹروں، ہوائی جہازوں کے ذریعہ حج کرنا۔ مسافروں میں عراقات شریف جانا بدعت ہے اس زمانہ پاک میں نہ سوار یاں نہیں نہ ان کے ذریعہ حج ہوتا تھا۔

طہریت طہریت کے قریباً سارے مشاغل اور تصوف کے قریباً سارے مسائل بدعت ہیں مرتبہ، طے، پاس، انکاس، تصور، شہ، ذکر کے اقسام سب بدعت ہیں۔ جن کا قرونِ ثلاثہ میں کبھی پتہ نہیں چلا۔

چار سلسلے شریعت و طہریت دونوں کے چار چار سلسلے یعنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اسی طرح قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی یہ سب سلسلے بالکل بدعت ہیں۔ ان میں سے جس کے تو نام تک بھی عربی نہیں۔ جیسے چشتی، یا نقشبندی، کوئی سہیلی، یا سہیلی، حنفی، قادری نہ ہوتے۔

ب دیوبندی بتائیں کہ بدعت سے بچکر وہ دینی حیثیت سے رعہ بھی روکتے ہیں جب ایمان اور کلمہ میں بدعت داخل ہیں۔ تو بدعت سے بچنا کھانا؟

دیباوی چیریں آج کل دنیا میں وہ دو چیزیں ایجاد ہو گئی ہیں۔ جن کا خیر القرون میں نام و نشان بھی نہ تھا اور جن کے بغیر اب دنیاوی زندگی مشکل ہے۔ ہر شخص اس کے ستھان پر مجبور ہے۔ ریل، موٹر، ہوائی جہاز، سمندری جہاز، ٹانگ، گھوڑا گاڑی، پھر عہد، لفافہ، تار، ٹیلیفون، ریڈیو، لاؤڈ سپیکر وغیرہ یہ تمام چیزیں اور ان کا استعمال بدعت ہے۔ اور انہیں ہر جماعت کے لوگ ہی تکلیف استعمال کرتے ہیں۔

بولو، دیوبندی، دیوبالی، بغیر بدعات حسنہ کے دیوبندی رنگ کر سکتے ہیں؟ ہر رنگیں۔

لطیفہ ایک مولوی صاحب کسی شخص کا نکاح پڑھا لے گئے۔ دوہا کے پھولوں کے سہرا باندھا ہوا تھا۔ جاتے ہی بوسے یہ سہرا بدعت ہے شرک ہے حرام ہے نہ حضور نے باندھا نہ صحابہ کرم نے نہ تابعین نے نہ تیسرا بھی نہیں نے بتاؤ کسی کتاب میں لکھا ہے کہ سہرا باندھو لوگوں نے سہرا کھول دیا

جب نکاح پڑھا چکے تو دوہا کے باپ نے دس روپیہ کا نوٹ دید۔ مولوی صاحب نوٹ جیب میں ڈال رہے تھے کہ دوہا نے ہاتھ پکڑا دیں کہہا کہ مولوی صاحب نکاح پڑھا کر روپیہ لینا بدعت ہے۔ حرام ہے۔ شرک ہے۔ نہ حضور نے لے نہ صحابہ نے نہ تابعین نے۔ بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ نکاح کی نہیں مولوی صاحب بولے یہ تو خوشی کے پیسے ہیں۔ دوہا نے کہا کہ سہرا بھی خوشی کا تھا۔ غم کا نہ تھا۔ مولوی صاحب شرم سے ڈوب گئے۔ یہ جان بھر گول کی بدعت۔

دوسرا باب

اس تعریف اور تقسیم پر اعتراضات و جوابات میں

ہم نے بدعت عملی کی یہ تعریف کی ہے کہ جو کام دینی یا دنیاوی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے بعد ایجاد ہو و بدعت ہے خواہ زمانہ صحابہ کرم میں ہو یا اس کے بعد اس پر وہ مشہور اعتراض ہیں۔

اعتراض ۱

بدعت صرف اس دینی کام کو کہیں گے جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ایجاد ہو۔ دنیاوی نے کام بدعت نہیں۔ لہذا

مکمل میں وہ غیر تو بدعت ہیں اور تاریخیوں، ریل گاڑی کی سواری بدعت نہیں کیونکہ حدیث میں آیا ہے۔ **مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا** **هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ** جو شخص ہمارے دین میں کوئی بات نکالے وہ مردود ہے امرنا سے معصوم ہوتا ہے کہ دنیاوی ایجادات بدعت نہیں اور دینی بدعت کوئی بھی جسے نہیں سب حرام ہیں۔ کیونکہ حدیث میں اس سب کو کہا گیا کہ وہ مردود ہے۔

جواب دینی کام کی قید لگانا مکمل اپنی طرف سے ہے احادیث صحیحہ و اقوال علماء اور محدثین کے خلاف ہے۔ حدیث میں ہے **كُلُّ مُحَدَّثٍ**

بِدْعَةٍ (مکتوبات الامام) ہر نیا کام بدعت ہے اس میں دینی یا دنیاوی کی قید نہیں۔ نیز ہم اشعۃ اللمعات اور مرقاۃ کی عبارتیں نقل کر چکے

ہیں کہ انہوں نے عہدہ کھانے، جیسے پڑے، بدعت جائزہ میں داخل کئے ہیں۔ یہ کام دنیاوی ہیں۔ مگر بدعت میں ان کو شمار کیا ہذا یہ قید لگانا غلط ہے۔ اگر مان بھی لیا جائے کہ بدعت میں دینی کام کی قید ہے تو دینی کام اسی کو کہتے ہیں۔ جس پر ثواب ملے۔ مستحبات، نوافل، واجبات، فرائض

سب دینی کام ہیں کہ اس کو آدمی ثواب کے لئے کرتا ہے اور دنیا کا کوئی بھی کام نیت خیر سے کیا جائے اس پر ثواب ملتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ

مسلمان سے خندہ پیشانی سے مناصدق کا ثواب رکھتا ہے۔ اپنے بچوں کو پانائیت خیر سے ہوتا ثواب ہے۔ **حَتَّى الْمَقْمَرَةِ تَرَفَعُ بِهَا فِي**

أَمْرَاءَ تَك یہاں تک کہ جو خندہ اپنی زبوں کے سر میں دے وہ بھی ثواب۔ لہذا مسلمان کا ہر دنیاوی کام دینی ہے۔ اب تاء کہ نیت خیر سے پڑا

کھانا بدعت ہے یا نہیں؟ یز دینی کام کی قید لگانا آپ کے لئے کوئی مفید نہیں۔ کیونکہ دیوبند کا مدرسہ اہل کانتھاب دور حدیث، تخریفات کے

مدرسین کا پڑھانا، امتحان اور تعلیمات کا ہونا، آج قرآن پاک میں اعراب لگا، قرآن و بخاری چھاپا، مصیبت کے وقت شتم بخاری کرنا جیسا کہ

دیوبند میں پندرہ روپیہ سے کر کر یا جاتا ہے۔ بلکہ سارا فاضل حدیث بلکہ خود احادیث کو کتابی شکل میں جمع کرنا، بلکہ خود قرآن کو کاغذ پر جمع کرنا۔ اس میں

رکوع ملانا۔ اس کے تمسک سے ہمارے کربا و غیرہ و غیرہ سب ہی دینی کام ہیں اور بدعت ہیں۔ کیونکہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں اس سے کوئی کام نہ ہوا

تھا۔ بلکہ یہ حرام ہیں یہ حلال؟ پھر اسے مکمل میلا دشریف اور فاتحہ شریف نے ہی کیا قصور کیا ہے جو صرف وہ تو اس لئے حرام ہوں کہ حضور علیہ السلام کے

زمانہ میں نہ تھا اور اب پر کئے ہوئے سب کا حلال۔

ہم نے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو اپنے مناقرہ میں کہا تھا کہ آپ حضرت چارچندوں کی صحیح تعریف کر دیں۔ جس پر کوئی اعتراض نہ ہو جامع

مائع ہو۔ تو جس قدر چاہیں ہم سے اسلام میں بدعت، شرک، دین، عبادت اور آپ بھی اپنے رب کے بھروسہ پر کہتے ہیں دنیا کا کوئی دیوبندی کوئی غیر

مقلد اور کوئی شرک و بدعت کی رٹ لگانے والا ان چار چیزوں کی تعریف ایسی نہیں کر سکتا جس سے اس مذہب فتنہا جائے۔ آج بھی ہر دیوبندی و ہر

غیر مقلد کو اعلان عام ہے کہ کئی ایسی صحیح تعریف کر د جس سے مکمل میلا حرام ہو۔ اور سالہ قاسم اور پرچہ اہل حدیث حلال اور الیہ اللہ سے مدد مانگنا

شرک ہو اور چالیس وغیرہ سے استمداد و یمن سلام اور کہہ دیتے ہیں کہ انشاء اللہ یہ تعریفیں مدد ہو سکی ہیں اور نہ ہو سکیں گی۔ لہذا چاہئے کہ اپنے اس بے

اصولے مذہب سے توبہ کریں اور اہلسنت والجماعت میں داخل ہوں "الموفق" وہ حدیث جو آپ سے پیش کی۔ اس کے متعلق ہم عرض کے چکے ہیں

یا تو اسے مرد عقائد ہیں کہ دین کا عام اخلاق عقائد پر ہوتا ہے اور اگر مرد اعمال بھی ہوں تو **لَيْسَ مِنْهُ** سے مراد وہ عمل ہیں۔ جو خلاف سنت یا

خلاف دین ہوں ہم اس کے حوالہ بھی پیش کر چکے ہیں۔

یہ کہنا کہ ہر بدعت حرام ہوتی ہے بدعت حسنہ کوئی چیز نہیں یہ اس حدیث کے خلاف ہے جو پیش کی جا چکی کہ اسلام میں جو نیک کام ایجاد کرے وہ

ثواب کا مستحق ہے اور جو برا کام ایجاد کرے وہ عذاب کا۔ سیر شامی، اشعۃ اللمعات اور مرقاۃ کی عبارت پیش کی جا چکی ہیں کہ بدعت پانچ قسم کی ہے

جائزہ واجب، مستحب، مکروہ اور حرام۔ اور اگر مان بھی لیا جائے کہ ہر بدعت حرام ہے تو ہمارے وغیرہ کو ختم کر دے یہ بھی حرام ہیں۔ نیز مسائل فقہیہ اور

اشغال صوفیہ جو خیر القروں کے بعد ایجاد ہوئے تمام حرام ہو جائیں گے۔ شریعت کے چار سیٹے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی و طریقت کے چار سیٹے

قاری، چشتی، نقشبندی، سہروردی یہ تمام ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بلکہ صحابہ کرام کے بعد پیدا ہوئے پھر ان کے مسائل اجتہاد یہ اور عمل،

و قیام، مراقبہ، چلے وغیرہ سب بعد کی ایجاد ہیں اور سب لوگ ان کو دین کا کام سمجھ کر ہی کرتے ہیں، چوکلہ، ایمان مجلس و مفصل قرآن کے تمسک

پر، حدیث کی قسمیں اور ان کے احکام کہ یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف، یہ حسن ہے یا معضل وغیرہ عربی مدارس کے لصاب، حلد و ستار ہندی، ہند

بیانا، پکڑی بندھونا، اہل چوروں کا کہیں قرآن احدیث میں نام بھی نہیں۔ کوئی دیوبندی وہابی نہ چیز اس کو تو کیا ان کے نام بھی کسی حدیث میں نہیں دکھاسکتا۔ پھر حدیث کی سناد اور راویوں پر مروجہ جرح خیر القروں سے ثابت نہیں کر سکتا، غرض کہ شریعت و طریقت کا کوئی عمل ایسا نہیں جس میں بدعت شامل نہ ہو۔

موسویٰ سنیل صاحب صراطِ مستقیم صلیبیہ پر مارتے ہیں۔ ”نیز کارِ طریقت نے گرچہ اکار و مراقبات و ریاضات و مجاہدات کی تعمیل میں جو رہ داریت کے مبادی ہیں کوشش کی ہے لیکن بحکمِ ہر حق ہر کھتہ معنی و رو۔“ ہر ہر وقت کے مناسب شغلوں اور ہر ہر قرن کے مطابق حال ریاضات جدا جدا ہیں۔ ”اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تصوف کے اشعار صوفیہ کی ایجاد ہے اور ہر زمانہ میں نئے نئے ہوتے رہتے ہیں اور جا کر ہیں۔ بلکہ راہِ سلوک ان ہی سے طے ہوتی ہے۔ کہنے کہ ب وہ قاعدہ کہاں گیا کہ ہر نئی چیز حرام ہے؟ ماننا چاہئے گا کہ جو کام خلاف سنت ہو وہ بدعت ہے باقی عمدہ اور اچھا۔

اعتراض؟ مخالفین یہ بھی کہتے ہیں کہ جو کام حضور صلیہ الصلوٰۃ والسلام یا صحابہ کرام یا تابعین یا تبع تابعین کے زمانہ میں سے کسی زمانہ میں ایجاد ہو جاوے وہ بدعت نہیں۔ ان زبانوں کے بعد جو کام ایجاد ہو گا۔ وہ بدعت ہے اور وہ کوئی بھی چاہے نہیں۔ سب حرام ہیں یعنی صحابہ کرام اور تابعین کی ایجادات سنت ہیں۔ اس لئے کہ مشکوٰۃ باب الاصحاح میں ہے۔

(۱) **فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المحدثين تمتثکون بہا وعصوا علیہا۔** لہو اجد

”تم پر لازم ہے میری سنت اور ہدایت والے خلفائے راشدین کی سنت کہ اس کو دانست سے مضبوط پکڑو۔“

اس حدیث میں خلفائے راشدین کے کاموں کو سنت کہا گیا۔ اس کو پکڑنے کی تاکید فرمائی گئی۔ جس سے معلوم ہو کہ اس کی ایجادات بدعت نہیں۔

(۲) **مقلوۃ ابی اصفہا میں ہے۔**

خیر اُمتی قرسی ثمة الدین یلویہم ثمة الدین یلویہم ثمة بعد دلك قوم بشہدوں ولا یسنشہدوں و یخونون ولا یؤتمنون

”میری امت میں بہتر کردہ میرا ہے پھر وہ جو اس متصل میں پھر وہ جو ان کے متصل ہیں پھر اس کے بعد ایک قوم ہوگی جو بغیر گواہ ہائے ہوئے گواہی دیتی پھر گئی اور جو خیانت کریں گے سامین نہ ہوں گے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ تین زمانہ خیر ہیں صحابہ کرام کا تابعین کا تبع تابعین کا اور پھر شر اور خیر کا زمانہ میں جو پیدا ہوا وہ خیر یعنی سنت ہے اور شر زمانہ میں جو پیدا ہوا وہ شر یعنی بدعت ہے۔

نیز مشکوٰۃ باب الاصحاح میں ہے۔

(۳) **تشرق اُمتی علی ثلث وسبعین مئة کتبہ فی الذر الا واحده قلن من ہی یا رسول اللہ قال ما آنا علیہ واصحابی**

”میری امت کے قبضہ فرماتے ہو چار تیس گویا ایک کے سوا سب جہنمی ہیں۔ عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ ایک کون ہے؟ فرمایا جس پر ہم اور ہمارے صحابہ ہیں۔“

معلوم ہوا صحابہ کرام کی پیروی سنت کا راستہ ہے اس لئے ان کے ایجادات کو بدعت نہیں کہہ سکتے۔

مشکوٰۃ باب فضائل اصحاب میں ہے۔

(۴) **اصحابی کالنجوم فبہم اقتدینم اھتدینم**

”میرے صحابہ (رمواں اللہ علیہم) ستاروں کی طرح ہیں تم جسکے پیچھے ہو لو ہدایت پاؤ گے۔“

اس سے بھی یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی پیروی باعث نجات ہے بعد ان کے ایجاد کردہ کام بدعت نہیں۔ کیونکہ بدعت تو گمراہ کن ہے۔

جواب یہ سوال بھی محض دھوکا ہے اس لئے کہ ہم نے مرقاۃ اور اشعۃ المصابیح کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ بدعت وہ کام ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد پیدا ہوا۔ اس میں صحابہ کرام و تابعین کا ذکر نہیں۔ نیز اس لئے کہ مشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں تراویح کی باقاعدہ جماعت دیکھ کر فرمایا۔

بعتت البدعة هذه ”یہ تو بدعتی اچھی بدعت ہے۔“

خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مبارک فضل کو بدعت حسنہ فرمایا۔ اور ترمذی، ابن ماجہ، ترمذی، مشکوٰۃ شریف، باب القلوب میں حضرت ابو مالک اشجعی سے روایت فرماتے ہیں میں نے اپنے والد سے نماز فجر میں قنوت تارلہ کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: ”یہ حدیث۔“ یعنی یہ بدعت ہے۔ دیکھو زمانہ صحیحہ کی چیز کو آپ بدعت سیئہ کہہ رہے ہیں۔ اگر زمانہ صحیحہ کی ایجادات بدعت نہیں ہوتیں تو تراویح بدعت حسنہ کیوں ہوتی اور قنوت تارلہ بدعت سیئہ کیوں نہیں۔ دور زمانہ تو بدعت کا ہے ہی نہیں۔ تیسرے اس لئے کہ پہلے باب میں بحوالہ حرقات گزر چکا ہے کہ تراویح کی بدعت بدعت مستحبہ ہے یعنی تراویح سنت اور اس کی ہر قاعدہ پابندی سے۔ جماعت بدعت حسنہ انہوں نے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے فضل کو بدعت میں داخل کیا۔ چوتھے اس لئے کہ بخاری جلد دوم کتاب فضائل القرآن جمع القرآن میں ہے کہ حضرت صدیق نے حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہما کو قرآن پاک جمع کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے عرض کیا کہ **کیف نفعون شیئا لم یبعثہ رسول اللہ ﷺ قال ھو خیر** آپ وہ کام کیوں کرتے ہیں۔ جو حضور علیہ السلام نے نہ کیا صدیق نے فرمایا کہ یہ کام اچھا ہے حضرت زید ابن ثابت نے ہر گاہ صدیق رضی اللہ عنہما میں یہ ہی عرض کیا کہ قرآن کا جمع کرنا بدعت ہے آپ بدعت کیوں ایجاد کر رہے ہیں۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ بدعت تو ہے مگر حسنہ ہے یعنی چھٹی ہے جس سے پہلے لگا کر فضل صحیحہ کہ بدعت حسنہ ہے کا یقین کے دلائل کے جوہات حسب ذیل ہیں۔

(۱) **فعلیکم بسنی وسنة الحلفاء لراشدین** ”خلفہ راشدین کی قول و افعال کو نفوی معنی سی سنت فرمایا گیا۔“ یعنی سنی مسلمانوں تم میرے اور میرے خلفاء کے طریقوں کو اختیار کرو جیسے کہ ہم پہلے باب میں حدیث نقل کر چکے ہیں۔

من سن فی الاسلام سنتہ حسنة فله اجرہا اور **من سن فی الاسلام سنتہ سنیة** اس حدیث میں سنت بمعنی طریقہ ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے **سنتہ من قدر سلفک من رسلنا ولا نعبد لسنننا نھودہا** نیز فرماتا ہے **سنتہ اللہ الّتی قد حلت** آیات اور حدیث میں سنت سے مراد سنت شرعیہ بدعت کے مقابل نہیں۔ بلکہ بمعنی طریقہ ہے سنت، ابیہ اللہ کا طریقہ۔ سنت انبیاء و نبیوں کا طریقہ وغیرہ۔

اسی حدیث **فعلیکم بسنی** کے تحت اشعۃ المصابیح میں ہے و تحقیق سنت خلفائے راشدین اس سنت و غیر است کہ در رہاں حضرت علیہ السلام شہرت یافتہ بود و در رہاں پیشاں مشہور و مضاف بہ ایثاں شدہ۔ خلفائے راشدین کی سنت و عین سنت نبوی ہے جو حضور علیہ السلام کے زمانہ میں مشہور نہ ہوئی۔ ان حضرات کے زمانہ میں مشہور ہوئی اور انکی طرف منسوب ہوئی اس سے معلوم ہوا کہ سنت خلفاء اس کو کہتے ہیں اصل میں سنت رسول اللہ ہو مگر اس کو مسلمانوں میں رائج کرنا اے خلفاء راشدین ہوں پانچویں اسلئے کہ محدثین اور فقہاء فرماتے ہیں کہ خلفائے راشدین کے حکم سنت سے ملحق ہیں یعنی سنت تو نہیں۔ سنت سے خالق کئے ہوئے ہیں مگر ان حضرات کے پیادے فرمودہ کام سنت ہی ہوتے تو خالق کے کیا معنی۔ نو مانور کے شروع میں ہے **وقولہ الصّحیحی فیمّا یفعل مدحی بالعباس و فیمّا لا یفعل فتلحق بالسنة** صحابی کا فرمان عقلی باتوں سے تو قیاس سے ملحق ہے اور غیر عقلی باتوں میں سنت سے ملحق ہے۔ اگر صحابی کا ہر قول و فعل سنت ہے تو قیاس اور سنت سے اتفاق کے کیا معنی؟ اشعۃ المصابیح میں حدیث **فعلیکم بسنی** ہے۔ جس پر چہ خلفائے راشدین ہوں ان حکم کردہ باشند۔ مگر چہ باجہا دو قیاس پیشاں بود موافق ہوئی است اطلاق بدعت بر آں سخاں کرد۔ ”جس چیز کا خلفائے راشدین سے حکم فرمایا ہوا اگرچہ اپنے قیاس و اجتہاد سے ہو سنت نبوی کے موافق ہے اس پر غلط بدعت نہیں ہوں سکتے اس جہازت سے بالکل واضح ہوگا کہ سنت خلفاء راشدین بمعنی نفوی سنت ہے درست شرعی سے ملحق ہے اس کو ادا یا بدعت نہ کہا جاوے۔ کیونکہ بدعت کثرت بدعت سید کو کہتے ہیں۔

(۲) **حیر اُمتی قرسی** رخ سے تو معلوم ہوا کہ ان تین زمانوں تک خیر زیادہ ہوگی اور اس کے بعد خیر کم شر زیادہ۔ یہ مطلب نہیں کہ ان تین زمانوں میں جو بھی کام ایجاد ہو اور کوئی بھی ایجاد کرے وہ سنت ہو جائے۔ یہاں سنت ہونے کا ذکر ہی کہاں ہے ورنہ مذہب جبریہ و رقہ ر یہ زمانہ تابعین ہی میں ایجاد ہو، امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لٹل در حجاج کے مظاہر میں انی زمانوں میں ہوئے کیا معاد اللہ اس کو بھی سنت کہا جاوے گا۔

(۳) **ما اصابہ و اصحابی و اصحابی کالشیخوہ** سے یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرم کی تمدنی کی پیروی کرنا باعث ہدایت ہے اور ان کی مخالفت باعث گمراہی۔ یہ بالکل درست ہے اور اس پر ہر مسلمان کا ایمان ہے لیکن اس سے یہ کب لازم آیا کہ اس کا ہر فعل سنت شرعی ہو۔ بدعت حسنہ بھی واجب الاتباع ہوتی ہے۔

مشکوٰۃ باب الاعتصام میں ہے۔

اتبعوا الشّوادی لا عظم فہ من شدّد فی شرا ”بڑی جماعت کی پیروی کرو جو جماعت سے علیحدہ ہو و جو جہنم میں علیحدہ رہا گیا۔“

مَارَاهُ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ وَمَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شَرٌّ حَتَّى رُبِقَ الْإِسْلَامَ عَنْ عُنُقِهِ
 "جس کو مسلمان اچھا جائے وہ اللہ کی ایک بھی چیز ہے جو مسلمانوں کی جماعت سے ہٹا دیا جائے۔ ہمارے اسلام کی سی اپنے لگے۔ اٹار دی۔"
 قرآن کریم میں ہے۔

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّوْا وَنُصَدِّهِمْ أَصْحَابَ الدُّعَىٰ

"اور مسلمانوں کی راہ سے جدا رہو، چاہے ہم اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور دوسروں میں داخل کریں گے۔"

اس آیت وحدیث سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو لازم ہے کہ عقائد و اعمال میں جماعتِ مسلمین کے ساتھ رہے ان کی مخالفت جہم کا راستہ ہے لیکن اس پر
 تو رجم نہیں کہ جماعتِ مسلمین کا بھاد کیا ہوا کوئی بھی کام بدعت نہ ہو سب ملت ہی ہو۔ بدعت ہی ہوگا مگر بدعتِ حسن۔ جس طرح ایجادات صحابہ
 کرام کو سنت میں کہتے ہیں۔ اسی طرح سلفِ صالحین کے ایجادات کو بھی سنتِ سلف کہتے ہیں۔ "بھٹی ٹھوٹی۔ جی پندیدہ دینی طریقہ۔"

ہدایتِ ضروریہ جو حضرات ہر بدعت۔ یعنی نئے کام کو حرام جانتے ہیں وہ اس قاعدہ کلیہ کے کیا معنی کریں گے کہ **الْأَصْلُ فِي الْأَشْيَاءِ الْإِبَاحَةُ** تمام چیزوں کی اصل یہ ہے وہ مباح ہے۔ یعنی ہر چیز مباح اور حلال ہے ہاں اگر کسی چیز کو شریعت منع کر دے تو وہ حرام یا منع
 ہے یعنی ممانعت سے حرمت ثابت ہوئی نہ کہ منع ہونے سے۔ یہ قاعدہ قرآن پاک اور احادیثِ محمودہ و قولِ فقہاء سے ثابت ہے درغالباً کوئی مقلد
 کہلانحال تو اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ تَبْدِيلَكُمْ بُدْلَكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۚ تَسْلُبُوا عَنْهَا حَيْثُ يَرْسُلَ الْفُتْرَانُ
 تُبْدِلُكُمْ عَنِ اللَّهِ ۖ عَنِهَا ۚ پاره سورہ ۵۵ ب ۱۰

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔ تم کو بدلیں گے اور اگر انگو اس وقت پر چھو گے کہ قرآن اتر رہا ہے تو ظاہر کر دی جاویں
 گی اللہ انکو معاف کر چکا ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ جس کا کچھ مباح نہ ہوا ہو نہ حلال ہونے کا۔ حرام تو ممانعت میں ہے اسی نئے قرآن کریم نے حرام و حلال کا ذکر فرما کر فرمایا
وَأَحَلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ اس کے سوا باقی عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں نہ فرمایا۔ **وَفَدَفَصَلَّ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ** تم
 سے تفصیل و رہبان کر دی گئیں وہ چیزیں جو تم پر حرام ہیں یعنی حلال چیزوں کی تفصیل کی ضرورت نہیں تمام چیزیں ہی حلال ہیں ہاں چند بھارت ہیں
 جن کی تفصیل بتادی ان کے سوا سب حلال۔ مشکوٰۃ کتاب الاموال باب ۱۰ داب الملحوم فصل دوم میں ہے۔

الْحَلَالُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ وَمَا سِوَاكَ عَنِ فَهَوِ مَنَافِعِ عَنِ
 "حلال وہ جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا اور جس سے خاموشی فرمائی وہ معاف۔"
 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چیزیں تین طرح کی ہیں ایک وہ جس کا حلال ہونا صراحۃً قرآن میں مذکور ہے دوسری وہ جنکی حرمت صراحۃً آئی۔
 تیسری وہ جن سے خاموشی فرمائی یہ معاف ہے؟ شامی جلد ۱۱ کتاب الطہارۃ بحث تہذیب سنت میں ہے۔

الْمُحَرَّرُ أَنْ الْأَصْلُ الْإِبَاحَةُ عِنْدَ الْمُحْمِلِ مِنَ الْحَقِيقَةِ وَالشَّافِعِيَّةِ مَسْهُورٌ خَلْفَ الْأُصْلَافِ کے نزدیک یہی مسئلہ ہے
 کہ اصل مباح ہوتا ہے۔ اس کی تفسیر خالص و روح ہیاں اور تفسیر فرائض العرفان وغیرہ نے بھی تصریح کی ہے کہ ہر چیز میں اصل یہی ہے کہ وہ مباح
 ہے ممانعت سے ناجائز ہوگی۔ اب جو بعض لوگ، اہل سنت سے پوچھتے ہیں کہ چھ بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ میاں و شریف کرنا جائز ہے یا حضور علیہ السلام یا
 صحابہ کرام یا تابعین یا تبع تابعین نے کب کیا تھا یہ محض دھوکا ہے۔ اہل سنت کو چاہئے کہ ان سے پوچھیں کہ بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ میاں و شریف کرنا حرام
 ہے جب خدا حرام نہ کرے۔ رسول علیہ السلام منع نہ فرمائیں اور کسی دلیل سے ممانعت ثابت نہ ہو تو تم کس دلیل سے حرام کہتے ہو بلکہ میاں و شریف
 وغیرہ کا ثبوت نہ ہونا جائز ہو سکتی عداوت ہے وہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلْ لَا أَحَدٌ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَتْنَبَةً

یہ نیز فرماتا ہے قُلْ مَا حَرَّمَ رَبِّي إِلَّا الْفَاحِشَ ۚ إِنَّكَ لَتَكُونُ مِنَ الْفَاحِشِينَ ۚ

یہ آیت سے معلوم ہوا کہ حرمت کی دلیل نہ مٹا حلال ہو سکتی دلیل ہے نہ کہ حرام ہونے کی یہ حضرت اس سے حرمت ثابت کرتے ہیں عجیب الٹی
 منطق ہے چھ بتاؤ کہ ربیو سے سفر و اس کا قیام کہاں لکھا ہے کہ حلال ہے یہ کسی صحابی یا تابعی نے کیا۔ جیسے دو حلال جیسے ہی یہ بھی جائز اور حلال

بحث محفل میلاد شریف کے بیان میں

اس بحث میں دو اباب ہیں، پہلا اباب تو سیارہ شریع کے ثبوت میں، دوسرا اباب اس پر اعتراضات و جوابات۔

Figure 1

میلان شریف کے شعرات میں

اُذلاتو معلوم ہوتا چاہئے کہ میلاد شریف کی حقیقت کیا ہے؟ اس کا حکم کیا؟ پھر یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کے دلائل کیا ہیں؟ میلاد شریف کی حقیقت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کا واقعہ یاں کرنا، حمل شریف کے واقعات۔ نور محمدی کے کرامات، نسب نامہ یا شیر خوارگی و حضرت حمیدہ رضی اللہ عنہ کے یہاں پرورش حاصل کرنے کے واقعات یاں کرنا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت پاک یا نثر میں پڑھنا سب اس کے تابع ہیں، اب ولادت خود تنہا کی میں پڑھو یا مجلس جمع کر کے اور انعام میں پڑھو یا نثر میں کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر جس طرح بھی ہو اس کو میلاد کہا جاوے گا، محفل میلاد شریف منعقد کرنا اور ولادت پاک کی خوشی سے ہو وہ اس کے فکر کے موقعہ پر خوش ہونا گا۔ گلاب چھڑکن، شیرینی تقسیم کرنا وغیرہ خوشی کا اظہار جس کا نثر یا نعت سے ہو وہ مستحب اور بہت ہی باعث برکت اور رحمت الہی کے نزول کا سبب ہے۔

۱) جیسی علیہ السلام نے دعا کی تھی۔ رَبِّ اسْرِنِ عَلَیْہَا مَدَدَہٗ مِنَ السَّمَاءِ تَنْحُوْنَ لَہٗ عَیْنًا لَا وُتْلَہٗ وَ اَحْرَمَا مَعْلُومَہٗ ہُوَ اَکْہَرُ مَا کَدَہٗ آئے کہ دن کو حضرت مسیح علیہ السلام نے عید کا دن بتایا۔ آج بھی اتوار کو عید کی اسی جیسے عید مناتے ہیں کہ اس دن دستِ خوان اتر تھا اور حضور ﷺ کی تشریف آوری اس مائدہ سے کہیں بڑھ کر نعمت ہے لہٰذا اس کی ولادت کا دن بھی یوم العید ہے ہاں اس شخص پاک میں حرم کام کرنا سخت جرم اور گناہ ہے جیسے عورتوں کا کہ قدر بلند آواز سے نعت شریف پڑھنا کہ جیسی مرد میں سخت منع ہے عورت کی تو راجیسی مرد کو سننا جائز نہیں، اگر کوئی مرد غدار کی حالت میں کسی کو سامنے ٹھکنے سے روکے تو آواز سے سبحان اللہ کہہ دے۔ لیکن عورت کسی کو روکے تو سبحان نہ کہے بلکہ ہاتھیں ہاتھ کی پشت پر دھنا ہاتھ مارے جس سے معلوم ہو کہ عورت نماز میں مصروف ہے وقت بھی کسی کو اپنی آواز نہ سنائے اسی طرح میلا دشریف میں ہاتھ کے ساتھ نعت خوانی کرنا بہت ہی گناہ ہے کہ ہاتھیں کود اور غصیات میں سے ہر ایسے چیز نہیں حرام ہے اور حاصل صحت خوانی جو کہ عبادت ہے اس کو ہاتھ پر استسنا کرنا اور بھی جرم ہے اگر کسی جگہ میلا دشریف میں خرابیاں پیدا کر دی گئی ہوں تو اس خرابیوں کو دار کی جادے لیکن اصل میلا دشریف کو بند نہ کیا جاوے اگر عورت بلند آواز سے قرآن کی تلاوت کرے یا اَللّٰہُ قَرَّانِ کریم پڑھے سے پڑھنے لگیں تو ان یہودیوں کو ملنا دو قرآن پڑھنا نہ روکو کیونکہ یہ عبادت ہے۔

میلا دشریف قرآن و حدیث و اقوال و علماء و مدد نگار و غنیمتوں کے فصل سے ثابت ہے قرآن کریم میں ارشاد ہوا۔

(۱) رب تعالیٰ فرماتا ہے **وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ** اور حضور کی تشریف آوری لہر کی بڑی نعمت ہے، میں دھپک میں اسی کا ذکر ہے لہذا محفل ملا ذکر تا اس آیت پر عمل ہے۔

(۲) **وَأَمَّا بَعْدُ فَبِحَدِّثِ** آپے رب کی نعمتوں کا خوب چرچا کرو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری تمام نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے کہ رب تعالیٰ نے اس پر حسان جنایا اس کا چرچا کرنا ہی آیت پر عمل ہے نہ کسی کے مقررہ پیدائش تو ہر سال تاریخ پیدائش پر سالگرہ کا جشن کرتا ہے۔ کسی کو سہولت ملے تو ہر سال اس تاریخ پر جشن ملوں مگر یہ آیت ہے تو جس تاریخ کو دنیا میں سب سے بڑی نعمت آئی اس پر خوشی منانا کیوں منع ہوگا؟ خود قرآن کریم نے حضور علیہ السلام کا میلاد مبارک جہادِ ارشاد فرمایا۔ **قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ أَلَا يَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ** (۱۰۸)

”اے مسلمانوں تمہارے پاس عظمت والے برسوں تشریف لائے۔“ اس میں تو ولادت کا ذکر ہوا پھر فرمایا **ہُنْ اَنْفُسُكُمْ** حضور علیہ السلام کا نسب نامہ یہاں ہوا کہ وہ تم میں سے یا تمہاری بہترین جماعت میں سے ہیں۔ **حَبْرَ بَصَصٍ** 'عینِ کُھم سے آخر تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعمت بیان ہوئی آج میلاد شریف میں یہ ہی تمیں باتیں ہوتی ہیں۔

(۴) لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ ۚ لَئِيْذٍ ذِكْرًا ۚ

هو لدنى ازسل رسوبه بالهدى ودين الحق
 "رب الهى عسى و قدرى ولا اله الا انت
 "خوبين کے ساتھ بھيجا۔"

غرض کہ بہت سی آیات ہیں جن میں حضور علیہ السلام کی ولادت پاک کا ذکر فرمایا گیا معلوم ہوا کہ میلاد کا ذکر سنت الہیہ ہے، اب اگر جنت کی نذر میں نام یہی آیات و روایات پڑھیں تو یقیناً زمین میرے آقا کا میلاد ہوتا ہے، دیکھو امام صاحب کے پیچھے مجمع بھی ہے اور قیام بھی ہو رہا ہے، پھر ولادت پاک کا ذکر بھی ہے بلکہ خود گلہ خیز میں میلاد شریف ہے کیونکہ اس میں ہے **نَحْمَدُ رَسُوْلَ اللهِ** محمد اللہ کے رسول ہیں۔ رسول کے معنی ہیں بھیجے ہوئے اور بھیجنے کے لئے آنا ضروری ہے حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کا ذکر ہو گیا، صلا میلاد پاکیا۔ قرآن کریم نے تو انبیاء علیہ السلام کا بھی میلاد بیان فرمایا ہے۔ سورۃ مریم میں حضرت مریم کا حائل ہونا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت پاک کا ذکر حتیٰ کہ حضرت مریم کا روزہ۔ اس تکلیف میں جو کمالت فرمائے کہ **يَسْتَبِيْ مَثَقَلٍ** ہمارا ان کی ملائکہ کی طرف سے تسلی پاتا۔ پھر یہ کہ حضرت مریم نے اس وقت کیا غم کھائی، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قوم سے کلام فرمایا عرضہ سب ہی بیاں فرمایا، یہی میلاد خواہ بھی پڑھتا ہے کہ حضرت آمنہ خاتون نے ولادت پاک کے وقت فلاں فلاں معجزات دیکھے۔ پھر یہ فرمایا پھر اس طرح حوران بخشی آپ کی امداد کو نہیں۔ پھر کعبہ معظمہ نے آمنہ خاتون کے گھر کو سجدہ کیا، و غیرہ وغیرہ وہی قرآنی سلف ہے اس طرح قرآن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، ان کی شیر خورگی، ان کی پرورش ان کا چلنا پھرنا، مدین میں جانا، حضرت شعیب کی خدمت میں جانا، وہاں رہنا اور ان کی بکریاں چراانا، ان کا نکاح، ان کی نبوت ماننا، سب کچھ بیان فرمایا یہی باتیں میلاد پاک میں ہوتی ہیں۔

مدارج النبوۃ وغیرہ نے فرمایا کہ سارے صحابہ نے اپنی امتوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر دیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان تو قرآن نے بھی نقل فرمایا۔

وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاتِيْهِ مِّنْ بَغْدٍ اِسْمُهُ خَمْدٌ

”میں ایسے رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام پاک احمد ہے۔“

سبحان اللہ بچوں کے نام پیدائش کے ساتویں روز ماں ہارکتے ہیں مگر ولادت پاک سے ۵۹ سال پہلے مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس کا نام احمد ہے، ہو گا نہ فرمایا معلوم ہوا کہ اس کا نام پاک رب تعالیٰ نے رکھا کب رکھا؟ یہ تو رکھنے والا جانے۔

یہ بھی مید شریف ہے، صرف اتنا فرق ہو کہ ان حضرات نے اپنی قوم کے جمعوں میں فرمایا کہ وہ تشریف لائیں گے ہم اپنے جمعوں میں کہتے ہیں کہ وہ تشریف لائے، فرق باطنی و مشقیل کا ہے بات ایک ہی ہے ثابت ہوا کہ میلاد سنت انبیاء بھی ہے۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **قُلْ بِفَضْلِ اللهِ وَبِرَحْمَتِهِ لَبِدْكُمْ فَبِعِزَّتِهِ خُذُوْا** یعنی اللہ کے فضل و رحمت پر خوش ہوئیاں مناؤ۔

معلوم ہوا کہ فضل الہی پر خوشی منانا عظیم الہی ہے اور حضور علیہ السلام رب کا فضل بھی ہیں اور رحمت بھی۔ لہذا اس کی ولادت پر خوشی منانا اسی امت پر عمل ہے اور چونکہ یہاں خوشی مطلق ہے۔ ہر جائز خوشی اس میں داخل۔ لہذا محفل میلاد کرنا وہاں کی ریب و نسب و حج و حج وغیرہ سب ہا صفت ثواب ہیں۔

(۳) مواہب لدنیہ اور مدارج النبوۃ وغیرہ میں ذکر ولادت میں ہے کہ شب ولادت میں ملائکہ نے آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا کے دروازے پر کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام عرض کیا۔ ہاں رقی رائدہ ہوا شیطان رنج و غم میں بھاگا بھاگا پھر اس سے معلوم ہوا کہ میلاد سنت ملائکہ بھی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بوقت پیدائش کھڑا ہونا ملائکہ کا کام ہے، اور بھاگا بھاگا پھر شیطان کا فضل، اب لوگوں کو فقیر ہے کہ چاہے تو مید پاک کے ذکر کے وقت ملائکہ کے کام پر عمل کریں یا شیطان کے۔

(۵) خود حضور علیہ السلام نے مجمع صحابہ کے سامنے منبر پر کھڑے ہو کر اپنی ولادت اور اپنے وصف بیان فرمائے جس سے معلوم ہو کہ میلاد پڑھنا مستحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے۔

چنانچہ مشکوٰۃ جلد دوم باب فضائل سید المرسلین فصل ثانی میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شاید حضور علیہ السلام تک خبر پہنچی تھی کہ بعض لوگ ہمارے نسب پاک پر طعن کرتے ہیں۔

فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَسَى لَعْنُ فَضْلٍ مِّنْ میں منبر پر قیام فرمایا کہ چاہتا ہوں کہ سب سے عرض کیا کہ آپ رسول اللہ ہیں لہذا میں محمد ابن عبد اللہ بن عبد المطلب ہوں۔ اللہ نے تقویٰ کو پیدا فرمایا تو ہم کو بہتر مخلوق میں سے کیا۔ پھر ان کے دھنسنے لگے عرب و عجم، ہم ان کو اس میں سے بہتر یعنی عرب میں سے کیا، پھر عرب کے چند قبیلے فرمائے ہم کو ان کے بہتر یعنی قریش میں سے کیا، پھر قریش کے چند خاندان بتائے ہم ان میں سے سب سے بہتر خاندان یعنی بنی ہاشم میں سے کیا، اسی مشکوٰۃ اسی فصل میں ہے کہ ہم خاتم النبیین ہیں اور ہم حضرت ابراہیم کی دعا حضرت عیسیٰ کی بشارت وراثی والدہ کا یہاں جو جنہوں نے ہماری ولادت کے وقت دیکھا کہ ان سے ایک نور چکا جس سے شام کی چمکتی ہوئی نظر آئی اس مجمع میں حضور علیہ السلام نے پتا نسب نامہ اپنی امت شریف، اپنی ولادت پاک کا واقعہ بیان فرمایا یہی میلاد شریف میں ہوتا ہے ایسی صدا ہا احادیث و حدیث کی جاسکتی ہیں۔

(۶) صحابہ کرام ایک دوسرے کے پاس جا کر فرمائش کرتے تھے کہ ہم کو حضور علیہ السلام کی نعمت شریف سنو، معلوم ہوا کہ میل و سنت صحابہ بھی ہے، چنانچہ مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین فصل اول میں ہے کہ حضرت عطاء بن یسار فرماتے ہیں کہ میں عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور عرض کیا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ نعمت سنو جو کہ توریت شریف میں ہے انہوں نے پڑھ کر سنائی اسی طرح حضرت کعب بن جہار فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعمت پاک توریت میں یوں پاتے ہیں، محمد اللہ کے رسول ہیں، میرے پسندیدہ بندے ہیں نہ کہ خلق، نہ سخت طبیعت، ان کی ولادت مکہ مکرمہ میں اردان کی ہجرت طیبہ میں، ان کا ملک شام میں ہوگا، ان کی نسبت خدا کی بہت حمد کرے گی کہ رنج و حوشی ہر حال میں خدا کی حمد کرے گی۔ (مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین)

(۷) یہ تو مقبول بدوں کا ذکر تھا۔ کفار نے بھی ولادت پاک کی خوشی منائی، تو کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل ہی کریں، چنانچہ بخاری جلد دوم کتاب النکاح باب وَأَمَّا تَكُنُمُ الْيَتَّىٰ رَزَقْنَكُمْ وَمَا بُعِثُوا مِنَ النُّصَاةِ میں ہے۔

فَلَمَّا مَاتَ ابْنُ لَهَبٍ أُرِيَهُ بَعْضُ أَهْلِهِ بَشَرَهُنَّ قُلُوبَهُ مَا دَا بَقِيَتْ قُلُوبُ ابْنِ لَهَبٍ لَهُ الْيَتَّىٰ بَعْدَ تَكُنُمُ حَيْرًا
الَّتِي سَقِيَتْ فِي هَذِهِ بَعَثَاتِي قُوِيَّةً

”جب ابولہب مر گیا تو اس کو اس کے بھس گھر والوں نے خوب میں برے حال میں دیکھا پوچھا کیا گزری ابولہب بولا کہ تم سے علیحدہ ہو کر مجھے کوئی خیر نصیب نہ ہوئی، ہاں مجھے اس کلمے کی انگلی سے پانی ملتا ہے کیونکہ میں نے قویہ لوطی کو آرا دیا تھا۔“

بانت یہ تھی کہ ابولہب حضرت عبداللہ کا بھائی تھا اس کی لوطی ٹوہیے نے آ کر اس کو جبری کہ تاج تیرے بھائی عبداللہ کے گھر فرزند محمد (رسول اللہ ﷺ) پیدا ہوئے۔ اس نے خوشی میں اس لوطی کی انگلی کے اشارے سے کہا کہ جا تو آزاد ہے، یہ سخت کافر تھا جس کی برائی قرآن میں آ رہی ہے مگر اس خوشی کی برکت سے اللہ نے اس پر یہ کرم کیا جب دروغ میں وہ بیامان ہوتا ہے تو اپنی اس انگلی کو چوستا ہے یا اس نہج جاتی ہے، نیکو کافر تھا، ہم موسیٰ وہ دشمن تھا، ہم ان کے بندے بے دام، اس نے پیچھے کے پیدا ہوئے کی خوشی کی قسم، نہ کو رسول اللہ کی، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوست کی خوشی کرتے ہیں۔ تو وہ کریم ہیں ہم اس کے بھکاری وہ کیا کچھ نہ دیں گے۔

دوستوں کا کھانسی معروم تو کہ باد شمدن نظر داری

مدارج النبوة جلد دوم حضور علیہ السلام کی رضا وعت کے وصل میں اسی ابولہب کے واقعہ کو بیان فرما کر فرماتے ہیں۔

”دور میں جا سداست مر اہل موالیہ را کہ دو شب میلا دآں سرور سرور کنند و بذل موال نہایت یعنی ابولہب کہ کافر بود چوں سرور میلا دآں حضرت و بذل شیر جا رہی دے بجهت آن حضرت جزا داد و شد تا حال مسلمان کہ منواست بجهت سرور و بذل ماں ددے چہ باشد لیکن باید کہ از بدعت ہا کہ عوام احداث کردہ اند از گفتنی و آلاست محمد مگر است خالی ہاں۔“

اس واقعہ میں سوہود والوں کی بڑی دلیل ہے جو حضور علیہ السلام کی شب ولادت میں خوشیاں مناتے اور ماں خرقہ کرتے ہیں یعنی ابولہب جو کافر تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی اور لوطی کے دودھ پلانے کی وجہ سے اچھا مہیا گیا تو اس مسلمان کا کیا دہکا جو عبت خوشی سے بھرا ہوا ہے اور ماں خرقہ کرتا ہے لیکن چاہیے کہ محفل میلاد شریف عام کی بدعتوں یعنی گانے اور حریم ہا جوں و میرہ سے خالی ہو۔“

(۸) ہر زمانہ اور جگہ جگہ میں علماء و ادیب، مشائخ و عامۃ المسلمین اس میلاد شریف کو مستحب جان کر کرتے رہے اور کرتے ہیں۔ حرمین شریفین میں بھی نہایت اہتمام سے یہ مجلس پاک منعقد کی جاتی ہے، جس ملک میں بھی چاہے مسلمانوں میں یہ عمل پاؤ گے، ادیب و اللہ و علماء ائمہ نے اس کے بڑے بڑے فائدے اور برکات جان لرائی ہیں۔ ہم حدیث نقل کر چکے ہیں کہ جس کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے قرآن فرماتا ہے۔ لَنُكَوِّنَنَّ أَشْهَادًا مِّنْكَ نَرَاهُ سَمْعًا نَّوْكَوْهُ۔ حدیث پاک میں بھی ہے نَفْسُ شَهِدَاءِ الدِّهِي الْأَرْضِ تَمُزِّمِنِ مِّنْ اللّٰهِ كَے گواہ ہو۔ لہذا محفل میلاد پاک مستحب ہے۔

آخر مجمع البحار صفحہ ۵۵ میں ہے کہ شیخ محمد طاہر محدث ربیع، دہلوی کے حلقہ فرماتے ہیں، وَفِي شَهْرِ رَجَبٍ نَّظِيرٌ لِّحَبْرِ فِيهِ كُلُّ غَامٍ معلوم ہوا کہ ربیع الاول میں ہر سال خوشی منانے کا حکم ہے۔

تفسیر روح البیان پارہ ۲۶ سورۃ فتح ریا آیت مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ ہے۔

وَمِنْ تَعْظِيمِهِ عَمَلُ لَا مَامُ الشُّيُوعِي يَسْحَبُ لَنَا اَظْهَرَ الشُّكْرِ لِمَوْلَدِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ

”میلاد شریف کرنا حضور علیہ السلام کی تعظیم ہے جبکہ وہ نئی باتوں سے جان بولام سویلی فرماتے ہیں کہ ہم کو حضور علیہ السلام کی ولادت پر شکر کا اظہار کرنا مستحب ہے۔“

پھر فرماتے ہیں فقد قال ابن الجوزي، أُلْبِذَةُ أَحْمَسَةُ مَثَقٌ عَلَى فُذِّهَا عَمَلُ الْمُؤَلَّدِ وَخُصْمَاعُ السَّيِّئِ لَهُ كَدُّ لَكَ بَذْعَةٌ حَسَنَةٌ قُلْ الشَّحَاوِيُّ لَهُ بَعْنُهُ أَحَدٌ مَنِ الْقُرُونِ الثَّلَاثَةِ وَ أَمَّا حَدَثُ بَعْدَتِهِمْ لِأَرْبَعِ أَهْلِ الْإِسْلَامِ مِنْ سَائِرِ الْأَطْيَارِ وَ أَمْدُنِ الْكِبَارِ يَغْمُونَ الْمُؤَلَّدَ وَ يَتَصَدَّقُونَ بِأَنْوَاعِ الصَّدَقَاتِ وَيَغْنُونَ بِقِرَاءَةِ مَوْلَدِهِ الْكَرِيمِ وَيُظْهِرُ مِنْ بَرَكَاتِهِ عَنْهُمْ كُلَّ فَصْلٍ عَظِيمٍ قَالَ ابْنُ الْجَوَازِيِّ مِنْ حَوَاصِهِ نَهْ أَمَانٌ فِي ذَلِكَ الْعَدَمِ وَ بُشْرَى عَاجِلَةٌ بِسَبِّ الْمُغْنَةِ وَالْمَرَامِ وَ زُنْ مِنْ أَحَدَثِهِ مِنَ الْمُنْلُوكِ صَاحِبُ الرِّبْلِ وَ صَفِّ لَهُ ابْنُ وَخِيَةِ كِتَابًا فِي الْمُؤَلَّدِ وَ حَارَهُ بِالْأَلْبِ دَيْسَارٍ وَ قَدْ اسْتَحْرَحَ لَهُ الْحَفِظُ بْنُ حَجَرٍ أَصْلًا مِنَ السُّنَّةِ وَ كَدَّ الْحَفِظُ السُّيُوطِيُّ وَ رَدُّ عَمَى الْكِبَارِ هَالِكِي قُزْنِهِ ابْنُ عَمَلِ الْمُؤَلَّدِ بَذْعَةٌ مُدْفُومَةٌ

"ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ بدعت حسنة کے مستحب ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور میلااد شریف کرنا در اس میں دوگوں کو جمع ہونا بھی اسی طرح بدعت حسنة ہے امام ستاد کی بے فرمایا کہ میلااد شریف تینوں زمانوں میں کسی نے نہ کیا بعد میں ایجاد کیا ہر طرف کے اور ہر شہر کے مسلمان ہمیشہ میلااد شریف کرتے رہے در کرتے ہیں در طرح طرح کے صدقہ و خیرات کرتے ہیں اور حضور علیہ السلام کے میلااد چڑھے کا بڑا اہتمام کرتے ہیں، اس مجلس پاک کی برکتوں سے ان پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہوتا ہے، امام ابن جوزی فرماتے ہیں کہ میلااد شریف کی تاثیر یہ ہے کہ سال بھر اس کی برکت سے امن و رنجی ہے اور اس سے مرادیں پوری ہونگی خوشخبری ہے جس بادشاہ نے پہلے اس کو ایجاد کیا وہ شاہ رطل ہے اور ابن امیہ نے اس کے لیے میدان شریف کی ایک کتاب لکھی جس پر بادشاہ نے اسکو راز شریفی تدریکیں اور حافظ ابن حجر در حافظ سیوطی نے اس کی اصل سنت کو ثابت کی ہے اور لکھا کہ یہ جو اس کو بدعت سیئہ کہہ کر منع کرتے ہیں۔"

ملا علی قاری سورہ الروی میں دیا ہے کے متصل فرماتے ہیں۔ لَارِلْ هَلْ لَا سِلَامَ بِحَافِلُونِ فِي كُلِّ مَسْجِدٍ حَدِيدِهِ وَيَغْنُونَ بِقِرَاءَةِ مَوْلَدِهِ الْكَرِيمِ وَيُظْهِرُ عَنْهُمْ مِنْ بَرَكَاتِهِ كُلَّ فَصْلٍ عَظِيمٍ اور اسی کتاب کے دینا چھ میں یہ اشعار فرماتے ہیں۔

لَهَذَا شَهْرٍ فِي الْإِسْلَامِ فَضْلٌ وَمَصْنَعٌ مُتَوَقِّعٌ عَلَى الشُّهُورِ

رَبِيعٌ فِي رَبِيعٍ فِي رَبِيعٍ وَنُورٌ فَوْقَ نُورٍ فَوْقَ نُورٍ

ان مہارات سے تمیں ہاتھیں معلوم ہوئی، ایک یہ کہ مشرق و مغرب کے مسلمان اس کو اچھا جان کر کرتے ہیں دوسرے یہ کہ بڑے بڑے علماء فقہاء محدثین مفسرین و صوفیاء نے اس کا اچھا جانا ہے جیسے امام سیوطی، علامہ ابن حجر عسقلانی، امام ستاد، ابن جوزی، حافظ ابن حجر وغیرہم، تیسرے یہ کہ میلااد پاک کی برکت سے سارے بھرتک گھر میں امن و برائی ہوتا، مقصد یہ تھا حاصل ہوتا ہے۔

(۹) عقل کا بھی تقاضا ہے کہ میلااد شریف بہت مفید محفل ہے، اس میں چند فائدے ہیں، مسلمانوں کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل و کرم کو یاد دلانا اور حضور علیہ السلام کی محبت بڑھاتی ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور دیگر صوفیائے کرام فرماتے ہیں، کہ حضور علیہ السلام کی محبت بڑھانے کے لیے زیادتی درود شریف اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال زندگی کا مطالعہ ضروری ہے پڑھے لکھے لوگ تو کتابوں میں حالات دیکھ سکتے ہیں مگر ناخواندہ لوگ نہیں پڑھ سکتے۔ اس کو اس طرح سننے کا موقع مل جاتا ہے یہ مجلس پاک غیر مسلمانوں میں تبلیغ حکام کا دربیہ ہے کہ وہ بھی اس میں شریف ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات حقیر سنیں، اسلام کی خوبیاں دیکھیں۔ خدا توفیق دے اسلام بے ادویں۔ تیسرے یہ کہ اس مجلس کے ذریعہ مسلمانوں کو مسائل دینیہ مسائل کا موقع ملتا ہے، بعض دیہات کے لوگ جمعہ میں آتے نہیں اور اس طرح سے جاؤ تو جمع نہیں ہوتے، وہاں محفل میلااد شریف کا نام ہوتا فوراً بڑے شوق سے جمع ہوتا ہیں خود میں نے بھی اس کا بہت تجربہ کیا، اب اسی مجلس میں مسائل دینیہ بتاؤ ان کو ہدایت کرو اچھا موقع ملتا ہے۔

چوتھے یہ کہ میلااد شریف میں ایسی نظمیں بنا کر پڑھی جاویں جس میں مسائل دینیہ ہوں اور مسلمانوں کو ہدایت کی جاوے کیونکہ ہر عقلمند کے لفظوں میں زیادہ اثر کرتے ہے اور جلد باری ہوتی ہے۔ پانچویں یہ کہ اس مجلس میں سنتے سنتے مسلمانوں کے حضور علیہ السلام کا نسب شریف و اولاد پاک، ارواح مطہرات درود پاک و پرورش کے حالات یاد ہو جائیں گے۔ آج مرزا کی، رافضی وغیرہم کو بے مذہب کی پوری پوری معلومات ہوتی ہیں، رافضی کے بچوں کو بھی بارہ ماموں کے نام اور خند وراشدین کے استثناء خبر کرنے کو یاد ہوں گے مگر اہل سنت کے بچے تو کیا بڑھے بھی اس سے غافل ہیں، میں نے بہت سے بڑھوں کو پوچھا کہ حضور ﷺ کی اولاد کتنی ہیں؟ وہاں کہتے ہیں ابے جبر پیا۔ اگر اس مجلس میں ان کا چہچہا رہے تو بہت مفید ہے، یہی ہوئی چیر کو نہ بگاڑو۔ بلکہ بگڑی ہوئی چیز کو جاننے کی کوشش کرو۔

(۱۰) مخالفین کے پیچ مرشد حاجی مدد اللہ صاحب نے فیصلہ بدعت مستند میں محفل میلاد شریف کو جائز اور باعث برکت فرمایا چنانچہ وہ اس کے صفحہ ۸ پر فرماتے ہیں ”کہ مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل میلاد شریف میں شریک ہوتا ہوں، بلکہ ذریعہ برکت سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف و لذت پاتا ہوں۔“ عجیب بات ہے کہ پیچ صاحب تو مولود شریف کو ذریعہ برکات سمجھ کر خود ہر سال کریں اور مریدیں تخلصیں کا عقیدہ ہو۔ (کہ شرک و کفر کی محفل ہے محفل میلاد) نہ معلوم کہ ب پیچ صاحب پر کیا فتویٰ لگے گا؟

(۱۱) ہم عرش کے بحث میں عرض کریں گے کہ فقہاء کے نزدیک ہجیرہ دلیل کراہت تزیینی کا بھی ثبوت نہیں ہو سکتا۔ حرمت تو بہت بڑی چیز ہے اور استہباب کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ مسلمان اس کو اچھا جائیں تو جو کام شریعت میں منع نہیں اور مسلمان اس کی نیت خیر سے کرے یا کہ عام مسلمان اس کو اچھا جانتے ہوں وہ مستحب ہے اس کا ثبوت بدعت کی بحث میں بھی ہو چکا۔ تو محفل میلاد شریف کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ شرعاً یہ منع نہیں اور مسلمان اس کو کار ثواب سمجھتے ہیں، نیت خیر سے کرتے ہیں لہذا یہ مستحب ہے مگر حرام کہے دے اس کی حرمت پر کوئی قطعی اثبوت قطعی اور مستحدیث یا آیت نہیں گے صرف بدعت کہہ دینے سے کام نہیں چلتا۔

دوسرا باب

میلاد شریف پر عتر، مساحات و حوائط میں

اعتراض نمبر ۱ مخالفین کے اس پر حسب ذیل اعتراضات ہیں اور ان کے حسب ذیل جوابات ہیں۔

محفل میلاد بدعت ہے کہ نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوئی اور نہ صحابہ کرام و تابعین کے زمانہ میں۔ اور ہر بدعت حرام ہے، لہذا اس کو بدعت حرام۔

جواب میلاد شریف کو بدعت کہنا نادانی ہے، ہم پہلے بات میں بتا چکے کہ اصل میلاد سنت الہیہ، سنت نبویہ، سنت عائشہ، سنت عائکہ، سنت رسول اللہ ﷺ، سنت صحابہ کرام، سنت سلف صالحین اور عام مسلمانوں کا معمول ہے، ہر بدعت کیسی؟ اور اگر بدعت ہو بھی تو ہر بدعت حرام نہیں، ہم بدعت کی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ بدعت واجب بھی ہوتی ہے اور مستحب بھی جائز ہوتی ہے اور مکروہ و حرام بھی، نیز پہلے باب میں تفسیر روح البیان کے حوالہ بتا چکے کہ یہ محفل بدعت حسنہ مستحب ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیونکر حرام ہو سکتا ہے۔

اعتراض نمبر ۲ اس مجلس میں بہت سی حرام باتیں ہوتی ہیں مثلاً عورتوں مردوں کو حلاصلہ، داڑھی منڈوں کا نفث حوائی کرنا، غلط روایات پڑھنا گویا کہ یہ مجلس حرام باتوں کا مجموعہ ہے، لہذا حرام ہے۔

جواب اولاً یہ حرام چیزیں ہر مجلس میلاد میں ہوتی نہیں۔ بلکہ کفر نہیں ہوتیں، عورتیں پردوں میں علیحدہ بیٹھتی ہیں اور مرد علیحدہ۔ پڑھنے والے پابند شریعت ہوتے ہیں روایات بھی صحیح بلکہ ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ پڑھنے والے منٹے والے ہاؤس جیتے ہیں۔ سب اور اور شریف پڑھتے رہتے ہیں اور رفت طاری ہوتی ہے بنا اوقات آنسو جاری ہونے لگتی ہیں اور محبوب علیہ السلام کا ذکر پاک ہوتا ہے۔

لذات بادہ عشق ز منہ مست مہر ص دوق این میہ نہ شداسی مجدانا نہ چشمی

ہائے کمیشت اوفہ ہی ہی نہیں

اور اگر کسی جگہ یہ باتیں ہوتی بھی ہوں تو یہ باتیں حرام ہوں گی اصل میلاد شریف یعنی ذکر و سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں حرام ہوگا، بحث عرس میں ہم عرض کریں گے کہ حرام چیز کے شامل ہو جانے سے کوئی سنت یا جائز کام حرام نہیں ہو جاتا۔ اور نہ سب سے پہلے دینی دھارے سے حرام ہونے چاہئیں کیونکہ وہاں مرد بے داڑھی بچے جو لوہ کے ساتھ پڑھتے ہیں ان کا آپس میں افتادہ بھی ہوتا ہے کبھی کبھی اس کے بڑے نتیجے بھی برآمد ہوتے ہیں اور ترمذی و بخاری میں مذکور غیرہ کتب حدیث و تفسیر پڑھتے ہیں ان میں تمام روایات صحیح ہی نہیں ہوتیں بعض ضعیف بلکہ موضوع بھی ہوتی ہیں بعض طلباء بلکہ بعض مدرسین داڑھی منڈے بھی ہوتے ہیں تو کیا ان کی وجہ سے دھارے سے بند کیئے جائیں گے؟ نہیں بلکہ اس عرجات کو روکے کی کوشش کی جاوے گی بتاؤ اگر داڑھی منڈ قرآن پڑھتے تو کیا؟ قرآن پڑھنا بند کر دو گے؟ ہر گز نہیں۔ تو اگر داڑھی منڈا میلاد شریف پڑھتے تو کیوں بند کرتے ہو؟

اعتراض نمبر ۳ محفل میلاد کی وجہ سے رات کو دیر میں سوتا ہوتا ہے، جسکی وجہ سے فجر کی نماز قضا ہوتی ہے اور جس سے فرض چھوٹے وہ حرام لہذا میلاد حرام۔

جواب اولاً تو میلاد شریف ہمیشہ رات کو نہیں ہوتا، بہت دفعہ دن میں بھی ہوتا ہے جہاں رات کو ہو وہاں بہت دیر تک نہیں ہوتا، دس گیارہ بجے ختم ہو جاتا ہے تو دیر تک لوگ عموماً ویسے بھی جاگتے ہیں، اگر دیر لگ بھی جاوے تو نماز جماعت کے پابند لوگ صبح کو نماز کے وقت جاگ جاتے ہیں، جیسا کہ ہمارا کا تجربہ ہے لہذا یہ اعتراض محفل ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو روکنے کا ہمارا ہے اور اگر کبھی میلاد شریف دیر سے ختم ہوا اور اس کی وجہ سے کسی کی نماز کے وقت آنکھ نہ کھلی تو اس سے میلاد شریف کیوں حرام ہو گیا؟ دینی دھارے کے سالانہ جلسے دیگر مذہبی وقوفی جلسے رات کو دیر تک ہوتے

ہیں اور بعض جگہ چکاج کی مجلس شہزادوں میں ہوتی ہے رات کی ریل سے سر کرنا ہوتا ہے تو بہت رات تک جاگتا ہوتا ہے کہو کہ یہ جیسے، یہ نکاح، یہ ریل کا سفر حرام ہے یا حلال؟ جب یہ تمام چیزیں حلال ہیں تو محفل میں، پاک کیوں حرام ہوگی؟ اور نہ وہ فرق یہاں کرنا ضروری ہے۔

اعتراض نمبر ۴: علامہ شامی نے شامی جلد دوم کتاب الصوم بحث ذرا سموات میں کہا کہ میں، اشریف سب سے بدتر چیز ہے اسی طرح تفسیرات احمدیہ شریف میں مجلس میں، اشریف کو حرام بتایا اور اس کے حلال جاننے والوں کو کافر کہا، جس سے معلوم ہوا کہ محفل میں دعت نری چیز ہے۔

جواب: شامی نے مجلس میں، اشریف کو حرام نہ کہا بلکہ جس محفل میں گانے، ہجے اور لغویات ہوں اور اس کو لوگ میں، دیکھیں، کارٹواں سمجھیں اس کو منع فرمایا ہے چنانچہ وہ اسی بحث میں فرماتے ہیں۔

وَلَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ إِذْ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَ مِنْهُ رَسُولًا لِّيُظَاهِرَ فِي حَقِّهِ وَلِيُؤْثِرَ عَلَى سَائِرِ الْبَنِي إِسْرَءِيلَ وَلَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ إِذْ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَ مِنْهُ رَسُولًا لِّيُظَاهِرَ فِي حَقِّهِ وَلِيُؤْثِرَ عَلَى سَائِرِ الْبَنِي إِسْرَءِيلَ

”اس سے بھی بڑی میناروں میں مولود پڑھنے کی نذر مانتا ہے، یاد ہو کہ اس مولود میں گانے درکھیل کو، ہوتے ہیں اس کا ثواب حضور ﷺ کو ہدیہ کرتا۔“

اسی تفسیرات احمدیہ ہم سے ن گانے کی مجال کو منع کیا ہے کہ جب میں نہیں لاشے بلکہ شراب نوشی بھی ہو۔ تفسیرات احمدیہ سورہ لقمان زیر آیت **وَمِنْ أَشْيَاءِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ** ہم سے بھی پہلے عرض کیا کہ محفل میں دعت نریات نہ ہوں، میں سے خود کراچی میں دیکھا کہ بعض جگہ، ہجے پڑھتے پڑھتے ہیں اور اس کو میں، اشریف کہتے ہیں، ایک بار سہوان ضلع بدین کے قریب کسی گاؤں میں ایک شخص نے اپنے باپ کی فاتح کرائی۔ بجائے قرآن کی تلاوت کے گراموفون، ریکارڈ میں سورہ یسین بجا کر اس کا ثواب باپ کی روح کو بخشا، ایسی بیہودہ و حرام باتوں کو کوس جائز کہتا ہے؟ اسی طرح یہ حضرات کے زمانہ میں بھی ایسی غلو و بیہودہ مجلسیں ہوتی ہوں گی۔ اس کو یہ منع فرما رہے ہیں اگر مطلقاً میں، اشریف کو جائز ماننا کفر ہے تو حاجی امداد اللہ صاحب جیرا مرشد بھی اسی میں شامل ہوئے جاتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۵: نعت خوانی حرام ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا گانا ہے اور گانے کی احادیث میں برائی آئے ہے اسی طرح تقسیم شیرینی کہ یہ امراف ہے۔

جواب: نعت کہنا، اور نعت پڑھنا بہترین عبادت سے سارا قرآن حضور علیہ السلام کی نعت ہے۔ دیکھو اس کی تحقیق ہماری کتاب شاہ حبیب الرحمن میں، گدشتہ انہی کے کرم سے حضرت علیہ السلام کی نعت خوانی کی۔ صحابہ کرام اور سارے مسلمان نعت شریف کو مستحب جانتے رہے خود حضور ﷺ نے اپنی نعت پاک سنی اور نعت خوانوں کو دعا کہیں دین، حضرت حسان رضی اللہ عنہ نعتیہ شعار اور کھار کی خدمت منکوم کر کے حضور ﷺ کی خدمت میں لاتے تھے تو حضور علیہ السلام ان کیلئے مسجد میں مہر بچھوا دیتے تھے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ اس پر کھڑے ہو کر نعت شریف سنایا کرتے تھے اور حضور علیہ السلام دعا کہیں دیتے تھے کہ **”يَنْفَعُهُ اَبَدَهُ بَرُوحُ الْقُدُسِ“** ”لہ حسان کی روح القدس سے امداد کر۔“

(دیکھو مشکوٰۃ شریف جلد دوم باب اشعر) اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نعت کوئی اور نعت خوانی ایسی اہلی عبادت ہے کہ اس کی وجہ سے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو مجلس معظلی صلی اللہ علیہ وسلم میں مہر دیا گیا۔ ابو طالب نے نعت نکھی حرپاتی شریعت قید و ہر دو میں ہے کہ صاحب قید و کوٹاٹ ہو گیا تھا کوئی علاج مفید نہ ہوتا تھا، آخر کار قید و بردہ شریف لکھا۔ رات کو خوب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھڑے ہو کر سنا۔ شفا بھی پائی اور انعام میں چادر مہارک بھی ملی۔ نعت شریف سے دین و دنیا کی نعمتیں ملتی ہیں۔ سونا ناجای، امام بوصیفہ رضی اللہ عنہما۔ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ سارے اولیاء و علماء نے نعمتیں لکھیں اور پڑھی ہیں، یہ حضرات کے قصائد نعتیہ مشہور ہیں۔ حدیث و فقہ میں گانے بجانے کی برائیوں میں نہ کہ نعت کی۔ جب گیتوں میں غریب اخلاق مضامین ہوں، عورتوں یا شراب کی تعریفیں ہوں واقعی وہ گانے ناجائز ہیں اس کی پوری تحقیق کے لیے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب **مَا يَنْقُضُ بَعْدَ التَّكْبِيرِ (كتاب الصلوة)** اور باب اشعر میں دیکھو۔

فقہاء فرماتے ہیں کہ فصیح و بیخ اشعار کا سمجھنا فرض کفایہ ہے اگرچہ ان کے مضامین غریب ہوں مگر ان کے الفاظ سے علوم میں مدد ملتی ہے، دیوان حسنی وغیرہ مدارس اسلامیہ میں داخل ہیں حالانکہ ان کے مضامین گندے ہیں، تو متقیہ اشعار سمجھنا، یاد کرنا، پڑھنا جن کے مضامین بھی اہل الفاظ پاکیزہ کس طرح ناجائز ہو سکتے ہیں؟ شامی کے مقدمہ میں شعر کی بحث میں ہے۔

وَمَعْرِفَةُ شَعْرِهِمْ رَوِيَّةٌ وَدَرِيَّةٌ عِنْدَ فَهْمٍ الْإِسْلَامِ فَرُصٌ ”كَتَابِيَّةٌ“ لِأَنَّهُ تَنَبُّهُ بِه قَوَائِدُ الْعَرَبِيَّةِ وَكَلَامُ مُهْنَةٍ وَأَنْ جَوَابِيَّةُ الْخَطَاءِ فِي الْمُعَايِ فَلَا يَخْجُزُ فِيهِ الْخَطَاءُ فِي الْأَلْفَاظِ

”شعر جاہلیت کے شعروں کو جاننا سمجھنا روایت کرنا فقہاء اسلام کے نزدیک فرض کفایہ ہے کیونکہ اس سے عربی قواعد ثابت کئے جاتے ہیں اور ان کے کلام میں اگرچہ معنوی خطا ممکن ہے مگر لفظی غلطی نہیں ہو سکتی۔“

گانے کی پوری تحقیق بحث عرس میں قوی کے ماتحت آوے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

تقسیم شیرینی بہت چھاکام ہے، خوشی کے موقع پر چھانا اُٹھانا، مٹھائی تقسیم کرنا احادیث سے ثابت ہے، حقیقت، دوسرے وغیرہ میں کھانے کی دعوت مستحب ہے کیوں؟ اس لیے کہ یہ خوشی کا موقع خاص نکاح کے وقت خرچے تقسیم کرنا بگڑا اس کا نام مستحب ہے، ظہار خوشی کے لیے مسلمان کو ذکر محبوب پاک پر خوشی ہوتی ہے، دعوت کرتا ہے صدقہ و خیرات کرتا ہے، شیرینی تقسیم کرتا ہے، اسی طرح اس تذکرہ کا طریقہ ہے کہ دینی کتاب شروع ہونے اور ختم ہونے پر دے والے سے شیرینی تقسیم کرتے ہیں، میں نے سینڈ ویلچر میں کچھ عرصہ تقسیم پائی ہے وہاں دیوبندیوں کا مدرسہ تھا مگر کتاب شروع ہونے پر شیرینی تقسیم کی جاتی تھی اس سے معلوم ہوا کہ دینی اہم کام کرنے سے پہلے اور ختم کر کے تقسیم شیرینی سنت مطلقہ صاف ہے اور مطلقہ مید بھی اہم دینی کام ہے اس سے پہلے اہل قربت و میلادخونوں اور مہمانوں کو کھانا کھانا بعد میں حاضرین میں تقسیم شیرینی کرنا اسی میں داخل ہے۔

اس تقسیم کی اصل قرآن وحدیث سے ملتی ہے قرآن فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا مَا جِئْتُمُ الرُّسُولَ فَخُذُوا بِبَدَنِي حَتَّىٰ يَخْرُجَ مِنْكُمْ صَدَقَةٌ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَظْهَرُ ۗ

پارہ ۲۸ سورہ مجادلہ

”اے ایمان والو جب تم رسول سے کچھ بہتہ عرض کرنا چاہو تو اس سے پہلے کچھ صدقہ دے لو یہ تمہارے لیے بہتر اور بہت سہرا ہے۔“
اس آیت سے معلوم ہوا کہ شروع اسلام میں مالہ رباں پر ضروری تھا کہ جب حضور علیہ السلام سے کوئی ضروری مشورہ کریں تو پہلے خیرات کریں، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک دینار خیرات کر کے حضور علیہ السلام سے دس مسکے بچے بعد میں اس کا وجوب منسوخ ہو گیا۔

(دیکھو تفسیر قرآن المعرفہ احادیث حدیث) اگرچہ وجوب منسوخ ہو گیا مگر بات اصلہ اور مستحب تو ہوتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ طراوت و ایوب اللہ پر کچھ شیرینی سے کرنا، امر شریعت اور صلہ کے پاس کچھ لے کر حاضر ہونا مستحب ہے، اسی طرح احادیث و قرآنی یا دینی کتب کے شروع کرتے وقت کچھ صدقہ کرنا بہتر ہے میلا و شریف پڑھنے سے پہلے کچھ خیرات کرنا کار چاہ ہے کہ اس میں بھی درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے کلام کرنا ہے، تفسیر فتح المعرب ص ۸۶ میں شاہ عبدالعزیز صاحب نے ایک حدیث نقل کی ”یعنی اور شعب الیمان، ابن عمر روایت کردہ کہ عمر بن الخطاب سورۃ بقرہ، ہاتھ فائق اس درعت دو رو سال خودہ فارغ شد و درے ختم شترے رک کشت طعام و امر بایہ پاراں حضرت حفصہ خوراید“ یعنی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عمر سے روایت کیا کہ حضرت فاروق نے سورہ بقرہ بارہا دس کی مدت میں اس کے رموز سرائے کے ساتھ پڑھی۔ جب فارغ ہوئے تو ختم کے دن ایک اونٹ ذبح کر کے بہت سا کھانا پکا کر مٹی پر کرا کر اٹھایا۔ اہم کار خیر سے فارغ ہو کر تفسیر شیرینی و طعام ثابت ہو۔ میلا و پاک بھی اہم کام ہے برہنہ دین تو فرماتے ہیں کہ کسی اہل قربت کے یہاں جا تو جان نہ جاؤ کچھ لے کر جاؤ **نَهَادُوا وَنَحْنُوا** ایک دوسرے کو ہدیہ و دعوت پڑھے گی۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ جب یہ محبوب یعنی مدینہ پاک میں جاوے تو وہاں کے فقر و کوصدے دے کہ وہ اجیران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ رب تعالیٰ کے یہاں بھی پہلا سوال یہی ہوگا کہ کیا اعمال دے؟

حق بفرمایید چہ آوردی مرا ۱
مدراس مہنت کہ میں دادم ترا

یہ تقسیم اسراف نہیں، کسی سے سینہ نا اہل ممر می نہ دے کہ **لا حیر فی السرف** سراف میں بھڑائی نہیں، فوز جواب دیا **لا سرف فی الخیر** بھڑائی میں خرچ کرنا اسراف نہیں۔

اعتراض مہمبو ۶ مکمل میلا دے کے پنے ایک دوسرے کو بلانا حرام ہے۔ دیکھو تو کون کون بل لعل کی جماعت بھی منع ہے تو کیا میلا اس سے بلا کر ہے؟ (براہین)

جواب مجلس وعظ، دعوت، ایس، مجالس امتحان و محفل نکاح و عقیقہ وغیرہ میں تو کون کا بلایا ہی جاتا ہے بلویہ امور حرام ہو گئے یا حلال رہے؟ اگر کہو کہ نکاح و وعظ وغیرہ فرائض اسلامی ہیں لہذا ان کے لیے مجمع کرنا حلال تو جناب تعلیم رسول اللہ ﷺ ہم فرائض سے ہے، لہذا اس کے لیے بھی مجمع کرنا حلال ہے، مگر پر دیگر حالات تو قیاس کرنا سخت جہالت ہے، اگر کوئی کہے کہ نماز ہے وضو منع ہے، لہذا تلاوت قرآن بھی بے وضو منع ہونی چاہئے وہ احمق ہے یہ قیاس مع الفاروق ہے۔

اعتراض مہمبو ۷ کسی کی یادگار منانا اور دن و تاریخ مقرر کرنا شرک ہے اور میلا و شریف میں دونوں ہیں لہذا یہ بھی شرک ہے۔

جواب خوشی کی یادگار منانا بھی سنت ہے اور دن و تاریخ مقرر کرنا مسنون اس کو شرک کہنا انتہاء و جہالت و بے دینی ہے۔ رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا **وَدَنَّاكَ لَهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ** یعنی نبی اسرائیل کو و دوس بھی یا دروز جن میں اللہ تعالیٰ نے نبی اسرائیل پر نعمتیں اتاریں، پیسے فرق و فرعون من سونی کا نزول وغیرہ (غزائی عرفان) معلوم ہوا کہ جن دنوں میں رب تعالیٰ نے بندوں کو نعمت دے کی یادگار منانے کا حکم ہے۔ مکتوبہ کتاب الصوم باب صوم المنوع فصل اول میں ہے۔

مَسْئَلَةُ رَمَضَانَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْأَلْبَيْسِ فَقَالَ فِيهِ وَلَدَتْ وَفِيهِ نُبْرٌ عَمِيٌّ وَخِيٌّ

”حضور ﷺ سے دو شنبہ کے روزے کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ اسی دن ہم پیدا ہوئے اور اسی دن ہم پر وحی کی ابتدا ہوئی۔“

ثابت ہوا کہ دو شنبہ کا روزہ اس لئے سنت ہے کہ یہ دن حضور ﷺ کی ولادت کا ہے۔ اس سے تین باتیں معلوم ہوئیں۔ یادگار منانا سنت ہے۔ عبادت خواہ بدنی ہو جیسے روزہ اور نوافل یا ماں جیسے صدق اور خیرات تقسیم شیری وغیرہ، مشکوٰۃ یہی باب فصل ثامن میں ہے کہ جب حضور علیہ السلام مدینہ پاک میں تشریف لائے تو وہاں یہودیوں کو دیکھا کہ عاشرہ کے دن روزے رکھتے ہیں، سبب یہ تھا تو انہوں نے عرض کیا کہ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رب نے فرعون سے نجات دی تھی ہم اس کے شکر یہ میں روزہ رکھتے ہیں۔

تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

فَسَخْنُ اخْتِ وَأُولَى بِمُؤَسَى مِنْكُمْ ہم سے علیہ السلام سے تم سے زیادہ قریب ہیں فصامہ و امر بصب مدہ خود بھی اس دن روزہ رکھا اور لوگوں کو عاشرہ کے روزہ کے حکم دیا چنانچہ ول اسلام میں یہ روزہ مرض تھا۔ بمرضیت تو منسوخ ہو چکی مگر احتیاب باقی ہے، اسی مشکوٰۃ کے اسی باب میں ہے کہ عاشرہ کے روزے کے متعلق کسی نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ اس میں یہود سے مشابہت ہے تو فرمایا کہ اچھا میں آئندہ اگر زندگی رہی تو ہم دور روزے رکھیں گے یعنی چھ روز نہیں، بلکہ دو دن فرما کر مشابہت اہل کتاب سے بچ گئے، ہم نے شاہ حبیب الرحمن میں حوالہ کتب سے بیان کیا کہ جنگا نہ نوروں کی رکعتیں مختلف کیوں ہیں، فجر میں دو مطرب میں تین مصرع میں چار۔ وہاں جواب دیا ہے کہ یہ فی زمر گذشتہ نمبر کی یادگاریں ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے دنیا میں آ کر رات و نکی تو پریشان ہوئے صبح کے وقت دو رکعت شکر یہ دیکیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ دے دیا، بخت مگر کی جان بچی۔ قربانی منظور ہوئی۔ چار رکعت شکر یہ دیکیں۔ یہ ظہر ہوئی وغیرہ وغیرہ۔ معلوم ہوا کہ نمازوں کی رکعات بھی دیگر امیہ کی یادگار ہیں۔ حج تو از اول تا آخر ہجرہ و اسماعیل و ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے اب یہ تو وہاں پانی کی تلاش ہے۔ شیطان کا قربانی سے روکتا مگر معاصروں کے درمیان چلن بھاگنا۔ کسی میں شیطان کو نگہ مارنا بدستور دیکھتے ہی وجود ہے، محض یادگار کے بیٹے اس کی نفیس بحث کا مطالعہ کرو۔ شاہ حبیب الرحمن میں۔

یاد رمضان خصوصاً شب قدر اس لئے افضل ہوئے کہ اس میں قرآن کریم کا نزول ہے وہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ وَفَرَمَا ج ہے نَا أَمْرُهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ جب قرآن کے نزول کی وجہ سے یہ مہینہ رات تا قیامت اعلیٰ ہو گئے تو صاحب قرآن ﷺ کی وراثت پاک سے تاقیامت ربیع الاول اور اس کی ہر عین تاریخ اعلیٰ و افضل کیوں نہ ہوں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کے دن کو روزہ عید قرار دیا گیا۔ معلوم ہو کہ جس دن جس تاریخ میں کسی اللہ والے پر اللہ کی رحمت آئی ہو وہ دن، وہ تاریخ تا قیامت رحمت کا دل بن جاتا ہے، دیکھو جمعہ کا دن اس لئے افضل ہے کہ اس دن میں گذشتہ عید علیہ السلام پر قربانی اتمام ہوئے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش، انہیں عید ہرانا، نکاح دیا گیا، آنا نوح علیہ السلام کی کشتی پار لگنا، یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا، یعقوب علیہ السلام کا اپنے فرزند سے ملنا، موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے نجات پانا۔ پھر آئندہ قیامت کا آنا یہ سب جمع دے کے دن ہے البتہ جمعہ سیدہ یا م ہو گیا۔

اسی طرح برعکس کا حال ہے کہ جن مقامات اور جن تاریخوں میں قومیں پر عذاب آیا اس سے ڈرو۔ مشکل کے اس قصد نہ لو کہ یہ غلو کا دن ہے، اسی دن ہاتل کا قتل ہوا، اسی دن حضرت خواجہ فیض شراہ ہو۔ دیکھو ان دنوں میں یہ واقعات کبھی ایک بار ہو چکے مگر ان واقعات کی وجہ سے دن میں عظمت یا عظارت ہمیشہ کے لئے ہو گئی۔

معلوم ہوا کہ بزرگوں کی خوشی یا عبادت کی یادگاریں منانا عبادت ہے آج بھی یادگار اسماعیل شہید یا دیگر ماں ناقام خود بخلاف مناتیں ہیں اگر کسی چیز کا مقرر کرنا شرک ہو جائے، تو بدھ رس کی تنخواہ مقرر رکھا سے ارسونے کے لئے وقت مقرر، دستار بندی کے لئے دورہ حدیث مقرر، مدرسین کی تنخواہ مقرر، تاریخیں مقرر، میلاد شریف کو شرک کرنے کے شوق میں ہے مگر کو تو جہ۔ لگاؤ، یہ تاریخیں محض عبادت کے طور پر مقرر کی جاتی ہیں، یہ کوئی بھی نہیں سمجھتا کہ اس تاریخ کے علاوہ اور تاریخ میں محفل میلاد جاز نہ رہی نہیں۔ اسی لئے ہمارے بچوں میں ہر مصیبت کے وقت کسی کے انتقال کے بعد میلاد شریف کرتے ہیں کالہیا وڑ میں خاص شادی کے دن، میت کے تہہ، دسویں، چالیسویں کے دن میلاد شریف کرتے ہیں، پھر ماہ ربیع الاول میں ہر جگہ پورے ماہ میلاد شریف ہوتے رہتے ہیں سوائے ایسا بند کے ہر جگہ دستور ہے بلکہ سن گیا ہے کہ وہاں بھی عام باشندے میلاد شریف برہ کرتے ہیں۔

خیال رہے کہ دن یا جگہ مقرر کرنا چند وجہ سے منع ہے ایک یہ کہ وہ دن یا جگہ کسی رست سے نسبت رکھتی ہو، جیسے ہوی و دیوی کے دن اس کی تعظیم کے لئے دیکھ پکائے یا مندر میں جا کر صدقہ کرے اسی لئے مشکوٰۃ باب اول میں ہے کہ کسی نے بوند میں اونٹ ذبح کرے کی سنت مانی تو فرمایا کہ وہاں کوئی بت یا کفار کا میلہ تھا عرض کیا نہیں، فرمایا جا پٹنہ پوری کر، یا اس تعین میں کفار سے مشابہت ہو یا اس تعین کو واجب جانے۔ اسی لئے مشکوٰۃ باب صوم افضل میں ہے کہ صرف جمعہ کے روزے سے منع فرمایا کیونکہ اس میں یہود سے مشابہت ہے یا سے وجہ چنانچہ منع ہے یا جمعہ عید کا دن ہے

اُسے روزے کا دن نہ بناؤ۔

ان اعتراضات سے معلوم ہوا کہ ماہنامہ کے پاس کوئی دلیل حرمت موجود نہیں، یوں ہی ایک چپ پی ہو گئی ہے اس لئے مجلس قیاسات ہلالہ سے حرام کہتے ہیں مگر یاد رہے۔

مٹ گئے مٹے ہیں مٹ جائیں گے اعدائے

نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چپ چاہیرا

بحث قیام میلاد کے بیان میں

اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں، مقدمہ میں قیام کے متعلق ضروری باتیں ہیں۔

نماز میں دو طرح کی عبادتیں ہیں۔ قوی و رفیعی۔ قوی تو قرآن کریم کی تلاوت۔ رکوع بخود کی تسبیح و تحیات و حیرہ پڑھنا۔ اور رفیعی عبادت چار ہیں۔ قیام، رکوع، سجود، بیٹھنا۔ قیام کے معنی ہیں اس طرح سیدھا ہونا کہ ہاتھ گھٹنوں تک نہ پہنچ سکیں۔ رکوع کے معنی ہیں اس قدر جھکنا کہ گھٹنوں تک ہاتھ پہنچ جاویں اسی سے زیادہ کھڑے کے پیچھے سجدہ کی تہ نہیں، کیونکہ وہ قیام نہیں کر سکتا، ہر وقت رکوع میں ہی رہتا ہے۔ سجود کے معنی ہیں سات اعضاء کا زمین پر لگنا، دوں پاؤں کے نیچے دونوں گھٹنے، دونوں ہتھیلیاں، ناک و پیشانی۔ سلام سے پہلے دیگر نیائے کرام کی اسوں میں کسی کی تعظیم کے لئے کھڑ ہوتا۔ رکوع کرنا۔ سجدہ کرنا اور چغتار کام جائز ہے۔ مگر عبادت کی نیت سے نہیں بلکہ تحسید و تعظیم کے لہجہ سے پاک نے حضرت آدم علیہ السلام کو ملنا۔ سجود تعظیمی کرنا یا در یعقوب علیہ السلام اور اس کے فرزندوں نے یوسف علیہ السلام کو سجود تعظیمی کیا (قرآن کریم) مگر اسلام نے تعظیمی قیام اور تعظیمی رکوع اور تعظیمی سجود حرام کر دیا، معلوم ہوا کہ قرآن حدیث سے مسوخ ہوتا ہے کیونکہ حیرانہ کے لئے سجود تعظیمی کا ثبوت تو قرآن سے ہے اور اس کا نسخ حدیث پاک سے ہے یہ بھی خیال رہے کہ کسی کے سامنے جھکنا یا زمین پر سر رکھنا جب حرام ہوگا جبکہ رکوع و سجود کی نیت سے یہ کام کرے لیکن اگر کسی بزرگ کا جو سیدھا کرنے یا ہاتھ پاؤں چومنے کے لئے جھکا تو جھکنا تو پایا گیا مگر چونکہ اس میں رکوع کی نیت نہیں ہے لہذا یہ رکوع نہیں ہاں سجود رکوع جھکنا حرام اور جھکنا کسی اور کام کے لئے تھا، اور کام تعظیم کے لئے تو جائز ہے کسی کے جوئے سیدھے کرنا وغیرہ، یہ فرق ضرور حیاں میں رہے بہت ہی ہار یک ہے۔ شامی جلد پنجم کتاب الکرمات باب التبراء کے آخر میں ہے۔

الایماء فی السلام لی قریب لزو کوع کسحود وھی المنحیط انه بکرف لایہاء لمنص و غیرہ
 "سلام میں رکوع کے قریب جھک کر اشارہ کرنا سجود کی طرح ہے (حرام ہے) محیط میں ہے کہ ہاتھ کے سامنے جھکنا مکروہ تحریمی ہے۔"

پہلا باب

قیام میلاد کے ثبوت میں

قیام یعنی کھڑ ہونا چار طرح کا ہے۔ قیام جائز، قیام فرض، قیام سنت، قیام مستحب، قیام مکروہ، قیام حرام۔ ہم ہر ایک کے پہچانے کا قاعدہ عرض کئے دیتے ہیں جس سے قیام میلاد کا حاکم خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ یہ قیام کیسا ہے۔

(۱) دنیاوی ضروریات کے لئے کھڑ ہونا جائز ہے، اس کی سیکنڈوں مثالیں ہیں کھڑے ہو کر عمارت بنانا اور دیگر دنیاوی کاروبار کرنا وغیرہ۔

فقد قضیت لضوہ فانتشر والی الارض "جب نماز جمعہ ہو جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ۔"
 پہلانا بغیر کھڑے ہوئے ناممکن ہے۔

(۲) بی وقت نماز اور واجب نماز میں قیام فرض ہے، **وَقُومُوا لِرَبِّکُمْ** اللہ کے سامنے امانت کرتے ہوئے کھڑے ہو یعنی اگر کوئی شخص قدرت رکھتے ہوئے بیٹھ کر ادا کرے تو یہ نماز نہ ہوگی۔

(۳) لو اقل میں کھڑ ہونا مستحب ہے اور بیٹھ کر بھی جائز۔ یعنی کھڑے ہو کر پڑھنے میں ثواب زیادہ ہے۔

(۴) چند موقعوں پر کھڑ ہونا سنت ہے ذرا تو کسی دینی عظمت والی چیز کی تعظیم کے لئے کھڑ ہونا ہی نے آپ رحمہ اور دھوکے بچے ہوئے پانی کو کھڑے ہو کر پینا مسنون ہے۔ حضور علیہ السلام کے راضہ پاک پر اللہ حاضری نصیب فرماوے تو نماز کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑ ہونا سنت ہے عالمگیری جلد اول آخر کتاب الحج آداب زیارت قبر نبی علیہ السلام میں ہے۔

و یقف کما یقف فی الصلوۃ و یمنل ضرورہ نکریمۃ کثہ نانہ فی لحدہ عالمہ "یہ بسمع کلامہ"
 "روضہ مطہرہ کے سامنے ایسے کھڑ ہو جیسے نماز میں کھڑ ہوتا ہے اور اس جہاں پاک کا قہر دہن میں بجائے گوید کہ دوسرا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر نور میں آرام فرما ہیں۔ اس کو جانتے ہیں اور اس کی بات سنتے ہیں۔"

اسی طرح موتیوں کی قبروں پر فاتحہ پڑھے تو قبہ کو پشت اور قبر کی طرف منکر کے کھڑ ہونا سنت ہے۔ عالمگیری کتاب الکرمات باب زیارت القبر میں ہے۔

یخضع علیہ ثم یقف مستد بر القبلۃ مستظلاً لوجه لعت

”پنے جوتے اتار دے اور کعبہ کی طرف پشت اور میت کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو۔“

روضہ پاک، آب زمزم، وضو کا پانی، قبر مومن سب حبرک چیزیں ہیں۔ ان کی تعظیم قیام ہے کرائی گئی۔ دوسرے جب کوئی دینی پیشو ”نئے تو اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جائے سنت ہے اسی طرح جب دینی پیشوا سامنے کھڑا ہو تو اس کے لئے کھڑا رہنا سنت اور بیضا رہنا ہے اولیٰ ہے۔ مشکوٰۃ جلد اول کتاب الجہاد باب حکم الاسراء اور باب التقیام میں ہے کہ جب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں حاضر ہوئے تو حضور علیہ السلام نے انصار کو حکم دیا۔ **فَوُضُوْا اِلٰی سِدِّكُمْ** اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ یہ قیام تعظیف تھا نہ یہ کہ اس کو شخص مجبوی کی وجہ سے قیام کرایا گیا۔ نیز گھوڑے سے اتارنے کے لئے ایک دو صاحب ہی کافی تھے سب تو کیوں فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ، نیز گھوڑے سے اتارے کے لئے تو حاضرین مجلس پاک میں سے کوئی بھی چلا جاتا، خاص انصار کو کیوں حکم فرمایا، ماننا پڑے گا کہ یہ قیام تعظیف ہی تھا درحقیقت سعد انصار کے سردار تھے۔ ان سے تعظیم کرائی گئی، جس لوگوں نے لی سے وضو کا کھ کر کہا ہے کہ یہ قیام یہاں کے لئے تھا وہ اس آیت میں کیا کہیں گے؟ **اِذَا قُمْتُمْ اِلٰی الصَّلٰوةِ** کیا نماز بھی یہاں ہے کہ اس کی آواز کے لئے کھڑا ہوتا ہے۔ اھذا الصلوات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔ ثمت دوسرے آیت تو قیام کرام مسجد میں مقام و امر تعظیم و تکریم اور اور یہاں آں ہشاد کہ اور ابراہان علیہ السلام و یونس علیہ السلام و یونس علیہ السلام و یونس علیہ السلام و یونس علیہ السلام اس واقعہ پر مسجد کی تعظیم و تکریم کرنے میں یہ حکمت ہوئی کہ اس کوئی شرط پر حکم فرمائے کہ سے ہوا تھا اس جگہ اس کی شان کا اظہار بہتر اور مناسب تھا۔

مشکوٰۃ باب التقیام میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ **اِذَا قَامَ فَمَا حَتَّىٰ قَرِيبُهُ قَدْ دَخَلَ بَعْضُ نِيْزٍ رَّوَّاحِهِ** جب حضور ﷺ مجلس سے اٹھتے تو ہم بھی کھڑے ہو جاتے تھے یہاں تک کہ ہم اچھے بیٹے تھے کہ آپ اپنی کسی بیوی پاک کے گھر میں داخل ہو گئے۔ اھذا الصلوات کتاب باب التقیام میں یہ آیت حدیث **فَوُضُوْا اِلٰی سِدِّكُمْ** ہے۔ جماع کردہ اندر جامعہ علماء دین حدیث برا کرام اہل فصل زعم ہ اصلاح یہ شرف و نودی گفت کہ یہ قیام مراہل فضل و وقت قروم آرون ایٹاں مستحب ست و احادیث اور یہ باب و ردیفہ دور فی الارض صریحاً چلے گئے نہ مسجد دار فکریہ نقل کردہ کہ ترو نیست قیام چاس از برے کسی کہ در آمدہ ست بروہ جہت تعظیم۔ اس حدیث کی وجہ سے جمہور علمائے صحابہ کی تعظیم کرنے پر اتفاق کیا ہے نووی نے فرمایا کہ بزرگوں کی تشریف آوری کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہوا اس بارے میں احادیث ملتی ہیں اور اس کی ممانعت میں صراحۃً کوئی حدیث نہیں آئی، تہجد سے نقل کیا کہ پیشے ہونے آدمی کا کسی نے والے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا مکروہ نہیں۔ عالمگیری کتاب انکراہیۃ باب مذاقات المسوک میں ہے۔

يُخَوِّزُ الْحَدَمَةُ بَغِيرِ اللَّهِ تَعْدِي بِسَبِّهِ وَحَدِّ لَيْسِيْنَ وَالْأَسْبَاءِ

”غیر خدا کی عظمت کرنا کھڑے ہو کر مصافی کر کے جھک کر ہر طرح جائز ہے۔“

اس جگہ جھکنے سے روم رکوع سے کم جھکنا۔ تا حد رکوع جھکنا تو ناجائز ہے جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے۔ درحقیقت جلد و حجم کتاب انکراہیۃ باب الاستبراء کے آخر میں ہے۔

يُخَوِّزُ بَلْ يُدَبِّبُ النَّبِيَّ نَعِظْنَا لِنَعْدُوْا بِحُجُوْرِ الْفَصَاءِ وَبِوَلِيَّاتِهِ بَدِي الْعَالَمِ

”آئے والے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جائے جگہ مستحب ہے جیسے قرآن پڑھنے والے کو عالم کے سامنے کھڑا ہو جائے۔“

اس سے معلوم ہو کہ حدیث قرآن کی حالت میں بھی کوئی عامہ دیں آجاوے تو اس کے لئے کھڑا ہونا مستحب ہے اس کے ماتحت شامی میں ہے۔

وَقِيَامُ قَارِي الْقُرْآنِ لِمَنْ يُحْيِيْ نَعِظِمَا لَا يَكْرَهُ دَكَانَ مَثَلِ بَسْحَتِيْ لِنَعِظِمِ

”قرآن پڑھنے والے کا آئے والے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جائے نہ کہ وہ نہیں جبکہ وہ تعظیم کے لائق ہو۔“

شامی جلد اول باب راءت میں ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد میں صف آوں میں جماعت کے انتظار میں بیٹھا ہے اور کوئی عالم آدمی آگیا اس کے لئے جگہ چھوڑ دینا خود پیچھے ہٹ جانا مستحب ہے بلکہ اس کے لئے پہلی صف میں نماز پڑھنے سے افضل ہے یہ تعظیم تو علماء امت کی ہے لیکن صدیق اکبر نے تو عین نماز پڑھتے ہوئے جب حضور علیہ السلام پیشانی پر تے دیکھا تو خود مقتدی بن گئے درحقیقت نماز میں حضور علیہ السلام امام ہوئے۔

(مشکوٰۃ باب مرسل النبی) اس امور سے معلوم ہو کہ ہر رگات دین کی تعظیم عبادت کی حالت میں بھی کی جاوے۔

مسلم جلد دوم باب حدیث تو بایں مالک کتاب التوبہ میں ہے۔

فَقَامَ طَلْحَةُ بْنُ عُقَيْدٍ، لَنَّهُ يُهْرَوْنَ حَتَّى صَافِحِيْ وَهَابِيْ

”ہاں طلحہ بن عبید اللہ کھڑے ہو گئے اور دور سے آئے مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی۔“

اس جگہ تو دیکھیں۔ **فَبِهِ امْتَحَنَ مَصَافِحَ الْفَقَادَةِ وَالْفَقِيمِ لَهُ الْكُرَامُ وَالْهَرُ وَلَهُ الْبَقَائَةُ**

اس سے ثابت ہوا کہ آئے والے سے مصافحہ کرنا، اس کی تعظیم کو کھڑا ہونا، اس کے لئے کے لئے دوڑنا مستحب ہے۔

تیسرے جبکہ کوئی اپنا پیارے جاوے تو اس کی خوشی میں کھڑا ہو جائے، ہاتھ پاؤں چومنا مستحب ہے، مشکوٰۃ کتاب الادب باب مصافحہ میں ہے کہ رید میں حارثہ وروانہ چاک مصطفیٰ علیہ السلام پر حاضر ہوئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔

فَقَامَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُرِيَابًا وَغَتَّعَهُ وَقَبَّهُ

”ن کی طرف حضور علیہ السلام بغیر چادر شریف کے کھڑے ہو گئے پھر اس کو گئے لگایا اور بوسہ دیا۔“

مشکوٰۃ اسی باب میں ہے کہ جب حضرت خاتونِ خستہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔

الْبَيْتُ فَاحِدًا بِيَدِهَا فَتْبَتُهَا وَاحْتَسِبَهَا فِي مَنْحِبِهِ اس پہلے کھڑے ہو جاتے اور اس کا ہاتھ پکڑے رکھ دیتے اور اپنی جگہ رکھ دیتے۔ اسی طرح جب حضور علیہ السلام فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے جاتے تو آپ بھی کھڑی ہو جاتیں اور ہاتھ مبارک دیتیں اور اپنی جگہ حضور علیہ السلام کو بیٹھ لیتیں۔ مرقاۃ باب الحبشہ یا بئزۃ فصل دوم میں ہے۔

فَبِهِ اِيْمَاءٌ اِلَى نَذْبِ اَنْفَاءِ تَغْصُنِهِ لَفْصَلَاءِ وَالْكَرَاءِ معلوم ہوا کہ فصلاء کے لئے قیامِ تعظیص جائز ہے۔ چوتھے جبکہ کوئی پیارے کا ذکر سے یا کوئی اور خوشی کی خبر سے تو کسی وقت کھڑا ہو جائے مستحب اور سنت صحابہ و سنت مفسر ہے، مشکوٰۃ کتاب الایمان فصل ثامن میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ مجھ کو صدیق کبیر نے ایک خوشخبری سنائی۔

فَقُمْتُ إِلَيْهِ وَقَفْتُ بِأَيْمَنِ أَنْتَ وَأُمْنَى ابْنِ أَحَقِّ بِهَا

”تو میں کھڑا ہو گیا اور میں نے کہا کہ آپ پر میرے ماں باپ قرباں ہوں آپ ہی اس بات حق ہیں۔“

تفسیر روح البیان پارہ ۲۶ سورہ فتح آیات **رُسُومُ مُحَمَّدٍ** اللہ ہے کہ امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مجمع علماء موجود تھا کہ ایک نعمت خواں نے نعمت کے ذکر شروع کر دی۔

فَعِنْدَ ذَلِكَ لَمَّا لَا مَامَ الشُّكِيُّ وَحَمِيعُ مَنْ فِي مَحْضِ فَحَصِلَ تَسْ عَظِيمٌ بَدَأَ بِكَ السَّحَابُ

”تو فوراً امام سبکی اور تمام حاضرین مجلس کھڑے ہوئے اور اس مجلس میں بہت سی لطف آیا۔“

پانچویں کوئی کافر اپنی قوم کا پیشوا ہو، اور اس کے اسلام لانے کی امید ہو تو اس کے آئے پر اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا مستحب ہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے لئے حاضر خدمت ہوئے تو حضور علیہ السلام نے کھڑے ہو کر ان کو اپنے سینہ سے لگایا۔ (کتبہ اربعہ) حاکمگیری کتاب التکرم باب اهل الذمہ میں ہے۔

اِذَا دَخَلَ دِمْنِي اَعْلَى مُسْلِمٍ فَقَامَ لَهُ طَمَعًا فِي سَلَامِهِ وَلَا بَأْسَ

”کوئی دمی کافر مسلمان کے پاس آیا مسلمان اس کے اسلام کی امید پر اس کے لئے کھڑا ہو گیا تو جائز ہے۔“

(۵) چند جگہ تو مذکور ہے۔ اذن آپ زحوم اور زحمہ کے ساتھ اور پانی کو پیچے وقت کھڑا ہونا بلا حد و مکروہ ہے۔ دوسرے دنیا داری کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا دنیا، بچ سے بد مذکر مکروہ ہے تیسرے کافر کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا اس کی مالدار کی وجہ سے مکروہ ہے۔ حاکمگیری کتاب التکرم باب اهل الذمہ میں ہے۔

وَنَ قَامَ لَهُ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَتَوَيَّ شَيْئًا مِمَّا ذَكَرُوا وَقَامَ صَعْفٌ بَعْدَ تَكْرِهِ لَهُ دَبْكٌ

”مگر اس کے لئے سوائے مذکورہ صورتوں کے کھڑا ہونا اس کی مالدار کی قطع میں کھڑا ہو تو مکروہ ہے۔“

چوتھے جو شخص اپنی تعظیم کرانا چاہتا ہو اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا منع ہے۔ پانچویں اگر کوئی بڑا آدمی درمیان میں بیٹھا ہو اور لوگ اس کے آس پاس دست بستہ کھڑے ہوں تو اس طرح کھڑا ہونا سخت منع ہے اپنے لئے قیام پسند کرنا بھی منع ہے اس کے حوالے دوسرے باب میں آدیں کے انشاء اللہ یہ تعظیم خیال میں ہے۔

جب یہ تحقیق ہو چکی تو اب کیونکہ ہم قیام سنت میں چوتھے قیام وہ بتا چکے کہ جو خوشی کی خبر پا کر یا کسی پیارے کے ذکر پر ہو، اور پسند قیام وہ بتایا جو کسی دینی عظمت والی چیز کی تعظیم کے لئے ہو، لہذا قیام میں دو چیزیں داخل ہوا، ایک تو اس لئے کہ یہ کرواوت کی تعظیم کے لئے ہے دوسرے اس لئے کہ ذکر و دست سے بڑھ کر مسلمان کے لئے کوئی خوشی ہو سکتی ہے، اور خوشی کی خبر مسنون ہے، تیسرے نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر مسلمان کے نزدیک

کو محبوب ہے، وہ جان و لادیں باپ متاع سب سے زیادہ محبوب ہیں ان کے ذکر پر کھڑا ہونا ملت سلف الصالحین ہے۔ چوتھے اس لئے کہ ولادت پاک کے وقت ملائکہ درود ملت پر کھڑے ہوئے تھے اس لئے ولادت کے ذکر پر کھڑا ہونا فضل ملائکہ ہے مثلاً ہے۔ پانچویں اس لئے کہ ہم بحث میاں میں حدیث سے ثابت کر چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے اپنے اوصاف اور اپنا منصب شریف منبر پر کھڑے ہو کر بیان فرمایا تو اس قیام کی اصل مل گئی۔ چھٹے اس لئے کہ شریعت نے اس کو منع نہ کیا۔ اور ہر ملک کے عام مسلمان اس کو ثواب کچھ کر کرتے ہیں اور جس کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے ہم اس کی تحقیقی بحث میاں اور بحث بدعت میں کر چکے ہیں نیز پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مسلمان جس کام کو مستحب جانیں وہ شریعت میں مستحب ہے مثلاً جلد سوم کتاب الوقف، وقف منقورات کی بحث میں فرماتے ہیں۔

لَا النَّعْمَ يَتْرُكُ بِهِ الْفِسْ لِحَدَّثَ مَرَأَةُ الْمُؤْمِنُونَ حَسْبُ اللَّهِ حَسْبُ "یہی دیکھی و جتارہ وغیرہ کا وقف قیام ناجائز ہونا چاہئے مگر چونکہ عام مسلمان اس کے عامل ہیں لہذا قیاس چھوڑ دیا گیا اور اسے جائز مانا گیا دیکھو حدیث مسبین جس کام کو اچھا سمجھتے ہیں۔ اور اس کی حرمت کی نص نہ ہو تو قیاس کو چھوڑ دیا اور ہم ہے۔ در مختار جلد ثانی کتاب اجارات باب اجارات الفاسدہ میں ہے۔

وَحَرَّ اجَارَةُ الْحَقَامِ لَانَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَحَلَ حَقْمَهُ الْوَعُوفُ وَفَالِ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَرَأَةُ الْمُؤْمِنُونَ حَسْبُ اللَّهِ حَسْبُ

"حمام کا کرایہ جائز ہے کیونکہ حضور علیہ السلام شہر محمد کے حمام میں تشریف لے گئے اور اس لئے کہ عرف جاری ہو گیا اور حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ خدا اللہ اچھا ہے۔"

اس کے ماتحت شامی میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے مجموعے حمام میں داخل ہونے کی روایت سخت ضعیف ہے بعض نے کہا کہ موضوع ہے لہذا اب حمام کے جائز ہونے کی دلیل صرف ایک روایت ہی عرف عام مع ثابت ہوا کہ جو کام مسلمان عام طور پر جائز سمجھ کر کریں وہ جائز ہے۔ شامی میں اسی جگہ ہے۔

لَا النَّاسُ فِي سَابِقِ الْأَنْصَارِ بَذَلُ الْفُؤَانِ أَحَرَّتِ الْحَقَامِ لَدَنَ أَحْمَا غَنِمَ عَلَى حَوَارِ دَلِكْ وَ نَكَانَ الْقِيَاسُ يَا بَا

"کیونکہ تمام شہروں میں مسلمان لوگ حمام کی حیرت دیتے ہیں پس ان کے حمام سے اس کا جائز ہونا معلوم ہوا اگرچہ یہ خلاف قیاس ہے۔" ثابت ہوا کہ حمام کا کرایہ قیام جائز نہ ہونا چاہئے کیونکہ خبر نہیں ہوتی کہ کتنا پانی خرچ ہوگا اور کرایہ میں نفع و اجرت معلوم ہونا ضروری ہے لیکن چونکہ مسلمان عام طور پر اس کو جائز سمجھتے ہیں لہذا یہ جائز ہے قیام میاں کو بھی عامل مسلمان مستحب سمجھتے ہیں لہذا مستحب ہے۔ ساتویں اس لئے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَنَعَزُّوهُ تَوْقَرُ وَاهُ "اے مسلمانوں! ہمارے نبی کی مدد کرو اور ان کی تعظیم کرو۔" تعظیم میں کوئی پابندی نہیں بلکہ جس زمانہ میں درج جس جگہ جو طریقہ بھی تعظیم کا ہو اس طرح رد بشرطیکہ شریعت نے اس کو حرام نہ کیا ہو جیسے کہ تعظیم مجدد کو اور ہمارے زمانہ میں شاہی حکام کھڑے ہو کر بھی پڑھے جاتے ہیں لہذا محبوب کا ذکر بھی کھڑے ہو کر ہونا چاہیے۔

دیکھو **وَأَشْرَبُوا** میں مطلقاً کھانے پینے کی اجازت ہے کہ ہر طائفہ کھانے پینے کی اجازت ہو، سب ہی حدیں ہوا خواہ غیر القرون میں ہو یا نہ۔ ایسے ہی **تَوْقَرُ وَاهُ** کا امر مطلق ہے کہ ہر قسم کی جائز تعظیم کرو۔ غیر القرون سے ثابت ہو یا نہ ہو۔ آٹھویں اس لئے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ يُعْظِمِ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُتُوبِ "اور جو شخص اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو یہ رب کے تقویٰ سے ہے۔" روح بیباں سے ریت آیت **وَنَعَاوُنُو عَسَىٰ لَنَا نَتَعَوَّى وَلَا تَعَاوُنُ عَسَىٰ لَنَا نَعْدُو** لکھا کہ جس چیز کو نبی عظمیٰ حاصل ہو وہ شعائر اللہ ہیں ان کی تعظیم کرنا ضرورت ہے جیسے کہ بعض مہینے بعض دن و مقامات۔ بعض اوقات و مہرہ اسی لئے صفہ و مردہ، کعبہ معظمہ، ماورعصاں، شب قدر کی تعظیم کی جاتی ہے۔ اور ذکر و دعا بھی شعائر اللہ ہے لہذا ان کی تعظیم بھی بہتر ہے وہ قیام سے حاصل ہے۔ ہم نے آٹھ دلائل سے اس قیام کا مستحب ہونا ثابت کیا مگر خط الفتن کے پاس خدا چاہے تو ایک بھی دلیل حرمت نہیں، محض اپنی رائے سے حرام کہتے

دوسرا باب

قیام میلاد پر اعتراض و جواب میں

اعتراض نمبر ۱ چونکہ میلاد کا قیام ذیل میں رہائوں میں نہیں تھا۔ لہذا بدعت ہے اور ہر بدعت حرام ہے۔ حضور ﷺ کی ادنیٰ تعظیم کی جاوے جو کہ سنت سے ثابت ہو، اپنی بجا دات کو اس میں دخل نہ ہو کیا ہم کو بھلا صحابہ کرام حضور ﷺ سے زیادہ محبت نہیں ہے جب انہوں نے یہ قیام نہ کیا تو ہم کیوں کریں۔

جواب بدعت کا جو بے توجہ بار ہادیا چا چکا ہے ہر بدعت حرام نہیں، رہا یہ کہنا کہ حضور علیہ السلام کی وہ تعظیم کی جاوے جو سنت سے ثابت ہو کیا یہ قاعدہ صرف حضور علیہ السلام کی تعظیم کے لئے ہے یا دیگر علمائے دین و غیرہ کے لئے بھی یعنی عالم کتب مدرستہ تمام چیزوں کی وہی تعظیم ہونی چاہئے جو سنت سے ثابت ہے تو علماء و دیوبندی آمد پر شیش پر حانات کے گلوں میں ہار پھول ڈالتا۔ کئے سے جلوس لگانا، جھنڈیوں سے راستہ اور جسد گاہ کو سجانا، کریں لگانا، وعظ کے وقت زندہ ہادے کے سرے لگانا، مسند اور قالین بھی تا وغیرہ اس طرح کی تعظیم کا آپ کوئی ثبوت پیش کر سکتے ہیں کہ صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام کی یہی تعظیم کی ہو۔ نہیں پیش کر سکتے تو فرمائیے کہ یہ تعظیم حرام ہے یا حلال۔ لہذا آپ کا یہ قاعدہ نقطہ ہے، بلکہ دعوے و کلام و محرمات کے علاوہ جس تعظیم کا جس ملک میں رواج ہو وہ جائز ہے اور جذبہ جس طرف رہبری کرے وہ عبادت ہے لکھنؤ میں مہتر بھٹی کو کہتے ہیں۔ اور فارسی اور بعض جگہ رواج میں بھی مہتر بھی سردار بولا جاتا ہے جیسے کہ حترال کے نواب کو مہتر چترال کہتے ہیں لکھنؤ میں جو شخص یہ کلمہ مہتر کسی نبی کے لئے استعمال کرے کافر ہے اور حترال میں اور فارسی میں نہیں۔ بریلے ہر سے

ہندیاں و اصطلاح ہند مدح

ہندیاں و اصطلاح ہند مدح

مرقاۃ المفاتیح کے مقدمہ میں امام مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے لکھتے ہیں کہ آپ مدینہ پاک کی زمین پاک میں کبھی گھوڑے پر سو رہے ہوئے اور جب حدیث بیان فرماتے تو غسل کرتے عمدہ لباس پہنے خوشبو لگاتے اور ہیبت و وقار سے بیٹھتے تھے۔ کہے مدینہ پاک یا حدیث شریف کی یہ تعظیم کسی صحابی نے کی تھی؟ نہیں۔ مگر امام مالک کا جذبہ دس ہے میں ثواب ہے تفسیر رون انبیاء زیر آیت **ماکان فحشدا** اہا احدہن **رجالک** کہ یا زکے فرزند کا نام تھا، محمد سلطان اس کا نام ہے کرپکارتے تھے یک روز غسل خاصہ میں جا کر فرمایا کہ اسے ایار کے شیشے پانی۔۔۔ ایاز نے عرض کیا کہ حضور کیا تصور ہوا کہ غلام رادے کا نام۔۔۔ یا فرمایا کہ ہم اس وقت بے وضو تھے اس مبارک نام کو بے وضو نہیں کیا کرتے۔

منور نام تو گفتیں کہاں بے ادبی است

ہزار بار بشویم دکن بھٹک دگاب

کیسے یہ تعظیم کہاں ثابت ہے؟ کیسے کیا سلطان محمود اور امام مالک رحمہم اللہ و صحابہ کرام سے زیادہ عشق رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام تھا۔

اعتراض نمبر ۲ اگر ذکر رسول علیہ السلام کی تعظیم منکوحہ ہے تو ہر ذکر پر کھڑے ہو جایا کرو۔ اور عید شریف میں ذیل سے ہی کھڑے رہا کرو۔ یہ کیا کہ پہلے بیٹھے اور بعد کو بیٹھے درمیان میں کھڑے ہو گئے۔

جواب یہ تو کوئی اعتراض نہیں ہے، مگر کسی کو اللہ توفیق دے اور ہر ذکر کھڑے ہو کر کیا کرے اور عید شریف اور اول تا آخر کھڑے کھڑے پڑھا کرے تو ہم منع نہیں کریں گے۔ خواہ ہر وقت کھڑے ہو یا بعض وقت ہر طرح جائز ہے۔ علیحدہ ت قدس سرہ کتب حدیث کھڑے ہو کر پڑھا کرتے تھے دیکھنے والوں نے ہم کو ہاتھ کیا کہ خود بھی کھڑے ہوتے پڑھنے والے بھی کھڑے ہوتے تھے اس کا یہ فعل بہت ہی مبارک تھا مگر چونکہ اول تا آخر کھڑا ہونا عام کو دشوار ہو گا اس لئے صرف ولادت کے ذکر کے وقت کھڑے ہو جاتے ہیں نیز بیٹھے بیٹھے بعض لوگ کبھی دنگ جاتے ہیں کھڑے کر کے صلوٰۃ و سلام پڑھ لیا۔ تاکہ قید جاتی رہے اسی لئے اس وقت عرق گلاب وغیرہ چھڑکتے ہیں تاکہ پانی سے قید نہ جاوے کیوں صاحب انوار میں بعض ذکر تو آپ کھڑے ہو کر کرتے ہو اور بعض جگہ سے میں اور بیٹھ کر، ہر ذکر کھڑے ہو کر کیوں نہ کیا؟ نیز احتیاجات میں **اشہد ان لا الہ الا اللہ** پڑھتے ہیں تو حکم ہے کہ انگلی کا اشارہ کرے، اور ہزار ہا موقعوں پر آپ یہی کلمہ پڑھتے ہو انگلی کیوں نہیں ہلاتے؟ صوفیائے کرام بعض وظائف میں کچھ اشاروں کی قیدیں لگاتے ہیں، مثلاً جب مقدمہ میں حاکم کے سامنے جاوے تو **تسبیح بعض** اس طرح پڑھے کہ اس کے ہر حرف پر ایک انگلی بند

کر دے کاف پر اوپر ی پروغیرہ۔ پھر **حقیقی** پڑھے ہر ایک پر انگلی کھولے پھر حاکم کی طرف دم کر دے تو جب تلاوت قرآن کے دوران میں یہ کلمے آتے ہیں تو یہ اشارہ کیوں نہیں اور یہ اشارے صحابہ کرام سے کہاں ثابت ہیں، حرب ربیع وغیرہ پڑھے والے حضرت بعض مقامات پر خاص اشارے کرتے ہیں اور موقعوں پر کیوں نہیں کرتے، نیز کرتے اس قسم کے صد ہا سوالات کئے جا سکتے ہیں، امام بخاری نے بعض حدیث کو استناداً بیان کیا بعض کو تھنقا، سب کو یکساں کیوں نہ بیان کیا۔ بعد اس جیسی باتوں سے حرمت ثابت ہو سکتی ہے۔

اعتراض نمبر ۳ لوگوں نے قیام میں دو ضروری سمجھ لیا ہے کہ نہ کرنے والوں پر طعن کرتے ہیں اور غیر ضروری کو ضروری سمجھنا ناجائز ہے لہذا قیام ناجائز ہے۔

جواب یہ مسلمانوں پر کھلی بہتان ہے کہ وہ قیام میں دو واجب سمجھتے ہیں نہ کسی عالم دین نے کھل کر قیام واجب ہے اور تقریروں میں کہا خواہ بھی یہی کہتے ہیں کہ قیام اور میلاد شریف کا رٹوب ہے۔ پھر آپ ان پر واجب سمجھنے کا کس طرح الزام لگاتے ہیں، اگر کوئی واجب سمجھے بھی تو اس کا یہ سمجھنا ہوا کہ نہ کہ اصل قیام حرام ہو جاوے نہ نماز میں درود شریف پڑھنا امام شافعی صاحب ضروری سمجھتے ہیں اختلاف غیر واجب، تو ہمارے نزدیک ان کا یہ توں صحیح نہ ہوگا نہ یہ کہ درود ولہازی منع ہو جاوے اس کی تحقیق میں اور نہ کرنے والے کو وہابی کہتے ہیں یہ بالکل درست ہے، مقلوۃ باب القصد فی عمل میں ہے۔ **احث الاعمال الی اللہ اور مہ وان فیل** اللہ کے نزدیک اچھا کام وہ ہے جو کہ ہمیشہ ہو کر چھوڑا ہو، ہر کار خیر کو پابندی سے کرنا مستحب ہے مسلمان ہر عید کو جسے پزے پہنتے ہیں ہر جمعہ کو غسل کرتے ہیں۔ خوشیوں گاتے ہیں اور دس میں ہر رمضان و جمعہ میں چھٹی کرتے ہیں، ہر سال امتحان لیتے ہیں مسلمان ہر رات سوتے ہیں، ہر دوپہر کو کھانا کھاتے ہیں تو کیا یہ واجب سمجھتے ہیں یا پابندی واجب کی علامت ہے یہ قیام نہ کرے والوں کو اپنی سمجھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فی زمانہ ہندوستان میں یہ وہابیوں کی علامت ہوئی ہے اہل ایمان کے ہر زمانہ میں علامات مختلف رہی ہیں اور حسب زمانہ علامات کفار سے بچنا علامت اہل ایمان اختیار کرنا ضروری ہے دل اسلام میں مرمایا گیا کہ جس سے **لا الہ الا اللہ** کہہ رہا جتنی ہو گیا (مقلوۃ کتاب ایمان) کیونکہ اس وقت کلمہ پڑھنا ہی اہل ایمان کی علامت تھی پھر حسب کلمہ گوہوں میں منافی پیدا ہوئے تو قرآن پاک سے مرمایا کہ آپ کے سامنے منافی آکر کہتے ہیں کہ ہم گواہ ہیں کہ آپ رسول اللہ ہیں۔ اللہ بھی جانتا ہے کہ آپ رسول اللہ ہیں لیکن خدا گواہ ہے کہ منافی آکر کہتے ہیں بات تو سچی کہہ رہے ہیں مگر میں سمجھنے۔ پھر حدیث میں آیا کہ ایک قوم نہایت ہی عبادت گزار ہوئی، مگر دین سے بیکے اکل جائیں گے جیسے تیرکان سے۔ نیز حدیث میں آیا کہ عمارتی کی پیچاں سرمنڈانا ہے (دیکھو دونوں حدیثیں مقلوۃ کتاب اللعاب باب تل اہل اردو) یہ تین امور میں زانوں کے اعتبار سے ہیں شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ کسی نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ سنی کی عبادت کیا ہے؟ فرمایا **حُبُّ الْحُسَيْنِ تَقْصِیْبُ الشَّيْخَيْنِ وَ النَّمْخُ عَلَى الْحَقِیْنِ** دو اماموں یعنی سیدنا علی و عثمان سے محبت رکھنا شیخین صدیق و فاروق رضی اللہ عنہم کو تمام پر افضل جاننا اور چلوے کے سورے پڑھنا۔ تفسیرات احمدیہ میں سورہ اہم زیر آیت **وَنَهْدَا صِرَاطِنِ فَنَسْفِیْسا** ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ جس میں دس عبادت ہوں وہ سنی ہے **تَقْصِیْبُ الشَّيْخَيْنِ** ، **تَوْقِیْرُ الْحُسَيْنِ** ، **تَغْظِیْمُ الْعَلَنِیْنِ** ، **لِصَوْبِهِ عَلَى الْحَبَارِیْنِ** ، **الْصُّوْبُ حَنْفِ الْاِمَامِیْنِ** ، **تَرْكُ الْخُرُوجِ عَلَى الْاِمَامِیْنِ** ، **النَّمْخُ عَلَى الْحَقِیْنِ** ، **وَالْقَوْلُ بِالنَّقْدِیْرِیْنِ** و **الامساكُ عَنِ الشَّهْرِ** ، **ادْبِیْنِ** و **دَاءُ الصَّرِیْضَتِیْنِ** مرقاۃ شروع باب المسح علی النکب میں ہے۔ **نَسْبُ اسْمِ نَسْ مَلِكٍ عَنِ عَلَامَةِ اَهْلِ السُّنَّةِ** و **لِجَمَاعِهِ فَمَا اِنْ نَحَبْتُ شَبَحِیْنِ وَلَا نَصَعْتُ الْحَبِیْنِ وَنَمَسَحْتُ عَنِ الْحَقِیْنِ** در مختار باب السیرہ میں ہے **وَلِتَوْصُوْا مِنَ الْحَوَاصِ اَفْصَلُ رَعْمًا لِّلْ مُعْتَرِلَةِ حَوْضٍ** سے وضو کرنا افضل ہے معز نے کہا کہ نے کے لئے اسی جگہ شامی میں ہے **لَا اِنَّ الْمُعْتَرِلَةَ لَا يُحِیْرُوْهُ** من احیاء من عطفہم بالوصو، علی سترہ حوض سے وضو کرنے کو ناجائز کہتے ہیں لہذا ہم اس کو حوض سے وضو کر کے ہلائیں گے ویسے کو حوض سے وضو کرنا، چڑے کے موزوں پر مس کرنا وغیرہ واجبات میں سے نہیں لیکن چونکہ اس زمانہ میں اس کے منکر پیدا ہو گئے تھے لہذا ان کو دنی کی پیچاں قرار دیا۔ اسی طرح قیام میلاد فاتحہ وغیرہ واجبات میں سے نہیں مگر چونکہ اس کے منکر پیدا ہو گئے ہیں لہذا فی زمانہ یہ ہندوستان میں کسی ہونے کی علامت ہے۔ اور مجلس میں اکیلا بیٹھنا علامت دیوبندی کی ہے۔

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ لہذا اس سے بچنا چاہیے۔ نیز شامی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی حائر یا مستحب کام سے بدچل لوگ روکیں تو اس کو مورد کرے۔ آج ہندوستان میں ہندو قربانی گائے سے روکتے ہیں خاص گائے کی قربانی واجب نہیں مگر مسلمانوں نے اپنا حوں بہا کر اس کو جاری رکھا اسی طرح مغل میلاد و قیام وغیرہ ہے۔ فقہاء کے نزدیک زہار باہر دینا اور ہندوؤں کی سی چوٹی سر پر رکھنا قرآن پاک کی امت میں ذالنا کفر ہے کیونکہ یہ کفار کی مذہبی علامت ہے۔

ضروری نوٹ یہ سوال ۱۳ اکثر دیوبندی کیا کرتے ہیں کہ فاتحہ عز و میلاد وغیرہ سب کو اس وجہ سے حرام بتاتے ہیں، یہ بھی کہتے ہیں کہ تم نے خود ہی ہونے کی علامات سمجھا کر ہی حدیث و قرآن میں یہ علامات نہیں سمجھ کے لئے یہی جواب دیا جاوے بہت معید ہوگا اللہ شاہ اللہ۔

اعتراض مبہوت کسی کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا منع ہے مشکوٰۃ باب القیام میں ہے۔ **وَكَانُوا إِذَا أُؤْتُوا الْقُرْآنَ يَنْفِرُونَ كُنُوفًا يُفْهِمُونَ أَلَمَ**

يَعْلَمُونَ مِنْ كَرَاهِيَّتِهِ لَدَلِك صحابہ کرام جب حضور علیہ السلام کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے تھے کیونکہ جانتے تھے کہ حضور علیہ السلام کو بیٹا پسند ہے، مشکوٰۃ اسی باب میں ہے۔

مِنْ سِرَّةٍ أَنْ يَمْتَثِلَ لَهُ الرَّحَالُ قِيَامًا فَيَتَبَّ وَءِ مَقْعَدُهُ مِنْ الدَّارِ "جس کو پسند ہو کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں وہ اپنی جگہ دوزخ میں ڈھونڈے۔"

مشکوٰۃ باب القیام میں ہے۔

لَا يَنْفِرُوا كَانْفُسِهِمْ وَلَا عَاجَتِهِمْ "بجی لوگوں کی طرح نہ کھڑے ہوا کرو۔"

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ زندگی میں بھی اگر کوئی بڑا دیوتا ہے تو اس کی تعظیم کے لئے نہ کھڑا ہو۔ میدان شریف میں تو حضور علیہ السلام آئے بھی نہیں، پھر تعظیم قیام کیونکہ جائز ہو سکتا ہے؟

جواب ان احادیث میں مطلق قیام سے منع نہیں فرمایا گیا اور نہ پہلے باب میں ہم نے جو احادیث اور اقوال فقہاء نقل کئے اس کے خلاف ہوگا بلکہ حسب ذیل امور سے ممانعت ہے، اپنے لئے قیام چاہتا لوگوں کا دوست سے سامنے کھڑا ہونا اور پیشوا کا میدان میں بیٹھا رہنا۔ ہم نے بھی لکھا ہے کہ اس قسم کے دونوں قیام منع ہیں۔ پہلے حدیث کے ماتحت اربعہ الامعات میں ہے، "وہ حاصل" کہ قیام ترک قیام بحسب زمان و احوال و اشخاص مختلف گردو زیں جا است کہ گاہے کہ گردنگاہے کہ گرد۔" خلاصہ یہ ہے کہ قیام تعظیم کرنا درست کرنا زمانہ و حالات اور اشخاص کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے اسی طرح صحابہ کرام نے بھی تو حضور علیہ السلام کے لئے قیام کیا اور کبھی نہیں، معلوم ہو کر بھی کہ کبھی تو حضور علیہ السلام کی تشریف آوری پر کھڑے ہو جاتے تھے اور کبھی نہیں، نہیں کا تو ذکر یہاں کیا اور کھڑے ہونے کا ذکر پہلے ہو چکا اور آپ کا قیام سے کراہت فرمایا تو اھل احکام کا کیا؟ لہذا اس جگہ ہمیشہ کھڑے ہونے کی نگی ہے مطلقاً کی دوسری اور تیسری حدیث کے ماتحت اربعہ الامعات میں ہے۔ "قیام مکروہ ہیست بلکہ مکروہ محبت قیام مست گردے محبت قیام نہ دار و قیام برائے دے مکروہ ہیست قاضی میاض، مگر کھڑے قیام یعنی در حق کسی است کہ شستہ باشد و ستادہ باشد پیدا و در قیام تعظیم برائے اہل دنیا ہیست دیا سنے یشان و مید و در دشت و مکروہ است" خود قیام مکروہ نہیں بلکہ قیام چاہتا مکروہ ہے اگر وہ قیام نہ چاہتا ہو تو اس کے لئے مکروہ نہیں ہے۔ قاضی میاض نے فرمایا کہ قیام اس کے لئے منع ہے جو کہ خود تو بیٹھا ہو اور لوگ کھڑے ہوں در دنیا و دوس کے لئے قیام تعظیم میں وعید کی ہے اور وہ مکروہ ہے۔ اسی طرح حاشیہ مشکوٰۃ کتاب مجاہد۔ باب غم الاسرار و در حدیث **فَوُؤُوا اِلَى سَبْدِكُمْ** میں ہے۔

قَالَ لَسُوؤِي فِيهِ الْكِرَامُ هَلِ الْمَضِلُّ وَنَدْبَتُهُمْ وَانْقِبَامُ الْيَهْمُ وَاحْتِجُّ بِهِ الْحَفْهُورُ وَقَالَ لِقَاصِنِي عِيَاضُنْ لَيْسَ هَذَا مِنَ الْغِيَامِ الْمُنْهَى عَنْهُ وَتَمَّا ذَلِكَ فَيَمَسُّ بَقُوفُونَ عَنْهُ وَهُوَ حَاسِسٌ وَيُمَثِّلُونَ لَهُ قِيَامًا طَوْنٌ حُلُوسًا

"نوی نے فرمایا کہ اس سے بزرگوں کی تعظیم ان سے ملتا، ان کے لئے کھڑا ہونا ثابت ہے، سمجھو خدا نے اس سے دلیل کاڑی ہے یہ قیام ممنوع قیاموں میں ہے نہیں، ممانعت جب ہے کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے ہوں،" درود میٹھا ہو اور لوگ اس کے بیٹھے رہنے تک کھڑے رہیں۔" ان عبارت سے معلوم ہوا کہ ان دونوں حدیثوں میں خاص خاص قیام سے ممانعت ہے اور محفل میدان کا قیام ان میں سے نہیں نیز اگر تعظیم قیام ممنوع ہے تو علمائے دیوبند وغیرہ کے آئے پر لوگ مرد قد کھڑے ہو جاتے ہیں وہ کیوں جائز ہے؟

بحث فاتحہ تیجہ، دسواں، چالیسواں کا بیان

اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں

مقدمہ

بدنی اور ماہی عبادت کا ثواب دوسرے مسلمان کو بخشا جائز ہے اور پہنچتا ہے۔ جس کا ثبوت قرآن وحدیث اور اقوال فقہاء سے ہے۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے لئے دعا کرنے کا حکم دیا، نماز، جہاد واد کی جاتی ہے، مشکوٰۃ باب فضل صدق میں ہے کہ حضرت سعد نے کنوٹ کھدوا کر فرمایا **ہد، لام سغید** یہ م سعد کا کنواں ہے فقہاء نے ایصال ثواب کا حکم دیا۔ ہاں بدنی عبادت میں نیت جائز نہیں یعنی کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز فرض پڑھ دے تو اس کی نماز نہ ہوگی ہاں نماز کا ثواب بخشا جاسکتا ہے۔ مشکوٰۃ باب الخیر باب مراسم فصل دوم میں ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کسی سے فرمایا کہ **من یحسب لنی مکرم ان یبصری فی مسجد عشر رکعتیں ویقول ہدہ لابی ہریرۃ** اس سے تین مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ عبادت بدنی یعنی نماز بھی کسی کی ایصال ثواب کی نیت سے ادا کرنا جائز ہے دوسرے یہ ہے نہان سے ایصال ثواب کرنا کہ حدایا اس کا ثواب فلاں کو دے بہتر ہے تیسرے یہ کہ برکت کی نیت سے بزرگوں کی مسجدوں میں نماز پڑھنا باعث ثواب ہے رہی عبادت مالی یا مالی و بدنی کا مجموعہ جیسے رکوع اور سجہ اس میں کوئی شخص کسی سے کہہ دے کہ تم میرے طرف سے رکوع دے دو تو دے سکتا ہے۔ اور اگر صاحب مال میں سچ کرنے کی قوت نہ رہے تو دوسرے سے سچ بدل کر سکتا ہے۔ لیکن ثواب ہر عبادت کا محدود پہنچتا ہے، اگر میں کسی کو پناہ دیدوں تو وہ مالک ہو جائیگا اسی طرح یہ بھی ہاں فرقی یہ ہے کہ مال تو کسی کو دے دیا تو اپنے پاس نہ رہا اور اگر چند کو دیا تو تقسیم ہو گا لیکن ثواب اگر سب کو بخش دیا تو سب کو پھر پورا اور حوا بھی محروم رہا جیسے کہ کسی کو قرآن پڑھایا تو سب کو پھر قرآن آتی اور پڑھاے والے کا جائزہ نہ رہا۔ دیکھو شاہی جلد اول بحث فنی نیت۔ اسی لئے نابالغ بچے سے بدیہ لینا منع ہے مگر ثواب لینا جائز ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ثواب کسی کو نہیں پہنچتا، کیونکہ قرآن کریم میں ہے۔

لہ ما کسبت وعلیہ ما اکتسبت ”ہر نفس کے لئے وہی مفید وضرر ہے جو اس نے خود کر لیا۔“ نیز قرآن میں ہے۔

لینس للانسان الا ما سعی ”سان کے لئے نہیں ہے مگر وہ جو خود کرے۔“

حس سے معلوم ہو کہ غیر کا کام اپنے لئے مفید نہیں لیکن یہ غلط ہے کیونکہ یہ لام ملکیت کا ہے یعنی انسان کے لئے قابل مجرورہ اور اپنی ملکیت اپنے عمل میں نہیں نہ معلوم کہ کوئی اور ایصال ثواب کرے یا نہ کرے اس مجرورہ پر اپنے عمل سے عاقل نہ رہے (دیکھو تفسیر خزائن المعانی وجمعہ) یا یہ حکم ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کے صحیحوں کا تھا نہ کہ اسلام کا یہاں اس کی نقل ہے، یا یہ آیت اس آیت سے مشورخ ہے۔

واتبعتم ذریعتہم بالایمان یہی عبد اللہ بن عباس کا قول ہے اسی لئے مسلمانوں کے بچے ماں باپ کی طفیلی جنت میں جاویں گے، بغیر عمل درجات پائیے، دیکھو جس و خوارن یا یہ آیت بدنی عمل میں نیت کی نفی کرتی ہے اسی لئے ان میں کسب و سعی کا ذکر ہے نہ کہ ہر ثواب کا یا یہ ذکر عرس ہے اور وہ فضل عرضہ اس کی بہت توجیہات ہیں۔

فاتحہ، تیجہ، دسواں، چالیسواں وغیرہ اسی ایصال ثواب کی شاخص ہیں، فاتحہ میں صرف یہ ہوتا ہے کہ تلاوت قرآن جو کہ بدنی عبادت ہے اور صدق یعنی ماہی عبادت کا جمع کر کے ثواب پہنچایا جاتا ہے۔

پہلا باب

فاتحہ کے ثبوت میں

تفسیر روح البیان نے پارہ ۷ سورہ انعام پر آیت ”وہد کتاب“ اور ”لہ مبارک“ میں ہے۔

وَعَنْ حَمِيدٍ لَّا غَرْحَ فَاں مِنْ قِرَاءِ الْقُرْآنِ وَحْتَمَهُ ثُمَّ دَعَانِ عَمِي ذُعَانَهُ اَرْبَعَةَ اَلْفِ مِائَةٍ ثُمَّ لَا يَرِ الْاُنُوں يَذْغُوں لَهُ وَيَسْغُفُوں وَيَصْلُوں عَلَيْهِ لِي الْمَاءِ وَ اِي لِصَاح

”حضرت عرج سے مروی ہے کہ جو شخص قرآن ختم کرے پھر دعا مانگے تو اس کی دعا پر چار ہزار فرشتے آمین کہتے ہیں پھر اس کے لئے دعا کرتے ہیں اور مغفرت مانگتے رہتے ہیں۔ شام یا صبح تک۔“

یہ بھی مضمون نووی کی کتاب الاذکار کتاب تلاوت قرآن میں بھی ہے۔ معلوم ہو کہ ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے اور ایسا رٹو پ بھی دعا ہے لہذا اس وقت ختم پڑھنا بہتر ہے۔ احمدی المصنعات باب زیارت القیوم میں ہے۔ ”و تصدق کروہ شہر از میت بعد دفن رفتن، و ارا علم بخت روز۔“ میت کے مرنے کے بعد سات روز تک صدقہ کیا جاوے۔ اسی وجہ المصنعات میں اسی باب میں ہے بعض روایت آدہ است کہ روح میت سے آدہ خانہ خوردا شبہ جوہر بنی نظری کند کہ تصدق کنند اودے یا یہ“ جوہر کی رات کو میت کی روح اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ انکی طرف سے لوگ صدقہ کرتے ہیں یا نہیں۔“

اس سے معلوم ہو کہ بعض جگہ رواج ہے کہ بعد موت سات روز تک برہم روئیاں خیرات کرتے ہیں اور ہمیشہ جہزات کو ہاتھ کرتے ہیں۔ انکی یہ اصل ہے انوار سلفہ صفحہ ۱۳۵ اور حاشیہ خزانہ الروایات میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے لئے تیسرے اور ساتویں اور چالیسویں دن اور چھپنے ماہ اور سال پھر بعد صدقہ دی۔ یہ تیرہ ششماہی اور برسی کی اصل ہے۔

مروی کے کتاب الاذکار باب دعوات لقرآن میں فرمایا کہ اس آیت کے وقت اپنے گھر والوں کو جمع کر کے دعا مانگتے۔ حکیم بن قتبہ فرماتے ہیں کہ ایک مجمع کو کہا بعد عید و امن لی سب نے بلایا اور فرمایا کہ ہم نے تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ آج ہم قرآن پاک ختم کر رہے ہیں اور ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔ حضرت مجاہد سے روایت صحیح منقول ہے کہ بزرگوار دین ختم قرآن کے وقت جمع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس وقت رحمت نازل ہوتی ہے (روی کتاب الاذکار) لہذا تیسرا جہم کا اجتماع سنت مسلمہ ہے۔ درمختار بحث قرأت للمیت باب ادفن میں ہے۔

فی الحدیث من قرء لا خلاص حد عشر مرۃ نہ وہب اجرہ بلامواب عطی من لاخر بعدد الاموات ”حدیث میں ہے کہ جو شخص یہ سورہ ۱۰۰ بار پڑھے پڑھے تو اس کو تیس سو ہزار سال کا ثواب ملے گا۔ شامی میں اسی جگہ ہے۔“

و یقرء من القرآن مائتین مرۃ من الفاتحة و اوز البقرة و یقرء من القرآن مائتین مرۃ من الفاتحة و اوز البقرة۔ فواية الكرسي و امس الرنوس و سورۃ یس و تبارک المنک و سورۃ الکثر و لا خلاص انسی عشر مرۃ او احدی عشر او اوسف و ثلاثہ یقول الیہم و صل ثواب مقررہ ماہ الی فان او الیہم

”جو شخص ہو قرآن پڑھے سورہ فاتحہ بقرہ کی ذل آیات اور آیت الکرسی اور امان رسول، در سورۃ یس اور ملک اور سورہ نکاث و سورہ خلاص بارہ بار پڑھے یا سات یا تیس دفعہ پھر کہے کہ یا اللہ جو کچھ میں نے پڑھا اس کا ثواب فلاں کو یا فلاں لوگوں کو پہنچا دے۔“

ان عبارت میں فاتحہ مزہب کا پورا طریقہ بتایا گیا، یعنی مختلف جگہ سے قرآن پڑھنا، پھر ایصال ثواب کی دعا کرنا اور دعا میں فاتحہ اٹھانا سنت لہذا فاتحہ اٹھانے سے عریضہ کہ فاتحہ مزہب پوری پوری ثابت ہوئی فتویٰ عزیزیہ صفحہ ۷۷ میں ہے جسکیکہ ثواب آن نیا حضرت امامین فرماید برآں قل دعا تھ دور و دوشادہ تبرک می شود خوردن بسیار خوب است، جس کھانے پر حضرت حسین کی یاد کریں اس پر قل اور فاتحہ اور درود پڑھنا باعث برکت ہے اور اس کا کھانا بہت اچھا ہے، سی فتوہ عزیزیہ یہ صفحہ ۷۷ میں ہے۔ ”اگر مالیدہ و شیر برے فاتحہ برے گے بقصد ایصال ثواب بروح یشاں پختہ مذہب اثر است مضائقہ نیست، اگر درود مالیدہ کسی برے رگ کی فاتحہ کے لئے ایصال ثواب کی نیت سے پکا کر کھلاوے تو جائز ہے، کوئی مضائقہ نہیں۔“

حقائق کے پیشو شاہ ولی اللہ صاحب کا بھی تیسرا چنانچہ اس کا تذکرہ عبدالعزیزی صاحب نے اپنے خطوطات صفحہ ۸ میں اس طرح فرمایا، ”روز سوم کثرت ہجوم مردم آن قدر بود کہ بیرون از حساب است ہشتاد و یک کلام اللہ بہ شرا آدہ و زیادہ ہم شدہ باشند و کلام حضرت نیست۔“ تیسرے دن لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ شمار سے باہر ہوا کیا سی ختم کلام اللہ شمار میں آئے دور زیادہ بھی ہوئے ہوں گے کلمہ طیبہ کا تو اندازہ نہیں۔

اس سے نتیجہ کا ہونا اور اس میں ختم کلام اللہ کرنا ثابت ہو۔ مولوی محمد قاسم صاحب باہی مددِ ربوہ یونینڈ تحفہ برائے الناس صفحہ ۴۲ پر فرماتے ہیں۔ ”جنید کے کسی مرید کا رنگ یا ایک حقیر ہو گیا، آپ نے سبب پوچھا تو بروے مکافدہ اس نے یہ کہا کہ اپنی ماں کو دور رخ میں دیکھتا ہوں حضرت جنید نے ایک لاکھ پانچ ہزار بار کلمہ پڑھا تھا یوں سمجھ کر بعض روایت میں اس قدر روایت میں اس قدر کلمے کے ثواب پر وعدہ مغفرت ہے، آپ نے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اس کی اطلاع ندی۔ بخشے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جواب ہشاش بشاش ہے آپ نے سبب پوچھا اس نے عرض کیا کہ اپنی ماں کو جنت میں دیکھتا ہوں۔ آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھ کو حدیث سے معلوم ہوئی اور حدیث کی تصحیح اس کے مکافدہ سے ہوئی، اس مہارت سے معلوم ہوا کہ کلمہ طیبہ ایک لاکھ پانچ ہزار بخشے سے مردے کی بخشش کی امید ہے اور نتیجہ میں جنوں پر یہ ہی پڑھا جاتا ہے۔

کو جسی خرابی ہے اسی طرح قبر کے سامنے کھڑے ہو کر دعا پڑھتے ہیں حضور علیہ السلام نے اپنی امت کی طرف سے قربانی فرما کر ملہ جوحد جالور سامنے رکھ کر پڑھا۔

اللَّهُمَّ هَذَا مِنْ أُمَّةٍ مُحَمَّدٍ ”اے اللہ یہ قربانی میری امت کی طرف سے ہے۔“

حضرت غیل اللہ نے کہیں کی عمارت سامنے لے کر دعا کی **رَبَّنَا نَفْسُ مَا لَا يَبْتَهُ** اب بھی حقیقہ کا جالور سامنے رکھ کر ہی دعا پڑھی جاتی ہے لہذا اگر فاتحہ میں بھی کھا یا سامنے رکھ کر یساں ثواب ہو تو کیا حرج ہے۔

سم اللہ سے کھا یا شروع کرتے ہیں اور سم اللہ بھی قرآن شریف کی امت ہے رکھنا سامنے رکھ کر قرآن پڑھنا منع ہو تو سم اللہ پڑھنا بھی منع ہونا چاہئے۔
 یسین کے پیشوا بھی فاتحہ مردجہ کو پڑھتے ہیں، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب اپنی کتاب الانہاء فی سلاسل و سائر اللہ میں فرماتے ہیں۔ ”یہ دوسری درود خواندہ شتم تمام کنند و بر قدرے شیرینی فاتحہ تمام خوشگاہ چشت عموماً بخود و حاجت از خدا سوال نمایند۔“ پھر دس بار درود پڑھیں اور پھر شتم کریں ورتھوڑی شیرینی پڑھیں پر تمام تمام خواجگان چشت کی فاتحہ دیں پھر خدا سے دعا کریں۔ شاہ ولی اللہ صاحب زیۃ المصالح صفحہ ۱۳۲ پر ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں ”و شیرین بخار فاتحہ بزرگے بعد ایصال ثواب بروح ایشان بخود و خورند و خدا سے است و اگر فاتحہ تمام بزرگے وہ شود ضیاء ایم خوردن جائز است“ دودھ شاول پر کسی بزرگ کی فاتحہ دی جاوے تو مالداروں کو بھی کھانا چاہئے۔ مولانا اشرف علی درشید احمد صاحبان کے مرشد جاتی ادا اللہ صاحب فیصد ملت مسند میں فرماتے ہیں، نفس ایصال ثواب ارواح موت میں کسی کو کھانا نہیں، اس میں بھی قطعاً یسین کو موقوف حدیث ثواب کا سمجھو یا واجب و فرض عقائد کے تو ممنوع ہے و اگر یہ اعتقاد نہیں بلکہ کوئی مصلحت باعث تقلید بیت کد یہ ہے تو کچھ حرج نہیں جیسا کہ مصلحت نماز میں سورہ حاس معین کرنے کو فقہاء معتقدین نے جائز رکھا ہے جو تہجد میں اکثر مشائخ کا معمول ہے پھر فرماتے ہیں پیسے کہ نبی زمین نیت ہر چند دل سے کافی ہے مگر موافقت قلب و زبان کے لئے عوام کو رہاں سے کہنا بھی مستحسن ہے مگر یہاں بھی رہاں سے کہنا جاوے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جاوے تو بہتر ہے پھر کسی کو یہ خیال ہو کہ یہ ایک دعا ہے اس کے ساتھ اگر کچھ کلام لینی بھی پڑھا جاوے تو قبولیت دعا کی بھی مید ہے اور قلب ہو کھانا رو بروا نے گئے کسی کو یہ خیال ہو کہ یہ ایک دعا ہے اس کے ساتھ اگر کچھ کلام لینی بھی پڑھا جاوے تو قبولیت دعا کی بھی مید ہے اور اس کلام کا ثواب بھی پہنچ جاوے گا تو جمع بین العبادتیں ہے پھر فرماتے ہیں درگاہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی۔ دسویں دسواں، چہلم، ششہی، سیارہ وغیرہ اور خوش حضرت شیخ مہد الحق اور ایسی حضرت شاہ ولی قندر اور علوشب برات و دیگر طریق ایصال ثواب کے اسی قاعدے پر مبنی ہے۔ ہر صاحب کے اس کلام نے بالکل فیصد فرمادیا، الحمد للہ کہ مسئلہ فاتحہ و مال حقیقہ ظاہر اور اقوال مخالفین سے بخوبی واضح ہو گیا، اللہ تعالیٰ قلوب کی توفیق دے آمین۔

دوسرا باب

فاتحہ پر اعتراض و جوابات میں

اس مسئلہ فاتحہ پر مخالفین کے حسب دلیل اعتراضات مشہور ہیں۔

اعتراض نمبر ۱ بہت سے فقہائے تیسرے اور ساتویں دور میت کے لئے کھانا پکانا منع کیا ہے (دیکھو شامی ماگیری) بلکہ بزار یہ نے تو لکھا ہے **و بعد الاستنجاء** یعنی ہفتہ کے بعد بھی پکانا منع ہے۔ اس میں برسی ششہی، چہلم سب شامل ہیں، نیز قاضی شامی، اللہ صاحب پانی پتی نے وصیت فرمائی تھی۔ کہ ”بعد مرون رسوم دنیاوی و ہم دست و ہم ششہی و بر ششہی پک نہ کنند کہ دسویں اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ از سہ روز ماتم کردن جائز نہ داشت۔“ نیز حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میت کا کھانا دس کو حرام کرتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

جواب فقہائے میت کے، یساں ثواب سے منع نہ کیا بلکہ محمدیہ جیسا کہ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں جس کو فقہاء منع کرتے ہیں وہ چیز نئی اور ہے وہ ہے میت کے نام پر دردی کی روٹی بنا۔ یعنی قوم کے طعن سے بچنے کے لئے جو میت کے تیجے، دسویں وغیرہ میں دردی کی دعوت عام کی جاتی ہے وہ ناجائز ہے اس لئے کہ یہ نام و نمود کے لئے ہے اور موت نام و نمود کا وقت نہیں ہے اگر فقہاء کو معرض ایصال ثواب فاتحہ کر کے کھانا کھایا تو سب کے نزدیک جائز ہے۔ شامی جلد اول کتاب الجنائز باب الدفن میں ہے۔

وَبُكْرُهُ اتَّخَذَ الصِّيَافَةَ مِنْ هَلٍ لُمَيْتٍ لِأَنَّهُ شَرَعَ فِي سُورٍ لَا فِي الشُّرُورِ

”یعنی میت والوں سے دعوت لینا بُکرہ ہے کیونکہ یہ تو خوشی کے موقعہ پر ہوتی ہے نہ کہ غم پر۔“

دعوت پینے کے لئے وہ حق معنی کہ بر دردی مجبور کرے تو روٹی کہ پھر فرماتے ہیں۔

وَهَذِهِ الْأَفْعَالُ كُلُّهَا لِسُوءَةِ الْإِيمَانِ فَيُخْتَارُ عَلَيْهَا لَا يُفْعَلُ لِأَنَّ بَرْدًا نَزَلَ بِهَا وَخَرَّ اللَّهُ

”یہ سارے کام محض دکھاوے کے ہوتے ہیں لہذا ان سے بچے کیونکہ اس سے اللہ کی رضا نہیں چاہتے۔“
صاف معلوم ہو کہ فخر پر برادری کی دعوت منع ہے پھر فرماتے ہیں۔

وَالْاِتِّحَادُ طُعَامًا لِلْفُقَرَاءِ كَبِّ حَسْبًا ”اگر اہل میت نے فقراء کے لئے کھانا پکایا تو اچھا ہے یہ فاتحہ جائز ہے۔“

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کا اپنے تئیں دوسری سے منع فرمانا بالکل درست ہے وہ فرماتے ہیں رسوم دنیاوی جو نتیجہ وغیرہ ہے وہ نہ کریں رسوم دنیا کیا ہے عورتوں کا تہجد وغیرہ کو جمع ہو کر روٹنا چڑھنا لودھ کرنا وہ واقعی حرام ہے اسی لئے فرماتے ہیں کہ تمنن دن سے زیادہ تحریات چائز نہیں، اس جگہ یہاں ثواب اور فاتحہ کا ذکر نہیں جس کا مقصد یہ ہوا کہ تہجد وغیرہ میں ماتم نہ کریں تمہارا یہ کہن کہ میت کا کھانا دس کو مردہ کرتا ہے ہم نے یہ حدیث کہیں نہ دیکھی مگر یہ حدیث ہوتوان حدیث کا کیا مطلب ہوگا جس میں مردوں کی طرف سے خیرات کرنے کی رغبت دی گئی ہے ہر تم بھی کہتے ہو کہ بغیر تاریخ مقرر کئے ہوئے مردے کے نام پر خیرات جائز ہے اس خیرات کو کون کھائے گا جو آدمی کھائے اس کا دل مردہ ہو جائیگا تو کیا اس کو مانگ لکھائیں گے۔

مسئلہ میت کے فاتحہ کا کھانا صرف فقراء کو کھلایا جاوے، اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس پر مستقل رسالہ لکھا **جلس الصوت النہی الدعوت عن الموت** بلکہ دیکھنے والے تو کہتے ہیں کہ خود اعلیٰ حضرت قدس سرہ کسی اہل میت کے ہاں تعزیت کیلئے تشریف لے جاتے تو وہاں پانچ گھنٹہ وغیرہ بھی نہ استعمال فرماتے تھے، اور خوب وصایا شریف میں وصیت موجود ہے کہ ہماری فاتحہ کھانا صرف فقراء کو کھلایا جاوے نیز مگر میت کی فاتحہ میت کے ترکہ سے کی ہے تو خیال رہے کہ غائب وارث یا نابالغ کے صحنہ سے فاتحہ نہ کی جاوے یعنی لا مال میت تقسیم ہو جاوے مگر کوئی بالغ وارث اپنے حصہ سے یہ امور خیر کرے اور نہ یہ کھانا کسی کو بھی جائز نہ ہوگا کہ بغیر ملک کی اجازت یا بچہ کا مال کھانا جائز نہیں یہ مرد و خیاں رہے۔

اعتراض نمبر ۲ فاتحہ کے لئے تاریخ مقرر کرنا ناجائز ہے گیارہویں تاریخ یا تیسرا، دسواں، بیسواں، چہم اور پری وغیرہ یہ دن کی تعمیل محض لغو ہے قرآن فرماتا ہے **وہم عن النہو مفرضون** مسلمان غرضکاموں سے بچتے ہیں، بلکہ جس قدر جلد ممکن ہو یہاں ثواب کرو دوسرے دن کا نکال دیا گیا ہے تہجد کیلئے چنے مقرر کرنا وہ بھی مجھے ہونے سے محض لغو اور بیہودہ ہے اس سے تہجد وغیرہ کرنا منع ہے۔

جواب مقرر کرنے کا جو ب تو ہم قیام میلاد کی بحث میں دے چکے ہیں کسی جا رکام کے لئے اس تاریخ مقرر کرنے کا محض یہ مقصد ہوتا ہے کہ مقرر دن پر سب لوگ جمع ہو جائیں گے اور مل کر یہ کام کریں گے اگر کوئی وقت مقرر ہی نہ ہو تو بخوبی یہ کام نہیں ہوتے اسی لئے حضرت عہد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے وقت کیلئے جمعرات کا دن مقرر فرمایا تھا، انہوں نے عرض کیا کہ روزہ وعظ فرمایا کیجئے لہذا یہ کہ تم کو کچھ میں لانا مجھ کو پسند نہیں۔ دیکھو مسئلہ کتاب علم بخاری نے تو باری مقرر کرنے کا باب باندھا، یہ محض سالی کے لئے ہوتا ہے آج بھی اس کے امتحان جسے تعہدات کے مہیہ اور تاریخیں مقرر ہوتی ہیں کہ لوگ ہر سال بغیر بلائے ان تاریخوں پر پہنچی جاویں، صرف یہ ہی مقصد اس کا بھی ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ یہ ای تاریخیں مقرر کیوں کیں تو سب سے گیارہویں کے مقرر ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ سلاطین اسلام کے تمام حکموں میں چاند کی دسویں تاریخ کو کھانا تقسیم ہوتی تھی اور درمیں کا خیال یہ تھا کہ ہوری کھانا کا پہلا پیسہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی فاتحہ پر خرچ ہو، لہذا جب دو شام کو دفتر سے گھر آئے تو کچھ شیرینی لیتے آتے بعد نماز مغرب فاتحہ دیتے یہ شب گیارہویں شریف کی ہوتی تھی، یہ دن ایسا پڑا کہ مسلمانوں میں ایسا کہ مسلمان میں اس فاتحہ کا نام گیارہویں شریف ہو گیا، اب جس تاریخ کو بھی حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی فاتحہ کریں، یہ کچھ چیز ان کے نام پر خرچ کریں، اس کا نام گیارہویں ہوتا ہے بولی اور کالہیا وائز میں ماورقیہ ان خرمیں سارے ماورقہ ہوتی ہے مگر نام گیارہویں ہی ہوتا ہے۔

نیز بزرگوں کے بڑے بڑے وفات دسویں تاریخ کو ہونے جس کے بعد گیارہویں رات آتی ہے، آدم علیہ السلام کا زمین پر آنا، ان کی توفیق ہونا، یوحنا علیہ السلام کی کشتی کا پار لگنا، اخیلیں علیہ السلام کا دوح سے نجات پانا، یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا، یعقوب علیہ السلام کا فرزند سے مناد ہوا علیہ السلام کا فرعون سے نکلت پانا یوسف علیہ السلام کا شقیات پانا، امام حسین کا شہید ہونا اور سید الشہد کا رجب پانا سب دسویں تاریخ کو واقع ہوئے۔ اس کے بعد جو پہلی رات آتی وہ گیارہویں تھی لہذا یہ رات حبرک ہے اسی لئے گیارہویں کی فاتحہ اکثر شب گیارہویں میں ہوتی ہے کیونکہ حبرک راتوں میں صدقہ و خیرات وغیرہ کرنا چاہیے۔

اور یہ بات تجربہ سے ثابت ہے بلکہ خوب میرا بھی تجربہ ہے کہ اگر گیارہویں تاریخ کو کچھ مقرر پیسوں پر فاتحہ پابندی سے کی جاوے تو گھر میں بہت برکت رہتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کا بہت نفعی سے پابند ہوں اور اس کی بہت برکت دیکھتا ہوں کتاب یا ردو مجلس میں لکھا ہے کہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی بارہویں یا تاریخ کے میلاد کے بہت پابند تھے، ایک بار خوب میں سرکار ﷺ نے فرمایا کہ عبد القادر تم نے بارہویں سے ہم کو یاد کیا، ہم تم کو گیارہویں دیتے ہیں یعنی لوگ گیارہویں سے تم کو یاد کریں گے۔ اسی لئے ربیع الاول میں عموماً میلاد مصطفیٰ ﷺ کی محفل ہوتی ہے تو ربیع الثانی میں حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی گیارہویں چونکہ یہ سرکاری علیہ تھا اس لئے تمام دیہات میں پھیل گیا لوگ تو شرک و بدعت کہہ کر کھانے کی کوشش کرتے رہے مگر اس کی ترقی ہوتی گئی۔

جب بڑھائے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا

تو گھٹانے سے کسی کے نہ گھٹانے نہ گھٹانے

نتیجہ کے لئے تیسرا دن مقرر کرے جس میں بہت مصلحت ہے پہلے دن تو لوگ میت کی تجنیز و تنقیس میں مشغول رہتے ہیں دوسرے دن آرام کرنے کے لئے خالی چھوڑ دیا تیسرے دن عام طوبی جمع ہو کر توفیق وغیرہ پڑھتے ہیں یہ تیسرا دن تعزیت کا آخری دن ہے کہ اس کے بعد تعزیت کرنا منع ہے، والدہ سب عالمگیری کتاب البنائہ کتاب بنائہ باب الدفن میں ہے۔

وَوَقْتُهَا مَنْ حِينَ يَمُوتُ إِلَى ثَلَاثَةِ يَوْمٍ وَيَكُونُ الْمُعَزَّى وَالْمُعَزَّةُ

”اور ماتم پر ہی کا وقت مرنے کے وقت سے تین دن تک ہے اس کے بعد عمر وہ ہے مگر یہ کہ تعزیت دینے والے عذاب ہو۔“

آج تک تو لوگ تعزیت کے لئے آتے رہے اب نئے آئیں گے تو کچھ ایصالِ ثواب کر کے عادیں نیز باہر کے پرہیزی خویش واقف باہمی اس فاتحہ میں شرکت کریتے ہیں کہ تین دن میں مسافر بھی آپے گھر پہنچ سکتا ہے۔

چشم بری وغیرہ کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا منشاء ہے کہ سال بھر تک میت کو وقت فوقتاً ثواب پہنچاتے رہیں کیونکہ بعد مرنے کے ذل اور مردے کا دل اپنے دوست اور احباب سے لگا رہتا ہے پھر آہستہ آہستہ بالکل دھڑلے سے بے تعلق ہو جاتا ہے لڑکی کا نکاح کر کے سرل بھیجتے ہیں تو ذرا جلد از جلد اس کو بدنا چھڈنا چاہیے وغیرہ بھیجنا جاری رہتا ہے پھر جس قدر دیر دو صدمت گزری یہ کام بھی کم ہوتے گئے کیونکہ شروع میں وہاں وحبس اس کو حاصل نہیں اس کی اصل حدیث سے بھی ملتی ہے بعد دفن کچھ دیر قبر پر کھڑا ہو کر ایصالِ ثواب اور تحقین سے میت کی مدد کرنے چاہئے حضرت عمرؓ میں عامل بنی اھلحد نے وضیعت عربائی تھی کہ بعد دفن تعویذی دیر میری قبر پر کھڑا رہتا تا کہ تمہاری وجہ سے میرا دل لگ جاوے اور تحقین کو جواب دے لوں چنانچہ مشکوٰۃ باب الدفن میں ان کے یہ الفاظ منقول ہیں۔

ثُمَّ أَقْبِمُوا حَوْلَ قَبْرِى حَتَّى يَنْفَسَ لَكُمْ أَحِبَّ مَا دَارَ أَحَبَّ زَمَنِ دُنِى

اسی لئے جلد از جلد اس کو ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے، شاہ مہدو اسرار صاحب تفسیر مزہری پر وہ **وَالْمُعَزَّةُ** داسنی کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ اذل جانتے کہ بجز وجد شدن روح از بدن خوابد شدنی ائمہ اثر حیات سابقہ والقت تعلق بدن دیگر معر دفاں از انہا جنس خود ہائی است و اس وقت است و اس وقت گو یا بر رخ است کہ چہ سے اس طرف و چہ سے اس طرف در ندگاں در می حالت رود ترمی رسد و مرگدان منظر حقوق مدد از اس طرف سے باشند صدقات و اعیان و فاقہ در اس وقت بسیار پنا دلی تہ داریں است کہ طوفانی دم بتا یک سال و ملی الفصوص یک چہ بعد موت در اس نوع مدد کوشش تمام می نہ بعد مردے کی پہلی حالت جو کہ فتنہ جسم سے روح نکلے وقت ہے اس میں کچھ مدد کچھ پہلی زندگی کا اثر اور بدن اور اہل قربت سے تعلق باقی ہوتا ہے یہ وقت گو یا بر رخ ہے کچھ دھڑلہ اور کچھ اس طرف اس حالت میں مردوں کی مدد مردوں کو بہت جلد پہنچتی ہے اور دوسرے اس مدد پہنچنے کے منتظر ہوتے ہیں اس زمانہ میں صدقہ دعائیں فاقہ اس کے بہت ہی کام دہتی ہے اسی وجہ سے تمام لوگ ایک سال تک خاص کہ موت کے بعد چالیس روز تک اس قسم کی مدد پہنچانے میں بہت کوشش کرتے ہیں یہی حال زندوں کا بھی ہوتا ہے کہ اذل بہت غم پھر جس قدر وقت گزرتا گیا رنج کم ہوتا گیا تو منشاء یہ ہوتا ہے کہ سال بھر تک ہر دم پر صدقہ کریں سال پر ہی اس کے نصف پر ششماہی اس کے نصف پر سہ ماہی کی فاقہ اس کے بعد نصف یعنی ۵۴ دن فاقہ ہونی چاہئے مگر چونکہ چالیس کا عدد روحانی و جسمانی ترقی کا ہے اس لئے چشم مقرر کیا گیا مگر اس کا آدھا بیسواں پھر اس کا آدھا دسواں۔

چالیس میں کیا ترقی ہے، حد تک ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام کا خیر چالیس سال تک ایک حالت میں رہا۔ پھر چالیس سال میں دو خشک ہوا ماں کے پیٹ میں بچہ چالیس روز تک نطفہ پھر چالیس روز تک جا ہو خون پھر چالیس روز تک گوشت کا توکھڑا رہتا ہے (دیکھو مشکوٰۃ باب الایمان بالقدیر) پیدا ہونے کے بعد چالیس روز تک ماں کو نفاس آ سکتا ہے، پھر چالیس سال کی عمر میں پانی کر حمل پختہ ہوتی ہے اس لئے کڑا انبیائے کرم کو چالیس سال کی عمر میں تبلیغ نبوت دی گئی۔ صوفیائے کرام و ظہیوں کے لئے چلے یعنی چالیس چالیس روز مشقتیں کرتے ہیں تو ان کو روحانی طاقت ہوتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو بھی حکم ہوا کہ وہ طور پر آ کر چالیس روز عکاف کر جب تو رات دی گئی۔ **وَدَاوُدُ عَذَابَ مُوسَى زَمْعِينَ لَيْلَةً** اور اساطیر نے بھیجی کی روایت سیدنا انس سے یہاں کی۔ بحث چشم کہ **اِنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَا يَمُرُّ كُنُوزٌ فِى قُبُورِهِمْ اَرْبَعِينَ لَيْلَةً لَّكِنْ هُمْ يَنْصَلُّونَ بِنَسْ بَدَى اللّٰهُ حَتَّى يُبْعَثَ فِى الصُّورِ** اس حدیث کے معنی ررقالی شرح مواہب نے یوں بیان کئے کہ انبیاء کرام کی روح کا تعلق اس جسم مدفون سے چالیس روز تک بہت زیادہ رہتا ہے بعد ازاں وہ روح قرب لہی میں عبادت کرتے ہے اور جسم کی شکل میں ہو کر جہاں چاہتی ہے جاتی ہے عوام میں تو یہ مشہور ہے کہ چالیس دن تک میت کی روح کو گھر سے علاوہ رہتا ہے لیکن ہے کہ اس چالیس دن پر فاقہ کی جاوے اور اس کی ممانعت ہے نہیں۔

نتیجہ کے متعلق مختلف رواج ہیں کا ضیاء از میں علی العموم تیسرے دن صرف قرآن پاک ہی پڑھتے ہیں، پنجاب میں عام طور پر تیسرے دن دوا دوا کچھ پھل پر فاقہ کرتے ہیں، یوپی میں تیسرے دن قرآن خوانی بھی کرتے ہیں درجنے ہوئے چنوں پر کھڑے طیبہ پڑھ کر ایصالِ ثواب کرتے ہیں ہم پہلے

باب میں مولوی محمد قاسم صاحب کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ میت کو ایک لاکھ پانچ ہزار روپے پڑھ کر بخشے سے اس کی مغفرت ہوتی ہے اس میں مختلف روایتیں آئی ہیں۔ تو ایک لاکھ تکر طیبہ پڑھے والے کے لئے ہے اگر اتنی تصبیحیں یا اس قدر گھٹلیاں یا سنگریاں جمع کی جائیں تو اس میں وقت ہوتی ہے کہ ہر شخص اپنے یہاں موت پر، کہ سنگریاں جمع کرتا پھرے اس لئے چنے اختیار کر لیے کہ اس میں کلمہ کا شمار بھی ہے اور بعد میں صدقہ بھی بنے ہوئے اس لئے تجویز ہوئے کہ کچھ چنے لوگ پھینک دیں گے یا گھوڑوں کا دانہ بخاریں گے اس میں بے حرمی ہے بنے ہوئے چنے صرف کھانے ہی کے کام آجائیں گے۔

اعتراض نمبر ۳ فاتحہ وغیرہ میں ہندو سے مشابہت ہے کہ وہ بھی مردوں کی تیرہویں کرتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ **مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ** جو کسی قوم سے مشابہت کرے وہ ان میں سے ہے لہذا یہ ناجائز منع ہے۔

جواب کفار سے ہر مشابہت منع نہیں بلکہ نئی باتوں میں مشابہت منع ہے پھر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کام ایسا ہو جو کہ کفار کی دینی یا قومی عادت بن چکا ہے جس کو دیکھ کر لوگ اس کو کافر قوم کا آدمی سمجھیں جیسے کہ دھرتی، چوٹی، رجار، ہیٹ وغیرہ اور نہ ہم بھی آپ رحمہ اللہ کے لئے ہیں ہندو بھی گنگا سے گنگا جل رہے ہیں ہم بھی سر سے کھاتے اور پاؤں سے چلتے ہیں کفار بھی۔ حضور علیہ السلام نے عاشورہ کے روزہ کا حکم دیا تھا حالانکہ اس میں مشابہت بہت زیادہ تھی، پھر فرمایا کہ چھ ماہ دور رہے رکھیں گے، پھر فرق کر دیا مگر اس کو بند نہ کیا۔ اسی طرح ہماری یہاں کلمہ قرآن پڑھا جاتا ہے۔ مشرکین کے یہاں یہ نہیں ہوتا، پھر مشابہت کہاں رہی؟ اسکی بحث شامی یا بکروہات الصلوٰۃ میں دیکھو ہاں جو قاسم مشابہت کفار کی میت سے کئے جادیں وہ منع ہیں، فاتحہ کی پوری بحث، انوار ساطعہ میں دیکھو۔

اعتراض نمبر ۴ اگر فاتحہ میں بدلی دینی عبادت کا اجتماع ہے تو چاہئے بغیر خیرات کرتے وقت بھی فاتحہ پڑھ لیا کرالہذا وچہ (کوہر) وغیرہ پر بھی فاتحہ پڑھ کر کسی کو دیا کرو۔ جبکہ بڑا جائناٹھا ہے تو تم فاتحہ پڑھ کر اسے گھر سے باہر جا سنا۔ (دیوبندی تہذیب)

جواب بغیر چیز پر اور بغیر جگہ تلاوت قرآن حرام ہے لہذا اس کی خیرات نہیں کر سکتے، اگر کار پر الحمد للہ پڑھتے ہیں، اسے کہہ کر منع لکھے پر کہ وہ بغیر اور ناقص دوسو ہے اسی طرح چھینک پر الحمد للہ کہتے ہیں نہ کہ گھیر پر۔

بحث دعا بعد نماز جنازہ کی تحقیق

اس بحث میں دو باب ہیں۔ پہلا باب اس دعا کے ثبوت میں، اور دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات میں۔

پہلا باب

دعا بعد نماز جنازہ کے ثبوت میں

مسلمان کے مرنے کے بعد تین حالتیں ہیں۔ نماز جنازہ سے پہلے، نماز جنازہ کے بعد، ورنے سے پہلے، ورنے کے بعد۔ ان تین حالتوں میں میت کے لئے دعا کرنا۔ ایصالِ ثواب کرنا جائز بلکہ بہتر ہے۔ ہاں میت کے غسل سے پہلے اگر اس کا پاس بیٹھ کر قرآن پڑھنا ہو تو اس کو ڈھک دیں کیونکہ ابھی وہ ناپاک ہے۔ جب غسل دے دیا پھر ہر طرح قرآن پڑھیں۔ غافلئہ نماز سے پہلے ورنے کے بعد تو دعا و حیرہ کرنا ناجائز مانتے ہیں۔ مگر بعد نماز ورنے سے پہلے دعا کرنا جائز حرام، بدعت، شرک۔ معلوم کیا گیا کہتے ہیں۔ اسی کی جہد تحقیق ہے۔ اس کے ثبوت ملاحظہ ہوں۔

مشکوٰۃ باب صلوٰۃ الجنازہ فصل ثانی میں ہے۔

اذا صليت على الميت فاحضروا له الدعاء "جب تم میت پر نماز پڑھو۔ تو اس کیسے حاضر دعا مانگو۔"

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے بعد فوراً دعا کی جاوے یا تاخیر۔ جو لوگ اس کے معنی کرتے ہیں کہ نماز میں اس کے لئے دعا مانگو وہ ف کے معنی سے غفلت کرتے ہیں۔ صلیت شرط ہے۔ اور فاحضروا اس کی جز۔ شرط اور جز میں تاخیر چاہیے نہ یہ کہ اس میں داخل ہو۔ پھر صلیت ماضی ہے اور فاحضروا ہے امر۔ جس سے معلوم ہوا کہ دعا کا حکم نماز پڑھ چکنے کے بعد بھی ہے **فداطعمم فاستشروا** میں کما کر جانے کا حکم ہے نہ کہ کھانے کے درمیان اور **اذا قمتم لی الضوہ فاعمسو وحوکم** میں نماز کے لئے اخصا کر دے نہ کہ نماز کا قیام جیسا کہ لی سے معلوم ہو۔ لہذا یہاں بھی وضو اور نماز کے بعد ہی ہوا اور ف سے تاخیر ہی معلوم ہوئی۔ حقیقی معنی کو چھوڑ کر باقرہ مجازی معنی مر دینا جائز نہیں اسی مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے۔

قرء علی الحارۃ بفتح الحاء کتاب "حضور علیہ السلام نے جنازہ پر سورہ فاتحہ پڑھی۔"

اس کی شرح میں **الفتح المکمل** میں ہے۔ "وہ حال و روک پر جنازہ بعد از نماز یا پیش از نماز قصد تبرک خواندہ باشند چنانکہ آلاء متعارف است۔" ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام نے سورہ فاتحہ نماز کے بعد نماز سے پہلے برکت کے لئے پڑھی ہو جیسا کہ آج کل رواج ہے۔ اس سے معلوم ہو کہ شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ کے زمانہ میں بھی رواج تھا کہ نماز جنازہ کے آگے اور بعد سورہ فاتحہ وغیرہ برکت کے لئے پڑھتے تھے اور حضرت شیخ نے اس کو منع نہ فرمایا بلکہ حدیث پر اس کو معمول کیا۔

فتح القدیر کتاب الجنازہ فصل صلوٰۃ الجنازہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے منبر پر قیام فرمایا کرغزوہ موتہ کی خبر دی اور اسی اثناء میں حضرت بنی حاسب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر دی **فصل علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ودعاه وقال استغفروا لہ** پس اس پر نماز جنازہ پڑھی اور ان کے لئے دعا فرمائی اور لوگوں سے فرمایا کہ تم بھی ان کے لئے دعائے مغفرت کرو۔ دعا کے واؤ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعا نماز کے بعد وہ تھی۔ موابہ اللہ یہ جلد دوم القسم ثانی **فیما حبر من الغیوب** میں یہی واقعہ نقل فرمایا کہ کہا **استغفروا الاستغفروا لہ** اسی طرح عبد اللہ بن رواحہ پر بعد نماز دعا فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعد نماز جنازہ دعائے مغفرت جائز ہے۔

منتخب کنز العمال کتاب الجنازہ میں ایما ایم بھری کی روایت ہے۔

قال رء یث ابن ابی اوفی وکان من اصحاب الشجرۃ ماتت بنتہ لی ان قال ثم کبر علیہا اربعاً ثم قام بعد دیک قدر مابین الثکیر نی وکان رء یث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصع ہکذا

"میں ابن ابی وئی کو دیکھا یہ بیعت الرضواں والے صحابی ہیں کہ ان کی دختر کا انتقال ہو پھر ان پر پانچ سو گیسویں کہیں پھر اس کے بعد دو گیسویں کے قاصد کی بقدر کھڑے ہو کر دعا کی اور فرمایا کہ میں نے حضور علیہ السلام کو ایسے ہی کرتے ہوئے دیکھا۔"

تجلی میں ہے۔

وعی المستظرب ابن حصیب ر عیاً صلی علیہ حرۃ بعدہ ماصی عیدہ
 المستظرب بن حصیب سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک جنازے پر نماز کے بعد دعا مانگی۔
 صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔

یَقُولُ هَكَذَا ثَمَّ كَبِيرٌ وَإِذَا كَانَ الْكَبِيرُ الْآخِرُ قُلْ مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ يَقُولُ الْحَمْدُ لِلَّهِ صَلَّى عَلَى مُحَمَّدٍ
 "ہر بھیر پر ای طرح کہے کہ جب آخری بھیر ہو تو یہی طرح کہے پھر کہے نبی صلی علی محمد۔"

اس سے معلوم ہوا کہ بعد نماز جنازہ درود شریف پڑھے۔ کشف الظہامیں ہے ”فاتحہ و دعا برائے میت پیش از دفن درست است“ ہمیں سنت روایت محمودہ کذا فی خلاصۃ الفقہ ”میت کے لئے فاتحہ و دعا مکتناذفن سے پہلے درست ہے اسی روایت پر عمل ہے۔ اسی طرح خلاصۃ الفقہ میں ہے۔ مہسود شمس الرحمن سرخسی جلد دوم صفحہ ۷۶ باب غسل میت میں روایت ہے کہ عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک جنازے پر بعد نماز پہنچے اور فرمایا۔

ان سبقتمو بی بالصَّوَدِ عَلَیْهِ وَلَا تَسْبِقُو بی بِالْأَدْعَاءِ

”مگر تم نے مجھ سے پہلے نماز پڑھ لی تو دعا میں تو مجھ سے آگے نہ بڑھا۔ یعنی آگے میرے ساتھ مل کر دعا کر لو۔“

اسی ميسود میں اسی جگہ یعنی باب فضل بیعت میں ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے دعا بعد نماز جنازہ کی اور فلا تسبقوا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دعا پر صحابہ کرام کا عمل تھا۔ **مسند الصلوٰۃ صلوٰۃ** مصنفہ مولانا فتح محمد صاحب برہان چاری میں ہے۔ ”چوں کہ نماز فارغ شدہ مستحب است کہ امام یا صاحب دیگر فاتحہ بقرآن مطلقوں طرف سر جنازہ و دعا تہ بقرآن الرسول طرف پائیں بخواند کہ در حدیث وارد است دور بعض حدیث رفتن واقعہ شدہ ہر دو وقت کہ میسر شود مجوز است۔“ جب نماز جنازہ سے فارغ ہوں تو مستحب ہے کہ امام یا کوئی اور صاحب آدمی سورہ بقرہ کا شروع کا شروع مطلقوں تک جنازہ کے سر پائے اور سورہ بقرہ کی آخری آیت امن الرسول بیعت کی پائیں طرف پڑھے کہ حدیث میں آیا ہے۔ بعض احادیث میں رفتن کے بعد واقعہ ہوا میسر ہو تو دونوں وقت پڑھے جائز ہے۔ و الا آخرت میں نہر عائق شرح کنز مد کا لائق اور بحر خار سے نکل فرمایا۔

بعد از سلام بخواند: **اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَحْرَهُ وَلَا تَنْسَا بَعْدَهُ وَاعْقِلْ وَلَهُ**
 "سلام کے بعد پڑھے گا اے اللہ ہم کو اس کے اجر سے محروم نہ کر دے اور اس کے بعد قسط میں جس نے کر دے اور ہماری اور اس کی مغفرت فرما۔"
 طحاوی میں ہے۔

وَأَبْنَاهُ إِسْمَاعِيلَ إِسْحَاقَ وَيُحْصِي سِبْغُونَ لِقَاءَ قَبِيلٍ لِّذَٰلِكَ
 "جب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو آپ پر دشمن سے پہلے ستر ہزار فخر قرآن ہوئے۔"

کشف الغمہ، فتاویٰ عالمگیری، شامی، باب الدفن بحث تعزیت میں ہے۔ وہی بعد الدفن اولیٰ منہا قبلہ تعزیت کرتا دفن کے بعد دفن سے پہلے تعزیت کرنے سے بہتر ہے اسی جگہ شامی اور عالمگیری نے یہ بھی فرمایا: **وہذا دالہ یرمہم حرع شدیدہ والا فلذمت** یہ حسب ہے جبکہ نورا میں سخت گھبر مٹا۔ اور تعزیت دفن سے پہلے کی جاوے۔
حسن گھبر یہ میں ہے۔

وہی بعد الذہن اولیٰ مسہا قبلہ ”وہی کے بعد تعزیت کرتا وہی سے پہلے تعزیت افضل ہے۔“
میزان کبریٰ مصنفہام شہنائی علیہ السلام۔

قَالَ بُرْ حَيِّمَةٌ وَالتَّوَرَىٰ إِنَّ التَّعْرِيَةَ سَأَ قَبْلَ الذَّهَبِ لَا بَعْدَهُ لِأَنَّ شِدَّةَ الْحُرِّ تَكُونُ قَبْلَ الذَّهَبِ
فَيَحْزَمُ وَيَدْعُوهُ

”امام ابو حنیفہ اور امام ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ تعزیت کر، دفن سے پہلے منت ہے۔ کہ بعد کیونکہ زیادتی رنج و ملن سے چبے ہوتی ہے پس تعزیت کرے اور اس کے لئے دعا کرے۔“

ان عمارت سے ثابت ہوا کہ رُخن سے پہلے خود نماز سے بھی پہلے ہوا نماز کے بعد تعزیت کرنا جائز بلکہ مستنون ہے، اور تعزیت میں میت و پس منگان کے لئے دعائے اجر و مہربانی تو ہوتی ہے۔ غسل کا بھی تقاضا ہے کہ بعد نماز جنازہ دعا جائز ہو۔ کیونکہ نماز جنازہ و ایک حیثیت سے تو دعا ہے میت سامنے رکھا گیا ہے اور انہیں رکوع سجدہ التہیات وغیرہ نہیں ہے اور یک حیثیت سے نماز ہے۔ اسی لئے اس میں غسل و وضو ستر عورت قبلہ کو نہ ہونا جگہ اور

کپڑوں کا پاک ہونا شرط ہے اور جماعت مستنون۔ اگر یہ شخص دعا دیتی تو نماز کی طرح یہ شرائط اس میں کیوں ہوتیں اور دعاؤں کی طرح یہ بھی ہر طرح اور اوجہ کیا کرتی۔ ماننا پڑے گا کہ یک حیثیت سے یہ نماز بھی ہے اور نماز کے بعد مستنون ہے اور زیادہ قائل قلوب چنانچہ۔

مکتوٰۃ باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں ہے۔

فیل یا رسول اللہ ای لدعاء اسمع فی جوف البیل الاحر وذنو بصلوات المکتوبات

”حضور علیہ السلام سے سوا کیا گیا کہ کون سی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے“ فرمایا کہ ”خمرات کے درمیانی حصہ میں اور فرض محروم کے پیچھے اور نماز جنازہ بھی فرض نماز ہے پھر اس کے بعد کیوں دعا نہ کی جائے؟“ نیز دعا، تنگی کی ہر وقت اجازت دی گئی ہے اور بہت تاکید فرمائی گئی ہے۔

مکتوٰۃ کتاب الدعوات میں ہے کہ **الدعاء هو العبادۃ** اسی جگہ یہ بھی ہے۔ **الدعاء مع العبادۃ** دعا عبادت بھی ہے یا دعا اصل عبادت دعا، تنگی کے لئے کوئی وقت وغیرہ کی پابندی نہیں تو اس کی کیا وجہ ہے کہ نماز جنازہ سے پہلے تو دعا جائز ورنہ کے بعد بھی جائز مگر نماز کے بعد ورنہ سے پہلے حرام؟ نماز جنازہ بھی کوئی جادو ہے کہ اس کے پڑھتے ہی دعا کرتا۔ ایصال ثواب کرنا سب حرام ورنہ میت اس جادو کا تار ہے کہ دفن ہو ورنہ سب جائز ہو گیا۔ لہذا ہر وقت دعا اور ایصال ثواب جائز ہے کسی وقت کی پابندی نہیں۔

دوسرا باب

اس دعا پر اعتراضات و جوابات میں

اس پر صرف چار اعتراض ہیں تین عقلی اور ایک نقلی۔ اس کے سوا روئی اعتراض نہیں۔

اعتراض ۱ وہی پراٹھا دیا ہوا سنتی کہ یہ دعا بدعت ہے اور ہر بدعت حرام ہے لہذا یہ دعا کرنا حرام ہے، شرک ہے، بے دینی ہے۔

جواب یہ دعا بدعت نہیں اس کا ثبوت حضور علیہ السلام کے قول افضل مبارک سے ہو چکا۔ نیز یہ کہ مگر اس پر عمل رہا۔ فقہانے اس کی اجازت دی۔ جیسا کہ اس بحث کے پہلے باب میں گزر گیا۔ اور اگر مان بھی یا جادوے کہ بدعت ہے تو ہر بدعت حرام نہیں ہوتی۔ بلکہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔ دیکھو ہماری بدعت کی بحث۔

اعتراض ۲ نماز جنازہ میں خود دعا ہے پھر دوبارہ دعا، تنگ جائز نہیں ہے یہی دعا کافی ہو چکی۔

جواب یہ اعتراض بالکل لغو ہے نماز پڑھ چکا۔ میں دعا ہے۔ نماز اچھی رہی۔ نماز کسوف اور نماز مستحاضہ سب دعا کے لئے ہیں مگر اس سب کے بعد دعا مانگنا جائز بلکہ سنت ہے حدیث پاک میں **اکثر والدعاء** دعا بار بار مانگو۔ دعا کے بعد دعا مانگنا زیادہ عام ہے تیسرے اس لئے کہ یہ تو شخص دعا ہے بعض صورتوں میں تو نماز جنازہ دوبارہ ہوتی ہے گرمیت کے دن نے نماز نہ پڑھی اور اس نے پڑھ لی تو وہ دوبارہ پڑھ سکتا ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصار مبارک دوشنبہ کو ہوا اور دفن شریف چہار شنبہ کو (شاہی کتاب مکتوٰۃ باب الامت) اور دن دور دور میں لوگ جماعت جماعت آتے رہے نماز جنازہ ادا کرتے رہے کیونکہ اب تک صدیق اکبر نے جو کہ دلی تھے نہ پڑی تھی۔ پھر جب ”خود حضرت صدیق نے نماز پڑھ لی۔ سب تاقیامت کسی کو جائز نہ رہا کہ حضور علیہ السلام پر نماز جنازہ پڑھے (دیکھو شاہی باب صلوٰۃ جنازہ بحث من احق بالامت) اب کہو کہ یہ نماز تو دعا تھی۔ وہ د ہو گئی۔ یہ دوبارہ نماز میں کیسی ہو رہی ہیں؟ یہ سوال تو ایسا ہے کہ کوئی کہے کہ کھانے کے بعد پانی نہ پیو۔ کیونکہ کھانے میں پانی موجود ہے وہ پانی ہی سے پکا ہے۔

اعتراض ۳ چونکہ دعا تنگ ہے کہ بعد سے دفن میں دیر ہوتی ہے اور یہ حرام ہے لہذا یہ دعا بھی حرام ہے۔

جواب یہ اعتراض بھی شخص لغو ہے ان تو اس لئے کہ آپ تو اس دعا کو بہر حال منع کرتے ہیں۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دفن میں دیر ہو تو منع ورنہ نہیں۔ تو تاؤ کہ اگر بھی قبر تیار ہونے میں دیر ہے اور نماز جنازہ ہو گئی۔ سب دعا وغیرہ پڑھیں یا کہ نہیں یہاں تاخیر دفن دعا سے نہیں بلکہ تیاری قبر کی وجہ سے ہے دوسرے اس لئے کہ دعا میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ صرف دو یا تین منٹ۔ مشکل سے خرچ ہوتے ہیں۔ اس قدر غیر محسوس دیر کا اعتبار نہیں اتنی بلکہ اس سے زیادہ دیر تو رستہ میں آہستہ آہستہ کام آہستہ آہستہ اسی م دینے اور قبر کو اطمینان سے کھودنے میں بھی لگ جاتی ہے مگر اس قدر دیر بھی حرام ہو تو لازم ہوگا کہ غسل و دفن دے دے و لے نہایت بد خواہی سے بہت جلد یہ کام کریں اور قبر کھودے و لے مشیں کی طرح جھٹ پٹ قبر کھودیں اور میت کو لے جانے والے انجن کی رفتار بھانجے ہوئے جاویں اور فوراً پیچٹ کر جاویں۔ تیسرے اس لئے کہ ہم پہلے باب میں جو لے دے چکے ہیں کہ دفن سے پہلے اہل میت کی تعزیت کرنا۔ انکو تسلی و تسخنی دینا جائز بلکہ سنت ہے۔ خواہ بعد نماز کرے یا قبل نماز تو تعزیت کے الفاظ کہتے اور تسلی دینے میں بھی دیر لگے گی یا کہ نہیں؟ ضرور لگے گی مگر چونکہ یہ ایک دینی کام کے لئے جائز ہے۔ چوتھے اس لئے کہ ہم ابھی عرض کر چکے کہ حضور علیہ السلام کی وفات شریف دوشنبہ کو اور دفن چار شنبہ کو ہو۔

علامہ شامی اسی کتاب الصلوٰۃ باب الامامت میں یہ واقعہ بیان فرما کر فرماتے ہیں۔

وهذه الستة باقية الى الان لم يدفن خبيثة حتى يولي عبوه

"یہ ست اب تک باقی ہے کہ خبیث اس وقت تک دفن نہیں کیا جا تا جب تک کہ دوسرا خلیفہ بن جائے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ دفن میں وہ تاخیر مکروہ ہے جو کہ دنیاوی وجہ سے ہو دینی وجہ سے قدرے جائز ہے کہ خلیفہ بنانا دینی کام ہے۔ اس کی وجہ سے دفن میں تاخیر کر دی اور دعا مانگنا بھی دینی کام ہے۔ اگر کوئی نمازی ستر میں بیٹے تو وہ دعا پڑھ کر سلام پھیر سکتا ہے۔ لیکن گرنار کے بعد فوراً غسل اٹھالی جائے تو یہ شخص دعا پوری نہ کر سکے گا کہ ٹھہرے ہوئے جنازے پر نماز نہیں ہوتی۔ بعد دعا بعد جنازہ میں مسبوق نمازیوں کی بھی رعایت ہے۔ اگر اس کے لئے ایک غیر محسوس تاخیر ہو تو جائز ہے۔ پانچویں اس لئے کہ دفن میں مطلقاً تاخیر کرنا حرام کہاں لکھا ہے؟ فقہاء فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن انتقال ہو گیا تو نماز جمعہ کا انتظار کرے بلکہ لیکن ہوٹل جو ہی دفن کر لے یہ نہیں کہتے کہ یہ انتظار کرنا حرام ہے شرک ہے۔ کفر ہے معاذ اللہ۔

اعتراض ۷ نماز جنازے کے بعد دعا کو فقہاء منع فرماتے ہیں۔ چنانچہ جامع الرموز میں ہے۔

لا يقوم داعياً له "نماز کے بعد دعا کے لئے نہ کھڑا ہے۔"

ذخیرہ کبریٰ اور محیط میں ہے۔ لا يقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الحارۃ "نماز جنازے کے بعد دعا کے لئے نہ کھڑا ہے۔"

عالمگیری میں ہے۔ لا يدعُو بعده في صاهر المذهب "اس کے بعد دعا نہ کرے نہ بزمذہب میں۔"

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے۔ ولا يدعُو للميت بعد صلوٰۃ الحارۃ لانه يشبه برودة في صلوٰۃ الحارۃ

"نماز جنازہ کے بعد میت کے لئے دعا نہ کرے کیونکہ یہ نماز جنازہ میں ریادتی کر چکے مشابہ ہے۔"

کشف الغطاء میں ہے کہ قائم نہ شود بعد از نماز برائے دعا۔ "نماز کے بعد دعا کے لئے کھڑا نہ ہے۔"

جامع الرموز میں ہے۔ ولا يقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الحارۃ لانه يشبه الزيادة

"نماز جنازہ کے بعد دعا کے لئے نہ کھڑا ہے کیونکہ یہ ریادتی کے مشابہ ہے۔"

ابن حاتم سے مروی ہے۔ ان الدعاء بعد صلوٰۃ الحارۃ مکروۃ "نماز جنازہ کے بعد دعا مکروہ ہے۔"

جامع رموز میں ہے۔ ولا يقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الحارۃ لانه يشبه الزيادة

"نماز جنازہ کے بعد دعا کے لئے نہ کھڑا ہو کیونکہ یہ ریادتی کے مشابہ ہے۔"

ان لفظی عبارات سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا و فیرونا جائز ہے۔

جواب اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک اجمالی دوسرا تفصیلی اجمالی جواب تو یہ ہے کہ اس دعا سے ممانعت کی تمیز دھیمیں ہیں۔ اولاً یہ کہ چوتھی

تکبیر کے بعد سلام سے پہلے ہو۔ دوم یہ کہ دعائیں زیادہ لمبی نہ ہوں۔ جس سے کہ دفن میں بہت تاخیر ہو۔ سی لئے نماز جنازہ جمعہ کے انتظار میں دفن

میں تاخیر کرنا منع ہے۔ تیسرے یہ کہ اسی طرح صرف بست بحیثیت نماز دعا کی جاوے کہ دیکھنے والا سمجھے نماز ہو رہی ہے یہ ریادتی کے مشابہ ہے۔ لہذا

اگر بعد سلام بیٹھ کر یا صفیں توڑ کر تھوڑی دیر دعا کی جاوے تو بلا کراہت جائز ہے یہ وجہ اس لئے نکالے گئے کہ فقہاء کی عبارتیں آپس میں متعارض نہ

ہوں اور یہ اقوال، جادیت، مکروہ اور صحیحہ کرم کے قول و عمل کے خلاف نہ ہوں۔

تفصیلی جواب یہ ہے کہ عبارات میں سے جامع الرموز، ذخیرہ، محیط، کشف الغطاء کی عبارتوں میں تو دعا سے ممانعت ہے ہی نہیں بلکہ کھڑے ہو کر دعا

کرے سے منع فرمایا ہے۔ وہ ہم بھی منع کرتے ہیں مرقات اور جامع الرموز میں یہ بھی ہے۔ لانه يشبه الزيادة یہ ریادتی کے مشابہ ہے۔

یعنی اس دعا سے دھوکا ہوتا ہے کہ نماز جنازہ زیادہ ہوگئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح دعا مانگنا منع ہے جس میں ریادتی کا دھوکا ہو۔ وہ یہ ہی ہے کہ

صرف بست کھڑے کھڑے دعا کریں۔ اگر صرف توڑ دی یا بیٹھ گئے تو حرج نہیں دیکھو۔ جماعت فرض کے بعد حکم ہے کہ لوگ صفوف توڑ کر منتیں پڑھیں

تاکہ کسی کو دھوکا نہ ہو کہ جماعت ہو رہی ہے (دیکھو شامی اور مشکوٰۃ شریف باب اس) تو اس سے روم نہیں کہ فرض کے بعد منتیں پڑھنا ہی منع ہیں بلکہ فرض

سے حد کر پڑھنا منع ہے۔ اسی طرح یہ بھی ہے۔ عالمگیری کی عبارت علقہ نقل کی۔ اس کی اصل عبارت یہ ہے۔

وليس بعد التكبير الزيادة قبل السلام دعاء "چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے کوئی دعا نہیں۔"

یعنی نماز جنازہ میں پہلے تین تکبیروں کے بعد کچھ نہ کچھ پڑھنا جاتا ہے مگر اس چوتھی تکبیر کے بعد کچھ نہ پڑھا جاوے گا۔ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے۔

چنانچہ بدائع، کفایہ محتایہ میں ہے۔ **لیس بعد التکبیر لزاماً فی السلاۃ دعاء ابو بکر** ابن حاتم کی جو عبارت پیش کی گئی یہ قدیہ کی عبارت ہے مگر قدیہ غیر معتبر کتاب ہے۔ اس پر فتویٰ نہیں دیا جاتا۔ مقدمہ شامی بحث رسم المفتی میں ہے کہ صاحب قدیہ ضعیف روایات بھی دیتا ہے۔ اس سے فتویٰ دینا جائز نہیں وہ فرماتے ہیں۔

اول لقل الا قوال الصلوت فیہا کلفہ بلز اهدی فلا بحور الا فتاء من ہدہ
 اعظمی حضرت قدس سرہ نے بذل الجواز میں فرمایا کہ قدیہ دو معتبروں پر مذہب ہے اور مرقدیہ کی یہ عبارت صحیح، مان بھی لی جائے تو خود مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا منع ہے تو بعد ازین بھی دعانا جائز ہونا چاہیے کیونکہ یہ وقت بھی تو نماز کے بعد ہی ہے غرض کہ کوئی بھی عبارت آپ کے موافق نہیں۔ دعا بعد نماز جنازہ جائز بلکہ مست ہے۔

بحث مزارات اولیاء اللہ پر گنبد بنانا

مسلمان دو طرح کے ہیں ایک تو عام مومنین۔ دوسرے علماء مشائخ ولیاء اللہ جن کی تقسیم و توفیر در حقیقت اسلام کی تقسیم ہے۔ عامتہ المسلمین کی قبروں کو پختہ بنانا یا نہ پر قبہ وغیرہ بنانا چونکہ بے فائدہ ہے اس لئے منع ہے ہاں اس پر مٹی وغیرہ ڈالتے رہنا تاکہ اس کا نشان نہ مٹ جائے فاتحہ وغیرہ پڑھی جاسکے جائز ہے۔ اور علماء مشائخ عظام اویاء اللہ جن کے مزارات پر خلقت کا جھوم رہتا ہے لوگ وہاں بیٹھ کر قرآن خوانی و فاتحہ وغیرہ پڑھتے ہیں ان کے آسائش اور صاحب قبر کی اعظام و عظمت کے لئے اس کے آس پاس سایہ کے لئے قبہ وغیرہ بنانا شرعاً جائز بلکہ سنت صحیحہ سے ثابت ہے اور جن عوام مومنین کی قبریں پختہ بنانا یا نہ پر قبہ بنانا منع ہے اگر اس کی قبریں پختہ بن گئی ہوں تو اس کو ناجائز و حرام ہے پہلے مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے آخر کے دو مسئلوں میں خلاف اس لئے ہم اس بحث کے دو باب کرتے ہیں۔ پہلے باب میں تو اس کا ثبوت۔ دوسرے باب میں مخالفین کے اعتراضات اور ان کے جوابات۔

پہلا باب

مزارات اولیاء اللہ پر عمارت کا ثبوت

اس جگہ میں امور ہیں ایک تو خود قبر کو پختہ کرنا۔ دوسرے قبروں کو قدر سنت یعنی ایک ہاتھ سے زیادہ اونچا کرنا۔ تیسرے قبر کے آس پاس عمارت بنادینا۔ پھر قبر کو پختہ کر کے کی دوسورتیں ہیں ایک تو قبر کا اندرونی حصہ جو کہ میت سے ملتا ہوا ہے اس کو پختہ بنانا دوسرے قبر کا بیرونی حصہ جو کہ دیر نظر آتا ہے، سکوپختہ کرنا۔

قبر کے اندرونی حصہ کو پختہ اہل سنت سے پختہ کرنا۔ وہاں لکڑی کا منع ہے ہاں اگر وہاں پتھر یا سیمنٹ لگایا جائے تو جائز ہے کیونکہ لکڑی دراصل میں آگ کا شے ہے۔ قبر کا بیرونی حصہ پختہ بنانا عامتہ المسلمین کے لئے منع ہے، اور خاص علماء مشائخ کے لئے جائز ہے۔

قبر کا تنوید ایک ہاتھ سے زیادہ اونچا کرنا منع ہے، در اگر آس پاس چوڑا اونچا کر کے اس پر تنوید بقدر ایک ہاتھ کیا تو جائز ہے۔

قبر کے آس پاس یا قبر کے قریب کوئی عمارت بنانا عامتہ المسلمین کی قبروں پر تو منع ہے۔ اور فقہاء و علماء کی قبروں پر جائز۔ در اہل مسند ذیل میں۔

(۱) مشکوٰۃ کتاب بنائز باب الدفن میں بروایت اب داؤد ہے کہ جب حضور علیہ السلام سے حضرت عثمان بن مظعون کو دفن فرمایا تو ان کی قبر کے سر ہانے ایک پتھر نصب فرمایا۔ اور فرمایا کہ **اعلموا بہ قبر حسی و ادفنوا الیہ من مات من اہلی** ہم اس سے اپنے بھائی کی قبر کا نشان لگائیں گے، اور اسی جگہ اپنے اہل بیت کے مردوں کو دفن کریں گے۔

(۲) بخاری کتاب الجنائز باب الجریۃ علی القبر میں تعلقا ہے حضرت خارجہ فرماتے ہیں۔ ہم زینہ عثمان میں تھے۔

اِنَّ الشَّامَ وَثْبَةُ الْاُذَى یُشَبُّ قَبْرَ غُثَمَاءِ ابْنِ مَطْعُوْنٍ حَسْبُ وَرَہ

”ہم میں بڑا کوڑے والا دودھ جو عثمان ابن مظعون کی قبر کو پھلانگ جاتا۔“

مشکوٰۃ کی روایت سے معلوم ہوا کہ عثمان ابن مظعون کی قبر کے سر ہانے پتھر تھا اور بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ خود قبر عثمان کا تنوید اس پتھر کا تھا اور دونوں روایات اس طرح جمع ہو سکتی ہیں کہ مشکوٰۃ میں جو تپا کہ قبر کے سر ہانے پر پتھر لگا یا اس کے معنی یہ نہیں کہ قبر سے علیحدہ سر کے قریب لکڑی کر دیا بلکہ یہ ہے کہ خود قبر میں ہی سر کی طرف اس کو لگایا یا مطلب یہ کہ قبر ساری اس پتھر کی تھی مگر سر ہانے کا ذکر کیا۔ ان دونوں احادیث سے یہ ثابت ہو کہ مگر کسی عامل قبر کا نشان قائم رکھنے کے لئے قبر کچھ اونچی کر دی جاوے یا پتھر وغیرہ سے پختہ کر دی جائے تو جائز ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ کسی مرگ کی قبر ہے۔ اس سے پہلے دوسرے محل ہو گئے نیز فقہاء فرماتے ہیں اگر کوئی زمین میں روم ہو اور وہاں پتھر یا لکڑی کے صندوق میں میت رکھ کر دفن کرنا ہاڑے تو اس کے اندرونی حصہ میں چاروں طرف مٹی سے کھنگل کر دو (دیکھو شامی اور عاتقیہ وغیرہ باب ابن لیت) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قبر کو اندر سے کچھا ہونا چاہیئے۔ دو مسائل ثابت ہوئے۔

(۳) مشائخ کرم اویاء عظام علماء کرام کی مزارات کے ارد گرد یا اس کے قریب میں کوئی عمارت بنانا جائز ہے۔ اس کا ثبوت قرآن کریم اور صحابہ کرم و عامتہ المسلمین کے عمل اور علماء کے اقوال سے ہے۔ قرآن کریم نے اصحاب کہف کا قصہ بیان فرماتے ہوئے کہا۔

قُلِ الدِّیْنُ اَعْمُوْا اَعْمٰی اَمْرٌ ہُمْ لِّتَتَّحَدُوْا عِیْہِمْ مَّسٰجِدًا وہ بولے جو اس کام میں غالب رہے کہ ہم تو اس اصحاب کہف پر مسجد

بنائیں گے۔ روح بیان میں اس آیت میں **نِسْبًا** کی تفسیر میں فرمایا۔ دیوارے کہ از چشم مردم چشید و شونہ یعنی **لا یعلم احدًا نوبتہم**

وَتُکُوْنُوْا مَحْفُوْطٰتُہٗ مِنْ تَطَرُّفِ النَّاسِ کَمَا خَفَعَتْ نُوْبَتُ رَسُوْلِ اللّٰہِ بِالْحَظِیْرَةِ یعنی انہوں نے کہا کہ اصحاب

کہف پر ایسی دیو ریتا جو ان کی قبر کو گھیرے اور ان کے مزارات لوگوں کے جانے سے محفوظ ہو جائیں۔ جیسے کہ حضور علیہ السلام کی قبر شریف چار دیواری سے گھیر دی گئی ہے۔ مگر یہ بات نامعلوم ہوئی تب مسجد بنائی گئی۔ مسجد کی تعمیر روح ایساں میں ہے

يُصَلِّي فِيهِ الْمُسْلِمُونَ وَتُرْكُوْنَ مَعَكُمْ اَيْهَمُ لَوْ كُنْ اس میں نماز پڑھیں اور ان سے برکت میں۔ قرآن کریم نے ان لوگوں کی دو باتوں کا ذکر فرمایا ایک تو اصحاب کہف کے گرد قبر اور مقبرہ بنانے کا مشورہ کرنا دوسرے ان کے قریب مسجد بنانا اور کسی باب کا انکار نہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ دونوں فعل جب بھی جائز تھے اور اب بھی جائز ہیں جیسا کہ کتب اصوں سے ثابت ہے کہ **شَرَحَ قَسَمًا بِدَرْمَا** حضور سید عالم ﷺ کو حضرت صدیق کے حجرے میں دفن کیا گیا۔ اگر یہ ناجائز تھا تو پسے صحابہ کرام اس کو گرا دیتے۔ پھر دفن کرتے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اس کے گرد کچی اینٹوں کی گول دیو رکھ چلائی۔ پھر ولید ابن عبدالملک کے زمانہ میں سیدنا عبداللہ ابن ربیعؓ کے تمام صحابہ کرام کی موجودگی میں اس عمارت کو نہایت مضبوط بنایا اور اس میں پتھر لگوائے چنانچہ خلاصہ ہوا یا جابر دار المعطیٰ مصنفہ سید محمودی دسویں فصل فیما یصحیح ہاجرة السنہ ۹۶ میں ہے **عَنِ عَمْرِو بْنِ دُبَارٍ وَغَيْبِ اللّٰهِ بْنِ سَبِيٍّ رَيْدٌ قَالَا لَمْ يَكُنْ عِيسَىٰ عِہْدَ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَانِطٌ فَكُنْ اَوَّلُ مَنْ سَبَى عَلَیْہِ حَدَارًا غَمْرُ ابْنِ الْحَطَّابِ قَالَ غَیْبُ اللّٰہِ ابْنُ اَبی رَیْدٍ كَانَ حَدَارَہُ قَصِیْرًا ثُمَّ سَأَلَ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنَ رَبِیْعٍ الْحَ وَفَالِ الْحَسَنِ الْبَصْرَی كُنْتُ اَدْخُلُ بُیُوتَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَابَا غَلَامٌ مُّوَاهِقٌ دَنَا السُّفْفَ بَیْدَی وَكَانَ لِكُلِّ بَیْتٍ حَجْرَةٌ وَكَانَتْ حُجْرَہُ مِنْ اَلْكُھْسَةِ مِنْ سَعِیْرٍ مِنْ نُوْطِنَہُ فِی حَنْطٍ عَرَعَرَةٍ**

ترجمہ وہی جزا پہنچا۔ بخاری جلد اول کتاب البنا نزاب ماحاء فی قبر النبی وابی بکر و غمر میں ہے کہ حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ولید ابن عبدالملک کے زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یک دیو رک گئی تو احد و اسی بساۃ صحابہ کرام اس کے بنانے میں مشغول ہوئے۔

فَبَدَتْ لَهُمْ قَدَمٌ فَصَرَّخُوا وَطُؤْا اَنْہَا قَدَمُ النَّبِیِّ عَلَیْہِ السَّلَامُ حَتّٰی قَالَ لَهُمْ غُرُوفَةٌ لَا وَاللّٰہِ مَا هِیَ قَدَمُ النَّبِیِّ عَلَیْہِ السَّلَامُ مَا هِیَ اِلَّا قَدَمُ غَمْرٍ

"یک قدم ظاہر ہو گیا تو لوگ گھبرا گئے اور کہنے لگے یہ حضور علیہ السلام کا قدم پاک ہے۔ حضرت عروہ نے کہا کہ اللہ کی قسم یہ حضور علیہ السلام کا قدم نہیں ہے یہ حضرت فاروق کا قدم ہے۔"

جذب القلوب الی دیار الحبوب میں شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ ۵۵۰ھ میں جمال الدین اصفہانی نے عہد کرام کی موجودگی میں صمدی کی لکڑی کی چابی اس دیوار کے آس پاس بنائی اور ۵۵۷ھ میں بعض عیسائی بادلوں کی شکل میں مدینہ منورہ آئے اور سرنگ لگا کر قلعہ مبارک کو زمین سے نکالنا چاہا۔ حضور علیہ السلام نے قلعہ بارہادشاہ کو خواب میں فرمایا۔ ہذا بادشاہ نے ان کو قتل کرایا اور روضہ کے آس پاس پانی تک بنیاد کھود کر سیدہ لگا کر اس کو بھردیا پھر ۶۷۸ھ میں سلطان قلاؤن صاکی نے یہ گنبد ہر جواب تک موجود ہے بنوایا۔

ان عمارت سے یہ معلوم ہوا کہ رورہ مطہرہ صحابہ کرام نے بنوایا تھا اگر کوئی کہے یہ تو حضور علیہ السلام کی خصوصیت ہے تو کہا جاوے گا کہ اس روضہ میں حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی دفن ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی دفن ہوں گے لہذا یہ خصوصیت نہ رہی۔ بخاری جلد اول کتاب الجنائز و مشکوٰۃ باب البنا علی بیت میں ہے کہ حضرت امام حسن ابن حسن رضی اللہ عنہما انتقال ہو گیا۔

صَوَّبَتْ اَمْرَ اَنَّهُ الْقُبَّةُ عَلٰی قَبْرِہٖ سَنَہٌ "تو ان کو بیوی نے ان کی قبر پر ایک سال تک قبڈا لے رکھا۔" یہ بھی صحابہ کرام کے زمانہ میں سب کی موجودگی میں ہوا۔ کسی نے انکار نہ کیا۔ میراں کی بیوی ایک سال تک وہاں رہیں۔ پھر گھر واپس آئیں۔ جیسا کہ اسی حدیث میں ہے اس سے بزرگوں کی قبروں پر مجاوروں کا ٹھکانا بھی ثابت ہوا۔

یہاں تک تو قرآن و حدیث سے ثابت ہوا۔ اب فقہاء محدثین اور مفسرین کے اقوال مدخل ہوں۔

روح البیان جلد ۳ پارہ ۱ از آیات **اَنْصَابِ عُمْرُ مَسْجِدِ اللّٰہِ مِنْ اَمْنٍ بِاللّٰہِ** میں ہے۔

فَبَا قُبَابِ عَمِی قُبُورِ الْعَمَّاءِ وَالْاَوَلِیَّاءِ وَالصُّحَّاءِ مَرَّ حَانِزٍ دَاکِنِ الْقَصْدُ بِدَلِکَ التَّعْظِیْمِ فِی اَعْیُنِ الْعَامَّةِ حَتّٰی لَا یَحْتَفَرُوْا صَاحِبَ ہَذَا الْقَبْرِ

”علماء اور وہیہ صاحبیں کی قبروں پر ہم رات بٹاتا جائز کا مس ہے جبکہ اس سے مقصود ہولوگوں کی نگاہوں میں حکمت پیدا کرنا تاکہ لوگ اس قبر والے کو فقیر نہ جانتیں۔“

مرقات شرح مشکوٰۃ کتاب البیان باب دفن میت میں ہے۔

قد اباح لنفس الباء علی قبور المشائخ و العماء المشهورین لیزورهم النّس و یستویحو
ابن خنوس

”پہلے علماء نے مشائخ اور علماء کی قبروں پر ہم رات بٹاتا جائز فرمایا ہے تاکہ ان کی زیارت کریں۔ دروہاں بیٹھ کر راس پا نہیں۔“
شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح سطر المسعودت میں فرماتے ہیں۔

”در آخر رات بجست اقصاء نظر عوام برحق مصلحت و تعمیر و تزین مشاہد و مقابر مشائخ و عظماء و یہ چیز ہا فرد و تعداداً صلیت و شوکت اہل اسلام و اہل
صلاح پیر آید خصوصاً در دیار ہند کہ اندائے دین زینت و کفار بسیار اند۔ و تزین کاعادہ شان ایں مقامات ہا عشب و اقلید و ایشاں ست و بسیار
الہام و افعال و اوضاع کہ در زمان ملک از کمرہ ہات بودہ اند و آخر زمان از مستحبات گشت۔“

”آخر رات میں چونکہ عام لوگ محض ظاہر بین رہ گئے۔ لہذا مشائخ اور علماء کی قبروں پر عمارت بنانے میں مصیبت دیکھ کر ریادتی کر دی تاکہ
مسلمانوں اور اہل اللہ کی حیثیت ظاہر ہو فاسک ہندوستان میں کہ یہاں ہندو اور کفار بہت سے دشمنائیں دیں میں ایں مقامات کی عدت شاں کفار کے
عشب و اراضعت کا ذریعہ ہے اور بہت سے کام پہلے مکروہ تھا اور آخر زمان میں مستحب ہو گئے۔“
شامی جلد اول باب الدفن میں ہے۔

وقیل لا یکرہ ابناء ذکری المینث من المشایخ و لعمماء و السداد
”کہ اگر میت مشائخ اور علماء اور سادات کرام میں سے ہو تو اس کی قبر پر عمارت بنانا مکروہ نہیں ہے۔“

در مختار میں اسی باب الدفن میں ہے۔ لا یرفع علبہ بقاء زہیل لاس بہ و هو المحار قبر پر عمارت نہ بنائی جائے اور کہا گیا
ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور یہی قوس پسندیدہ ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ شامی اور در مختار نے عمارت کے جو ذکر قبیل سے بیان کیا۔ اس
لئے یہ قول ضعیف ہے لیکن یہ بھی نہیں فقہ میں قیل علامت ضعیف نہیں۔ اور بعض جگہ یک مسک میں دو قوس چاں کرتے ہیں اور دونوں قیل سے۔ اس
منطق میں قیل علامت ضعیف ہے۔ قیل کی مکمل بحث اوان قبر کے بیان میں دیکھو۔
طحاوی علی مراقی الفہام ص ۳۳۵ میں ہے۔

وقد اعتاد اهل المصر وضع الاحجار حفص بنقور عن لامدراس والنس ولا باس به وفي الضر
ولا یحضر ولا یطین ولا یرفع علبہ بقاء و قیل لاس بہ و هو المحتار
”مصر کے لوگ قبروں پر حجر رکھنے کے عادی ہیں۔ تاکہ وہ مٹنے کے گزرنے سے محفوظ رہیں اور قبر کو گچی نہ کی جاوے نہ کھل کی جاوے نہ اس پر عمارت
بنائی جاوے اگر کہا گیا کہ جائز ہے اور یہی مختار ہے۔“
میزان کبریٰ خز جلد اول کتاب البیان میں امام شمرانی فرماتے ہیں۔

ومن ذلک قول الاسفة ان انقبر لانیسی ولا یحضر مع قول ابی حنیفہ یحوز ذک قال الاول
مُسَدَّدٌ وَ الثانی مُخَفَّفٌ

”اس سے ہے دیگر اماموں کا یہ کہنا کہ قبر پر عمارت بنائی جاوے اور نہ اسکو گچی کی جاوے باوجودیکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ قوس ہے کہ یہ سب
جائز ہے پس پہلے قول میں سختی ہے اور دوسرے میں آسانی۔“

اب توجہ شری ہوگی کہ خود امام مذہب امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرما مل گیا کہ قبر پر قبہ وغیرہ بنانا جائز ہے۔

الحمد للہ کہ قرآن و حدیث و فقہی عبارات بلکہ خود امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرماں پاک سے ثابت ہو گیا کہ اویہ علماء کی قبور پر گنبد وغیرہ
بنانا جائز ہے۔ عقل بھی چاہتی ہے کہ یہ جائز ہو چند وجوہ سے اولاً تو یہ دیکھا گیا ہے کہ عام ہنگی قبروں کا عوام کی نگاہ میں نہ ادب ہوتا ہے نہ حرام اور
نہ زیادہ فاحش خوانی نہ کچھ احترام بلکہ لوگ عیروں سے اس کو روندتے ہیں۔ اور اگر کسی قبر کو پختہ دیکھتے ہیں غلاف وغیرہ پڑ ہو پاتے ہیں سمجھتے ہیں کہ یہ
کسی برگ کی قبر ہے اس سے بچ کر نکلتے ہیں اور خود بخود فاتحہ پڑھتا تھا یا تھ چاتا ہے اور مشکوٰۃ باب الدفن میں اور مرقات میں ہے کہ مسلمان کا زندگی اور
بعد موت یکساں ادب چاہیے۔ اسی طرح عالمگیری کتاب النکاح و بیعت اور شعبہ الطہارت باب الدفن میں ہے کہ والدین کی قبر کو چومنا جائز ہے۔

اسی طرح فقہ فرماتے ہیں کہ قبر سے اتنی دور بیٹھئے جتنی دور کہ صاحب قبر کی زندگی میں اس سے بیٹھتا تھا اس سے معلوم ہوا کہ میت کا احترام بقدر زندگی کے احترام کے ہے اور اولیاء اللہ تو زندگی میں وجہ تعظیم تھے۔ بعد ابعاد موت بھی اور قبر کی عمارت اس تعظیم کا دریغ ہے ہذا کم ر کم مستحب ہے۔ دوسرے اس لئے کہ جس طرح تمام عمارت میں سرکاری عمارتیں یا کہ مساجد ممتاز رہتی ہیں کہ ان کو پچپان کر لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ علماء کو چاہئے کہ اپنی وضع قطع باس صورت اہل علم کا سر رکھیں تاکہ لوگ ان کو پچپان کر مسائل دریافت کریں۔ اسی طرح چاہئے کہ علماء مشائخ کے قبور عام قبروں سے ممتاز رہیں تاکہ لوگ پچپان کر ان سے فیض لیں۔ تیسرے اس لئے کہ مقبراہ اولیاء اللہ شعائر اللہ ہیں جیسا کہ ہم اس سے پہلے تفسیر روح البیہاں کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں۔ در شعائر اللہ کا ادب ضروری ہے قرآن سے ثابت ہے کہ قبور کا ادب چاہئے۔ ادب کے ہر ملک اور ہر زمانہ میں بخیرہ طریقے ہوتے ہیں۔ جو طریقہ بھی ادب کا عطف اسلام نہ ہو وہ جائز ہے حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں قرآن پاک ہڈیوں اور پتھر سے پر لکھا تھا۔ مسجد ہوئی مکی تھی اور حجت میں کعبہ کے پتے تھے جو بارش میں ٹپکتی تھی۔ مگر بعد زمانے میں مسجد نبوی نہایت شاندار و عظیم رہی۔ اللہ صلی علیہ وسلم بہت اہتمام سے بنائے گئے اور قرآن کو اچھے کاغذ پر چھپا گیا۔

در بخار کتاب الکریمیت فی فضل فی الحج میں ہے۔ **و حار بحلبہ لمصحفہ بما فیہ من معظمتہ کما فی فضل المسجد** اس کے باعث شامی میں ہے **ای بالذهب والفضہ** یعنی قرآن کریم کو چاندی سونے سے آراستہ کرنا جائز ہے کیونکہ اس میں اہل کی تعظیم ہے۔ جیسا کہ مسجد و مقبریں کرنا۔ اسی طرح صحابہ کرام کے زمانہ میں حکم تھا کہ قرآن کو آیت اور رکوع اور احزاب سے جان رکھو۔ لیکن اس زمانہ کے بعد چونکہ ضرورت در پیش ہوئی۔ یہ قلم کام جائز بلکہ ضروری ہو گئے۔ شامی میں اسی جگہ ہے۔

و ما روی عن ابن مسعود حوذا النفران کن فی رمہم و کمہ من شیبی بحتف باختلاف انوف و نمک ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قرآن و عرب وغیرہ سے جان رکھو یا اس زمانہ میں تھا۔ اور بہت سی چیزیں زمانہ اور جگہ بدلنے سے بدل جاتی ہیں۔ اسی مقام پر شامی میں ہے کہ قرآن کو چھونا کر کے نہ چھاپا یعنی سائل نہ بناؤ بلکہ اس کا قلم مونا ہو۔ حرف کشادہ ہو۔ تقطیع بڑی ہو یہ سارے احکام کیوں ہیں؟ صرف قرآن کی عظمت کے لئے اسی طرح یہ بھی ہے کہ زمانہ میں تعظیم قرآن و اذان و قنوت پر اجرت لینا حرام تھا حدیث و فقہ میں موجود ہے مگر بعد کو ضرورت پڑ گیا۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں خود بندہ لوگوں کو پلٹے مکان بنانے کی ممانعت تھی۔ ایک صحابی نے پلٹے مکان بنایا تو حضور علیہ السلام ناراض ہوئے یہاں تک ان کے سلام کا جواب نہ دیا جب اس کو گرا دیا۔ جب جواب سلام دیا۔ (و کبر مقلد کتاب الرقاق ص ۱۸۱) اسی مسئلہ کا کتاب الرقاق میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ **اد لہ یبارک بلعد فی مالہ جعلہ فی الماء والطیب** جب

بدے کے مال میں بے برکتی ہوتی ہے تو اس کو سنٹ گارے میں خرچ کرنا ہے لیکن ان احکام کے باوجود عام مسلمانوں نے بعد میں پلٹے مکان بھی بنائے اور مسجدیں بھی۔ تعجب ہے کہ جو حضرات ولیاء اللہ کی قبروں کے پلٹے کرے یا ان پر قبہ بنانے کو حرام کہتے ہیں وہ اپنے مکان کیوں ممد اور پلٹے بناتے ہیں۔ **انہم من بعض الکتاب و تکفرون بعض** کیا بعض حدیثوں پر ایمان ہے اور بعض کا انکار۔ اللہ بخیر دے چوتھے اس لئے کہ ولیاء اللہ کی مقابر کا پلٹے ہونا۔ ان پر عمارت قائم ہونا۔ تبلیغ اسلام کا دریغ ہے۔ امیر شریف و طبرہ میں دیکھا گیا ہے کہ مسلمانوں سے زیادہ وہاں ہندو اور دیگر کفار پر عمارت کو جاتے ہیں بہت سے ہندو اذان اور اصویں کو میں نے دیکھا کہ خوب صاحب کی دھوم دھام و کچھ کر مسلمان ہو گئے۔

ہندوستان میں اب کفار مسلمانوں کے اس وقاف پر قلعہ کر رہے ہیں جن میں کوئی عداوت نہ ہو۔ بہت سی مسجدیں، حلقہ ہیں، قبرستان بے نشان ہو کر ان کے قبضے میں پہنچ گئے مگر قبرستان کی ساری قبریں کجی ہوں تو وہ کچھ دن میں گر کر برابر ہو جاتی ہیں اور سادہ زمین پر کفار قبضہ جماعتیں ہیں لہذا اب سخت ضرورت ہے کہ ہر قبرستان میں کچھ قبریں پلٹے ہوں تاکہ ان سے اس زمین کا قبرستان ہونا بلکہ اس کے حدود معلوم رہیں۔

میں نے اپنے وطن میں خود دیکھا کہ مسلمانوں کے دو قبرستان بھر چکے تھے ایک میں بچہ دو تین قبروں کے ساری قبریں کجی تھیں۔ دوسرے قبرستان کے کچھ حصہ میں پلٹے قبریں بھی تھیں۔ مسلمان فقیروں نے یہ دونوں قبرستان خیرہ طور پر فروخت کر دیئے جس پر مقدمہ چلا۔ پھر قبرستان تو سوائے پلٹے قبروں کے مکمل طور پر مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا۔ کیونکہ حکام نے اسے سفید زمین مانا۔ دوسرے قبرستان کا آدھا حصہ جہاں تک پلٹے قبریں تھیں مسلمانوں کو ملا۔ باقی وہ حصہ جس میں ساری قبریں کجی تھیں اور مٹ چکی تھیں کفار کے پاس پہنچ گئے۔ کیونکہ اس قبرستان کے حدود پلٹے قبروں کی حد سے قائم کئے گئے باقی کا بیعتاہہ درست مانا گیا۔ اس سے مجھے پتہ لگا کہ اب ہندوستان میں کچھ قبریں پلٹے ضرور بنوانی چاہئیں کیونکہ یہ بقاء وقف کا دریغ ہیں جیسے مسجد کے لئے بنائے۔

۱۵ جولائی ۱۹۶۰ء کے اخبارات میں مسلسل یہ خبر شائع ہو رہی ہے کہ مولوی اسماعیل صاحب کے بھائی سید احمد صاحب بریلوی کی قبر جو بالا کوٹ میں واقع ہے شکستہ حالت میں ہے اسکی مرمت کی جاوے گی اور اس پر گنبد وغیرہ تعمیر کیا جاوے گا۔ سید احمد صاحب جنہوں نے عمر بھر مسلمانوں کی قبریں ڈھائیں اب خود ان کی قبر پر گنبد بنے گا۔ ۲۹ جولائی ۱۹۶۰ء کو صدر پاکستان ایوب خان نے قائد اعظم کی قبر کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا۔

جس میں ایک لاکھ مسلمان شریک تھے اس عمارت پر ۵۷ لاکھ روپیہ خرچ ہوگا اس تقریب میں دیوبندیوں کے پیشوا مولوی احتشام الحق بے بھی شرکت کی۔ ان کی تقریر دہلی کے جنگ ۲ اگست ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی آپ نے بہت خوشی کا غلبہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ مبارک ہو کہ بانی انقلاب آج ہاں پاکستان کی قبر پر سنگ بنیاد رکھ رہا ہے اب تک پاکستان کی حکومتوں نے اس مبارک کام میں بہت سستی کی تھی۔ مسلمانو! یہ ہیں وہ دیوبندی جو اب تک مسلمانوں کی قبریں کھڑواتے تھے جنہوں نے بھری حکومت کو مبارک باد کے بار دیئے تھے کہ اس نے صحابہ و اہل بیت کی قبریں اکھڑ دیں آج قائد اعظم کی قبر پر گنبد وغیرہ تعمیر ہونے پر مبارک باد دے رہے ہیں۔ ان کا کتابی مذہب اور ہے۔ زبانی مذہب اور عملی مذہب کچھ اور چلو تم ادھر کو اوجھڑو۔ بہر حال مزار پر گنبد کے دیوبندی بھی قائل ہو گئے۔

دوسرا باب

عمارت قبور پر اعتراضات کے جوابات میں

مخالفین کے اس مسئلہ پر صرف دو ہی اعتراض ہیں اور انہیں یہ کہ مکلفوۃ باب الفرض میں ہر دیت مسلم ہے۔

يُحْيِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُحْصَى الْقُبُورُ وَأَنْ يُسَى عَلَيْهِ وَأَنْ يَقْعَدَ عَلَيْهِ

"مختصر علیہ السلام نے منع فرمایا اس سے کہ قبروں پر گنجی کی جادوے اور اس سے کہ اس پر عمارت بنائی جادوے اور اس سے کہ اس پر میٹھا جادوے۔"

نیز عام نعت فرماتے ہیں کہ **بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ** اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین کام حرام ہیں قبر کو چلاتے بناتے۔ قبر پر عی دست بنانا اور قبر پر چھاور بن کر بیٹھنا۔

جواب قبر کو پختہ کرنے سے منع ہونے کی قس صودھی ہیں ایک تو یہ کہ قبر کا اندرونی حصہ جو کہ میت کی طرف ہے اس کو پختہ کیا جاوے۔ اسی لئے

حدیث میں فرمایا گیا۔ **وَبُحْصَصَ الْقُبُورُ** یہ نہ فرمایا گیا۔ **عَلَى الْقُبُورِ** دوسرے یہ کہ عاتق المسلمین کی قبور ہلنے کی جاویں کیونکہ یہ ہے فائدہ ہے تو معنی یہ ہوئے کہ ہر قبر کو پختہ بنانے سے منع فرمایا۔ تیسرے یہ کہ قبر کی مساوات، تکلف، فخر کے لئے ہلنے کا۔ یہ تینوں امور عین منع ہیں اور اگر

پہلے باب میں عرض کیا گیا۔ معات میں اسی اِنْ بَحْصَصَ الْمَقْصُور کے ماتحت ہے لَمَّا قُبِلَ مِنَ الزَّيْتَةِ وَالْكَلْفِ کیونکہ اس میں

محض سہاوت اور تکلف ہے۔ جس سے معلوم ہو کہ مگر اس لئے نہ ہو تو جائز ہے اور **بُسی عبیدہ** یعنی قبر پر رت پانا منہج فرمایا۔ اس کے بھی چند معنی ہیں اور انہی کے خود قبر پر رت پانی جاوے اس طرح کہ قبر دیوار میں شامل ہو جاوے۔

چنانچہ شری باب الدفن میں ہے۔

[illegible]

در مختار ای باب میں ہے **وَنَكَرَهُ لِرَبِّدَّةٍ عَلَيْهِ مِنَ الْأُتْرَافِ لِأَنَّهُ بَحْرٌ لَهُ** لاء قبر پر مٹی زیادہ کرنا منع ہے کیونکہ یہ عمارت بنانے کی وجہ میں ہے۔ اس سے معلوم ہو کہ قبر پر بنانا یہ ہے کہ قبر دیوار میں جاوے اور مسجد بنانا یہ خوب البتہ یعنی قبر کے روگرد بنانا ہے یہ ممنوع نہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ حکم عامۃ المسلمین کے لئے قبروں کے لئے ہے۔ تیسرے یہ کہ اس بنانے کی تفسیر خود دوسری حدیث نے کر دی جو کہ مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے۔

اللَّهُمَّ لَا تَحْصِ قَبْرِى وَوَلِّ يَوْمَئِذٍ شِدَّةَ غَضَبِكَ عَلٰى قَوْمٍ اتَّخَذُوا الْقُبُورَ اٰيَآءَ هُمْ مَسْحُودٌ

”اے اللہ میری قبر کو بیت بنا نا جس کی چوچ کی جاوے اس قوم پر خدا کا سخت غضب ہے جس نے اپنے خیمہ بروں کی قبروں کو مسجد بنالیا۔“

اس سے معلوم ہو کہ کسی قبر کو مسجد بنانا اس پر ہی رت بنا کر اس طرف نماز پڑھنا حرام ہے یہی اس حدیث سے مراد ہے۔ قبروں پر کیا نہ بناؤ مسجد۔ قبر کو مسجد بنانے کے یہ معنی ہیں کہ اس کی عبادت کی جاوے۔ یا کم از کم اس کو قبہ بنا کر اس کی طرف سجدہ کو پجھاوے۔

علامہ بن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری میں فرماتے ہیں۔

قَالَ الْبَيْضاوِيُّ لَمَّا كَانَتْ الْيَهُودُ وَالنَّصْرِيُّ يَسْجُدُونَ لِقُبُورِ الْأَنْبِيَاءِ عَظِيمًا لَيْسَ بِهِمْ وَيَحْمِلُونَهَا قِلَّةً بَنُو خُفْيُونَ فِي الصَّلَاةِ حَوْهَاوَاتُحْدُوها وَثَنًا لِعَيْنِهِمْ وَمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَنْ هَذَا ذَلِكَ

"بہصادی نے فرمایا کہ جبکہ یہود و نصاریٰ غیر ہوس کی قبروں کو حقیقتاً سجدہ کرتے تھے اور اس کو قہر بنا کر اس کی طرف نماز پڑھتے تھے اور ان قبور کو اسوں نے بت بنا کر رکھا تھا لہذا اس پر حضور علیہ السلام نے لعنت فرمائی اور مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا گیا۔"

یہ حدیث معترضین کی پیش کردہ حدیث کی تفسیر ہوگئی۔ معلوم ہو گیا کہ قہر بنانے سے منع نہیں فرمایا بلکہ قبر کو سجدہ گاہ بنانے سے منع فرمایا۔ چوتھے یہ کہ یہ مما نہت حکم شرعی نہیں ہے۔ بلکہ زہد و تقویٰ کی تعلیم ہے جیسے کہ ہم پھر باب میں عرض کر چکے کہ بنے کے مکانات کو بختہ کرے سے بھی روکا گیا۔ بلکہ گر دیئے گئے پانچویں یہ کہ جب بنانے والے کا یہ عقاد ہو کہ اس عمارت سے میت کو راحت یا فائدہ پہنچتا ہے تو منع ہے کہ عہد خیال ہے اور اگر رازین کی آرائش کے لئے عمارت بنائی جاوے تو جائز ہے۔

ہم نے یہ تو جہیں اس لئے نہیں کہ بہت سے صحابہ کرام نے خاص خاص قبروں پر رات بنائی ہیں یہ فعل سنت صحابہ ہے چنانچہ حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ السلام کی قبر لور کے گرد عمارت بنائی۔ سیدنا ابن ربیع نے اس پر خوبصورت عمارت بنائی۔ حسن ثقی کی بیوی نے اپنے شوہر کی قبر پر قہر بنایا جس کو ہم بحوالہ مشکوٰۃ باب البراء سے نقل کر چکے۔ زہد و حسن ثقی کے اس فعل کے ماتحت ماحول قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب البراء میں فرماتے ہیں۔

الظَّاهِرُ أَنَّهُ لاجتماع الاحباب للذكر والبراءة وخصوص الاصحح بالنعمة اذ حمل فعليه على العبث المكروه فغير لائق لصنيع اهل البيت

"ظاہر یہ ہے کہ یہ قہر دو سنتوں اور صحابہ کے جمع ہونے کے لئے تھا تاکہ ذکر اللہ اور عبادت قرآن کریں اور دعائے مغفرت کریں۔ لیکن اس بی بی کے اس کام کو معص ہے فائدہ بنانا جو کہ مکروہ ہے یہ اہل بیت کی شان کے خلاف ہے۔"

صاف معلوم ہوا کہ بد فائدہ عمارت بنانا منع اور رازین کے آرام کے لئے جائز ہے۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حضرت نسیب قش رضی اللہ عنہما کی قبر پر قہر بنایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی عبدالرحمن کی قبر پر اور حضرت محمد ابن حنفیہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر پر قہر بنایا۔

میں نے شرح منوط امام مالک میں ابو عبد اللہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

وصربه غمره على قبر ريس بيت ححش و صربه عائشة على قبر احيها عبد الرحمن و صربه فحمذ ابن الحنفية على قبر ابن عباس و انما كرهه لمن صربه على وجه السمعة و المناهات

"حضرت عمر نے سب قش کی قبر پر قہر بنایا حضرت عائشہ نے اپنے بھائی عبدالرحمن کی قبر پر قہر بنایا محمد بن حنفیہ (ابن حضرت علی) نے ابن عباس کی قبر پر قہر بنایا رضی اللہ عنہم اور جس نے قہر بنانا مکروہ کہا ہے تو اس کے لئے جو کماں کو کھڑا دیا کے لئے بنائے۔"

بدائع الصنائع جلد اول صفحہ ۳۴۰ میں ہے۔

ردی ن بن عباس بن مالک بالظن صلی علیہ محمد بن الحنفیہ و جعل قبره مسلما و صرب علیہ فسطا

"جبکہ طائف میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا نقاش ہوا تو اس پر محمد ابن حنفیہ نے نماز پڑھی اور اس کی قبر احوال بنائی اور قبر پر قہر بنایا۔"

یعنی شرح بخاری میں ہے صربه فحمذ بن الحنفية على قبر ابن عباس صحابہ کرام نے یہ فعل کئے و رساری امت روضہ رسوں علیہ السلام پر جاتی رہی۔ کسی محدث کسی فقیہ کسی عام نے اس روضہ پر اعتراض کیا بعد اس حدیث کی وہی تو جہیں کی جاویں جو کہ ہم نے کہیں۔ قبر پر بیٹھنے کے معنی ہیں قبر پر چڑھ کر یہ منع ہے۔ کہ وہاں مجاور بننا۔ مجاور بننا تو جائز ہے۔ مجاور ہی کو تو کہتے ہیں جو قبر کا انتظام رکھے کھولے بند کرے کی چابی ہے پاس رکھے وغیرہ وغیرہ صحابہ کرام سے ثابت ہے، حضرت عائشہ صدیقہ مسلمانوں کی والدہ حضور علیہ السلام کی قبر لور کی منظر اور چابی والی تھیں۔ جب صحابہ کرام کو زیارت کرنی ہوتی تو اس سے ہی کھولا کرتے۔ دیکھو مشکوٰۃ باب الدفن۔ آج تک روضہ مصطفیٰ ﷺ پر مجاور رہتے ہیں کسی سے اس کو ناچائز نہ کہا۔

وعز ابى هياج بن الاسدي قال قال لى عمى الا بعثك على ما بعثي رسول الله عليه السلام ان لا تدع تمثلاً الا طعمته ولا قراً مشرفاً الا سؤيته

”بوہیاج سدی سے مروی ہے کہ مجھ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں تم کو اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھ کو حضور علیہ السلام نے بھیجا تھا وہ یہ کہ تم کوئی تصویر نہ چھوڑو مگر مٹا دو ورنہ کوئی اونچی قبر مگر اس کو بے گرو۔“

مفتاری جلد اول کتاب الحیات و طب الجبرید علی اقرش ہے۔

ورای این فسطاطا علی قبر عبد الرحمن بن قحطان امره یا غلام فائما یصله عمه

”ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبد الرحمن کی قبر پر قبہ خمدیکھا جس آپؐ نے فرمایا کہ اے بڑے کا سوا سوا دکر دو تین تک س پرانے عمل ساریہ کر رہے ہیں۔“
ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اگر کسی قبر پر عمارت بنی ہو یا قبر اونچی ہو تو اس کو گرا دینا چاہیئے۔

نوٹ ضروری اس حدیث کو رہنما کربجی دم بیوں نے صحابہ کرام اور اہل بیت کے عزرات کو گرا کر زمین کے سمور کر دیا۔

جواب جس قبروں کو گرا دیئے کا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا ہے وہ کفار کی قبریں تھیں۔ نہ کہ مسلمان کی۔ اس کی چند وجہ ہیں۔ اولاً تو یہ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں تم کو اس کام کے لئے بھیجتا ہوں۔ جس کے لئے مجھے حضور علیہ السلام نے بھیجا۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں جس قبروں کو حضرت علی نے گرایا وہ مسلمانوں کی قبریں نہیں ہوتیں۔

کیونکہ ہر صحابی کے ذہن میں حضور علیہ السلام شرکت فرماتے تھے۔ نیز صحابہ کرام کو کوئی کار بھی حضور علیہ السلام کے بغیر مشورہ کے نہ کرتے تھے لہذا اس وقت جس قدر قبور مسلمین بنیں۔ وہ یہ تو حضور کی موجودگی میں یہ آپ کی اجازت سے تو وہ کون سے مسلمانوں کی قبریں تھیں جو کہ ناجائز بن گئیں اور ان کو مٹانا پڑا۔ ہاں جیسا کہ ان کی قبور اونچی ہوتی تھیں۔

بخاری شریف صفحہ ۶۱ مسند نبوی کی تعمیر کے بیان میں ہے۔

امر السبی علیہ السلام بقبور المشرکین فیئبث حضور مدیہ اسلام نے مشرکیں کی قبروں کا قلم دیا نہیں اکیڑوی گئیں۔“ بخاری شریف جلد ۱ صفحہ ۶۱ میں ایک باب ہاتھ ہاں بسش قوز مشرکی الحہ بیتہ کیا مشرکین زمانہ جاہلیت کی قبریں اکیڑوی جاویں اسی کی شرح میں ۵۵ ابن حجر فتح باری شرح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۶ میں فرماتے ہیں۔

ای ذور عذابم قتل الاساء و اتاعهم لیا فر دیک اهره لهم

"یعنی اسوا انبیاء اور ان سے متعین کے کیونکہ ان کی قبریں اُحسانے میں ان کی ہوت ہے۔"

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

وفي الحديث حور تصرف في السفرة المملوكة وحور يشقن قبر دراسة اذالم يكن محرمه

”اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ جو قبرستان ملک میں آگیا اس میں تعریف کرنا جائز ہے اور پرانی قبریں اکھاڑ دی جائیں بشرطیکہ محترمہ نہ ہوں۔“ اس حدیث اور اس کی شرح کے خلاف کی پیش کردہ حدیث علی رضی اللہ عنہ کی تفسیر کروئی کہ مشرک کی قبریں گرئی جاویں۔ دوسرے اس نے کہا اس میں قبر کے ساتھ ٹوٹو کا کیوں ذکر ہے۔ مسلمان کی قبر پر ٹوٹو نہاں ہوتا ہے؟ معلوم ہوا کہ کفار کی قبریں ہی مراد ہیں۔ کیونکہ ان کی قبروں پر میت کا ٹوٹو بھی ہوتا ہے۔ تیسرے اس نے کہا فرماتے ہیں کہ اونچی قبر کو زمین کے برابر کر دو اور مسلمان کی قبر کے لئے سنت ہے کہ زمین سے ایک ہاتھ اونچی رہے۔ اس کو بالکل پیوند زمین کرنا خلاف سنت ہے۔ ماننا پڑے گا کہ یہ قبور کفار تھیں ورنہ تعجب ہے کہ سیدنا علیؓ تو اونچی قبریں اکھاڑوائیں اور ان کے فرزاد محمد بن حنفیہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قبر پر قبہ بنائیں۔ اگر کسی مسلمان کی قبر اونچی بن بھی گئی۔ تب بھی اس کو نہیں اکھاڑ سکتے کیونکہ اس میں مسلمان کی توہین ہے۔ اولاً اونچی نہ بننا مگر جب بن جائے۔ تو نہ مٹاؤ۔ قرآن پاک چھوٹا سا زچہ پنا منع ہے دیکھو شامی کتاب الکراہیہ۔ مگر جب چھپ گیا تو اس کو بھی ٹکڑہ جلاؤ۔ کیونکہ اس میں قرآن کی بے ادبی ہے احادیث میں درود ہے کہ مسلمان کی قبر پر بیٹھنا وہاں پاحات کرنا وہاں جوتہ سے چھنا ویسے بھی اس پر چلنا پھرنا منع ہے مگر افسوس کہ نجدی نے صحابہ کرام کے حرات گرنے اور معلوم ہوا ہے کہ بحدو میں انگریز عیسائیوں کی اونچی اونچی قبریں برابر بن رہی ہیں صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم **بفسوس۔ اهل الاسلام وبتترکوں اهل الاصنام** ہر ایک کو اپنی جنس سے محبت ہوتی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے سند لانا محض بے جا ہے وہ تو خود مر رہے ہیں کہ میت پر عمار کا سایہ کافی ہے جس سے معلوم ہوا کہ اگر میت پر سایہ کرنے کے لئے قبہ بنایا تو جائز ہے۔ یعنی شرح بخاری اسی حدیث میں عمر کے ماتحت فرماتے ہیں۔

وہی اشارۃً لی ان صرب الفسطاط لعرص صحیح کاشتر من الشمس مثلاً للاحیاء لا
لاجلال الحیت بخار

”دھراشارو ہے کہ قبر پر کچھ غرض کے لئے خیمہ لگانا جیسے کہ مردوں کو دھوپ سے بچانے کے لئے۔ کہ میت کو سایہ کرے کے لئے جائز ہے۔“
 اس کا تجربہ خود مجھ کو اس طرح ہوا کہ میں ایک دلدرد پہر کے وقت ایک گھنٹہ کے لئے سیاہ لکڑی لیا۔ بہت شوق تھا کہ ملا عبد الحکیم فاضل سیالکوٹی علیہ الرحمۃ
 کے مزار پر فاتحہ پڑھوں۔ کیونکہ ان کے خواہی دیکھنے کا کفر مشفقہ ہوا ہاں پہنچا۔ قبر پر کوئی سناہن نہ تھا۔ زمین گرم تھی دھوپ تیز تھی مشکل تو میں چند
 آیات پڑھ کر گوراؤ ہاں سے ہٹا پڑا۔ جذبہ دس دس ہی میں رو گیا۔ اس دن معلوم ہوا کہ حرارات پر مہر رات بہت فائدہ مند ہیں۔ تفسیر روح البیہا
 پارہ ۲۶ سورہ فتح پر آیت **ادبایغومک تحب الشجرة** ہے کہ بعض مطرور لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ آجکل لوگ دلیہ والہ کی قبروں کی
 تعظیم کرتے ہیں لہذا ہم رقبہ قبروں کو گرائیں گے تاکہ یہ لوگ دیکھ لیں کہ اویہ والہ میں کوئی قدرت نہیں ہے ورنہ وہ اپنی قبروں کو گرنے سے بچا بیٹے۔
فاعلم ان هذا الضبیع کفر صراخ ماخوذ من قور فرعون دروسی قتل موسی ولبدع رثہ ابی
احاف ان یبذل دینکم او ان یظہر فی الارض الفساد
 ”تو جان لو کہ یہ کام خالص کفر ہے فرعون کے اس قور سے ماخوذ ہے کہ چھوڑ دو مجھ کو میں موسیٰ کو قتل کر دوں وہ اپنے خدا کو بلا لے میں خوف کرتا ہوں
 کہ تمہارا دین بدس دیگا یا زمین میں فساد پھیلادے گا۔“

مجھ سے ایک ہار کسی نے کہا کہ اگر اویہ والہ یا صحابہ کر میں کچھ طاقت تھی تو نجدی وہابیوں سے اپنی قبروں کو کیوں نہ پھینکا؟ معلوم ہوا کہ یہ محض مردے
 ہیں پھر ان کی تعظیم و توقیر کیسی؟ میں نے کہا کہ حضور علیہ السلام سے پہلے کعبہ معظمہ میں تین سو سترھ ۳۶۰ بت تھے وراحدیث میں ہے کہ قریب
 قیامت ایک شخص کعبہ کو گرا دے گا۔ آج رات میں مسجد شہید گنج سکھوں کا گوردوارہ بن گئی۔ بہت سی مسجد ہیں جو کہ برہادر کی گئیں تو گر ہندو
 کہیں کہ گرجا میں طاقت تھی تو اس نے پتاھر ہارے ہاتھوں سے کیوں نہ پھینکا؟ اویہ والہ یا ن کی مقابر کی تعظیم ان کی مجبوریت کی وجہ سے کی
 ہے۔ نہ کہ محض قدرت سے جیسے کہ مسجد در کعبہ معظمہ کی تعظیم ابن سعود نے بہت سی مسجدیں بھی گرائیں جیسے کہ مسجد سیدنا بلال کو و صفیہؓ وغیرہ۔

بحث مزارات پر پول ڈالنا چادریں چڑھانا چراغاں کرنا

اس بحث میں تین مسائل ہیں قبروں پر پھول ڈالنا، چادریں چڑھانا، چراغاں کرنا۔ اہل سنت کا فرمان ہے کہ پھول ڈالنا تو ہر موسم کی قبر پر جائز ہے خواہ ولی اللہ ہو یا گنہگار اور چادریں ڈالنا اور بے علاء مصحاء کی قبر پر جائز عوام مسلمانوں کی قبر پر ناجائز ہے۔ فائدہ ہے قبر پر چراغ جلانا اس میں تفصیل ہے عام مسلمانوں کی قبر پر تو بلا ضرورت ناجائز ہے اور ضرورتاً جائز اور ولی اللہ کی قبر پر صاحب مزار کی عظمت شان کے اظہار کے لئے بھی جائز ہے ضرورت میں تین ہیں یا تو رات میں مردے کو دفن کرنا ہے روشنی کی ضرورت ہے جائز ہے۔ قبر رستہ کے کنارے پر ہے تو اس لئے چراغ جلادینا کہ کسی کو خوف نہ لگے یا کوئی خیر پا کر فاتحہ پڑھے تو جائز ہے یا کوئی شخص شب میں کسی مسلمان کی قبر پر گیا وہاں کچھ قرآن وغیرہ دیکھ کر پڑھنا چاہتا ہے روشنی کرے جائز ہے اگر اس میں سے کوئی بات بھی نہیں تو چراغ جلانا قصور خرقہ اور سراف ہے ہذا منع۔ مزارات ولی اللہ پر اگر ان میں سے کوئی ضرورت بھی۔ ہو تب بھی تعظیم و دل کے لئے جائز ہے خواہ ایک چراغ جلانے یا چند ان تینوں باتوں کا تخمینہ بننا کر کرتے ہیں۔ اس لئے اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں ان کا ثبوت اور دوسرے باب میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلا باب ان کے ثبوت میں

ہم اس سے پہلے بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ اولیاء اللہ و ان کے مزارات شعائر اللہ ہیں یعنی اللہ کے دین کی نشانیوں کی تعظیم کرنے کا قرآن حکم ہے **وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْفُتُورِ** اس تعظیم میں کوئی قید نہیں ہر ملکہ ہر سے جس ملک میں اور جس زمانہ میں جو بھی جائز تعظیم مروج ہے وہ کرنا جائز ہے ان کی قبروں پر پھول ڈالنا، چادریں چڑھانا، چراغاں کرنا سب میں ان کی تعظیم ہے ہذا جائز ہے۔ ترپھوں میں چونکہ زندگی ہے اس لئے وہ تسبیح و تہلیل کرتا ہے جس سے میت کو ثواب ہوتا ہے یا اس کے عذاب میں کمی ہوتی ہے۔ زترین کو خوشبو حاصل ہوتی ہے لہذا یہ ہر مسلمان کی قبر پر ڈالنا جائز ہے اگر مردے کو عذاب ہو رہا ہے تو اس کی تسبیح کی برکت سے کم ہوگا اس کی اصل وہ حدیث ہے جو مشکوٰۃ باب آداب القادریہ فصل اول میں ہے کہ ایک بار حضور علیہ السلام کا دو قبروں پر گر رہا ہو فرمایا کہ دونوں میتوں کو عذاب ہو رہا ہے ان میں ایک تو پیشاب کی پھینٹوں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا غلطی کرتا تھا۔

ثُمَّ حَدَّ حَرِيدَةً رَطْبَةً فَشَفَّاهَا بِصَفِيٍّ ثُمَّ عَرَّرَ لِي كُلِّ قَبْرِ وَاحِدَةٍ قَنُورًا بِرَسُولِ اللَّهِ لِمَا صَعَتَ هَذَا فَصَالَ لَعْنَهُ اِنْ يُحْطَفَ عَظْمًا مَالَهُ يَبْسَا

”لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے یہ کیوں کیا؟ فرمایا کہ جب تک یہ خشک نہ ہوں جب تک ان کے عذاب میں کمی رہے۔ کہا گیا ہے کہ اسٹے عذاب کم ہوگا کہ جب تک تر رہیں گی تسبیح پڑھیں گی اس حدیث سے علماء نے قبر کے پاس قرآن پڑھنے کو مستحب فرمایا۔ کیونکہ تلاوت قرآن شایخ کی تسبیح سے زیادہ اس کی حقدار ہے کس اس عذاب کم ہو۔“

احسن المعامات میں اسی حدیث کے تحت ہے تسک کنند جماعت۔ یہ حدیث در نہ ائین سبزہ اکل ریحاں بر قبور۔ اس حدیث سے ایک جماعت دلیل نکالتی ہے قبروں پر بہری پھول اور خوشبو ڈالنے کی جواز میں۔ مرقاۃ میں اسی حدیث کی شرح میں ہے۔

وَمِنْ ثَمَّ اَفَنِي بَعْضُ الْاَتَمَنَةِ مِنْ مَتَّ خَرِي اَصْحَابًا بَا مَا اَعْبَدَ مِنْ وَصَّعِ الرُّبُحَانِ وَ الْحَرِيدِ سُنَّةُ لِهَذَا الْحَدِيثِ وَقَدْ ذَكَرَ الْحَرِيَّ نَ يَرِيدُ الْحَصْبِ الصُّحَابِي اَوْ صَيَّ اِنْ يُجْعَلُ فِي قَبْرِهٖ حَرِيدَتَانِ معلوم ہوا کہ مزاروں پر تر پھول ڈالنا سنت ہے۔

طحاوی علی مرقاۃ الفلاح ص ۳۶۴ میں ہے۔

قَدْ اَفَنِي بَعْضُ الْاَتَمَنَةِ مِنْ مَتَّ خَرِي اَصْحَابًا بَا مَا اَعْبَدَ مِنْ وَصَّعِ رُبُحَانٍ وَ الْحَرِيدِ سُنَّةُ بِهَذَا الْحَدِيثِ ”ہمارے بعض متاخرین اصحاب نے اس حدیث کی وجہ سے فتویٰ دیا کہ خوشبو اور پھول چڑھانے کی جو عادت ہے وہ سنت ہے۔“

ان حضراتوں میں جو فرمایا کہ بعض نے فتویٰ دیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ بعض علماء اس کو جائز کہتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ بعض نے سنت مانا ہے جائز تو سب ہی کہتے ہیں سنت ہونے میں اختلاف ہے عالمگیری کتاب النکاح بہت جہد و محنت باب زیارت القبور میں ہے۔

وَصَّعُ لَوْدُوَ الزُّبَا حِينَ عَلِيٍّ لِقُبُورِ حَسَنِ قبروں پر پھول اور خوشبو رکھنا اچھا ہے۔

شامی جلد اول بحث زیارت القبر میں ہے۔

وَيُؤْخَذُ مِنْ دَمِكَ وَمِنْ الْحَدِيثِ تَذَاتُ وَصَعْدُكَ لِلْبَاعِ وَيُقَاسُ عَلَيْهِ مَا عَتَبَ فِي رَمَاتٍ مِنْ
وَضَعِ أَغْصَانِ الْأَسْرِ وَنَحْوِهِ

”س سے بھی اور حدیث سے بھی ان چیزوں کے قبروں پر رتھنے کا احتیاج مظلوم ہوتا ہے اور اسی وجہ سے قبروں پر آس کی شاخیں وغیرہ چڑھانے کو بھی قیاس کیا جاوے گا جس سے ہمارے زمانہ میں رد و ملح ہے۔“

شہابی اسی جگہ ہے۔

وتعالىٰه بالتَّحَمُّفِ عَنْهُمْ مَالِهِ يَسْمَايُ يُحَفِّفُ عَنْهَا بَرَكَةَ تَمْيِيعِهَا أَذْهَوُ اكْمَلُ مِنْ تَمْيِيعِ
الْيَاسِ لِمَا عَلَى الْأَخْطَرِ تَوْعُ حَيَاةِ

”کی عذاب کی عمت ہے، لاکھ لاکھ تہ ہونے لگی تھیج کی برکت سے عذاب قبر میں کی ہوگی کیونکہ ہری شری کی تھیج خلک کی تھیج سے زیادہ کامل ہے کیونکہ اس میں ایک قسم کی زندگی ہے۔“

اس حدیث اور محدثین و فقہاء کی عبارت سے دو باتیں معلوم ہونگی ایک تو یہ کہ ہر ہزینہ کا رکھنا ہر مسلمان کی قبر پر جائز ہے۔ حضور علیہ السلام نے ان قبروں پر شاخیں رکھیں۔ عذاب ہو رہا تھا اور دوسرے یہ کہ عذاب کی کی ہزینے کی تسبیح کی برکت سے ہے نہ کہ محض حضور علیہ السلام کی دعا سے مگر محض دعا سے کی ہوتی۔ تو حدیث میں مشک نہ ہونگی کیوں قید لگائی جاتی ہے اگر ہم بھی آج پھول وغیرہ رکھیں تو بھی اس شہادتِ اقدس کو فائدہ ہوگا۔ بلکہ عام مسلمانوں کی قبروں کو نکھار رکھنے میں یہی مصلحت ہے۔ کہ ہاتھ میں اس پر ہزینہ اس سے اور اس کی تسبیح سے میت کے عذاب میں کمی ہو۔ ثابت ہو کہ پھول وغیرہ تو ہر ہزینہ قبر میں رکھا جاتا ہے۔ سو ہی اشرف علی صاحب نے اصلاحِ ارسام میں لکھا کہ پھول وغیرہ فاسقوں، فاجروں کی قبروں پر ڈالنا چاہیے۔ نہ کہ قبورِ اویسہ پر اس کے ۷۲ رات میں عذاب ہے ہی نہیں۔ جس کی پھول وغیرہ سے تخفیف کی جائے۔ مگر خیال رہے کہ جو اعمال گنہگار کے لئے دفعِ مصیبت کرتے ہیں وہ صالحین کے لئے جہنمی درجات کا فائدہ دیتے ہیں دیکھو مسجد کی طرف چلنا ہمارے مومن و معارف کرتا ہے مگر صالحین کے درجات بڑھاتا ہے۔ ایسے ہی بعض دعائیں مجرموں کے گناہوں کی معافی ہیں اور صالحین کے مرتبہ بڑھاتی ہیں۔ اس قاعدہ سے مراد آتا ہے صالحین نے مسجد میں آئیں نہ منتظر ہوں کہ وہ گناہوں سے پاک ہیں۔ جناب ان پھولوں کی تسبیح سے ان قبروں میں رحمت الہی اور بھی زیادہ ہوگی جیسے وہاں علاماتِ قرآن سے۔

۲) اَلِیاءُ اللہ کی قبروں پر چادریں ڈالنا جائز ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے عالمِ مازنین کی نگاہوں میں صاحبِ قبر کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔

شامی جلد ۵ کتاب انکراہیت پاب نہیں مہی ہے۔

قدال فی فتاویٰ السحرة و مکبرہ لشور علی الصور و مکن محس ہوں لای دافصددہ لعصم فی عیون بعاقۃ لا یحقر و صاحب القبر بل حلب العشوع و لادب للعصم و مرنہیں فہو حائر لای الاعمال باناب

”یعنی فتاویٰ چھ میں ہے کہ قبروں پر غلاف پردے کر دے ہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ آج کل اگر اس سے عوام کی نگاہ میں تعظیم مقصود ہوگا کہ وہ صاحب قبر کی حقارت نہ کریں بلکہ غفلتوں کو اس سے ادب خشوع حاصل ہو تو چاہے کیونکہ عمل نیت سے ہیں۔“

شہابی کی اس عہد امت نے فیصلہ کر دیا کہ جو چاہے عز کام اور یا اللہ کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے ہو۔ وہ جائز ہے۔ در چادر کی اصل یہ ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ پاک میں بھی کعبہ معظمہ پر عطا تھا۔ اس کو منع نہ فرمایا۔ صدیقوں سے حضور علیہ السلام کے روضہ پاک پر عداغ بہتر نشی چڑھا ہوا ہے۔ جو نہایت قیمتی ہے۔ آج تک کسی نے اس کو منع نہ کیا۔ مقام ابراہیم یعنی دو حجر جس پر کمرے ہو کر حضرت خلیل نے کعبہ معظمہ بنایا اس پر بھی عداغ چڑھا ہوا ہے اور عمارت بنی ہوئی ہے۔ اللہ کی شان کہ بھری وہاں سے بھی ان کو اسی طرح قائم رکھا۔ اس پر عداغ کیوں چڑھائے؟ اس چیزوں کی عظمت کے لئے احترام دیا۔ کے لئے ان قبور پر بھی عداغ وغیرہ ڈنا مستحب ہے۔

تفسیر روح البیان پارہ سوم، توحید پر آیت اُنَا بَعَثْنَا مُسْحِدًا لِّهِمْ اَمِّنٌ بِاللّٰهِ ہے۔

تفسیر روح البیان پارہ سومہ توبہ پر آیت اِنَّمَا بِعَمْرِؤْ مَسْجِدُ اللّٰهِ مِنْ اَمْسٍ بِاللّٰهِ ۔

فَبَاءُ الْقُبَاتِ عَلَى قُبُورِ الْعَمَمَاءِ وَ لَاوِيَاءُ وَ لَصُدْحَاءُ وَ رَصْعُ السُّتُورِ وَالْعَمَانَةُ وَ لَثِيَابُ عَنَى
قُبُورِهِمْ أَمْرٌ جَانِزٌ إِنْ كَانَ الْقَصْدُ بِدَايَةِ التَّعْظِيمِ فِي أَعْيُنِ الْعَمَّةِ حَتَّى لَا يَحْتَضِرُوا أَحَدًا مِنْ هَذِهِ الْقُبُورِ
”علماء ادیب و اور صاحب لکھیں کی قبروں پر عمرات بنانا اور اس پر غداق و دعا مبارکیزے پڑھانا ناچار کام ہیں جیسا اس سے مقصود ہو کہ عوام کی نگاہ میں ان
کی عزت ہو اور لوگ ان کو حقیر نہ جانیں۔“

”علماء ادیب اور صحابہ کی قبروں پر رات بٹانا اور اس پر تعذیب و رعب مباد کر کے چڑھنا ناجائز کام ہیں جبکہ اس سے مقصود ہو کہ حوام کی نگاہ میں ان کی عزت ہو اور لوگ ان کو حقیر نہ جانیں۔“

(۳) عام مسلمانوں کی قبر پر ضرورۃً اولیاء اللہ کی حارات پر قہار عظمت کے لئے چرخ روشن کرتا جائز ہے۔ چنانچہ حدیقتاً یہ شرح طریقہ محمدیہ مصری جلد دوم صفحہ ۳۲۹ میں ہے۔

احسراج الشُّعُوعِ إِلَى الْقُبُورِ بَدْعُهُ وَاتِّلَافُ مَا بَيْنَ كَدِّهِ لِنُورِهِ وَهَذَا كُنْهٌ إِذَا حُلَاغُ هَانِدَةٍ وَأَمَّا إِذَا كُنْ مَوْصِعُ الْقُبُورِ مَسْحَدًا أَوْ عَمَى طَرِيقٍ أَوْ كُنْ هَذَا كَحَالَتِ أَوْ كُنْ فِرَ وَلِيٍّ مِنَ الْأَوْلِيَاءِ وَعَالِمٍ مِنَ الْمُحَقِّقِينَ عَظِيمًا لِرُوحِهِ عِلَافٌ لِلنَّاسِ أَنَّهُ وَلِيُّ لَيْسَرٍ كُنْ أَيْهِ وَيَدْعُو اللَّهَ عَالِي عَدَهُ فَيَسْتَحَابُّ لَهُمْ فَهُوَ مَوْ حَانَرُ

"قبروں پر چرخ اٹھانے جانا بدعت اور مال کا ضائع کرنا ہے اسی طرح برازیہ میں ہے یہ تمام حکم جب ہے جبکہ بے فائدہ ہو لیس اگر کسی قبر کی جگہ مسجد ہو یا قبر راستہ پر ہو یا وہاں کوئی جینا ہو یا کسی دی یا کسی حلقہ کی قبر ہو تو اس کی رونق کی تعظیم کرے اور لوگوں کو بتانے کے لئے کہ یہ دی کی قبر ہے تاکہ لوگ اس سے برکت حاصل کریں اور وہاں اللہ سے دعائیں کر لیں تو چرخ جلانا جائز ہے۔"

تفسیر روح البیان پارہ ۱۰ سورہ توبہ آیات ۱۸۱-۱۸۲ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنِ

وَكَذَلِكَ يُبَيِّضُ اللَّهُ لِقَابَهُ وَالشُّعُوعِ عَدَ الْقُبُورِ الْأَوَّلُ وَالصُّحَاءُ وَالْحُلَالُ لِلْأَوَّلِ، فَالْمَقْصِدُ فِيهَا مَقْصِدُ حَسَنٍ وَمَدْرُ نَزِيَّتٍ وَالشُّعُوعِ لِلْأَوَّلِ، يُوقِدُ عَدَ الْقُبُورِ هُمُ الْعَظِيمُ لَهُمْ وَمَحَبَّةٌ فِيهِمْ حَانَرُ لَا يَسْمَعِي سَهْبِي عَدَ " اسی طرح اولیاء صالحین کی قبروں کے پاس قدیل اور موسم تیل جلانا کی عظمت کے لئے چنانچہ اس کا مقصد صحیح ہے لہذا جائز ہے اور اولیاء کے لئے تیل اور موسم تیل کی نذر ماننا تاکہ ان کی عزت کے لئے ان کو نور کے پاس جلانی حادیں جائز ہے۔ اس سے منع نہ کرنا چاہئے۔"

علامہ ناصبی علیہ الرحمۃ نے اپنے رسالہ کشف السور من اصحاب القبر میں بھی بالکل یہی مضمون تحریر فرمایا اور عقل کا بھی تلافی ہے کہ یہ امور جائز ہوں جیسا کہ ہم گنبد کے بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ ان حارات اولیاء اللہ کی رونق سے اسلام کی رونق ہے عالم و خط کو چاہیے کہ اچھا لکھ سچے عید کے دن سنت ہے کہ ہر مسلمان عمرہ ہاں پہنے اور خوشبو وغیرہ لگائے کیوں؟ اس لئے لوگ دین کو راکریں معلوم ہوا کہ جس کا تعلق عام مسلمانوں سے ہو اس کو انہی طرح رہنا چاہئے۔ اور حارات اولیاء تو زیارت گاہ حقائق ہیں اس پر اہتمام وغیرہ کرنا بھی ضروری ہے۔ میں تجہی و ہادیوں کی حکومت میں حج کو گیا وہاں جا کر دیکھا کہ کعبہ معظمہ کے گردگوں دائرہ کی شکل میں بہت سے برقی تفرقے جلتے تھے اور عظیم شریف کی دیو پر بھی روشنی تھی۔ خاص دروازے کعبہ پر فتح کا فوری چار چار جلانی جاتی تھیں۔ جب مدینہ منورہ حاضری نعیم ہوئی تو یہاں روضہ رسول علیہ السلام پر کعبہ معظمہ سے کہیں بڑھ کر روشنی پائی۔ یہاں کے بسبب تیز اور زیادہ تھے بہت روشنی تھی۔ ایک صاحب نے کہا کہ کعبہ بیعت اللہ ہے اور حضور علیہ السلام نور اللہ اور طاہر ہے کہ گھر میں روشنی نور ہی کی ہوتی ہے معلوم ہوا کہ زمانہ ترکی میں اس سے کہیں زیادہ روشنی ہوتی تھی۔ یہ تمام اہتمام کیوں ہیں؟ لوگوں کی نگاہ میں عظمت پیدا کرنے کے لئے تو مقابر اولیاء پر بھی تو وہاں ہی کی جلی ہے۔ پھر اگر یہاں روشنی کا اہتمام ہو تو کیا برقی ہے؟ آج ہم اپنے گھر میں شادی بیاہ کے موقع پر چراغاں کرتے ہیں یا بجائے چراغ یا لٹیں کے گیس جلاتے ہیں۔ جس میں تیل بہت خرچ ہوتا ہے۔ مگر اس کے حصوں میں بیسویں روپیہ خرچ ہو جاتا ہے۔ ابھی چند سال گزرے کہ مراد آباد میں دیوبندیوں نے مسجد العلماء کا جلسہ کیا۔ جس میں برقی روشنی کھنکھوں کو خیرہ کرتی تھی۔ میرے خیال میں تیس شب کم از کم ڈیڑھ سو روپیہ محض روشنی پر خرچ ہو ہوگا۔ یہ مجلس مجمع کو خوش کرنے کے لئے تھا اسی طرح دینی جلسوں میں مہنڈیاں لگائی جاتی ہیں۔ واعظین کے گھلوں میں پھولوں کے ہار ڈالے جاتے ہیں نہ یہ اسراف ہے اور نہ حرم۔ یہ مجالس عرس دینی جیسے ہیں ان میں بھی یہ امور جائز ہیں۔

دوسرا باب

اس پر اعتراضات و جوابات میں

ان تین مسائل پر مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات ہیں جن کو وہ مختلف طرح بیان کرتے ہیں۔

اعتراض ۱

حضور علیہ السلام نے فرمایا **اِنَّ اللہَ لَمَعَ بِامْرِ مَا لَمْ يَكُ مِنَ الْحَجَارَةِ وَ طَبِیْ رِبِّیْ** نے ہمیں علم نہ دیا کہ پتھروں و ریشمی کو کپڑے پہنائیں (مکتوبات العباد) اس سے معلوم ہوا کہ قبروں پر چادر یا عذافہ الناحرام ہے کہ وہاں بھی پتھر ملتی ہی ہے۔

جواب

اس سے مکانات کی دیواروں پر بلا ضرورت تکلفا پردے کا تاثر آتا ہے اور یہ بھی تقویٰ اور رہبر کا عذاب ہے یعنی مکانات کی زینت عذافہ رہا ہے اسی حدیث میں ہے کہ عاتقہ صدیقہ نے دیوار پر عذافہ ڈال دیا۔ اسے پھاڑ کر یہ فرمایا۔ تو رادیاہ کی چادر کو اس سے کوئی تعلق نہیں کعبہ معظمہ پر قیمتی سیاہ عذافہ ہے اور دھندلے مومن اللہ علیہ السلام پر سنز و عذافہ کعبہ ربوبی میں تھا۔ بتاؤ وہ جائز ہے تو قبور کی چادر بھی جائز ہے۔

اعتراض ۲

قبروں پر پھول یا چادر ڈالنا وہاں روشنی کرنا اسراف اور فضول خرچی ہے ہذا منع ہے اولیاء اللہ کی قبروں پر بہت سے پھول اور چراغ ہوتے ہیں۔ ضرورت پوری کرنے کے لئے ایک پھول یا ایک چراغ بھی کافی ہے۔

جواب

اسراف کے معنی ہیں بے فائدہ مال خرچ کرنا۔ چونکہ اس پھولوں اور چراغوں اور چادروں میں وہ فوائد ہیں جو کہ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں ہذا یہ اسراف نہیں رہا۔ رہا کام چلنے کا غدر۔ اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ ہم کرتے اس پر داسکتے اس پر اپکن پہنتے ہیں۔ پھر وہ بھی قیمتی کپڑے کی حالت کام تو صرف ایک کرتے میں بھی چل سکتا ہے اور معمولی پنز کفایت کر سکتا ہے۔ بتاؤ یہ اسراف ہو یا نہیں۔ اسی طرح عمارت اور مدینہ خورک، سواریاں اور دیگر دنیاوی آرائشی سامان کہ ان سب میں خوب وسعت کرتے ہیں۔ حالانکہ ان سے کم ورنہ سے اولیٰ چیزوں سے بھی کام چل سکتا ہے۔ لیکن اسراف نہیں جس کو شریعت نے حلال کیا وہ مطلقاً حلال ہے۔

قُلْ مَن حَرَّمَ رِبْیَہُ لِلّٰہِ خِرَ حَیْثُ سَاسَ

اعتراض ۳

مکتوبات العباد میں ہے۔

لَعَنَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمُ رَاوِبَ النُّصُورِ وَ الْمُنْحَدِیْنَ عِبِہَا الْمَسْحَدَ وَ الشُّرَحَ

"یعنی حضور علیہ السلام نے لعنت فرمائی۔ قبروں کی زیارت کرنے والوں پر اور قبور پر مسکھیں بنانے والوں اور چراغ جلائے والوں پر۔"

اس سے معلوم ہوا کہ قبور پر چراغ جلائے نہایت کاسب ہے۔ قادیانی عائشہ کی میں ہے۔ احرار الشروع اسی المقابر بدعتہ لا ھل ھل اسی طرح قادیانی برادری میں بھی ہے۔ "یہی قبرستان میں چراغے جاتا بدعت ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں۔" شامی جلد دوم کتاب الصوم میں ہے۔

اَمَّا بِنَدْرِیْنَا لَا یَعَادُ قَدْبِلَ فَوْقَ صَوْبِیْ شَیْخٍ اَوْ فِی الْمَسَارَةِ کَمَا تَفْعَلُ النِّسَاءُ مِّنْ مِّدْرِ الرَّیْبِ

لَسِیْدِیْ عَبْدِ الْقَادِرِ وَ یُوْقَدُ فِی الْمَسَارَةِ حَہْہُ لَشُرِّیْ فِہُوْہَا حَلِّیْ

"لیکن اگر شیخ کی قبر پر دینارہ میں چراغ جلائے کے لئے تیل کی نذر دینی بھی کہ عورتیں حضور فوت پاک کے لئے تیل کی نذر دیتی ہیں اور اس کو مشرقی دینارہ میں جلاتی ہیں یہ سب باطل ہے۔"

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی سے ارشاد اعلیٰ میں لکھا۔ "کہ چراغوں میں بدعت است جمہرہ ریح افروزاں نزد قبور مجددہ کنند گاہ لعنت گفت۔ چراغوں کی بدعت ہے حضور علیہ السلام نے قبر کے پاس چراغوں کرنے اور مجددہ کرنہوں پر سنت فرمائی شاہ عبدالعزیز صاحب کے قادیانی میں صفحہ ۴ پر ہے۔ دالار کتاب عمرات از روش کردن چراغیایوں ساختن قبور بدعت شیعہ اند۔" لیکن عروس میں حرم کام کرنا جیسے کہ چراغوں کرنا ان قبروں کو خلاف پیمانہ سب بدعت سمجھیں۔

ان عمارت سے صاف معلوم ہوا کہ چراغوں پر حررات محض حرام ہے۔ رہا یہ کہ خرمیں شریعہ میں چراغوں ہوتا ہے تو یہ فعل کوئی حجت نہیں کیونکہ خیر القرون کے بعد ایجاد ہو جسکا اعتبار نہیں ترکی سہلت نے بجا دیا ہے۔

جواب

یہ اعتراض حقیقت میں چھ اعتراضوں کا مجموعہ ہے۔ اور ان ہی کے بل بوتے پر مخالفین بہت شور مچاتے ہیں۔ جو بات ملاحظہ ہوں۔ ہم اس بحث کے پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں کہ کسی قبر پر بے فائدہ چراغ جلائے منع ہے یہ فضول خرچی ہے اگر کسی فائدہ سے ہو تو جائز ہے۔ نو نذکر چار بیان کئے۔ خیر تو عام مہینوں کی قبروں کے لئے اور چوتھی یعنی تعظیم روح مثلاً کچھ علماء کی قبور کے لئے۔ اس حدیث میں جو قبور پر چراغ جلانے کی ممانعت ہے وہ اسی کی ہے جو کہ بے فائدہ ہو۔

چنانچہ حاشیہ مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

و انتهى عن اتحاد الشرح لما فيه من تصحيح الجائ

”قبروں پر چرخ جلائے سے سسے ممانعت ہے کہ اس میں ہر باد کرا ہے۔“

اسی طرح مرقاۃ شرح مشکوٰۃ وغیرہ نے تصریح فرمائی۔ حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ جلد دوم ص ۳۶۹ مصرعی میں اسی حدیث کو ذکر کر کے فرماتے ہیں۔

ای الہیں یوقذون الشرح عمن القبور عبثاً من غیر فائدة

”منا لوگوں پر لعنت فرما کی جو کہ قبروں پر بھانڈا دھبٹ چڑھ چلا تے ہیں۔“

مقلوۃ باب الدفن میں ہے۔ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دُحِلَ لِيَلْقَى سِرَاجَ

”یہ کریم یک شب فوجیہت کیسے قبرستان میں شریف ے گئے تو آپ کے لئے چراغ جلایا گیا۔“

دوم یہ کہ حدیث میں ہے۔ **وَالْمُخَدَّبِينَ عَلِيًّا الْمَسْحُودَ وَالْمُسْرُوحَ** حضور علیہ السلام نے ان پر لعنت فرمائی جو قبروں پر مسجدیں

ہائیکس اور چرخ جہانمیں۔ محافل قاری اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی، دکنگشا رخص اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ خود قبر پر مسجد بنانا کہ قبر کی

طرب محمد ہوا قبر فرض مسجد میں آجائے یہ منع ہے لیکن مگر قبر کے پاس مسجد بورڈ رکھیں تو جائز ہے یہی اس جگہ انہوں نے اہل کے اپنے حقیقی معنی

پر رکھا۔ جس سے وہ آدم آید کہ خود تنویر قبر پر چراغ جلا ناممکن ہے۔ لیکن اگر قبر کے ارد گرد ہو تو وہ قبر پر نہیں۔ بہت اجازت ہے جیسے کہ ہم گنبد کی بحث میں آگے

چکے ہیں۔ نیز حدیقتہ میں عدنا منہی کی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔ **المحذین عبدہا ای علی القبور یعنی فوقہا**

یعنی خاص قبروں کے اوپر درجہ اسکی یہ ہے کہ چرچ آگ ہے اور آگ کا قبر پر رکھنا ہے اسی نے خاص قبر میں لکڑی کے تختے لگانے کو فقہاء منع فرمایا ہے۔

کرماتے ہیں کہ اس میں مال کا ر ہے۔ جن کو کھڑی قبر سے پاس پڑی ہو وہ اس میں کوچے کی مسکانت ہوں۔ جس وجہ سے ہے نہ کہ یہ قبر کرماتے کے لئے ہے نہ کہ یہ قبر کرماتے کے لئے ہے۔

قریب۔ تو حقیقت اور محار کا جنما۔ ہم ہوگا اور یہ منع ہے لہذا دونوں جملے کے حقیقی معنی ہی مراد ہیں۔

مرقات میں ماضی قاری اسی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

لَا تَمْنَعُوا الْمَاءَ وَاللَّهُ مَسَاحِدُ الْمَاءِ "اور پانی کو نہ روکو۔"

الغافل سے ثابت کیا کہ قبر کے برابر مسجد جائزہ۔ سی طرف اعتدالی سے یہ بھی نکلا کہ قبر کے برابر حج حج جائز تیسرے یہ کہ ہم گنبد کی

دیگر کتب کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں کہ بہت سی باتیں زمانہ صحابہ کرام میں منع تھیں مگر اب مستحب۔ راجہ ابھان ماروہ سورج پورہ زیر آیت

الْمَا نَعْمًا فَسُجِدَ لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ بِاللَّحْدِ

$\frac{1}{\sqrt{\pi}} \int_{-\infty}^{\infty} f(x) \delta(x-a) dx = f(a)$

وفي الأحياء أكثر مصروفات هذه الآثار مكررات في عصر الصحابة

مفتی محمد امجد علی صاحب دہلوی نے فرمایا کہ کیا اس زمانہ کے بہت سے حکام کی چہرہ پر اس کے درمیان میں ناجائز ہے۔

کھائے اور ہار یک کیئر نہ پہنے اور بے دروازہ کوائل حاجت سے بند نہ کرے اور فرماتے ہیں۔

فَإِنْ فَعَلْتُمْ مِنْ ذَلِكَ فَقَدْ حَسَّتْ بِكُمْ الْعُقُوبَةُ "اگر تم نے اس میں سے کچھ کیا تو اس کی سزا تم پر آگئی۔"

۱۴) مخلوقات السجد منہ ما أمك تشيد المسجد محمد و محمد بن عبد الله في مكة المكرمة

۱- اعلامیه و بیانیه‌ها

”اے اللہ! میں نے اپنے لیے اور میری قوم کے لیے سب سے زیادہ اچھا اور نیکو عمل کیا ہے۔“

اسی مسئلہ کی ہے۔ لا تصعوا اماماً اللہ معہ جلد اللہ عذروں کو سبھوں سے روکو۔

عظیم و کردارِ بزرگ (آن بزرگواروں کا کہنا بھی اللہ کے عمل سے ہے۔ احکام اگر معصومیا جاری نہ ہو، تو کچھ عظیم و کردارِ بزرگ بھی اسلوبِ زندگی سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ ان کی سوانحِ استغوبہ بھی رونا کا شرف ہے۔ بن محمد فاروقی سے صرف سات شرف رہ گئے۔ سوانحِ استغوبہ و

مکانات اور ان کے متدبر تو اونے ہوتا مگر اللہ کا گھر مسجد نبی اور نبی کی اور معمولی ہوتا جس میں اسلام کی توجہ ہے اگر عورتیں مسجد میں جاویں تو صدمہ

خبر تہیں کسی کا فرور کو آ دینا عز نہیں۔ یہ حکام کیوں بدلے؟ اس لئے کہ ان کی عیالیں بدل گئیں۔ اس وقت بغیر ظاہری ریب و زینت کے

مسلمانوں کے دلوں میں اویلا، اللہ اور مقابر کی عزت و حرمت تھی۔ ہزار ہا کی موت ہر کام میں سادہ تھی۔ ب دنیا کی آنکھیں کھڑی ٹیپ ٹاپ دیکھتی

ہیں لہذا اس کو جائز قرار دیا گیا۔ چنانچہ پیسے علم تھا کہ عزارت پر روشنی نہ کروں اب جائز قرار دیا۔ تفسیر ابیان میں زیر آیت **اِنَّمَا يَعْمُرُ** **المسجدَ اللہ** ہے کہ حضرت سیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کے منارہ پر کسی روشنی کی قہی کہ بارہ میل مروجی عورتیں اس کی روشنی میں چرند کاتی تھیں اور بہت ہی سونے چاندی سے اس کو آراستہ کیا تھا۔ عائشہؓ کی عبارت غلطی اصل عبارت یہ ہے۔

اِصْرَاحُ الشُّعْرِ إِلَى رَسِّ لَقُورٍ فِي النَّبَالِ الْأَوَّلِ بِدَعَا "شُرُوعِ رَقُوتِ مِثْقَالِ قَبْرِ سَنَانِ مِثْقَالِ جِرَاحِ لَہِ جَانِبِ عَتِیہ"
 اس میں دو کلمے قائل غور ہیں ایک تو خرچ دوسرے فی النبی الاول۔ اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اس زمانہ میں لوگ اپنے نئے فردوں کی قبروں پر چراغ لے جا کر جلاتے تھے۔ یہ سمجھ کر کہ اس سے مردہ قبر میں نہ گھبرانے لگا۔ جیسا کہ آج کل بعض عورتیں چالیس روز تک لحد میں مردے کی جگہ چراغ جلاتی ہیں۔ یہ سمجھتی ہیں کہ مردہ مردے کی روح آتی ہے اور اندھیرا پا کر لوٹ جاتی ہے لہذا روشنی کر دے یہ حرام ہے کیونکہ تلک کا بد ضرورت خرچ ہے اور بد عقیدگی بھی ہے اسی کو یہ منع فرما رہے ہیں۔ عرس کے چراغ عات نہ تو اس نیت سے ہوتے ہیں اور نہ شروع راتوں میں گر یہ مطلب نہ ہو تو شروع راتوں کی قید کیوں ہے؟ شامی کی عبارت تو بالکل صاف ہے دو بھی عرس کے چراغوں کو منع نہیں کر رہے ہیں وہ فرما رہے ہیں کہ چراغ جلانے کی نذر ماننا محسوس میں اویہ اللہ سے قرب حاصل کرنا منظور ہو وہ حرام ہے کیونکہ شامی کی عبارت اور زبیری کی اس عبارت کے ماتحت ہے۔

وَعَلِمَ أَنَّ الشُّعْرَ الَّذِي يَمُتُّ لِلْأَمْوَاتِ مِمَّا كَثُرَ الْعَوَامُ وَمَا يُؤْخَذُ مِنَ الْمَذَاهِبِ وَالشُّعْرُ وَالرَّيْتِ وَنَحْوِهَا إِلَى صِرَاحٍ الْأَوَّلِ بِدَعَا النَّبِيِّ لَا حِمَامَ بَاطِلٍ

"جانتا چاہیے کہ عرس جو مردوں کی نذریں مانتے ہیں اور اس سے جو چیز یا موم یا تیل وغیرہ قبروں پر جلانے کے لئے لیا جاتا ہے اور اویہ سے قرب حاصل کرنے کے لئے وہ بلا حیمام باطل ہے۔"

اور خواہ شامی کی عبارت بھی ہے۔ **لَوْ نَدَّرَ أَمْرُكَ مَنَافِي**۔ پھر شامی کی عبارت میں ہے **فَوْقَ صِرَاحِ الشُّعْرِ** کی قبر کے اوپر چراغ جلانا صریح کہتے ہیں خاص تعویذ قبر کو مقبوضات میں ہے۔ "صریح" کو یہ معنا ہے کہ درمیان کو سارا رد اور ہم بھی عرس کر چکے ہیں کہ خود قبر کے تعویذ پر چراغ جلانا منع ہے۔ اسی طرح اگر قبر کو۔ ہو یوں ہی کسی برکت کے نام پر چراغ کی جگہ رکھ کر جلادے جیسے کہ بعض جہلاء بعض درویشوں یا بعض حلق میں کسی کے نام سے چراغ جلاتے ہیں۔ یہ بھی حرام ہے اس کو فرما رہے ہیں کہ حضور غوث پاک کے نام کے چراغ کسی مشرقی منارہ میں جلانا باطل ہے۔ غوث پاک کی قبر شریف تو بغداد میں ہے۔ اور ان کے چراغ بلطاشم کے منارہ میں یہ بھی منع ہے۔ خلاصہ یہ ہو کہ شامی سے تین چیزوں کو منع فرمایا۔ چراغ جلانے کی منت ماننا وہ بھی ولی اللہ کی قربت حاصل کرنے کی نیت سے۔ خاص قبر پر چراغ جلانا بغیر قبر کسی کے نام کے چراغ جلانا۔ عرس کے چراغوں میں یہ تین باتیں نہیں۔

مسئلہ بعض جہلاء کسی درخت یا کسی جگہ کی زیارت کرتے اور وہاں چراغاں کرتے ہیں کہ وہاں فلاب برکت کا چلہ ہے یعنی وہاں وہ آداب کرتے ہیں یہ محض باطل ہے ہاں اگر کسی جگہ کوئی برکت کبھی چمنے ہوں یا وہاں انہوں نے عبادت کی ہو تو وہاں یہ کچھ کر عبادت کرنا کہ یہ جگہ متبرک ہے جائز بلکہ سنت ہے۔ بخاری جلد اول کتاب الصلوٰۃ بحث المساجد میں ایک باب مقرر کیا **باب المسجد النبی طریق المدینۃ** اس میں بیان فرمایا کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راستہ میں ہر اس جگہ نماز کو کرتے ہیں جہاں حضور علیہ السلام نے کبھی نماز پڑھی تھی حتیٰ کہ بعض جگہ مسجد بنادی گئیں تھیں۔ مگر وہ غلطی سے کچھ مسجد بن گئیں تو سیدنا ابن عمر اس مسجد میں نماز پڑھتے تھے بلکہ وہاں ہی پڑھتے تھے جہاں حضور علیہ السلام نے نماز پڑھی تھی۔ **فَلَمَّا بَلَغَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنَ عُمَرَ بَصُلَى فِي ذَلِكَ الْمَسْجِدِ مَحَلَّ بِنُوْخَةَ عَنْ بَسَارَةَ** یہ کیا تھا محض برکت حاصل کرنا آج بھی بعض حاجی غار حرا میں جہاں حضور علیہ السلام نے چھ ماہ عبادت فرمائی نماز پڑھتے ہیں۔ لہذا خوب جھیری وغیرہ رحمہم اللہ کی عبادت گاہوں میں نمازیں نہ کرنی اس کی زیارت کرنی۔ ان کو تبرک سمجھنا سنت صحابہ سے ثابت ہے۔

مسئلہ اویہ اللہ کے نام کی جو نذر مانی جاتی ہے یہ نذر شرعی نہیں۔ بدلتوی ہے۔ جس کے معنی ہیں نذرانہ جیسے کہ میں اپنے استاد سے کہوں کہ یہ آپ کی نذر ہے یہ بالکل جائز ہے اور فقہاء اس کو حرام کہتے ہیں جو کہ اویہ کے نام کی نذر شرعی مانی جانے اسی لئے فرماتے ہیں **تَقَرُّبًا إِلَيْهِمْ** نذر شرعی عبادت ہے وہ غیر اللہ کے لئے ماننا قطعاً کفر ہے کوئی کہتا ہے کہ یہ حضور غوث پاک آپ دعا کریں اگر میرے مریض چھا ہو گیا تو آپ کے نام کی دیگ پکاؤں گا۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ آپ میرے خدائیں اس بیمار کے جیسے ہونے پر میں آپ کی یہ عبادت کروں گا بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں چھ دن کا صدقہ کروں گا۔ اللہ کے لئے اس پر جو ثواب ملے گا۔ کچھ بخشوں گا جیسے کوئی شخص کسی حبیب سے کہے اگر بیمار اچھا ہو گیا۔ تو پچاس روپیہ آپ کی نذر کروں گا اس میں کیا گناہ ہے؟ اسی کو شامی نے کتاب الصوم بحث اموات میں اس طرح بیان فرمایا۔

ہاں نگوں صیغۃ النذر للتعزب لہ وینگوں ذکر الشیخ مرآۃ بہ فقراء ہ

”صیغہ نذر کا لفظ کی عبادت کے لئے ہوا اور شیخ کی قبر پر رہنے والے فقراء اس کا معنی ہوں۔“

یہ شخص جائز ہے تو یوں سمجھو کہ یہ صدقہ اللہ کے لئے اس کے ثواب کا یہ یہ روح شیخ کے لئے اس صدقہ کا معنی ہزار ہر گ کے تمام فقراء جیسے کہ حضرت مریم کی والدہ نے والی تھی کہ اپنے پیٹ کا بچہ خدا یا تیرے لئے نذر کرتی ہوں جو بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف ہوگا۔ نذر اللہ کی اور معنی بیت المقدس کا اسی صدر ثاب نک مافی بطی محرز اور کھو غیر اللہ کی قسم کھانا شرط منع ہے اور خود قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ نے غیر اللہ کی قسمیں کھائیں۔ **والتی والزینون وطلوہ سبیب** وغیرہ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا **فصح وایہ** اس کے ہاپ کی قسم وہ کامیاب ہو گیا۔ مطلب یہی کہ شرعی قسم جس پر حکام قسم کفارہ وغیرہ جاری ہو وہ خدا کے سوا کسی کی نہ کھائی جاوے۔ مگر لغوی قسم جو شخص یا کید کلام کے لئے ہو وہ جائز یہی نذر کا حال ہے ایک شخص نے نذر مانی تھی کہ بیت المقدس میں چراغ کے لئے تیل بھیجوں گا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس نذر کو پورا کرو۔ مشکوٰۃ باب اللزور میں ہے کہ کسی نے نذر مانی تھی کہ میں بیت المقدس میں لہاز پڑھوں گا تو فرمایا کہ مسجد حرام میں لہاز پڑھو۔ ان احادیث سے معلوم ہو کہ صدقہ و خیرات کی نذر میں کسی جگہ یا کسی خاص جگہ سے نذر کی قید لگانا جائز ہے۔ یہی طرح یہ بھی قرآنی رشید یہ جلد اس کتاب انظر و... ہا صحت ص ۵۳ میں ہے اور جو موات ولیہ اللہ کی ہے تو اس کے اگر یہ معنی ہیں اس کا ثواب ان کی روح کو پہنچے تو صدقہ ہے درست ہے جو نذر بمعنی تقریب ان کے نام پر ہے تو حرام ہے۔“ (درمذہب)

مشکوٰۃ باب مناقب عمر میں ہے کہ بعض یوں نے نذر مانی تھی کہ اگر حضور علیہ السلام ہنگ احد سے بخیریت واصل آئے تو میں آپ کے سامنے دف بجائوں گی یہ نذر بھی عربی تھی نہ کہ شرعی یعنی حضور کی خدمت میں خوشی کا مدرائہ۔ فرضاً لفظ نذر کے دو معنی ہیں لغوی اور شرعی۔ لغوی معنی سے نذر ہر گان دین کے لئے جائز ہے بمعنی نذر نہ۔ جیسے طواف کے دو معنی ہیں لغوی بمعنی اس پاس گھومنا اور شرعی رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلِيطُوفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ پر نہ مگر کا طواف کریں۔ یہاں طواف شرعی معنی میں ہے اور فرماتا ہے **بِطُوفُوا بِبَيْتِهَا وَبِیْنِ حَمِیمِ** ان یہاں طواف بمعنی لغوی سے آنا جانا گھومنا۔ (۴) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب وقافی وثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہما نے شک بر گہستیاں ہیں۔ لیکن یہ حضرات مجتہد نہیں تاکہ کراہت تحریمی و حرمت فقط ان کے قول سے ثابت ہو۔ اس کے لئے مستقل دلیل شرعی کی ضرورت ہے ایک عام کے قول سے استنباط یا جواز ثابت ہو سکتا ہے۔ مستحب اس کو بھی کہتے ہیں جس کو مہم مستحب جائز نہیں۔ مگر کراہت و حرمت میں خاص دلیل کی ضرورت ہے۔ نیز شاہ عبدالعزیز صاحب وقافی صاحب نوچر عاں اور حضرات کی چاروں کو حرام فرماتے ہیں مگر شامی چاروں کو اور صاحب تفسیر روح البیہاں اور صاحب حدیقہ نہ یہ چر عاں کو جائز بلکہ مستحب فرماتے ہیں۔ یقیناً اس کا قول زیادہ آتی قیوں ہے۔ نیز شاہ عبدالعزیز و قاضی صاحبان علیہما الرحمۃ ورضوان کے قیوں پر لازم ہے کہ حرمین شریفین خصوصاً روضہ مطہرہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بدقتوں و حریم کاموں کا مرکز ہے۔ کیونکہ وہاں عذاب بھی پڑھتے ہیں اور چر عاں بھی ہے اور آج تک کسی عام یا غریب نے اس پر انکار نہ کیا تو وہ تمام حضرات بدعتی یا گمراہ ہوئے۔ ان دو صاحبوں کا وہ لغوی کس طرح مانا جائے۔ جس میں یہ سخت قراحت لازم آوے۔ شاہ رفیع الدین صاحب رسالہ نذر میں فرماتے ہیں کہ نذر دیکھو اس کا مستعمل معنی در معنی شرعی است چہ عرف آنتست کہ آنچہ پیش ہر رگان ملی بر نذر نہ روئید۔

(۵) حرمین شریفین کے علماء کا کسی فتی کو چھٹا پٹھ اس کے استنباط کی دلیل ہے یہ زمین پاک وہ ہے کہ جہاں بھی بھی شرک نہیں ہو سکتا۔ حدیث پاک میں ہے کہ شیطان یوں ہو چکا کہ اس حرب اس کی پرستش کریں اور مدینہ پاک کی زمین سلام کی جائے پناہ اور کفار و مشرکین سے محفوظ رہنے والی ہے۔ مشکوٰۃ باب حرم مدینہ میں ہے کہ مدینہ پاک برے لوگوں کو اس طرح نکال پھینکتا ہے۔ جیسے لوہار کی بھیڑ ہے کی میل کو خود اور نکالے یا کچھ عرض بعد یا کہ بعد موت۔ جذب القلوب میں حضرت شیخ عبدالحق فرماتے ہیں۔ ”مردنی و اہل اہل شریف و است و است و است عزت امین بدو طیبہ و احصیت مذکورہ در دے صحیح از ماں ہو یہ است“ اس سے مراد یہ ہے کہ علمائے مدینہ کی عبادات کو بے دھڑک شرک و بدعت کہہ دینا سخت غلطی ہے یہ کہنا بھی غلط ہے کہ یہ چر عاں سلطنت ترکیہ کی بجاوے۔ امام اجل سید نور الدین محمودی اور جدال الدین سیوطی علیہما الرحمۃ کی وفات ۹۷۱ھ میں ہوئی و امام نور الدین محمودی نے کتاب خلاصۃ الوفا شریف ۸۹۳ھ میں تصنیف فرمائی وہ اس کتاب کے چوتھے باب کی سہو ہیں فصل میں مدینہ پاک کے چر عاں کا ذکر فرماتے ہیں اور کہتے ہیں۔

وَمِنْ مَعَالِيقِ الْحَجَرَةِ الشَّرِيفَةِ النَّاسِ حَوْلَهَا مِنْ قَادِيلِ الذَّهَبِ وَالْفِصَّةِ وَنَحْوِهَا فَلَمْ يَقِفْ عَلَى

ہنداء خذوہما“ لیکن جو سونے چاندی کی قدیمیں روضہ مطہرہ کے ارد گرد لگی ہوئی ہیں۔ مجھے خبر نہیں کہ کب سے شروع ہوئیں۔“

اسی مقام پر فرماتے ہیں۔ وقد آلف النبي تاليفاً معاً تنزيل الشكبة على قديم المدينة وذهب فيه

إلى جوارها وصحة وفقه وعدم حور صرف شئني معاً لعمارة المسجد

”ام سکی ہے ایک کتاب لکھی جس کا نام رکھا تنزل الشکبة علی قایل المدینہ فرماتے ہیں کہ روضہ مطہرہ کی یہ قدیمیں جائز ہیں ان کا لقب درست ہے ان میں سے کوئی چیز مسجد پر فروغ نہیں ہو سکتی۔ الحمد للہ کمالین کے تمام سوالات کا مکمل جواب ہو گیا۔“

بحث حاتمہ

وہاب در یونانی و کالمیہ و زمیں عام روانہ ہے کہ رمضان میں ختم قرآن تراویح کی شب میں مسجد میں چراغاں کیا جاتا ہے۔ بعض دیوبندی اس کو بھی شرک و حرام کہتے ہیں۔ یہ ٹھیک سا کی بے دینی ہے مسجد کی رعیت یہاں کی علامت ہے تفسیر روضہ بیان میں ریر

آیت **أَمَّا بَعْضُ مَسْجِدِ اللَّهِ** ہے۔ حضرت سیماء علیہ السلام نے اس وقت میں بیت المقدس میں روشن کرنے کا حکم دیا۔ اور مسجد نبوی شریف میں اوّل کھجور کی کٹڑیاں وغیرہ جلا کر روشنی کی جاتی تھی۔ پھر قیمہ داری کچھ قدیمیں اور رسایاں اور تیل لائے اور ان کو مسجد نبوی شریف کے ستونوں میں لٹکا کر جلا یا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا **سُورَةُ مَسْجِدِ مَا يُؤَرُّ اللَّهُ عَمَّا كَم** تم نے ہماری مسجد کو روشن کر یا اللہ تعالیٰ تم کو نوری رکھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چراغاں کیا اور قدیمیں لٹکائیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

سُورَةُ مَسْجِدِ مَا يُؤَرُّ اللَّهُ قَبْرُكَ بَأْسَ الْحَضَابِ اے محمد تم نے ہماری مسجد کو روشن کیا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری قبر کو روشن کرے۔“
تفسیر کبیرہ میں آیت **أَمَّا بَعْضُ مَسْجِدِ اللَّهِ** میں **أَمَّا** کی تفسیر میں ہے۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَسْرَحَ فِي مَسْجِدِ سِرَاحَ تَنْزِيلِ الْمَلَائِكَةِ وَحَمَلَةَ الْعَرْشِ الْأَسْتَعْفَرُونَ لَهُ مَا دَامَ فِي الْمَسْجِدِ صُوءٌ ه

”(یعنی) جو کوئی مسجد میں چراغ جلائے تو جب تک مسجد میں انکی روشنی رہے فرشتے اور حاملین عرش اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔“
فتاویٰ رشیدیہ جلد دوم کتاب الخضر و الباہت صفحہ ۱۸ میں یہ مانتا ہے کہ عہد فاروقی میں بعض صحابہ بیت المقدس سے وہاں کی روشنی دیکھ کر آئے اور مسجد نبوی میں متعدد چراغ جلائے گئے پھر ماموں رشید بادشاہ نے عام حکم دیا تھا کہ مسجدوں میں کثرت چراغ جلائے جاویں۔ عرصہ کہ مسجد کی روشنی سنت انبیاء و سنت صحابہ اور سنت عامہ مستحکم ہے۔

بحث قبر پر اذان دینے کی تحقیق

مسلمان میت کو قبر میں دفن کر کے اذان دینا ہل سنت کے نزدیک جائز ہے۔ جس کے بہت سے دلائل ہیں۔ مگر وہابی دیوبندی اس کو بدعت، حرام، شرک اور نہ معلوم کیا کہتے ہیں۔ اس لئے اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں اس کا ثبوت دوسرے باب میں اس پر اعتراضات و جواب بحوالہ اللہ تعالیٰ و کرم۔

پہلا باب

اذان قبر کے ثبوت میں

قبر پر بعد دفن اذان دینا جائز ہے حدیث اور فقہی عبارت سے اس کا ثبوت ہے مشکوٰۃ شریف کتاب ایماۃ باب ما یقال عند من حضرت اموت میں ہے۔ **لَقِفُوا مَوْتَكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** اپنے مردوں کو سکھانا کہ لا الہ الا اللہ دیا دی رعنی ختم ہونے پر سب کے لئے دو بڑے خطرناک وقت ہیں ایک تو جاں کلی کا۔ دوسرا سوالات قبر بعد دفن کا، مگر جاں کلی کے وقت ختم ہا بخیر مصیب نہ ہو، تو عمر بھر کا کر دھرا سب پر ہا د گیا۔ اور اگر قبر کے امتحان میں ناکامی ہوئی تو آئندہ کی رعنی پر ہا د ہوئی۔ دنیا میں تو آرا ایک س امتحان میں لمل ہو گئے تو سال آئندہ دے دو۔ مگر وہاں یہ بھی نہیں۔ اس لئے زندوں کو چاہئے کہ اس دنوں وقتوں میں مرنے والے کی ہا د کریں کہ مرنے وقت کلمہ پڑھ کر نہ یں اور بعد دفن اس تک کلمہ کی آواز پہنچی نہیں کہ اس وقت تو دو کلمہ پڑھ کر دنیا سے جائے۔ دراب اس امتحان میں کامیاب ہو۔ ہذا "اس حدیث کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ جو مر رہا ہو اس کو کلمہ سکھاد دوسرے یہ کہ جو مر چکا ہو اس کو کلمہ سکھاد پہلے معنی جاری ہیں اور دوسرے حقیقی اور بلا ضرورت معنی جاری یما ٹھیک نہیں لہذا حدیث کا یہ معنی ترجیح ہو کہ اپنے مردوں کو کلمہ سکھاد۔ در یہ وقت دفن کے بعد کا ہے۔ چنانچہ شامی جلد اس باب الدفن بحث تلقین بعد اموت میں ہے۔

اذا عند اهل السنة فاحديث لقنوا موتاكم محمداً على حقيقته وقدر وى عنه عليه السلام انه امر بالتلقين بعد الدفن فيقول بقرآن ابن قلاں ذكر دسك لئدى كنت عديها
"ہل سنت کے نزدیک یہ حدیث لقنوا موتكم اپنے حقیقی معنی پر فہم ہے در حضور علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے دفن کے بعد تلقین کرنے کا حکم دیا ہاں قبر پر کہے۔ اٹھان کے بیٹے دفن تو اس دین کو یاد کر جس پر تھا۔"
شامی میں اسی جگہ ہے۔

و نسا لا يهوى عن التلقين بعد الدفن لانه لا ضرر فيه بل فيه منفع وان لم يمس به اندكر عني ماورد في لا اندر
"دفن کے بعد تلقین کرنے سے منع نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس میں کوئی نقصان تو ہے نہیں بلکہ اس میں ففعی منفع ہے کیونکہ میت ذکر لعی سے الیس حاصل کرتی ہے۔"
جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اس حدیث در عبارت سے معلوم ہوا کہ دفن میت کے بعد اس کو کلمہ طیبہ کی تلقین مستحب ہے تاکہ مرد و نکیرین کے سوالات میں کامیاب ہو۔ چونکہ دان میں کلمہ بھی ہے۔ اس لئے دان بھی تلقین میت ہے اور مستحب ہے بلکہ دان میں پوری تلقین ہے کیونکہ نکیرین میت سے تمنا س کرتے ہیں اول تو یہ کہ تیرا رب کون ہے؟ پھر یہ کہ تیرا دین کیا ہے؟ پھر یہ کہ اس سنہری جان والے سزگنید وائے آقا کو تو کیا کہتا ہے؟ پہلے سوال کا جواب ہو **اشهد ان لا اله الا الله** دوسرے کا جواب ہو **حسبى عيسى الصلوة** یعنی میرا دین وہ ہے جس میں پانچ نمازیں فرض ہیں (سوائے اسلام کے کسی دین میں پانچ نمازیں نہیں) تیسرے کا جواب ہو **اشهد ان محمداً رسول الله** در بخارجہ اس باب الدفن میں ہے کہ دس جگہ اذان کہنا سنت ہے جس کا اشعار میں یوں مراد ہے۔

فرض الصلوة و فى اذن الصغیر و فى وقت الحریق و لحرب لئدى وقعا
حسب المسافر والغیلاں اذ ظہرب
و ربدا ربعا ذوہم و ذو عصب
مسافر صلی فی فہر و من صرعا

"لما پہنچا گانہ کے لئے، پچ کے کان میں، آگ لگنے کے وقت، جبکہ جنگ واقع ہو، مسافر کے پیچھے اور جنات کے ظاہر ہونے پر، فہر دے پر، جو مسافر کر ستہ بھول جاوے در مرگی دے کے لئے شامی میں اسی کے تحت ہے۔"

قد يُسَنُّ الاذان بغير الصلوة كما في اذان العرلود والمعقوم والمصروع والغصبان ومن ساء خلقه من انسان او بهيمة وعبد مُرد هم الحبيش وعبد الحريق وقيل عبد امراة الميت القبر قبسا على اول خروجه للذئب لكن رذلة ابن حجر في شرح العباب وعبد تقول الغيلان اي تمرد الجحيم "ہمارے سوا چند جگہ اذان دینا سنت ہے بچہ کے کان میں غزدہ کے، مرگی داسے کے، قصہ داسے کے کان میں۔ جس جالور یا آدمی کی عادت خراب ہو اس کے سامنے لشکروں کے جنگ کے وقت گگ بگ جانے کے وقت میت کو قبر میں اتارتے وقت اس کے پید ہونے پر قیاس کرتے ہوئے لیکن اس میں اذان کے سنت ہونے کا ابن حجر علیہ الرحمۃ نے انکار کیا ہے جنات کی سرکشی کے وقت۔"

علامہ ابن حجر کے انکار کا جواب دوسرے باب میں دیا جاوے گا۔ ان شاء اللہ

مشکوٰۃ باب فضل اذان میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اذان کی اذان سے رمضان کی بحری فتح نہ کرو۔ وہ تو لوگوں کو جگے کے لئے اذان دیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ زمانہ نبوی میں بحری کے وقت ہی نوبت یا گولے کے اذان دی جاتی تھی بعد اس کے کو جگاتے کے لئے اذان دینا سنت سے ثابت ہے۔ اذان کے ساتھ قاعدے ہیں جس کا پتہ احادیث اور فقہاء کے اقوال سے چلتا ہے ہم وہ قاعدے عرض کئے دیتے ہیں۔ خود معلوم ہو جائے گا کہ میت کو اذان میں سے کون کون سے قاعدے حاصل ہونگے۔ اذان تو یہ کہ میت کو تکفین جو اہانت سے ہے جیسا کہ یہاں کیا جا چکا۔ دوسرے اذان کی آواز سے شیطان بھاگتا ہے۔

مشکوٰۃ باب اذان میں ہے۔ اذ نودی للصلاة ادبر الشیطان له ضرط حتى لا یسمع انتادیں

"جب ہماری اذان ہوتی ہے تو شیطان گور لگاتا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اذان نہیں سنتا۔"

اور جس طرح کہ بوقت موت شیطان مرنے والے کو اور غلام ہے تاکہ ایمان بچیں لے اسی طرح قبر میں بھی پہنچتا ہے اور بھگاتا ہے کہ تو مجھے خدا کہہ دے تاکہ میت اس آخری امتحان میں لبل ہو جاوے۔ الدنہة احضنا منه چنانچہ نوادر و اصول میں امام محمد ابن علی ترمذی فرماتے ہیں۔

ان الميت اذا نزل من رثک یبری له شیطان فیشیر الی مصد انی ال رثک فلیهدا و رد سوال التثبت له حیث سئل

"یعنی جبکہ میت سے سوال ہوتا ہے کہ تیرا رب کون ہے تو شیطان اپنی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے کہ میرا تیرا رب ہوں۔ اسی کے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام نے میت کے ۳ آلات کے وقت اس کے سے ۳ بات قدم رہنے کی دعا فرمائی۔"

اب اذان کی برکت سے شیطان دفع ہو گیا میت کو امن مل گئی اور بھگائے والا گیا۔

تیسرے یہ کہ اذان دس کی وحشت کو دور کرتی ہے، یوحیم اور ابن عساکر کرے جو برہہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرمائی۔ رسول اذم بلفہد

وامسوحش رسول جبریل فادی دلا د حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان میں اتے اور ان کو سخت وحشت ہوئی پھر جبریل آئے اور اذان دی۔ اسی طرح مدارج النبوۃ جلد ۱ ص ۱۶۲ باب سوم درمیاں آیات شرف دے میں ہے۔ اور میت بھی اس وقت عزیز و اقارب سے چھوٹ کر تیرہ و تار یک مکان میں اکٹلا پہنچتا ہے سخت وحشت ہے اور وحشت میں حواس باختہ ہو کر امتحان میں ناکامی کا خطرہ ہے۔ اذان سے دس کو اطمینان ہوگا۔ جو اہانت درست دے گا۔ چوتھے یہ کہ اذان کی برکت سے غم دور ہوتا ہے، درول کو سرور حاصل ہوتا ہے۔

مسند الفردوس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

رابی السبی صلی اللہ علیہ وسلم حریب فقل یا اس بی حالب نی اراک حریبا فمر بعض اہیک یؤذن فی اذیک فلانہ قرء الہم

"مجھ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ریجید و رکھا تو فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ تم کو ریجیدہ پاتا ہوں تم کسی کو حکم دو کہ تمہارے کان میں اذان کہہ دے کیونکہ اذان غم کو دور کر نکالتی ہے۔"

بررگان دین حتی کہ ابن حجر علیہ الرحمۃ بھی فرماتے ہیں کہ جبرئیلہ فو حدقہ کذلک فی المرفقات مرقاة شروق باب اذان میں ہے یعنی میں نے اس کو آرمایا مفید پایا۔ اب مردے کے دس پر اس وقت جو صدمہ ہے۔ اذان کی برکت سے دور ہوگا اور سرور حاصل ہوگا۔

پانچویں یہ کہ ان کی برکت سے لگی ہوئی سگ بجھتی ہے۔ رسول اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

يُطْفِئُوا الْحَرِيقَ بِالْكَبِيرِ وَدَرَاءَ يَتِمُّ الْحَرِيقُ فَكَبِّرُوا إِنَّهُ يُطْفِئُنِي الدَّارُ

"مکی ہوئی آگ کو کعبہ سے بچھاؤ اور جبکہ تم آگ لگی ہوئی رہتو تو کعبہ کو بچھو یہ آگ کو بجھاتی ہے۔"

اور ان میں سے کبھی تو ہے اللہ اکبر لہذا اگر قہریت میں "ت" لگی ہو تو امید ہے کہ خدائے پاک اسکی برکت سے بچا دے۔

چھٹے یہ کہ ان دو کرائے والوں کے لئے ایک رکت سے عذاب قبر دور ہوتا ہے اور قبر فراخ ہوتی ہے عسکری قبر سے نجات ملتی ہے۔ امام احمد و طبرانی و بیہقی نے

جابر رضی اللہ عنہ سے سہرا بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفن کا واقعہ نقل کر کے روایت کی۔ **بِسْمِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ كَبَّرَ**

وَكَبُرَ النَّاسُ قَالُوا يَرْسُونَ ۚ لَئِنْ لَمْ سَبَّحْتَ فَانْ لَقَدْ صَبَّحَ عَلَى هَذَا الرَّجُلِ الصُّبْحُ فَبُهِرَ حَتَّى فَرِحَ

اللہ تعالیٰ رحمہ بعد فرس حضور علیہ السلام نے یہاں اللہ فرمایا۔ پھر خدا کی حضور نے فرمایا اور دیکھ حضرت نے بھی۔ لوگوں نے عمل کیا کہ حبیب

واللہ تعالیٰ اعلم کیوں بڑھی رشاد فرمایا کہ اس صباغ بندے پر قبر چمک ہو گئی تھی اللہ نے قبر کو شاد فرمایا۔

اس کی شرح میں علامہ طیبی فرماتے ہیں۔

ای ما رلت فکراً و تکبر و وسع و سمیعون حتی فرحہ اللہ

”یعنی ہم اور تم لوگ شیعہ و کبیر کہتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ نے قبر کو نشور فرما دیا۔“

ساتویں یہ کہ اذان میں حضور علیہ السلام کا ذکر ہے اور صاحبین کے ذکر کے وقت رول دمت ہوتا ہے۔ امام علیؑ میں عیب یہ فرماتے ہیں۔

ذکر الصالحین فی الربیع الرحمۃ اور میت کو اس وقت رحمت کی نعت ضرورت ہے۔ مرنے والی قوم کی جہنم زباں ہے اگر میت کو

اچھے بڑے بڑے سات فاکہے پہنچے جاویں تو کیا حرج ہے؟

حکایت ہو کہ قبر پر ان دنوں پتھر کا ٹھکانا ہے شامی باب من الرضویں ہے۔ الاصل فی الاشیاء لا باحہ تمام چیزوں میں اصل یہ ہے کہ

۱۹۶۷ء میں جمہوریہ مصر کے ریاضیاتی سربراہان کا وفد، برطانیہ کی حکومت پر

[illegible]

انعامیہ اعمال بالکیات ساری جٹ سیں اوصولیں ہے۔

ان الفرق بين العادة والعبادة هو اليه المتصمة للاحلاص

"عادت اور عبادت میں فرق نیتِ اخلاص سے ہے۔ یعنی جو کام بھی اخلاص سے کیا جاوے وہ عبادت ہے۔"

اور جو کام بغیر اخلاص کے ہو وہ عادت۔ درعینار، بحث مستقبات الوضوئیں ہے۔

وَمُسْتَحَبُّهُ هُوَ مَا قَعَدَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَرَّةً وَتَرَكَهُ آخَرَى وَمَا حَبَّه الشَّيْطَانُ

"مستحب وہ کام ہے جس کو حضور علیہ السلام نے بھی کیا اور بھی نہ کیا۔ اور وہ بھی ہے جس کو گذشتہ مسلمان اچھا جانتے ہیں۔"

شہابی بحث دکن راجہ بہار تہذیب و تمدن ہے۔ وقال عليه السلام مراءاة المؤمن حبه فهو عبد الله حسن جس کو

مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ اس عبارت سے عبادت ہو کہ چونکہ دان قیمر شریعت میں منع نہیں بلکہ اجازت ہے اور چونکہ اسکو

نیتِ اطعامِ مسلمان بھائی کے نفع کیلئے کیا جاتا ہے۔ ہمدانِ مستحب ہے۔ اور چونکہ مسلمان اسکا چاہتے ہیں ہمدانِ یہ عند اللہ بھی ہے۔ خود بچہ بندہ یوں

کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب المصالحۃ صفحہ ۱۳۴ میں فرماتے ہیں۔ ”کسی بے سوال کیا ہے کہ تفتیش کے بعد دین

ثابت ہے یا نہیں تو جواب دیا یہ مسئلہ عبد صہ سے مختلف فیہ ہے اسکا فیصلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ تحقیق کرنا بعد دفن اس پر مبنی ہے جس پر عمل کرے درست

$$M_1 - \frac{1}{2}$$

دوسرا باب

اذان قبر پر اعتراضات و جوابات میں

اس مسئلہ میں مخالفین کے حسب دلیل اعتراضات ہیں۔ ان شاء اللہ اس کے علاوہ اور نہ ملیں گے۔

اعتراض ۱ قبر دان و بنا بدعت ہے اور ہر بدعت حرام ہے۔ ہدایہ بھی حرام حضور علیہ السلام سے ثابت نہیں وہ حق پر ناہق۔

جواب ہم پہلے باب میں ثابت کر چکے ہیں کہ بعد ازیں ذکر اللہ تسبیح و تکبیر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے اور جس کی اصل ثابت ہو وہ سنت ہے اور پر یادتی کرنا منع نہیں۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ حج میں تکبیر کے جو الفاظ حدیث سے منقول ہیں ان میں کسی نہ کرے مگر کچھ بڑھائے تو جائز ہے۔ (بدیہ و بد) ۱۱۱ میں تکبیر بھی ہے اور کچھ زیادہ بھی لہذا یہ سنت سے ثابت ہے اور اگر بدعت بھی ہو تو وہ حسنہ ہے جیسے کہ ہم بحث بدعات میں عرض کر چکے ہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد الاول کتاب البدعات صفحہ ۸۹ پر ہے کہ کسی نے دیوبندیوں کے سردار رشید احمد صاحب سے پوچھا کہ کسی مصیبت کے وقت بخاری شریف کا ختم کرنا قرون ثلاثہ سے ثابت ہے یا نہیں اور بدعت ہے یا نہیں؟

الجواب قرون ثلاثہ میں بخاری شریف کا ختم نہیں ہوئی تھی۔ مگر اس کا ختم درست ہے کہ ذکر خیر کے بعد دان قبول ہوتی ہے انکی اصل شرع سے ثابت ہے۔ بدعت نہیں۔ رشید احمد علی

اسی کتاب جناب یہ ختم بخاری اور یحییٰ کی فاتحہ پر ثواب کیسے ہو رہا ہے؟ یہ تو بدعت ہے۔ اور ہر بدعت حرام ہے۔ حرام پر ثواب کیا۔

نوٹ ضروری ہر مرد و عورت بدعت میں مصیبت کے وقت ختم بخاری وہاں کے طلبہ سے کرایا جاتا ہے بل جماعت طلبہ کو شیرینی دیتے ہیں اور روپیہ نفع میں ۲۔ کم از کم پندرہ روپیہ حصوں کئے جاتے ہیں شاید یہ بدعت اس لئے جائز ہو کہ مدرسہ کو روپیہ کی ضرورت ہے اور یہ حصوں رکھا ذخیرہ۔ لیکن اب قبر مومن پر اذان کیوں حرام؟

اعتراض ۲ شامی سے باب الاذان میں جہاں اذان کے موقعہ شمار کئے ہیں وہاں اذان قبر کا بھی ذکر فرمایا مگر ساتھ ہی فرمایا

لکن ردہ اس حصر فی شرح العباب اس اذان کی بنی جرح نے شرح باب میں تردید کر دی معلوم ہوا کہ اذان قبر مرد و عورت ہے۔
جواب اولاً تو بنی جرح شافعی مذہب میں بہت سے علماء جن میں بھیص، حنابل بھی شامل ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اذان قبر مست ہے امام ابن حجر شافعی انکی تردید کرتے ہیں تو بتاؤ کہ حنفیوں کو مسئلہ جمہوریہ پر عمل کرنا ہوگا کہ تو بنی جرح نے اذان قبر کو منع نہ کیا بلکہ اس کے سنت ہو نہ نکال دیا۔ یعنی سنت نہیں۔ اگر میں کہوں کہ بخاری چھاپنا سنت نہیں بالکل درست ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ بخاری تھی نہ پریس۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جا رہی نہیں۔ شامی نے اس موقعہ پر فرمایا **وقد بسس الاذان** ان موقعوں پر اذان سنت ہے۔ گئے فرمایا ردہ اس کی بنی جرح نے تردید کی تو کسی چیز کی تردید ہوتی؟ سنت کی۔ شامی کہنے کے لئے عقل و ایمان کی ضرورت ہے تیسرے یہ کہ گرام بھی ہو کہ علم۔ بنی جرح صبر الرحمۃ نے خود اذان کی تردید کی تو کیا کسی عالم کے تردید کرنے سے کراہت یا حرمت ثابت ہو سکتی ہے ہرگز نہیں بلکہ اس کے لئے دلیل شرعی کی ضرورت ہے، جو دلیل شرعی کراہت تنزیہی بھی ثابت نہیں ہوتی۔

شامی بحث مستحبات الوضو میں ہے۔

ولا یلزم من ترک المستحب ثبوت الکراہۃ اذ لا بذلہ من دلیل خاص

"ترک مستحب سے کراہت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ کراہت کے لئے دلیل خاص کی ضرورت ہے۔"

شامی جلد اول بحث مکروہات اصولاً بیان المستحب و مندوب و مندوب میں ہے۔

ترک المستحب لا یلزم من ان یتکون مکروہاً الا بسبب خاص لان الکراہۃ حکم شرعی فلا یؤدہ من دلیل خاص "مستحب کے ترک سے یہ لازم نہیں آتا کہ مکروہ ہو جائے بغیر خاص ممانعت کے کیونکہ کراہت حکم شرعی ہے اس کے لئے خاص دلیل کی ضرورت ہے۔"

آپ تو اذان قبر کو حرام فرماتے ہیں۔ فقہ بغیر خاص ممانعت کے کسی فتی کو مکروہ تنزیہی بھی نہیں مانتے۔

اگر کہا جاوے کہ شامی نے اذان قبر کو قیل سے بیان کیا اور قیل ضعف کی علامت ہے تو جواب یہ ہے کہ فقہ میں قیل ضعف کے لئے لازم نہیں شامی کتاب الصوم فصل کفارہ میں ہے۔ فتعیر المصنف بقیل لیس بلفہ الضعف اسی طرح شامی بحث فتن میں ذکر مع ہمانہ کے لئے فرمایا **قیل تحریماً وقیل تریئفاً** دیکھو یہاں دو قول تھے اور دونوں قیل سے نقل کئے۔

عالمگیری کتاب الوقف بحث مسجد میں ہے **وقبل فهو مسجد ابداً وهو الاصح** یہاں صحیح قوس لیل سے بیان کیا معلوم ہو کہ لیل دلیل ضعف نہیں۔ اور اگر ماں بھی یہ جادے تو بھی اس اذان کو سنت کہنا ضعیف ہوگا۔ کہ جائز کہنا کیونکہ جائز کہنا یہ سنت ہی کا قوس ہے ہم بھی اذان قبر سنت لیل کہتے صرف جائز و مستحب کہتے ہیں۔

اعتراض ۳ فقہاء فرماتے ہیں کہ قبر پر جا کر فاتحہ کے علاوہ کچھ نہ کرے اور اذان قبر فاتحہ کے علاوہ ہے لہذا حرام ہے چنانچہ بحر الرئیق میں ہے۔

وبكره عبد القبر كل ما به بعد من الشبه والمهورد مهاليس الا ربا ربا والدعاء عند هاقما شامی کتاب الجنائز میں ہے۔

لايسر الادان عند ادخال الميت في قبره كما هو المعاد الان وقد صرح بن حجر بانہ بدعة
وقال من ظن انه سنة فلم يصب

یعنی میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان دینا سنت نہیں ہے۔ جیسا کہ جنگل مروج ہے اور ابن حجر نے تصریح فرمادی کہ یہ بدعت ہے اور جو کوئی اس کو سنت جانے وہ درست نہیں کہتا۔

در الحاکم میں ہے۔ **من البدع التي شاعت في بلاد الهند الادان على النضر بعد لذه**
"جو بدعتیں کہ ہندوستان میں شائع ہو گئیں۔ ان میں سے دن کے بعد قبر پر اذان دینا ہے۔"

توضیح شرح تنقیح میں محمود علی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں **الادان على النضر ليس بشئ** قبر پر اذان دینا کچھ نہیں۔ مولوی اسحاق صاحب مانند مسائل میں فرماتے ہیں کہ قبر پر اذان دینا مکروہ ہے کیونکہ یہ ثابت نہیں اور جو سنت سے ثابت نہ ہو وہ مکروہ ہوتا ہے۔

جواب بحر الرئیق کا یہ فرمانا کہ قبر پر جا کر بخیر زیارت و دعا اور کچھ نہ کرنا مکروہ ہے بالکل درست ہے وہ زیارت قبور کے وقت فرماتے ہیں۔ یعنی جب وہاں زیارت کی نیت سے جادے تو قبر کو چومنا، سجدہ کرنا وغیرہ جائز کام نہ کرے اور یہاں گفتگو ہے الن کے وقت یہ زیارت کا وقت نہیں ہے اگر وقت دن بھی اس میں شامل ہے تو پھر دم ہوگا کہ میت کو قبر میں اتارنا، نذر دینا مثنی اذان اور بعد فضیلتیں کرنا جس کو کوئی دینی رشید یہ میں بھی جائز کہا ہے سب منع ہے۔ بس مردے کو جنگل میں رکھ کر فاتحہ پڑھ کر بھاگ آنا چاہیے اور زیارت قبر کے وقت بھی ممنوع کام کرنا منع ہیں۔ وہی مہارت بحر الرئیق کا مقصود ہے ورنہ مردوں کو سلام کرنا یا ان کے قبور پر سبرہ یا پھول ڈالنا، تحاق جائز ہے۔ حضور علیہ السلام سے ثابت ہے اور بحر الرئیق میں فرما رہے ہیں کہ وہاں بخیر زیارت اور کھڑے ہو کر دعا کرنے کے کچھ بھی نہ کرے۔ مولوی شرف علی صاحب کی حفظ الامعان میں ایک سوال ہے کہ شادی لند صاحب کشف قبور کا طریقہ کیا فرماتے ہیں۔ "و بعد دعوت کر طواف کند و در اس بگیر تو اند و فار از راست کند و بعدہ طرف پایاں رخسار نہد۔" یعنی اس کے بعد قبر کا سات چکر طواف کرے اس میں بھیجے کہے اور دافنی طرف سے شروع کرے اور قبر کے پاؤں کی طرف اپنا رخسار رکھے تو کیا قبر کا طواف اور سجدہ جائز ہے؟ اس کا جواب حفظ الیماں صلوٰۃ پر دیتے ہیں۔ یہ طواف اصطلاحی نہیں ہے جو کہ تعظیم و تقرب کے لئے کیا جاتا ہے۔ اور جس کی ممانعت نصوص شرعیہ سے ثابت ہے بلکہ طواف نعوی ہے یعنی محض اس کے درگزر و بھرنا سے پیدا کرنے میں نہایت وحی کے صاحب قبر کیا تھا اور یہ فیوض کے اس کے غیر حضرت جابر کے قصے میں وارد ہوتی ہے۔ جبکہ ان کے والد موقوف ہو کر وفات پا گئے۔ اور قرض خواہوں نے حضرت جابر کو تنگ کیا۔ انہوں نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہاں میں تشریف رکھ رہا ہوں کہ دعا پڑھنے حضور علیہ السلام ہاں میں رونق مروا ہونے اور چھوہاروں کے انہر نکلا کر بڑے ہار کے گرد تیں ہار پھرے۔ **هدف حول اعظم ہد بیدار** یہ حضور کا یہ بھرنا کوئی طواف نہ تھا۔ بلکہ اس میں ٹر پہنچنے کے لئے اس کی چاروں طرف پھر گئے۔ اسی طرح کشف القبر کے عمل میں ہے۔ کیسے اگر اذان قبر اس سے منع ہے کہ قبر بخیر زیارت و دعا کوئی کام جائز نہیں تو یہ قبر کا طواف اور اس سے فیض پینا کیوں جائز ہے لہذا بحر الرئیق کی ظاہری عبارت آپ کے بھی موافق نہیں۔ پر لطف بات یہ ہے کہ حفظ الیماں کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قبروں سے فیض ملتا ہے اور فیض لینے کے لئے وہاں جانا و طواف کرنا، قبر پر رخسار رکھنا جائز ہے اسی کو تقویۃ الیماں میں ترک کہا ہے۔ شامی و شیخ وغیرہ کی عبارتوں کا جواب سوال نمبر ۱ کے تحت گذر گیا کہ اس میں سنیہ کا انکار ہے نہ کہ جواز کا تو شیخ کا فرمانا **لیس بشئ** اس کے معنی یہ نہیں کہ حرام ہے مراد یہ ہے کہ نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت محض جائز اور مستحب ہے اور اس کو سنت یا واجب سمجھنا محض غلط ہے جو فقہاء کہ اس کو بدعت فرماتے ہیں وہ بدعت جائزہ یا کہ بدعت مستحبہ فرماتے ہیں نہ کہ بدعت مکروہہ کیونکہ بدوکیل کر بہت ثابت نہیں ہوتی۔ مولوی اسحاق صاحب دیوبند یوں کے قیثو ہیں اس کا قوس حجت نہیں۔ اور نہ یہ قاعدہ صحیح ہے کہ جو سنت سے ثابت نہ ہو وہ مکروہ ہے۔ ورنہ قرآن کے سپارے اور اعراب اور بخاری بھی مکروہ ہوگئی۔ کیونکہ یہ سنت سے ثابت نہیں۔

اور عبادت باب الصلوة العیدین مطلب فی تکبیر التکبیر میں ہے۔ و ذُقُوا ثَمَرُ يَوْمِ عَرَفَتِهِ فِي عِبَادَتِهِ بِالْوَقْفِ لَيْسَ بِشَيْءٍ
 اِی کے ماتحت شامی میں ہے۔ وَهُوَ مَكْرَمَةٌ فِي مَوْضِعٍ اِسْمُهُ فَتَعْمَلُ اَنْوَاعَ الْعِبَادَةِ مِنْ فَرَصٍ وَوُجْهِ وَ
 مُسْتَحَبِّ حَقِيقَتِ الْاِبَاحَةِ فَيَلِ بِمُسْتَحَبِّ بِرَأْيِهِ كَمَا شَاءَ فِي لَيْسَ بِشَيْءٍ يَتَعَدَّى
 بِهِ الثَّوَابَ وَهُوَ بِصَدَقِ الْاِبَاحَةِ نَا عِبَادَاتٍ مَعْلُومَةٍ لَيْسَ فِيهَا مَسْئَلَةٌ وَجْهِ كَمَا جَاءَ۔

اعتراض۔ اذان تو نماز کی اطلاع کے لئے ہے فحس کے وقت کوئی نماز ہو رہی ہے۔ جس کی اطلاع دینا منکوح ہے چونکہ یہ اذان لغو
 ہے پس ناجائز ہے۔

جواب۔ یہ خیال غلط ہے کہ اذان فقط نماز کی اطلاع کے لئے ہے ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں کہ اذان کتنی جگہ کہنی چاہیے آخر پچھ کے کان
 میں اذان دی جاتی ہے وہاں کوئی نماز کا وقت ہے حضور علیہ السلام کے زمانہ میں رمضان کی شب دواؤں میں ہوتی تھیں ایک تو سحری کے لئے بیدار
 کرنے کو دوسری نماز فجر کے لئے۔

لطیفہ۔ کاتب دار میں روانہ ہے کہ بعد نماز فجر مصافحہ کرتے ہیں اور پوچھ میں رواج ہے کہ بعد نماز عید معاہدہ (کے منا) کرتے ہیں۔ ایک
 صاحب نے ہم سے دریافت کیا کہ معاہدہ یا مصافحہ اول ملاقات کے وقت چاہیے نماز کے بعد تو گوگ رخصت ہو رہے ہیں پھر اس وقت کیوں ہوتا
 ہے یہ مصافحہ اور معاہدہ بدعت ہے ہم نے عرض کیا کہ معاہدہ حضور علیہ السلام سے ثابت ہے۔

مشکوٰۃ کتاب الادب میں ایک باب ہے اسکا بانی عابد المصافحہ و معاہدہ اور وہاں لکھا کہ حضور علیہ السلام نے زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ سے معاہدہ
 فرمایا۔ حدیث کی روش بتاتی ہے کہ معاہدہ خوشی کا تھا اور عید کا دن بھی خوشی کا دن ہے اس لئے عید خوشی میں معاہدہ کرتے ہیں۔

نیز در مختار جلد پنجم باب التکریم باب الاستبصار میں ہے۔ اِی کَمَا نَحْوُ الْمَصَافَحَةِ وَلَوْ بَعْدَ الْعَصْرِ وَقَوْلُهُمْ اِنَّ بَدْعًا
 اِی مُبَاحًا حَسَنًا کَمَا اَفَادَهُ النَّوَوِيُّ فِي اَدْكَارِهِ

"مصافحہ جائز ہے اگرچہ نماز عصر کے بعد ہو اور فقہاء کا حکم ہے کہ مصافحہ نماز عصر بدعت ہے یعنی بدعت مباحہ حسنہ ہے جیسا کہ نووی نے اپنے اذکار میں
 فرمایا۔"

اسی کے ماتحت شامی میں فرماتے ہیں۔

اعْلَمُ اَنَّ الْمَصَافَحَةَ مُسْتَحَبَّةٌ عِنْدَ كُلِّ لَهْدٍ وَ اِذَا مَا اَعْتَدَهُ النَّاسُ مِنَ الْمَصَافَحَةِ بَعْدَ صَلَوةِ الصُّبْحِ
 فَلَا اَصْلَ لَهُ فِي الشَّرْعِ عَمَلِيٌّ هَذَا لَوْ حُجِّجَ وَلَكِنْ لَا سَبَبَ وَ تَقْبِيْلُهُ بَعْدَ الصُّبْحِ وَالْعَصْرِ عَلَى
 عَادَةٍ كَانَتْ فِي رَمَاهِ وَالْاَفْعَالُ الصُّلُوبُ كَتَبَهُ كَدَّ لَكَ

"ہر ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا مستحب ہے اور فجر کے بعد مصافحہ کا جو رواج ہے اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔ لیکن اس میں حرج بھی نہیں اور
 صبح یا عصر کی قید فقط لوگوں کی عادت کی بناء پر ہے ورنہ ہر نماز کے بعد مصافحہ کا یہی حکم ہے۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصافحہ بہر حال جائز ہے لیکن اس کی تسلی نہ ہوئی یہی کہتا رہا کہ مصافحہ معاہدہ ملاقات کے وقت چاہیے ہم نے کہا اچھا بتاؤ۔
 اول ملاقات کسے کہتے ہیں؟ ہوا غائب ہو نیلے بعد جب میں۔ تو یہ اول ملاقات ہے ہم نے کہا۔ غائب ہو نیلے دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ جسما غائب
 ہوں۔ دوسرے یہ کہ وہی طور پر غائب ہوں نماز کی حالت میں اگرچہ بظاہر تمام مقتدی اور امام ایک جگہ ہی رہے مگر حکمی لحاظ سے سب ایک دوسرے
 سے غائب تھے کہ کسی سے کلام کر سکیں۔ ایک دوسرے کی مدد۔ بلکہ یہ تمام لوگ دنیا ہی سے غائب ہیں کہ کھانا، چٹا، چٹا پھرنا تمام دنیاوی کام حرام

ہیں اور **لَصَلَاةٍ مَعْرَاضُ الْمُؤْمِنِينَ** کا ترجمہ نظر آ رہا ہے دنیا سے تعلق منقطع ہے اور واصل الی اللہ ہیں جب سلام پھیر۔ اب دنیا میں
 کئے تمام دنیاوی کام حرام ہو گئے۔ یہ وقت غائب ہو نیلے بعد ملنے کا ہے۔ لہذا مصافحہ سنت ہے وہ کہنے کا کہ یہ منطق سے سمجھا دیا اس کو شریعت سے
 تو ملاقات کا وقت نہیں مانا۔ ہم نے کہا مانا ہے اس وقت سلام کس کو کرتے ہیں اور کیوں کرتے ہیں؟ امام کو چاہئے کہ سلام میں مقتدیوں اور ملائکہ کو سلام
 کر نیکی نیت کرے اور مقتدی نوگ امام کو اور ملائکہ کو درجہ نمازی صرف ملائکہ کی نیت کرے اور سلام یا تو ملاقات کے وقت ہوتا ہے یا رخصت کے
 وقت۔ بتاؤ یہ سلام کیسا کیا یہ لوگ کہیں سے آ رہے ہیں یا جا رہے ہیں؟ جا تو نہیں رہے ہیں کہ ابھی دعائیں گئے وظیفہ پڑھیں گے بعض لوگ اشرق
 پڑھ کر اٹھیں گے۔ معلوم ہو کہ عام بالا کی میر کر کے آ رہے ہیں اور سلام کر رہے ہیں لہذا مصافحہ بھی کریں تو کیا حرج ہے؟ کہنے لگا کہ پھر تو ہر نماز کے
 بعد چاہئے۔ ہم نے کہا ہاں اگر ہر نماز کے بعد کرے تب بھی منع نہیں۔ الحمد للہ کہ اس کی تسکین ہو گئی۔ اسی طرح یہ مسئلہ اذان ہے۔

بحث عرس بزرگان

اس بحث کے دو باب ہیں۔ پہلا باب عرس کے ثبوت میں۔ دوسرا باب مسئلہ عرس پر اہل تصورات و جو بات میں۔

پہلا باب

ثبوت عرس میں

عرس کے لغوی معنی ہیں شادی۔ اسی لئے دوہا در ذہن کو عروسی کہتے ہیں بزرگان دین کی تاریخ وفات کو اس لئے عرس کہتے ہیں کہ مشکوٰۃ باب ثبات طہاب القبر میں ہے کہ جب مگرین میت کا امتحان لیتے ہیں اور وہ کامیاب ہوتا ہے تو کہتے ہیں **لَمْ يَكُ مَوْتُهُ لَعْنُ الْإِنْسَانِ لَا يُوقُظُهُ إِلَّا أَحَبُّ أَهْلِهِ** تو اس ذہن کی طرح سوچا جس کو سائے اس کے پیارے کوئی نہیں تھا سکتا تو چونکہ اس دن تکیریں سے اس کو عروسی کہی، اس لئے وہ دن روز عرس کہلایا، یا اس لئے کہ وہ جمال مصطفیٰ ﷺ کے دیکھے کا دل ہے کہ تکیرین دعا کر پوچھتے ہیں کہ تو اس کو کیا کہتا تھا اور وہ تو خلقت کے دوہا میں۔ تمام عالم ان ہی کے دم کی بھر ہے اور وصال محبوب کا دل عرس کا دل ہے لہذا یہ دن عرس کہلایا عرس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ ہر سال تاریخ وفات پر قبر کی زیارت کرنا در قرآن خود مصداق کا ثوب پہنچا اس اصل عرس کا ثبوت حدیث پاک اور قول فقہاء سے ہے شامی جلد اول باب زیارت القبر میں ہے۔

وَدَى ابْنُ ابْنِ شَيْبَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْتِي قُبُورَ الشُّهَدَاءِ بِأَحَدٍ عَلَى رَأْسِ كُلِّ حَوْزٍ
 ”ابن ابی شیبہ نے روایت کی کہ حضور علیہ السلام ہر سال شہداء اہل حق کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے۔“

عَنْ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّهُ كَانَ يَأْتِي قُبُورَ الشُّهَدَاءِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ حَوْزٍ فَيَقُولُ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَعَسَىٰ أَلْزَرَ وَالْخُصَاءُ أَرْبَعَةٌ هَكَذَا كَانُوا يَصْنَعُونَ

”حضور ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ہر سال شہداء کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے اور ان کو سلام فرماتے تھے اور چاروں خلفاء بھی ایسا ہی کرتے تھے۔“

شاہ عبدالعزیز صاحب فتاویٰ مریدیہ ص ۴۵ میں فرماتے ہیں۔ ”دوم آنکہ ہمیں اجتماع مردان شیعہ جمع شہداء و طہام و طعام و تقسیم درمیاں حاضرین کنندہ اس قسم معصوم و ربا و غیر غرضہ و خلفائے راشدین نہ ہو مگر کے اس طور کنند پاک بیست بلکہ فائدہ حیات، موات حاصل می شود“ دوسرے یہ کہ بہت سے لوگ جمع ہوں اور ختم قرآن اور کھانے شیری پر فاتحہ کے حاضرین میں تقسیم کریں یہ قسم حضور ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں مروج نہ تھی لیکن اگر کوئی کرے تو حرج نہیں بلکہ نعوذ کو مردوں سے فائدہ حاصل ہوتا ہے زبدۃ الصالح فی مسائل مدہارغ میں شاہ عبدالعزیز صاحب مولوی عبدالکلیم صاحب یہ لکھتی علیہ الرحمۃ و الرضوان کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ”اس طعن ہی مست بر جہل بہ حوالہ مطہوں علیہ ریراک غیر ذفر انقض شرعیہ مقرر و رینچ کس فرض نمی داغ آ رہے تبرک حق رواہ ادایاں بایصال ثواب و ملذات قرآن و دعائے خیر تقسیم طعام و شیرینی امر مستحسن و خوب است ہا جماع علماء و تقیین را در عرس برائے آن است کہ آں روز ذکر نکال یشاں می باشد زو را بمصل ہار شوب والا ہر روز کہ اس عمل واقع شود موجب طہار و حجات است۔“ یہ طعن لوگوں کے حالات سے جبرد ر نہ ہونے کی وجہ سے ہے کوئی شخص بھی شریعت کے مقرر کردہ قرآن و غیرہ نہیں جانتا ہاں صاحبیں کی قبروں سے برکت لینا اور بایصال ثواب اور ملذات قرآن اور تقسیم شیرینی و طعام سے ان کی مدد کرنا اجتماع علماء سے چھاپا ہے عرس کا دن اس لئے مقرر ہے کہ وہ دن ان کی وفات کو یاد دلانا ہے۔ ورنہ جس دن بھی یہ کام کیا جاوے چھاپا ہے۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی مکتوب ۱۸۲ میں مورخہ جلال الدین کو لکھتے ہیں۔ ”عرس عرس ہر سبقت ہزار ہا ہمسایہ و صفائی جاری در زندہ۔“ بیوں کا عرس ہزاروں کے طریقہ سے قوی اور صفائی کے ساتھ جاری رکھیں۔ مولوی رشید احمد، و اشرف علی صاحبوں کے ہر حاجی ادا اللہ صاحب اپنے فیصلہ بحث مسئلہ میں عرس کے جو پر بہت رد و دیتے ہیں خود اپنا عمل یوں بیان فرماتے ہیں۔ ”تقریر کا مشرب اس امر میں یہ ہے کہ ہر سال اپنے ہر و مرشد کی روح مبارک پر ایصال ثواب کرتا ہوں اور اس قرآن خوانی ہوتی ہے اور گاؤ گاؤں میں دعوت ہو تو مولود پڑھا جاتا ہے پھر، حاضر کھانا کھلایا جاتا ہے اور اس کا ثوب بخش دیا جاتا ہے۔ مولوی رشید احمد صاحب بھی اصل عرس کو چار زمانے ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب اہدایات ص ۹۲ میں فرماتے ہیں۔ ”بہت اشیاء میں کہ اس مہمان چھیں پھر کسی وقت منع ہو گئیں۔ مجلس عرس و مولود بھی ایسا ہی ہے اہل عرب سے معصوم ہو کہ عرب شریف کے لوگ حضرت سید احمد بدوی رحمۃ اللہ علیہ کا عرس بہت دھوم دھام سے کرتے ہیں خاص کر علماء مدینہ سورہ حضرت امیر حمزہ رضی

اللہ عزوجل کا عرس کرتے رہے، جن کا عزرائق اس حد پہنچا کر ہے غرض کہ دنیا بھر کے مسلمان علماء و صلحین خصوصاً اہل حدیث عرس پر گارہند ہیں اور جس کو مسلمان اچھا جانتیں وہ عند اللہ بھی اچھا ہے۔ "مٹکل بھی چاہتی ہے کہ عرس بزرگاں عمدہ چیز ہو اور تا تو اس لئے کہ عرس زیارت قبور اور صدقہ خیرات کا مجموعہ ہے زیارت قبور بھی سنت، صدقہ بھی سنت تو دوستوں کا مجموعہ حرم کیونکر ہو سکتا ہے؟ مشکوٰۃ باب زیارت القبور میں ہے کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں اہم نے تم کو زیارت قبور سے منع فرمایا تھا۔

اب ضرور زیارت کیا کرو۔ اس سے ہر طرح زیارت قبور کا جو ار معلوم ہو خواہ روزا ہو یا سال کے بعد اور خواہ تھا زیارت کی جاوے یا نہ کر جمع ہو کر اب اپنی طرف سے اس میں قبور لگانا نہ جمع کے ساتھ زیارت کرنا منع ہے سال کے بعد مقرر کر کے زیارت کرنا منع ہے محض لغو ہے محض کر کے ہو یا بغیر معین کے ہر طرح جائز ہے۔ دوم اس لئے کہ عرس کی تاریخ مقرر ہونے سے لوگوں کے جمع ہونے میں آسانی ہوتی ہے اور لوگ جمع ہو کر قرآن خوانی، کلمہ طہید اور واد پاک وغیرہ پڑھتے ہیں بہت سی برکات جمع ہیں۔ تیسرے اس لئے کہ ایک عرس کے مریدین اس تاریخ میں اپنے عرسوں سے بلا تکلف مل بیٹے ہیں جس سے ایک دوسرے کے حالات سے واقفیت ہوتی ہے اور جن میں محبت جو متی ہے، جدتھے اس لئے کہ طالبان کو ہر تلاش کرنے میں آسانی ہے اور اگر کسی عرس میں پہنچے تو وہاں لائق جگہ کے بزرگاں دیں جمع ہوتے ہیں علماء و صوفیہ کا مجمع ہوتا ہے سب کو دیکھ کر جس سے عقیدت ہو اس سے بیعت کرے، آئینہ اور زیارت مدینہ منورہ بھی تاریخ مقرر میں ہے ہوتے ہیں اس میں بھی گذشتہ فوائد ملحوظ ہیں ہم نے دیوبندی اکابر کی قبریں دیکھی ہیں وہاں رونق نہ کوئی فاتحہ خواں، سان و ایصال ثواب، کسی کو اس سے اور نہ کسی سے اس کو فیوض و امور حیر بند کرنے کی یہ برکات ہیں۔

دوسرا باب

مسئلہ عرس پر اعتراضات و جوابات میں

اعتراض ۱ جس کو تم بعد موت ولی سمجھتے ہو۔ اس کا عرس کرتے ہو تو کیا معلوم کہ یہ ولی ہے کسی کے حاتمہ پر یقین نہیں کیا جاسکتا کہ وہ مسلمان مرید ہے دین ہو کر مرید پھر کسی مردے کی ولایت کیونکہ معلوم ہو سکتی ہے؟ بڑے بڑے صاحب کافر ہو کر مرتے ہیں۔

جواب زندگی کے خابہری حکام بعد موت جاری ہوتے ہیں اور جو زندگی میں مسلمان تھا بعد موت بھی اس کو مسلمان سمجھ کر اس کی نماز جنازہ ادا کفن دفن، میراث کی تقسیم وغیرہ کی جاوے گی اور جو زندگی میں کافر تھا بعد موت نہ اس کی نماز جنازہ ہوگی نہ نور کفن نہ تقسیم میراث، شریعت کا حکم ظاہر ہوتا ہے فقط احتمال معتبر نہیں، اسی طرح جو زندگی میں ولی ہو وہ بعد وفات بھی ولی ہے اگر محض احتمال پر احکام جاری ہوں تو کفار کی نماز جنازہ پڑھنا کر و شاید مسلمان ہو کر مراد ہو۔ اور مسلمان کو بے جنازہ پڑھے آگ میں جلا دیا کر دے شاید کافر ہو کر مراد ہو، یہ مشکوٰۃ کتاب البیضاء باب البیضاء میں برویت مسلم و بخاری ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے ایک جنازہ گزرا جس کی لوگوں سے تعریف کی فرماد **و حبت** واجب ہو گئی۔ دوسرا جنازہ گذر جسکی لوگوں نے برائی کی۔ فرمایا **و حبت** واجب ہو گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا واجب ہوئی؟ فرمایا پہلے کے لئے حبت اور دوسرے کے لئے دوزخ پھر فرمایا **اللہ شہد غا اللہ فی الارض** تم زمین میں اللہ کے گواہ ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ عامۃ المسلمین جس کو ولی سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی ولی ہے مسلمانوں کے منہ سے وہ بات نکلتی ہے جو اللہ کے یہاں ہوتی ہے اسی طرح جس کو مسلمان ثواب جانیں، حلال جائیں وہ اللہ کے نزدیک بھی باعث ثواب اور حلال ہے کیونکہ مسلمان اللہ کے گواہ ہیں اسی حدیث نے تصریح فرمائی۔

سارہ **الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عَمَدُ اللَّهِ حَسَنٌ** قرآن فرماتا ہے **وَكذلك جعلناكم أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ** "ہم نے تم کو مست عادل بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو۔"

مسلمان قیامت میں بھی گواہ اور دنیا میں بھی۔ رب تعالیٰ نے قرآن کی حقانیت اور رسول اللہ ص کی صداقت کے ثبوت میں حضرت عبداللہ بن مسام و دیگر بزرگوں کی گواہی پیش فرمائی، کہ فرمایا **و شہدنا محمد بنی اسرائیل علی مثلہ** جب صالح موسیٰ بنی اسرائیل کی گواہی سے نبوت ثابت کی جاسکتی ہے تو دوسرے بعد اوں ثابت ہو سکتی ہے، اور جب اس گواہی سے سارے قرآن پاک کا ثبوت ہو سکتا ہے تو کسی شرعی مسئلہ کا ثبوت بدرجہ اولیٰ ہوگا؟

نوٹ ضروری۔ یہ سوں مکہ مکرمہ میں حرم شریف کے بھدی امام نے کیا تھا ایک مجمع کے سامنے اس کا میں نے یہی جواب دیا تھا جس پر اس نے کہا کہ یہ صحابہ کرم کے لئے تھا کہ وہ جس کے متعلق جو گواہی دیں وہی ہی ہو جائے کیونکہ وہاں فرمایا ہے **اللہ** ہم اس خطاب میں داخل نہیں۔ کیونکہ ہم

اس وقت موجود تھے، میں نے کہا سی مکتوبہ میں اسی جگہ ہے **وَلَمْ يَرَوْا فِي الْمُؤْمِنِينَ شَهِدَاءَ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ**

ایک روایت میں ہے کہ مسلمان اللہ کے گواہ ہیں زمین میں اس میں **فَلَمْ يَرَوْا** نہیں، نیز قرآن میں سارے احکام خطاب کے صیغہ سے آئے **اقْبِسُوا الصُّورَةَ وَأَتُوا الزَّكَاةَ** وغیرہ اور ہم قرآن کے نزول کے وقت نہ تھے لہذا ہم ان حکام سے پری ہیں یہ سب امور صرف صحابہ کرام کے لئے تھے قرآن حدیث کے خطابات قیامت تک کے مسلمانوں کو شامل ہوتے ہیں، الحمد للہ کہ امام صاحب کو اس جواب پر عقدہ تو نہ گیا مگر جواب نہ آیا۔

اعتراض ۲ حدیث شریف میں ہے **لَا تَتَّخِذُوا الْقَبْرَ عَيْدًا** میری قبر کو عید نہ بناؤ، جس سے معلوم ہوا کہ قبر پر لوگوں کا جناح کرنا، میلہ لگانا منع ہے کیونکہ عید سے مراد میلہ ہے اور عرس میں اجتماع ہوتا ہے میلہ لگتا ہے جبہ اہرام ہے۔

جواب یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ عید سے مراد ہے لوگوں کا جمع ہے۔ اور حدیث کے معنی ہیں کہ میری قبر پر جمع نہ ہو۔ تب جناح آیا کرو، عید کے دن خوشیاں منائی جاتی ہیں مکانات کی رعیت و آرائی ہوتی ہے۔ نہیں کو بھی ہوتے ہیں یہی اس جگہ مراد ہے یعنی ہماری قبر انور پر حاضر ہونا واجب ہے۔ یہاں آکر شور نہ مچاؤ کھیل کو نہ کرو۔ اگر قبر پر جمع ہونا منع ہے تو آج مدینہ منورہ کی طرف قافلے بھی جاتے ہیں

النتیجہ **رُفَاهُ** بعد از بیچ گاہ لوگ جمع ہو کر مدعا عرض کرتے ہیں۔ حاتی مدعا اللہ صاحب فیصلہ سنت مسئلہ میں بحث عرس میں نہ فرماتے ہیں۔

لَا تَتَّخِذُوا الْقَبْرَ عَيْدًا اس کے صحیح معنی یہ ہیں کہ قبر پر میلہ نہ لگانا اور خوشیاں اور رعیت و آرائی دعوم دھماکا ہتھام یہ منوع ہے اور یہ معنی نہیں کہ کسی قبر پر جمع ہونا منع ہے ورنہ مدینہ طیبہ فنون کا جائداد اسے زیارت روضہ اقدس کے بھی منع ہوتا۔ **وہد ساطع** "پس حق یہ ہے کہ زیارت مقدیر انظر لا اذ اجتماع دونوں طرح جائز ہے، حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تم ہماری قبر پر جہد نہ کیا کرو مثل عید کے سال بھی کے بعد ہی نہ آیا کرو۔

اعتراض ۳ عام عرسوں میں عورتوں مردوں کا اختلاط ہوتا ہے، ناخوشی رنگ ہوتے ہیں تو ان گالی جاتی ہے، غرض کہ عرس بزرگان صدا ہنرمناں کا مجاہد ہے اس لئے یہ حرام ہے۔

جواب اس کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ کسی مسنون یا جائز کام میں حرام چیزوں کے مل جائے سے اصل حد کا کام حرام نہیں ہو جاتا۔ بلکہ حرام تو حرام رہتا ہے، اور حد کا حلال و حرام کی بحث زیارت قبور کتاب ابن نما میں ہے۔

وَلَا تُشْرِكْ لِمَا يَحْضِلُ عِنْدَ مَن مِّنْكُمْ مِّنْ عَشْرَابٍ وَفَهَامِدٌ كَاخْتِلَاطٍ لِّلرَّحْلِ بِالنِّسَاءِ وَغَيْرِهَا لِأَنَّ الْقُرْبَاتِ لَا تُشْرِكُ لِمَنْ دَبَّكَ بِنَ عَلَى الْإِنْسَانِ فَعَلَيْهِ وَانْكَزَّ ابْنُ دَبَّكَ وَبِزَيْدٍ مَا مَوْضِعُ عَدَمِ نَزْكَ ابْنُ دَبَّكَ لِحَدْرَةٍ وَأَنَّ كَانِ مَعَهَا نِسَاءً نَابِحَاتٌ

"زیارت قبور اس لئے نہ چھوڑ دے کہ وہاں ناجائز کام ہوتے ہیں جیسے کہ عورت مرد کا خلد کیونکہ ان بھی ناجائز باتوں سے مستحبات نہیں چھوڑے جاتے بلکہ انسان پر ضروری ہے کہ زیارت قبور کرے اور بدعت کو روکے، انکی جائید گدشتہ مصدر کرتا ہے کہ جنازے کے ساتھ جانا نہ چھوڑے اگرچہ اس کے ساتھ نوہ کرنے والیاں ہوں۔"

فتح مکہ سے پہلے خانہ کعب میں بت تھے اور کوہ صفا مردہ پر بھی بت تھے مگر بتوں کی وجہ سے مسلمانوں نے نہ تو طواف چھوڑا اور نہ عمرہ وہاں جب اللہ نے قدرت دی تو بتوں کو مٹا دیا، آج بازاروں میں ریل کے سفروں اور دنیاوی طسوں میں عورتوں مردوں کا اختلاط ہوتا ہے خود حاجیوں کے جہازوں میں بعض وقت طواف میں منی حوالہ میں اختلاط مردوں ہو جاتا ہے، مگر ان کی وجہ سے اصل حقی کو کوئی منع نہیں کرتا۔ دینی مدارس میں بھی کثیر اوقات بے احتیاطیاں ہو جاتی ہیں مگر ان کی وجہ سے نفس مدرسہ حرام نہیں اسی طرح عرس ہے کہ عورتوں کا وہاں جانا حرام ہے ناجائز رنگہ حرام ہیں، لیکن ان کی وجہ سے اصل عرس کیوں حرام ہو بلکہ وہاں جا کر سچائی ناجائز رسوں کو روکو، لوگوں کو سمجھاؤ، دیکھو جدائیں تمہیں منافق نے عرض کیا تھا کہ مجھے غزوہ تبوک میں شریک نہ فرمائے کہ وہ شام کی عورتیں خوبصورت ہیں اور میں عورتوں کا شیدائی ہوں۔ مجھے قند میں نہ بیٹھے مگر قرآن کریم نے اس حدیث کی ترمیم فرمائی کہ **أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطٌ وَأَنَّ هَيْئَةَ لِمَحْبُطَةٍ** بالکھربیں اس طرز کو رب نے کفر و زور بیدہ جہنم بتایا، دیکھو تفسیر کبیر و روح البیان یہی طرز آج دیوبندی محض روکنے کے لئے کرتے ہیں۔

آج عید شادی میں صدا ہنرمناں نہیں ہوتی ہیں جس سے مسلمان تباہ بھی ہوتے ہیں اور گنہگار بھی لیکن ان رسوم کی وجہ سے کوئی نکاح حرام کہہ کر بند نہیں کرتا۔

قوان جو آج کل عام طور پر مروج ہے، جس میں گندے مضامین کے اشعار گائے جاتے ہیں، رفاقت اور امردوں کا اجتماع ہوتا ہے، اور مجلس آوار پر رقص ہوتا ہے یہ واقعی حرام ہے لیکن اگر کسی جگہ تم مشرانہ سے قوی ہو گائے والے اور سنتے والے اہل ہوں تو اس کو حرام نہیں کہہ سکتے، بیٹے بڑے صوفیائے کرام نے خاص قوان کو اہل کے لئے جائز فرمایا اور نا اہل کو حرام۔ اس کی اصل وہ حدیث ہے جو مشکوٰۃ کتاب القہر باب مناقب عمر میں ہے، کہ حضور ﷺ کے سامنے ایک لوٹنی دف بجارہی تھی، صدیق کبرآئے تو وہ بجاتی رہی، چٹان غنی آئے بجاتی رہی مگر جب حضرت فاروق عظیم آئے (رضی اللہ عنہم، تمیں) تو دف کو پچے نیچے ڈال کر بیٹھ گئی۔ حضور علیہ السلام نے رشاد فرمایا کہ عمر! تم سے شیطان خوف کرتا ہے سو اس سے کہ یہ دف بجانا شیطان کا کام تھا یا کہ نہیں، اگر تھا تو کیا حضور علیہ السلام اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہم شرکت کیوں کی۔ درمگر شیطان کا کام نہ تھا تو حضور علیہ السلام کے اس فرمان کے کیا معنی؟ جواب وہی ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے آنے سے قبل یہ ہی کام شیطان ہی کرتا ہوتا رہا، در فاروق عظیم کے آتے ہیں شیطان ہی گیا بد ہو گیا، اسی لئے صوفیہ کرام نے اس پر چھڑیں لگائی ہیں ان میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ مجلس میں کوئی غیر اہل نہ ہو ورنہ شیطان کی اس میں شرکت ہوگی، جیسے کہ مجلس حرام میں اگر کوئی شخص بغیر ہم اند کے کھانا شروع کرے تو شیطان بھی اس میں شریک ہو جاتا ہے اس سے درم یہ نہیں کہ حضرت فاروق کا درجہ کچھ کم ہے بلکہ صحابہ کرام کے مشرب علیہم وعلیہم ہیں بعض پر اجتماع غائب بعض پر جذبہ محبت غائب اس لئے اثرات مختلف تھے اگر کوئی غوث یا قہر بغیر ہم اند کھانے میں شرکت کریں تو اس میں شیطان کی شرکت ہو جاتی ہے اس سے اس غوث کی توہین نہیں ہوتی۔

شرعی جہد بالغیم کتاب الکراہیت لخص فی اسس سے پہلے ہے۔ **اِنَّ النِّہٰی لَیْسَتْ بِخُرْمٍ لِّعِبَادٍ بِقَصْدِ الْہُوْمَہِ** **الْاَسْرٰی اِنْ صَرَبَ نَلْکَ لَاہَ بَعْدَ اَحْزَنَ دَرۃٍ وَحَرَمَ اُخْرٰی وَلَہٗ وَلِیَّ السَّادَاتِ الصُّوْفِیۃِ الدِّیْنِ یَقْضُضُوْنَ بِسَمَاعِہَا اَمُوْرًا ہُمُ اَعْنٰہُ بِہٖ فَلَایَا دَرِ الْمَعْرَضِ بِالْمُکَارِ کُنِ لَا یَخْرُجُ مَرِ کُنْہُمُ فَاَنْہُمُ السَّادَدۃُ لَاخِیَارُ** تفسیرات احمدیہ پارہ ۲۱ سورہ قہر ذرات و من الناس من بشری لہو الحدیث میں اس قوی کی بہت تحقیق فرمائی، آخر فیصد یہ فرمایا کہ قوان کے لئے حلال ہے اور نا اہل کو حرام۔ پھر فرماتے ہیں **وہہ سَاخِذٌ لَا شَہِیْدَا اِنَّہٗ نَشَاءُ مِنْ قَوْمٍ کُنُوْا عَارِفِیْنَ وَفَحْشٍ لِّرَسُوْلِ اللّٰہِ وَکَانُوْا مَعْدُوْرٍ مِّنْ بَغْیۃِ الْحَیْلِ وَیَسْتَكْثِرُوْنَ السَّمْعَ لِنُعْمَاءٍ وَکَانُوْا یَخْشَوْنَ دَمَکَ عِبَادۃً عَظَمَ وَحِیَاذًا اَکْبَرَ فَبِیْحَیْ لَہُمْ حَاصِۃٌ اِیْمٰی مُلْخَصًا**

حاجی مہر اللہ صاحب فیصد ملت مسئلہ میں بحث قوان کے متعلق فرماتے ہیں۔ "محققین کا قول یہ ہے، مگر شرعاً جواز جمع ہوں درمعارض مانع مرتفع ہو جاویں تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔ سووی رشید احمد صاحب فی دی رشید یہ جہد کتاب الجہد والا باحد صفحہ ۱۱ پر فرماتے ہیں، بعد از درمیر راگ کا سنا جائز ہے، اگر گائے و اہل نسا۔ ہو در مضمون راگ کا خلاف شرع۔ ہو اور موافق موسیقی کے ہونا کچھ حرج نہیں، خدا صہ کلام یہ ہوا کہ قوان اہل کے لئے شرعاً کے ساتھ جائز ہے در جہا شرعاً در نا اہل کے لئے حرام ہے، قوان کی شرعاً علامہ شامی نے اسی کتاب الکراہیت میں چھ بیان فرمائے ہیں مجلس میں کوئی امرد ہے و دھڑی کاڑ کا نہ ہو اور ساری جماعت اہل کی ہو اس میں کوئی نا اہل نہ ہو تو اس کی نیت خاص ہو۔ اجرت بیٹے کی۔ ہو، ہوگ بھی کھانے اور لذت بیٹے کی نیت سے نہ جمع ہوں، بغیر غلبہ کے وحد میں کھڑے نہ ہوں، اشعار خلاف شرع نہ ہوں اور قوان کا اہل ہو ہے کہ اس کو جہد کی حالت میں اگر کوئی کھوار مارے تو خبر نہ ہو، بعض صوفیہ فرماتے ہیں کہ اہل وہ ہے کہ اگر سارے در تک اس کو کھانا نہ دیا جاوے پھر ایک طرف کھانا ہو دوسری طرف کھانا تو کھانا چھوڑ کر گانا اختیار کرے، اور ہی اس مشکوٰۃ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آج کی عام توہیں حلاں ہیں یا عام ہوگ قوان سنیں بلکہ ہم نے بہت سے مخالفین کو سنا وہ اکابر صوفیہ نے عقائد کو بعض قوان کی بنا پر گایاں دیتے ہیں، اور قوان کو شکل رتا کے حرام کہتے ہیں، اس لئے عرض کرنا پڑا کہ خود قوان نہ سنو مگر دلیہ واللہ جن سے سماع ثابت ہے اُن کو برا نہ کہو۔ قوان ایک دردی دوا ہے جس کو درود ہووہ چنے جس کو نہ ہووہ بچے، حضرت مجدد العالی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ نہ اس کا رمی نہ و نہ انکار ہی نہم۔ "میں نے لوگوں کو کہتے ہوئے خود سنا کہ حدیث میں چونکہ گانے کی بُرائیاں ہیں، لہذا اس کے مقابل جواباً، جمیری و نام غزالی کے قول کا اعتبار نہیں یہ سب فاسق تھے، محاذ القہر کلمات سے دکھا پہنچا۔ مختصر یہ مسئلہ لکھ دیا۔

اعتراض ۵ اگر یہ قاعدہ صحیح ہے کہ حلال کام میں حرام مل جانے سے حلال حرام نہیں بن جاتا تو تعزیدہ دینی بہت پرستوں کے میسے، کھیں، تماشے، سنیما، ٹیویز وغیرہ سب جائز ہوئے، کہاں میں کوئی نہ کوئی کام جائز بھی ہوتا ہی ہے وہاں بھی یہی کہو کہ یہ مجمع حرام نہیں بلکہ اس میں جو مذہبے کام ہیں وہ حرام ہیں جو جائز ہیں وہ حلال نیز نقہا، دھڑاتے ہیں کہ جس دیکھ میں نایک رنگ دسترخواں پر ہو وہاں جانا منع ہے حالانکہ قبور و دعوت سنت مگر حرام کام کے مٹنے سے حرام ہوگئی، اسی طرح عرس بھی ہے خافین کا یہ انہی کی عترت ہے۔

جواب ایک تو ہے حرام کا فعل حلال میں شامل ہوتا۔ ایک ہے اس میں داخل ہونا جہاں فعل حرام اس کا جز بن جاوے کہ اس کے بغیر وہ کام ہوتا ہی نہ ہو اور اگر ہوتا ہو تو اس کا یہ نام نہ ہو، اس صورت میں حرام کام حلال کو بھی حرام کر دے گا اگر فعل حرام اس طرح جز ہو کر داخل نہ ہو گیا ہو بلکہ کبھی اس میں ہوتا ہو اور کبھی نہیں جس کو خلعہ کہتے ہیں، تو یہ حرام اصل حلال کو حرام نہ کرے گا جیسے کہ پیشاب پزے میں لگ گیا اور پانی میں پڑ گیا، پزے کا جز نہ بنا، پانی کا جز بن گیا، تو احکام میں بہت فرق پڑ گیا، نکاح، سفر، بارود وغیرہ میں محرمات شامل ہو جاتے ہیں مگر اس کا جز نہیں سمجھے جاتے کہ اس کے بغیر اس کو نکاح ہی نہ کہا جاوے اور تعزیدہ دینی میں اسراف، ہاجے، ناجائز میسے اس طرح جز بن کر داخل ہونے کہ کوئی تعزیدہ داری وغیرہ اس سے خالی نہیں ہوتی اور اگر خالی ہو تو اس کو تعزیدہ داری نہیں کہتے اگر کوئی شخص کر بلا معنی کا نقشہ بنا کر گھر میں رکھ لے۔ تو زمین میں دفن کرے نہ یہ محرمات ہوں تو جائز ہے کیونکہ غیر جادہ کی تصویر بنانا مباح ہے، الحمد للہ کہ عرس میں نایک گانا وغیرہ داخل نہیں ہوا بہت سے عرس اس محرمات سے خالی ہوتے ہیں اور ان کو عرس ہی کہا جاتا ہے، سرہند شریف میں مجدد الف چہنی صاحب رضی اللہ عنہ کا عرس بالکل محرمات سے خالی ہوتا ہے عام طور پر لوگ حضرت آمنہ خاتون، سیدنا عبداللہ، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا عرس کرتے ہیں، صرف مجلس وعظ اور تقسیم طعام سیرتی ہوتی ہے، سر ہر دعوت قبور کرنا سنت نہیں، نابغہ کی دعوت، اہل سنت کی سر ہر دعوت، علیہ دو حس کے یہاں صرف حرام کا ہی ماں ہو اس کی دعوت قبور کرنا ناجائز ہے، اسی طرح جس دیکھ میں نایک اور رنگ خاص دسترخواں پر ہوا اس کا قبول کرنا منع ہے، بخلاف زیارت قبور کے کہ وہ بہر حال مستحب ہے لہذا احرام کام کے اختلاط سے دعوت تو سنت ہے تو اگر وہاں محرمات ہوں تو اس سے یہ سنت حرام نہ ہوگی، بہت بار یک فرق ہے خیاں رکھنا چاہیے۔

بحث زیارت قبور کے لئے سفر کرنا

عمری بزرگان در زیارت قبور کے لئے سفر کرنا بھی جائز اور باعث ثواب ہے دیوبندی وغیرہ اس کو بھی حرام کہتے ہیں۔ اس نے اس بحث کے بھی دو باب کئے جاتے ہیں پہلے میں جواز کا ثبوت اور دوسرے میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلا باب سفر عرس کے بارے میں

سفر کا حکم اس کے مقصد کی طرح ہے، یعنی حرام کام کے لئے سفر کرنا حرام ہے۔ جائز کے لئے جائز اور سنت کے لئے سنت ہے۔ فرض کے لئے فرض ہے۔ حج فرض کے لئے سفر بھی فرض۔ کبھی جہاد و تجارت کے لئے سفر سنت ہے۔ کیونکہ یہ کام خود سنت ہیں۔ روضہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لئے سفر واجب ہے کیوں کہ یہ زیارت واجب دوستوں کی ملاقات۔ شادی شہر میں اہل قرابت کی شرکت۔ اطباء سے علاج کرے۔ کے لئے سفر کرنا جائز کیونکہ یہ چیزیں خوب جائز ہیں چوری ذبحی کے لئے سفر حرام۔ کیونکہ یہ کام خود حرام ہیں۔ غرض کہ سفر کا حکم معلوم کرنا ہوتا اس کے مقصد کا حکم دیکھ لو۔ عرض خاص زیارت قبر کا نام ہے اور زیارت قبر تو سنت ہے لہذا اس کے لئے سفر بھی سنت ہی میں شمار ہوگا۔ قرآن کریم میں بہت سفر ثابت ہیں۔

وَمَنْ يُخْرِجْ مِنْ بَيْنِهِمَا حَرْوًا لِيَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ يُدْرِكَهُ الْيَوْمَ الْمَوْتُ فَيُقْبَلُ وَقَعِ حَرْوُهُ عَلَى اللَّهِ (پارہ ۵ سورہ ۲۳ آیت ۱۰۹)
"جو شخص اپنے گھر سے بھرت کے لئے نہ اور رسول کی طرف نکل گیا پھر اسکو موت آگئی تو اس کا جز عند اللہ ثابت ہو گیا۔"

سفر بھرت ثابت ہوا لایلف قریش ایلا فہم رحلہ الشتاء والصیف
"اس لئے کہ قریش کو میل دلا یاں کے جائزے اور گرمی کے دنوں سفروں میں۔ سفر تجارت ثابت ہو۔"

وَذَا قَالَ مُوسَى لَهْمَا لَا اَبْرَخْ حَسْبِيَ اَمْرٌ مَجْمَعٌ لِبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْصِيْ خُفْيَا (پارہ ۵ سورہ ۱۸ آیت ۶۸)
"اور یاد کر جبکہ موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا کہ میں ہار نہ رہوں گا جب تک کہ وہاں نہ پہنچوں جہاں دو سمندر ملتے ہیں۔"
حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے ملنے کے لئے گئے۔ ملاقات کیسے سر کرنا ثابت ہوا۔

يٰۤاَيُّهَا فَحَسْبُوْهُ مِنْ يُّوسُفَ وَاجِبِهِ وَلَا تَبْـُٔوْا مِنْ رُّوْحِ اللّٰهِ (پارہ ۱۳ سورہ ۱۲ آیت ۸۷)
"اے میرے بیٹا جاؤ یوسف اور ان کے بھائی کا سراپا لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔"
یعقوب علیہ السلام نے فرزندوں کو تلاش یوسف کے لئے حکم دیا۔ تلاش محبوب کے لئے سفر ثابت ہوا۔
حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا۔

اَذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَنْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يٰۤاَبِيْ بَصِيْرًا (پارہ ۱۳ سورہ ۱۲ آیت ۹۳)
"میرے کرتے لے جاؤ۔ میرے باپ کے منہ پر اللہ کی رحمت کی تلاش کی جائے گی۔"
علاج کے لئے سفر ثابت ہوا۔ وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُّوسُفَ اَوٰى اِلَيْهِ (پارہ ۳ سورہ ۱۲ آیت ۶۹)
"پھر جب وہ سب یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی۔"
ملاقات فرارند کے لئے سفر ثابت ہوا۔ فرارند یعقوب علیہ السلام نے والد ماجد سے عرض کیا۔

فَاَرْسَلْ مَعَهَا حَمٰلًا نٰكِبًا وَاَنَا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ (پارہ ۱۳ سورہ ۱۲ آیت ۶۳)
"ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے ہم نکل لائیں گے اور ان کی ضرورت فراغت کریں گے۔"
روزی حاصل کرنے کے لئے سفر ثابت ہو۔ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا۔

اَذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهُ صَعِيَ "فرعون کی طرف جاؤ کیونکہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔"
تبلیغ کے لئے سفر ثابت ہوا۔ مقلوۃ کتاب العلم میں ہے۔

مِنْ حَرْوٍ فِىْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ "جو شخص تلاش علم میں نکلا وہ اللہ کی راہ میں ہے۔"
حدیث میں ہے۔ اَطْلُبُوْا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالْبَصِيْبِ "علم طلب کرو اگرچہ جہنم میں ہو۔ کریم میں ہے۔"

طلب کروں علم شدہ تو فرض و کرو جب دست از پیش قطع رخص

”علم کا طلب کرنا تم پر فرض ہے اس کے لئے سفر بھی ضروری ہے طلب علم کے لئے سفر ثابت ہوا۔“

گلستان میں ہے۔

برداختہ جہاں تفریح کن! پیش اذان روز گز جہاں برہی

”جاؤ دنیا کی سیر کرو مرنے سے پہلے، سیر کے لئے سفر ثابت ہوا۔ قرآن مجید میں ہے۔“

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِينَ (پارہ ۷ سورہ ۱۰۷ آیت ۱۱)

”کفار سے فرما دو کہ زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ کفار کا کیا انجام ہو۔“

جب ملکوں پر غلبہ لگئی آیا سارے کو دیکھ کر عبرت پکڑنے کے لئے سفر ثابت ہوا۔

جب اس قدر سفر ثابت ہوئے تو مزارات اولیاء کی زیارت کیسے سفر کرنا بدعت اولیٰ ثابت ہوا یہ حضرت عصب روحانی ہیں اور ان کے بیوض مختلف۔

ان کے مزارات پر پہنچنے سے شان الہی نظر آتی ہے کہ اللہ والے بعد اوقات بھی دنیا پر راج کرتے ہیں اس سے ذوق عبادت پیدا ہوتا ہے ان کے

مزارات پر دعا جملہ قبول ہوتی ہے۔ شامی جلد ۱۱ بحث زیارت قبور میں ہے۔

وَهَلْ تُدَبُّ الرِّحْمَةُ لَهَا كَمَا اعْتَبَدَ مِنَ الرِّحْمَةِ لِي رِبْرِهِ حَلِيلِ الرِّحْمِ وَ رِبْرَةِ الشَّيْءِ لِبِدْوَى لِمِ

ارمیں صرّح بہ من انفسہ و مع منہ بعض الامعة الثافعة قیاس علی مع الرّحمۃ بعبیر السّعد

الثّلت وَرَدَّہ الغزالی بوضوح الفرق

”اور کیا زیارت قبور کے لئے سفر کرنا مستحب ہے جیسے کہ تن کل غلیل ارمین اور سید بدوی علیہ الرحمۃ کی زیارت کیسے سفر کرنے کا رواج ہے میں نے

اپنے آئمہ میں سے کسی کی تفریح نہیں دیکھی بعض شافعی علماء نے منع کیا ہے مسجد کے سفر پر قیاس کر کے لیکن امام غزالی نے اس منع کی تردید کر دی فرق

واضح فرمادیا۔“

شامی میں اس جگہ ہے۔

وَمَا الْاَوْلِيَاءُ فَانَّهُمْ مُنْهَوْنُونَ فِي الْقُرْبِ اِلَى اللّٰهِ وَ نَفَعَ الْاَنْبِيَاءَ بِحَسَبِ مَعَارِفِهِمْ وَ اَسْرَارِهِمْ

”لیکن اولیاء اللہ تقرب الی اللہ و رزق کو نفع پہنچانے میں مختلف ہیں بقدر اپنے معارف و اسرار کے۔“

مقدور شامی میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں امام شافعی رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں۔

انسی لا تبرک بامی حسیة و حیة الی قبرہ و اذا عرصب بی حاحۃ صلیت رکعتین و سالت اللہ عند

قبرہ لتقصی سریفہ

”میں امام ابو حنیفہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور ان کی قبر پر آتا ہوں اگر مجھے کوئی حاجت درپیش ہوتی ہے تو دو رکعتیں پڑھتا ہوں و ان کی قبر کے

پاس جا کر اللہ سے دعا کرتا ہوں تو جلد حاجت پوری ہوتی ہے۔“

اس سے چند اسرار ثابت ہوئے زیارت قبور کے لئے سفر کرنا۔ کیونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وطن طلمین سے بغداد آتے تھے۔ امام ابو حنیفہ کی قبر

کی زیارت کے لئے صاحب قبر سے برکت یمنان کی قبروں کے پاس جا کر دعا کرتا۔ صاحب قبر کو زیور حاجت روائی چاہتا۔ نیز زیارت روضہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سفر کرنا ضروری ہے۔ قدوسی رشیدیہ جلد اول کتاب اظہر والاہات صفحہ ۵۹ میں ہے ”زیارت بزرگان کے لئے سفر

کر کے جانا علماء اہل سنت میں مختلف ہے بعض درست کہتے ہیں اور بعض چار تہ دلوں اہل ملت کے علماء ہیں۔ مسئلہ مختلف ہے اس میں تکرار درست

نہیں اور فیصلہ بھی ہم مقلدوں سے محال ہے۔“ رشید احمد حق گو

اب کسی دیوبندی کو حق نہیں کہ سفر عری سے کسی کو منع کرے کیونکہ مولوی رشید احمد صاحب تکرار کو منع فرماتے ہیں اور اس کا فیصلہ نہیں فرما سکتے۔ محفل بھی

چاہتی ہے کہ یہ سفر زیارت جائز ہو۔ سنئے کہ بحر عرض کر چکے سفر کی حلت و حرمت اسکے مقصد سے معلوم ہوتی ہے اور سفر کا مقصد تو ہے زیارت قبر۔

اور منع نہیں۔ کیونکہ زیارت قبر کی جارت مطلقاً ہے۔ لا ضرر و ہا تو سفر کیوں حرام ہوگا۔ یزدانی و دنیاوی کا دوبارہ کے لئے سفر کیا ہی جاتا ہے۔

یہ بھی ایک دینی کام کے لئے سفر ہے یہ کیوں حرام ہو؟

دوسرا باب

سفر عرس پر اعتراضات و جوابات میں

مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے۔

اعتراض ۹

لَا تُشَدُّ لِرُحُلٍ إِلَّا إِلَى ثَلَاثِ مَسْجِدٍ مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى وَمَسْجِدِي هَذَا

”تین مسجدوں کے سوا، اور کسی طرف کا سفر نہ کیا جائے۔ مسجد بیت اللہ، مسجد بیت المقدس، اور میری یہ مسجد۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سوائے ان تین مسجدوں کے اور کسی طرف سفر جائز نہیں اور زیارت قجور بھی ان تینوں کے سوا ہے۔

جواب

اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ ان تین مسجدوں میں نماز کا ثواب زیادہ ملتا ہے چنانچہ مسجد بیت الحرام میں ایک نکل کا ثواب ایک رکہ کے برابر۔ بیت المقدس اور مدینہ پاک کی مسجد میں ایک نکل کا ثواب پچاس برابر کے برابر۔ لہذا ان مساجد میں یہ بیت کر کے دور سے آتا چونکہ فائدہ مند ہے جائز ہے لیکن کسی اور مسجد کی طرف سفر کرنا یہ سمجھ کر کہ وہاں ثواب زیادہ ملتا ہے محض لغو ہے اور ناجائز کیوں کہ ہر جگہ کی مسجد میں ثواب یکساں ہے جیسے بعض لوگ دہلی کی جامع مسجد میں جمعہ اور پڑھنے کے لئے سفر کر کے جاتے ہیں۔ یہ سمجھ کر وہاں ثواب زیادہ ہوتا ہے یہ ناجائز ہے تو سفر کرنا کسی مسجد کی طرف اور پھر زیادتی ثواب کی نیت سے منع ہوا۔ اگر حدیث کی یہ توجیہ نہ کی جائے تو ہم پہلے باب میں بہت سے سفر قرآن سے ثابت کر چکے ہیں وہ سب حرام ہو گئے۔ آج تہارت کے سنے، علم دین کے لئے، دنیاوی کاموں کے لئے صمد ہائیم کے سفر کرتے ہیں۔ وہ سب حرام غریب گئے۔ چنانچہ اس حدیث کی شرح میں بعض المصنفات میں ہے ”و بعضی ارباب گفتند کہ سخن در مسجد است یعنی در مسجد سے دیگر جریں مسجد سفر مسجدوں کے سوا کسی اور مسجد کی طرف سفر جائز نہیں مسجد کے علاوہ اور مقامات وہاں کام کے مفہوم سے خارج ہیں۔“

مرقات شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے تحت ہے۔

فِي الشَّرْحِ الْمُسْتَمَرِّ سَوَى هَذَا مِنْ مُحَمَّدٍ يُحَرِّمُ شَدَّ لِرُحُلٍ لِي غَيْرِ ثَلَاثَةٍ وَهُوَ عَصَى وَلِي لَأَحْيَاءٍ ذَهَبَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ لِي الِاسْتِدْلَالُ عَلَى نَمْعٍ مِنَ الرِّحْلَةِ لِرَبْرِ الْمَشَاهِدِ وَقُبُورِ الْعَمَاءِ وَبِضِلَاحِ عَمَاتِيْنِ إِلَى أَنَّ الْأَمْرَ لَيْسَ كَذَلِكَ مِنَ الرِّبْرِ الْمَمُورِ بِهِ لِحَبْرِ الْأَفْرُورِ وَهُوَ أَمَّا وَرَدِهِ عَنِ الشَّدِّ بِغَيْرِ اثْبَتَةٍ مِنَ الْمَسْجِدِ لِمَا نَبَّهَ وَأَمَّا هَذَا فَلَا تُشَدُّ لِي بِرُكُودٍ رَتْهَ عَلَى قَدْرِ دَرَجَاتِهِمْ عِنْدَ اللَّهِ هَلْ يَمْنَعُ ذَنْكَ بِقَابِلٍ عَنِ شَدِّ الرُّحُلِ بِقُبُورِ الْأَنْبِيَاءِ كَسِرْ هَيْمَ وَمُوسَى وَيَحْيَى وَالْمَعْمُورِ مِنْ دَنْكَ هِيَ عَادِيَةِ الْأَحْيَاءِ وَالْأَوْبَاءِ فِي مَعْبُورِهِمْ فَلَا عَيْدَ بِنُكُورِ دَنْكَ مِنْ أَعْرَاضِ لِرَحْلَةٍ كَمَا أَنَّ رِبْرَةَ الْعُلَمَاءِ فِي الْحَيَاةِ

”لوہی کی شرح مسلم میں ہے کہ ابو محمد نے فرمایا کہ سوائے ان تین مساجد کے اور طرف سفر کرنا حرام ہے مگر یہ محض غلط ہے احیاء معلوم میں ہے کہ بعض علماء حبرک مقامات اور قبور علماء کی زیارت کے لئے سفر کرنے کو منع کرتے ہیں جو محض تحقیقی ہوئی وہ یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ زیارت قبور کا حکم ہے۔ اس حدیث کی وجہ سے کہ **الافروردھا** ان تین مساجد کے علاوہ اور کسی مسجد کی طرف سفر کرنے سے اس نے منع کر دیا گیا ہے کہ تمام مسجدیں یکساں ہیں لیکن مقامات حبرکہ یہ برابر نہیں بلکہ ان کی برکات بقدر درجات ہیں کیا یہ مانع مینا نے کرام کی قبور کے سفر سے بھی منع کر چکا جیسے حضرت ابراہیم و موسیٰ و یحییٰ علیہم السلام سے منع کرنا سخت دشوار ہے اور انبیاء اللہ بھی انبیاء کے حکم میں ہیں پس کیا ہمید ہے کہ ان کی طرف سفر کرنے میں بھی کوئی خاص غرض ہو۔ جیسا کہ علماء کی زندگی میں اس کی زیارت کرنا۔“

اسی مشکوٰۃ کتاب ابیہارنی لغت میں ہے۔

لَا تَرْكَبُ الْبَحْرَ الْأَحْمَرُ أَوْ مُعْصِرُ أَوْ عَرِيْنُ تَحْتَ لِبَحْرِ دَارِ وَتَحْتَ دَارِ بَحْرٍ

”دریا میں سوار نہ ہو مگر حجازی یا عازمی یا عمرہ کرنے لاکھسے کیا سوائے تینوں کے اوروں کو سفر دیا حرام ہے۔“

غرض کہ حدیث کا وہی مطلب ہے جو کہ ہم نے عرض کر دیا۔ ورنہ دنیا کی زندگی مشکل ہو جائے گی۔

رب ہے وہ ہر جگہ ہے۔

جواب ادبیاء اللہ کی رحمت رب کے دروازے ہیں۔ رحمت دروازوں ہی سے ملتی ہے ریل اپنی پوری رٹ سے گزرتی ہے مگر اس کو حاصل کرنے کے لئے انشیش پر جانا ہوتا ہے اگر اور جگہ لائن پر کھڑے ہو گئے تو ریل گزر گئی تو کسی مگر تم کو نہ ملے گی۔ آج دنیاوی مقاصد کو کری تجارت وغیرہ کیلئے سفر کیوں کرتے ہو۔ حد اراق ہے وہ ہر جگہ دے گا۔ طیب کے پاس یہ سفر کر کے کیوں آتے ہیں حد اشافی الامراض ہے اور وہ تو ہر جگہ ہے۔ تب دہوا بدلنے کے لئے پہاڑ و کشمیر کا سفر کیوں کرتے ہو وہاں کی تب دہوا تو تندہی کو مفید ہو۔ لیکن ادبیاء کے مقامات کی آپ دہوا ایمان کو مفید ہو۔ رب نے موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے پاس کیوں بھیجا؟ وہ سب کچھ اس کو یہاں ہی دے سکتا تھا۔ قرآن کریم میں ہے

هٰلِكَ دَعَادُ ثَرِيًّا بِهِ معلوم ہوا کہ ذکر یہ علیہ السلام نے حضرت مریم کے پاس کھڑے ہو کر بچے کے لئے دعا کی یعنی ولیہ کے پاس دعا کرنا باعث قبول ہے۔ معلوم ہوا کہ قبول اولیاء کے پاس دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔

اعتراض ۳ جس درخت کے نیچے بیت الرضوان ہوئی تھی لوگوں نے اس کو زیارت گا دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے اس کو کنوا دیا تو قبول اور سب کو زیارت گا دینا ناسطی امر کے خلاف ہے۔

جواب یہ محض لحد ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخت کو ہرگز نہیں کنوا دیا، بلکہ وہ اصل درخت قدرتی طور پر لوگوں کی لگا ہوں سے غائب ہو گیا تھا۔ در لوگوں نے اس کے دھوکے میں دوسرے درخت کی زیارت شروع کر دی تھی۔ اس لعلی سے بچانے کے لئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس دوسرے درخت کو کنوا دیا۔ اگر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حیرات کی زیارت کے مخالف ہوتے تو حضور علیہ السلام کے اس مبارک قبیلہ شریف اور قبر انور سب ہی تو زیارت گا دینی ہوئی تھیں۔ اس کو کیوں باقی رہنے دیا۔

مسلم جلد دوم کتاب زیارت باب بیوت بیعت الرضوان۔ بخاری جلد دوم باب غزوہ احد بیوت میں ابن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

کان ابی مہس باع رسول لہ صلی اللہ علیہ وسلم عند الشجرہ قال فاصطفا فی قابل حاجتہن فحقی عیب مکہ

"میرے والد بھی نہ میں سے ہیں جنہوں نے حضور علیہ السلام سے درخت کے پاس بیعت کی تھی انہوں نے فرمایا کہ ہم سب آئندہ حج کے لئے گئے تو۔ تو اسکی جگہ ہم پر چلی ہوگی۔"

بخاری میں ہے۔ **فلما حو جتہم العادہ المقبل مسیبا ہا فہم بقدر عیب**

"ہم جبکہ ہم سب آئندہ گئے تو اس کو بھول گئے اور اس کو پانہ سکے۔"

پھر یہ کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اصل درخت کو کنوا دیا۔

بحث کفن یا النی لکھنے کا بیان

اس بحث میں دو مسئلے ہیں اول تو قبر میں شجرہ یا غلاف کعبہ یا عہد نامہ یا دیگر تحریکات کا رکھنا۔ دوسرے کفن یا پوشانی پر اہل یا کسی چیز سے عہد نامہ یا کلمہ طیبہ لکھنا۔ یہ دونوں کام جائز اور حدیث صحیحہ قوال فقہاء سے ثابت ہیں۔ مخالفین اس کے منکر ہیں۔ لہذا اس بحث کے بھی دو باب کئے جاتے ہیں پہلا باب میں اس کا ثبوت۔ دوسرے میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلا باب

کفن یا النی لکھنے کے ثبوت میں

قبر میں بزرگواروں کے تحریکات اور غلاف کعبہ و شجرہ یا عہد نامہ رکھنا مردہ کی بخشش کا وسیلہ ہے قرآن فرماتا ہے **وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ** یوسف علیہ السلام نے بھی یوں سے فرمایا تھا **ادْهِنُوا بِنَمِيمٍ هَذَا وَلَهُوَ عَلَى وَجْهِ ابْنِ بَصِيرَةَ** میری قبر سے جا کر والد ماجد کے مدہم ذال دودا نکلیں۔ یہ ہو جائے گا۔ معلوم ہو کہ ہر دو گوں کا لباس شفا بخشا ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر میں بھی۔ تو امید ہے کہ ہر دو گوں کا نام مردے کی عقل کھول دے اور جوابات یاد آجائیں۔

مشکوٰۃ باب غسل میت میں م طبرانی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب ہم سب بہشت میں رسول طبرانی علیہ السلام کو غسل دے کر فارغ ہوئے تو نبی کریم ﷺ کو خبر دی۔ ہم کو حضور طبرانی علیہ السلام نے چہا تہجد شریف دیا اور فرمایا کہ اس کو تم کفن کے اندر جسم میت سے متصل رکھ دو۔ اس کے ماتحت لمعات میں ہے۔

هَذَا الْحَدِيثُ أَصْلُ فِي النَّبَرِ كَمَا نَفَّارُ الصَّحَابِ وَبِإِسْنِهِمْ كَمَا بَعَثَهُ مَعْصُومُ فَرِيدِي الْمَشَانِخِ مِنْ أَلَسَ أَقْبِيهِمْ فِي الْقَبْرِ

"یہ حدیث صالحین کی چیزوں اور نئے قبروں سے برکت لینے کی اصل ہے جیسا کہ مشائخ نے بعض مریدوں کی قبر میں مشائخ کے کرتے پہنا دیے ہیں۔" اسی حدیث کے ماتحت احمد المصنفات شریف میں ہے "دریں جاہ استہاج تہرک است وہاں صلیبیں و انار ایٹیں بعد از موت قبر میں بھی برکت پینا مستحب ہے جیسا کہ موت سے پہلے تھائی شیخ عبدالحق دہلوی اخبار الخیر میں ہے والد ماجد سیف الدین قادری قدس سرہ کے حوالوں میں فرماتے ہیں۔ "ہوں وقت رحلت قریب تر آمد فرمود کہ بعض ایات و کلمات کہ مناسب معنی علو و اشعار اور کلمات جو کہ علو بخش کے مناسب ہوں کسی کا نظریہ لکھ کر میرے کفن میں ساتھ رکھ دو یا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ سے فتویٰ میں فرماتے ہیں "شجرہ اور قبر بہان معمول بزرگوار است لیکن اس را در طریق مست دست وں بنکے برین مردہ دروں کفن یا ہا، کفن گذارند باین طریق راقبہ منع سے کفہ و طریق دوم میں است کہ جات مردہ دروں قبر حلقہ کمر در اندران کاغذ شجرہ را بہند۔" قبر میں شجرہ رکھنا بزرگوار دین کا معمول ہے لیکن اس کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ مردے کے سینہ پر کفن کے اوپر یا نیچے رکھیں اس کو فقہاء منع کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ مردے کے سر کی طرف قبر میں حلقہ بنا کر شجرہ کا کاغذ اس میں رکھیں۔ مشکوٰۃ باب غسل میت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام عبد اللہ ابن ابی کی قبر پر تشریف لائے جبکہ وہ قبر میں رکھا جا چکا تھا۔ اس کو نکلوایا۔ اس پر پناہ اب وہیں ڈالا۔ اور اپنی قبر میں مبارک اس کو پہنائی۔ بخاری جلد اول کتاب الجنائز باب من احب النفس میں ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام تہجد شریف پڑھتے ہوئے جابر تشریف لائے۔ کسی نے وہ تہجد شریف حضور علیہ السلام سے مانگ لیا۔ صحابہ کرام نے اس سے کہا کہ حضور علیہ السلام کو اس وقت تہجد کی ضرورت تھی اور مسائل کو رد کرنا عادت کریمہ نہیں تم نے کیا مانگ لیا۔ انہوں نے کہا۔

وَلِلَّهِ مَا سَمِعْتُمْ لَابِسَهَا اِنَّمَا مَسْنَاهُ لَتَكُونُ كَفِي قَالِ سَهْلًا فَكَانَتْ كَهْمًا

"تو کی قسم میں نے پہنے کے لئے نہیں لیا ہے میں نے تو اس سے لیا ہے کہ یہ میرا کفن ہو سب فرماتے ہیں کہ وہی سکا کفن ہوا۔"

ابو نعیم نے معروفہ اصحاب میں دروچی نے مسند القرواں میں بعد حسن عبداللہ بن عباس سے روایت کی کہ سیدنا علی کی مددہ، جدہ فاطمہ بنت سعد کو حضور علیہ السلام نے اپنی قبر میں کفن دیا اور کچھ دیر اس کی قبر میں خود بیٹھنے پھر اس کو دفن کیا۔ لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا۔

اِنِّي الْبِسْتُهَا لِنَسَسُ مِنْ ثَابِ الْحَنَةِ وَاصْطَحَفْتُ مَعَهَا فِي قَبْرِهَا لِأَحْفَفَ عَلَيْهَا صَفْطَةَ الْقَبْرِ

"میں نے اسے پہنا کیونکہ جنت کا سب سے اچھا اور سب سے آرام اس لئے فرمایا کہ اس سے جگہ قبر دور ہو۔"

ابن عبدالبر نے کتاب الاستیعاب فی معروفہ اصحاب میں فرمایا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بوقت انتقال وصیت فرمائی کہ مجھ کو حضور علیہ السلام نے اپنا ایک کپڑا عینیت فرمایا تھا وہ میں نے اسی دن کے لئے رکھ چھوڑا ہے۔ اس قبر میں پاک کو میرے کفن کے نیچے رکھ دیتا۔

وَحْدَ ذَلِكَ الشَّعْرَ وَلَا ظَهَرَ فِي جَعْدَةٍ فِي قِمِّي وَعَمِي عَيْسَى وَمَوَاصِعِ السُّجُودِ مَنِي

"دران مبارک ہاتھوں اور تاشوں کو۔ اور گھومیرے منہ میں اور میری آنکھوں پر در میرے اعضا، مجھ پر رکھ دینا۔"

حاکم نے مستدرک میں حمید ابن عبد الرحمن رواہ سے نقل کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ مشک تھا وصیت فرمائی مجھ کو اس سے خوشبو دینا اور فرمایا کہ یہ حضور علیہ السلام کی خوشبو کا بچا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر حوالے بھی پیش کئے جاسکتے ہیں۔ اسی پر قناعت کرتا ہوں۔ زیادہ تحقیقات منقول ہو تو الحرف الحسن معنف علی حضرت قدس سرہ کا مطالعہ کریں۔

صیت کی پیشانی یا کہن پر عہد نامہ یا کلمہ طیبہ لکھنا۔ اسی طرح عہد نامہ قبر میں رکھنا جائز ہے۔ خواہ انگلی سے لکھا جاوے یا کسی اور چیز سے۔ امام ترمذی حکیم ابن علی نے نو اور اصول میں روایت کی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

مَنْ كَتَبَ هَذَا الدُّعَاءَ وَحَمَدَهُ بِسَبْعِينَ مِائَةً لَمْ يَمُتْ وَكَفَّهُ فِي رُقْعَةٍ لَمْ يَمُتْ عَذَابُ الْقَبْرِ وَلَا بَرِي مُنْكَرًا وَلَا نَكِيرًا

"جو شخص اس دعا کو لکھے اور صیت کے سب سے اور کہن کے درمیان کسی کاغذ میں لکھ کر رکھے تو اس کو عذاب قبر نہ ہوگا اور نہ منکر نکیر کو دیکھے گا۔"

تذاتی کبریٰ المتکلی میں اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا۔

أَنَّ هَذَا الدُّعَاءَ لَهُ أَصْلٌ وَهُوَ الْعَقِيْبَةُ اسَّ عَجَلٍ كَأَنَّ بَاغِزَهُ ثُمَّ أَفْسَى بِحَوَارِ كَسَابِهِ قَبَابَ عَمِي كَبَابَةِ اللَّهِ فِي نَعْمِ الزُّكُوفَةِ.

"اس دعا کی اصل ہے اور عقیدہ بن عجل اس کا ہم دیتے تھے اور کئے لکھنے کے جو رکاوٹ تھی، اچھے تھے اس قیاس پر کہ رکوع کے اوّل پر اللہ لکھا جاتا ہے۔"

وہ فرمایا ہے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ

الحرف الحسن میں ترمذی سے نقل کیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو کوئی عہد نامہ پڑھے تو فرشتے سے مہر لگا کر قیامت کے لئے رکھ لے گا۔ جب بندے قبر سے اٹھائے جائیں گے تو فرشتہ وہ خوش رہے گا کہ عہد نامہ لکھا ہے یا نہیں؟ کو یہ عہد نامہ دیا جاوے گا امام ترمذی نے فرمایا کہ وَعَسَى طَائِفٌ مِّنْهُمْ يَهْدُوا الْكُفْمَتِ فَكَسَبَ فِي كَهْفِهِ (الحرف الحسن) حضرت طاؤس سے مروی ہے کہ انہوں نے عہد دیا تو اس کے کہن میں یہ کلمات لکھے گئے۔ وجہ، امام کروری کتاب السحمان میں ہے۔

ذَكَرَ الْأَمَامُ الضُّفَّارُ لَوْ كَسَبَ عَلَى حَبْطِ الْمَيْتِ أَوْ عَلَى عِمَامَتِهِ أَوْ كَهْفِهِ عَهْدًا مَّهْ يُرْحَى أَنْ يُعْفَرَ اللَّهُ تَعَالَى لِلْمَيْتِ وَيَجْعَلَهُ مِّنْ عَذَابِ الْقَبْرِ

"امام صفار نے فرمایا کہ اگر صیت کی پیشانی یا عمامے یا کہن پر عہد نامہ لکھ دیا تو امید ہے کہ خدا صیت کی بخشش فرماوے اور عذاب قبر سے امن دے۔"

در بخار جلد اول باب الشہید سے کچھ نقل ہے۔

كُتِبَ عَلَى حَبْطَةِ الْمَيْتِ أَوْ عِمَامَتِهِ أَوْ كَهْفِهِ عَهْدًا مَّهْ يُرْحَى أَنْ يُعْفَرَ اللَّهُ لِلْمَيْتِ

"صیت کی پیشانی یا عمامہ یا کہن پر عہد نامہ لکھا تو امید ہے کہ رب تعالیٰ اس کی مغفرت فرماوے۔"

در بخار میں اسی جگہ ایک واقعہ نقل فرمایا کہ کسی نے صیت کی تھپی کہا اس کے سینہ پر پیشانی پر بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ لکھ دی جاوے۔ چنانچہ یہ ایسی کیا گیا۔ کسی نے جواب میں دیکھا پوچھا کہ کیا گزری؟ اس نے کہا کہ بعد وفات نہ لکھنا عذاب آئے مگر جب اسہوں نے بسم اللہ لکھی ہوئی دیکھی تو کہا کہ عذاب الہی سے بچ گیا۔ تذاتی نہ از میں کتاب البیانات سے کچھ نقل ہے۔

اذْكَرَ الْأَمَامُ الضُّفَّارُ لَوْ كَتَبَ عَلَى حَبْطِ الْمَيْتِ أَوْ عَلَى عِمَامَتِهِ أَوْ كَهْفِهِ عَهْدًا مَّهْ يُرْحَى أَنْ يُعْفَرَ اللَّهُ تَعَالَى لِلْمَيْتِ وَيَجْعَلَهُ أَمَّا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَإِنْ بَصِيرُهُ رَوِيَتْ فِي تَجْوِيزِ دَلِيلٍ وَقَدْ رَوَى أَنَّهُ

كَانَ مَكْنُونًا عَلَى أَفْعَادِهِ فَاسْ فِي أَصْطِلَ الْفَارُوقِ خُصَّ فِي سَلِّ اللَّهُ

”گر میت کی پیشانی یا علامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھا تو امید ہے کہ اللہ اس کی بخشش کر دے اور اس کو عزتِ قبر سے محفوظ رکھے۔ ہم نصیر نے فرمایا کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ لکھنا جائز ہے۔ اور مروی ہے کہ فاروق کے اصطلح کے گھوڑوں کی رانوں پر لکھی تھیں۔ جس فی سبب اللہ ان کے علاوہ اور بہت سی روایت فقیر پیش کی جا سکتی ہیں مگر اسی پر استغناء کرتا ہوں۔ زیادہ تحقیق کے لئے اعرف المحسن یا فتاویٰ رضویہ شریف کا مطالعہ کرو۔“

مقل بھی چاہتی ہے کہ یہ عہد نامہ وغیرہ لکھنا یا قبر میں رکھنا جائز ہو چند وجوہ سے۔ اولاً تو یہ کہ جب قبر کے اوپر بزرگھاس دیپھوں کی تسبیح سے میت کو فائدہ پہنچا سکتا ہے تو قبر کے اندر جو تسبیح وغیرہ لکھی ہوئی ہے اس سے فائدہ کیوں نہ پہنچے گا؟ دوم اس لئے کہ قبر کے باہر سے میت کو تلقین کرنے کا حکم ہے کہ اللہ کا نام اس کے کان میں پہنچی جاوے تاکہ اس امتحان میں کامیاب ہو تو وہی اللہ کا نام لکھ جو ادیکھ جو ابھی مردے کو جواب گیر بن یاد آئے کی امید ہے۔ یہ بھی ایک قسم کی تلقین ہے اور حدیث **لصبر موتکم** میں تلقین مطلق ہے ہر طرح درست ہے لکھ کر یا کہہ کر۔ تیسرے اس لئے کہ لحد دوں کے نام کی برکت سے مصیبت ٹٹتی ہے۔ جلی ہوئی گٹھختی ہے۔ گھبراہو بواول قرار پاتا ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **الابدکر بہ تطمن**

اشقوب اللہ کے ذکر سے دس مجلس میں آتے ہیں۔ تفسیر نیشاپوری و روح البیان سورہ کہف ذیارت **ما یعلمہ لا قلیل** اور تفسیر صادی شریف میں اسی آیت کے تحت ہے کہ اصحاب کہف کے نام اتنی جگہ کام آتے ہیں گی ہوئی خیر تلاش کرنا۔ جنگ کے وقت۔ بھاگنے کے وقت۔ گے بھانے کے لئے۔ یک کاغذ پر لکھ کر آگ میں ڈال دو۔ بچے کے رونے کے وقت لکھ کر گوارے میں بچے کے سر کے نیچے رکھ دیجئے جا دیں۔ اور کھیتی کے لئے اگر کسی کاغذ پر لکھ کر ٹکڑی میں لگا کر دریاں کھیت میں کھڑی کر دی جاوے۔ اور بخار، اور دوسرے لئے۔ حاکم کے پاس جانے کے وقت سیدی رن پر لکھ کر ہاندھے۔ باب کی حفاظت کیجئے۔ دریا میں سو رہوئے وقت اور قتل سے بچنے کے لئے۔ (روح البیان سورہ کہف آیت ما یعلمہ لا قلیل)

فرماتے ہیں کہ اصحاب کہف سات ہیں۔ یسعیلا، کشیمینا، مظہریبا، عرفوش، دیرعوش، اشافوش، مرطوش (روح البیان سورہ کہف آیت ما یعلمہ لا قلیل)

محدثیں کبھی اسناد صحیح نقل کر کے فرمادیتے ہیں **لو قرأت ہذا لاسد علی معنوں لسر، من خستہ اگر پی ساد کسی دیوے پر پڑھی جائے تو اس کو آرام ہو جاوے اسناد میں کیا ہے برکان دین، راویان حدیث کے نام ہی تو ہیں۔ اصحاب بدر کے ام کے قلعے پڑھے جاتے ہیں۔ تو زندگی میں تو اس بزرگوں کے نام فائدہ مند ہوں۔ اور بعد موت بیکار ہوں یہ نہیں ہو سکتا ضرور اس سے فائدہ ہوگا۔ لہذا میت کے لئے کفن وغیرہ پر ضرور عہد نامہ لکھا جائے۔**

دوسرا باب

کافی لکھنے پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر حسب ذیل اعتراضات ہیں۔

اصطلاح ۱ وہ کسی پر ناسبق کہ کفنی (ملی) نکستادت ہے لہذا حرام ہے۔

جواب : ۱۶) گزشتہ تقریر سے معلوم ہو چکا ہے کہ یہ بدعت نہیں۔ اس کی اصل ثابت ہے اور اگر بدعت بھی ہو۔ تو ہر بدعت حرام نہیں۔ دیکھو ۱۷) بدعت کی تحقیق۔

اعتراض ۲ کفلی و تلقین سمجھنا جادہ ہے کیونکہ اگر مرد اس پر دم ہے تو سہ ت کے وقت لکھا ہوا کیسے پڑھے گا۔

جواب بعد موت ہر شخص تحریر پڑھ سکتا ہے۔ جہالت اس عام میں ہو سکتی ہے وہاں نہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اہل حسرت کی زبان عربی ہے (دیکھو شاہی کتاب فکر بیت) حالانکہ بہت سے مشنری دنیا میں عربی سے ناواقف ہیں اسی طرح ہر مردے سے عربی میں ملائکہ سوال کرتے ہیں اور وہ عربی سمجھ لیتا ہے۔ رب تعالیٰ نے عیاشی کے دن عربی ہی میں سب سے عہد و بیان لیا تو کیا مرنے کے بعد میت کو کسی مدرس میں عربی پڑھائی جاتی ہے؟ انہیں بلکہ خوب بخود آ جاتی ہے۔ قیامت کے دن سب کو عامہ محال نکلے ہوئے دیئے جائیں گے۔ اور جاہل و عام سب ہی پڑھیں گے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد ہر شخص عربی سمجھتا ہے اور لکھا ہو پڑھ لیتا ہے ہدیہ تحریر اس کے لئے مفید ہے۔

اعتراض ۳ علامہ شاہی نے شاہی مجدد اول میں باب التمسد کے کچھ عرصہ قتل سخن پر لکھنے کو منع فرمایا۔ اسی طرح شاہ عبدالعزیز صاحب نے قادی عزیزیہ میں اس کو منع فرمایا کیوں کہ جب میت پھولے مچھلی تو اس کے پیپ و خون میں یہ حروف خراب ہوں گے۔ اور اس کی بے ادبی ہوگی لہذا یہ ناجائز ہے۔ (محققین عام طور پر یہی سوال کرتے ہیں)

جواب ناس کے چند جوابات ہیں اول تو یہ کہ دلیل دعویٰ کے مطابق نہیں دعویٰ تو یہ ہے کہ قبر میں کسی قسم کی خرابی رکھنا جائز نہیں مگر اس دلیل سے معلوم ہو کہ روشنائی یا مٹی سے لکھ کر کفن میں رکھنا منع ہے اور اگر انگلی سے میت کی پیشانی یا سینے پر کچھ لکھ دیا کہ عبد نامہ قبر میں طاقچہ میں رکھ دیا تو

جائزہ میں حروفوں کی بے ادبی کا اندیشہ نہیں۔ لہذا یہ اعتراض آپ کے لئے کافی نہیں۔ دوم یہ کہ علامہ شامی نے مطلقاً تحریر کو منع نہ فرمایا۔ اسی مقام پر خود فرماتے ہیں۔

نعم نقل عن بعض الفضلاء عن فو لد لشرف حنی ان من انکشف عنی حبه لم یب مدد بالاصحح المستبحہ
بسم الله الرحمن الرحيم ونعمی انصدرا لا نه لا الله محمد رسول الله وذلك بعد غسل قبل انکشف
”بعض محققین نے فوائد الشرحی سے نقل کیا کہ میت کی حیثانی پرانگی سے بغیر روشائی لکھ دیا جاوے۔ بسم الله الرحمن الرحيم در سینے پر لکھ دیا جاوے
لا اله الا الله محمد رسول الله کہتے اور یہ تحریر غسل کے بعد کھل دینے سے پہلے ہو۔“

معلوم ہوا کہ تحریر کو مطلقاً منع نہیں فرمایا۔ تیسرے یہ کہ علامہ شامی نے فتویٰ بزرگ سے فتویٰ جواز نقل فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اکابر حنفیہ جواز کے قائل ہیں اور فتویٰ ابن حجر نے فتویٰ حرمت نقل کیا۔ جس جرح شافی ہیں۔ تو کیا حنفیہ کے حکم مقابل شافع کے فتوے پر عمل ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ نیز فتویٰ حرمت صرف شیخ بن حجر کا اپنا قول ہے کسی سے نقل نہیں فرماتے چوتھے یہ کہ میت کے پھولنے پھٹنے کا یقین نہیں بہت سی مہلتیں پھوٹی پھنٹیں۔ تو صرف بے ادبی کے وہم سے مردہ کو فائدہ سے محروم رکھنا آپس کا نصاب ہے؟ پانچویں یہ کہ ہم سے پہلے باب میں صحابہ کرام کے انصاف نقل کئے کہ انہوں نے اپنے کفنوں میں حضور علیہ السلام کے تبرکات رکھنے کی وصیت کی۔ خود حضور علیہ السلام نے اپنا تیند شریف اپنے تحت جگر بنیبت رسول اللہ ﷺ کے کفن میں رکھوایا۔ حضرت عذرا دس سے پہلے کفن پر دعا یہ کلمات لکھنے کی وصیت کی۔ کہیے کیا یہاں خون وہیپ میں تسخیرے کا اندیشہ نہ تھا؟ یا کہ یہ چیزیں معظم یہ تھیں چھپنے یہ کہ مسئلہ شرعی یہ کہ تبرک چیزوں کا نجاست میں ذال حرم ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص انہی نیت سے پاک جگہ ضرورتاً رکھے تو صرف جہاں ٹکوت سے دو تاج نہیں ہوگا۔ اس کے بہت سے دلائل ہیں آپ رحمہما بہت تبرک پائی ہے۔ اس سے احتیاج کرنا حرام ہے مگر اس کا پینا جائز۔ آیات قرآنیہ لکھ کر دھو کر پینا صحیح۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جس خورد و مبارک کھانا پینا جائز حلال۔ حالانکہ یہ بیت میں پہنچ کر مثلاً میں جاتے ہیں اور وہاں سے پیشاب بن کر خارج ہوں گے۔ پہلے باب میں ہم نقل کر چکے۔ کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اہل بیت کے گھوڑوں کی ریلوں پر لکھا تھا۔ جس فی سبیل اللہ۔ حالانکہ وہاں لکھنے میں پیشاب کی گھمبیں پڑے کا احتیاق ہی ہے گھوڑے بھس زمین پر بھی بوئے ہیں مگر اس کا اعتبار نہ ہوا۔ اسی دلیل سے امام نصیر اور امام صفار جو کہ احناف کے جلیل القدر امام ہیں اس تحریر کو ناجائز فرماتے ہیں۔ رہا شیخ بن حجر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ فاروق اعظم کے گھوڑوں کی یہ تحریر انبیاء کے سے تھی لہذا اس کا حکم اور ہو گیا یہ صحیح نہیں کیوں کہ کسی مقصد کیلئے ہو حروف تو وہی نیت کے فرق سے حروف کا حکم نہیں بدلتا۔ غرض کہ یہ اعتراض محض سو ہے۔ حدیث اور عمل صحابہ اور قول ائمہ کے مقابلہ میں کسی غیر مجتہد شافعی ائمہ سب کا محض قیاس معتبر نہیں۔ ہاں کسی امام حنفی کا قول یا کہ صریح حدیث ممانعت پیش کر دے اور ادوت نہ ملے گی۔ ساتویں یہ کہ علماء کے قول سے احتیاج یا جواز ثابت ہو سکتا ہے مگر کراہیت کے لئے دلیل حاس کی ضرورت ہے، جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں۔ تو اس قول میں قول احتیاج قابل قبول ہے نہ کہ یہ قول کراہیت کیوں کہ بلا دلیل ہے۔

اعتراض ۴ حمد نامہ یا فخرہ قبر میں رکھنا صرف ہے کیونکہ وہاں رو کر کسی کے کام تو آویگا نہیں برباد ہو جاوے گا اور اس پر حرم ہے۔

جواب چونکہ اس سے میت کو بہت سے فائدہ ہیں اور میت کے کام آتا ہے لہذا بیکار نہیں تو اس پر حرم بھی نہیں۔

اعتراض ۵ حضور علیہ السلام نے عبد اللہ بن ابی منافق کو اس کے مرنے کے بعد اپنی قمیض پہنائی اور اس کے منہ میں پنا العباب دین ڈال کر اسے

کچھ فائدہ ہوا۔ معلوم ہوا کہ کفنی بیکار ہے۔ نیز چہنگا کہ حضور کو علم غیب نہیں۔ ورنہ آپ اس کو پنا العباب دین دہاں نہ دیتے۔ نیز معلوم ہوا کہ یہ

کے جزائے بدن دوزخ میں جاسکتے ہیں۔ کیوں کہ عبد اللہ ابن ابی منافق دور فتی ہے اور اس کے منہ میں حضور کا عباب۔ لہذا عباب بھی وہاں ہی پہنچا۔

جواب اس واقعہ سے تو کفنی دینے کا ثبوت ہوا کیوں کہ حضور علیہ السلام سے متفق کو اپنی قمیض بطور کفنی ہی پہنائی تھی۔ وہاں یہ معلوم ہو کہ

ایمان کے بغیر یہ تبرکات مفید نہیں۔ کیونکہ یہ عقائد کا مسئلہ ہے جس کا علم ہی کو ضروری ہے۔ جب کہ بنی و قائل پیداوار زمین کو پہنچاتا ہے تو نہ

ایمان کی زمین یعنی انسانی اہل کو کیوں نہ جانیں۔ تمن وجہ سے آپ نے اسے تبرکات دینے ایک تو اس کا بیٹا شخص مومن تھا جس کی الجھنی منکوح تھی،

دوسرے اس نے ایک بار حضرت عباس کو اپنی قمیض پہنائی تھی۔ آپ نے چاہا کہ میرے چچ پر اس کا احسان نہ رہ جائے۔ تیسرے اپنے رحمت عام

ہوے کا کھار کیا تھا کہ ہم تو ہر ایک پر کر مفرمانے کو تیار ہیں کوئی فیض لے لینا لے۔ باور ہر زمین پر رہتا ہے مگر نای و میرہ گندی زمین اس سے فائدہ

نہیں لیتی۔ ہی کے جزائے بدن اسی حالت میں رو کر دوزخ میں جاسکتے۔ حالانکہ نے وہ عباب اس کے منہ میں جذب نہ ہونے دیا بلکہ نکال دیا

ہوگا۔ کائنات میں نوح کا دوزخ میں جانا شکل سالی میں ہے یعنی وہ نطفہ جب کچھ اور بن گیا تب جہنم میں گیا۔ ورنہ حضرت طلحہ نے حضور کے قصد کا خون پیا تو فرمایا کہ تم پر اتنا دوزخ حرام ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جتا رے کے ساتھ کھڑے پڑھنا یا کوئی اور ذکر کرنا ہر طرح جائز ہے بلند آواز سے ہو یا خفیہ رسالہ، ذکر کار مطبوعہ دہلی مصنفین رحمہم
 قناری موسوی رشید احمد صاحب کے ساتھ حدیث صفحہ ۹ میں ہے

اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَجْهَرُ مَعَ لُصْحَابِهِ بِالْاَذْكَارِ وَالتَّهْنِيبِ وَالتَّسْبِيحِ بَعْدَ الصُّلُوهِ
 "حضور علیہ السلام نماز کے بعد صحابہ کرام کے ساتھ تسبیح و تہلیل بلند آواز سے پڑھتے تھے۔"

تفسیر روح البیان پارہ ۴ از آیات رَبَّنَا مَا حَفِظْتَ هَذَا بَصَلًا سُبْحَكَ فَقَدْ عَذَابٌ لَّارِءٍ۔

لَذَكَرُ بَرَفِ لَصُوتِ حَانَرٍ "سُ مَسْتَحَبٌ اَدْنَهُ يَكُنْ عَنْ رَبِّهِ بِعَسَمِ النَّاسِ بِاَظْهَرِ الذَّنْبِ
 وَوُضُولِ بَرَكَةِ الدُّكْرِ اِلَى الشَّامِعِينَ فِي لَذَوْرِ وَالْبُيُوتِ وَيُوَفَّقُ الدُّكْرَ عَنْ سَمْعِ صَوْتِهِ وَيَشْهَدُ لَهُ
 يَوْمَ الْقِيَامَةِ كُلُّ رَطْبٍ وَبَابِ سَمْعِ صَوْتِهِ

"بلند آواز سے ذکر کرنا جائز بلکہ مستحب ہے جبکہ یہ سنا نہ ہوتا کہ دین کا اظہار ہو۔ ذکر کی برکت گھروں میں سامعین تک پہنچے اور جو کوئی اس کی آواز
 سننے اور میں مشغول ہو جاوے اور قیامت کے دن ہر خشک دروازہ کے یہاں کی گویا دے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر ہائیکہ میں بہت سے دینی قائدے ہیں۔ تفسیر خازن درود بیان پارہ ۶ میں زیر آیت یک روایت نقل کی حضور علیہ السلام
 نے سیدنا موسیٰ اشعری سے فرمایا کہ آج رات ہم نے ہماری قرأت کی تم کو تو واؤ دی تو ار دی گئی ہے۔ موسیٰ اشعری فرماتے ہیں۔

فَقُلْتُ اِهَآوَ اللّٰهُ لَوْ عَمِلْتُ اَنْتَ تَسْمَعُ لِحَبْرَتِهِ حَسْرًا اَسْتَحْزِرُ حُسْنَ الصُّوْبِ
 "میں نے عرض کیا کہ رب کی قسم اگر مجھے خبر ہوتی کہ میرا قرآن صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے سن رہے ہیں۔ تو میں اور بھی آواز بنا کر پڑھتا۔"
 اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ صحابہ کرام بلند آواز سے ذکر کرتے تھے کہ باہر آواز آتی تھی دوسرے یہ کہ ذکر اللہ جلالت و قرآن
 عبادت الہی ہے اور میں عبادت میں حضور علیہ السلام کو خوش کرنا صحابہ کرام کی تمنا تھی۔

حَمْدُهُ حَرَمِي حَوْمَةُ اَنْخَسِ اسْمَعِي
 فَاَتَتْ بِمَرَأًى مِنْ سَعَادٍ وَفَسْمَعِي ۱
 مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ التہلیل میں روایت ہے کہ ایک شب حضور علیہ السلام اپنے جاندار صحابہ کرام کا امتحان لینے کے لئے تشریف لے گئے ن
 کے رات کے مشاغل کو ملاحظہ فرمادیں۔ ملاحظہ فرمایا کہ صدیق اکبر تو پست آواز سے قرآن پڑھ رہے ہیں اور فاروق اعظم خوب بلند آواز سے صبح کو
 ان صاحبوں سے جدا دریافت فرمائی تو صدیق اکبر نے عرض کیا کہ اَسْمَعْتُ مِنْ فَا حَيْثُ مَدَّ يَدَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَبَّ اللّٰهُ جَسَدُ كُفْرَانَا
 منظور تھا اس کو میں نے سنا یا یعنی رب کو فاروق اعظم نے عرض کیا کہ اَوْفَقُ الْاَوْسَانِ وَاَطْرُذُ الشَّيْطَانِ سَوَاقٍ كُفْرَانَا۔ شیطان کو
 ہٹا رہا تھا۔ سبحان اللہ دراصل دونوں جو بجا رہے ہیں۔ کسی پر تار اسکی نہ فرمائی۔ بلکہ فرمایا صدیق تم اپنی آواز کچھ بلند کرو۔ و فاروق تم کچھ پست
 کرو۔ صلی اللہ علیہ وسلم رحمہم

مشکوٰۃ کتاب اسماء اللہ تعالیٰ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار میں حضور علیہ السلام کے ہمراہ عشاء کے وقت مسجد میں گیا۔
 دیکھا کہ ایک شخص بلند آواز سے قرآن پڑھ رہا ہے میں نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ ﷺ یہ کیا کار ہے فرمایا بَلْ فَمِنْ مَنِيبٍ انہیں بلکہ
 تو بہترین ماموئن ہے عالمگیری کتاب التکریم باب چہارم فی الصلوٰۃ و تصبیح ذکر و القرآن میں ہے قاصص عتدہ جمع عظیم
 يَرْقَعُونَ اَصْوَاتَهُمْ بِالتَّسْبِيحِ وَالتَّهْنِيبِ حَمْدًا لَا بَأْسَ بِهِ كَسِيَ قَاضِي كَسَاسٍ بِيَدِي جَمَاعَةٍ هُوَ اَوَّلُ مَا سَبَّلَ كَرِهَانَهُ
 آواز میں سبحان اللہ یا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کہیں تو اس میں حرج نہیں۔

عالمگیری میں ہے اَلَا فُصِّلَ فِي قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ خَارِجَ الصُّلُوِّ لِحَفِيزٍ
 "نماز کے علاوہ بہتر ہے کہ قرآن بلند آواز سے پڑھے۔"

عالمگیری یہی مقام اَمَّا التَّسْبِيحُ وَالتَّهْنِيبُ لَا بَأْسَ بِذَلِكَ وَاِنْ رَفَعَ صَوْتَهُ مُبَحِّلًا اللّٰهُ يَا لاَ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے میں حرج
 نہیں۔ مگر بلند آواز سے کہے۔ شری جداول مطلب فی احکام المسجده سے متصل ہے۔

اَجْمَعُ الْعُلَمَاءُ سَلَفًا وَحَقًّا عَنِ اسْتِخَابِ دُكْرِ الْجَمَاعَةِ فِي الْمَسْجِدِ اِلَّا اِنْ تَشَوَّشَ حَفِيزُهُمْ عَلٰی

نام و مُصَلِّ اوقاری

”مفتیین و متاخرین علماء نے اس پر اتفاق کیا کہ مسجدوں میں جماعتوں کا بلند آواز سے نکل کرنا مستحب ہے مگر یہ کہ ان کے جہر سے کسی سونے والے یا ضرری یا کاری کو پریشانی نہ ہو۔“

فَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِنَّ الْجَهْرَ فَصٌّ لِأَنَّهُ أَكْثَرُ عَمَلًا عَمَلًا وَتَعَدَّى قَدَرَهُ إِلَى السَّامِعِينَ وَيُوقُطُ قَبْلَ الْغَائِبِينَ لِيُجْمَعَ هَمُّهُ إِلَى الذِّكْرِ وَيَصْرِفَ سَمْعُهُ إِلَيْهِ وَيُظَرِّدَ لِنَوْمٍ وَبِدِينَةِ الشَّاطِطِ

”بعض اہل علم نے فرمایا ہے کہ بلند درجے کے سر کرنا افضل ہے کیونکہ اس میں کام زیادہ ہے اور اس کا فائدہ اسے اور لوگوں کو بھی پہنچتا ہے اور یہ خالقوں کے دل کو پیدا کر رہا ہے انکے خیرات اور انکے کانوں کو لگرائی کی طرف متوجہ دینا کہ وہ اس کا بے خوشی بڑھاتا ہے۔“

در مقام باب صنوف العیدین بحث تکبیر تشریح میں ہے۔

در مقام دہم سنوۃ العیدین بحث تکبیر تشریف میں ہے۔

وَلَا يَمْنَعُ لِعَامَةٍ مِّنَ التَّكْبِيرِ فِي الْأَسْوَاقِ فِي الْإِبْدَامِ الْحَضَرُ بِهِ سَحْدُ

بقرعید کے اس دنوں میں عام مسلمانوں کو ہزاروں میں نعرہ بکسیر کہتے سے نہ روکو اسی کو ہر اختیار کرتے ہیں غائبانہ زمانہ میں عوام عید کے دنوں میں ہزاروں میں نعرہ بکسیر لگاتے ہوں گے یہ گرچہ بدعت ہے مگر فرمایا کہ اس سے منع نہ کرو۔ اسی جہارت کے ماتحت شامی میں ہے۔

قِيلَ لَا بَنِي حَبِيطَةَ يَسْعَى لَاهِبُ الْكُوفَةِ وَغَيْرَهَا أَنْ يَكْبُرُوا أَيَّامَ لَعْنَتِهِ فِي الْأَشْرِقِ وَ لَمَّا سَمِعَهُ قَالَ
الْفَقِيهُ أَبُو جَعْفَرٍ وَالَّذِي عِنْدِي أَنَّهُ لَا يَسْعَى أَنْ تَمُوتَ بَعَاثَةُ عَذَابِهِمْ فِي الْحَيْرِ وَبِهِ سَاحِدٌ هَا
هَذَا أَنْ تَفْعَلَهُ أَوَّلِي

”امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا کوفہ وغیرہ کے لوگوں کو یہ مستحب ہے کہ عشاء ذی الحجہ میں بار باروں اور مسجدوں میں تکبیر کہیں فرمادیں؟ امام ابوحنیفہ قدس سرہ نے فرمایا کہ میرا خیال یہ ہے کہ عوام کو اس تکبیر سے نہ روکا جائے کیونکہ وہ پہلے ہی سے کار خیر میں کمر بستہ رکھتے ہیں اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں۔“

اس سے معلوم ہوا کہ یہ بازار اسی کی نگہبانی مستحق ہیں۔

کتاب دار کا مصنف، مٹووی کتاب الصلوٰۃ علی اہل اقصیٰ میں ہے بَسْمَلِہُ لِقَارِی الْحَدِیثِ وَغَیْرَہُ مِمَّنْ فِی مَعَادِ دَکَرِ
رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ اِنْ یُرْفَعُ صَوْتُہُ بِالضَّمْوَةِ عَلَیْہِ وَالتَّسْلِیْمِ بِہِ وَقَدْ یُصَلُّ الْعُلَمَاءُ
مِنْ عِلْمِہٖ اَصْحَابُہَا وَغَیْرَہُمْ عَلَیْ اَنَّهُ یُبَسْمَلُہُ اِنْ یُرْفَعُ صَوْتُہُ بِضَمِّہُ عَلَی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ
عَلَیْہِ وَسَلَّمْ فِی التَّلْبِیَہِ یعنی حدیث شریف پڑھنے والوں وغیرہم کو چاہیے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہو تو بلند سے صلوٰۃ وسلام پڑھیں
۱۷۔ اے علماء نے تصریح فرمائی کہ تلبیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بلند آواز سے درود پڑھے۔

کامیاب ہوئے۔ انھوں نے تصریح کر دی کہ تبلیغی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بلند آواز سے درود پڑھے۔

ان کے علاوہ اور بھی احادیث و فقہی عبارات پیش کی جاسکتی ہیں مگر اختصار کی پرکھافت کی جاتی ہے۔ محمد اللہ تعالیٰ عنانہم کے پیشو موسوی رشید احمد صاحب بھی اس میں ہم سے متعلق ہیں چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ جلد سوم کتاب فطر والہ ص ۱۰۴ میں ایک سوال و جواب ہے سوال یہ ہے کہ ذکر باکھر اور دعا باکھر اور روزہ باکھر خفیف ہوا شدید جائز ہے یا نہیں؟ جواب ذکر جہر خواہ کوئی ذکر ہو اہم یوحید کے نزدیک سوائے ان مواقع کے کہ ثبوت جہر نہیں ہے وہاں مکروہ ہے اور صالحین و دیگر فقہاء و محدثین جائز کہتے ہیں در مشرب ہمارے مشائخ کا اعتقاد مذہب صالحین ہے۔

والسلام
۱۴ رجب الثانی ۱۳۲۲
رشید

۱۔ مصرع

اب تو کسی دیوبندی وہابی کو حق نہیں کہ کسی سنی مسلمان کو بلند آواز دکر سے روکے۔ کیونکہ اس کے بلا کر اہت جو پر جسنری ہو چکی ہے۔

حقل بھی چاہتی ہے کہ ذکر با جہر جائز ہو چند وجوہ سے۔ اولاً تو اس لیے کہ قاعدہ شریعت ہے کہ ثواب بقدر محنت ملتا ہے۔ اسی لئے سردی میں وضو کرنا۔ اندھیری رات میں مسجدوں میں جماعت بیٹھنا۔ دور سے مسجد میں آنا زیادہ ثواب کا باعث ہے (دیکھو مشکوٰۃ و میرزا) اور ذکر ہالچہ میں بمقامہ حنفی کے مشقت زیادہ ہے لہذا یہ افضل ہے۔ دوسرے اس لیے کہ مشکوٰۃ کتاب الاذان میں ہے کہ جہاں تک متوسل کی آواز جاتی ہے۔ وہاں تک کے تمام درخت، پتے، گھاس، جن دانس قیمت میں اس کے ایمان کی گواہی دیں گے۔ تو ذکر ہالچہ کا کلمہ ذکر کو بھی کہ کلمہ غیرہ کی ضرب سے دل بیدار ہوتا ہے اور سامعین کو بھی کہ ممکن ہے کہ وہ بھی سن کر ذکر کریں۔

اگر نہ بھی کریں تو بھی سنا ثواب ہے اور لازم سے تھکی چھا۔ چوتھے اس لئے کہ مشکوٰۃ باب الاذان میں ہے کہ آذان کی آواز سے شیطان بھاگتا ہے۔ ابھی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا جواب نقل کیا جا چکا ہے کہ انہوں نے عرض کیا تھا جس سے معلوم ہوا کہ دیگر اذکار سے بھی شیطان بھاگتا ہے اس لئے ذکر بالجہر میں شیطان سے بھی امن ہے۔ پانچویں اسلئے کہ ذکر بالجہر سے نیند اور کسل و سستی دور ہوتی ہے ذکر خفی میں اکثر نیند بھی آ جاتی ہے مگر یہ تمام تقریر اس صورت میں ہے کہ جب ریا کری کے لئے نہ اگروا کیسے ہے تو ریا کی نیت سے مرقد کرنا، نماز پڑھنا بھی گناہ کا موجب ہے۔ حضرات نقشبندیہ قدس سرہ اراکم کا مشغلہ ذکر خفی ہے وہ تو اس پر عامل ہیں۔

دس میں جو یاد دہی گوشہ تنہائی ہو

بھر تو خلوت میں عجیب نمجن آرائی ہو

باقی سدا سدا کے ولی و ذکر بالجہر میں مشغول رہتے ہیں۔ اس کا اس پر عمل ہے۔

سارا عام ہو مگر دید و دس دیکھے تمہیں

انجمن گرم ہو اور مدت تنہائی ہو

ہر دو حضرات خدا کے پیارے ہیں۔ نقشبندی حضرت تو خلوت میں جلوت کرے ہیں اور باقی حضرت جلوت میں جلوت مگر اللہ تعالیٰ نے سب سے جنت کا وعدہ فرمایا مگر ان کا یہ اختلاف صلت و حرمت میں نہیں۔ پتا اپنا طریقہ کار ہے۔ نہ تو خفی وائے جبر و انوار کو طعن کریں نہ جبر وائے خفی وائیں کو یہ ساری گفتگو ان پوچھندوں و مجرہ سے ہے جو کہ جہر پر فتویٰ حرمت لگاتے ہیں۔ مجدد صاحب قدس سرہ کے اس فرماں کے قربان کہ نہ اس کا مکالم و نہ ان کا مکالم رضی اللہ عنہما صحیح ہے۔

دوسرا باب

ذکر بالجہر پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر مخالفین دو طرح کے اعتراض کرتے ہیں نفی اور مقلی۔ ہم ان نفی اعتراضات میں مع جواب عرض کرتے ہیں۔

اعتراض ۱ **وَاذْكُرْ ذَنْبَكَ فِي نَفْسِكَ نَصْرًا وَخَفِيَةً وَذُورِ الْحَجَرَ مِنَ الْقُلُوبِ بِالْعَدْوِ وَالْأَصْلِ**
 "پنے رب کو اپنے دس میں یاد کر داری اور اسے اور بغیر تار لکھے مع دشمن۔"

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر الہی دس ہی میں چاہیے بندہ تو رستہ منع ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں۔ اولیٰ کہ اس آیت میں ذکر بالجہر بحالت نماز مراد ہے یعنی اتفاقاً کہ زور میں قرأت یا مقتدی ہر نماز میں یا انتہیات و طیرہ دس میں پڑھے یا مقرر ضرورت سے زیادہ آواز نہ لگائے تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَمَنْ أَمَّ فِي صَلَوةِ الْحَجَرِ بَعِي لَهُ أَنْ لَا يَحْجِرَ حَجَرًا شَدِيدًا بَلْ يَقْتَصِرْ عَلَى قَلْبِهِ وَيَسْمَعُهُ مِنْ حِجْهِ قُلْ فِي الْكُشْفِ لَا يَحْجِرُ فَوْقَ حَاجَةِ النَّاسِ وَالْأَلْفِئَةُ فَنَسِيَ
 "جو شخص جہری نماز میں امت کرے وہ بہت آواز سے قرأت نہ کرے بلکہ اس قدر پر کفایت کرے کہ پیچھے والے اس میں۔ کشف میں فرمایا کہ قدر ضرورت سے زیادہ نہ چپے ورنہ گناہگار ہوگا۔"

تفسیر کبیر میں اس آیت کے ماتحت ہے۔ **وَالْمُرَادُ مِنْهُ أَنْ يَفْعَلَ ذَلِكَ حَيْثُ يَكُونُ مَتَوَسِّطًا بَيْنَ الْحَجَرِ وَالْحَافَةِ كَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَلَا يَحْجِرُ** یعنی مراد یہ ہے کہ جہر و اخفاء کے درمیان ذکر نہ پڑھے۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قُلْ إِنَّ عِبَادَ اللَّهِ لَخِفَاءُ بِالذِّكْرِ لَقُرْآنٍ فِي الصُّلُوةِ بَرِيدًا قُرْ سِرًّا فِي نَفْسِكَ

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ذکر سے مراد نماز میں تلاوت قرآن ہے۔"

مقصود یہ ہے کہ دل میں قرأت کر خود قرآن کریم نے دوسری جگہ اس کی یوں تفسیر فرمائی۔

وَلَا تَخْهَرُ بَصَلَتَكَ وَلَا تَحَافُتْ فِيهِ وَانْبِغِ نِينَ ذَلِكَ سَبِيلًا

"در اپنی نماز بہت آواز سے پڑھو نہ بالکل آہستہ نہ دونوں کے بیچ میں راستہ احوط ہے۔"

اور ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں کہ تفسیر قرآن بالقرآن سب پر مقدم ہے دوسرے یہ کہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ ذکر محض قوی نہ ہو بلکہ قول کے ساتھ قلب بھی مشاغل ہو کہ سکے بغیر ذکر بیکار ہے حارث میں اسی آیت کے ماتحت ہے **وَقُلِ الْمُرَادُ بِالذِّكْرِ فِي النَّفْسِ أَنْ**

يُسْتَحْصَرُ فِي قُبِّهِ عَظْمَةُ الْمَذْكُورِ حُلْ حَلَا لَهٗ اِی غازیں میں ہے وَاذْکُرْ بِالْاَنۡسِ عَادِیًا عَنْ ذِکْرِ لِقَابِ کَانَ عَدِیۡمِ الْفَاعِلَةِ لِاَنَّ فَاعِلَةَ الذِّکْرِ حُضُورُ الْقَلْبِ وَاسْتِشْعَارُهُ عَظْمَةُ الْمَذْكُورِ حَلَا جَلَا لَهٗ کہہ گیا ہے کہ اس میں ذکر کرے سے یہ مراد ہے کہ قلب میں خدائے قدوس کی عظمت موجود ہو یعنی جبکہ نہانی، سرقلبی ذکر سے خالی ہو تو بے فائدہ ہے۔ کیونکہ ذکر کا فائدہ تو دل کا حاضر کرنا اور خدائے تعالیٰ کی عظمت کا دل میں رہنا ہے۔

یا اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات ذکر قلبی ذکر بالجہ سے بہتر یعنی یہ امر احتمالی ہے اور انتخاب بھی ہر وقت در ہر حیثیت سے نہیں بلکہ بعض صورتوں میں ہے۔ اسی لئے یہ آیت اس آیت کے بعد ہے کہ **وَ اذْکُرْ الْقُرۡنَ اَیۡمَنۡمَعُوۡا لَہٗ** تو دونوں آیتوں کے مدانے سے معلوم ہو کہ ذکر لینی کبھی بالجہ چاہیے اور کبھی آہستہ جب بالجہ ہو تو خاموشی سے سنو۔ اور جب آہستہ ہو تو اس میں غور و فکر کرو اگر جہر میں خوف رہا ہے تو سکوت بہتر۔ اور اگر یہ مقصود ہو کہ شیطان دفع ہو قلب بید رہو۔ اور سونے والے جاگ جاویں اور تمام چیزیں قیامت کے دن داکر کے ایماں کی گواہی دیں تو جہر بہت ہے۔ روح البیہاں میں ہی آیت کے ماتحت ہے۔

وَ ذِکْرُ رَبِّکَ فِی نَفْسِکَ وَهُوَ الذِّکْرُ بِسَکَلَاہِ الْحَمِیۡ اِنَّ لِاِخۡصَآءِ اِذْخُلَ فِی الْاِحۡلَاصِ وَ قُرۡبِ مِّنَ الْاِحۡبَیۡۃِ وَہِدِ اَلذِّکْرُ نِعۡمَ الْاَذْکَارُ کُنۡہَا مِّنَ الْفَرۡءِہِ وَالۡدُعَآءِ وَغَیۡرِہَا

”اس سے مراد ہے ذکر قلبی کیونکہ دعا کو احلاص میں زیادہ دخل ہے اور یہ قولیت سے زیادہ قریب ہے اور یہ ذکر تمام ذکروں اور قرأت اور دعاؤں کو شامل ہے۔“ روح البیہاں میں اسی آیت کے ماتحت ہے، **بِاَنَّ لَاحِصَہٗ فَصِلَ حِثَّ حَافِ لَزِیۡۃِ اَوۡبَدِیۡ مَصۡنُوعٍ وَ لَاسۡوۡنَ وَ لِحَہۡزِ فَصِلَ فِیۡ غَیۡرِ ذٰلِکَ لِاَنَّ لِعَمَلِہٖ کَثَرٌ وَّلَآیۡنَ فَاسَدَہٗ سَعَدِی لَیۡ اَمۡ مَعِیۡ وَ لَآنَہٗ یُوَقِّظُ قَلۡبَہٗ اَلذِّکْرُ وَ یَفۡصَحُ ہُنۡہُ وَ یُضَرِّفُ مَنۡعَہُ اَللّٰہُ**

”آہستہ ذکر وہاں افضل ہے جہاں کہہ رہا کہ خوف ہو یا نمازیوں یا سونے والوں کو بخیر ہو اور اس کے مداد وہ دیگر مقام میں ذکر بالجہ افضل ہے کیونکہ اس میں عمل زیادہ ہے اور اس کا فائدہ سننے والوں کو بھی پہنچتا ہے اور اس لیے کہ یہ ذکر کے دل کو بیدار کرتا ہے خیانت کو جمع کرتا ہے اور ذکر کی طرف کانوں کو متوجہ کرتا ہے۔“

اصۡتَرَاۡضِ ۛ وَ اذۡعُرُوۡا رَبَّکُمۡ تَصۡرَعُوۡا وَ حَفِیۡۃُ اِنَّہٗ لَا یَحِبُّ الْمُفۡتَدِیۡنَ

”پہلے رب سے گڑگڑا کر اور آہستہ دعا کر دیکھ کہ حد سے بڑھنے والے اس کو پسند نہیں۔“

اس سے بھی معلوم ہوا کہ بلشآء اول سے ذکر خدا کو نا پسند ہے۔

جواب اس کے بھی چند جوابات ہیں اول تو یہ کہ اس آیت میں دعا کا ذکر ہے نہ کہ برد کرالنی کا اور واقعی دعا خیر ہی کرنا افضل ہے تاکہ خلاص تام ہو۔ تفسیر روح البیہاں میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

یٰ مُنۡصَرِّعِیۡنَ مُفۡتَدِیۡنِیۡنَ مُعۡقِفِیۡنَ نَدۡعَآ لَیۡکُمۡ اِقۡرَبَ لَیۡ حَیۡۃِ بَکُمۡ لَعۡنَہٗ ذَلِیۡلُ الْاِحۡلَاصِ وَ لَاسۡخَرُ رِیۡآءِ ”یعنی رری اور عاجزی کرتے ہوئے دعا کو خیر کرتے ہوئے دعا کرنا تاکہ قیامت سے قریب ہو کیونکہ چپکے سے دعا کرنا احلاص کی دریا سے دور ہونگی دلیل ہے۔ کہہ گیا ہے کہ اس سے مراد خیر دعا ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ دعا سواں اور مطلب ہے اور یہ ایک قسم کی عبادت ہے۔“

تفسیر حارن بہ ہی آیت و فِیۡلِ الْفَرَادِیۡہِ حَقِیۡقَہٗ نَدۡعَآءِ وَهُوَ لِضَحِیۡخٍ لِاَنَّ الدُّعَآءَ هُوَ الشُّوۡ وَالطَّلَبُ وَهُوَ نَوۡعٌ مِّنَ الْعِبَادَۃِ

تفسیر غازیں اسی آیت کے ماتحت ہے وَ لَا رِبَ فِی الدُّعَآءِ اِنَّ بَکُمۡ حَقِیۡقَۃً بِہِدَہٗ اَلَا یَدۡقُلُ الْاِحۡسَنُ دَعۡوۃَ الشُّرِّ وَ دَعۡوۃَ اَلْعَلَابِیۡۃِ سَعۡوُنَ صَفۡحَا

”دعا کا طریقہ یہ ہے کہ خیر ہو اسی آیت کی وجہ سے حسن نے فرمایا کہ خیر ایک دعا اور عذاب سزا دعا نہیں برابر ہیں۔“

یا مراد ہے کہ بعض عبادت میں ذکر لینی خیر طور پر بہتر ہے یعنی ادعا سے مراد برد کرالنی ہے اور یہ امر احتمالی ہے اور وہ بھی بعض اوقات کے لحاظ سے۔

تفسیر خازن میں اسی آیت کے تحت ہے۔

مذهب بعضهم لى ان احماء الضاعات والعبادات افضل من اظهارها لهذا لاية ولكونها ابعد من الرباء وذهب بعضهم لى ان اظهارها افضل ليعتدى به الغير فيعمل مثل عمله وذهب بعضهم الى ان اظهار العبادات المشروعة افضل من احماءها

بعض مفسرین ادھر مگے ہیں کہ عبادتوں کو خفیہ کرنا ناف ہر کرنے سے بہتر ہے اسی بہت کی وجہ سے اور اس لیے کہ یہ یا سے زیادہ دور ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ اظہار الغفل ہے تاکہ دوسرے بھی اس کی پیروی کر کے عبادت کریں اور بعض فرماتے ہیں کہ فرضی عبادت کا اظہار فقہ سے بہتر ہے۔

اعتراض ۳ واداس لک عبادی عنی فانی فریب "اُحِبُّ دَعْوَةَ اللَّهِ اِذَا دَعَا

”ارے محبوب جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں دعا قبول کرتا ہوں پکارنا اے کی جب مجھے پکارے۔“

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ ہم سے قریب بہ دل کے خیالات اور آہستہ بات کو سنتا ہے پھر بلند آواز سے لپکارتا ہے کار ہے۔"

جواب اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کے خیال کو باطل فرمایا گیا ہے جو ذکر یا بھجر یہ سمجھ کر کریں کہ خدا ہم سے دور ہے بغیر بلند آواز کے وہ ہماری سنتا نہیں یہ خیال محض جہالت ہے ذکر یا بھجر تو عقل قلب و جگانے کے لئے ہوتا ہے۔ تفسیر روح البیہاں میں اسی آیت کے تحت ہے۔

وَسَبِّ نَزُولِهِ مَارُوِيٌّ فِي أَغْرَابِ قُلُوبِ رُسُلِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْرَبُ رُبَّمَا فَضَا
صَبَّحَ مَعْبُودٌ فَتَدْبَرَهُ فَقَالَ تَعَالَى

”اس بہت کا شاں رول یہ ہے کہ ایک بدوی کے حضور علیہ السلام سے عرش کیا کہد ب تعالیٰ قریب ہے تا کہ اس سے مناجات کریں ۛ دور ہے کہ اس کو بکار میں اس پر رب نے فرمایا۔“

معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کو دو درجہ کرپکارنا برا ہے یہ بھی روایت ہے کہ یہ آیت کریمہ فرد خیر کے موقع پر تری جبکہ لوگ لغو انگیر لگانا چاہتے تھے اور حضور علیہ السلام کا خشم اقدس کہ ہم غیظی طور پر وہاں پہنچی جاویں کہ کفار کو خبر نہ ہو چناںچہ روح البیاض میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَالَ ابْنُ فُؤَيْسٍ الْأَشْعَرِيُّ لَمَّا تَوَخَّاهُ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَى حَبِيرٍ أَشْرَفَ النَّاسُ عَمِيٍّ وَإِذْ يَرْفَعُونَ أَصْوَاتَهُمْ بِالْتَّكْبِيرِ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ رَمَعُوا عَمِيٍّ أَنْفُسَكُمْ لَا تَدْعُونَ صَمًّا وَلَا عُمًا

”جبکہ حضور علیہ السلام خیر کی طرف متوجہ ہوئے تو لوگ کسی اونچے جنگل پر چڑھے تو انہوں نے بلند آواز سے ٹھیکیر مکی۔ پس حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ: ”یہ جانو! میں نے فری کر دیا کسی بہرے یا عاصب کو نہیں نکالتے ہو۔“

هذه باعتبار المشارب و لمهمات و نتائج بعض أفعالات الجهاز بنوع الحواطر

"یہ موقع اور محل اظہار سے ہے اور غافل لوگوں کے حاس کے لائق ذکر باعجم ہے ہندو خیالات کو دمع کرتے کے لئے۔"

اعتراض ۱: منقولہ کتاب الاسلام و ادب خوب تصحیح و تجدید میں ہے۔

فَجَعَلَ النَّاسَ يَحْمِلُونَ بِالشُّكْرِ فَهَلْ رَسُوهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِأَيِّ نَاسٍ أَرْبَعًا عَمَى ابْصَاكُمْ أَنْكُمْ لَا تَدْعُونَ

اَصْلُ وَلَا تَغَابُ اَنْكُمْ مَدْعُوْنَ سَمِيفٌ بَصِيرٌ وَهُوَ مَعَكُمْ وَتُدَىٰ مَدْعُوهُ اَقْرَبُ نَبِيٍّ اَحَدُكُمْ مِنْ عَوِيٍّ رَاحَتُهُ

”باہر دہانہ بند کر کے لے کر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اے لوگو! جی جان لوں پر رہی کہ وہ تم سے جو بیچارے ہو، سب کو تم کو مسیح و عیسیٰ کو پکارتے ہو، اور وہ تمہارے ساتھ ہیں اور جس کو تم پکارتے ہو وہ تم سے بہت جلد تمہاری سوار یوں کی گردوں کے زیادہ قریب ہیں۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذکر باجماع منع ہے۔ اور حضور علیہ السلام کی مائتھی کا باعث۔

جواب اس کا جواب غمنا سو نمبر ۲ کے ماتحت گزر چکا کہ یہ حدیث ایک سفر جہاد کے موقعہ کی ہے اس وقت ضرورت تھی کہ مسلمان کا لشکر بغیر اطلاع خیبر میں داخل ہو جاوے تاکہ کفار خیبر جنگ کی تیاری نہ کر سکیں۔ بعض لوگوں نے بلند آواز سے بھیج کر کہی چونکہ موقعہ کے خلاف تھا لہذا روک

دیا گیا۔ اسی حدیث کے تحت اس طرح ہے کُتِبَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَيَجْعَلُ النَّاسُ

خبر ان کے لئے کہ وہ اس کے لئے تیار ہیں۔

فِيهِ اِشَارَةٌ إِلَى اَنْ اَلْمَنْعَ مِنَ اَلْجَهْرِ لَتَنْتِيسِرَ وَالْاَفَاقُ لَا يَكُونُ اَلْجَهْرُ غَيْرَ مَشْرُوعٍ

"اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ جہر سے ممانعت آسانی کیلئے ہے نہ اسلئے کہ جہر منع ہے نہ اسلئے کہ جہر منع ہے۔"

ابو عبد اللہ رحمہ اللہ اسی حدیث کے تحت ہے دریں اشارت است کہ منع از جہر بڑے آسانی و نرمی است نہ از جہت تا مشر و عنیت ذکر بالجہر حق آنت ذکر جہر مشروع است ہے سہر گرجہ فرض این روز در سالہ اس و اثبات نمودہ۔" اس حدیث میں ادھر اشارہ ہے کہ جہر سے ممانعت رنی اور آسانی کیلئے ہے نہ اسلئے کہ جہر منع ہے اور حق یہ ہے کہ ذکر جہر بلاشبہ مشروع ہے لکن کسی وجہ سے اور ہم نے سکا ثبوت رسالہ اور اد میں دیا ہے۔

اعتراض ۵ ہدایہ جلد دوم فصل فی تکبیرات التشریق میں ہے۔

وَحَدَّثَنَا اَبُو اَبِي اَسْوَدٍ اَحَدًا بِالْاَلْفِ لَانِ اَلْجَهْرُ بِالْاَلْفِ مَذْعُوعٌ

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول یا تم کو ایسے کہنے کیونکہ بلند آواز سے تکبیر کہنا بدعت ہے۔ اور بدعت میں کمی بہت ہے ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک نوں دی لکھی فجر سے دسویں کی عصر تک ہر نماز فرض کے تکبیر تشریق کہنا چاہئے۔ اور صاحبین کے نزدیک نوں کی فجر سے دسویں کی عصر تک امام صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ تکبیر بالجہر بدعت ہے اور بدعت میں کمی بہت۔ اس لئے صرف دو دن تکبیر کہو۔ جس سے معلوم ہو کہ ذکر بالجہر بدعت ہے۔ اسی ہدایہ میں اسی فصل تکبیرات التشریق میں ہے۔

وَلَا اِنَّ اَلْجَهْرَ بِالْاَلْفِ حِلٌّ اَوْ اَلْجَهْرُ بِالْاَلْفِ حِلٌّ اَوْ اَلْجَهْرُ بِالْاَلْفِ حِلٌّ اَوْ اَلْجَهْرُ بِالْاَلْفِ حِلٌّ

"اور اس لئے کہ تکبیر بالجہر خلاف سنت ہے۔ اور اس کا حکم اس شریک کے جمع ہونے کی صورت میں ہے۔"

جواب امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف اس تکبیر تشریق کے وجوب میں ہے نہ کہ جو رکعت بھی امام صاحب تو صرف دو دن ضروری کہتے ہیں اور صاحبین پانچ دن۔ امام صاحب اس کو بدعت یا خلاف سنت کہہ کر وجوب کا انکار کرتے ہیں ہم اسی بحث کے پہلے باب میں شامی سے نقل کر چکے ہیں کہ خود امام صاحب نے اہل کوہ کہ ہر اوں میں نعرہ کی اجازت دی۔ کیسے اس بدعت کی اجازت کیوں دی؟ شامی باب مسوفاً بعدین میں عہد الفکر کی بحث میں فرماتے ہیں۔

وَلِخِلَافٍ فِي اَلْاَصْلِ اِنَّ لِكِرَاهَةِ اَلْمَنْعَةِ عَنِ اَلْجَهْرِ

"یعنی خلاف محض انصاف میں ہے۔ لکن کرہت وہ کسی طرف نہیں ہے۔"

اسی شامی میں اسی جگہ ہے اَنَّ اَلْجَهْرَ فِي عِبَرِ اَيَّامِ اَلتَّشْرِيقِ لَا يَسُنُّ اِلَّا مَرَّةً اَوْ اَلْعَدُوَّ اَوْ لِمَنْ يَخْشَى عَلَيْهِ اَنْ يَفْضَحَهُ اَلْجَهْرُ اَوْ اَلْمَحَارِفُ كُلُّهَا رَا د اَلْمُهَسَّبَاتِ اَوْ عَلَا مَشْرِقًا

"نام تشریق کے عداوہ اور دنوں میں نعرہ تکبیر منع نہیں۔ مگر دشمن یا چوروں کے مقابلہ میں اور اس پر بعض لوگوں نے قیاس کیا ہے آگ لگے اور تمام خوفناک چیزوں کو اور گھاتی نے زیادہ کیا ہے کہ ہندی پرچہ ہنے کے وقت۔"

در مختار باب بعدین میں ہے وَهَذَا لِلْخَوَاصِّ اَمَّا الْعَوَامُ فَلَا يَنْبَغِي عَنْ تَكْبِيرٍ وَلَا تَعْمَلُ اَصْلًا

"یہ احکام خواص کیلئے ہیں عام کو تو نہ تکبیر سے روکنا نفل ہے۔"

شامی میں اسی بحث میں ہے لَا فِی اَلْبَيْتِ اِنِّی لَا یَسُنُّ وَلَا لِهٰی ذِکْرَ مَشْرُوعٍ غرض کہ ثابت ہو کہ ہدایہ کی یہ قیاس منکر سنت ہونے میں ہے۔ کہ جائز ہونے میں۔ نیز تکبیر تشریق میں یہ قیاس صاحبین کے قول پر ہے۔ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے کہ مولوی رشید احمد صاحب کا فتویٰ یہی ہے کہ ذکر بالجہر جائز ہے۔ اور اگر ان آیات و روایات کی یہ توجہ نہیں نہ کی جاوے تو مخالفین کے بھی یہ خلاف ہیں۔ کیونکہ بعض ذکر اللہ وہ بھی بلند آواز سے کرتے ہیں۔ جیسے اذان۔ بقرعید کے موقعہ پر تکبیر تشریق حج میں تلبیہ، محسوس کے موقعوں پر نعرہ تکبیر اور ملاں صاحب زندہ باد وغیرہ کیونکہ ان کے دلائل تو ذکر بالجہر کو مطلقاً منع کر رہے ہیں اور حدیث احادیث سے قرآنی آیت میں قید لگانا چاہئے نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ ان موقعوں پر ذکر بالجہر حدیث میں آگیا لہذا جائز ہے۔ کیونکہ قرآنی آیات میں حدیث سے پابندی لگانا جائز ہے۔

عَنْ فَتَاوَى الْقَاصِمِيِّ أَنَّهُ حَرَامٌ لِمَا حُجَّ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ أَنَّهُ إِخْرَاجُ جَمَاعَةٍ عَنِ الْمَسْجِدِ يُهْتَنُونَ وَيُصْنَوْنَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيْثُ وَقَفَ فِيهِ مَا أَرَادَ كُمْ لَا فَتْنَةً غَيْرَ شَأْنٍ جَلْدُ مَلِكٍ
 "قاضی صاحب کے فتاویٰ سے نقل کیا کہ حجر سے، اگر کوئی حرام ہے کیونکہ حضرت عبداللہ ابن مسعود صحیح روایت کیا تھا ثابت ہو چکا کہ انہوں نے ایک جماعت کو مسجد سے محض اسی بیٹے نکال دیا تھا کہ وہ بلند آواز سے لا الہ الا اللہ بلند آواز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درویش شریف پر جھڑپ تھی اور فرمایا میں تمہیں بدعتی خیال کرتا ہوں۔"

دیکھو بلند آواز سے جماعت کے ساتھ مل کر اللہ اور درویش شریف پر جھڑپ حرام ہے اور حضرت ابن مسعود نے نوا کریں اور درویشوں کو بدعتی فرمایا بلکہ انہیں مسجد سے نکال دیا فسوس کہ حج ذکر یا لہجہ نہ کر سکیوں کو وہابی کہا جاتا ہے۔ یہ ہے انقلاب زمانہ ایمان کھربن گیا اور کفر ایمان (راہِ سلک)
جواب اس کے دو جواب ہیں ایک اثری اور دوسرے عقلی جواب اثری تو یہ ہے کہ پھر تم بھی بدعتی ہوئے در حرم کے مرتکب کیوں کہ تمہارے دینی سیای جیسے ہوتے ہیں تقریروں کے دوران خیر و عیبر اور فلاں صاحب زندہ باد دن رات مسجدوں میں ہوتے ہیں نہ تم نہ ہالہجہ و کڑوں پر فحشے لگاتے ہوتا نہیں روکتے ہو کیا مسجدوں میں صرف درویش شریف، آواز سے پڑھنا حرام ہے، ہاں تمہارے جیسے خمرے سب جائز۔

جواب عقلی وہ ہے جو یہاں اسی جگہ فتاویٰ بزار یہ در فتاویٰ شامی نے دیا ہے، جسے آپ نے نقل نہ فرمایا اگر پوری عبادت نقل کر لیتے تو اسی کا جواب ان کتابوں سے مل جاتا۔ سنو اسی جگہ نقل نہ فرمایا اگر آپ پوری عبادت نقل کر لیتے تو اسی کا جواب ان کتابوں سے مل جاتا۔ سنو اسی جگہ شامی میں ہے۔

وَأَمَّا رَفْعُ الصَّوْتِ بِدَنْكَرٍ فَحَنِرٌ كَمَا فِي آدَمَ وَنُحْطَةُ وَالتَّحْمِيزُ وَالْحَجُّ وَقَدْ خُرِّزَتْ الْمُسْتَبْنَةُ فِي الْحَبَرَةِ وَخَمَلٌ مَا فِي فَتَاوَى الْقَاصِمِيِّ عَنِ جَهْرِ الْمَضَرِّ

"بلند آواز سے ذکر کرنا جائز ہے جیسا کہ ذراں غلطہ، جس اور حج میں ہوتا ہے اور یہ مسئلہ فتاویٰ حیر یہ میں وضع طور پر بیان کیا گیا ہے اور جو فتاویٰ قاضی میں ہے اس سے مراد نقصان وہ حجر ہے۔

معلوم ہو کہ حضرت ابن مسعود سے لوگوں کو بدعتی فرمایا جو جماعت اذان کے وقت جبکہ لوگ نماز جماعت سے اذکر رہے تھے۔ یہ ذکر یا لہجہ کرتے تھے۔ جس سے لوگوں کی نماز میں حرج واقع ہوتا تھا یہ کوئی اور دینی ضرورت تھا۔ غلامہ یہ کہ نقصان وہ حج موع ہے۔ اب ذرا فتاویٰ بزار یہ کو بھی دیکھو اسی حدیث ابن مسعود کو نقل فرما کر ایک اعتراض مع جواب فرماتے ہیں کہ اگر تم کہو کہ فتاویٰ میں تو یہ ہے کہ ذکر یا لہجہ سے کسی کو نہ روکو مگر چہ وہ مسجد ہی میں کرتے ہوں تاکہ اسی آیت کے خلاف نہ ہو چاہے من اصمۃ من مع مساحد اللہ ن بذكر الحج حضرت ابن مسعود کا یہ عمل تمہارے فتاویٰ کے خلاف ہے اس کے جواب میں عبادت فرماتے ہیں۔ جس میں یہ بھی ہے۔

إِخْرَاجُ عَنِ الْمَسْجِدِ بِخَوْزٍ أَنْ يَكُونَ لَا غَضَادَ لَهُ الْعِدَّةُ فِيهِ وَيَعْلَمُ النَّاسُ بِأَنَّهُ بِدْعَةٌ وَالْفَعْلُ جَائِزٌ وَلِجَائِزٍ يَخْوَزُ أَنْ يَكُونَ عِبْرٌ حَنِرٌ نَعْرَضُ بِدَعْفِهِ

"آپ کا انہیں مسجد سے نکالنا ممکن ہے اس لئے کہ اس لوگوں کا اعتقاد یہ ہے کہ یہ جہر بھی عبادت ہے اور لوگوں کو یہ بتانا ہو کہ یہ عقیدہ بدعت ہے اور جائز کام کبھی کسی عارضی وجہ سے ناجائز ہو جاتا ہے۔"

اسی فتاویٰ میں اسی جگہ ہے۔ وَأَمَّا رَفْعُ صَوْتٍ بِدَنْكَرٍ فَحَنِرٌ كَمَا فِي آدَمَ وَنُحْطَةُ وَالتَّحْمِيزُ عَنِ خَاضِعِينَ کے عقلی اعتراضات صرف تین ہیں اولاً تو یہ کہ حد قریب ہے پھر درویش سے چیخا کیوں؟ جواب اذان وغیرہ درویش سے دی جاتی ہے۔ دوم یہ کہ درود صلی اللہ علیہ وسلم یا رسول اللہ حدیث سے ثابت نہیں لہذا ناجائز ہے۔ جواب اسی کتاب میں اور مقام پر گزر گیا کہ دو عقد دعا میں نقل خاص کی ضرورت نہیں بلکہ جو ناجائز کی حد میں نہ آوے وہ جائز ہے اور اس کی پوری تحقیق کہ کون سا درود پاک افضل ہے ہماری کتاب کتاب شان حبیب الرحمن میں مدخل کرو۔ تیسرے یہ کہ بعد نماز جو بلند آواز سے درود پڑھتے ہیں۔ ان سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے کہ نماز بھولتے ہیں۔ لہذا ناجائز ہے۔ اس کے چند جواب ہیں۔ پہلا یہ کہ یہ اعتراض دعویٰ کے مطابق نہیں کیونکہ تم کہتے ہو ذکر یا لہجہ بالکل منع ہے۔ اور اس سے یہ ثابت ہو کہ کسی نماز کو اس سے تکلیف ہو تو منع در نہ جائز تو اگر کسی وقت کوئی نماز نہ پڑھا اور جب جائز ہونا چاہئے۔ دوسرے یہ کہ یہاں وجواب میں دیکھا جاتا ہے کہ بعد نماز پھر کچھ توقف کر کے اور عشاء کی سنتوں اور وتر سے فارغ ہو کر یہ درود پڑھا جاتا ہے۔ اور اس وقت سب لوگ نماز

سے فارغ ہو چکے ہیں۔ تیسرے یہ کہ ہم اسی بحث کے پہلے باب میں احادیث پیش کر چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام بعد نماز بلند آواز سے ذکر کرتے تھے۔ نیز آج بھی بعض مسجدوں میں قرآن کے درس ہیں جہاں کہ طلباء بعد نماز ظہر و عشاء چپ کر قرآن یاد کرتے ہیں۔ کبھی مسجدوں میں بعد نماز عشاء دینی جلسے ہوتے ہیں جن میں نعرے بھی لگتے ہیں تقریریں بھی ہوتی ہیں۔ بقرعید کے زمانے میں جماعت قرآن کے بعد نورانی سب لوگ ہا آواز بلند میں ہارنگسیر تشریف کہتے ہیں۔ کہیں ان ذکروں سے نہاری کا دعیان بٹا ہے یا ٹکی؟ اور یہ جائز ہیں یا منع؟ فقہاء جو فرماتے ہیں کہ ذکر یا بھر سے نہاریوں کو تکلیف پہنچے تو منع ہے۔ اس کا مقصد ظاہر ہے کہ جب جماعت کا وقت ہو لوگ نماز میں مشغول ہو گئے ہ کوئی شخص تارک اجتماع بعد میں آیا تو اپنی نہار کے خیمے سے سب کو خاموش کرتا پھرے کہ چونکہ مجھے اب نہار پڑھنا ہے لہذا اے نماز پو! اے قرآن یاد کرنے والو! و اہل قوم سب خاموش ہو جاؤ۔ خیال رہے کہ مساجد میں زیادہ اہتمام جماعت اول کا ہوتا ہے جس پر بہت سے شرعی مسئلے متفرق ہیں۔ مگر مغلطہ میں صرف جماعت اولیٰ کیلئے طواف بند ہوگا ہے۔ جہاں یہ جماعت ختم ہوئی طواف شروع ہوا۔ اور طواف میں دعاؤں کا استقدر شور ہوتا ہے کہ کای پڑی اور سنا نہیں دیتی۔ کہیں وہاں اس ذکر یا بھر کا کیا حکم ہے؟ کیا نمازوں کے غفل کی وجہ سے طواف بند کرنا ہوگا۔

تفسیر باب الاول میں اسی آیت کے تحت ہے۔ **بَغْيٌ مَا ذُبَحَ نَاضِماً وَالطُّوَاعِبُ وَاضِلُ الْإِهْلَالِ رُفَعِ الصَّوْتُ وَدَبَكَ أَهْلُهُمْ كَانُوا يَرْفَعُونَ أَصْوَاتَهُمْ بِدُخْرِ الْهَيْبَةِ إِذَا دَبَحُوا**
 تفسیر عدما بوسود میں ہے **اِئْتِ رُفَعِ بِهِ الصَّوْتُ عِنْدَ ذُبْحِهِ لِدُخْرِ الْهَيْبَةِ** تفسیر حسنی میں اسی آیت کے تحت ہے، ”اچھے آواز برآور دوشود
 بطریق اقتدار برائے میر خدا ابدال در وقت ذبح آں یعنی عام بیان یکجہ۔ اس تمام مقصود سے معلوم ہو کہ اس آیت **مَا أَهْلٌ بِهِ لَغَيْرِ اللَّهِ** سے
 مراد ہے ذبح کے وقت میر خدا کا نام پکارتا۔ لہذا جانور کی زندگی میں کسی نسبت کرنے کا اعتبار نہیں۔ اب ہم فقہاء کی عبارات بھی پیش کرتے ہیں۔
 تفسیر ستاحمدیہ میں اسی آیت **وَمَا أَدَّاهُ لَغَيْرِ اللَّهِ** کے تحت ہے۔

وَمِنْ هَهُنَّ غَنَمٌ إِنَّ الْبُقْرَةَ الْمُنْذُورَةَ لِلذَّبْحِ، كَمَا هُوَ الرَّسْمُ فِي رَمَا حِلَالٍ طَيِّبٌ لَأَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ اسْمُ غَيْرِ اللَّهِ وَقَدْ ذُبِحَ وَنُكْتُوا يَنْدُرُوبِ
 ”اس سے معلوم ہو کہ جس گائے کی ادویہ کے لئے نہ رہائی گئے جیسا کہ ہمارے زمانہ میں رواج ہے یہ حلال طیب ہے کیونکہ اس پر ذبح کے وقت
 غیر اللہ کا نام نہیں لیا گیا، مگر چاس گائے کی نہ مانتے ہیں۔“

اس میں تو گیارہویں شریف کے بکرے کا خاص فیصلہ فرمایا، مگر اور اس کتاب کے مصنف مولانا احمد جیون علیہ الرحمۃ وہ برگ ہیں جو کہ عرب و
 عجم کے علماء کے سزا ہیں اور قدام و پوج بندی بھی رکھتے ہیں۔ شامی باب الذبح میں ہے۔

اغْنَمُ إِنَّ الْمَدَارَ عَلَى الْفَضْلِ عِنْدَ بَدَاءِ الذَّبْحِ ”جاننا چاہئے کہ حنفی و حرام کا دار وہ مذبح کے وقت نیچہ کا ہے۔“
 صاف معلوم ہو کہ ذبح سے پہلے کی نیچہ یا نہ ہا نکل معجز نہیں۔ حاکمیری باب الذبح میں ہے۔

فَسَلِمَ ذُبْحُ شَاهِ الْمَجْهُوسِ لِبَيْتِ مَارِهِ (اَوْ مَكْفَرٍ لَا يَهْتَمُّ تَوَكُّلُ لَأَنَّهُ سَنَى اللَّهُ تَعَالَى وَنَكْرَهُ لِنَفْسِهِ كَدَفِي التَّارِ حَذِيهِ فَلَا عَسَ حَامِعِ الْفَنَائِ)

”مسلمان نے مجوسی کی وہ بکری جو ان کے سٹکدہ کے لئے یا کافر کی ان جنوں کیسے تھی۔ ذبح کی وہ حلال ہے کیونکہ اس مسلمان نے اللہ کا نام پڑھا ہے
 مگر یہ کام مسلمان کیسے کر دہ ہے۔ یہی طرح تار حادیہ میں جامع الفتاویٰ سے نقل کیا۔“

دیکھئے چالور پائے وہ کافر ہے، رو دیکھ بھی کرتا یہ بت یا آگ کی عبادت کی نیچہ سے، گویا مالک کا پالتا اور کہ کر نادلوں فاسد گرچہ کہ بوقت ذبح
 مسلمان نے بسم اللہ کہہ کر ذبح کیا ہے۔ لہذا حلال ہے۔ کیسے گیا ہو یہ یا میلہ کا بکر اس بت پرست کے بکرے سے بھی گیا گدہ ہے تاکہ وہ تو
 حلال مگر یہ حرام۔ الحمد للہ بخوبی ثابت ہوا کہ یہ گیا ہو یہ وغیرہ کا جانور حلال ہے اور یہ فعل باطل و ثواب۔

دوسرا باب

اولیاء اللہ کے جانور کے متعلق اعراضات و جوابات

اعتراض ۱ اس آیت **مَا أَهْلٌ بِهِ لَغَيْرِ اللَّهِ** میں بکر اہل سے مشتق ہے اور اہل کے معنی لغت میں ذبح کے ہیں بلکہ مطلقاً
 پکارے کے ہیں۔ لہذا جس جانور پر میر خدا کا نام پکارا ہو تو اس کی زندگی میں یا بوقت ذبح وہ مرد ہے تو عورت پاک کا بکر شمسہ کی گائے اگرچہ
 خدا کے نام پڑا ہو حرام ہے۔

موت یہ اعتراض شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ کا ہے وہ مسکن میں سخت فرما گئے۔

جواب اہل کے لغوی معنی تو ہیں مطلقاً پکارتا۔ مگر عرفی معنی ہیں بوقت ذبح پکارتا۔ اور یہ عرفی معنی ہی اس جگہ مراد ہیں۔ صلوٰۃ کے لغوی معنی تو
 ہیں مطلقاً دعا۔ مگر عرفی معنی ہیں نماز تو **اقیموا الصلوٰۃ** سے نماز فرض ہوگی نہ کہ عام دعا۔ تفسیر کبیر میں اسی آیت مائل کے تحت ہے۔

الْإِهْلَالُ رُفَعِ الصَّوْتُ هَذَا مَعْنَى الْإِهْلَالِ فِي لُغَةِ نَحْوِ قَبْلِ لِلْمَحْرَمِ

”لغ ابدال کے معنی ہیں بلند آواز کرنا (پکارتا) یہ معنی لغوی ہیں مگر محرم کو کہا گیا الخ“

اسی طرح حاشیہ بیضاوی للشیب اب میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

اِنَّ رُفِعَ بِهِ الصُّوْتُ لِح هَذَا اِنَّهُ لَمْ يَخُصْ عِبَارَةً عَمَّا ذُبِحَ لِعَبْرِ اللّٰهِ

”یعنی اسکو پکار گیا ہو یہ اہل اس کے لغوی معنی میں پھر اس اہل سے مراد ان گئی ہے کہ وہ جانور جو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جاوے“

اگر یہاں اہل اس کے لغوی معنی مراد ہوں تو چند خرابیاں لازم ہوں گی۔ ذلالت یہ کہ یہ تفسیر اجماع مفسرین اور قوالوں کا ہر کرم کے خلاف ہوگی۔ مفسرین کے قوالوں تو ہم پہلے باب میں عرض کر چکے۔ اب یہ کہ کرم وغیرہم کے قوالوں کا حصہ ہوں۔ تفسیر درمنثور میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

تفسیر مظہری میں اسی آیت کے ماتحت ہے اَخْرَجَ ابْنُ الْمُنْذِرِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى وَمَا أَهْلُ الْآيَةِ قَالُوا ذُبِحَ وَاخْرَجَ ابْنُ حَرْبٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَمَا أَهْلُ يَغْنَى مَا أَهْلُ لَطَوَاعِيَّتِ وَأَخْرَجَ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ عَنْ ابْنِ مَسْرُوقٍ وَمَا أَهْلُ قَالُوا مَا ذُبِحَ لِعَبْرِ اللّٰهِ وَأَخْرَجَ ابْنُ حَاتِمٍ عَنْ ابْنِ لُعَالِيَّةٍ وَمَا أَهْلُ يَقُولُ مَا ذُكِرَ عَلَيْهِ اسْمُ غَيْرِ اللّٰهِ تفسیر مظہری میں اسی آیت کے ماتحت ہے فَابْنُ الرَّبِيعِ ابْنُ ابْنِ يَغْنَى مَا ذُكِرَ عَمْدُ ذُبْحِهِ اسْمُ غَيْرِ اللّٰهِ معلوم ہو کہ اس قدر صحابہ کرم و تابعین کا یہی فیصلہ ہے کہ اس آیت سے مراد ہے غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا۔

جواب دوم یہ ہے تمہارے بتائے ہوئے یہ معنی خود قرآن کریم کے بھی خلاف ہیں قرآن فرماتا ہے۔

وَمَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَابِيَةٍ وَلَا وَحِيدَةٍ وَلَا حَامٍ وَلَكِنَّ لِلدِّينِ كُفْرًا يَفْتَرُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكُذْبَ

”لہ نہ بکیرہ اور سانبہ اور وحدہ اور حام نہیں مقرر کئے۔ لیکن کفار اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔“

یہ چار جانور بکیرہ و وحیدہ و سانبہ و حام تھے، جن کو کفار عرب بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور ان کو حرام سمجھتے تھے۔ قرآن نے اس حرام سمجھنے کی تردید فرمادی۔

جان نکلان پر رمدگی میں بتوں کا نام پکار گیا تھا اور ان کے کھانے کا حکم دیا کہ فرمایا۔

كُلُوا مِنْهُمَا رِزْقَكُمْ لِلّٰهِ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطٰنِ

”کھاؤ اسکو جو تمہیں اللہ نے دیا اور شیطانوں کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔“

تفسیر فتح بہار میں یہ آیت مَحْصِلُ اللّٰهِ مِنْ بَحِيرَةٍ اور لُودِي شَرَحَ مَحْصِلُ كِتَابِ الْحَنَّةِ وَمَعْنَاهُ بِابِ الصُّفَةِ النَّسَبِ

یَعْرِفُ بَهَا سِي الدُّبَا اَهْلُ الْحَنَّةِ ص ۳۸۵ میں ہے۔

الْمُرُؤَاتُ كَرُ مَا حَرَّمَ مَوْا عَلَى انْفُسِهِمْ مِنَ النَّسَبِ وَالْبَحِيرَةُ وَالْحَامُ وَاتِهَالِمُ تُصَرُّ حَرَامًا بِتَحْوِيلِهِ

”یعنی اس آیت سے اس جانوروں کی حرمت کا نکار کرنا مقصود ہے جس کو کفار حرام سمجھتے تھے بحیرہ و وحیدہ کہ یہ جانور اس کے حرام کر لینے سے حرام نہیں ہو گئے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ جو سب مذہب و لوگ بتوں کے نام پر چھوڑتے ہیں وہ حرام نہیں ہو جاتا مگر مسلمان بِسْمِ اللّٰهِ کہہ کر ذبح کرے تو حلال ہے

ہاں غیر کی ملکیت کی وجہ سے ایسا کرنا منع ہے نیز سب بتوں فرماتا ہے۔ وَفَسَّرُوا هَذِهِ بِعَدَمِ وَحَرِّثَ ”حَنْزَلُ“ لَا يَطْعَمُهَا لَا مِنْ شَيْءٍ مِنْ غَنَمِهِمْ اور کفار یوں کہ یہ جانور اور کھیتی روکی ہوئی ہے۔ اس کو وہ ہی کھائے۔ جس کو ہم چاہیں اپنے جھوٹے خیال میں۔ نیز فرماتا ہے

وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَذِهِ لَافِكُورٍ مِّمَّا مَحْرُومٍ ”عمرے از و احسا کفار یوں کہ جو ان جانوروں کے شکم

میں بچے ہیں وہ ہمارے مرادوں کے لئے خالص ہے اور ہماری عورتوں پر یہ حرام وہی کھیتیاں اور جانور تھے جو بتوں کے نام پر وقت تھے اور کفار کی

حالت میں پابندیاں لگاتے تھے اس پابندی کی تردید فرمادی گئی۔ تو جب بتوں کے نام پر چھوٹے ہوئے جانور حرام نہ ہوئے تو بل اللہ کی فاتحہ کی نیت

سے پائے ہوئے جانور کیوں حرام ہو گئے؟ تیسرے یہ کہ اَهْلُ کے یہ معنی فقہاء کی تصریح کے بھی خلاف ہیں ہم اس بحث کے پہلے باب میں

عالمگیری ص ۲۱۳ پر پیش کر چکے ہیں کہ مشرک یا بت پرست نے بت یا تمگ کے چڑھاوے کیلئے جانور مسلمان سے ذبح کر یا۔ مسلمان

بِسْمِ اللّٰهِ سے ذبح کیا وہ حلال ہے اسی طرح تفسیرات احمدیہ کی عبارت بھی پیش کر دی گئی کہ ولید اللہ کے مذہب پر ہوا جانور حلال ہے چوتھے یہ

کہ یہ معنی عقل کے بھٹکلاف ہیں اس لئے کہ جب اصل کے لغوی معنی مراد ہوئے یعنی جانور پر انکی رمدگی میں یا وقت ذبح غیر اللہ کا نام پکارنا جانور کو

حرام کر دیتا ہے تو رمدیہ کہ جانور کے سو دوسری شیاں بھی حرام اللہ کی طرف نسبت کرنے سے حرام ہو جادیں۔ کیوں کہ قرآن میں آتا۔

مَا أَهْلُ بِهِ لِعَبْرِ اللّٰهِ درہر وہ چیز جو کہ غیر اللہ کے نام پر پکاری جاوے ”ما“ میں جانور کی قید نہیں پھر حواہ اقرب کی سیت سے پکارا یا کسی اور

فتیحت سے بہرہ حاصل کرنا چاہئے تو رید کا بکھر، عمر کی بھینس، رید کے آسم، بکر کے باغ کے پھل، فلاں کی بیوی، مسجد کا کٹواں، فلاں کی مسجد، میرا گھر، دیکھنے کا مدد، امام بخاری کی کتاب سب ہی نعمتیں ناجائز ہو گئیں اور ان کا استعمال حرام، اور بخاری ترمذی تو حاکم شرک ہوا۔ کہ انکی مست بخار اور ترمذ کی طرف ہوئی جو کہ غیر اللہ ہیں، جناب جس وقت تک کہ عورت صرف اللہ ہی کی بندگی کرے، سب کو حرام ہی، جب اس پر غیر خدا کا نام آیا، اور فلاں کی رید کی گئی تب فلاں کو حلال ہوئی کبھی غیر اللہ کی نسبت سے چیز کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ حیدر آباد میں حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کا دسویں گناہ قرآن شریف تھا اگر یہ اس کے دولاکھ روپے دیتے تھے مگر نہ دیا گیا میر عبد الرحمن خاص کا استعمال شدہ قالین پچاس ہر روپے میں امریکہ والوں سے خریدے۔ پرانے کٹھ بھی قیمتی ہوتے ہیں۔ (سرکار علی پوری) غرض کہ اہل کے یہ معنی یہیے فاسد ہیں کہ مقلد و نقل سب ہی کے حلاف۔ پانچویں یہ کہ اگر کسی نے جانور بت کے نام پر پکا، بعد میں اس سے عذاب ہو گیا اور خالص نیت سے اس کو ذبح کیا تو یہ با اتفاق حلال ہے عذر نکلا حلال میں تو یہ بھی داخل ہو۔ اگر ایک بار بھی غیر اللہ کا نام اس پر بول دیا، ماحصل کی حد میں آ گیا۔ سب ماننا ہی پر کہ وقت ذبح اللہ کا نام پکارنا معتبر ہے نہ کہ قبل کا۔ اگر کوئی شخص غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے پھر گوشت میں اللہ کی نیت کرے بالکل غیر معتبر ہے اسی طرح اگر زندگی کا پکارنا معتبر ہوتا تو جو آدمی جانور کی زندگی میں غیر اللہ کا نام پکارے پھر تو یہ کرے اللہ کے نام پر ذبح کرتا۔ تو بھی حرام ہوتا۔ چھٹے یہ کہ اگر اصل کے معنی لغوی مراد لیے جاویں جب بھی یہ کہ وجہ سے پکارنے میں تخصیص ہوگی۔ اس طرح کہ بھلی کے معنی میں ہوگا اور مضامین پوشیدہ یعنی فی ذی سحر نہ پھر یہ سے کیا فائدہ ہوگا۔ بغیر یہ کے بھی معنی حاصل تھے۔ جیسا کہ سلیمان حمل نے آیت **ما اهل به** بغیر اللہ کی تفسیر میں لکھا ہے تو بھی مطلب وہ ہی مانا کر جس جانور پر بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لیا گیا وہ حرام ہے بہر حال یہ ترجمہ محض فاسد ہے۔

کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ اگر اس کو اتنا زیادہ گوشت دیا جاوے یا دوسرا جانور کہ تو قاتل کر دے تو وہ اس سے راضی نہیں ہوتا اگر گوشت منظور ہوتا تو حلال کر دیتا معلوم ہوا کہ غوث پاک رضی اللہ عنہ کے نام پر خون ہانا منظور ہے۔ لیکن یہ قول بھی غلط ہے نیت کا حال تو نیت وال ہی جاسکتا ہے بلا دلیل مسلمان پر بدگمانی کرنا حرام ہے رہا جانور کا نہ بدگمانی اسکی وجہ محض اہتمام ہے وہ بھکتا ہے کہ جس طرح ہم نے پرورش کر کے اس کو چھ کیا ہے دوسرا گوشت ایسا نہ ملے گا۔ بعض لوگ دوسرے کے لئے جانور پالتے ہیں وہ بھی دوسرے گوشت سے تیار ہو کر انہیں کرتے۔ بعض لوگ قاتل کے لئے نئے برتن استعمال کرتے ہیں اور ان برتنوں کا تیار ہو کر انہیں کرتے۔ بعض کا خیال ہوتا ہے کہ جس جانور پر قاتل کا وعدہ ہو گیا اس کو بدلنا جائز نہیں۔ جیسے کہ قربانی کا جانور۔ یہ خیال غلط ہے۔ مگر غلط خیال سے ذبح کس حرام ہو گیا۔ عرصہ کہ اہتمام دور ہے۔ جینٹ اور حل صد یہ جو کہ گرنس ذبح سے غیر لند کو راضی کرنا مقصود ہو تو حرام ہے اور اگر ذبح دعوت فاقحہ کے لئے ہو اور فاقحہ دعوت کسی کو راضی کرنے کیلئے ہو تو حلال ہے۔ کسی لند کے بندے کو راضی کرنا اسکی عبادت نہیں۔

اعتراض ۳ درخت کا گھیری باب الذبح میں ہے اور نووی شرح مسلم میں تصریح کی ہے کہ۔

ذَبَحْ نَقْدُومَ الْأَمِيعِ وَسَحْوَهُ كَوَاحِدٍ مِنَ الْعَصَمَاءِ يَحْرُمُ لِأَنَّهُ أَهْلٌ بِهِ بَغِيرُ اللَّهِ وَلَوْ ذَكَرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ
 "بادشاہ کی بی بی سے آدمی کے آنے پر جانور ذبح کیا۔ تو وہ حرام ہے کہ اس پر غیر خدا کا نام پکار گیا۔ مگر چاہے اس پر لندی کا نام بولا گیا ہو۔"
 اس سے معلوم ہوا کہ کسی کی خوشنودی کے لئے جانور ذبح کرنا حرام ہے اگرچہ اسم اللہ ہی سے ذبح ہو بلکہ ہو گیا ہو یا جانور بہر حال حرام ہے کہ حضور غوث پاک کی رضا کے لئے ہے اگرچہ ذبح اسم اللہ سے ہو۔

جواب اس کا مکمل جواب سوال نمبر ۲ کے جواب میں گذر گیا کہ اگر سلطان یا کسی کی جینٹ کی نیت سے ذبح ہو تو حرام۔ جینٹ کے معنی یہاں کئے جا چکے ہیں کہ خون بہاے سے اس کو راضی کرنا مقصود ہو گوشت تابع ہو اور اگر سلطان وغیرہ کی دعوت کے لئے جانور ذبح ہو تو اگرچہ دعوت رضا نے سلطان مقصود ہو مگر جانور حلال ہے۔ درخت کا کتاب الذبح میں ہی جگہ فرماتے ہیں۔

وَلَوْ لَصُفِي لَا يَحْرُمُ لِأَنَّهُ مِنْهُ الْحَلِيلُ وَكَرَاهُ صُفِي كَرَاهِ اللَّهِ وَالْعَرَفِيُّ نَهَى أَنْ قَتَمَهَا بِأَكْلِ مَنَاهَا كَرِ الدُّبْحِ لِلَّهِ وَالْصُّفْعَةُ لِلصُّفِي وَبِوَلِيَّةٍ أَوْ لِدْبَحِ وَنَ لَمْ يَقْتَمَهَا لِبِ شُكْلِ مَنَاهَا بَلْ يَذْفَعُهَا لَغَيْرِهِ كَأَنْ يُعْطِيَهُمْ غَيْرُ اللَّهِ فَحَرُمٌ

"اور اگر ذبح مہمان کیلئے ہو تو حرام نہیں کیونکہ یہ حضرت خلیل اللہ کا طریقہ ہے اور مہمان کی تعظیم لند کی تعظیم ہے جو فرق یہ ہے کہ اگر اس کا گوشت مہمان کے لئے رکھا تاکہ اس میں کھائے تو یہ ذبح نہ کیلئے ہو گا اور نفع مہمان کیلئے یا دوسرے یا تہارت کیلئے اور اگر مہمان کے لئے نہ رکھا بلکہ بچائی کسی کو دیا یا تو یہ تعظیم غیر اللہ کے لئے ہے لہذا حرام ہے۔"

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ گوشت کا مقصود ہونا عبادت وغیر عبادت میں فرق ہے۔ اسی جگہ درخت میں ہے

وَفِي صِنْدِ الْمُنْبَةِ أَنَّهُ يُكْرَهُ وَلَا يَكْفُرُ لِأَنَّهُ لَا يَسَى الْفَنَ بِالْمَسْمُومِ نَهَ بِتَضَرُّبِ الْيَ الْأَدْمَى بَعْدَ التَّخْرِ
 "یہ کرنا مکروہ ہے اس سے ذبح کا فرق ہو گا۔ کیونکہ ہم مسلمان پر بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس ذبح سے کسی آدمی کی عبادت کرتا ہے۔"
 معلوم ہو کہ مسلمان پر بدگمانی کرنا حرام ہے۔ اس کے حاشیہ درخت میں اس کو زیادہ واضح کر دیا گیا ہے مگر جس قدر بیان کر دیا گیا اس میں کلمات ہیں۔
 تفسیر روح البیان پارہ ۱ ص ۱۷۷

وَمِنْ أَهْلِ بَغِيرِ اللَّهِ مَا يُذْبَحُ عِنْدَ اسْتِغْبَالِ سُنْطَرِ نَقْرَبِ بِهِ أَهْلُ الْبَحَارِ بِتَضَرُّبِهِ أَلْعَا
يَذْبَحُونَهُ سُنْطَرًا مَعْدُومًا فَهُوَ كَذَبْحِ الْعَقِيقَةِ بِلَوْلَادَةِ الْمَوْلُودِ مِثْلُ هَذَا لَا يُؤْخَذُ بِالتَّخْرِيمِ كَمَا
فِي شَرْحِ الْمَشَارِقِ

"یعنی جو جانور سلطان کے آنے پر ذبح کیا جائے اس سے قرب حاصل کرنے کے لئے اہل بخاری نے اسکی حرمت کا نفی کر دیا اور امام رافعی نے فرمایا کہ جانور حر نہیں کیونکہ وہ لوگ سلطان کی آمد کی خوشی میں ذبح کرتے ہیں جیسے کہ بچہ کا حقیقہ بچہ کی پیدائش کی خوشی میں اور اس جیسا کام جانور کو حرام نہیں کر دیتا اسی طرح شرح مشارق میں ہے۔"

معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں یہ رواج ہو گا کہ بادشاہ کی آمد پر گھر گھر جانور ذبح ہوتے ہوں گے۔ یہ کل یہ رسم نہیں تو بادشاہ کی عبادت کی فیض سے ذبح کرتے ہوں تو وہ حرام اور جراحہاں خوشی کے لئے لوگوں کی دعوت کرتے ہوں وہ حلال یہ فتویٰ کا اختلاف رسوم کے اختلاف زمانہ کی وجہ سے

ہے۔ غرضکے گیارہویں کے چاروں کو ذیہ قدوم سلطان سے کوئی نسبت نہیں۔

اعتراض ۱ گیارہویں کی قیاف سے بکراپا لئے والد مرتد ہے کیونکہ غیر خدا کی نذر ماتنا کھڑے اور کافر و مرتد کا ذبیحہ حرام ہے لہذا

گیارہویں ماننے والے کا ذبیحہ حرام ہے۔ شاہی جلد دوم کتاب المقنوم بحث در اموات میں ہے۔ **وَالشُّدْرُ لِلْمَحْلُوقِ لَا يَحُورُ لِأَنَّهُ**

عِبَادَةٌ و **لَعِبَادُهُ لَا يَكُونُ لِمَحْلُوقٍ**

جواب اس کا مکمل جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ یہ بد شرعی نہیں نذر عربی ہے بمعنی بد یہ و نذر ند یہ نذر لہ کے لئے ہے اور اس کا تصرف یہ

ہے اور اس میں سے کوئی بھی شرک نہیں۔ اسناد سے کہتے ہیں کہ رقم آپ کی نذر ہے۔ یعنی نذر ند یہ۔

بحث ہاتھ پاؤں چومنا اور تبرکات کی تعظیم کرنا

پہلا باب

بوسہ تبرکات کے ثبوت میں

تبرکات کا چومنا جائز ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **وَادْخُلُوا الْبَيْتَ سُجَّدًا وَاقْرَءُوا حُطَّةً** "یعنی اے نبیؐ سر نکل تم بیت المقدس کے دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور کچھ ہمارے گناہ معاف ہوں۔" اس آیت سے پتہ لگا کہ بیت المقدس جو حیاء کریم کی آرمگاہ ہے اس کی تعظیم اس طرح کرنی کہ وہاں ہی اسرائیل کو سجدہ کرتے ہوئے جایکا حکم دیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ تبرکات مقدسات پر تو۔ جلد قیوس ہوتی ہے۔ مشکوٰۃ باب المصافح والمعاقد الفصل الثانی میں ہے۔

وَعَنْ ذِرَاعٍ وَكَانَ فِي وَهْدٍ عِنْدَ الْفَيْسِ قَالَ لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ فَجَعَلَ يَتَبَا دَرُ مِنْ رُوحِلَا فَنَقِبُ يَدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَحِمَهُ

"حضرت ذراع سے مروی ہے اور یہ وفد عبدالقیس میں تھے فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ منورہ آئے تو اپنی ساریوں سے اترنے میں جلدی کرنے لگے پس ہم حضور علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں چومتے تھے۔"

مشکوٰۃ باب الکلمہ وعلیات الخلق میں حضرت صفوان بن مسال سے روایت ہے

فَنَقِبُ عَدِيهِ وَرَحِمَهُ پس اسوں نے حضور علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں چومے۔ مشکوٰۃ شریف باب ما یقال عند من حضرہ الموت بروایت ترمذی وایہود میں ہے۔

عَنْ عَامِشَةَ قَالَتْ قَبِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُثْمَانَ ابْنَ مَطْعُونٍ وَهُوَ مَيِّتٌ "حضور علیہ السلام سے عثمان ابن مظعون کو بوسہ دیا، نکماں کا انتقال ہو چکا تھا۔"

شفا شریف میں ہے **كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَصُغُّ عَدَهُ عَنِ الْمَمْبَرِ الَّذِي يَحْسُ عِبَهُ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِيُغَطِّبَهُ ثُمَّ يَضَعُهَا عَلَى وَجْهِهِ**

"جس منبر پر حضور علیہ السلام خطبہ فرماتے تھے اس پر حضرت عبداللہ ابن عمر اپنا ہاتھ لگا کر منبر پر رکھتے تھے (چومتے تھے) "شرح بخاری لابن حجر باب الخشم مطہر میں ہے۔

اسْتَبْطَ بِغَضْضِهِمْ مِنْ مَشْرُوعِيَةِ نَقِيْلِ الْأَرْكَانِ حَوَارِ نَقِيْلِ كُلِّ مَنْ يَسْتَحِقُّ الْعِظْمَةَ مِنْ أَهْلِ مَدِينَةٍ وَغَيْرِهِ نَقَلَ عَنْ الْإِمَامِ حَمْدَانِ مَعْلُومٌ عَنْ نَقِيْلِ مَسْرِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَنَقِيْلِ قَبْرِهِ قَالَ فَمِمَّنْ يُرَبِّهِ بَابُ وَنَقَلَ عَنْ ابْنِ الصَّفْرِ الْأَحْمَرِيِّ أَحَدِ عُلَمَاءِ مَدِينَةِ مَنْ ابْنِ نَقِيْلِ حَوَارِ نَقِيْلِ الْمَصْحَفِ وَخُرَاءِ الْحَدِيثِ وَقُبُورِ الصَّحَابَةِ مَلْحَصًا

"رگاہ کعبہ کے چومنے سے بعض علماء نے برکان دین وغیرہم کے تبرکات کا چومنا ثابت کیا ہے امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ حضور علیہ السلام کا منبر پر قبر پر چومنا کیا ہے؟ فرمایا کوئی حرج نہیں اور اس بی الصنف مدنی سے جو کہ مکہ کے عبادت گاہ لعیہ میں سے ہیں منقول ہے۔ قرآن کریم اور حدیث کے اوراق برکان دین کی قبر چومنا جائز ہیں۔"

تو شیخ میں علامہ طلال الدین سیوطی قدسی سرہ فرماتے ہیں۔

بَسْطُ بَغْضِ الْعَارِفِينَ مِنْ نَقِيْلِ الْحَمْرِ الْأَسْوَدِ نَقِيْلِ قُبُورِ الصَّحَابَةِ "حمر الاسود کے چومنے سے بعض عارفین نے برکان دین کی قبروں کا چومنا ثابت کیا ہے۔"

ان احادیث و محدثین و علماء کی عبارت سے ثابت ہوا کہ برکان دین کے ہاتھ پاؤں اور ان کے لباس لطین، بال غرض کہ ہمارے تبرکات اسی طرح کعبہ معظمہ، قرآن شریف، کتب احادیث کے اوراق کا چومنا جائز اور باعث برکت ہے، بلکہ برکان دین کے بال و لباس و جمیع تبرکات کی تعظیم کرنا، ان سے بڑا ہی وغیرہ معاصیہ میں اہل احسان مل کرنا۔

قرآن کریم میں ثابت ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔

بنی اسرائیل سے ان کے نبی سے فرمایا کہ طاہر کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک تابوت آدیا۔ جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کو ہمیں ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں معزز موسیٰ اور معزز ہارون کے ترکہ کی کہ اٹھائے ہوں گے اس کے فرشتے اس آیت کی تفسیر ہیں تفسیر خازن روح البیان و تفسیر مدارک اور جلالین وغیرہم نے لکھا ہے کہ تابوت ایک شمشاد کی لکڑی کا صندوق تھا جس میں انبیاء کی تصاویر (یہ تصاویر کسی سان سے نہ تھیں بلکہ قدرتی تھیں) اس کے مکانات شریف کے نقشے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حصاء اور ان کے کپڑے اور آپ کے فضائل شریف اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عصا اور ان کا عمامہ وغیرہ تھا۔ بنی اسرائیل جب دشمن سے جنگ کرتے تو برکت کے لئے اس کو سامنے رکھتے تھے۔ جب خدا سے دعا کرتے تو اس کو سامنے رکھ کر دعا کرتے تھے۔ بخوبی ثابت ہوا کہ یہ رکاب دین کے حرکات سے فیض لینا۔ ان کی عظمت کا طریقہ

انبیاء ہے۔ تفسیر خازن و مدارک روح البیان و تفسیر سورہ یوسف پارہ ۱۲، آیات **فَلَمَّا دَهَبُوا بِهِ** کہ جب یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو اس کے بھائیوں کے ساتھ بھیجا تو اس کے گلے میں ابراہیم علیہ السلام کی قمیص تنوین بنا کر ڈال دی تاکہ محفوظ رہیں۔ سارے پانی رب نے پیدا کیئے ہیں۔ مگر آب رحم کی تعظیم اس لئے ہے کہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے قدم شریف سے پیدا ہو۔ مقام ابراہیم پتھر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نسبت ہوئی تو انکی عزت یہاں تک بڑھ گئی کہ حضور علیہ السلام سے نسبت ہوئی۔ تو رب تعالیٰ نے اس کی قسم فرمائی **لَا قَسَمَ بِهِدَا**

الْبَلَدِ وَانْتَ حَلَّ "بہدا ابلد سے فرمایا وہدا ابلد لا میں ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا **ارْ كُضْ بِوَجْهِكَ هَذَا مُغْتَسِلٌ بَارِدٌ وَ شَرَابٌ** "رب علیہ السلام کے پاؤں سے جو پانی پیدا ہو۔ وہ شہنا۔ معلوم ہوا کہ نبی کے پاؤں کا دھوون عظمت والا اور شفاء ہے۔ منقولہ شروع کتاب الباس میں ہے کہ حضرت سابع بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما کے پاس حضور علیہ السلام کا جبہ (اچکن) شریف تھا۔ اور مدینہ طیبہ میں جب کوئی بیمار ہوتا تو آپ وہ دھو کر اس کو پانی میں اسی منقولہ کتاب جامعہ باب الاشراف میں ہے کہ حضور علیہ السلام حضرت کہو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر تشریف فرما ہوئے اور ان کے منگھیرے سے منہ مبارک لگا کر پانی پیا۔ انہوں نے برکت کیسے منگھیرہ کا منہ کات کر رکھا ہوا۔ اسی منقولہ کتاب اصولہ باب المساجد فصل ثانی میں ہے کہ ایک جماعت حضور علیہ السلام کے اسف قدس پر مشرف ہوئی اور عرض کیا کہ ہمارے ملک میں بید (یہودیوں کا عبادت خانہ) ہے ہم چاہتے ہیں کہ اس کو توڑ کر مسجد بنالیں۔ حضور علیہ السلام نے ایک برتن میں پانی لے کر اس میں گلی فرمادی اور فرمایا کہ اس بید کو توڑ دو اور اس پانی کو ہاں زمین پر چھڑک دو اور اس کو مسجد بنالو۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عاب شریف کفر کی گندگی کو دور فرماتا ہے۔ حضرت خاندن ولید رضی اللہ عنہ پانی نوئی میں حضور علیہ السلام کا ایک ہال شریف رکھتے تھے۔ اور جنگ میں وہ نوئی ضرور آپ کے سر مبارک پر ہوتی تھی۔ منقولہ باب المستودع میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضور فرمایا تو حضرت ہاں نے وضو کا پانی لے لیا اور لوگ حضور ہاں کی طرف دوڑے۔ جس کو اس خیال شریف کی تری مل گئی اس نے اپنے منہ پر لپی اور جسے نہ ملی۔ اس نے کسی دوسرے کے ہاتھ سے تری سے کمرہ پر ہاتھ بچھیرا ان حدیث سے ثابت ہوا کہ یہ رکاب دین کی استعمال چیزوں سے برکت حاصل کرنا سنت صحابہ ہے۔ اب اقوال فقہاء مدللہ ہوں۔ عالمگیری کتاب النکاح باب الملوک میں ہے۔

اِنْ قُبِلَ يَدْعَالِيهِ اَوْ سُلْطٰنٌ عَادِلٌ يَعْمَهُ وَعَدْلُهُ لَا نَسَ بِهِ

"مگر عام و عادل بادشاہ کے ہاتھ چومنے کے عام و عدل کی وجہ سے تو اس میں حرج نہیں۔"

اسی عالمگیری کتاب النکاح باب الملوک میں ہے۔

لَا بُاسَ بِتَقْبِيلِ قَبْرِ وَالِدِيهِ كَدَالِي الْغُرَابِ "اپنے باپ کی قبریں چومنے میں حرج نہیں۔"

اسی عالمگیری کتاب النکاح باب الملوک میں ہے۔

اِنَّ النَّقْبِيلَ عَمِي حُمْسَةً رُحْبَةً قُسْمَةً لِرُحْمَةِ كَفْلِهِ الْوَلَدَةِ وَقُبْنَةُ السَّحِيهِ كَقُبْلَةِ الْمُؤْمِنِينَ بَعْضُهُمْ

وَقُبْلَةُ الشَّفَقَةِ كَقُبْلَةِ الْوَلَدِ بِالْوَالِدَةِ وَقُبْنَةُ سَوْدَةِ كَقُبْنَةِ الرَّحْلِ اِحَادَةُ قُبْنَةِ الشَّهْوَةِ كَقُبْنَةِ الرَّحْلِ

امراتہ و راد بعضہم وقبنة الححر لا سود

"بوسہ دینا پانچ طرح کا ہے رحمت کا بوسہ جیسے کہ باپ اپنے مرزد کو چومے۔ ملاقات کا بوسہ جیسے کہ بعض مسلمان بعض کو بوسہ دیں۔ شفقت کا بوسہ

جیسے کہ فرزند اپنے باپ کو بوسہ دے دوستی کا بوسہ جیسے کہ کوئی شخص اپنے دوست کو بوسہ دے۔ شہوت کا بوسہ جیسے کہ شوہر اپنی بیوی کا بوسہ دے۔

بعض نے زیادہ کیا دین داری کا بوسہ اور وہ سنگ اسود کا چومنا ہے۔"

درمختار جلد پنجم کتاب الکرہیت آخر باب الاستبراء بحث مصافحہ میں ہے۔

وَلَا بُاسَ بِتَقْبِيلِ يَدِ لِعَالِمٍ وَ الشُّطْبِ الْعَادِلِ ”عالم اور عادل یا دشاہ کے ہاتھ چومے میں حرج نہیں۔

اس جگہ شی نے حاکم کی ایک حدیث نقل کی جس کے آخر میں ہے۔

قَالَ ثُمَّ ادْرَأْهُ فَقَبَّلَ رَأْسَهُ وَرَحِبَهُ وَقَالَ لَوْ كُنْتُ أَمْرًا أَخَذَ لَنَبُحِدَ لَأَحِبِّدَ لَأَمْرُثَ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسُجِدَ لِرُؤُوسِهَا وَقَالَ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ

”حضور علیہ السلام نے اس شخص کو اجازت دی اس نے آپ کے سر اور پاؤں مبارک پر بوسہ دیا۔ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر ہم کسی کو بچہ سے کالم دیتے تو عورت کو دیتے کہ شوہر کو بچہ کرے۔“

درمختار نے اسی جگہ بوسہ پانچ قسم کا بیان کیا مثل عالمگیری کے اتنا اور زیادہ ہے۔

قُبِّلَةُ الدُّيْبَةِ لِلْحَجَرِ السُّودِ وَ تَبَيَّلَ غُبَّةُ الْكَعْبَةِ بِصَبْرِ الْمَصْحَفِ قَبْلَ بَدْعَةٍ لَكِنْ زَوَى عَنْ عَمْرِو
أَنَّهُ كَانَ يَخْذُلُ الْمَصْحَفَ كُنْ عِدَاةً وَ فَاتَقَبَّلَ الْخَيْرَ فَخَوَّرَ الشَّيْءَ أَنَّهُ بَدْعَةٌ ”مباحہ“ وَأَقْبَلَ
حَسَنَةً فَلَمَّحَ

”ایک بوسہ دینا دینی کا ہے وہ حجر اسود کا بوسہ کعبہ شریف کی چونکٹ کا بوسہ ہے قرآن پاک کا چومنا بعض لوگوں نے بدعت کہا ہے مگر عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ہر صبح کو قرآن پاک ہاتھ میں لے کر چومتے تھے اور دینی کا چومنا اس کو شافعی لوگوں نے جائز فرمایا ہے کہ یہ بدعت جائز ہے بعض نے کہا کہ بدعت حسنہ ہے۔“

نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے وَاتَّخِذُوا مِنْ نَفْسِهِمْ غُصَّةً ”مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت خلیل علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کی۔“ ان کے قدم پاک کی برکت سے اس پتھر کا یہ درجہ ہو کہ دنیا بھر کے حاجی اس کی طرف سرجھٹے لگے۔ ان عبادات سے معلوم ہوا کہ بوسے چند طرح کے ہیں درجہ برک چیزوں کو بوسہ دینا دینا دینی کی ملامت ہے یہاں تک تو قوس موافق کا ذکر ہوا۔ مخالفین کے سرور جناب مولوی رشید احمد صاحب گنڈوی قادی رشید یہ جلد اس کتاب نظر والہ ہجرت ۵ پر فرماتے ہیں ”تعمیم دیندہ رکھنا ہونا سنت ہے اور پاؤں چومنا ایسے ہی شخص کا بھی درست ہے حدیث سے ثابت ہے۔“ فقہ رشید محمد مفتی حنفی۔

اس کے متعلق اور بھی احادیث لغوی عبادات عبادات پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اسی قدر پر کفایت کی جاتی ہے۔

دوسرا باب

اس پر اعتراضات و جواب میں

بزرگوں کے ہاتھ پاؤں چومنے و تبرکات کی تعظیم پر مخالفین کے پاؤں حسب ذیل اعتراضات ہیں۔ شاء اللہ عر و جل اس کے سوا اور مثل نہیں گے۔
اعتراض ۱ فقہاء فرماتے ہیں کہ علماء کے سامنے زمین چومنا حرام ہے۔ نیز جھک کر تعظیم کرنا حرام ہے کیونکہ یہ رکوع کے مثلاً ہے اور جس طرح تعظیم سجدہ حرام ہو گیا۔ تعظیم رکوع بھی حرام ہو گیا اور جبکہ کسی کے پاؤں چومنے کے لئے اس کے قدم پر منہ رکھا تو یہ رکوع تو کیا سجدہ ہو گیا لہذا یہ حرام ہے۔ درمختار کتاب الکرہیت باب الاستبراء بحث مصافحہ میں ہے۔

وَتَقْبِيلُ الْأَرْضِ بَيْنَ يَدَيِ الْعِمَاءِ وَالْعَصَمَاءِ فَحَرَمٌ ”لَا نَهْ يَشْبَهُ عِبَادَةَ الْوُثْنِ“
”علماء اور بڑے بزرگوں کے سامنے زمین چومنا یہ حرام ہے کیونکہ یہ بت پرستی کے مشابہ ہے۔“
اسی کے ماتحت ثنائی ہیں۔

الْإِيمَاءُ فِي السَّلَامِ إِلَى قَرِيبِ الرُّكُوعِ كِ السُّجُودِ وَ فِي الْمَحِيطِ أَنَّهُ يَكْرَهُ الْأَنْحَاءُ لِلْسُّنْطِ
وغيره و ظاہر کلامہ علی اطلاق السُّجُودِ علی ہذا التَّقْبِيلِ

”سام میں رکوع کے قریب تک جھکنا سجدہ کی طرح ہے اور محیط میں ہے کہ بادشاہ وغیرہ کے سامنے جھکنا مکروہ ہے و فقہاء کا ظاہری کلام یہ ہے کہ وہ اس چومنے کو سجدہ ہی کہتے ہیں۔“

معلوم ہوا کہ کسی انسان کے آگے جھکنا سجدہ کرنا شرک ہے لہذا کسی کے پاؤں چومنا شرک ہے حضرت مجدد صاحب کو دربار اکبری میں بدایا گیا اور داخل

ہو نیکارو رہ چھوٹا رکھا گیا تھا کہ اس بھانسنے سے آپ اکبر کے سامنے جھک جاویں مگر جب آپ وہاں تشریف لے گئے تو آپ نے اولاد رو رہے تھے پاؤں داخل کئے تاکہ جھکنا نہ لازم آ جاوے (یہ اعتراض انتہائی بے اور عام دیوبندی وہابی اسی کو پیش کرتے ہیں)۔

جواب ہم اولاد بچہ کی تعریف کریں۔ پھر بچہ کے احکام۔ پھر یہ عرض کریں کہ کسی کے سامنے جھکنے کے کیا حکم ہیں اس سے یہ اعتراض خوب اخذ ہی دلچ ہو جاوے گا۔ شریعت میں بچہ وہ ہے کہ زمین پر سات عسکریں۔ دونوں پنجے، دونوں گھٹنے، دونوں ہاتھ اور ناک و پیشانی، پھر اس میں بچہ کی نیت بھی ہو۔ دیکھو مکتب فقہ کتاب اصول و بحث بچہ و اگر بچہ بچہ کی نیت کے کوئی شخص زمین پر اونٹن چاروٹ گیا تو بچہ نہ ہوا۔ جیسا کہ بعض لوگ بیماری یا سردی یا چارپائی پر دندھے پڑ جاتے ہیں۔ بچہ دو طرح کا ہے۔ بچہ تھوڑا اور بچہ عبادت۔ بچہ تھوڑا تو کسی کی ملاقات کے وقت بچہ کرنا اور بچہ عبادت کسی کو حد کی طرح جاں کر کرنا۔ بچہ عبادت غیر اللہ کو کرنا شرک ہے کسی نبی کے دین میں جائز نہ ہوا کیونکہ ہر نبی تو حید لائے شرک کسی نے نہیں پایا۔ بچہ تھوڑا نہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک تک جائز رہا فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو بچہ کیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اور برادران حضرت یوسف سے یوسف علیہ السلام کو بچہ کیا۔ تفسیر روح بیان پارہ ۱۲ سورہ ہود پر آیت

وَقِيلَ بَعْدَ لُفُوفٍ لِّمَنْ هِيَ فِي حَضْرَتِ نُوْحٍ عَلِيْهِ السَّلَامُ كُوْنُ قَدَمٌ مِّنْ شَيْطَانٍ سَمِعَ نُوْحٌ مِّنْ حَضْرَتِ اٰدَمَ كِي قَبْرٍ كُوْنُ بَدُوْكَرَ۔ شَيْطَانٌ بُوْرُكَ۔ جب میں نے آدم علیہ السلام کی زندگی میں بچہ نہ کیا تو اس کی قبر کو کیا بچہ کر دوں گا۔ پھر اس آدم نے اس بچہ تھوڑا کو حرام فرمایا۔ لہذا اگر کوئی مسلمان کسی آدمی کو بچہ تھوڑا کرے تو گناہگار ہے، مجرم ہے حرام کا مرتکب ہے، مگر شرک یا کفر نہیں۔ معترض نے جو دروغی مہارت پیش کی اسی جگہ دروغی میں ہے۔

اِنَّ كَانَ عَلٰى وَحْدِهِ الْعِبَادَةُ وَالنَّعْصَمَةُ كَفَرًا وَاِنْ كَانَ عَلٰى وَحْدِهِ النَّعْجَةُ لَا وَصَارَ الْاَلْفُ مُرْتَكِبًا لِّلْكُفْرِ

"گریز میں جو مناجادت اور تعظیم کے لئے ہو تو کفر ہے اور اگر تھوڑے کے لئے ہو تو کفر نہیں ہاں گناہگار اور کبیرہ کا مرتکب ہوگا۔"

اس مہارت کے ماتحت شاہی سے اسکو اور بھی واضح کر دیا ہے۔ رہا غیر کے سامنے جھکنا۔ اسکی دونومیت ہیں ایک یہ کہ جھکنا تعظیم کے لئے ہو جیسے کہ جھک کر سلام کرنا۔ یا معظم شخص کے سامنے زمین چومنا یہ اگر حد کو گزرے تو حرام ہے اسی کو فقہ منع فرما رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جھکنا کسی اور کام کے لئے ہو اور وہ کام تعظیم کے لئے ہو جیسے کہ کسی بزرگ کا جوتا سیدھا کرنا اس کے پاؤں چومنے کے لئے ہے اور وہ کام تعظیم بزرگ کے لئے یہ حلال ہے اگر یہ توجیہ نہ کی جائے تو ہماری پیش کردہ حدیث اور فقہی مہارت کا کیا مطلب ہوگا۔ یہ یہ سوال دیوبندیوں کے بھی خلاف ہوگا کہ س کے پیشانی مووی رشید احمد صاحب بھی پاؤں چومنا جائز فرماتے ہیں۔ حضرت محمد صاحب کا یہ انتہائی تقویٰ تھا کہ انہوں نے سمجھا کہ چونکہ دربار کبریٰ میں کبر بادشاہ کو بچہ کر دیا جاتا ہے اور اکبر کی غرض سے مجھ کو اپنے سامنے جھکنا چاہتا ہے۔ اس لئے آپ نہ جھکے ورنہ اگر آپ جھک کر اس کھڑکی سے داخل ہوتے تو بھی آپ پر کچھ شرعی الزام نہ ہوتا کہ آپ کا مقصد اس جھکنے سے تعظیم اکبر نہ تھی۔

اعتراض ۴ احادیث میں ہے کہ حضرت عمر نے سنگ اسود کو بوسہ سے رفرمایا۔

اِنِّیْ اَعْلَمُ اَنَّكَ حَجَرٌ لَا نَفْعَ وَلَا نَصْرَ لَوْ لَا اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ حَرِّیْ بِلِلّٰهِ عِبْرَةٌ مَّا قَبْلُكَ

"پتھر ہے نفع نہ نقصان اگر میں نے حضور علیہ السلام کو تھپے چوتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تو تھپے کو چوتی۔"

اس سے معلوم ہو کہ فاروق عظیم رضی اللہ عنہ کو سنگ اسود کا بوسہ ناگوار تھا مگر چونکہ نفس میں آگیا مجبوراً چوم لیا۔ اور چونکہ ستمکات کے چومنے کی نص نہیں آئی لہذا نہ چمنای مناسب ہے۔

جواب مووی عہد لکی صاحب نے مقدمہ ہدایہ فیلہ الہدایہ میں حجر اسود کے ماتحت اسی حدیث کو نقل فرمایا کہ حاکم کی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو جو بوسہ دیا کہ اسے امیر المومنین حجر اسود مانع بھی ہے اور معترض بھی۔ کاش کہ آپ نے قرآن کی اس آیت کی تفسیر پر توجہ فرمائی ہوتی۔

وَاٰحَدٌ مِّنْکُمْ مِّنْ بَنِيْ اٰدَمَ مِنْ صَبُوْرٍ رَّهْمَ دُرِّ تَنْجِفُ۔ جب یثاق کے دن رب تعالیٰ نے عہد و پیمان لیا تو وہ عہد نامہ ایک ورق میں لکھ کر اس حجر اسود میں رکھا اور یہ سنگ اسود قیامت کے دن آویگا اس کی آنکھیں اور زبان اور لب ہوں گے اور مومنین کی گواہی دے گا۔ لہذا یہ لکھنا امین اور مسلمانوں کا گواہ ہے حضرت فاروق نے فرمایا۔

اے علی جہاں تم نہ ہو خدا مجھے وہاں نہ رکھے، معلوم ہو کہ سنگ اسود نفع نقصان پہنچانے والا ہے اور اس کی تعظیم دین کی تعظیم ہے۔ نیز حضرت فاروق کا سنگ اسود کو یہ خطاب اس لئے نہ تھا کہ آپ اس بوسہ حجر اسود سے ناراض تھے۔ سخت سے ناراضی کفر ہے بلکہ محض اس لئے کہ دل عرب پہلے بت پرست تھے ایسا نہ ہو کہ وہ یہ سمجھ لیں کہ اسلام نے چند بتوں سے بنا کر یک پتھر پر ہم کو متوجہ کر دیا اس فرماں سے لوگوں کو فرق معلوم ہو گیا کہ وہ تھا

پھر اس کا پوجنا اور یہ ہے پھر کا چومنا۔ پوجنا اور ہے اور چومنا اور۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس مقصد کی تردید کی بلکہ **لا نصرد لا نفع** کے لفظ سے جو سامعین دھوکا کھاتے اس کو صاف فرما دیا کہ فاروق عظیم رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ ہے کہ مالذات یہ پھر طبع اور نقصان کا مالک نہیں۔ جیسا کہ اہل عرب بتوں کو سمجھتے تھے اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے۔ کہ اس پھر میں بالکل نفع و ضرر نہیں تو حضرت فاروق کا فرماں بھی لوگوں کو سمجھانے کے لئے تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہماری تقریب سے درافض و درہایوں دونوں کے اعتراض اٹھ گئے۔

تجرب ہے کہ حضرت فاروق عظیم رضی اللہ عنہ یہاں تو سنگ سوار کے پوسر کے بقول تمہارے خلاف ہیں لیکن خود ہی حضور علیہ السلام سے انہوں نے عرض کیا کہ ہم مقام ابرہہ کو اپنا حصہ بنا دیتے کہ اس کے سامنے جہاد کرتے اور نفل پڑھتے اس ہی کی عرض پر یہ آیت آئی۔ **وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُضَمًّا**۔ ابرہہ ہم بھی تو ایک پھر ہی ہے اس کے سامنے نفل پڑھنا اور جہاد کرنا آپ کو پسند ہے۔

اعتراض ۳ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ آج کل جو تمکرات حضور علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں خبر نہیں کہ بتاؤنی ہیں یا کہ اصلی چونکہ ان کے اصلی ہونے کا ثبوت نہیں اس لئے انکا چومنا، اس کی عظمت کرنا منع ہے۔ ہندوستان میں صد ہا جگہ بال مبارک کی زیارت کرتی جاتی ہے نہ تو اس کا پتہ ہے اور نہ ثبوت کہ یہ حضور علیہ السلام کے ہاں ہیں؟

جواب تمکرات کے ثبوت کے لئے مسلمانوں میں یہ مشہور ہوتا کہ یہ حضور کے تمکرات ہیں کافی ہے اس کے لئے آیت قرآنی یا حدیث بخاری کی ضرورت نہیں ہر چیز کا ثبوت یہاں نہیں ہوتا نہ ثبوت کے لئے چار متقی مسلمانوں کی شہادت درکار۔ دیکھنا ان معاملات کے ثبوت کے لئے دو کی گواہی کافی اور مضامین کے چاند کے لئے صرف ایک عورت کی خبر بھی معتبر، نکاح، نسب یا دگروں اور اوقاف کے ثبوت کے لئے صرف شہرت یا خاص علامت کافی ہے۔ ایک پراہی کی عورت کو ساتھ لے کر محل میں دشوہرہ ہے ہیں۔ آپ اس علامت کو دیکھ کر اس کے نکاح کی گواہی دے سکتے ہیں؟ ہم کہتے ہیں کہ ہم فلاں کے بیٹے فلاں کے پوتے ہیں۔ اس کا ثبوت نہ قرآن سے ہے نہ حدیث نہ ہماری والدہ کے نکاح کے گواہ موجود۔ مگر مسلمانوں میں اس کی شہرت پہاٹائی کافی ہے۔ اسی طرح یا دگروں کے ثبوت کے لئے شہرت معتبر ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

اُولَئِكَ يَسْنِؤْنَ اَهْلِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ تَعَالَی اللّٰہُ مِنْ قِبَلِهِمْ

”کہا یہ لوگ زمین کی سیر نہیں کرتے تاکہ دیکھیں اس سے پہلے والوں کا کیا انجام ہوا۔“

اس آیت میں کفار کہہ کر رقت دی گئی ہے کہ گدشتہ کلاری یا دگروں، ان کی جزی ہوئی، ستیوں کو دیکھ کر ہمت پکڑیں کہ نافرمانوں کا یہ انجام ہوتا ہے اب یہ کیسے معلوم ہو کہ فلاں جگہ قوم یا قومی قریب نے بھی اس کا پتہ نہ دیا اس کے لئے محض شہرت بتاؤنی۔ معلوم ہو کہ قرآن نے بھی اس شہرت کا اظہار اور فرمایا۔ شفا شریف میں ہے۔

وَمِنْ عَظَمَةِ وَاكْبَارِهِ اَعْظَمُ حَمِيعِ اَسْبَابِهِ وَاَكْبَرُ مَشَاهِدِهِ وَ مَكْنَنُهُ وَمَا لَمْ يَكُنْ عَدِيَهُ سَلَامٌ وَ غُرُفُ بِهِ حضور علیہ السلام کی تعظیم و توقیر میں سے یہ بھی ہے کہ حضور علیہ السلام کے اسباب ال کے مکانات اور جس کو اس جسم پاک سے مس بھی ہو گیا درجہ جس کے متعلق یہ مشہور ہے کہ یہ حضور علیہ السلام کی ہے اس سب کی تعظیم کرے۔ شرح شعا میں ملا علی قاری اس عبارت کے ماتحت فرماتے ہیں۔

اِنَّ الْاُمْرَادَ حَمِيعًا اَنْسَبَ لَنَہِ وَنَعْرِفُ بِہِ عَدَہ السَّلَامَ

اس سے مقصد یہ ہے کہ جو چیز حضور علیہ السلام کی طرف منسوب ہو مشہور ہو اس کی تعظیم کرے۔ مولانا عبدالحکیم صاحب لکھنوی نے اپنی کتاب نور ایمان میں یہی عبارت شفا نقل فرما کر و نعرف بہ پر حاشیہ لکھا۔

وَلَوْ كَانَ عَلٰی وَجْہِ الْاَشْہَارِ مِنْ غَیْرِ ثُبُوْتِ اَخْبَارِ فِیْ اَثَرِہِ حُدُوْدُ اَعْمٰی۔ الْفَارِی

”گر یہ نبوت شہرت کی بنا پر ہو اور اس کا ثبوت احادیث سے نہ ہو اسی طرح ملا علی قاری نے فرمایا۔“

ملا علی قاری علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب مسند منکطہ میں یہی مضمون تحریر فرمایا۔ اسی طرح علماء منتہی نے احکام حج میں تصنیف شائع کیں اور زائرین کو ہدایت کی کہ جس میں شریفین میں ہر اس مقام کی زیارت کرے جس کی ہوگ عزت و حرمت کرتے ہوں۔ تعجب ہے کہ فقہاء کرام فضائل اعمال میں حدیث ضعیف کو بھی معتبر مانیں۔ اور یہ میراں تمکرات کے ثبوت کے لئے حدیث بخاری کا مطالبہ کریں۔

حاشاں رچہ کار با تحقیق ہر کجا نام دوست قربانم ۱

طیغ ہم دھور جی کا ٹھیاواڑ کی نگیر مسجد میں بارہویں ربیع الاول شریف کو دھکا کہتے گئے وہاں با مبارک کی زیارت کی جا رہی تھی۔ مسلمان زیارت کر رہے تھے درود پاک کرتے تھے کوئی روتا تھا۔ کوئی دعا مانگ رہا تھا۔ غرض کہ عجیب پر کیف منظر تھا ایک صاحب ایک کونہ میں منہ بنائے کھڑے تھے معلوم ہوتا تھا کہ اس کے منہ کو قلعے نے مارا ہے میں نے پوچھا کہ حضرت آپ غصہ میں کیوں ہیں؟ فرمائیے لگے کہ مسجدوں میں شرک اور ہ ہے اس کا کیا ثبوت ہے؟ کہ یہ با حضور علیہ السلام کا ہے اور اگر ہو بھی تو اس تعظیم کی کیا ثبوت ہے؟ میں نے جواب نہ دیا۔ بلکہ ان سے پوچھا کہ جناب کا اسم شریف کیا ہے؟ فرمائیے لگے عبد الرحمن۔ والد میراں کا اسم گرامی کیا؟ فرمایا کہ عبد الرحیم۔ ہم نے پوچھا کہ اس کا ثبوت کیا ہے؟ کہ آپ عبد الرحیم صاحب کے فرزند ہیں۔ ذلذا تو اس نکاح کے کو نہیں اگر کوئی ہو بھی تو وہ صرف عقد نکاح کی گواہی دے گا یہ کیسے معلوم ہوا کہ جناب کی ولادت شریف اس کے ہی قطرے سے ہے تو آپ کر بولے کہ جناب مسلمان کہتے ہیں کہ میں کا بیٹا ہوں اور مسلمانوں کی گواہی معتبر ہے۔ ہم نے کہا کہ جناب مسلمان کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاں شریف ہے اور مسلمانوں کی گواہی معتبر ہے شرمندہ ہو گئے کہسے لگے یہ اور بات ہے پوچھا کہ جناب کہاں کے تعظیم یافتہ ہیں فرمایا دیوبند کے۔ ہم نے کہا کہ پھر کیا پوچھنا آپ تو رجسٹری شدہ ہیں۔ مولانا قطب ندین برہکھاری قدس سرہ سے ایک دیوبندی صاحب فرمائیے لگے حضور علیہ السلام و حضور کہنا بدعت ہے نام بیٹا چاہئے کیونکہ حضور کہنا نہیں ثابت نہیں انہوں نے جواب دیا چپ رہ آؤ۔ بولے یہ کیا؟ فرمایا کہ آپ جناب یا آپ کہنا بدعت ہے کہیں بھی ثابت نہیں میں یقین کرتا ہوں کہ دیوبندیوں کو بہت زیادہ تکلیف قیامت کے دن ہوگی۔ جبکہ حضور علیہ السلام مقدس محمود پر جلوہ گر ہوں گے در آپ کی شان امام عالم پر ظاہر ہوگی۔

النَّهْمُ زَرْقًا شَاعَتُهُ صَنِي دَلَّةٌ عَيْنُهُ وَ سَنَمُهُ

”آج لے ان کی پناہ آج در دمانک اس سے پھر ناہنم کے قیامت میں اگر مان گیا“

امتراص ۴ نقشہ اصل نعلین شریف نہیں یہ تو تہہ باری روشنی تہارے قلم سے بنایا ہوا انونہ ہے۔ پھر اس کی تعظیم کیوں کرتے ہو۔

جواب یہ نقشہ اصل نعلین کی نقل ہے اور اس کی حکایت ہے حکایت کی بھی تعظیم چاہئے لاہور کا چمپا ہوا قرآن شریف، اس کا کاغذ روشنائی آسمان سے نہیں اتری ہماری بنائی ہوئی ہے مگر واجب تعظیم ہے کہ اس اصل کی نقل ہے۔ ہر ماہ ربیع الاول ہر دو شبہ معظم ہے کہ اصل کی حاکی ہے۔

بحث عبدالنبی عبدالرسول نام رکھنا

عبدالنبی عبدالرسول عبدالمصطفیٰ عبدالحلی وغیرہ نام رکھنا جائز ہے۔ اسی طرح اپنے کو حضور علیہ السلام کا بندہ کہنا جائز ہے قرآن وحدیث واقوال فقہاء سے ثابت ہے مگر بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اس لئے اس بحث کے بھی ہم دو باب کرتے ہیں۔ باب اول میں اس کا ثبوت دوسرے میں اس پر اعتراض وجواب۔

پہلا باب اس کے ثبوت میں

قرآن کریم فرماتا ہے **وَاتَّخِذُوا آلَ إِبْرَاهِيمَ مِنْكُمْ وَلِضَحِّیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَمِنْکُمْ**

”اور نکاح کرو انہوں میں اس کا جو بے نکاح ہوں اور اپنے لائق بندوں اور کثیروں کا۔“

اس عبادت میں عباد کو کم کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ یعنی تمہارے بندے۔

قُلْ يَا عِبَادِیَ اسْرِفُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ لَا تَقْطُرُوْا مِنْ رِّزْقِیْ

”اے محبوب فرما دو کہ میرے بندو! جسوں نے اپنی جانوں پر یادتی کی اللہ کی رحمت سے تنہ امید نہ ہو۔“

اس یا عبادی میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ رب فرماتا ہے کہ اے میرے بندو دوسرے یہ کہ حضور علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ آپ فرما دو اے میرے بندو۔ اس دوسری صورت میں عباد رسول اللہ مراد ہوں گے۔ یعنی حضور علیہ السلام کے غلام اور امتی، دوسرے معنی کو بھی بہت سے بردہاں دین نے اختیار فرمایا۔ مشکوٰۃ شریف میں فرماتے ہیں۔

بندہ خواہ خود یا احمد و رشاد
بجملہ عام رتقواں قل یا عباد

حضور علیہ السلام نے سارے عالم کو اپنا بندہ فرمایا۔ قرآن میں چارہ قول یا عباد۔ عامی ادا اللہ صاحب رسالت کے لیے ترجمہ شام اداویہ صفحہ ۳۵ میں فرماتے ہیں۔ عباد اللہ کو عباد رسول کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **قُلْ يَا عِبَادِیَ اَلَا یُنَہٰی عَنْ مَّعْرِضٍ مُّضِرٍّ لَّکُمْ وَیَحْضُرُ الْکَرَمَ** ہیں۔ ترجمہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی **قُلْ يَا عِبَادِیَ اَلَا یُنَہٰی عَنْ مَّعْرِضٍ مُّضِرٍّ لَّکُمْ وَیَحْضُرُ الْکَرَمَ** میں فرماتا ہے کہ وہ اللہ صلی اللہ صاحب بحوالہ اریاض المسافر وغیرہ فرماتے ہیں کہ حضرت مررضی اللہ عنہ نے برنبر خطبہ میں فرمایا **قَدْ کُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم فَکُنْتُ عِبْدَہٗ وَخَادِمَہٗ** ”میں حضور علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ جس میں آپ کا بندہ اور خادم تھا۔“

مشکوٰۃ شریف میں وہ واقعہ نقل فرمایا۔ جبکہ حضرت صدیق کبیر حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) کو خرید کر حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں لائے تو عرض کیا۔ **گفتہ داد بندگان کوئے تو** کہدش آزادیم بدوئے تو
عرض کیا کہ ہم دونوں آپ کی بارگاہ کے بندے ہیں۔ میں ان کو آپ کے سامنے آزاد کرتا ہوں۔
صاحب در مختار خطبہ در مختار میں اپنے شجرہ علمی بیان فرماتے ہیں۔

فَیْنِیْ رَوٰیہُ عَنْ شَیْخِہَا الشَّیْخُ عَبْدِ النَّبِیِّ لَحْیَلِیْ ”میں اس کو اپنے شیخ عبدالنبی صلی سے روایت کرتا ہوں۔“

معلوم ہوا کہ صاحب در مختار کے استاد کا نام عبدالنبی تھا۔ مرثیہ رشید احمد مشکوٰۃ میں مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی نے لکھا ہے۔

قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں
عبید سود کا ان کے لقب ہے یا عتب ثانی

جس سے معلوم ہوا کہ مولوی رشید احمد صاحب کے کالے بدے بھی یوسف بنی کہلاتے ہیں غرض کہ عبادی نسبت خیر خد کی طرف قرآن وحدیث واقوال مخالفین سے ثابت ہے عرب والے عام طور پر کہتے ہیں۔ عبادی خز۔ شاعر کہتا ہے **عَالُوْاھِبُ الْمَاْنَةِ الْھِجَاں وَعِبْدُھَا طَیْبَہٗ** تقویۃ الایمان میں علی بخش، بجز بخش، خدم علی، عدار بخش، عبدالنبی نام رکھنے کو شرک کہا۔ مگر تہذیب العربیہ ص ۱۳ میں رشید احمد صاحب کا شجرہ نسب یوں ہے مولوی رشید احمد ابن مولانا تاج الدین ابن قاضی علی بخش ابن غلام حسن ابن غلام علی۔ درہاں کی طرف سے نسب نامہ یوں لکھا ہے۔ رشید احمد صاحب کے خاندانی رنگ مشترک مرتہ تھے یا نہیں؟ ”نہیں تو کیوں؟“ اور اگر تھے تو مرتد کی اطلاع ہے یا حری۔

دوسرا باب

اس پر اعتراضات و جوابات میں

اعتراض ۱ عہد کے معنی ہیں عابد عبادت کرنے والا تو عہد الہی کے معنی ہوں گے نبی کی عبادت کرنا اور یہ معنی صریح شریک ہیں لہذا ایسے نام منع ہیں۔

جواب عہد کے معنی عابد بھی ہیں اور خادم بھی۔ جب عہد کو اللہ کی طرف نسبت کیا جا دیا تو اس کے معنی عابد ہوں گے۔ اور جب غیر اللہ کی نسبت ہوگی تو معنی ہوں گے خادم غلام لہذا عہد الہی کے معنی ہوئے ہی کا غلام۔ عالمگیری کتاب الکریمیت باب تسمیۃ الاولاد میں ہے۔

وَلِتُسَمَّیْہُ بِاسْمِ یُوحٰذِیْ کُنَّا اللہ تعالیٰ حائِزاً کَالْعَنی وَالرَّشِیدِ وَالْبَدِیْعِ لَآئِہُ مِّنْ لَّاسْمَاءِ الْمُسْتَعْرَکَةِ وَیَرَادُ فِی حَقِّ الْعِبَادِ مَا لَا یَرَادُ فِی حَقِّ اللَّهِ مَعَالِی کَدَا فِی السَّرَاحِیۃ

"جو نام قرآن شریف میں پائے جاتے ہیں اس سے نام رکھنا جائز ہے۔ جیسے کہ علی یا رشید اور بدیع کیونکہ یہ اسماء مشترکہ میں سے ہیں اور بندے کیلئے ان کے وہ معنی مراد ہوں گے جو کہ اللہ کے لیے مراد نہیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا نام بھی علی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام بھی علی ہے۔ اسی طرح خدا کا نام بھی رشید بدیع امیر ہیں اور بندوں کے بھی یہ نام ہو سکتے ہیں۔ مگر اللہ کے نام میں ان الفاظ کے معنی اور ہیں اور بندوں کے لئے دوسرے معنی اسی طرح عہد اللہ کے معنی اللہ کا عابد، عہد الہی کے معنی ہی کا غلام اگر یہ تو جیسے ہو تو قرآن کی س آیت کے کیا معنی ہوں گے اس عباد کہ

اعتراض ۲ منقولہ باب الادب الاسامی اور مسلم جلد دوم کتاب غناظک الادب وغیرہ میں ہے۔

لَا یَقُولُونَ اِحٰذِکُمْ عِنْدِی و مَنِ کُنْتُکُمْ عِبِیدَ اللہ و کُلُّ لَسَاءِ کُنْہُ مَا اللہ و لکن لیس غلامی و حاربتی

"تم میں سے کوئی نہ کہے عہدی اتنی (امیر بندہ وغیرہ) تم سب اللہ کے بندے ہو اور تمہاری تمام مورخیں اللہ کی نوٹ ہاں ہیں لیکن یہ کہے کہ غلامی و حاربتی۔" اس سے معلوم ہوا کہ فقط عہد کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا خلاف احادیث ہے لہذا حرام ہے اور عہد الہی میں بھی یہ بات موجود ہے لہذا منع ہے۔

جواب یہ ممانعت کرامت تزکی کے طور پر ہے کہ عہدی کہنا بہتر نہیں بلکہ عہدی کہنا اولیٰ ہے اسی حدیث کے ماتحت نووی شرح مسلم میں ہے۔

فَإِنْ لَیْسَ فِذَلِکَ النَّبِیُّ عِبِیہَا السَّلَافِ فِی شَرَطِ السَّاعَةِ نَ تَعِدُ لَامَہ رِبَتْہَا فِی الْحَوَابِ مِنْ وَحْہِیْنِ اَحٰذِہُمَا نَ نَعْدِیثَ النَّبِیِّ لِبِیْنِ لَعُوْرٍ وَانْ اَلْہِی فِی الْاَوَّلِ لِلادب و کرہہ لَسْرِیہ لَا لَسَعْرِیہ

"مگر کہا جاوے کہ حضور علیہ السلام نے عہد امت قیامت میں فرمایا کہ کوئی نہ کہے عہدی کہے اور کرامت تزکی ہے نہ کہ تزکی۔"

مسلم میں اسی جگہ ہے۔ لَا یَقُولُونَ لِحَدِثِکُمْ نَعْبَ الْکَرَمِ وَنَ الْکَرَمِ الرَّحْلِ بِمَسْلَمَہ

اسی جگہ یہ بھی ہے لَا تَسْمُوْا لِعَبِّ الْکَرَمِ وَنَ الْکَرَمِ الْمَسْمُہ

انگور کو کرم نہ کہو کیونکہ کرم تو مسلمان ہے، منقولہ کتاب الادب باب الاسامی میں ہے۔

اِنَّ اللہَ هُوَ الْحَکِیْمُ وَ بِہِ الْحَکْمُ فَمَا یَسْمُوْا بِالْحَکْمِ "عظم تو اللہ ہے اسی کا حکم ہے تو تیرا نام، یو الفکم کیوں ہے۔"

منقولہ میں اسی جگہ ہے لَا تَسْمُوْا غِلَامَکَ بِسَرٍ وَلَا رِخٍ وَلَا مَعْبُخًا وَلَا اَمْعِ

"بچے غلام کا نام یہ نہ اور ریح اور رخ اور افع نہ کہو۔"

ان تمام حدیث میں ان ناموں سے جو ممانعت ہے کرامت تزکی کی بنا پر ہے ورنہ قرآن و حدیث بلکہ خود احادیث میں سخت تقاض ہوگا۔ دیکھو رب خدا کا بھی نام ہے اور قرآن کریم میں بندوں کو بھی رب فرماتا ہے۔ کَمَا رَبِّیْ بِیْ صَغِیْرًا فَارْجِعْ اِلَی رَبِّکَ مَرَّکُوْنٍ فَخُصَّیْ کُوْیْ اِنَّا مَرَّکُوْنٍ یَّارَبِّ کَہِیْ تُوْشَرِکَ نَدَہُکَا۔ ہاں اس سے بچے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ یہ نام رکھنا واجب نہیں لیکن اگر اس زمانہ میں دیوبندیوں وہابیوں کو چڑانے کے لئے یہ نام رکھے تو بہت باعث ثواب ہے۔ جیسے کہ ہندوستان میں گائے کی قربانی۔ ہم اس کی تحقیق فاتحہ کی بحث میں کر چکے ہیں کہ جس مستحب کام کو اہل دین روکنے کی کوشش کریں اس کو ضرور کرنا چاہیے۔

بحث استطاق کا بیان

اس بحث میں تین باتیں عرض کرتی ہیں۔ استطاق کے معنی۔ استطاق کرنا صحیح طریقہ۔ استطاق کا ثبوت مگر چونکہ بعض لوگ استطاق کے بالکل منکر ہیں۔ وہ قسم قسم کے اعتراض کرتے ہیں اس لئے اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں پہلے میں مذکور تین باتیں اور دوسرے باب میں اس پر سوال و جواب۔

پہلا باب

استطاق کے طریقے اور اس کے ثبوت میں

اس باب میں چار باتیں عرض کی جاتی ہیں۔ استطاق کے کیا معنی ہیں۔ استطاق کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے۔ استطاق کرے سے فائدہ کیا ہے استطاق کا ثبوت کیا ، استطاق کے معنی میں مراد کیا۔ اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ میت کے دمر جو احکام شریعہ دے گئے ہوں ان کو اس کے دمر سے دور کرنا۔ چنانچہ وہیہو الصراط میں ہے استطاق سب چیز مست کہ دور کردہ شود رذمہ میت بدایں قدر کہ نیر شود۔ استطاق کا فائدہ یہ ہے کہ مسلمان سے بہت سے شرعی احکام عمل اسوارہ جاتے ہیں۔ جسکو وہ اپنی زندگی میں ادا نہ کر سکا۔ اور اب بعد موت سب کی سر میں گرفتار ہے اب نہ تو ادا کرنے کی طاقت ہے نہ اس سے چھوٹنے کی کوئی سہل۔ شریعت مطہرہ نے اس نیکی کی حالت میں اس میت کی دھیکری کرنے کے لئے کچھ طریقے جو یز فرمادے کہ اگر ان میت وہ طریقہ میت کی طرف سے کر دے تو پھر مردہ چھوٹ جاوے اس طریقہ کا نام استطاق ہے حقیقت میں یہ میت کی ایک طرح کی مدد ہے۔ وہابی دین ہدی جس طرح کہ مردہ مسلمان کے دشمن ہوتے ہیں۔ اسی طرح مردوں کے بھی دشمن کہ سب کو طع پھپھانے سے لوگوں کو درد کتے ہیں اور مرے بعد بھی کچھ نہیں چھوڑتے۔ استطاق کا طریقہ یہ ہے کہ میت عمر مظلوم کی چوڑے اس میں سے لوساں عورت کے لئے اور بارہ سال مرد کے لئے تاہاکی کے لئے لکال دو ب جتنے سال بچے اس میں حساب لگاؤ کتنی مدت تک وہ بے لہاری یا بے درہ رہا۔ یا لہاری ہو چکے رہا نہ میں کس قدر نمازیں اس کی ہاتی رہ گئی ہیں کہ نہ وہ ہنسی اور نہ قضا کیوں اس لئے زیادہ سے زیادہ اندر لگاؤ۔ جتنی نمازیں حاصل ہوں فی نماز ۷۰ اور پے اٹھنی بھر گھبوں حیرت کر دو۔ یعنی جو مضرہ کی مقدار ہے وہی ایک نماز کے قدر یہ تقریباً بارہ سیر گندم ہوئی اور ایک ماہ کی نمازیں کا قدر یہ ۹۰ من گندم تقریباً اور سب کی نماز کا ۸۰ من گندم ہوتا ہے۔ اب گر کسی کے ذمہ دس بیس سال کی نمازیں ہیں تو صد ہا من خیرات کرنا ہوگا۔ شاید کوئی بڑا دیندار یا دارقو یہ کر سکے مگر عہد نہ ممکن۔ ان کے لئے یہ طریقہ ہے کہ اولی میت جتنی حلاقت گندم یا س کی قیمت لے مثلاً ایک ماہ کی نمازیں کا قدر یہ ۹۰ من تھا تو ۹۰ من گندم یا اس کی قیمت لے اور کسی مسکین کو اس کا مالک کر دے وہ مسکین یا تو دوسرے مسکین کو یا خود مالک کو بطور ہبہ دے دے۔ وہ پھر اس فقیر کو صدقہ دے ہر بار کے صدقہ میں ایک کی نمازوں کا قدر یہ ادا ہوگا۔ بارہ بار صدقہ کیا۔ ایک سال کا قدر یہ ادا ہو۔ اسی طرح چند بار گھمٹے میں پورا قدر یہ دے ہو جائے گا۔ نمازوں کے قدر یہ سے فارغ ہو کر اسی طرح رور و اور کوۃ کا قدر یہ ادا کر دیں رحمت الہی سے امید ہے کہ میت کی مغفرت فرما دے۔ استطاق کا یہ طریقہ صحیح ہے۔ بحجاب میں جو عام طور پر مروج ہے کہ مسجد سے قرآن پاک کا نسخہ منگایا۔ اس پر ایک روپیہ رکھا اور چند لوگوں نے اس کو ہاتھ لگایا پھر مسجد میں واپس کر دیا اس سے نمازوں کا قدر یہ او۔ ہوگا۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کی کوئی قیمت ہی نہیں۔ بعد جب قرآن شریف کا نسخہ خیرات کر دیا سب نمازوں کا قدر یہ د ہو گیا مگر یہ غلط ہے کیونکہ اس میں اعتبار تو قرآن کے کاغذ، لکھائی چھپائی کا ہے گرد و روئینی کا یہ نسخہ ہے تو دو روپیہ خیرات کا ثوبہ میلا۔ ورنہ پھر وہ مالدار جن پر ہزار ہا روپیہ سالانہ کوۃ واجب ہوتی ہے وہ کیوں اتنا خرچ کریں صرف ایک قرآن پاک کا نسخہ خیرات کر دیا کریں۔ غرض کہ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے طریقہ صحیح نہ ہونیکے یہ معنی ہیں کہ اس سے استطاق کا مقصد حاصل نہ ہوگا کہ حرم ہے بلا دلیل کسی حکیم کو صرف اپنی رائے سے حرام کہنا تو مصلحت دیندہ کی کا کام ہے بقدر خیرات ثواب مل جاوے گا۔

موت ہم نے قدر یہ کا جو وزن بیان کیا کہ چھ نمازوں کا بارہ سیر۔ یہ ہر جگہ کہ لئے نہیں ہے ایک نماز کا قدر یہ ۷۰ اور پے اٹھنی پھر گندم ہوتے ہیں۔ ہر صوبہ کے لوگ اس سے اپنے یہاں کے سیر سے حساب لگائیں۔ استطاق کے ثبوت میں تین بخشیں کرتا ہیں ایک تو یہ کہ حرم سے بچے ثواب حاصل کرے یا شرعی ضرورت پوری کرے کے لئے شرعی جیسے جائز ہیں۔ دوسرے یہ کہ نمازوں کا قدر یہ مال سے ہو سکتا ہے۔ تیسرے یہ کہ خود استطاق کا ثبوت کیا ہے۔

پہلی فصل حیلہ شرعی کہ جواز میں

شرعی حیلہ کرنا ضرورت کے وقت جائز ہیں۔ قرآن کریم احادیث صحیحہ اقوال فقہاء سے اس کا ثبوت ہے حضور ایوب علیہ السلام نے قسم کھائی تھی کہ میں اپنی بیوی کو سونگڑیوں، اردنکارب، تھلے سے انگو تعلیم فرمایا کہ تم ایک جھاڑو لے کر اس کو ارد اور اپنی قسم توڑو۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے چاہا کہ بیٹامیں کو اپنے پاس رکھیں ورنہ بزد ہو۔ اس کے لئے بھی ایک حیدری فرمایا جسکا مفضل ذکر سورہ یوسف میں ہے ایک بار حضرت سارہ نے قسم کھائی تھی کہ میں قابو پاؤں گی تو حضرت ہاجرہ کا کوئی عضو قطع کروں گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر وحی آئی کہ انکی آپس میں صلح کرادو۔ حضرت سارہ نے فرمایا کہ میری قسم کیسے پوری ہو۔ تو اس کو تعلیم دی گئی کہ حضرت ہاجرہ کے کان چھیدیں۔

مشکوٰۃ کتاب النکاح باب الریاء میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں عمدہ خرے لائی۔ حضور علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ کہاں سے لائے۔ عرض کیا کہ میرے پاس کچھ رذی خرے تھے میں نے دو صاع رذی خرے دیئے اور ایک صاع عمدہ خرے کے لئے فرمایا کہ یہ سود ہو گیا۔ آئندہ ایسا کر دو کہ خرے پیسوں کے عوض فروخت کرو اور اس پیسوں سے مجھے خرے لے لو۔

دیکھو یہ سود سے بچنے کا ایک حیدہ ہے۔ عائشہؓ نے حیوں کا مستقل باب لکھا جس کا نام ہے کتاب میل۔ اس طرح، شاید انظار میں کتاب میل وضع فرمائی۔ چنانچہ عائشہؓ کی کتاب میل اور ذخیرہ میں ہے۔

كُلُّ حَبْنَةٍ بِحَتَانٍ بَهَا الرُّحْلُ بَهَا الرُّحْلُ لَا سَطْرَ حَقِّ الْعَبْرِ وَلَا دِحَالٍ شَبْهَةٍ فِيهِ وَلَا تَمُونَهُ بِأَطْلٍ فَهِيَ مَكْرُوهَةٌ "وَكُلُّ حَبْنَةٍ بِحَتَانٍ بَهَا الرُّحْلُ لِيَحْتَصَّ بِهَا عَنْ حُرَامٍ وَ يَسُوْضِلُ بِهَا إِلَى حَلَالٍ فَهِيَ حَسَنَةٌ وَالْأَصْلُ فِي حَوَارِ هَذَا النَّوعِ سَجْ"

"جو حید کسی کا حق مارنے یا اس میں شریک کرے یا باطل سے فریب دینے کے لئے کیا جاوے وہ مکروہ ہے اور جو حید اس لئے کیا جاوے کہ اس سے آدمی حرام سے بچا جاوے یا حلال کو پائے وہ اچھا ہے اس قسم کے حیوں کے جائز ہونے کی دلیل رب تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ اپنے ہاتھ میں بھاڑا لو اس سے مار دو یہ حضرت ایوب علیہ السلام کو قسم سے بچنے کی تعلیم تھی اور عالم مثلاً اس پر ہیں کہ اس آیت کا حکم منسوخ نہیں اور یہی صحیح مذہب ہے مولوی شرح اشباہ اور تارحانیہ میں جو حید کی بہت نہیں تقریر فرمائی چنانچہ بحث کے دوران میں فرماتے ہیں۔"

وَعَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ وَفِعْتُ وَحِشَةً بَيْنَ هَجْرَةٍ وَبَارَةٍ فَحَصَلَتْ سَارَةُ ابْنُ طَهْرُثُ بَهَا فَطَعْتُ غَضُوًّا مَسْهَدًا رَسُلَ اللَّهِ حَبْرِيلَ مِي نَرِ هَبِ عَنِ السَّلَامَةِ ابْنُ يَصْحَاقَ بَيْنَ هَبِ فَصَالَتْ سَارَةُ مَا حَبْلُهُ بِمِثْنِي فَأَوْحَى اللَّهُ إِلَيَّ ابْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنْ يَا مُرْسَارَةَ ابْنُ تَنْقَبِ أَدَسِي هَا حَرُ هَصْنُ ثُمَّ تُقَوِّبُ الْأَدَسَ

"ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت سارہ ہاجرہ رضی اللہ عنہما میں کچھ جھگڑا ہو گیا۔ حضرت سارہ نے قسم کھائی کہ مجھے موقوفہ دو تو ہاجرہ کا کوئی عضو کاٹ دو گی۔ رب تعالیٰ نے حضرت جبریلؑ کو ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا کہ ان کی صلح کرادیں حضرت سارہ سے عرض کیا تو میری قسم کا کیا حید ہوگا۔ پس حضرت ابراہیم پر وحی آئی کہ حضرت سارہ کو حکم دو کہ وہ حضرت ہاجرہ کے کان چھید دیں۔ اسی وقت سے عورتوں کے کان چھیدے گئے۔"

ان قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ فقہی عبارات سے حید شرعی کا جو معلوم ہوا۔

دوسری فصل روزے نماز کے فذیہ کے بیان میں

روزے کا مذہبی تقویٰ قرآن سے ثابت ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِذْيَةٌ طَعَامُ مَسْكِينٍ

"اور جن کو اس روزے اور جن کو اس روزے کی طاقت ہو وہ بدلہ میں ایک مسکین کا کھانا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ مجبور یا زحایہ یا مرض الموت کا مریض جب روزے کے قائل نہ ہے تو ہر روز کے عوض ایک مسکین کو کھانا دے اور نماز بمقابلہ روزے کے زیادہ محکم و اہم و اشد ہے اس لئے روزے کے حکم میں رکھا گیا۔ آیت کے ماتحت تفسیر استوا احمد یہ شریف میں ملا احمد جیوں قدس سرہ فرماتے ہیں۔

وَلِلصَّلَاةِ تَطْيِيرُ الصُّومِ بَلْ أَهَمُّ فِيهِ فَمُرُوفٌ بِالْفِذْيَةِ احْتِبَاطٌ وَفَحْوًا الْعَبْوُ مِنَ اللَّهِ مُعَالَى فَضْلًا

"نماز روزے کی مثل ہے بلکہ اس سے بھی اہم و اشد ہے اس میں بھی فذیہ کا احتیاط عزم یا اور رب تعالیٰ کے فضل سے قبول کی امید ہے۔"

مترجم میں ہے وَوُخُوفُ الْفِذْيَةِ فِي الصَّلَاةِ لِلاِخْتِاطِ "نماز میں فذیہ کا واجب ہونا احتیاطاً ہے۔"

شرح وکار یہ میں ہے وَفِذْيَةٌ كُلُّ صَوْمَةٍ كَصَوْمِ يَوْمٍ وَهُوَ الصَّحِيحُ

"ہر نماز کا فذیہ ایک دن کے روزے کی طرح ہے اور وہ صحیح ہے۔"

شرح الیاس میں ہے وَ يُعْبَرُ فِذْيَةٌ كُلُّ صَوْمَةٍ فَتِ كَصَوْمِ يَوْمٍ ي كَفِذْيَةِ يَوْمٍ

فتح القدیر میں ہے مِنْ مَثَلِ وَعَيْنِهِ قِصَاصُ رَمَضَانَ وَوَصِي بِهِ طَعْمُهُ عِدَّةٌ وَلَهُ لَكِنْ يَوْمٌ مَسْكِينًا بَصَفِ

صاع من بواضع من تمر وشعير لانه عجر عن الاداع وكذا لك اد اوصى بالا طعام عن الصلوة

"ہر وقت شدہ نماز کے فذیہ کا اعتبار ایک دن روزے پر ہے یعنی ایک دن کے روزے کی طرح ہے۔ جو شخص صومہ دے اور اس پر رمضان کی تعداد ہے

پس اس سے وصیہ کی تو اس کی طرف سے اس کا وہی ہر دن کے عوض ایک مسکین کو نصف صاع دیجوں یا ایک صاع خرے یا جو دے کیونکہ میت

اب اس سے مجبور ہو گیا اور اسی طرح جبکہ اس نے نماز کے بدلے میں کھانا دے کی وصیہ کی ہو۔

مطہاوی علی مرتی قدس میں ہے عَمَّ أَنَّهُ فِدْوَرْدُ لُصُّ فِي لُصُوهِ بِاسْفَاطِهِ بِالْفِذْيَةِ اتَّفَقَتْ كَمَّةُ لُمُشَانِجِ

عَلَيْهِ أَنَّ الصُّومَةَ كَالصُّومِ اسْتَحْسَانًا وَإِذَا عَلِمْتَ ذَلِكَ تَعْلَمُ حَيْثُ مِنْ يَقُولُ أَنْ اسْقِطِ الصُّومَةَ لَا

أَصْلُ لَهُ بَطْلٌ لِمُتَّفَقٍ عَلَيْهِ مِنَ الْمَذْهَبِ

ان عبارت سے معلوم ہوا کہ نماز اور روزے کا فذیہ بجا جائز ہے اور تقویٰ کی امید ہے بلکہ احادیث بھی اسکی تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ نسائی نے اپنے سنن

کبریٰ اور عبدالرزاق نے کتاب الصوم یا میں سیدنا عبدالقادر ابن عباس سے نقل فرمایا۔

لَا يَصُومُ أَحَدٌ عَنْ أَحِبٍّ وَلَا يَصُومُ أَحَدٌ عَنْ أَحِبِّهِ وَلَكِنْ يَطْعَمُهُ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مَذْيَبٍ مِنْ حِطَّةٍ

"کوئی کسی کی طرف سے نماز نہ پڑھے روزہ رکھے لیکن اسکی طرف ہر دن ہر دن کے عوض وہ گندم (یا صاع) خیرات کر دے۔"

مشکوٰۃ کتاب الصوم باب التفاء میں ہے قَالَ مَاتَ عَبْدُهُ صِيَامَ شَهْرِ رَمَضَانَ فَلْيَطْعَمُهُ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مَسْكِينًا

"جو مر جاوے اور اس کے مرنا نہ رمضان کے روزے ہوں تو پچھلے دنوں کی طرف سے ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا دے یا چا دے۔"

غرض کہ نماز اور روزے کا فذیہ مال سے دینا شریعت میں وارد ہے اس کا انکار کرتا جہالت ہے۔

تیسری فصل مسئلہ اسقاط کے ثبوت میں

اسقاط کا طریقہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں اس کا ثبوت تقریباً ہر فقہی کتاب میں ہے۔ چنانچہ نور الایضاح میں اسی مسئلہ اسقاط کے لئے ایک خاص فصل مقرر کی۔ فصل ”فی انقطاع الصوم والصلوة یعنی یہ فصل تہذیب اور رد کے اسقاط کے اس میں فرماتے ہیں۔

ولا يصح ان يصوم ولا ان يصلي عنه وان لم يف ما اوصى به عفا عنه يدفع ذلك المعدر المستفیر فيسقط ما كان على الميت من صيام وصلاة ويغور اعطاء فدية صوم بواحد حصة بخلاف كفارة لميت ترجمہ وہی ہے جو ہم نے طریقہ اسقاط میں بیان کیا۔ درمختار باب قضاء العوات میں ہے اس کا ترجمہ وہی ہے جو طریقہ اسقاط میں بیان ہو۔ انکی شرح میں شامی میں اس اسقاط کی اور زیادہ وضاحت فرمائی چنانچہ فرماتے ہیں۔

والا قرب ان يحسب على الميت وينسقرص بقدره بان يقدر عن كل شهر اوسية او بحسب مئة غمره بعد مائة اثنى عشر سنة لندكر توسع من لاشي لانها اقل مائة بنوعهما فيحت عن كل شهر نصف عرارية فصح التقدير بالمدة الممشقة من مائة ما وان كل سنة شمسية عرائر فيستفرص قيمتها ويدفعها لفقير ثم يستوهب منه وتسلمها منه لتتم الهبة ثم يدفعها لذلك الفقير احرر وهكذا فيسقط في كل مرة كفارة سنة بعد ذلك يعيد الذور بكفارة لصيام ثم الاصلحية ثم لايمان لكن لا بد في كفارة الايمان من عشرة مكيين بخلاف فدية الصلوة فانه يغور اعطاء فدية صلوة لموحد

”یعنی اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ حساب کرے کہ میت پر کتنی نمازیں اور روزے وغیرہ ہیں اور اس انداز سے قرص سے اس طرح کہ ایک ایک مہینہ یا ایک ایک سال کے انداز سے سے دیت کی کل رقم کے اندازہ کرے اور چارویں مرحلے سے جو رقم کی کم از کم مدت جو مرد کے لئے ہمارے میں ہے اور عورت کیلئے نو سال وضع کر دے پھر حساب کر لے تو ہر مہینہ کی نمازوں کا فدیہ نصف غمرہ ہوگا (یعنی الفدیہ مثلاً ۱۰۰) اور ہر مہینے میں سال کا فادہ چھ غمرہ ہو پس وارث اسکی قیمت قرص سے اور فقیر اسقاط کیلئے دے پھر نفقہ سکودا دے اور وارث ہر نفقہ کر کے سو گاہ پر بھجوا دے۔ پھر وہی قیمت اسی فقیر کو یا دوسرے کو فدیہ میں دے اسی طرح دورہ کرتا رہے تو ہر دفعہ میں ایک سال کا فادہ ۱۰۰ ہوگا اور اسکے بعد روزہ اور قرہانی کے فادہ کیلئے پھر رقم کے لئے لیکن کفارہ قسم میں دس مسکینوں کا ہونا ضروری ہے بخلاف فدیہ نماز کے کہ اس میں چند نمازوں کا فادہ یہ ایک شخص کو دے سکتا ہے۔“

یہ بالکل وہی طریقہ ہے جو ہم نے بیان کیا۔ را شبہ انظار میں ہے۔

اراد الفدية عن صوم ابيه وصلوته وهو فقير يعطى موبين من الحصة فقيرا ثم يسترهبه ثم يستوهبه ثم يعطيه وهكذا لى ان يتم مراقي العدا شرح نور الایضاح میں ہے فحیدلہ لابراء دمة الميت عن جميع ما عليه ان يدفع ذلك العدا ليسبر بعد تدبره بشئ من صيام او صلوة او نحوه ويعطيه المستفیر بقصد اسقاط ما برؤ عن الميت ثم بعد قصد بهية يبيع بلوکی او للاخسی و يقضه ثم يدفعه لموهوب له المستفیر كحبه لاسقاط متبرء به عن الميت ثم بهية لفقير بلوکی (اسی اقل) وهذا هو المخلص ان شاء الله تعالى

ترجمہ وہی ہے اور گزرا۔ عالمگیری میں ہے وان لم يترك مالا ينسقرص ورثته نصف صاع ويدفع لى منكب ثم يتصدق منكب على نفس ورثته ثم يتصدق حتى يتم الكف كذا في الخلاصة اسی طرح بحر الرائق۔ یعنی شرح کثر الدقائق۔ جامع الرسوز۔ معتد علمیر یہ شرح مختصر الفقہاء یہ فتاویٰ قاضی حان۔ قرائد جواہر القوس الفقہاء وغیرہ کتب فقہ میں ہے مگر طوالت کے خوف سے تمام کی عبارت نقل نہیں کیں۔ منصف کے لئے اسی قدر میں کفایت ہے اب محتاجین کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا فتویٰ بھی مدخلہ ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب المبدعات صفحہ ۱۰۳ میں ہے ”حیدر اسقاط کا مفلس کے واسطے علماء نے وضع کیا تھا۔ اب یہ حیدر تحصیل چند فلسوں کا قانون کے واسطے مقرر ہو گیا ہے۔ حق تعالیٰ نیت سے واقف ہے وہاں یہ حیدر کارگر نہیں مفلس کے واسطے بشرط صحت

نیت ورثہ کیا مجب ہے کہ مفید ہو ورنہ بھلا اور حیدر تحصیل دیا ویسا ہے۔ فقہ شیعہ احمدی منہ

اگرچہ اس میں بہت ہیر پھیر کی مگر جائز مان لیا لہذا اب کسی دیوبندی کو تو حیدر اسقاط پر اعتراض کا حق نہیں رہا۔ مفلس کی قید موسوی رشید احمد صاحب نے اپنے گھر سے لگائی ہے۔ ہم فقہی عبادت پیش کر چکے ہیں۔ جس میں مفلس کی قید نہیں ہے۔ والد برآمدی بھی اگر پورا فدیہ دکرے تو تہا مبرا کہ اسی میں چا دیا جاویگا۔ ورثہ کو کھانے پینے کا۔ اور اگر کسی نے مرتے وقت وصیت بھی کر دی ہو کہ میرا فدیہ دیا جائے تو وصیت تہائی مال سے زیادہ کی جائز نہیں۔ اگر تہائی مال سے تمام عمر کی تمام روٹ کا فدیہ ادا نہ ہو۔ تو حیدر کرنے میں کیا حرج ہے؟ رہا حیدر کا حیدر کرنا یہ مفلس بھلا ہے کوئی کہہ سکتا ہے کہ بدرجہ دیوبند موسویوں کا کٹھنہ لینے کا حیف ہے لہذا اللہ بڑا ہے۔

دوسرا باب

حیلہ استقاط پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر قادیانی اور یونیدی جماعتوں کے کچھ اعتراضات ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کو کوئی معقول اعتراض نہیں مل سکا۔ محض لاعلمی سے کام لیتے ہیں چونکہ بعض سیدھے مسلمان شہادت میں پڑ جاتے ہیں۔ اس لئے ہم ان کے جواب دیتے ہیں۔

اعتراض ۱ حیلہ کرنا خدا کو اور مسلمانوں کو دھوکا دینا ہے۔ عیب تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَجِدُ عَوْنُ الْمَدِ وَالَّذِينَ هُمْ عَنْهَا بِالْحَدِّ عَوْنٌ لَا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ
 "یہ منافقین اللہ اور مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں اور انہیں فریب دیتے مگر اپنی جانوں کو درکھتے نہیں۔"
 یہ کیونکر ممکن ہے کہ تھوڑے مال کے عوض تمام عمر کی ناریں معاف ہو جائیں۔

جواب حیلہ کو دھوکا کہنا جہالت ہے حیلہ سے مراد ہے ضرورت شریعہ پر اگر کسی طرحی تدبیر، رو میں پڑ لیتے ہیں "حیلہ ررق بہ نہ موت" اور حیلہ تو رب نے سکھایا اور حضور علیہ السلام نے تعلیم فرمادیا۔ جس کے حوالے پسند باب میں گزر چکے اور عالمگیری کا حوالہ گذر گیا کہ کسی کو فریب دینے کیلئے حیلہ کرنا گناہ ہے۔ لیکن شرعی ضرورت کو پورا کرے یا حرام سے بچنے کی تدبیر کرنا میں ثواب کسی جگہ مسجد بن رہی ہے۔ روپیہ کی ضرورت ہے زکوٰۃ کا پیسہ اس میں نہیں لگ سکتا۔ کسی فقیر کو زکوٰۃ دی اس نے مالک ہو کر اپنی طرف سے اس پر خرچ کر دیا۔ اس میں کس کو فریب دیا۔ کس کا مال مارا۔ محض ضرورت شرعی کو پورا کیا۔ لینے کا حیلہ کرنا مذکور اور دینے کا حیلہ کرنا مجاہد ہے۔ اس میں فخر ادا کو دینے کا حیلہ ہے خدا نے قدموں کی رحمتیں بھی حیلہ ہی سے آتی ہیں۔

رحمت حق بہانہ طلبہ اور رحمت حق بہانہ طلبہ

"خدا کی رحمت قیمت نہیں مانگتی۔ خدا کی رحمت بہانہ چاہتی ہے"

یہ آیت محمد عمن منافقین کے متعلق نازل ہوئی جو کہ یحییٰ کو اپنے لئے قربانی تھے۔ دلوں میں کافر تھے۔ مسلمانوں کے عہدہ اور شرعی عمل پر اس کو چسپاں کرنا سخت جرم ہے۔ استقاط کے مال کی وجہ سے نماز معاف نہیں ہوتی بلکہ زمانہ زندگی میں گزارنے کا جو تصور میت سے ہو چکا ہے اور اب اس کا بد ریت سے ناممکن ہے اور میت اس میں گرفتار ہے اس کے تصور معاف کراے کا یہ حیلہ ہے کیوں کہ صدقہ فضاہ لینی کو ٹھنڈا کرتا ہے۔
 الصَّدَقَةُ نَظْمِي عَصَبُ الزُّنْبِ مَقْلُوبَةُ بَابٍ مَجْمُوعٌ فِيهِ كَيْفَ يَصْرَفُ الْمَالُ فِي سَبْعَةِ أَشْهُارٍ مِنْ بَابِ الْفَتْحِ
 باب انکھیں میں ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے سماعت حیض محبت کرے تو ایک دینار یا نصف دینار خیرت کرے۔ یہ خیرات کیا ہے اس گناہ کا کفارہ ہے جس کا بدلہ ناممکن ہو گیا۔ اگر ہم یہ کہتے کہ نہاد زندگی میں ہی سیدہ و نر وں کا یہ فدیہ دے دیا کرے اور نماز نہ پڑھا کرے۔ تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ مال سے نمازیں معاف کرادیں۔

اعتراض ۲ نماز دورہ عبادت بدی ہے اور نہ یہ مال ہے اور مال بدنی عبادت کا کفارہ کسی طرح نہیں ہو سکتا ہے۔ لہذا یہ حیلہ محض باطل ہے۔
جواب یہ قیاس قرآنی آیت کے مقابل ہے کہ قرآن تو فرما رہا ہے۔

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مَسْكِينٍ
 جو اس روزے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ان پر فدیہ یہ ہے۔ یک مسکین کا کھانا اور حکم لہی کے مقابل پنا قیاس کرنا شیطان کا کام ہے کہ اس کو حکم لہی ہوا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو مجبور کر۔ اس نے اس حکم کے مقابل پنا قیاس دوڑا۔ مردود ہو۔ پھر بدنی محنت کے مقابل مال ہونا محفل کے مطابق ہے کہ ہم کسی سے کام کراتے ہیں۔ اس کے معاوضہ مال دیتے ہیں۔ بعض صورتوں میں جاس کا بدلہ بھی مال سے ہو ہے۔ اور شریعت میں بعض کفارے خلاف قیاس بھی ہوتے ہیں۔ کوئی نماز کی پہلی تقیات بھول گیا تو سجدہ ہو کر سے کسی نے اپنی بیوی سے ظہر کر لیا تو اس کے کفارہ میں ۶۰ روزے رکھے۔ حاجی نے محالت حرام شکار کر لیا۔ اگر پیسہ ہے تو اس شکار کی قیمت خیرات کرے ورنہ روزہ رکھے۔ یہ تمام کفارے خلاف قیاس ہیں۔ مگر شریعت نے مقرر فرما دیا ہر وہ چشم منظور ہے۔

اعتراض ۳ حیلہ سقاط سے ٹوٹ بے نمازی بن جائیں گے کیوں کہ جب انکو معلوم ہو گیا کہ ہمارے بعد ہماری نمازوں کا سقاط ممکن ہے تو پھر ہم پڑھنے کی زحمت کیوں گزار کریں گے؟ اس سے یہ بند ہونا چاہیے۔

جواب یہ اعتراض تو ایسا ہے جیسے بعض آریوں نے اسلام پر اعتراض کیا ہے کہ مسکینوں سے زکوٰۃ مسلمانوں میں بیکاری پیدا ہوتی ہے اور مسئلہ تو یہ سے آدمی گناہ پر دیر ہوتا ہے کیوں کہ جب غریب کو معلوم ہے کہ مجھے زکوٰۃ کا مال خیر محنت ملے گا تو کیوں محنت کرے۔ اسی طرح جب آدمی کو معلوم

ہو گیا کہ تو بے گناہ معاف ہو جاتا ہے تو خوب گناہ کرے گا جیسے یہ اعتراض محض غصہ ہے اسی طرح یہ بھی جو شخص کہہ دے کہ یہ تو پروردگار کا فضل ہے کہ وہ کافر ہو گیا اور یہ اس کا فضل ہے کہ نہ کہ کفر کا جزا اگر کوئی شخص مسئلہ جھوٹا استدلال کرے تو غلطی اس سے متوال کر نیو لے کی ہے نہ کہ مسئلہ کی نیز یہ مسئلہ سقاط صد ہ سال سے مسلمانوں میں مشہور ہے لیکن آج تک ہم کو تو کوئی بھی مسلمان ایسا نہ ملا جو اس سقاط کی بنا پر نماز سے بے پروا ہو گیا ہو۔

اعتراض ۱ کچھ نئی اسر نیلیوں نے حید کر کے پھیل کا شکار کیا تھا۔ جس سے ان پر عذاب الہی آ گیا اور وہ بندہ بنا دیے گئے۔

کُونُوا قِرَدَةً حَسَنِينَ معلوم ہوا کہ حید سخت گناہ ہے اور عذاب الہی کا باعث۔

جواب حید کا حرام ہونا بھی نئی اسر نکل پر عذاب تھا جیسے کہ بہت سے گوشت ال پر حرم تھے جیسے ہی یہ بھی اس امت پر جائز حیوان کا حلال ہونا رب کی رحمت ہے نیز انہوں نے حرم کو حلال کرنے کا حید کیا کہ بہت سے دن پھیل کا شکار اس پر حرم تھا۔ ایسے حید اب بھی منع ہیں۔

اعتراض ۲ قرآن فرماتا ہے **لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ لَأْسَ مِثْلَ نَسُوحٍ** نہیں ہے انسان کے لئے نگوہ جو خود کمانے اور قہر یہ سقاط میں یہ ہے کہ میت نماز نہ پڑھے اور اس کی اور وہاں خرچ کرے اس کو اس جرم سے آزاد کر دے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ حید خلاف قرآن ہے۔

جواب اس کا جواب فاتحہ کی بحث میں کر دیا کہ اس میت کی چند تو جہیں ہیں یک ہی بھی ہے کہ یہ ملکیت کا ہے۔ جی انسان اپنی کمائی ہی کا مالک ہے غیر کی بخشش قبضہ میں نہیں وہ کرے یا نہ کرے اس لئے غیر کی عداوت پر پھول کر اپنی میت کو بھوں جانا خلاف عقل ہے بعد مرنے کے قبضہ میں اپنا پرایا بھوں جائے

فاتحہ کو قبر پر پھر کوئی آئے یا نہ آئے۔

یاد ہے کہ یہ آیت کریمہ عداوت بدیہ کے بارے میں آئی ہے۔ کوئی شخص کسی طرف سے نماز پڑھ دے یا درودے رکھ دے تو اس کے ذمہ سے نیکی فراموش نماز روزہ دن ہوں گے وغیرہ۔ مگر یہ تو جہیں تک جا دیں تو بہت سی آیت قرآنیہ اور احادیث کی مخالفت لازم آوے گی۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ مومنین اور اپنے ماں باپ کیسے دعا کریں۔ نماز جنازہ بھی میت کے اور تمام مسلمانوں کیسے دعا دی ہے۔ احادیث نے میت کی طرف سے صدقہ و خیرات کرے کا حکم دیا ہے اسکی پوری تحقیق ہمارے قادی میں دیکھو۔

ضروری ہدایت بعض حکماء آج ہے کہ اگر کسی مسلمان کا انتقال بعد کے علاوہ کسی اور دن ہو تو میت کے درمیان اسکی قبر پر حفاظت کر جو تک قرآن خون کراتے ہیں۔ بعض دوا بندی اس کو بھی حرم کہتے ہیں۔ لیکن یہ حرم کہاں محض لفظ ہے اور قبر کے پاس قرآن خوانی کرنا بہت باعث ثواب ہے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ مخلوق کتاب عذاب اللہ میں ہے کہ جب میت قبر میں رکھ دیا جاتا ہے۔ **وَسُوْلِي عَنْهُ اَصْحَابُ اَنْفِ مَلَكًا** اور لوگ دفن کر کے لوٹ آتے ہیں جب مگر تکلیف فرماتے سوالات کے لئے آتے ہیں۔ جس سے معلوم ہو کہ دفن کرنے والوں کی موجودگی میں سوال قبر نہیں ہوتا اور پھر شاہی جلد اتوں باب صلوٰۃ الجنازہ میں ہے کہ آنحضرت سے سوال قبر نہیں ہوتا۔ شہید، جہاد کی تیاری کرنے والے، اطمینان سے مرنے والے، زمانہ طاعون میں کسی بیماری سے مرنے والا (شرطیکہ یہ وہاں صابر ہوں) صدیق، ناپاؤں بچہ، بعد کے دن یا جمعہ کی رات میں مرنے والا۔ ہر رات سورہ ملک پڑھنے والا یا عرض موت میں روزانہ سورہ اخلاص پڑھنے والا (بعض علماء کہتی ہیں) اس سے معلوم ہو کہ جو بعد کو مرنے اس سے سوال قبر نہیں ہوتے تو اگر کسی کا انتقال حلال ہو اور بعد دفن سے ہی آوی وہاں موجود رہا تو اس کی موجودگی کی وجہ سے سوال قبر نہ ہوا۔ دراب جب جمعاً آ گیا۔ سوال قبر کا وقت نکل چکا۔ اب تو میت تک نہ ہوگا۔ گویا یہ عذاب الہی سے میت کو بچانے کی ایک تدبیر ہے اور تقدیر رحمت سے امید ہے کہ اس پر رحم فرما دے۔ اب جبکہ آوی وہاں بیٹھا ہے تو بیکار بیٹھا بیٹھا کیا کرے قرآن پاک کی تلاوت کرے۔ جس سے میت کو بھی فائدہ ہو اور قاری بھی ہو۔ کتاب ان ذکر مضطرب امام نووی باب ما یقول بعد دفن میں ہے کہ **قَالَ الشَّافِعِيُّ يُسْتَحَبُّ اَنْ يَقْرَأَ اَعْدَهُ اَشِيْنَا مِنَ الْقُرْآنِ قُلُوْا فَاِنْ حَنَمُوْا الْقُرْآنَ كَلَهُ كَاَنْ حَسَا**

یعنی قبر کے پاس کچھ تلاوت کرنا مستحب ہے۔ اور اگر پور قرآن پڑھیں تو بھی اچھا ہے۔

ہم اذنا قبر کی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ قبر پر جو سہرا لگا جاتا ہے اس کی تسبیح کی برکت سے میت کو فائدہ ہوتا ہے تو انسان کی تلاوت و قرآن مرور نافع ہوگی ان شاء اللہ عزوجل مگر چاہئے کہ کسی وقت بھی قبر آوی سے حالی نہ دے اگرچہ لوگ باری باری نہیں۔

ضروری نوٹ بعض جہد مسلمان مصحاب کے حمزہ الوداع کے دن کچھ بواخل قضاء عمری پڑھتے ہیں بعض لوگ اس کو حرم و بدعت کہتے ہیں۔ اور لوگوں کو روکتے ہیں قرآن کریم لہرنا ہے **اَرَأَيْتَ لَدُنِّيْ بَشِيْ عِبْدًا اِذَا صَبَّ** بعد دیکھو جو صبح کرتا ہے۔ بندہ کو جب وہ نماز پڑھے۔ معلوم ہوا کہ کسی قادی کو نماز سے روکنا سخت جرم ہے قضاء عمری بھی نماز ہے اس لئے روکنا بگڑ جائز نہیں۔

قضاء عمری کی اصل یہ ہے کہ تفسیر روح البیان پارہ ۷ سورہ صافات میں آیت **وَنَسْتَبِيْنُ سَبِيْلَ الْمُصْطَرِّمِيْنَ** ایک حدیث نقل کی۔

اَيْمَنَ عَبْدُ اَوَامَةِ بِرُكُوبِ صِدْقِهِ فِي جِهَالِهِ لَوْنَاتٍ وَدَمْعٍ عَنِ تَرْكِهَا فَيُصَلُّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بَيْنَ الظُّهْرِ
وَالْعَصْرِ ثَلَاثِي عَشْرَةَ رُكْعَةً بَقَرَاءً فِي كُلِّ مَسْجِدٍ لَهَا حُجَّةٌ وَآيَةٌ لُكْرُسِيٍّ وَالْإِخْلَاصُ وَالْمُعَوَّدَتَيْنِ مَرَّةً
لَا يُحَاسِبُهُ اللَّهُ عَلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ ذِكْرَهُ فِي مُحْضَرٍ إِلَّا حَبِءٌ

"جو مرد یا عورت نادانی سے نماز چھوڑ بیٹھے پھر توبہ کرے اور شرمندہ ہونے کے جھوٹ جانے کی جہ سے تو جمعہ کے دن ظہر و عصر کے درمیان بارہ رکعتیں
نفل پڑھے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور آیت الکرسی اور قل حوتہ در ہلق و سورہ تاس ایک ایک بار پڑھے تو خدا تعالیٰ اس سے قیامت کے دن حساب نہ
لے گا۔ اس حدیث کو مختصر ال حیا میں ذکر کیا۔

صاحب روح بیباں اس حدیث کا مطلب سمجھاتے ہیں کہ توبہ کرنے اور مدام ہونیکا یہ مطلب ہے کہ دو تارک اصولاً بند و شرمندہ ہو کر قیامت میں لڑیں
قضاء پڑھے کیونکہ توبہ کہتے ہی اس کو ہیں پھر قضاء کرنے کا جو گہ ہوا قضاء اس نماز قضاء عمری کی وجہ سے معاف ہو جائے گا یہ مطلب نہیں ہے کہ
نمازیں قضاء نہ پڑھو۔ صرف یہ نماز پڑھو سب ادا ہو گئیں یہ تو بے فائدہ بھی نہیں کہتے کہ ان کے یہاں چند روز کی نمازیں ایک وقت میں پڑھنا جائز ہے
یہ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ سال بھی تک نماز نہ پڑھو۔ جس جمعہ الوداع کو یہ بارہ رکعتیں پڑھ لو سب معاف ہو گئیں۔ مطلب وہی ہے جو صاحب روح
ابہیان سے بیان فرمایا۔ اور مسلمان اسی نیت سے پڑھتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ مشکوٰۃ کتاب الحج باب الوقوف بمرکز میں ایک حدیث ہے
کہ حضور علیہ السلام نے عرفہ میں حاجیوں کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔ ہر گاہ واپسی سے جو ب"یا کربہم نے مغفرت فرمادی سوائے مظالم (حقوق
العباد) کے حضور علیہ السلام نے پھر عرفہ میں دعا فرمائی۔ تو مظالم یعنی حقوق العباد بھی معاف فرمادینے کے لئے اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی شخص کا قرض
مارو، کسی کو قتل کر دو، کسی کی چوری کر لو اور حج کر ڈالو۔ سب معاف ہو گیا۔ نہیں بلکہ "اے قرض میں جو خلاف وعدہ تاخیر وغیرہ ہو گئی وہ معاف کر دی گئی
حقوق العباد بہر حال ادا کرنے ہوں گے۔ مگر مسلمان اس قضا عمری کے پڑھنے یا کہنے میں غلطی کرے تو اس کو کچھ دو۔ نماز سے کیوں روکتے ہو۔
اللہ توفیق فرمادے۔ مگر یہ حدیث ضعیف بھی ہو جب بھی قصائل اعمال میں معتبر ہے۔

بحث اذان میں انگوٹھے چومنے کا بیان

اس بحث کے لکھنے کا ہمارا رادہ تھا مگر وہ رمضان میں ہم نے خواب میں دیکھا کہ کوئی بزرگ فرما رہے ہیں کہ اپنی کتاب میں تقبیل بہا میں کا مسئلہ بھی لکھ دو تا کہ کتاب مکمل ہو جاوے لہذا اس کو بھی داخل کتاب کر رہے ہیں۔ رب العالمین قبول فرماوے۔ آمین
اس بحث کے بھی دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں انگوٹھے چومنے کا ثبوت۔ دوسرے باب میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلا باب

انگوٹھے چومنے کے ثبوت میں

جب مؤذن کہے اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰہِ تو اس کو سن کر بچے دونوں انگوٹھے یا گلے کی انگلی چوم کر آنکھوں سے لگانا مستحب ہے اس میں دنیاوی و دینی بہت فائدہ ہے۔ اس کے متعلق احادیث و روایں صحابہ کرام کا اس پر عمل رہا۔ عامۃ المسلمین ہر جگہ اس کو مستحب جان کر کرتے ہیں۔ صلوٰۃ مسعودی جلد دوم باب ستم: نماز میں ہے۔

رَوَى عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَنْ سَمِعَ اِسْمِي فِي الْاَذَانِ وَوَضَعَ اِنْهَامِيہِ عَلٰی عَيْنِيہِ وَابْطَلِيہِ فِيْ صُفُوْفِ الصَّلَاةِ وَابْدَاہِ لِي الْاُحْتَاةِ

”حضور علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص ہمارا نام اذان میں سنے اور اپنے انگوٹھے آنکھوں پر رکھے تو ہم اس کو قیامت کی صفوں میں تلاش فرمائیں گے اور اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔“

تفسیر روح البیان پارہ ۶ سورہ نادرہ برآیت وَاَذَانٌ دِیْنِہِ اِلٰی الصَّلَاةِ اللّٰہِ ہے۔

وَصَعَفَ تَقْبُلَ ظَهْرِيْ اِنْہَا مَعَ مَسْتَحَبَةٍ وَالْمَسْخُ عَلٰی عُنْدِ قَوْلِہِ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰہِ لَا اَنَّهُ لَمْ يَنْبَغِ فِي الْحَدِيثِ لِمَرْفُوعٍ لَكِنْ لِمَحْدُوثٍ اُنْقَضَا عَلٰی اَنَّ الْحَدِيثَ اَصْعِيفٌ بِخَوَرِ اَعْمَلٍ بِهِ فِي لُزْغَيْبٍ وَالتَّرْهِيْبِ شَيْ جِدَا فِيْ بَابِ الْاَذَانِ مِنْہِ بِمُسْتَحَبٍّ اَنْ يُضَاعَفَ عِنْدَ سَمَاعِ الْاَوَّلٰی مِنْ الشَّہَادَةِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْکَ يَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَعِنْدَ لَذِيَةِ مِہَا قُرْثٍ عِیْ بَکَ يَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ثُمَّ يَقُوْلُ اَلِیْہِمْ مَتَعٰی بِالسَّمْعِ وَالْبَصْرِ بَعْدَ وَضْعِ ظَهْرِيْ اِلَیْہَا مِنْ عِیْ لَعِیْسٍ فَتَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ یُکُوْنُ قَائِدًا لَّہِ اِیْیَ الْاُحْتَاةِ کَمَا فِیْ کَرِ لَعَبٍ اِدْفِیْنَسَاوِیْ وَنَحْوِہِ فِی الْاَصَاوِی الصُّوْفِیَةِ وَفِی کَسْبِ الْمَرْدُوْسِ مِنْ قَبْلِ ظَهْرِيْ بِہَا مِنْہِ عِنْدَ سَمَاعِ اَشْہَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ فِی الْاَذَانِ اِنَّا قَائِدُہِ وَمُذَحِّنُہِ فِی صُفُوْفِ الْاُحْتَاةِ وَتَسَامُہِ فِی حَوَاشِی لِحَرْبِ الْمُلْکِ

”محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنے کے وقت اپنے انگوٹھے کے ناخنوں کو مس گلے کی انگلیوں کے چومنا صعیف ہے کیونکہ یہ حدیث مرفوعہ سے ثابت نہیں لیکن محدثین اس پر متعلق ہیں کہ حدیث ضعیف پر عمل کرنا رغبت دینے اور اذکار کے متعلق جائز ہے اس کی پہلی شہادت پر یہ کہنا مستحب ہے۔“

صحبی اللہ علیک یا رسول اللہ اور دوسری شہادت کے وقت یہ کہتے فرقہ عیسیٰ مکہ یا رسول اللہ پھر اپنے انگوٹھوں کے ناخن اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے اَلِیْہِمْ مَتَعٰی بِالسَّمْعِ وَالْبَصْرِ تو حضور علیہ السلام اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔ اسی طرح کثیر العباد میں ہے اور سی کی شکل قنوی صوفی میں ہے اور کتاب الفردوس میں ہے کہ جو شخص اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چومے اذن میں اَشْہَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ سن کر تو میں اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جاؤں گا۔ اور اسے جنت کی صفوں میں داخل کروں گا۔ اس کی پوری بحث بحرائق کے حواشی میں ہے۔“

اس عبارت سے چھ کتابوں کے حوالہ معلوم ہوئے شیخ کثیر العباد، فتاویٰ صوفیہ، کتاب الفردوس قبرستانی، بحرائق کا حاشیہ۔ ان تمام میں اس کو مستحب فرمایا۔ مقاصد حسنی ال احادیث اللہ عزہ علیہ السلام کا دعویٰ نے فرمایا۔

ذکر رہے: الذَّيْنِ فِي الْفِرْدَوْسِ مِنْ حَدِيثِ أَبِي بَكْرٍ الصَّدِيقِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَمَّا سَمِعَ قَوْلَ الْمُؤَذِّنِ أَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَنَ قَتَلَ بِحِصْنِ الْأَمَانَةِ السَّابِغِينَ وَمَسَحَ عَلَيْهِ هَاتِلَ صَلَّ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فَعَلِ مِثْلَ مَا فَعَلَ حَبِيبِي فَقَدْ حَلَّتْ لَهُ شَاعَتِي وَلَمْ يَصْخْ

"ابن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ سرکار نے جب مؤذن کا قول: أَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ سنا تو یہی فرمایا اور اپنی تلکے کی انگلیوں کے باطنی حصوں کو چومنا اور آنکھوں سے لگایا پس حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص میرے اس پیارے کی طرح کرے اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگی۔"

یہ حدیث پانچ سو تین سو تین اسی مقاصد حسنہ میں سو بہت رحمت معتمد ابوالعباس احمد کرار سے نقل کیا۔

عَنِ الْحَصْرِ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَهَ أَنْ يَسْمَعَ الْمُؤَذِّنُ يَقُولُ أَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ مَرْحَبًا بِحَبِيبِي وَفَرَّةً عَيْسَى مُحَمَّدًا ابْنَ عَبْدِ اللَّهِ ثُمَّ يَقْبَلُ بَيْنَهُمَا وَيَحْمِلُهُمَا عَلَى عَيْنَيْهِ لَمْ يَزْمَدْ أَبَدًا

"حضرت خضر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جو شخص مؤذن کو یہ کہتے ہوئے نے شہداں محمد و رسول اللہ تو کہے مَرَحَبًا بِحَبِيبِي وَفَرَّةً عَيْسَى مُحَمَّدًا ابْنَ عَبْدِ اللَّهِ پھر اپنے آنکھوں کو چومے اور اپنی آنکھوں سے لگائے تو اس کی آنکھیں کھلیں نہ دیکھیں گی۔"

پھر فرماتے ہیں کہ محمد ابن ہادی نے اپنا قصیدہ فرمایا کہ ایک ہاتھ ہو چلی۔ جس سے ان کی آنکھ میں ٹکری جا پڑی اور لکل نہ کی حمت درد تھا۔

وَنَهَ لَمَّا سَمِعَ الْمُؤَذِّنَ يَقُولُ أَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ قَدْ دَلَّكَ فَحَرَّ حَتَّى الْخَصْفَةُ مِنْ نُورِهِ

"جب انہوں نے مؤذن کو کہتے ہوئے سنا شہداں محمد و رسول اللہ تو یہی کہہ پوزا آنکری آنکھ سے نکل گئی۔"

"اسی مقاصد حسنہ میں جس محمد بن صالح مدنی سے روایت کیا۔ انہوں نے امام احمد و فرماتے ہوئے سنا امام احمد رحمۃ اللہ علیہ میں حدیث سے (ہیں) فرماتے تھے کہ جو شخص اذان میں حضور علیہ السلام کا نام پاک نہ لے تو اپنے تلکے کی انگلی اور آنکھوں کو جمع کرے۔

وَقَتْلُهُمَا وَمَسَحَ بِهِمَا عَلَيْهِ لَمْ يَزْمَدْ أَبَدًا

"اور دونوں کو چوم کر آنکھوں سے لگائے تو کسی نہ آنکھ دیکھے گی۔"

پھر فرمایا کہ بعض مشائخ عراق و عجم نے فرمایا کہ جو یہ عمل کرے تو اس کی آنکھیں نہ دیکھیں گی۔

وَقَالَ لِي كُنْ مَعَهُمَا مَدَّ فَعَلْنَاهُ لَمْ يَزْمَدْ عَيْسَى

"انہوں نے فرمایا کہ جب سے میں نے یہ عمل کیا ہے میری بھی آنکھیں نہ دیکھیں۔"

اسی مقاصد حسنہ میں کچھ آگے جا کر فرماتے ہیں۔ قَالَ ابْنُ صَالِحٍ وَاسْمُهُ سَمْعَةُ اسْتَفْعَنَتْهُ فَلَا تَزْمَدْ عَيْسَى وَرُحْوَا أَنْ عَقِبَهُمَا تَذَوُّعٌ وَنَبِيٌّ اسْمُهُ مِنْ نَعْمَى انْشَاءً لِلَّهِ

"ابن صالح نے فرمایا کہ میں نے جب یہ سنا ہے اس پر عمل کیا عری آنکھیں نہ دیکھیں اور میں امید کرتا ہوں کہ اس شاء اللہ یہ آرام ہمیشہ رہیگا اور میں اندھا ہونے سے محفوظ رہوں گا۔"

پھر فرماتے ہیں کہ امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص شہداں محمد و رسول اللہ بن کر یہ کہے مَرَحَبًا بِحَبِيبِي وَفَرَّةً عَيْسَى مُحَمَّدًا ابْنَ عَبْدِ اللَّهِ صَلَّ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور اپنے آنکھوں کو چومے اور آنکھوں سے لگائے۔

لَمْ يَغْمَ وَلَمْ يَزْمَدْ

کبھی اندھا نہ ہوگا اور نہ کبھی اس کی آنکھیں دیکھیں گی۔ غرض اسی مقاصد حسنہ میں بہت سے آثار دین سے یہ عمل ثابت کیا۔

شرح نقایہ میں ہے۔

وَعَسَمُ ثُمَّ يُسْتَحَبُّ أَنْ يَقَالَ عِنْدَ سَمَاعِ الْأَوَّلِيِّ مِنَ الشَّهَادَةِ الثَّانِيَةِ صَلَّيْ لَكَ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَعِنْدَ الثَّانِيَةِ مِنْهَا قُرْتُ عَيْسَى بَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ بَعْدَ وَصِي طُفْرَى ابْهَامِي عَلَى الْعَيْنِ فَإِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَكُونُ لَهُ تَنْبِذٌ لِي الْحُبِّ كَدَاهِي

”جاننا چاہئے کہ مستحب یہ ہے کہ دوسری شہادت کے پہلے گلہ سن کر یہ کہہ کر قہقہی بک یا رموں لگا دے اپنے مخالفوں کے ناخنوں کو نگھوس پر رکھے تو حضور علیہ السلام اس کو جنت میں اپنے پیچھے پیچھے لے جائیں گے اسی طرح کثر العباد میں ہے۔“

مولانا جمال میں عید تہہ میں بھر کی قدس سرواچے قادیانی میں فرماتے ہیں

تَقْبِيلُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ رُؤُوسِهِمْ عَلَى الْعَبْدِ عَدَدُ دُكْرَانِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْأَدَانِ حَاتِرٌ 'بَلْ
مُسْتَحَبٌّ' صَرَّحَ بِهِ مَشَائِخُ

”ان میں حضور علیہ السلام کا نام شریف سن کر انگوٹھے چومنا اور کونوٹھکھوں سے لگانا بڑا نیک و مستحب ہے۔ اسکی بہارے مشائخ نے تصریح فرمائی ہے۔“
علامہ محمد طاهر علیہ الرحمۃ وکلمہ جمع ہی واللہ اور میں اسی حدیث کو **لا یُصح** فرما کر فرماتے ہیں۔

وَرَوَى تَحْرِيَةً عَنْ كَثِيرِينَ "اس کے تحریر کی روایت کثرت آئی ہیں۔"

اس کے علاوہ در بھی مہارت پیش کی جاسکتی ہیں مگر قصداً اسی پر قیامت کرتا ہوں حضرت صدر، فاضل سورہ کی مرشدی استاذی سورہ تاج سید
 نعیم مدین صاحب قبر مراد آبادی و ام کلہم فرماتے ہیں کہ روایت سے فہم کا یہ بہت پر مانوس برآمد ہو جس کا نام ہے (انجیل یہاں) آکل وہ
 عام طور پر شائع ہے اور ہر رہا میں سکے ترجمے کیئے گئے ہیں اس کے اکثر احکام اسلامی احکام سے ملے جاتے ہیں اس میں لکھا ہے کہ حضرت آدم
 علیہ السلام سے روح القدس (نور مصطفیٰ) کے دیکھنے کی تہ کی تو وہ نور ان کے انگوٹھے کے ناخنوں میں چکایا گیا۔ انہوں نے فرط محبت سے ن
 ناخنوں کو چوما اور آنکھوں سے لگایا۔ روح القدس کا ترجمہ ہم نے نور مصطفیٰ کیوں کیا اس کی وجہ ہماری کتاب شان حبیب ارض میں دیکھو، جہاں تک
 بتایا گیا ہے کہ زمانہ عیسوی میں روح القدس ہی کے نام سے حضور علیہ السلام مشہور تھے۔ علمائے حنفیہ کے علاوہ علمائے شافعی و علمائے مالکی
 نے بھی انگوٹھے چومنے کے استحباب پر اتفاق کیا ہے۔ چنانچہ مذہب شافعی کی مشہور کتاب "اعانة الطالبین علی حال الفاظ فتح المبین" مصری صلف
 ۱۳۷۷ میں ہے۔

ثُمَّ يَقْبَلُ إِلَيْهَا مَرْءٌ وَيَحْمِلُ هُمَا عَسَىٰ عَيْنِيهِ لَمْ يَفْعَلْ وَلَمْ يَزْمَدْ أَبَدًا

”پھر اپنے انگوٹھوں کو چمے۔“ نکھوں سے لگائے تو کبھی بھی نہ حاشہ ہوگا ورنہ کبھی آنکھیں دھس گئیں۔“

مذہب، لکھی کی مشہور کتاب "کافیۃ الطالب" ارہانی رسالہ دین النبی ریہ القیمہ دنی " مصری جلد اوں صفحہ ۶۹ میں اس کے متعلق بہت کچھ تحریر فرماتے ہیں، پھر فرماتے ہیں۔

عَنِیْہِ لَمْ یَغْمِ وَلَمْ یَرْمِ اَبْدًا "اندرھا ہوا اور نہ کبھی چمکھیں نہ کھس۔"

اس کی شرح میں عدد سب سے پہلے علی الصغیر دی بعد وہی صغیر ۷۷ میں فرماتے ہیں۔

لم يبق موضع لتقبيل من يهايم لأنه نزل عن الشبح لعدم الحضور نور لأبى الحرام ساقى قال بعصمهم بقرينة وقت الاداء عند سمع المودع يقول شهيد ان محمدا رسولا الله قبل بها منى نفسه وسمع بالظفرين خفان عليه من انما اكلها ناحية بصدع ثم فعل ذلك عند كل شهيد مرة فساته عن ذلك فقال كُتِبَ لَعْنَةُ ثُمَّ تَرَكَهُ الْمُرْصُوثُ عِيَا فَرَأَى أَنَّهُ صَحَّى إِلَهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا فَقَدَ لِمَا بَرَكْتَ مَحْجُوعٌ غَيْبُكَ عَدَالِدُونَ رَدَّتْ نَبْرَاءُ عِيَاكَ فَعَدُوٌّ أَلْمَحَ وَاسْبَعُ وَمَحْجُوبٌ فَبَرَاءٌ وَلَمْ يَعُدْ دَفْنِي مَرْضَاهُ أَيْ أَلَا

مصنف نے انگوٹھے چومنے کی جگہ تہذیبوں کی ٹیکنیک علامہ مفسر نور الدین خراسانی سے منقول ہے کہ بعض لوگ اب کو ازاں کے وقت ملے جب سہوے مؤذن کو اشہد ان محمد رسول اللہ کہتے ہوئے سنا انہوں نے اپنے انگوٹھے چومے ورجا خوں کو اپنی آنکھوں کی چکوں پر آنکھوں کے کونے سے لگایا۔ اور سچائی کے کونے تک پہنچایا۔

پھر ہر شہادت کے وقت ایک ایک بار کیا میں نے ن سے اس باب میں پوچھا تو کہنے لگو کہ میں پہلے انگوٹھے چوما کرتا تھا پھر چھوڑ دیا۔ پس میری "نکلیں تیار ہو گئیں۔ پس میں نے جواب میں دیکھا کہ حضور علیہ السلام نے مجھے فرمایا کہ تم نے "اں کے وقت انگوٹھے" نکلیں۔ سے لگانا کیوں چھوڑ دیئے؟ گر تم چاہتے ہو کہ تمہاری "نکلیں اچھیں ہو جائیں تو پھر یہ انگوٹھے نکلیں۔ سے لگانا شروع کرو۔ پاس بید ہو در یہ مسح شروع کیا مجھ کو

اس تمام گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ اذان وغیرہ میں انگوٹھے چھون سکنگوں سے لگا تا مستحب ہے حضرت آدم علیہ السلام در صدیق کبر و ماحس رضی اللہ عنہما کی سنت ہے۔ فقہاء محدثین و مفسرین اس کے استنباب پر متفق ہیں آئمہ شافعیہ و مالکیہ نے بھی اس کے استنباب کی تصریح فرمائی ہر زمانہ اور ہر ایک مسلمان اس کو مستحب جانتے رہے اور جانتے ہیں اس میں حسب ذیل قاعدے ہیں یہ عمل کرنے والا آنکھ دیکھنے سے محفوظ رہے گا اور اس شہداء اللہ عزوجل بھی مدد عائد ہوگا گر آنکھ میں کسی قسم کی تکلیف ہو اس کے لئے یہ انگوٹھے جو سے کامل بہترین علاج ہے بارہا تجربہ ہے اسکے عامل کو حضور علیہ السلام کی شفاعت نصیب ہوگی اور اس کو حضور علیہ السلام قیامت کی صفوف میں عطا فرما کر اپنے پیچھے جنت میں داخل فرمائیں گے۔

اس کو حرام کہنا محض جہالت ہے جب تک کہ ممانعت کی صریح دلیل نہ ملے اس کو منع نہیں کر سکتے استنباب کے لئے مسلمانوں کا مستحب جاننا ہی کافی ہے مگر کراہت کے لئے دلیل خاص کی ضرورت ہے جیسا کہ ہم بدعت کی بحث میں ثابت کر چکے ہیں۔

نوٹ دان کے متعلق توصیف و صریح روایات اور احادیث موجود ہیں پیش کی جا چکیں تکبیر بھی مثل او اس کے ہے احادیث میں تکبیر کو اذان اور اذان کا حصہ ہے۔

دو ادانوں کے درمیان نماز ہے یعنی اذان و تکبیر کے درمیان۔ **اشہد ان محمداً رسول اللہ** پر انگوٹھے چھونا نافع و باعث برکت ہے۔ اور اذان و تکبیر کے علاوہ بھی گزرتی شخص حضور علیہ السلام کا نام شریف سن کر انگوٹھے چھوے تو بھی کوئی حرج نہیں بلکہ نیت حیرے ہو تو باعث ثواب ہے بلا دلیل ممانعت منع نہیں کر سکتے۔ جس طرح بھی حضور علیہ السلام کی جادے یا عادت ثواب ہے۔

دوسرا باب

انگوٹھے چومنے پر اعتراضات و جوابات

اعتراض ۱

انگوٹھے چومنے کے متعلق جس قدر روایات بیان کی گئیں۔ وہ سب ضعیف ہیں اور حدیث ضعیف سے مسئلہ شرعی ثابت نہیں ہو سکتا۔ دیکھو مقاصد حسنہ میں فرمایا: **لَا يَبْعَثُ فِيهِ الْمَرْفُوعُ مِنْ كُلِّ هَدَاشِي**۔ اس میں سے کوئی مرفوع حدیث صحیح نہیں۔ ملائی قاری نے موضوعات کبیر میں ان احادیث کے متعلق فرمایا: **كُلُّ مَا بَرِئَ فِيهِ هَدَاشِي فَلَا يَصِحُّ رَفْعُهُ** یعنی اس مسئلہ میں متعلق احادیث مروی ہیں ان میں سے کسی کا رفع صحیح نہیں۔ خود علامہ شامی نے اسی بحث میں اسی جگہ فرمایا: **لَمْ يَصَحَّ مِنَ الْمَرْفُوعِ مِنْ هَدَاشِي**۔ ان میں سے کوئی مرفوع حدیث صحیح نہیں۔ صاحب روح البیان نے بھی ان احادیث کی صحت سے انکار کیا۔ پھر ان احادیث کا پیش کرنا ہی بیکار ہے۔ **جواب** اس کے چند جوابات ہیں اولاً تو یہ کہ تمام حضرات مرفوع حدیث کی صحت کا انکار فرما رہے ہیں جس سے معلوم ہو کہ اس کے بارے میں حدیث موقوف صحیح ہے چنانچہ حاشی قاری موضوعات کبیر میں اسی عبارت منقولہ کے بعد فرماتے ہیں۔

قُلُوبُ وَادَانِبُ رَفَعَهُ لِي لَتُذْبِقَ رَحْمَةُ اللَّهِ نَعَامِي عَنْهُ فَيَكُنِّي لِنَعْمَلِ بِهِ نَقُولُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ بَنِي دَمْنَةَ لِنَحْمَدَهُ بِرَشْدِهِ

”یعنی میں کہتا کہ جب اس حدیث کا رفع صدیق کبریٰ رضی اللہ عنہ تک ثابت ہے تو عمل کے لئے کافی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم پر لازم کرتا ہوں اپنی سنت اور اپنے ظلماتے راشدین کی سنت۔“

معلوم ہوا کہ حدیث موقوف صحیح ہے اور حدیث موقوف کافی ہے۔ دوسرے یہ کہ ان تمام علماء نے فرمایا: **لَمْ يَصَحَّ** یعنی یہ تمام احادیث حضور ﷺ تک مرفوع ہو کر صحیح نہیں درج نہ ہوئے سے ضعیف ہونا رہیں۔ کیونکہ صحیح کے بعد درج حسن ہوتی ہے لہذا اگر یہ حدیث حسن ہو تب بھی کافی ہے۔ تیسرے یہ کہ اصول حدیث و اصول فقہ کا مسئلہ ہے کہ اگر کوئی ضعیف حدیث چند اسناد سے مروی ہو جائے تو حسن بن جاتی ہے چنانچہ در مختار ج ۱ ص ۱۰۱ باب مستحبات الوضوء میں صفحہ ۱۰۱ وضو کی دعاؤں کے متعلق فرماتے ہیں۔

وَقَدْ رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ وَغَيْرُهُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ اس حدیث کو ابی حبان وغیرہ نے چند سادے روایت کیا۔ اس کے تحت شامی فرماتے ہیں۔ **أَيُّ بَقْوَى بَعْضُهَا بَعْضُهَا فَرَفَعْنَاهُ إِلَى مَرْتَبَةِ الْحَسَنِ** یعنی بعض اسد بعض کثرت دیتی ہیں لہذا اس حدیث درج حسن کو پہنچ گئی اور ہم پہلے باب میں بتا چکے کہ یہ حدیث بہت طریق سے روایت ہے بہذا حسن ہے۔ چوتھے یہ کہ اگر اس میں جاوے کہ یہ حدیث ضعیف ہے پھر بھی فضائل ائمہ میں حدیث ضعیف معتبر ہوتی ہے۔ چنانچہ یہی علامہ شامی اسی رد المحتار جلد ۱۰ باب الاذان میں اذان کے مواقع کے بحث میں فرماتے ہیں۔

عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي فَصَائِلِ الْأَعْمَالِ مَخُورِ الْعَمَلِ بِأَحَدِ بَيْتِ الصَّعْبِ كَمَا مَرَّفِي أَوَّلِ كِتَابِ الطَّهَارَةِ فضائل ائمہ میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے یہاں بھی واجب و حرام ہونے کے مسائل نہیں ہیں صرف یہ ہے کہ انگوٹھے چومنے میں یہ فضیلت ہے لہذا اس حدیث ضعیف بھی قابل عمل ہے نیز مسندوں کا عمل ضعیف حدیث کو قوی کر دیتا ہے چنانچہ کتاب الاذکار مصنف امام نووی تلقین میت کی بحث میں ہے۔

وَقَدْ رَوَيْنَا فِيهِ حَدِيثًا مِنْ حَدِيثِ أَبِي إِبْرَاهِيمَ لَيْسَ بِأَدْنَى اسَازِهِ وَلَكِنْ وَتَصَدُّ بِشَوَاهِدٍ وَبِعَمَلِ خَلِ السَّامِ یعنی تلقین میت کی حدیث قوی لانا نہیں کمال شام کے عمل و دیگر شواہد سے قوی ہو گئی انگوٹھے چومنے پر بھی مت کا عمل ہے لہذا یہ حدیث قوی ہوتی اس سے زیادہ تحقیق نورالانوار اور توضیح وغیرہ میں دیکھو۔ پانچویں یہ کہ اگر اس کے متعلق کوئی بھی حدیث نہ ملتی۔ تب بھی امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مستحب ماننا ہی کافی تھا کہ حدیث میں آیا ہے۔

مَرَادُ الْمُؤْمِنِي حَسَنًا فَهِيَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ ”جس کو مسلمان اچھا چاہے وہ کام اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔“

چھٹے یہ کہ یہ انگوٹھے چومنا کنگھی یا دیو سے بچنے کا عمل ہے اور عمل میں صرف صوفیہ کرام کا تجربہ کافی ہوتا ہے۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب ہوامع میں ہوامع مقدمہ کے دسویں ہامع میں فرماتے ہیں اجتہاد اور استخراج اعلیٰ تصریحیہ راہ کشادہ مست و متنازع خارج علیاً لعلیٰ قراہین تصریحیہ عمال میں جہد کار ستہ ظاہر ہوا ہے۔ جیسے کہ طیب لوگ حکمت کے نئے بیج کرتے ہیں خود شاہ ولی صاحب نے اپنی

کتاب القول الجلیل وغیرہ میں صمد ہا عمل تعویذ گنڈے جنات کو دفع کرنے سے جنات سے محفوظ رہنے۔ اصل محفوظ رکھنے کے تجویز فرمائے ہیں کہ فلان دعا ہر ن کی کتاب پر لکھ کر عورت کے گلے میں مثل ہار کے ڈال دو اسقاط نہ ہو گا چشم کا رنگا ہوا اور عورت کے جسم سے باپ کر تو گرہ لگا کر عورت کی بائیں ران میں باندھنا درود کو مفید ہے وغیرہ وغیرہ تا کہ ان میں سے کسے متعلق کوئی سی احادیث آئی ہیں؟ خود عدہ شامی نے جادو سے بچنے، لگی ہوئی چیز کے تلاش کرنے کے لئے بہت سے طریقے شامی میں بیان فرمائے تا کہ ان کی احادیث کہاں ہیں؟ جبکہ ہم پہلے باب میں ثابت کر چکے کہ یہ عمل درج چشم کے لئے مجرب ہے تو اس کو کیوں منع کیا جاتا ہے؟ ساتویں یہ کہ ہم پہلے باب میں بیان کر چکے کہ شامی اور شرح نقایہ اور تفسیر روح البیان وغیرہ نے انگوٹھے چومنے کو مستحب فرمایا۔ اس استحباب پر کوئی جرح قدح نہ کی بلکہ حدیث مرفوع کی محنت کا لگا رکھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ حکم استحباب تو بالکل صحیح ہے۔ گفتگو ثبوت حدیث میں ہے۔ یہ استحباب حدیث کی محنت پر موقوف نہیں۔ انھوں نے یہ کیا اچھا اگر مان لیں کہ استحباب کا ثبوت ضعیف سے نہیں ہو سکتا۔ تو اگر بہت کے ثبوت کی کوئی حدیث ہے جس میں یہ ہو کہ انگوٹھے چومنا مکروہ ہے یا نہ چومنا وغیرہ وغیرہ ان شاء اللہ مودل کر بہت کے لئے صحیح حدیث تو کیا ضعیف بھی نہ ملے گی۔ صرف یاروں کا اجتہاد اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

الحمد لله عرض کر اس اعتراض کے پرچے اڑ گئے اور حق واضح ہو گیا۔

اعتراض ۲

حضرت آدم علیہ السلام نے اُنرور مصطفیٰ علیہ السلام انگوٹھے کے ناخنوں میں دیکھ کر اس کو چوما تھا۔ تو تم کون سا نور دیکھتے ہو؟ چومتے ہو۔ چومنے کی جو وجہ وہاں تھی وہ یہاں نہیں۔

جواب

حضرت ہاجرہ جب اپنے فرزند حضرت اسمعیل علیہ السلام کو نے رکھ کر مرنے کے جنگل میں تشریف لائیں تو تلاش پانی کے لئے مفاہد مرود پہاڑ کے درمیان دوڑیں۔ آج تم حج میں وہاں کیوں دوڑتے ہو؟ آج کہاں پانی کی تلاش ہو؟ حضرت اسمعیل علیہ السلام نے قربانی کے لئے جاتے ہوئے راستے میں تیس جگہ شیطان کو ٹکرا رہے آج تم حج میں وہاں کیوں مارتے ہو؟ وہاں سب کون شیطان آپ کو دھوکا دے رہا ہے؟ حضور علیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خاص ضرورت کی وجہ سے کفار مکہ کو نکالے کے لئے طواف میں رمل کرنا کر پٹی طاقت دکھائی۔ تا کہ اب طواف قدوم میں رمل کیوں کرتے ہو؟ سب وہاں کفار کہاں دیکھ رہے ہیں؟ جناب امیوے کرم کے بعض عمل ایسے مقبول ہو جاتے ہیں کہ سب کی یادگار رہتی رہتی جاتی ہے مگر چودہ ضرورت باقی نہ رہا ہی طرح یہ بھی ہے۔

اعتراض ۳

کیا وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے نام پر انگوٹھے کے ناخن چومتے ہو۔ کوئی وجہ کیوں نہیں چومتے ناخن میں کیا خصوصیت ہے؟ ہاتھ پاؤں کپڑے وغیرہ چومنا چاہیے۔

جواب

چونکہ روایت میں ناخن حق کا ثبوت ہے۔ اس بیٹے اسی کو چومتے ہیں مصیبت میں وجہ حاش کرنا ضروری نہیں۔ مگر اس کا نکتہ ہی معصوم کرنا ہے تو یہ ہے کہ تفسیر حازر درون البیان وغیرہ نے پارہ ۸ سورہ اعراف زیر آیت **مَذْذِبُ بَیْہِمَا سَوَآئِہِمَا** میں بیان فرمایا کہ جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کا لباس ناخن تھا یعنی تمام جسم شریف پر ناخن تھا جو کہ نہایت خوبصورت اور نرم تھا جب ان پر عتاب الہی ہوا وہ کپڑا پہن گیا۔ مگر انگوٹوں کے پوروں پر بطور یادگار باقی رکھا گیا جس سے معلوم ہوا کہ ہمارے ناخن جنتی لباس ہیں جیسے کہ کعبہ معظمہ میں سنگ اسود جنتی پتھر ہے اس کو چومتے ہیں باقی کعبہ شریف کو نہیں چومتے۔ کیوں کہ وہ اس جنتی گھر کی یادگار ہے جو کہ حضور آدم علیہ السلام کے لئے رہن پر آیا تھا اور طوفان لوجی میں فٹالیا گیا۔ اور یہ پتھر اس کی یادگار ہا ہی طرح ناخن بھی اس جنتی لباس کی یادگار ہے۔

”ہاں قرآن سے اور اللہ کے ذکر سے (جو کہ امر عظیم ہے) مسلمان اس جیتے ہیں اور اس کو سنتا چاہتے ہیں اور کٹھا اور دیا سے خوش ہوتے ہیں اور ذکر غیر اللہ سے سرور پاتے ہیں۔“

اس آیت اور تفسیری عبارت سے معلوم ہوا کہ اللہ کا ذکر مسلمان کی خوشی فرحت کا باعث ہے مگر کفار اس سے رنجیدہ ہوتے ہیں۔ اللہ میت بھی مسلمان ہے اور سب حاضرین بھی۔ سب کوئی اس سے خوش ہوگی۔ نیز میت کو اس وقت اپنے اہل و عیال سے چھوٹنے کا غم ہے یہ ذکر اس غم کو دور کرے گا۔ جیسا کہ اس آیت میں بھی ذکر مطلق ہے خواہ آہستہ ہو یا بلند آواز سے لہذا ہر طرح جائز ہوا تھیں پتہ مانے سے اس میں قید نہیں لگا سکتے منتخب کترالہماں جلد ہشتم صفحہ ۹۹ میں برائیت حضرت انس ہے۔

كَثُرَ وَافِي الْحَارَةِ قَوْلُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مَكْتُوَةً كِتَابِ الْهَوَاتِ يَابِ ذَرَكَاثِ مِثْلُ هِـ

اِنَّ اللّٰهَ مَلِكٌ يَطْوِفُ فِي الطَّرَفِ يَسْمَعُ هَلِ اللّٰهُ كَرَّ فَاِذَا وَحَدُوْهُ فَوْمًا يَذْكُرُوْنَ لِلّٰهِ تَاذُوْهُ هَلُمُّوْا اِلٰى حَاجَتِكُمْ قَالْ فَيَحْفُوْ لَهُمْ سَخِيْبَتُهُمْ

”اللہ کے کچھ فرشتے راستوں میں چکر لگاتے ہیں ذکر اللہ کرے والوں کو تلاش کرتے ہیں جس جگہ کسی قوم کو ذکر الہی کرتے ہوئے پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ آؤ اپنے مقصد کی طرف پھر ان ذکریں کو پڑوں میں دعا پڑھتے ہیں بخ۔ لہذا اگر میت کے ساتھ لوگ ذکر اللہ کرتے ہوئے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ راستے ہی میں ملیں گے۔ اران سب کو پے پڑوں میں دعا پڑھیں گے میت بھی ملائکہ کے پڑوں کے سایہ میں قبرستان تک جاوے گا خیال رہے کہ اس حدیث میں بھی ذکر مطلق ہے خواہ آہستہ ہو یا بلند آواز ہے۔

مکتوۃ اس باب میں ہے۔“

دَا مَرَرْنٰمْ بِرِبَاصٍ اَمَّجَنَةٍ فَاَرْمُوْا فَنُوْا وَاَمَّا رِبَاصُ الْجَنَّةِ فَاِنْ حَقَّ ذِكْرُ حُضُوْرِ صِلَاةِ السَّلَامِ نَظَرْنَا اِلَيْكَ جَبَّ قَمَرُ جَنَّتِ الْبُخُوْرُ مِثْلُ سَمَرٍ مِّنْ لِّمَازِنِ الْجَنَّةِ كَمَا رَأَى كَرَامُ نَظَرْنَا اِلَيْكَ جَبَّ قَمَرُ جَنَّتِ الْبُخُوْرُ مِثْلُ سَمَرٍ مِّنْ لِّمَازِنِ الْجَنَّةِ كَمَا رَأَى كَرَامُ نَظَرْنَا اِلَيْكَ جَبَّ قَمَرُ جَنَّتِ الْبُخُوْرُ مِثْلُ سَمَرٍ مِّنْ لِّمَازِنِ الْجَنَّةِ كَمَا رَأَى كَرَامُ

اس سے ثابت ہو کہ اگر میت کے ساتھ ذکر الہی ہو تاہوا جاوے تو میت جنت کے درجے میں قبرستان تک جاوے گا۔ خیال رہے کہ یہاں بھی ذکر مطلق ہے آہستہ ہو یا بلند آواز سے اسی مکتوۃ میں سی باب میں ہے کہ

الشَّيْطَانُ حَانِمٌ عَلَى قَلْبِ بَنِ اٰدَمَ اِذَا ذَكَرَ اللّٰهَ حَسْبُ

”شیطان انسان کے دل پر چنار ہوتا ہے جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ تو ہٹ جاتا ہے۔“

معلوم ہوا کہ اگر میت کو لے جاتے وقت ذکر اللہ جاوے گا تو شیطان سے میت کو امر ہوگی یہاں بھی ذکر میں آہستہ یا بلند آواز کی کوئی قید نہیں۔ یہاں تک تو جبارہ کے آگے ذکر ہاجر کو لانا ثابت کیا گیا۔ اب تو اس فقہاء مد خط ہوں جن میں اس کی تصریح ملتی ہے۔ صدیقہ مذہبہ شرح طریقہ محمدیہ میں امام عہد الفنی نامی مدبرا رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ کے متعلق تحقیق فرماتے ہیں کہ جن فقہاء نے جبارہ کے ساتھ ذکر ہاجر کو منع فرمایا ہے وہ اگر میت تڑپنے کی بناء پر ہے یا کراہت تحریمی کی بناء پر۔ پھر فرماتے ہیں۔

لَكِنْ بَعْضُ الْمَشَائِخِ حَوْرٌ وَ اِنَّ ذِكْرَ الْجَهْرِيِّ وَ رَفَعَ مَضُوبٌ بِالْاَعْظَمِ الْهَادِرِ وَ خَلْفَهَا لِمَقْبِلِ الْمَيِّتِ وَ الْاَمْوَاتِ وَ الْاَحْيَاءِ وَ بَيْنَهُ الْفَصْلَةُ وَ اَنْصَبَهُ وَ رَدَّاهُ صَدَاءُ الْقُتُوبِ وَ قَسْوَتْهَا يَحْبُثُ الْاَذْيَا وَ رِيَا سَتَهَا

”یعنی بعض مشائخ عظام نے جبارہ کے آگے اور پیچھے بلند آواز سے ذکر کرنے کو جائز فرمایا تاکہ اس سے اس میت اور زندوں کو تلقین ہو اور

عائقوں کے دلوں سے غفلت اور غشی دنیا کی محبت دور ہو۔“

واقعہ انوار اللہ سیدنی بیان الصمدی رحمہ اللہ یہ میں قلب ربانی امام شعرانی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں۔

وَ كَاِنْ سَيِّدُنِي عَلِيُّ الْحَوَاضِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ اِنْ غَنِمَ مِنَ الْمَشْيِ مَعَ الْجَبَارَةِ اَتَهُمْ لَا يُثَرُّ كُوْنُ الْمَعُوْفِ فِي الْجَبَارَةِ وَ يَشْتَعُوْنَ بِاَحْوَالِ الدُّنْيَا فَيَسْعَى اِنْ مَاتَ اَمْرُهُمْ بِقَوْلِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَاِنْ دَا لَكَ فَصْلٌ مِّنْ تَرْكِهِ وَ لَا يَسْعَى لِنَعْقِبِهِ اِنْ يُكْرَ دَا لَكَ الْاَبْصُ اَوْ اَحْمَا عَ فَرُّ لِمُسْلِمِيْنَ لَا اَدْنِ الْعَدُوِّ مِنَ الشَّارِعِ بِقَوْلِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ كُلُّ وَقْتٍ شَأْنٌ اَوْلِيَهُ

الْعَجَبُ مِنْ عَمِي قَنْبٍ مِنْ يُكْزَرُ مِنْجُلٍ هَذَا

حضرت علیؓ احوال رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جب معلوم ہوا کہ جنازہ کے ساتھ جانے والے یہود و ہاتھ نہیں چھوڑتے اور دنیاوی حادثات میں مشغول ہیں تو مناسب ہے کہ انکو کلمہ پڑھنے کا حکم دیں۔ کیونکہ یہ کلمہ پڑھنا پڑھنے سے افضل ہے اور فقیر عام کو مناسب نہیں کہ اس کا انکار کرے مگر یا تو نص سے یا مسلمانوں کے اجماع سے اس لئے کہ شارع علیہ السلام کی طرف سے مسلمانوں کو کلمہ پڑھنے کا اذن عام ہے جس وقت بھی چاہیں۔ اور سخت تعجب ہے اس نہ محل سے جو اس کا انکار کرے۔

امام شعرانی اپنی کتاب مہود بشرح میں فرماتے ہیں۔

وَلَا تُمَكِّنُ أَحَدًا مِنْ أَهْوَابِ بُكْرَتِنَا ابْتِدَعَهَا لِمُتَلَمِّظٍ عَلَى حِجَةِ الْقُرْبَةِ وَرَدَّ فَحَسًا لَا سِيَّمَا
مَسَاكِينَ مُتَعَلِّقًا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ كَقَوْلِ لُثَّاسٍ أَمَّا لِحَدَرَةِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَأَقْرَبُ
أَحَدٍ لِقُرْآنٍ أَمَّا مَهَا وَمَعْدُ ذَلِكَ فَمِنْ حَرْفٍ هُوَ فَصْرٌ عَنْ فَيْضِ الشَّرِيعَةِ

”ہم پہے بھائیوں میں سے کسی کو یہ موقع نہ دیں گے کہ کسی الکی چیز کا انکار کرے جس کو مسلمانوں نے ثواب سمجھ کر رکھا ہو ورنہ اس کو اچھا سمجھ ہو خصوصاً وہ جو اللہ تعالیٰ و رسول علیہ السلام سے متعلق ہو جیسے کہ لوگوں کا جنازہ کے آگے کلمہ پڑھنا یا جنازے کے آگے کسی کا قرآن کریم وغیرہ پڑھنا جو شخص اس کو حرام کہے وہ شریعت کے نگھے سے قاصر ہے۔“

پھر فرماتے ہیں۔ وَكَلِمَةُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ أَكْبَرُ نُحُوسَاتٍ فَكَيْفَ يَمْنَعُ مِنْهَا وَتَأْمَلُ
أَحْوَالَ غَالِبٍ لِحُلُقِ الْأَلْفِ فِي الْحَدَرَةِ يَحْذِفُهُمْ مِنْهُنَّ بِحِكَايَاتِ لُذْبٍ ثُمَّ يَعْتَبِرُوا بِالْمَوْتِ
وَقُلُوبُهُمْ عَاطِلٌ عَنْ حَمِيَّةٍ مَوْفِقٍ لَهُ بَلِ رَيْبٌ مِنْهُ مِنْ يَصْحَكُ وَدَانِعَارٍ مِنْ عِنْدِ مِثْلِ ذَلِكَ
وَكُنُوزٍ ذَلِكَ لَمْ يَكُنْ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ ذُكِرَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ كُلُّ
حَدِيثٍ يَنْبَغِي أَوَّلِي مِنْ حَدِيثِ إِبْنِ أَبِي حَتْمٍ فِي الْحَدَرَةِ فَيُوصَّاحُ كُلُّ مَنْ فِي الْحَدَرَةِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ فَلَا غَرَضَ

یعنی کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تمام نیکیوں میں بہترین کی ہے پس اس سے کیوں منع کیا جاسکتا ہے اگر تم آج کل کے لوگوں کی غائب حالت ہیں غور کرو تو تمہارے کو جنازہ کے ساتھ ساتھ دیاوی قصوں میں مشغول پاؤ گے ان کے دس میت سے صحبت نہیں چڑھتے اور جو کچھ ہو چکا اس سے غافل ہیں بلکہ ہم نے تو بہت سے لوگوں کو ہنستے دیکھا اور جب لوگوں کا اس زمانہ میں ایسا حال ہے تو ہم کو کس پر عمل کر کے یہ کلمہ پہلے زمانہ میں میت کیساتھ پکار کر نہیں پڑھا جاتا تھا۔ اس کے ناجائز ہونا حکم دینا درست نہیں بلکہ اس کے جائز ہونے ہی کا حکم کرنا چاہیے بلکہ دنیا داروں کی باتوں سے ہر بات جنازہ میں بہتر ہے پس اگر تم مہوگ بندہ آواز سے جنازہ کے ہمراہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تو ہم کو کوئی اعتراض نہیں۔

نہایت سے معلوم ہوا کہ جنازہ کے ساتھ اگر بندہ آواز سے ذکر کیا جاوے تو جائز ہے خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ عوام میت کے ساتھ ہنستے ہوئے دیاوی باتیں کرتے ہوئے جاتے ہیں اب تو بہت ہی بہتر ہے کہ ان سب کو کرائی میں مشغول کر دیا جاوے کہ کرائی دنیاوی باتوں سے افضل ہے۔

دوسرا باب

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات میں

اس پر مخالفین کے حسب دلیل اعتراضات ہیں۔ مثلاً خدا اس سے زیادہ نہیں گے۔

اعتراض ۱ جنازے کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنے کو فقہاء منع فرماتے ہیں، چنانچہ عالمگیری جلد اول کتاب الجنائز فی حص الجنائزہ میں ہے۔

وَعَسَىٰ مُتَّبِعِي الْجَارِهِ انْضَمَّتْ وَيُكْرَهُ لَهُمْ رَفْعُ الصُّوْبِ بِالذِّكْرِ وَ قِرْنَةُ الْقِرَانِ فَإِنْ ارَادَ أَنْ يُذَكِّرَ اللَّهَ يَذْكُرُهُ فِي نَفْسِهِ كَذَلِكَ فَنَادَىٰ فَاصْبِرْ حِينَ

”جنازے کے ساتھ جانوالوں کو خاموش رہنا واجب ہے اور بلند آواز سے ذکر کرنا اور قرآن پڑھنا مکروہ ہے اگر اللہ کا ذکر کرنا چاہیں تو اپنے دل میں کریں۔“

وَيُكْرَهُ لِسَاخٍ وَالصُّوْبُ حَيْثُ الْمَنْبِتُ رَفْعُ الصُّوْبِ بِالذِّكْرِ وَقِرْنَةُ الْقِرَانِ وَقَوْلُهُمْ كُلُّ حَتَّى يَمُوتَ وَ مَخْرُودُ لَكَ حَلْفُ الْحَارَةِ مَذْعَرَةٌ

”جنازے کے پیچھے اور میت کے گھر میں نوحہ کرنا آواز نکالنا اور بلند آواز سے ذکر کرنا قرآن پڑھنا مکروہ ہے اور جنازے کے پیچھے یہ کہتے جانا کہ ہر دمہ مرے گا بدعت ہے۔“

در مختار جلد اول کتاب الجنائزہ مطلب فی ذل الامتہ میں ہے۔ کما نکرہ لہ رفع صوب بد ذکر او قرء ہ جیسے کہ جنازے میں بلند آواز سے ذکر کرنا یا قرأت کرنا مکروہ ہے۔ اس کے تحت شامی میں ہے۔ فَمَنْ وَاْدَا كَانْ هِدَا فِی الدُّعَاءِ فَمَا طَمَّكَ بِالْعَدَاءِ لِحَادِثٍ فِی هِدَا الزَّوْمَانِ جَبَدَا مِیْ اِسْ قَدَرْتِیْ ہِیْ تَابْ اِسْ کَانِے کَا یَا عَالِ ہِیْ جُو اِسْ زَمَانِ مِیْ پِیْدَا ہو گیا ہے۔

ابن منذر نے اشراک میں نقل کیا کہ۔

قَالَ فَيَسِّرْ ابْنَ عَبَّاسَةَ كَرِ صَحْبَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُونَ رَفْعَ الصُّوْبِ غَدَا لِبِ عَبْدِ الْقَيْسِ وَفِي الْحَارَةِ وَفِي الذِّكْرِ يَحْيَى سَمَاءَ بَرَامِ جِهَادُ جَنَارَهُ وَذَكَرَ فِي بَلَدَهُ دَارَ كَوْنَا پَسَنَدُ كَرْتِیْ تَحْصَنُ مَعَارَاتِ سَے معلوم ہوا کہ میت کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا منع ہے خصوصاً وہ گانا جس کو آج کل نعت خوانی کہتے ہیں وہ تو بہت ہی بڑے (مخالفین کا پاپا لہائی اعتراض ہے)

جواب فقہاء کی من عبارات میں چند طرح گفتگو ہے اولاً یہ کہ انہوں نے جو میت کے ساتھ ذکر یا عجز کو مکروہ لکھا اس سے کہ بہت تنزیہی مراد ہے یا تحریک، اگر بہت تنزیہی جائز میں داخل ہے یعنی اس کو کرنا ناجائز ہے مگر نہ بہتر، دوسرے یہ حکم اس زمانے کے ہیں تھا کہ ہر زمانہ کے لئے۔ تیسرے یہ کہ مطلقاً بوجہ مانع ہے۔ یا کہ خاص ذکر یا عجز یا نوحہ وغیرہ۔ چوتھے یہ کہ بلند آواز سے ذکر کرنا ہر شخص کو منع ہے یا کہ خاص اشخاص کو۔ جب یہ چار باتیں ملے ہو جائیں تو مستند بالکل واضح ہو جاوے۔ حق یہ ہے کہ جن فقہاء نے میت کے ساتھ ذکر یا عجز کو مکروہ فرمایا۔ ان کی مراد مکروہ تنزیہی ہے چنانچہ شامی نے اسی مقولہ عبارات کے ساتھ ساتھ فرمایا۔

قَبْلَ تَحْرِيفِنَا وَقَبْلَ سَرِيْنَهَا كَمَا فِي اُبْحُوْرٍ عَنِ لَعْنَتِ وَفِيهِ عَلَيْهِ رِيسْعِي لَمَنْ بَعِ اُنْحَادَةُ نَ بَطِيْلُ الصُّفْتِ ”کہا گیا ہے کہ مکروہ تحریک ہے در کہا گیا ہے کہ مکروہ تنزیہی جیسا کہ بحر الرائق میں غایت سے نقل کیا اسی بحر میں بروایت غایت ہے کہ جو شخص جنازے کے ساتھ جاوے اس کو بہتر ہے کہ خاموش رہے۔“

جس سے معلوم ہوا کہ خاموش رہنا بہتر ہے اور خاموش نہ رہنا بلند ذکر یا عجز کرنا بہتر نہیں جائز ہے۔ نیز کہ بہت تنزیہی و تحریک کی چچاں خود عدم شامی سے مکروہات کی تعریف کرتے ہوئے بیان فرمائی۔ فرماتے ہیں شامی ذیل کتاب الطہارت مطلب تعریف المکروہ۔

فَبِحَيْثُ بَدَا اَكْرُوْهُ مَكْرُوْهُ هَا فَلَ اَنْذَ مِنْ اَلْبَطُوْرِ فِیْ دَلِيْلِهِ فَاِنْ كَانْ هَبْ طَبَا يَحْكُمُ بَكْرَاهَةِ لِنُحْرِيْمِ لَا بَصَارِ اَفِ السُّنَنِ عَنِ السُّخْرِيَةِ اِلَى الذُّبْ فَاِنْ لَمْ يَكُنِ الدَّلِيْلُ يَفِيًا بَلْ كَانْ مُفِيدًا لِّلرُّكْبِ اَلْغَيْرِ

المجرام فہی تریہیۃ

”جب فقہاء مکروہ فرما دیں تو ضروری ہے کہ کراہت کی دلیل میں نظر کی جاوے اگر اس کی دلیل ظنی ممانعت ہو تو مکروہ تحریمی ہے سوائے کسی مانع کے اور اگر دلیل ممانعت نہ ہو بلکہ غیر ضروری ترک کا فائدہ دے تو کراہیت تنزیہی ہے۔“

اس سے معلوم ہو کہ اگر فقہاء کراہت کی دلیل میں کوئی شرعی ممانعت پیش فرمادیں تو کراہت تحریمی ہے ورنہ کراہت تنزیہی۔ اور جن فقہاء نے بھی اس ذکر یا بھج کو منع کیا ہے کوئی ممانعت کی حدیث یا آیت پیش نہیں کی۔ صرف شامی نے یہ دلیل بیان فرمائی کہ بقیہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو محبوب نہیں رکھتا۔ جس کا ترجمہ فرمایا

ای المفسدین بالذعاء یعنی بندگان اور سے دعا کرنے والوں کو۔ مفسوم ہو کہ اس کی ممانعت کی کوئی صاف حدیث نہیں ملی۔ لہذا یہ مکروہ تنزیہی ہے اور مکروہ تنزیہی جائز ہوتا ہے۔ نیز امام شعرانی نے عہود مشائخ میں اسی ذکر مع الجنازہ کے لئے فرمایا وَقَدْ رُخِخَ السُّوۡیُ نَ

الکلام خلاف لاؤلی امام نووی نے اس کو ترجیح دی کہ جنازہ کے ساتھ کلام کرنا بہتر نہیں۔ شرح طریقہ محمدیہ نے بیان فرمایا وَهُوَ یُکْرَهُ عَلَی مَعْنٰی اِنَّہٗ تَارِکُ الْاَوَّلٰی جنازہ کے ساتھ بخدا اور سے دعا کرنا مکروہ ہے ہاں معنی کہ خلاف اولیٰ ہے یعنی بہتر نہیں۔ بہر حال بتانا پڑے گا کہ جس فقہاء نے اس کو مکروہ کہا ان کی مراد مکروہ تنزیہی ہے دوسرے یہ کہ یہ ممانعت اس زمانے کی ہے اب اس زمانہ میں چونکہ لوگوں کے عادات بدل گئے یہ حکم کراہت بھی بدل گیا۔ کیوں کہ اس زمانہ میں جو بھی جنازہ کے ساتھ جاتا تھا وہ خاموش رہتا تھا اس سے مہرت پکڑتا تھا اہل میت کے ساتھ رنج و غم میں شرکت کرتا تھا اور شرعی حدیث بھی یہ ہے کہ میت کے جوس میں لوگ مہرت حاصل کریں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

وَدَاخَمْتُ لِي الْفُؤَادَ حَرَةً وَدَعَمْتُ بِأَنْفِكَ بَعْدَهَا مَحْمُولًا

جب تم قبرستان کی طرف کوئی جنازہ سے جاؤ تو خیاں رکھو کہ ایک دن تم کو بھی اسی طرح سے جایا جائیگا اس حالت میں کچھ بھی بات کرنا خلاف حکمت تھا کہ بات کرنے میں وہیاں بنے گا۔ اور دل و دھڑل ہو جاوے گا۔ لہذا فقہاء نے فرمایا کہ اس حالت میں سکوت کرو۔ کتاب زادکار مصنفہ امام نووی باب یقول الماشی مع الجنازہ میں ہے۔

وَالْحِكْمَةُ فِيهِ ظَاهِرَةٌ وَهِيَ اِنَّہٗ اسکن لحاظہ و اجمع لفکرہ فیما بتعلیٰ بالحجارة و هو المطلوب فی ہذا الحال

مشکوٰۃ باب دفن الميت میں ہے کہ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم قبرستان میں میت دفن کرنے کے لئے گئے۔ وحسبنا معہ کون علی ربوب لظہر تمہاری قبر میں دیر تھی تو ہم اس طرح خاموش بیٹھ گئے جیسے کہ ہم سے سروں پر پرندے ہیں پرندوں کا شکاری جب جال لگا کر بیٹھتا ہے تو ہاں لکل خاموش رہتا ہے تاکہ آواز سے پرندے آؤ نہ جاویں اب دور ماند ہے کہ جنازہ کے ساتھ جانے والے دیوانہ یا تہمتی ہستی مذاق مسلمانوں کی غیبتیں کرتے جاتے ہیں۔ اگر قبرستان میں کچھ دیر بیٹھنا پڑے تو خوش گویاں اڑتے ہیں۔ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ کچھ کھیل کا مشغول کر کے دس بہن تے ہیں ان کو دکرالہی میں مشغول کرو جانا بیہودہ باتوں سے بہتر ہے۔ لہذا اب یہ بھی مستحب ہے کہ میت کے ساتھ سب لوگ کلمہ وغیرہ بلند آواز سے پڑھتے ہوئے جاویں۔ عادات بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں اور جو معنی اپنے اہل زمانہ کی حالت سے بے خبر رہے وہ جاں ہے۔

امام شعرانی اپنی کتاب عہود مشائخ میں فرماتے ہیں۔

وَأَسْمَاءُ بَنَتْ لِكَلْبٍ وَنَعْرَاءُ وَالدَّكْرُ مَعَ الْحَارَةِ فِي عَهْدِ السَّلَفِ لِأَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا مَاتَ فِيهِمِ مَيِّتٌ مِنْ غَيْرِهِ فَكَانُوا لَا يَفْدُرُونَ عَنِ الطُّوْلِ الْكَبِيرِ لَعَلَّهُمْ عَلَيْهِ مِنْ دُكْرِ السُّوۡبِ بَلْ خَرَسَتْ أَلْسِنُهُمْ عَنْ كُلِّ كَلَامٍ

لَدَد وَحَدَّثَ جَمَاعَةٌ بَعْدَ الصُّفَةِ لِلْكَ بَا حَتَّى عَيَا اِنْ لَا تَا غَرَهُمْ بِقِرَاءَةِ وَلَا دُكْرِ

”گزشتہ زمانہ میں جنازہ کے آگے بات کرنا قرآن پڑھنا ذکر کرنا اس لئے نہ تھا کہ جب کسی کا انتقال ہو جاتا تھا تو سارے شرکار رنج و غم میں شریک ہو جاتے تھے یہاں تک کہ میت کے اہل قرابت اور غیروں میں فرق نہ رہتا تھا اور اس قدر موت کا دھیاں کرتے تھے کہ بولنے پر اس کو قدرت ندادی تھی۔ اور ان کی زبانیں کھلی ہو جاتی تھیں۔ اگرچہ آج اس صفت کے لوگ پائیں تو ہم انکو قرآن پڑھنے اور ذکر کرنے کا حکم نادیں گے۔“

سبحان اللہ کیا انھیں فیصلہ فرمایا۔ کہنے کیا۔ جہل لوگوں کا یہ حال ہے۔ حضرت شیخ عثمان بھیری شرح اھتمام کے حاشیہ جلد دوم میں فرماتے ہیں

قَوْلُهُ 'وَكَرِهَ لَفْظُ' فِي الْجَارَةِ قَوْلُهُ لَفْظُ 'يَرْفَعُ صَوْبَ وَلَوْ بَقَرًا' أَوْ دَكْرًا وَصَوْبُهُ عَلَى النَّسَبِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهَذَا بَأْوَنَارِ مَا كَانَ فِي الصَّدْعِ الْأَزَلِّ وَلَا فَلَاحَ لَا مَأْسَ بِدِينِكَ لِأَنَّهُ شَعَارُ الْحَيِّبِ لِأَنَّهُ تَرَكَهُ مُرَدِّبَةً بِهِ وَلَوْ قِيلَ بِوُجُوبِهِ لَمْ يُنْعَدْ كَمَا نَقَدَهُ الْمُتَدَابِعِيُّ

یعنی جنازے کے ساتھ شور کرنا مکروہ ہے خواہ یہ شور قرآن خوانی سے ہو یا ذکر اللہ سے یا درود خوانی سے۔ یہ حکم اس حالت کے لحاظ سے ہے جو کہ پہلے زمانے میں مسلمانوں کی تھی۔

امام شعرانی نے محمود شاخ میں فرمایا۔

فَلَمَّا خَدَّثَهُ 'الْمُسْلِمُونَ' وَاسْتَحْسَنُوا قَوْلَهُمْ إِمَامُ الْجَارَةِ لَا إِلَهَ إِلَّا لِلَّهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ أَوْ وَسَيِّدُ يَوْمٍ لِعَرْصِ عِيسَى اللَّهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَبِخُودِ لَكَ فَمَثَلُ هَذَا لَا يَجِبُ انْكَارُهُ هُنَا لِأَنَّهُمَا لَا يُنْفَخُ عَنْ لُغَةِ شُعْلُو بَدَالِكَ لِأَنَّهُمَا فِيهِمَا فَرَعٌ مِنْ ذِكْرِ الْمَوْتِ بِإِذْنِ بَعْضِهِمْ يَصْحَحُ إِمَامُ الْجَارَةِ وَيُصْرَحُ

ورنہ اس زمانہ میں اب اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ ذکر ہاجریت کی علامت ہے اس کے چھوڑنے میں میت کی توجہ نہیں ہے لہذا اس کو اگر ضروری بھی کہا جاوے تو بھی جہد نہیں ہے جیسا کہ مذہبی علماء رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرمایا۔

مسلمانوں نے جس کام کو چھو بھی کر دیا ہے وہ یہ ہے کہ جنازے کے آگے کہتے ہیں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ یہ کہتے ہیں کہ خدا کے سامنے قیامت کے دن ہمارا وسیلہ یہ ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ یا اسی طرح اور ذکر۔ اس زمانہ میں اس سے منع کرنا ضروری نہیں۔ کیوں کہ اگر وہ لوگ اس ذکر میں مشغول نہ ہوئے تو دیوبندی باتیں کریں گے کیونکہ ان کے دوسرے موت کی یاد سے غافل ہیں۔ بلکہ ہم نے تو بعض لوگوں کے آگے ہستے ہوئے مذاق کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

امام شعرانی قدس سرہ نے جو اپنے زمانہ کا حال بیان فرمایا اس سے بدرجہا حال آج کل ہے۔ اس نے بعض جہد دیکھا کہ قبر میں دیر تھی۔ لوگ طیلیدہ طیلیدہ جماعتیں بن کر بیٹھ گئے اور باتوں میں ایسے مشغول ہوئے کہ معلوم ہوتا تھا کہ بازار کا ہو ہے۔ بعض لوگ زمین پر لکیریں کھینچ کر ٹکڑوں سے کھینچا چاہتے تھے اس حالت کو دیکھ کر میں نے سب کو جمع کر کے وعظ کرنا شروع کر دیا۔ لوگوں کو چھوڑ دینے کے حکام بتائے۔ اس سے یہ ہی ابھرتا تھا۔

طیغہ مخالفین جنازے کے ساتھ ذکر اللہ کرنے کو تو بدعت اور حرام کہتے ہیں۔ مگر باتیں کرتا، کبھی مسائل بیان کرتا، کبھی شرک و بدعت کے فتوے سناتا، لوگوں کے اس میں ہنسی مذاق کرنے کو منع کرتے ہیں نہ اس کو برا کہتے ہیں۔ حالانکہ فقہاء بالکل خاموش رہنے کا حکم دیتے ہیں۔ جیسا کہ اس اعتراض میں نقل کی ہوئی عبارات سے معلوم ہوا۔ یہ اپنی گنگا کیوں بہ رہی ہے کہ کلام اسلام، ہنسی، مذاق، وعظ و فتاویٰ تو سب جائز۔ حرام ہے تو ذکر اللہ، خدا سمجھ دے۔

نوٹ ضروری شاید کوئی کہے کہ اسلام احکام تو بھی بدعتے نہیں پھر یہ تبدیلی کیسے؟

اس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ جو حکام کسی غلطی کے بدلنے سے بدل جائیں گے۔ جیسے کہ اوّل زمانہ میں نماز پڑھانے، تعلیم قرآن دینے وغیرہ پر اجرت دینا حرام تھی۔ اب جائز ہے۔ اسی طرح مقدیر علیہ السلام پر چارویں ڈیڑھ سو روپے کتاب ضرورتاً زمانہ کے لحاظ سے جائز ہیں اسی طرح ماہ رمضان میں ختم قرآن پڑھانے کا ناکارہ جائز قرار دی گئیں۔ قرآن میں آیات اور رکوع اور سورتوں کے نام لکھنا زمانہ سلف میں نہ تھا لیکن اب حوام کے فائدے کے لیے ذکر کے جائز قرار دیا گیا۔ عاصمیری کتاب الکفر ہیئت باب آداب المصنف میں ہے۔

لَا بُاسَ لَكِتَابَةِ السُّورِ وَعَدَايَ وَهُوَ وَأَنْ كَانَ أَحَدًا فَهُوَ بِذَعَةِ حَسَنَةٍ "وَكَمْ مِنْ شَيْءٍ كَانَ أَحَدًا فَهُوَ حَسَنٌ" وَكَمْ مِنْ شَيْءٍ يَحْتَفِلُ بِاحْتِلَافِ الزَّمَانِ وَالْمَكَانِ

"سورتوں کے نام اور آیتوں کی تعداد لکھنے میں حرج نہیں ہے مگر چہ بدعت ہے لیکن حسہ ہے در بہت سی چیزیں بدعت ہیں لیکن اچھی ہیں اور بہت سی چیزیں زمانہ اور ملک کے بدلنے سے بدل جاتی ہیں۔"

اس کی بہت تفصیل ہم پہلی بحثوں میں کر چکے ہیں۔ تیسرے یہ کہ کاغذی واذ وغیرہ میں میت کے آگے اس طرح نعت شریف پڑھتے ہیں کہ سننے والے جاں پیٹتے ہیں کہ کسی کا جنازہ چار ہا ہے لہذا گھروں میں جو ہوتے ہیں وہ بھی نماز جنازہ کے لئے نکل آتے ہیں۔ تو یہ نعت خولی میت کا اعلان بھی ہوا اور جنازے یا دفن میں شرکت کر میں جائز ہے۔ چنانچہ در مختار دفن میت کی بحث میں ہے۔

وَلَا بُدَّ مِنْ بَقْلِهِ قَبْلَ دَفْنِهِ وَبِأَلَا عِلَامٍ بِمَوْتِهِ وَبِأَرْثِهِ بِشَعْرِ أَوْ غَيْرِهِ

یعنی میت کو دفن کرنے سے پہلے اس کو مٹھل کرنا اس کے جنازے کا اعلان کرنا، میت کا مرثیہ پڑھنا خواہ اشعار میں ہو یا انکے سوا جائز ہے۔
اس کی شرح شامی میں ہے۔

أَيُّ أَغْلَامٍ بَغَضَ بَعْضُ لِيَفْضُوا حَقَّهُ وَكَرِهَ بَغْضُهُمْ أَنْ يُبَادِيَ عَيْنَهُ فِي الْأَقْفَةِ وَالْأَسْوَاقِ وَالْأَصْحُ
أَنَّهُ لَا يُكْرَهُ إِذَا لَمْ يَكُنْ مَعَهُ تَوْبَةٌ بَدَّ كَرِهَ

یعنی جائز ہے کہ بعض لوگ بعض کو خبر دیں تاکہ لوگ اس میت کا حق کو ادا کریں اور بعض لوگوں نے مکروہ جانا ہے یہ کیلگی کو چوس اور باز روں میں اس کا اعلان کیا جاوے اور صحیح ہی ہے کہ اعلان مکروہ نہیں ہے جب کہ اس حداد میں میت کی زیادہ تعریف نہ ہو۔
بلکہ حداد جنازہ کے لئے میت کا مرثیہ یا میت کے نام کا اعلان جائز ہے تو اعلان جنازہ کی نیت سے نعت شریف یا کلمہ طیبہ بلند آواز سے پڑھنا کیوں حرام ہے؟ کہ اس میں جنازے کا اعلان بھی ہے اور حضور علیہ السلام کی نعت بھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس جبر کو فقہاء منع فرماتے ہیں وہ ذکر بلا فائدہ ہے جبکہ اس سے فائدہ حاصل ہوتا جائز ہے۔ اسی لیے علامہ شامی نے اسی بحث میں تارخانیہ سے نقل کیا۔

وَمَنْ رَفَعَ نَصْرًا عِنْدَ الْحَسْبِ فَعَمِلَ بِالْعَرَامَةِ أَوْ مَدَحَهُ أَوْ مَدَحَهُ لِمَعْنَى بَعْدَ مَا فَجَّ النَّاسُ
الْبُصُولَةَ وَالْأَفْرَاطُ فِي مَدْحِهِ كَمَا دَفَعُوا الْعَاهِلِيَّةَ بِمَا هُوَ بِطَنُهَا مَعْنَى وَمَا أَصْلُ أَثَرٍ عَيْنَهُ فَعَبْرٌ مَكْرُوهٌ
لیکن جناروں کے پاس بلند آواز کرنا اس میں یہ قتال ہے کہ اس سے مردود نہ کرنا یا میت کے لئے لہر شرع ہو چکنے کے بعد دعا کرنا یا اس کی تعریف میں مبالغہ کرنا ہے جیسا کہ اہل جاہلیت کی عادت تھی لیکن میت کی تعریف کرنا یہ مکروہ ہے۔

حاصل یہ کہ بے فائدہ بلند آواز کرنا منع ہے اور با فائدہ کرنا جائز ہے فی زمانہ اس میں بہت سے وہ فائدے ہیں جو کہ عرصہ کر دیئے گئے۔ چوتھے یہ کہ اس ذکر سے ممانعت حاصل اہل علم کو ہے۔ مگر حوام مسلمین ذکر کریں تو ان کو منع نہ کیا جاوے۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ حوام کو ذکر الہی سے سدھو کیونکہ وہ پہلے ہی سے ذکر الہی سے پیرفت ہیں۔ اب جس قدر ذکر کریں کرنے دو۔ درختار باب مسودۃ العیدیں میں ہے۔

وَلَا يُكْتَبُ فِي طَرَفِهَا وَلَا يَنْفَعُ فِيهَا مَصْفٌ وَكَدَّ لَا يَصْنَعُ بَعْدَهُ فِي مَصْلَافٍ مَكْرُوهٌ عِنْدَ الْعَاهِلَةِ
عید گاہ کے رستہ میں عبیر نہ کہے اور نہ عید سے پہلے نفل پڑھے اور نہ عید کے بعد بھی عید گاہ میں نفل نہ پڑھے کیونکہ یہ ممانعت کے نزدیک مکروہ ہے۔
پھر فرماتے ہیں۔

هَذَا لِلْحَوَاصِّ أَمَّا الْعَوَامُ فَلَا يَصْغُرُونَ مِنْ تَكْسِيرٍ وَلَا تَنْفُسٍ أَصْلًا بَقْلُهُ رَغَبُهُمْ فِي لُحَيْرَاتٍ
یہ علم خاص لوگوں کے لئے ہے لیکن عام کو اس سے منع نہ کیا جاوے نہ عبیر کہنے سے اور نہ نفل پڑھنے سے کیونکہ ان کی رغبت کا رخیہ میں کم ہے۔

اس کے ماتحت شامی میں ہے اِنِّی لَا مَسْرُؤَ وَلَا حَبْرَ فِي التَّكْسِيرِ یعنی ان کو بہت اور بلند آواز سے عبیر کہنے سے نہ روکا جاوے۔ نیز ہم ذکر ہائے عبیر کی بحث میں بحوالہ شامی باب العیدین ذکر کر چکے ہیں کہ کسی نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ لوگ ہزاروں میں بلند آواز سے عبیریں کہتے ہیں کیا اس کو منع کیا جاوے فرمایا کہ نہیں۔ یہ تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ بعض موقعوں پر حوام کو کسی خاص ذکر سے منع کیا جاتا ہے لیکن عوام کو روکنے کا حکم نہیں۔ اسی لئے فقہاء نے تو یہ فرمادیا کہ جنازے کے آگے بلند آواز سے ذکر نہ کر دیں نہ فرمایا کہ ذکر کرنے والوں کو اس سے روک بھی دو۔ اس جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ ذکا تو یہ ممانعت کراہت تنزیہی کی بناء پر ہے اور یہ کہ پہلے زمانہ کے لئے تھی اب یہ حکم بدل گیا۔ کیونکہ غلبت حکم بدل گئی۔ تیسرے یہ کہ چونکہ اس ذکر سے جنازہ کا اعلان لہذا فائدہ مند ہے جائز ہے۔ چوتھے یہ کہ یہ علم خاص لوگوں کے لئے ہے عامہ المسلمین اگر ذکر الہی کریں تو ان کو منع نہ کیا جاوے۔

اعتواص ۲ جنازے کے آگے بلند آواز سے ذکر کرنا ہندوؤں سے مشابہت ہے کیونکہ وہ جیتے جاتے ہیں "رام رام ست ہے" اور تم بھی شور مچاتے ہوئے جاتے ہو۔ اور کفار سے مشابہت تا جائز ہے لہذا یہ منع ہے۔

جواب کفار بتوں کا نام پکارتے ہیں۔ اور ہم حدائے قدوس کا ذکر کرتے ہیں پھر مشابہت کہاں رہی۔ کفار بت کے نام پر دغا کرتے ہیں ہم خدا کے نام پر۔ کفار رنگا سے رنگا کا پانی پیتے کرتے ہیں۔ ہم منہ معظمہ سے آب رحمہ لاتے ہیں۔ یہ مشابہت نہ ہوئی نیز جو کام کہ کفار کے قوی یا مذہبی نشان بن گئے ہوں۔ ان میں مشابہت کرنا منع ہے نہ کہ ہر کام میں اگر کافر بھی اپنے جنازوں کے آگے کلمہ پڑھنے لگیں۔ تو شوق سے پڑھیں یا پھا کام ہے۔ اور اچھے کام میں مشابہت بُری نہیں ہوتی۔

رستہ میں لکھڑیہ آواز سے پڑھتا ہے، دینی ہے کیوں کہ وہاں گندگی وغیرہ ہوتی ہے لہذا یہ منع ہے۔

جواب یہ اعتراض محض لغو ہے۔ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ راستوں میں چلتے ہوئے دو گرجا گز ہے۔ ہاں جو جگہ نجاست ڈالنے کے لئے بنائی گئی ہو وہاں ذکر باجماع منع ہے جیسے کہ پاحاند یا گھورا (روزی) شامی بحث قرعت عند الخیت میں ہے: **فی سفعة لانس بالقرعة**، **وکتبا او مائتا اد لہ یکن دسک الموصیغ معذراستحاسة** ساریا بیدل چلتے ہوئے قرآن پڑھے میں حرج نہیں جبکہ وہ جبکہ نجاست کے لئے نہ بنائی گئی ہو۔ قرآن بغل میں سے کر رہے سے گزرتا جا گز ہے اور کبیر تشریح کہتا ہو جاوے۔ در مختار ہاں صلوٰۃ العیدین میں ہے۔

وینکبر جہرا، انما فی مطریق راستے میں بلند آواز سے کبیر کہے۔ حالانکہ راستے میں نجاست وغیرہ ہوتی ہے۔ سی طرح فقہاء فرماتے ہیں کہ جہر میں تسبیح و تہلیل بلند آواز سے جائز ہے۔ حالانکہ وہاں اکثر گندگی ہوتی ہے۔ عائشہ کی کتاب الکرہیت ہاں اصولۃ و التیسیح میں اور عمدا لا یرجح اور انوار، احباب، سراپہ، ملتحدہ تیس وغیرہ میں ہے۔ **وانما تسبیح و تہلیل لانس بد لک و نرفع صوته** ہم میں تسبیح و تہلیل بلند آواز سے بھی جائز ہے۔

اعتراض ۴ جنازے کے آگے بلند آواز سے ذکر کرے میں گھڑی محرمیں اور بچے اڑ جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کو سوت یاد آ جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ بیمار ہو جاتے ہیں لہذا بقاعدہ طبعی بھی یہ منع ہونا چاہئے۔

جواب قرآن فرماتا ہے **الابد نکر، اللہ بضم ن، مغلوب اللہ** کے ذکر سے دل نہیں میں آتے ہیں مسلمانوں کو تو اس سے یقین اور رحمت ہوتی ہے۔ ہاں کفار ڈرتے ہوں گے۔ اس کو ڈرنے دو کفار تو ان سے بھی ڈرتے ہیں تو کیا ان کی وجہ سے ان کی ہند کی جاوے گی۔ ہاں اگر کسی حادثی طیب نے لکھا ہو کھڑیہ کی آواز دہاکے اسباب میں سے ہے تو پیش کیا جاتے ہیں دو طیب مسلمان در حادث ہو۔ کوئی دیوبندی یا کہ وہی طیب نہ ہو وہ بھی باتوں کا اعتبار نہیں۔ ثابت ہو کہ مینت کے آگے بلند آواز سے ذکر بہت بہتر اور باصف برکت ہے۔ مخالفین کے پاس تجز غلط فہمی کے اور کوئی اعتراض قوی نہیں۔ **و لہمذ لہ علی دلک**

خاتمہ کتاب

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب تک جس قدر مسائل میں دیوبندی خلاف کرتے ہیں ان کی تحقیق کر دی گئی۔ لیکن ان مسائل مذکورہ میں بہت سے مسائل وہ ہیں جن پر ایمان کا دار و مدار نہیں صرف کراہت اور استحباب میں ہی اختلاف ہے جن مسائل کی بناء پر حرب و جہم کے علماء نے دیوبندیوں کو کافر کہا وہ ان کے خلاف اسلامی عقائد ہیں۔ ہم مسلمانوں کی واقفیت کے لئے ان عقائد کی فہرست پیش کرتے ہیں اور ہر ایک کے مقابل اسلامی عقیدہ بھی بیان کرتے ہیں۔ اور ہم نے اس فہرست میں ان کا جو عقیدہ بیان کیا ہے وہ ان کی کتابوں میں چھپا ہوا موجود ہے مگر کوئی صاحب غلط ثابت کریں تو وہ عام کے مستحق ہیں بعض صاحبوں کا سراپا تھا کہ ان عقائد بطلہ کی تردید بھی کر دی جاوے مگر اس وقت کا غرض تسلیم نہیں ہوتا۔ لہذا ہم اس شاء اللہ واصل اس کتاب کی دوسری جلد تیار کریں گے جس میں ان عقائد سے ہی بحث ہوگی۔ فی الحال صرف فہرست پیش کرتے ہیں۔

اسلامی عقائد

دیوبندی عقائد

جھوٹ بولنا عیب ہے جیسے کہ چوری یا زنا کرنا وغیرہ اور
 رب تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے **وَمَنْ أَضَلُّ مَنِ**
اللّٰهُ حَدِيثًا (قرآن کریم) نیز خدا کی صفات واجب
 ہیں نہ کہ ممکن لہذا خدا کے لئے سکنا کہنا بے دلی ہے۔

(۱) خدا تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے (مسئلہ مکالمہ کتب) بدایت قلعہ مصنفہ
 مولوی غلیل احمد صاحب مکتبہ جہاد اقل مصنفہ محمود حسن صاحب۔

خدا نے پاک ہر وقت عالم الغیب ہے اس کا علم انکی صفت
 ہے اور واجب ہے جب چاہے جب معلوم کرنے کا
 مطلب یہ ہوا کہ نہ چاہے تو جاہل رہے یہ کفر ہے خدا کے
 صفات خدا کے اختیار میں نہیں وہ واجب ہیں نیز رب نے
 اپنے محبوبوں کو بھی حرم غیبیہ عطا کئے۔ (قرآن کریم)

(۲) اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ جب چاہے غیب دریافت کر لے۔ کسی دنی
 تہی جس فرقتے بھوت کو اللہ نے یہ طاقت نہیں بخشی
 (مکرمہ الامران مصنفہ مولوی غلیل صاحب دہلوی)

خدا نے قدوس جگہ اور زمانہ اور ترکیب و مایوسہ سے پاک
 ہے نہ وہ کسی جگہ میں رہتا ہے نہ اس کی عمر ہے نہ وہ اجزاء
 سے بنا ہے اس کو دیوبندیوں نے بھی پٹری میں کفر لکھ دیا
 (کتب ملکام)

(۳) خدا تعالیٰ کو جگہ اور زمانہ اور مرکب ہونے اور مایوسہ سے پاک ماننا
 بدعت ہے۔ (ایضاح الحق مصنفہ مولوی غلیل صاحب دہلوی)

خدا تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اس کا عمل
 واجب اور قدیم ہے جو ایک آن کے لئے کسی چیز سے اس
 کو بے علم ماننے بدین ہے۔

(۴) خدا تعالیٰ کو بندوں کے کاموں کی پیسے سے خبر نہیں ہوتی۔ جب بندے
 جیسے یا برے کام کر لیتے ہیں جب اس کو معلوم ہوتا ہے۔ ہذا الخیر صنفی
 ۵۷ زیر آیت

(عام کتب عقائد دیوبندی خدا کے علم غیب کے بھی منکر ہیں
 تو اگر حضور علیہ السلام کے علم غیب کا انکار کریں تو کیا تعجب
 ہے۔

اَلَا عَلَی اللّٰہِ رَدِّہَا کُلُّہَا فِی کِتَابِ مُبْنِی
 (مصنفہ مولوی حسین علی صاحب پھر الزامہ شاگرد مولوی رشید احمد صاحب)

خاتم النبیین کے یہی معنی ہیں کہ حضور علیہ السلام آخری نبی
 ہیں حضور علیہ السلام کے زمانہ ظہور یا بعد میں کسی اصلی،
 بروزی، مراقی مذاقی کا نبی بننا محال بالذات ہے۔ اسی
 معنی پر سب مسلمانوں کا اجماع ہے اور یہی معنی حدیث
 نے بیان فرمائے جو اس معنی کا انکار کرے وہ مرتد
 ہے۔ (جیسے تاجانی اور دیوبندی)

(۵) خاتم النبیین کے معنی یہ سمجھا غلط ہے کہ حضور علیہ السلام آخری نبی ہیں
 لیکن یہ معنی ہیں کہ آپ اصلی نبی ہیں باقی عارضی لہذا مگر حضور علیہ السلام کے
 بعد اور بھی نبی آجاویں تو بھی خاتمیت میں فرق نہ آویگا۔
 (تقدیر الناس مصنفہ مولوی محمد قاسم صاحب بقی حدیث و حدیث)

<p>کوئی غیر نبی خواہ ولی ہو یا غوث یا صحابی کسی کس علمی و عملی میں نبی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ غیر صحابی صحابی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ صحابی کا کچھ خیرات کرنا ہمارے صدمہ من سونا خیرات کرنے سے بدرجہا بہتر ہے۔ (حدیث)</p>	<p>(۶) اعمال میں بظاہر مستحق نبی کے برابر ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ بھی جاتے ہیں۔ (تقدیر الہامیہ معتقد مولوی محمد قاسم صاحب دینی مدرسہ دیوبند)</p>
<p>رب تعالیٰ بے مثل خالق ہے اور اس کے محبوب بے مثل بندے وہ رحمتہ عالمین شیخ احمد ربیع <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> ہیں۔ ان اوصاف کی وجہ سے آپ کا مثل محال ہا بذات ہے۔ (دیکھو مال امتاع اطیر معتمد مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی)</p>	<p>(۷) حضور علیہ السلام کا مثل و نظیر ممکن ہے۔ (بکھوری معتقد مولوی اسماعیل صاحب دہلوی مطبوعہ فاروقی صلو ۱۳۳۲)</p>
<p>حضور علیہ السلام کو الفاظ عام سے پکارنا حرام ہے اور اگرچہ فیہ عذارت ہو تو کفر ہے۔ (قرآن کریم) یا رسول اللہ یا حبیب اللہ کہنا ضروری ہے۔ لبست خود پوشکتہ کردم دامن معلوم راکت نبوت پوشکتہ کوئے توشہ ہے دلی اسف</p>	<p>(۸) حضور علیہ السلام کو بھائی کہنا جائز ہے کیونکہ آپ بھی انسان ہیں۔ (برائین قاطعہ مولوی غلیل احمد صاحب نقویہ الامان معتقد مولوی اسماعیل صاحب دہلوی)</p>
<p>جو شخص کسی مخلوق کو حضور علیہ السلام سے زیادہ علم مانے وہ کافر ہے۔ (دیکھو فلاشریف) حضور علیہ السلام تمام مخلوق الہی میں بڑے عالم ہیں۔</p>	<p>(۹) شیطان اور ملک الموت کا علم حضور علیہ السلام سے زیادہ ہے۔ (برائین قاطعہ مولوی غلیل احمد صاحب)</p>
<p>حضور علیہ السلام کے کسی وصف پاک کو دے لے چیزوں سے تشبیہ و تمایز ان کے برابر بتا صریح تو ہیں ہے اور یہ کفر ہے۔</p>	<p>(۱۰) حضور علیہ السلام کا علم سچا، پاکوں، جانوروں کی طرح یا ان کے برابر ہے۔ (حفظ الامان معتقد مولوی اشرف علی صاحب)</p>
<p>رب تعالیٰ نے ساری دنیا میں حضرت آدم علیہ السلام کو تعلیم فرمائی اور حضور علیہ السلام کا علم ان سے کہیں زیادہ ہے تو جو کہے کہ حضور علیہ السلام کو یہ ہاں لکھ دے اس سے آئی وہ سب بدین ہے۔</p>	<p>(۱۱) حضور علیہ السلام کو اردو یا لہناہر رسد یوحہ سے آگیا۔ (برائین قاطعہ مولوی غلیل احمد صاحب)</p>
<p>رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَكُنْ عِنْدَ اللَّهِ وَحِيَّهُ پھر فرماتا ہے الْعَرْشُ لَنَّهُ وَسُورُهُ وَالْمُقَرَّبِينَ نبی کو خدا کے سامنے ذلیل جانے وہ خوارج چارہ ذلیل ہے۔</p>	<p>(۱۲) ہر چھوٹا بڑا مخلوق (بی اور فری) اللہ کی شان کے آگے چھارے بھی ذلیل ہے (نقویہ الامان معتقد مولوی اسماعیل صاحب)</p>
<p>جن نماز میں حضور علیہ السلام کی عظمت کا خیال نہ ہو وہ نماز ہی نامقبول ہے اسی لیے التحیات میں حضور علیہ السلام کو سلام کرتے ہیں۔ وہ بھی کوئی نماز ہے یا نہ ہو نماز ہو۔ (دیکھو بحث حاضرہ حاضر)</p>	<p>(۱۳) نماز میں حضور علیہ السلام کا خیال نہ کرنا اپنے گدھے ورتیل کے خیال میں ڈوب جانے سے بدتر ہے (مراد مستحیر معتمد مولوی غلیل دہلوی)</p>

(۴) میں نے حضور علیہ السلام کو خوب میں دیکھا کہ مجھے آپ ٹہلی صراط پر
سے گئے اور کچھ آگے جا کر دیکھا کہ حضور علیہ السلام گرے جا رہے ہیں تو میں
نے حضور علیہ السلام کو گرنے سے روکا۔
(بند الخیر ان، حضرت مولوی حسین علی صاحب شاگرد مولوی رشید احمد صاحب)

حضور علیہ السلام کے بعض غلام ٹہلی صراط سے نکلی کی طرح
گزر جائیں گے۔ اور ٹہلی صراط پر پھسلنے والے لوگ حضور
علیہ السلام کے مدد سے سنبھل سکیں گے آپ دعا فرمائیں
میں **رَبِّ سَلِّمْ** (حدیث)

جو کہے میں نے حضور علیہ السلام کو صراط پر گرنے سے بچایا
وہ بے ایمان ہے۔

(۵) مولوی اشرف علی صاحب نے بڑھاپے میں ایک کمسن شاگردنی سے
نکاح کیا۔ اس نکاح سے پہلے ان کے کسی نرے نے خواب میں دیکھا کہ
مولوی اشرف علی کے مہر حضور عائشہ صدیقہؓ نے والی ہیں جس کی تعبیر مولوی
اشرف علی صاحب نے یہی کہ کوئی کمسن عورت میرے ہاتھ توے کی کیونکہ
حضور عائشہ صدیقہؓ کا نکاح جب حضور علیہ السلام سے ہو۔ تو آپ کی عمر
سات سال تھی وہ بے نسبت یہاں ہے کہ میں بڑھاپوں اور بڑی لڑکی ہے۔
(رسالہ دار، مولوی اشرف علی صاحب مدظلہ العالی ۱۳۱۲ھ)

حضور علیہ السلام کی ساری بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں
(قرآن کریم) خصوصاً صدیقہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وہ
شان ہے کہ دنیا بھر کی مائیں ان کے قدم پاک پر قربان
ہوں کوئی کمین آدمی بھی ماں کو خواب میں دیکھ کر جو رو سے
تعبیر نہ دے گا۔ یہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سخت
توجہن بلکہ اس جناب کے حق میں صریح گالی ہے اس سے
زیادہ اور کیا ہے ایمانی اور بے غیرتی ہو سکتی ہے کہ ماں کو
جو رو سے تعبیر دی جاوے۔

معاذ دوج بند کا یہ آئینہ نمونہ ہے اگر تمام عقائد بیان کئے جاویں تو اس کے لئے دفتر چاہیے حق یہ ہے کہ رافضیوں اور خارجیوں نے تو صحابہ کرم یا ہل
بیت عقلمانی پر ہتھ کیا۔ مگر دوج بندوں کے کلمے سے نہ حدیثی نہ نبوی۔ رسول علیہ السلام اور نہ ہی کرم کی شان و احوال مطہرات سب کی اہانت کی گئی
اور اگر کوئی شخص کسی شریف آدمی سے کہے کہ میں نے تمہاری والدہ کو خواب میں دیکھا اور اس کو بیوی سے تعبیر کیا تو وہ اس کو بدداشت نہیں کر سکتا ہم
ان کے خدا مال غلام اپنی صدیقہ اس کے لئے یہ ہاتھیں کس طرف بدداشت کریں۔ صرف قلم ہاتھ میں ہے اس سے مسلمانوں کو مطلع کر دیتے ہیں تاکہ
مسلمان ان سے علیحدہ رہیں یا وہ لوگ ان عقائد سے توبہ کریں۔

میرے شاگرد و صاحبزادے بلند اقبال عزیزی مولوی سید محمود شاہ صاحب سلمہ کا سر رقص کہ امکان کدب، امکان نظیر، دوج بندوں کی مہارات کی
توضیحات پر بھی ہم کچھ گفتگو کریں مگر چونکہ اب کاغذ بالکل نہیں ملا۔ اس لیے دوج بندوں کے صرف عقائد پیش کر دیئے در انشاء اللہ اسی کتاب کی
دوسری جلد میں ان مذکورہ مسائل کی معرکہ الآثار تحقیق کریں گے جس سے عقائد دوج بندی مطلق دانی کا بھی انشاء اللہ پتہ چل جائیگا اور مولوی حسین
احمد صاحب و مولوی مرتضیٰ حسن صاحب نے جو کچھ توجہات عبارت کی ہیں ان کی حقیقت بھی معلوم ہو جاوے گی ان شاء اللہ ہم اہل سنت پر الزام
ہے کہ ہم لوگ بے پرست ہیں۔ نبی علیہ السلام کو اور اپنے پیروں کو خدا سے جدا دیتے ہیں۔ لہذا مشرک ہیں ہم دکھاتے ہیں کہ دوج بندی کس وجہ کے بے
پرست ہیں اور یہ معجزات اپنے پیروں کو کیا سمجھتے ہیں۔ مولوی محمود حسن صاحب نے اپنے شیخ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے مرثیہ میں لکھا ہے۔

شعر تمہاری تربت انور کو دیکھو طور سے تشبیہ
کہوں ہوں ہر ہر ادنیٰ مری دیکھی بھی نادانی

مولوی رشید احمد صاحب کی قبر تو طور ہوئی اور مولوی محمود حسن صاحب رتی فرمانے والے موسے ہوئے تو مولوی رشید احمد صاحب رب ہی ہوں گے
اس میں شیخ کو رب بنایا۔ اسی مرثیہ میں فرماتے ہیں۔

شعر نہاں پر الٰہوا کی ہے کیوں انکس غفلت شاید
انہا دنیا سے کوئی باقی اسلام کا ثانی

اس میں مولوی رشید احمد صاحب کو باقی اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ثانی کہا گیا پھر فرماتے ہیں۔

دو تھے صدیق اور فاروقی پھر کیجیے عجب کیا ہے
شہادت نے تجھ میں قدم بوی کی گر خانی
اس میں ان کو صدیق اور فاروقی بھی بنایا۔ پھر فرماتے ہیں

شعر قیوت اسے کہتے ہیں مقبول یہے ہوتے ہیں
عہد سو کا ان کا لقب ہے یوسف ثانی

مولوی رشید احمد صاحب کے کاے بندے ان شاء اللہ جیسے حسین ہیں کہ ان کو یوسف ثانی کا لقب دیا گیا۔ ناظرین غور فرمائیں کہ خدا تا فاروقی کو نہ
درجہ داتی رہا جو کہ رشید احمد صاحب کو نہ دیا گیا۔ تمام مرثیہ ہی قابل دیدہ جاس میں یہ شعر بھی ہے۔

مردوں کو رہا کیا زندوں کو مرنے نہ دیا اس مسیحائی کو دیکھیں ذرا اللہ مریم!

یابساۃ النبی لستی کا حیدرُ النساء اے نبی کی بیوہ یحتم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ مظلوم ہوا کہ ازواج مطہرات سے مثل بیویاں ہیں۔ اے مسلمانو! تم بہترین امت ہو۔ مظلوم ہوا کہ لستہ معطفہ صلی اللہ علیہ وسلم بے مثل امت ہے۔ مدینہ منورہ بے مثل شہر۔ قبر نور کی زمین بے مثل زمین۔ جو پانی سرکار علیہ السلام کی مبارک انگلیوں سے جاری ہوا وہ بے مثل پانی۔ حضور علیہ السلام کا پیسہ مبارک بے مثل پیسہ۔ غرض کہ جس کو اس ذات کریم سے مسرت ہوگئی وہ بے مثل وہ بے نظیر ہے تو یہاں وجہ ہے منسوب الیہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کی یہ ساری بہاریں وہ بے مثل نہ ہوں۔

ڈکٹر قباں نے کیا خوب کہا ہے۔

مرین ایک مست مجھے عزیز	اور نہست حضرت زہرا عزیز
لور چشمہ حمة للعالمین	آں امام ازمین و آخرین
بانوئے آں تاجدار ظل نبی	مرغی مشکل کشا شیر خدا
ہاور آں مرکز پرکار عشق	ہاور آں قافلہ سار عشق!
روحہ آسمان حق رہنمراست	پاس فرمان جناب مصطفیٰ است
ورن کر دوش پیش گردید سے	عبد ہار حاکم اسے پاشید سے

فاطمہ زہرا اس لیے افضل ہیں کہ نبی کی، ولی کی بیوی، شہیدوں کی ماں ہیں رضی اللہ عنہا یہاں لفظ کیا طرز، مستدال ہے، علیہم السلام قدس سرہ نے خوب فرمایا۔

اللہ کی سر تابعد مرشاد ہیں یہ	ان سائنمیں انسان و انسان ہیں یہ
قرآن بتاتا ہے کہ یہاں ہیں یہ	ایمان یہ کہتا ہے مری حاکم ہیں یہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم

قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء

دیوبندیوں کی دریدہ دہائی اور توہین انبیاء نے لوگوں کو بارگاہ انبیاء میں بے ادبی کرنے پر دلیہ کر دیا۔ ہندوستان میں ایک فرقہ دو بھی پیدا ہو گیا۔ جو انبیاء کرام کو معاذ اللہ گہکار بلکہ مشرک کافر بھی کہتا ہے کہ وہ سب حضرات خاش بدین پہلے مشرک و کافر تھے۔ اور گناہ کیا کر کے مرتکب بھی۔ پھر توبہ کر کے یی ہوئے میرے پاس صرف چوب قلم ہے اور کچھ دراق جس سے اس عقائد باطلہ کی تردید کرتا ہوں اور تار کرتا ہوں کہ میری عزت و سہرور ہاں و قلم عقلمت انبیاء کے لئے ڈھان پنے سیدنا حسان سے کیا خوب فرمایا۔

لَنْ يَبَىٰ وَالدَّيْنِ وَ عَرَصِي مُحَمَّدٌ مَّكْمٌ وَ فاء

یہ رسالہ بہت دن ہوئے افلاک میں قطع و رشائع ہوا۔ مسلمانوں کے اصرار پر جہا الحق کے دوسرے ایڈیشن میں بطور طمید درج کرتا ہوں۔ رب تعالیٰ قبول فرما کر نافع خلائق بنائے انکس ایک مقدمہ اور دہاب ہیں۔

مقدمہ گناہ چند طرح کے ہیں۔ شرک، کفر، کبر، پھر مضار و قسم کے بعض وہ جو دانت اور دست طبع پر دست کرتے ہیں، جیسے چوری، کم لونا وغیرہ۔ در بعض ایسے نہیں۔ پھر ان گناہوں میں بھی دونوں میں ہیں محمد اور سوا۔ غیر ایمانے کرام کی بھی دو حالتیں ہیں۔ ایک ظہور نبوت سے پہلے کا وقت۔ دوسرے نبوت کے بعد انبیاء کرام شرک، کفر، بد عقیدگی کی گری اور ایل حرکتوں سے ہر وقت بغض و نفرتی معصوم ہیں کہ وہ حضرات نبوت سے پہلے اور اس کے بعد جدا سوا ایک آس کے لئے بھی بد عقیدہ نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں مدارج و مواہب میں ہے کہ آدم علیہ السلام سے پیدا ہوتے ہی ساقی عرش پر لکھا ہوا پایا۔ لا اِلهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ اس سے آدم علیہ السلام کا پیدا ہونے کی عارف باللہ ہونا بھی ثابت ہوا۔ اور بغیر استاد پڑھا لکھا ہونا بھی کہ پیدا ہوتے ہی لکھی ہوئی تحریر پڑھ لی۔ عیسیٰ علیہ السلام سے پیدا ہوتے ہی فرمایا۔

اِنِّیْ عَبْدُ اللهِ اِلٰہِی الْکُتُبِ وَ حَمِیْسُ بِنَا (پارہ ۱۶ سورہ ۱۰۹ آیت ۳۰) میں اللہ کا بندہ ہوں کہ مجھے اس نے کتاب عطا فرمائی اور نبی بنایا۔

نیز فرمایا۔ وَاَوْصٰی بِالْاٰصِلُوْا فَوْرَ مَرْکُوْۃَ مَا دَعَتْ حٰیۃً وَ مَرَّۃً بِوَالِدِنِیْ (پارہ ۱۶ سورہ ۹ آیت ۳۱)

یعنی مجھے تاحیں حیات نماز کو کوا کا حکم دیا اور میں اپنی والدہ سے سلوک کرتا ہوں۔

اس آیت سے معلوم ہو کہ جناب مسیح بوقت پیدائش ہی حکمت نظری یعنی رب کی ربوبیت پنی نبوت اور عطائے انجیل کو بھی جانتے تھے اور حکمت عملی تہذیب و اخلاق و تدبیر منزل سے بھی باخبر ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پچپن شریف میں ہی پنی کافروں پر توحید کی ایسی قوی حجت قائم فرمائی کہ سوا اللہ آفتاب و چاند تاروں کے ذریعے دریاں کے حارات بدلنے کی تخلیق کی دلیل بنایا کہ تاروں کو دیکھ کر فرمایا ہد رتسی کے کافرو

کیا رب میرے ہو سکتا ہے؟ اور اذاعتاد دیکھ کر فرمایا لا اَحِبُّ اِلٰیْسِ کہ میں اپنے والد کو پسند نہیں کرتا پچپن شریف کی اس ساری گفتگو پاک پر بولے بیٹا اور فارابی کی ساری منطق قرباں۔ اسی کو منطقی لوگ یوں بیان کرتے ہیں۔ العدم مُتَعَبِّرٌ حَادِثٌ لِّهٰذَا الْعِلْمُ حَادِثٌ مَّہر

ہوں کہتے ہیں کہ لعلہ حادث و لاشنی مس بعد حادث بمعنود اس طرر استدلال کو رب نے پسندگی کی سند بخش کر فرمایا

وَتِلْکَ حُجَّتُنَا اٰتِیْۤا ہَا اٰبْرَہِیْمَ عَلٰی قَوْمِہٖ حُضُوْر سیدال عیال علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی جدہ فرما کر امت کی شفاعت فرمائی

(دین و مواہب) معلوم ہوا کہ رب کو اپنے کو اپنے مرتب کو اور اپنے درجات و تیز امت مرحومہ کو حاستے پہچانتے پیدا ہوئے ہیں۔ پچپن میں پچس نے کھیل کی رغبت دی۔ تو انہیں وہ جواب دیا کہ جس پر اسطو و اقل طون کی ساری حکمتیں قربان۔ وہی ایک جواب سانی رنگ کی حاصل مقصد ہے

فرمایا۔ مَا خَلَقْنَا لِهٰذَا اٰہِمَ اِس لئے پیدا نہیں ہوئے رب نے انکی تائید یوں فرمائی کہ وَمَا خَلَقْتُ لِحٰی وَ لَا اُنْسَ اِلَّا بِعِبَادُوْنَ خود لڑاتے ہیں عیال کُنْتُ سِبْۤا وَاَدُوْبِیْسِ الْمَآءِ وَ الطَّیْنِ ہم اس وقت ہی تھے جبکہ آدم علیہ السلام آب و گل میں جلوہ گر تھے۔

تفسیرت احمد یہ میں لا یبائی عہدی الظلمین کی تفسیر فرماتے ہیں۔ نَفَمَ مَعْصُوْمُوْنَ عَنِ لُکْمَرِ قُلِ الْوَحٰی وَ بَعْدَہٗ بِاِحْمَاعِ انبیاء کرام وحی سے پہلے اور وحی کے بعد کفر سے معصوم ہیں۔

اس مختصر گفتگو سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں انکا دامن عصمت گمراہی سے کبھی بھی داغہ نہیں ہو سکتا رہے گناہ ان کی تفصیل یہ ہے کہ انبیاء کرام درود گناہ کبیرہ کرنے سے ہمیشہ معصوم ہیں کہ جان بوجھ کر نہ تو نبوت سے پہلے گناہ کبیرہ کر سکتے ہیں اور اس کے بعد ہاں نیا صادر ہو سکتے ہیں مگر اس پر قائم نہیں رہے۔ بلکہ رب کی طرف سے انہیں حجاب کر دیا جاتا ہے۔ اور وہ اس سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔

گناہ صغائر میں سے دلیل حرکتوں سے ہمیشہ معصوم کہ نبوت سے پہلے اور بعد ان سے کبھی بھی کسی حرکتیں صادر نہیں ہوتیں جو دانات اور سمجھو غدر سے پاؤں پر دست کریں اور وہ صغائر و ایسے نہ ہوں بنیاد سے صادر ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہ تفصیل ان امور میں ہے جن کا تعلق تبلیغ سے نہیں رہے احکام مذہبیہ ال میں کی پیش کرنے یا چھپانے سے، بنیاد ہمیشہ معصوم ہیں کہ یہ حرکت ان سے نہیں تو جاں بوجھ کر صادر ہونہ خطا یہ بھی خیال رہے کہ گناہوں کی یہ تفصیل دیگر اچھے کرم کے لئے ہے کہ ان سے بعض گناہ صغیرہ صادر ہو سکتے ہیں مگر سید الانبیاء حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کے متعلق مت کا اجماع ہے کہ سے کبھی بھی کسی قسم کا گناہ صادر نہیں ہو۔ یعنی ظہور نبوت سے پہلے اور اسکے بعد آپ نے کوئی گناہ صغیرہ یا کبیرہ صادر نہیں کیا۔ چنانچہ تفسیر تاحریر میں آیت لا یسأل عہدی الظلمین کی تفسیر میں ہے لا خلاف لاحد فی ان نبیاً علیہ السلام لم یرسکب صغیرۃ ولا کبیرۃ طرفہ عین قبل الوحی و بعدہ انو حیثہ فی العلقہ الا کسر تفسیر روح البیان "تے ما کنت قدری ما انکنت کی تفسیر میں ہے۔

یذلُّ علیہ لسلام قبل لہ هل عبدت و لا فط ق و لا قبل هل شربت حمراً فقط قال لا لمارلت اعرف انی الدی فہم علیہ کفر"

"یعنی حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ نے کبھی بت پرستی کی تھی؟ فرمایا نہیں کیا آپ نے کبھی شراب استعمال فرمائی؟ فرمایا نہیں ہم تو ہمیشہ سے جاتے تھے کہ اہل عرب کے یہ عقیدے غلط ہیں۔"

پہلا باب

عصمت انبیاء کا ثبوت

عصمت انبیاء قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ جمیع امت و ممالک عقلیہ سے ثابت ہے اس کا انکار وہی کرے گا۔ جس کے پاس وہ دماغ کی آنکھیں نہ ہوں۔

قرآنی آیات -

(۱) رب تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا۔

اِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ "اے مجھ میں میرے خاص بندوں پر تیری دسترس نہیں۔"

(۲) شیطان نے خود بھی اقرار کیا تھا کہ۔

لَا طُوْغَمٰۤا لِّمَنۡ اَخْلَصَ اِلَیَّ وَلَا مَدَدٌ مِّنۡمَّیۡ اَتَّخِذُ "کہا اے مولیٰ میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا سوا میرے خاص بندوں کے۔"

معلوم ہوا کہ انبیاء کرام تک شیطان کی پہنچ نہیں اور وہ انہیں نہ گمراہ کر سکے اور وہ راہ چلا سکے پھر ان سے گناہ کی گمراہی ہوں تعجب ہے کہ شیطان تو انبیاء کو معصوم کرانے کے بہکانے سے اپنی معذوری ظاہر کرے مگر اس زمانہ کے بدین ان حضرات کو مجرم بنائیں۔ یقیناً یہ شیطان سے بدتر ہیں (۳) یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

مَا كَانَ لَنَا اَنْ نَّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ "ہم گمراہ انبیاء نہیں بنے، حق نہیں کہ خدا کے ساتھ شریک کریں۔"

(۴) حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا۔

وَمَا اُرِيۡدُ اَنْ اُحٰدِثْکُمْ اِلٰی مَا اِهٰکُمْ عَنْہُ ۙ اَیُّ شَیْءٍ "سو وہ" بت ۹۹،

"میں نہ کہارا وہ بھی نہیں کرتا کہ جس چیز سے تمہیں منع کروں خود کرے لگوں۔"

معلوم ہوا کہ انبیاء کرام شریک اور گناہ کرنے کا کبھی ارادہ نہیں فرماتے یہی عصمت کی حقیقت ہے۔

(۵) یوسف علیہ السلام نے فرمایا وَمَا اَبْرٰۤیۡ نَفْسِیۡۤ اَنْۢ اِنۡفُسِیۡۤ اِنْۢ اِنۡفُسِیۡ لَا مَارَۃًۢ بِالۡنِّسْوٰۤءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ

"یہاں یہ کہہ کہ میرا نفس برائی کا حکم کرتا ہے بلکہ یہ لڑا کہ عام نعوس انسانوں کو برائی کا حکم کرت ہیں سواں نعوس کے جن پر رب رحم فرمائے اور وہ نفوس اچھا ہیں۔"

معلوم ہوا کہ ان حضرات کے نعوس نہیں فریب دیتے ہی نہیں۔

(۶) رب تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ فِیۡہِۤ اٰیٰتٍ لِّمَنۡ اَعِیۡنَ "وہ حقا و اں عمران عینی العلمیں جس سے معلوم ہو کہ انبیاء کرام

سارے جہان سے افضل ہیں تو انہیں معصوم بھی داخل ہیں۔ ملائکہ کی مفت یہ ہے کہ لا بعضوں اللہ ما مرہم وہ کبھی نافرمانی کرتے ہی نہیں۔ مگر انبیاء گناہ گار ہوں تو ملائکہ ان سے بڑھ جائیں۔

(۷) رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَا یَسُۥۤ اَعٰہِدِیۡ الضَّٰلِمِیۡنَ ہر عہد بیعت ظالمین یعنی فاسقین کو نہ ملے گا معلوم ہوا کہ لائق نبوت جمع

ہو سکتے ہی نہیں۔ قرآن کریم نے انبیاء کرام کے قواں کو نفی فرمایا۔

لَیْسَ بِیۡ صَلَۃٍۭ وَ لٰکِنِّیۡ رَسُوْلٌ مِّنۡ رَّبِّ الْعٰلَمِیۡنَ (پارہ ۸ سورہ ۷ آیت ۹)

"میری قوم! مجھ میں ہاں نہیں لیکن میں رب علمیں کا رسول ہوں۔"

لکئی سے معلوم ہوا کہ گمراہی اور نبوت کا اجتماع نہیں ہو سکتا کیونکہ نبوت نور ہے اور گمراہی تاریکی اور غفلت کا اجتماع ناممکن ہے۔

احادیث

(۱) مشکوٰۃ باب سوم میں ہے کہ ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان رہتا ہے جسے قرآن کہا جاتا ہے۔ مگر میرا قرآن مسلمان ہو گیا لہذا اب وہ مجھے نیک مشورہ ہی دیتا ہے۔

(۲) اسی مشکوٰۃ باب سوم میں ہے کہ ہر بچے کو بوقت وراثت شیطان مارتا ہے مگر عیسیٰ علیہ السلام کو بچہ آنش میں چھو بھی نہ سکا معلوم ہوا کہ یہ دو نفیر شیطانی دوسرے محفوظ ہیں۔

(۳) مشکوٰۃ کتاب غسل سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام کو خوب سے احتراز نہیں ہوتا کہ انہیں شیطانی اثر ہے بلکہ ان کی بیبیوں بھی احتلام سے پاک ہیں۔

(۴) انبیائے کرام کی جمائی نہیں آتی کیونکہ یہ بھی شیطانی اثر ہے اسی لئے اس وقت احباب پڑھتے ہیں۔

(۵) مشکوٰۃ شریف علامات نبوت میں ہے کہ حضور علیہ السلام کا سینہ مبارک چاک کر کے اس میں سے ایک پارہ گوشت نکال دیا گیا اور کہا گیا کہ یہ شیطانی حصہ ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا نفس قدس یہ شیطانی اثر سے پاک ہے اور پھر اسے وہ زحرم سے دھویا گیا۔

(۶) مشکوٰۃ شریف باب مناقب عمر میں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جس راستہ سے گزرتے ہیں وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ معلوم ہو جن پر بغیر کی نظر کرم ہو جائے وہ بھی شیطان سے محفوظ رہتے ہیں پھر خود ان حضرات کا یہ پوچھنا۔

اقوال علمد امت ہمیشہ سے مت مصطفیٰ ﷺ کا عصمت انبیاء پر اجماع رہا سو افرق طعون حشو یہ کے کوئی اس کا منکر نہ ہوا چنانچہ شرح عقائد سنی شرح فیقہ کبر التفسیرات احمد یہ تفسیر روح البیون مدارج النبوة مواہب لدینہ شفا شریف نسیم الریاض وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔

تفسیر روح البیون ایت ما کنت تلذی ما الکتب الالہ کی تفسیر میں ہے **لَنْ هَلْ الْوُضُوءُ حَتَّمُوا عَنِ الْوَسْطِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ كَانُوا مَعْنُومِينَ قَبْلَ لَوْحِي مَعْصُومِينَ مِنَ الْكِبَانِ وَمِنَ الصَّغِيرِ الْمَوْجِبَةِ لَعْنَهُ النَّاسُ عَنْهُمْ قَبْلَ الْعَنْتِ وَبَعْدُ فَصَلَا عَنِ الْكُفْرِ**

یعنی اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء کرام وحی سے پہلے مومن تھے اور گناہ کبیرہ جہاں عفار سے جو نفل کا باعث ہوں نبوت سے پہلے معصوم تھے اور بعد بھی چہ جائیکہ کفر۔

تفسیرات احمد یہ میں ہے۔

انہم معصومون عن الکفر قبل الوحی و بعدہ لا حجاج و کذا عن تعمد الکبائر عند المحمّد "نبیہ کرام کفر سے قبل اور بعدہ ہاں اتفاق معصوم ہیں جیسے نبی عام علاوہ کے ردک دیدہ و دانستہ گناہ کبیرہ کرنے سے بھی معصوم ہیں۔" غرض کہ امت مرحومہ کا اجماع انبیائے کرام کی عصمت پر ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے اسکے لئے زیادہ ہجرتیں نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

عقلی دلائل عقل بھی چاہتی ہے کہ نبیائے کرام کفر و فسق سے ہمیشہ معصوم ہوں چند وجوہ سے۔

(۱) کفر یا تو عقائد کی بے خبری سے ہوتا ہے یا نفس کی سرکشی سے وحشی کیا ہوئے اور ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ نبیاء کرام عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں نیز ان کے ہوس پاک ہیں اور وہ شیطانی اثر سے محفوظ ہیں۔ جب یہ تینوں وجوہ نہیں تو اب اس سے کفر و فسق کی فکر سرزد ہو۔

(۲) فسق بھی نفس امارہ یا شیطان کے اثر سے ہے اور وہ حضرات ان دونوں سے محفوظ ہیں۔

(۳) فاسق کی مخالفت ضروری ہے اور نبی کی طاعت فرض کہ بہر حال کی فرمانبرداری کی جائے گرنہ بھی فاسق ہوں تو ان کی طاعت بھی ضروری ہو اور مخالفت بھی اور یہ بتایا خدا تعالیٰ نے ہے۔

(۴) فاسق کی بات بد تحقیق نہ مانی چاہیے رب تعالیٰ فرماتا ہے **اِنْ حَمَاءُكُمْ فَسَقٌ فَاسْتَسُوا** اور نبی کی ہر بات مانتی فرض ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **مَا كَانَ لِمَنْ هُوَ مِنْ وَلَا فُسُوْهُ اِنْ اَفْصٰی وَرَسُوْلُهُ** مرا ان بگوں **لَهُمُ الْحِیْرَةُ** اگر نبی بھی فاسق ہو تو اس بات بد تحقیق نہ مانا بھی ضروری اور نہ مانا بھی۔ اور یہ بتایا خدا تعالیٰ نے ہے۔

(۵) گنہگار سے شیطان راضی ہے اسی لئے وہ حرب لطایف میں داخل ہے اور نیک کار سے رحاں خوش اسی لئے وہ حزب قدس ہے اگر بغیر ایک آن کے لئے بھی گنہگار ہوں تو محاذ اللہ وہ شیطانی کردہ میں سے ہوں گیا اور یہ ممکن ہے۔

(۶) فاسق سے متقی افضل رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اِنَّ سَعْدًا لِّمَنْ تَقٰی** اگر نبی کسی وقت گناہ کریں اور اس وقت اس کا متقی نکلی کر رہا ہو تو رزم آید کہ متقی اس گھڑی نبی سے افضل ہو اور یہ باطل ہے کہ کوئی متقی ایک آن کے لئے بھی نبی کے برابر نہیں ہو سکتا۔

(۷) بدعتیہ کی تعظیم حرام ہے حدیث میں ہے۔

مس وقرصا صاحب بدعتیہ فقہ اعان علی حدیث اسلام "جس نے بدعتیہ کی تعظیم کی اس نے سلام ڈھانے پر مدد دی۔"

اور نبی کی تعظیم واجب۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَتَعَزَّوْهُ وَتُقْرُوْهُ** مری یک آن کے لئے بدیں ہوں تو ان کی تعظیم واجب بھی ہو اور حرام بھی۔

(۸) گنہگاروں کی بخشش حضور کے وسیع ہے رب فرماتا ہے **وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذَا ظَنَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ أَلَيْسَ اسْمُكَ فِي سَمَاءٍ مِّنَ الْأَشْيَاءِ الَّتِي يُدْعَىٰ بِهَا الْحَمْدُ** اگر انہیں بدہن آپ کا دامن عفت گناہوں سے آلودہ ہوتا بتاؤ پھر آپ کا وسیلہ کون ہوگا؟ در کس کے ذریعے آپ کی معافی ہوگی۔ جو سب گنہگاروں کا وسیلہ مغفرت ہو ضروری ہے کہ وہ جرموں سے پاک ہو مگر وہ بھی گنہگار ہوتے پھر ترجیح بد مخرج کا سوال پیدا ہوگا درود ریا حسلہ زہم ہوگا۔

(۹) قیمتی چیز قیمتی برتن میں رکھی جاتی ہو تو کی کا۔ بھی قیمتی ہوتا ہے سنہری روپرات کا بکس بھی قیمتی اور ادھ کارتن بھی ہر گندگی و ترشی سے محفوظ رکھا جاتا ہے تاکہ اور ادھ خراب نہ ہو جائے۔ خالص قدرت میں نبوت جی سی تو کئی درجے بہانعت ہے تو چاہئے کہ اس کا طرف یعنی انبیاء کے دل کفر و لیس اور ہر قسم کی گندگی سے پاک و صاف ہوں اسی لئے رب نے فرمایا **لَا يَجْعَلُ اللَّهُ سَبِيلَ قَوْمٍ فِي سَبِيلِ قَوْمٍ آخَرِينَ** جس کے راستے کے لائق ہیں۔

(۱۰) طاسق و طاجر کی جہر بغیر کو ای قابل علماء نہیں۔ اگر نبیاء کو بھی طاسق ہوتے تو انہیں پتی ہر جہر پر گواہی بخش کرنا ہوتی حالانکہ ان کا ہر قول صدقہ گو بہوں سے بڑھ کر ہے۔ حضرت ابوہریرہ انصاری نے اونٹ کے حلق یہی تو کہا تھا کہ یا حبیب اللہ اونٹ کی تجارت حسد و دروغ حشر و نشر سے بڑھ کر نہیں۔ جب ہم آپ سے سن کر ن پر ایمان لے آئے تو اس زبان سے سن کر یہ کیوں نہ ماں میں کہ واقعی آپ سے دھت یا ہے۔ جس کے حام میں حضور نے ان ایک کی گواہی دو کے برہ کر دی۔

دوسرا باب

عصیت انبیاء پر اعتراضات و جوابات

آئندہ اعتراضات کے تفصیلی جوابات سے پہلے بطور مقدمہ بحالی جواب عرض کئے دیتا ہوں جس سے بہت سے اعتراضات خود بخود اٹھ جائیں گے۔ وہ یہ کہ عصمت انبیاء قطعی و اجمالی مسئلہ ہے اور احادیث جن سے تغیروں کا گناہ ثابت ہے اگر متواتر اور قطعی ہیں بلکہ مشہور احادیث ہیں وہ قبول نہیں۔ راوی کو جھوٹا ماننا۔ تغیر کو گناہ گار ماننے سے آسان ہے اور وہ قرآنی آیات اور متواتر روایات جن سے اس حضرت کا جھوٹ یا کوئی گناہ ثابت ہوتا ہو سب واجب التاویل ہیں۔ کہاں کے خدا بری معنی مراد ہوں گے یا کہا جائیگا کہ یہ اوقات عطائے ہوتے سے پہلے کے تھے۔ تفسیرات احمد یہ آیت لا یسأل عہدی الظلمیں کی تفسیر میں ہے و اذا نقررت ہدا فدا یفل عن لاسباء معا یشغر بکذب و عصیتہ فما کن مسقولا بطریق التواتر فمصرف عن ظاہرہ ان ان امکن ال فمحتمل عسی ترکب الاولی او کونہ قل النعنب بلکہ راجع الیہ و شریف جہادوں باب چہرہ میں تو فرمایا کہ اس قسم کی آتشیں تشابہات کی مثل ہیں۔ جن میں خاموشی، روم دیکھو رب تعالیٰ کا قدس معنی عظیم قادر مطلق بلکہ تمام صفات کا یہ سے موصوف ہونا قطعی جہاں ہے مگر بعض آتشیں خدا بری معنی کے لحاظ سے اس کے بالکل خلاف ہیں رب فرماتا ہے رب فرماتا ہے یبعد غول اللہ و فو حاد غیہم وہ رب کو دھوکا دیتے ہیں رب انہیں اور فرماتا ہے مکروا و مکر اللہ انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے اور فرماتا ہے فبما تو لوالفہ و حہ اللہ جہر تم منہ کروا دھری رب کا منہ ہے فرماتا ہے یذ اللہ فوق ایدہم ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے فرماتا ہے ثم مستوی عسی العرش پھر اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہو گیا۔ رب تعالیٰ چہرہ، ہاتھ، برابری کرا اور دھوکہ سے پا کا مسزہ ہے اور ان آتھوں میں بقا پر یہی ثابت ہو رہا لہذا واجب ہے کہ ان میں تاویل کی جائے بلکہ ان کے حقیقی معنی خدا کے سپرد کئے جائیں جو کوئی اس آتھوں کی وجہ سے رب کو عیب دار مانے وہ بے ایمان ہے یہی جو کوئی بعض آتھوں کے خدا بری معنی کر کے انہیں کرام کو قاسق یا مشرک جانے وہ بدینہ ہے یہ ایک جواب ہی انتہا اللہ تمام اعتراضات کی جزا کاٹ دے گا مگر پھر بھی ہم کچھ تفصیلی جواب عرض کئے دیتے ہیں۔

اعتراض ۱ انہیں نے بھی مجھوت کر کے خدا کی نافرمانی کی اور آدم علیہ السلام سے بھی گندہ کھا کر یہ یہ جرم کیا۔ دونوں کو سزا بھی یکساں دی گئی کہ اسے فرشتوں کی جماعت میں اور نہیں جنت سے خارج کر دیا گیا جرم دوسرے میں دونوں برابر ہوئے بعد میں آدم علیہ السلام سے توبہ کر کے معافی حاصل کرنی۔ طیس نے یہ کیا مظلوم ہو کہ آپ معصوم تھے۔ (اللہ شہید ہو گا پھر)

جواب بطلان مجھوت کرنے میں مجرم بھی تھا اور سزا بے بھی ہوا۔ آدم علیہ السلام گندہ کھانے میں۔ گنہگار تھے اور۔ انہیں کوئی سزا دی گئی کیونکہ شیطان نے دیدہ دانستہ مجھوت سے انکار ہی نہ کیا بلکہ حکم رب کو غلط سمجھ کر اس کے باعقائل گفتگو کر نیکی بہت کی کہ پور حیفی من نار حیفہ من طیس جس کی سزا میں فرمایا گیا کہ ف حوز مہا دنک و حیمہ وان علیک لعسی لی یوم الذین کو پادہ میں اس کے لئے گارے پانی کی طرح سزا کی جہد تجویز کی گئی کہ وہ قیامت تک یہاں ذلیل و خوار و لا حول کے کوزے کھاتا پھر۔ آدم علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم نے ہر پارہ عدل فرمایا کہ وہ بھول گئے انہوں نے گناہ کا رادہ بھی نہ کیا مسی و سم بعد لہ عروا کہیں فرمایا فاسار لہما الشیطان کہیں فرمایا فوسوس لہما الشیطان غرض کہ اس واقعہ کا ذمہ تو شیطان کو دینا اور ان کے متعلق فرمایا کہ دھوکہ کھا گئے تھے۔ خدا ہو گئی دھوکہ یہ ہوا کہ ان سے رب نے فرمایا تھا کہ تم اس درخت کے قریب نہ جانا۔ شیطان نے کہا کہا آپ کو کھانے کی ممانعت نہیں۔ وہاں جائے سے روکا گیا ہے۔ آپ وہاں نہ جائے میں۔ دیتا ہوں آپ کھائیں اور جھوٹی قسم کھا گیا کہ یہ پھل فائدہ مند ہے اور میں آپ کا حیر خواہ ہوں آپ کچھ کہ کوئی بھی رب کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا یا اگر با محنت تزیینی کچھ اس کی پوری تحقیق ہماری تفسیر کے پہلے پارہ میں اسی آیت کے ماتحت دیکھو۔ یہ تو عملوں میں فرق ہوا۔ اب رہا میں پرانا رب تعالیٰ یا نہیں زمین کی خداقت کے لئے پیدا کیا تھا کہ فرمایا انسی حاعل فی الارض خبیثہ جنت میں تو کچھ دور اس لئے رکھا گیا تھا کہ وہاں کے مکانات اور باغات وغیرہ کچھ کر سی طرح زمین کو آباد کریں گویا وہ جگہ کی ٹریڈنگ کی تھی کہ ٹریڈنگ سکول میں ہمیشہ نہیں رکھا جاتا۔ اس کوڑا تر اس لئے بھیجا گیا کہ تم معرفتوں نے سوائے گریہ و زاری ساری عبادتیں کی تھیں و رسول علی تو وہ چیز ہے جس کی وجہ سے انسان مددگار سے افضل ہوا حنت کا ہا مستحاور حقیقت اپنے عشق میں رہا تھا۔ حسانت الابرہ رینات المقرین۔

دروہی کے دوسرے پیر کیا انسان کو در نہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کر دیں

سے خیال یا رکھا کرنا تھا اور کیا کر دیا تو تو پر دوسرے رہا اور مجھ کو رسوا کر دیا

پیر اور وہ کچھ جو نہ تھے عشق سے واقف ہو۔ رب نے شیطان سے کہا تھا: اخرج منها اور یہاں فرمایا گیا **هبطوا منها جميعاً** جس میں بتایا کہ تم کچھ عرصہ کے لئے زمین میں بھیجے جا رہے ہو۔ پھر اپنی کردار اور دے کے ساتھ واپس نہیں آؤ گے۔ جی دوجا رہے ہو در کرداروں کو ساتھ لے آؤ گے۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے ہم کو حوت سے نہ نکالا۔ بلکہ ہم نے نہیں وہاں سے علیحدہ کیا کیوں کہ ان کی پشت شریف میں کفار فساد کی سب سے ہی کی رو میں تھیں جو کہ جنت کے قابل نہ تھے علم ہوا کہ اے آدم نیچے جا کر اس خٹا کو چھوڑ آؤ۔ پھر آپ کی جگہ یہی ہے (مرقاۃ باب الایمان بالقدر وروح البیان آیت **فَارْتَفَعَا الشَّجَرُ**) (۲) شیطان کا زمین پر آنا پردیس میں آنا ہے مگر آدم علیہ السلام کا یہاں آنا پردیس میں آنا نہیں کیونکہ آدم جسم اور روح کے مجموعہ کا نام ہے اور اس کا جسم چونکہ زمین پر درمی سے بنا ہوا زمین کا وطن جسم ہونے اور عالم روح گویا وطن روح وطن روح سے وطن جسم کی طرف آئے جو سر کر حنت میں گیا۔ وہ پردیس میں نہیں بلکہ وطن جسم سے وطن روح میں گیا۔ مگر شیطان کی پیدائش آگ سے ہے ہذا زمین اس کے لئے پردیس ہو۔ (۳) اگر آدم علیہ السلام کا زمین پر آنا عذاب ہوتا تو یہاں انہیں خلیفہ نہ بنایا جاتا۔ ان کے سر پر تاج نبوت نہ رکھا جاتا۔ کی واد میں نبیہ واد میں، خصوصاً سید الانبیاء علیہ السلام پر فرمائے جاتے حرم کو معافی دیکر قید سے نکالتے ہیں۔ شادی گل میں کر پھر اس پر انعام کی ہارش کرتے ہیں نہ کہ جیل خانہ میں ہی رکھ کر حقیقت یہ ہے کہ بدوں کی ظاہری خطا جھوٹوں کے لئے عطا ہوتی ہے دنیا اور یہاں کی ساری نعمتیں اس خطائے اولیٰ کا ہی صدقہ ہی عطا کیے گئے کہ آدم علیہ السلام کے لئے نہ گندم عطا قرار دیا گیا۔ اور اس کی اولاد کے لئے وہ ہی غذا خرچ ہوئی۔

اعتراض ۹ حضرت آدم وحوہ اپنے ایک بیٹے کا نام عید فارث رکھا۔ حادثہ شیطان کا نام ہے اس کو قرآن کریم نے فرمایا **فَسَمَّا اَنَا هَمَّ صَاحِبًا جَعَلَا لَهْ شَرِكًا** جس سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کا یہ کام بھی شرک تھا۔ ثابت ہوا کہ مخیر شرک بھی کر پیتے ہیں۔ حاکم کی روایت میں ہے کہ اس آیت میں حضرت آدم وحوہ امرا ہیں

جواب آدم علیہ السلام اس قسم کے صیب سے پاک ہیں معترض نے اس آیت میں دھوکا دیا ہے۔ بہت سے سرین فرماتے ہیں کہ **جَعَلَا** کا قائل نفسی اور اس کی بیوی ہے کیونکہ **حَفِظَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَحِدَةٍ وَجَعَلْ مَسَارِجَ وَحِجَا** کے معنی یہ ہیں کہ بے قریش رب نے جنہیں ایک جاں یعنی نفسی سے پیدا فرمایا۔ اور سکا نام عید فارث رکھ دیا (تفسیر خازن العرفان وغیرہ) اس صورت میں کوئی اعتراض ہی نہیں اور بعض نے فرمایا **جَعَلَا** میں مصنف پوشیدہ ہے اور اس کا قائل اولاد آدم وحوہ میں یعنی آدم وحوہ کی بعض اولاد نے شرک شروع کر دیا اور دیکھو روح البیان (دارک ویرہ) اسی لئے آئے جمع کا صیغہ ارشاد ہو۔ **فَنَهَايَ اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ** اگر یہ فعل حضرت آدم وحوہ کا ہوتا تو بشر کاں تشبیہ کا صیغہ ارشاد ہوتا۔ نیز ایک معمولی سی خطا بھی گندم کھا پینے پر عتاب ہو گیا تھا تو چاہیے تھا کہ شرک کرنے پر بڑا سخت عذاب ہوتا لیکن بالکل نہ ہوا۔ حاکم کی یہ روایت بالکل مستہزئیں کیونکہ وہ خیر واحد ہے اور صحت و غیر جتنی قطعی

اعتراض ۳ رب تعالیٰ فرماتا ہے **فَعَصَىٰ اٰدَمُ رَبَّهٖ فَغَوٰی** آدم علیہ السلام نے رب کی نافرمانی کی اس گمراہ ہو گئے اس سے آدم علیہ السلام کا گناہ اور گمراہی و غور معلوم ہوئے۔

جواب یہاں ہمارا خطا کو عصیاں فرمایا گیا اور غوی کے معنی گمراہی نہیں بلکہ مقصود نہ پانا میں یعنی حیات دائمی کے لئے گندم کھا یا تا وہ اس کو حاصل نہ ہوئی۔ بلکہ گندم سے بھائے نفع کے نقصان ہو یعنی بچے مقصود کی طرف راہ نہ پائی۔ دیکھو روح البیان یہی آیت۔ جب رب نے اس کے بھوں جانیکا بار بار عدل فرمایا تو عصی سے گناہ ثابت کرنا کلام اللہ میں پیدا کرنا ہے۔

اعتراض ۴ ابراہیم علیہ السلام نے چاند سورج بلکہ تاروں کو اپنا خدا مانا کہ فرمایا **هٰذَا رَبِّي** اور یہ مصرعی شرک سے معلوم ہو کہ آپ نے پہلے شرک کیا پھر توبہ کی۔

جواب اس کا جواب مقدم میں گمراہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے بطریق سوال فرمایا کہ کیا یہ میرا رب ہے پھر خود ہی اس کا جواب مع دلیل بھی رشاد کیا کہ **لَا اَحِبُّ الْاٰفِلٰیۓۓ** کیونکہ اس سے پہلے رشاد ہوا **وَكَذٰلِكَ سَبَّیْ اِبْرٰهٖمَ مَلَکُوۓۓ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَلِکُوۓۓ الْمَوْفِیۓۓ** پھر تار سے دیکھتے کا واقعہ بیان ہوا اور بعد میں فرمایا **وَتَسٰکُ حُفٰتُنَا اَنْفِہَاۓۓ اِبْرٰهٖمَ**

عسی قومہ اس ترتیب سے معلوم ہوا کہ ملکوت عام دیکھنے کے بعد ماریوں کا واقعہ ہو اور رب نے اس کام کی تعریف فرمائی۔ اگر یہ بات شرک تھی تو تعریف فرمانا کیا؟ پھر تو سخت عتاب ہونا چاہیے۔

اعتراض 5 ابراہیم علیہ السلام نے تین بار جھوٹ بولا کہ آپ ہمدست تھے مگر قوم سے فرمایا **اُنسی سفیم** (قرآن) میں پیاروں خود بتوں کو توڑ مگر قوم کے پوچھنے پر فرمایا **سل فعلہ کبرہم ہدا** اس بڑے بت سے یہ کام کیا پئی بیوی سارہ کو فرمایا **ہدہ احسی** یہ میری بہن ہیں اور یقیناً جھوٹ بولنا گناہ ہے معلوم ہو کہ آپ معصوم نہیں۔

جواب اس کے چند جواب ہیں یکہ یہ کہ بحالت مجبوری جبکہ جان کا خطرہ ہو تو جھوٹ گناہ نہیں حتیٰ کہ ایسی مجبوری میں جس سے کفر بھی نکلا دینے کی جائز ہے **الاکرہ و قلبہ فطمین بالایمان** جن موقعوں پر آپ نے یہ کلام فرمائے وہاں یہ تو خطرہ جان تھا یہ خطرہ عصمت تھا وہ عالم بادشاہ آپ سے حضرت سارہ کو جبراً چھیننا چاہتا تھا اور دوسرے موقعوں پر آپ کو خطرہ جاں تھا سنئے یہ فرمایا۔

(روح البیاء) آیت **فعلہ کبرہم** لہذا یہ فعل گناہ نہ ہوا دوسرے یہ کہ ان میں سے کوئی کلام جھوٹ نہیں بلکہ انہیں جدید معنی مراد لئے گئے ہیں جسے تو یہ کہتے ہیں تو یہ ضرور ناجائز ہے نبی کریم ﷺ نے ایک بڑھیا سے فرمایا کہ کوئی بڑھیا حنت میں۔ جاہلی دیکھو ایک شخص نے اونٹ مانگا تو فرمایا کہ تجھے اونٹنی کا بچہ اونٹ کا ایک سہیلی کو سکھوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اسی غلام کو کون خریدتا ہے؟ وغیرہ (مشکوٰۃ باب الوان) حضرت سارہ کو بہن فرمانے سے دینی بہن مراد تھی نہ کہ نسبی۔ جیسے کہ داؤد علیہ السلام پاس دہن شے بھل گئے مادی علیہ حاضر ہوئے در عرض کیا کہ **ہدا احسی لہ نسع** **و نسفون معنتہ** یہ میرا بھائی ہے جس کے پاس ۹۹ بکریاں ہیں یہاں بھائی اور بکریوں کے بھاری معنی مراد ہیں ایسے ہی آپ کا یہ فرمانا کہ **اُنسی سفیم** سکے معنی ہیں میں چار ہونے والا ہوں نہ کہئی اٹھاں چار مجھے **انک منب** **و نہم مینوں یا سفیم** سے دلی پیاری یعنی ناراضی درخ نما ہو ہے یعنی میرا دل تم سے ناراض ہے اسی طرح **سل فعلہ کبرہم** میں کبر سے اللہ تعالیٰ مراد ہے اور **ہدا** سے اسی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ کفار رب تعالیٰ کو بڑھیا اور بتوں کو چھوٹی معبود سمجھتے تھے یعنی یہ کام اس رب کا ہے جسے تم سب سے بڑھیا اور بتوں کو چھوٹے معبود سمجھتے تھے یعنی یہ کام اس رب کا ہے جسے تم سب سے بڑھیا سمجھتے ہو یہی کام رب کا کام ہے وہ کہے کہ اس بڑے سے بڑا بت مراد ہے یہ **فعلہ** شک کے طریقہ پر فرمایا یعنی بڑے بت نے کیا ہوگا اور شک انشاء ہے جس میں جھوٹ کی کھانا نہیں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ رب نے یہ واقعات بیان فرماتے ہوئے برہیم علیہ السلام پر کوئی عتاب نہ فرمایا بلکہ نہیں پسندیدگی کی سند ملتا فرمائی۔ چنانچہ بت شکنی کے بیان سے پہلے فرمایا **ولقد انبیا ابراہیم زشدہ** یہ معلوم ہوا کہ آپ کا یہ فعل رشد و ہدایت تھا اور ظاہر ہے کہ جھوٹ رشد نہیں۔ بیماری کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے رشد فرمایا **اد حاء ربہ بقلب سلیم ادا** (الایہ) جس سے معلوم ہوا کہ یہ کلام سلامت طبیعت پر دلالت کرتا ہے اور جھوٹ بیماری ہے نہ کہ سلامتی۔

اعتراض 6 داؤد علیہ السلام نے پرانی عورت یعنی اریہ کی بیوی کو نظربہ سے دیکھا جس کا داؤد سورہ ص میں ہے اور فعل یتیمنا جرم ہے۔

جواب متور نہیں نے داؤد علیہ السلام کے قصہ میں کچھ زیادتی کر دی ہے اور جو کچھ حادثات احادیث میں ہے وہ بھی نامقبول۔ اسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عدل فرمایا تھا کہ جو کوئی داؤد علیہ السلام کا قصہ کہے کہ انہوں کی طرح بیان کریگا میں اسے ایک سو ساٹھ کوڑے لگاؤں گا یہی تہمت کی سر۔ ۸ کوڑے ہیں اور سکود گئے لگیں گے (روح البیاء) سورہ قصہ داؤد واقعہ صرف یہ تھا کہ ایک شخص اریہ نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ داؤد علیہ السلام نے بھی اسے پیغام پر پیغام دے دیا۔ اس نے آپ کے ساتھ نکاح کر لیا۔ اور یہ شخص نکاح نہ کر سکا چنانچہ۔

تفسیرات احمدیہ آیت **لا یسال عہدی الظالمین** کی تفسیر میں ہے **وعس دانود بکوبہ اقداماً عسی** **المشروع وهو مکح المطوبہ لا نصرہ مکنونہ** مگر چونکہ اس کا نزکام سے بھی نبوت کی شان بلند و بالا ہے اسلئے رب تعالیٰ نے ان کے احقر مکتوب یاد فرماتے ہوئے دہشتوں کو یک فرضی مقدمے کر بھیجا اور انہوں نے اپنی طرف مست کر کے آپ سے فیصلہ کر کر اشارت سمجھا دیا۔ یہاں لہذا کیا شان ہے اور انبیاء کا رب تعالیٰ کے ہاں کتنا احترام ہے کہ نہایت محدود طریقہ سے انہیں معاملہ سمجھا دیا گیا۔ رب تو اُس کی عظمت فرمائے وہ یہ بعد دین ال حضرات پر نظربہ کا تہم لگائیں خدا کی پناہ۔

اعتراض ۷ یوسف علیہ السلام نے عزیز کی بیوی ریحانہ سے گناہ کا ارادہ کیا جسے سب فرما رہا ہے **وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا**
رَبُّهَا **رَبُّهُ** یعنی ریحانہ نے یوسف علیہ السلام کا اور انہوں نے ریحانہ کا ارادہ کر لیا مگر اپنے رب کی برحمان شدہ دیکھتے تو نہ معلوم کیا ہو جاتا۔ دیکھو
کتنا بڑا گناہ تھا جو یوسف علیہ السلام سے صادر ہو؟

جواب یوسف علیہ السلام ارادہ گناہ تو کیا اس خیال سے بھی محفوظ رہے جو کہے کہ انہوں نے اس کا ارادہ کر لیا تھا وہ کافر ہے روح ابلیس میں اسی آیت کی تفسیر میں ہے **فَمَنْ تَبَّ إِلَى الْآتِيَاءِ ، يَقُولُ حَسْبِيَ مَا عَرِمَ عَلَى الرِّبَاءِ ، وَنَحْوُهُ الَّذِي يَقُولُهُ الْحَشَوْنَةُ كَفَرٌ لَا تَهْ شَتَمَ لَهُمْ كَقِي الْفُسْتَهْ** رہا تمہارے اعتراض اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ **وَلَقَدْ هَمَمْتُ** بہ پرواہ کر دو اور **هَمُّ** بھیا سے عین صدمہ آیت شروع ہو۔ معنی یہ ہوئے کہ چٹک زبیا نے یوسف علیہ السلام کا قصد کر لیا درود بھی قصد کر لیتے مگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھتے اب کوئی اعتراض۔ رہا یہ معنی **عَلَّاهُ وَعَقْدُ** ہر طرح صحیح ہیں غارت نے فرمایا کہ اصل عبارت یہ ہے۔ **وَلَوْ لَا اِنْ رَأَىٰ بَرَّهَانًا رَبَّهُ لَهَمَّ بَهَا عَادُكَ شَرِيكَ** میں ہے کہ **وَمَنْ حَقَّ الْقَارِي اذ اَقْدَرُ خُرُوجُهُ مِنْ خُكْمِهِ** ، **بِقِسْمٍ وَحَدِّهِ كَلَامًا** براہِ ان **بَقِطْ عَلَيَّ** نہ **وَسَدَىٰ** بھولہ **وَهَمَّ** بھیا کاری کو چاہئے کہ یہ پرواہ کرے درود بھی بھیا سے آیت شریح کرے اور یہی بات قرین قرین بھی ہے کیونکہ قرآن کریم میں اس مقام پر زبیا کی تویاریاں فرمائی **وَعَنُقْتُ** لا **وَاب** **وَقَالَتْ** **هَبْتَ** **لَكَ** کہ س نے آپ کو ہر طرح راعب کرنے کی کوشش بھی کی و بدیا بھی دروازہ بھی بند کر لیا۔ مگر یوسف علیہ السلام کی بیزاری نظرت و صحت کا ہی ذکر فرمایا۔

قُلْ مَعَادُ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنُ مَثْوًى إِنَّهُ لَا يَصْنَعُ الْغُلُومَ
 ”خدا کی پناہ وہ میرا بہتر ہے اس کے مجھ پر احسانات ہیں ایسی حرمتِ قلم ہے اور ظالم کا مہیا نہیں۔“
 اور پھر فرمایا: كَذَلِكَ نُنْصِرُ عِبَادَنا مِنْكُمْ وَاْلأَعْمٰىءَ فَخُذُوا زِينَتَكُمْ مِمَّا فِى بُيُوتِكُمْ لَا تَأْكُلُوا رِزْقَكُمْ ذٰلِكَ يُغْنٰى عَنْكُمْ كُلَّ شَيْءٍ ذٰلِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ عٰبِدِىْنَ
 ”یہ بھی ان کو محفوظ رکھا۔ اور کار دلچاہے بھی یہی کہا کہ

الان حصص بحق سر او دنہ عن بصرہ و انه لمن صدقین " کہ میں نے ہی انہیں رفعت دی ہے کی کوشش کی تھی۔ " وہ تو سچے ہیں بلکہ شیر خوار بچے سے بھی ان کی پاکدہی اور ریحہ کی خطا کاری کی گواہی دوا دی کہ وہ محمد ہا حد ان اصحاب عزیز مصر نے بھی یہ ہی کہا یوسف اعبر ص عن حد و ستعصری لندک امک نکت من الحطین اے زینا تم اپنے گناہ اس تو بہ کرو تم ہی خطا کار ہو دیکھو شیر خوار بچے عزیز مصر خود دیکھا بلکہ خود رب تعالیٰ نے اس کے بے گناہ ہونے پر گواہیاں دیں۔ مگر ریحہ کی طرح وہ بھی ارادہ گناہ کریتے تو آپ بھی حزم ہوتے اور یہ گواہیاں ملد ہو جاتیں اور وہاں صرف یہ ہوتا کہ زینا نے جرم کی ابتدا کی مگر بعد میں آپ بھی اس میں شریک ہو گئے۔ یہز اگر یوسف علیہ السلام نے ارادہ نہ کیا ہوتا تو اس کی تو بہ اور استغفار کا ذکر ضرور آتا۔ تفسیرہ نازک میں ہے۔ **ولا نه لو واحد مه ذلک لدکرت نوبته و استغاره** فرض کہ اس آیت کے یہ معنی کرنا بہت بہتر ہیں وہ بھی ارادہ کر لیتے اگر رب کی نہ جان شد کچھتے تفسیر کبیرن فرمادیا ہو، کا جواب اس پر مقدم بھی ہو سکتا ہے جیسے آیت میں ہے۔ **ان کذب لفسدی به لولا ن ر بطل علی قسبها** (تفسیر کبیر آیت **ولقد همت به**) دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ پر وقت۔ بلکہ بھانک۔ یک ہی جملہ کو اور آیت کے معنی یہ ہوں بے شک زینا نے یوسف علیہ السلام کا دھبوں نے رینا کا عزم کر لیا۔ لیکن اب ان دونوں معنوں میں فرق کرنا ضروری ہے۔

ہمت بہ میں ہم کے معنی ارادہ و ناپ ہیں اور **ہمہ** بہا میں اس کے معنی جیسا قلب کی غیر متغیر رغبت جس کے ساتھ قصد نہیں ہوتا یعنی ترغیضانے یوسف علیہ السلام کا ارادہ کیا اور اس کے دس میں رغبت غیر اختیار کی پیدا ہوئی جو نہ سناو ہے نہ جرم جیسے کہ روہ میں غنڈا پانی دیکھ کر اس طرف دس رغب تو ہوتا ہے مگر سکے پی پینے کا ارادہ تو کیا حیاں تک نہیں ہوتا صرف غنڈا پانی اچھا معلوم ہوتا ہے گردوئوں ہموں کے یک ہی معنے ہوتے تو دو جگہ پر نظر نہ پور جاتا۔ **بلکہ** **والقد** **ہما** **حشیش** سے کہہ دینا کافی تھا۔ یعنی ان دونوں نے قصد کر لیا دیکھو **مکروا** **و** **مکر** **اللہ** کہ یہاں پہلے مکر کے معنی ہی در ہیں اور دوسرے مکر کا مقصد ہی کچھ اور تفسیر خازن میں ہے **قُلْ** **الامام** **فخر** **الذہبی** **ابن** **یوسف** **علیہ** **السلام**

کان بریئاً من العمل البطل والہمة المحرۃ خیال رہے کہ لٹخائے دہ اور پر عزیز معرکوں کی کہ یوسف علیہ السلام کو زنا کی تہ لگائی بلکہ ارادہ رنا کی کہہ قالب ما حرء من اراد باھنک سوء لانا یسحق جو تیری بیوی کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے اسکی سزا قتل کے سوا اور کیا ہے اسی کی تردید یوسف علیہ السلام نے فرمائی کہ **ہی راودتسی عی نفسی** بدکاری کا ارادہ اسی نے کیا تھا۔ اس کی تردید شیرخو رچھنے بھی کی اور اسکی تردید معمری عورتوں نے بھی کیا اور اس کی تردید آخر کار خود لٹخانے بھی کر کے اپنا جرم قبول کر یا اب **اگر ہم بھیا** کے یہ معنی ہوں کہ یوسف علیہ السلام نے ارادہ رنا کر لیا تھا تو لازم آتا ہے کہ رب تعالیٰ نے رٹخا کی تائید کی اور ان سب معصرت کی تردید در یہ کلام کے مقصد کے خلاف ہے یہ تقریر بہت حیاں رہے ان شاء اللہ کام آئے گی۔

اعتراض ۸ موسیٰ علیہ السلام نے ایک قطعی کو جان سے مار دیا اور فرمایا **ہد من عمل الشیطن** کہ یہ شیطان کام ہے معلوم ہوا کہ آپ نے طلباً قتل کیا جو کہ بڑا جرم ہے۔

جواب آپ کا رد قتل کا رتھ بد قطعی عالم سے مظلوم اسرائیلی کو چھڑا تھا جب قطعی نے۔ چھوڑ آپ نے ہٹانے کے لئے چہت لگا دی۔ وہ طاقت نبی کی نہ برادشت کر سکا مر گیا تو یہ قتل حلاً ہوا اور حیا سے دھابو سکتی ہے نیز یہ واقعہ عطا نے نبوت سے پہلے کا ہے روح بیان میں ہے۔

کان ہد قبل السبۃ نیز وہ قطعی کا فرح رہی تھا جس کا قتل جرم نہیں آپ نے تو ایک ہی قطعی کو مار۔ کچھ دنوں بعد تو سارے ہی قطعی غرق کر دیئے گئے۔ رہا اسلعل کو عمل شیطان فرماتا۔ یہ آپ کی انتہائی کسر نفسی اور عاجزی کا اظہار ہے کہ خلاف دلی کام کو بھی پنی سمجھا یعنی یہ کام ولت سے پہلے ہو گیا جب قطعیوں کی طاقت کا وقت آتا تو یہ بھی ہدک ہوتا **فعمر لہ** اور **صلمت نفسی** سے دھوکا نہ کھاؤ کہ یہ الفاظ خدا پر بھی بڑے جاتے ہیں یا ہذا سے قطعی کا ظلم مراد یعنی یہ ظلم شیطانی کام ہے۔

اعتراض ۹ رب تعالیٰ نے ان کے نبی **صلی اللہ علیہ وسلم** سے فرمایا **و اوحدک صالاً فہدی** معلوم ہوا کہ آپ بھی پہلا گمراہ تھے بعد کو ہدایت ملی۔

جواب یہاں جو کوئی بھی صاب کے معنی گمراہ کرے وہ خود گمراہ ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

ما صل صاحبکم و ما علوی (پارہ ۲۷، ص ۵۳، آیت ۲) ”تمہارے محبوب **صلی اللہ علیہ وسلم** نہ بھی گمراہ ہوئے نہ دیکھے۔“

یہاں صاب کے معنی دار فتنہ محبت الٹی ہیں اور ہدایت سے مراد بد سلوک ہے یعنی رب نے آپ کو پنی محبت میں سرشار اور درشت پایا تو آپ کو سلوک عطا فرمایا۔ برادر ن یوسف علیہ السلام نے یعقوب علیہ سلام سے عرض کیا تھا **نک لعی صلالک القدیم ب انک لعی صلال فیس** یہاں صلاب بمعنی دار فتنہ محبت ہیں۔ شیخ عبدالحق نے **مرآۃ المفاتیح** جلد ۱۰ ص ۱۰۱ میں فرمایا کہ عربی میں صاب وہ اونچا درشت ہے جس سے گئے ہوئے لوگ ہدایت پائیں یعنی اسے محبوب ہدایت دینے والا بلند پایا درشت رب نے جنہیں کو پایا کہ جو عرض فرش ہر جگہ سے نظر آئے لہذا تمہارے درویش خلقت کو ہدایت دے دی حدی کا مضمول **ما لم یوک** ہیں نہ کہ نبی **صلی اللہ علیہ وسلم** اور بھی اس کے بہت سے معنی کئے گئے ہیں۔

اعتراض ۱۰ رب فرماتا ہے **لیعمر لک اللہ ما تمذہ من دیک و ما تاخر** یعنی رب تعالیٰ تمہارے مالکے پچھلے گناہ معاف کرے۔ معلوم ہو کہ آپ تمہا گمراہ تھے۔ حضور علیہ سلام بھی ہمیشہ اپنے لئے دعائے مغفرت کرتے تھے مگر گناہ گار نہ تھے تو استفادہ کیسی؟

جواب اس کے عند جواب ہی یک یہ کہ مغفرت سے مراد صحت اور حفاظت ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ آپ کو ہمیشہ گناہ ہونے سے رکھے۔

روح بیان **لَمُرَادُ بِالْمَغْفِرَةِ الْحِفْظُ وَ لِعَصْمَتِهِ اِرْلَا و اِبْدَا فیکون المعنی بتحصنک من الذنب المتقدم و المتأخر** دوسرے یہ کہ ذنب سے نبوت سے پہلے کی خطائیں مراد ہیں۔ تیسرے یہ کہ ذنب میں یک مضاف پوشیدہ ہے جسکی آپ کی مت کے گناہ جیسے کہ لک فرماتے سے معلوم ہوا۔ یعنی تمہاری وجہ سے تمہاری امت کے گناہ معاف کرے مگر آپ کے گناہ مر دہوتے تو لک سے کیا قاعدہ ہوتا (روح البیان و طراز) اس آیت کی تفسیر دوسری آیت ہے **و لو انہم اذ ظلموا (لایہ) کبھی گناہ کی نسبت تمہا کی طرف ہوتی ہے اور کبھی بخش کے دہدار کی طرف جیسے مقدمہ کبھی جرم کی طرف منسوب ہوتا ہے اور کبھی وکیل کی طرف کہ وکیل کہتا ہے کہ یہ میر مقدمہ ہے جس کا میں ذمہ رہوں۔ یہاں بہت دوسری طرح کی ہے یعنی آپ کے ذمہ والے گناہ جن کی شفاعت کے آپ ذمہ رہیں۔**

اعتراض ۱۱ حضور علیہ السلام سے رب نے فرمایا: **لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا**۔ لیکن آپ کو یہ ثابت قدم رکھنے تو قریب تھا کہ آپ کفار کی طرف کچھ مائل ہو جاتے۔ اس سے معصوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کفار کی طرف مائل ہو چلے تھے مگر رب نے روکا۔ اور کفر کی طرف میلان بھی گناہ ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں یک یہ کہ اس میں شرط وجہ ہے یعنی یہ قصیدہ شرط ہے جس میں دونوں مقدموں کا ہونا تو کیا امکان بھی ضروری نہیں رب فرماتا ہے۔ **قُلْ لَوْ كُنَّا لِرُحْمٍ وَسِدٍّ ؕ مَا أَزْنُ لِعَبْدِي** اگر رب کے بیٹا ہوتا تو اس کا سپرد بچاری میں ہوتا۔ خدا کا بیٹا ہونا ممکن اور نہ نبی علیہ السلام کا سگی پوچا کرنا ایسے ہی یہاں نہ تو رب تعالیٰ کا حضور علیہ السلام کو مخلوق۔ رکھ ممکن اور۔ آپ کا انکی طرف مائل ہونا ممکن۔ دوسرے کہ یہاں فرمایا گیا کہ اگر ہم آپ کو پہلے ہی سے معصوما و ثابت قدم نہ فرما چکے ہوتے تو آپ ان کی طرف کیسی قدر جھکنے کے قریب ہو جاتے کیونکہ ان کے مکر و فریب بہت سخت خطرناک تھے۔ یعنی چونکہ آپ معصوم ہیں لہذا آپ کفار کی طرف نہ جھکنے بلکہ قریب بھی نہ ہوئے۔ اس سے تو آپ کی عصمت ثابت ہوئی دیکھو خاں، مدارک، روح بیان، تیسرے یہ کہ ایک تو حضور علیہ السلام کی طبیعت مبارکہ ہے دوسرے آپ کی نبوت اور عصمت الہی۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبوت و عصمت سے قطع نظر کرتے ہوئے بھی آپ کی فطرت پاک عیب اور گم ہوں سے ایسی پاک ہے جس میں اسکی حد حیت ہی نہیں کیونکہ آپ کی روحانیت بشریت پر غالب ہے۔ یعنی اگر ہم آپ کو معصوم نہ بھی مانتے تب بھی آپ کفار سے ملتے نہیں۔ ان کی طرف جھکنے نہیں بلکہ کچھ جھکنے کے قریب ہو جاتے اب جبہ فطرت سیدہ پر رب کا یہ کرم ہو کہ آپ کو معصوم بھی بنایا، سر مبارکہ پر نبوت کا تاج بھی رکھا۔ اب تو سبحان اللہ کیا ہی کہنا۔ کسی قصور کی گنجائش ہی نہیں۔ اسکی تفسیر میں روحانیوں میں ہے۔

أَمَّا سَمَاءُ فَلْيَلَا لَأَنَّ رُوحَانِيَّةً نَسِيَتْ كَيْفَ هِيَ أَصْلًا ائْتَلَفَتْ عَدَاً عَلَى الْبَشَرِيَّةِ اذْهَبَتْ يَكُنْ
حِينَئِذٍ لِرُوحِهِ شَيْءٌ يَحْبِبُهُ عَنِ اللَّهِ تَعَالَى فَالْمَعْنَى بِلَوْلَا الشَّيْءُ وَقُوَّةُ الْحَيَاةِ وَنُورُ الْهِدَايَةِ وَافْتَرُ
نَظَرُ الْغَايَةِ لَقَدْ كِدَتْ تَرْتَكُنْ

اعتراض ۱۲ رہا تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَا نَحْنُ بِدَارِي مَا الْكَفَّ وَلَا الْإِبْرَءَانِ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے۔ معلوم ہو کہ حضور علیہ السلام یہ انہی کا رفہ باللہ نہیں آپ کو تو ایمان کی خبر بھی نہ تھی۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں علم کی نئی نہیں بلکہ روایت یعنی انکل اقلیاس سے جاننے کی نئی ہے۔ چوتھی بات یہ ہے۔

و کذبک او حیما لیک زوجاً من امر ما نکست ندری ما امکب (آیہ) یعنی ہم نے آپ پر اپنے فضل سے قرآن وحی کیا۔ آپ خود بخود نہ جانتے تھے۔ یعنی اس علم کا دور پیدائی ہی ہے نہ کہ محض انکل و قیاس۔ دوسرے یہ کہ اس سے پیدائش مبارک کا حال نہیں بیان ہو رہا بلکہ نور محمدی کی پیدائش کا حال ہے۔ یعنی ہم نے آپ کو عالم ارواح میں سفید اور سادہ پیدا فرمایا تھا۔ پھر اس پر علوم کے نقش و نگار فرما کر نبوت کا تاج سر پر رکھ کر دنیا میں بھیجا۔ آپ عالم روح میں ہی نبی تھے خوف فرماتے ہیں۔ **کت بیا و ادم بیس الماء و الطیب** ہم اس وقت ہی تھے جبکہ آدم علیہ السلام مٹی و روپانی میں جلوہ گر تھے۔ تیسرے یہ کہ اس سے یہاں اور قرآن کے تفصیلی احکام مراد ہیں۔

یعنی آپ وحی سے پہلے احکامِ اسلامی تفصیل وار نہ جانتے تھے۔ اس کی تفسیر میں روحِ انبیان میں ہے ای لا یمان فص صبی مافی
لصاعیف الکتب پھر مارتے ہیں۔ لانه علیہ السلام فصل مر یحیی و عیسی و قد اوتی کل
الحکمتہ و العلم صبیاً یعنی نبی علیہ السلام بھی اور یحییٰ علیہ السلام سے فصل ہیں اور انہیں تو علم و حکمت بچپن ہی میں عطا ہوئی تھی۔ تو یہ
کیونکر ممکن ہے کہ آپ بھی شریف میں علم سے خالی رہے ہوں۔

اعتراض ۱۳ رب فرماتا ہے **فَرِ لَّهِمَا الشَّيْطَانُ** آدم و حوا علیہم السلام کو شیطان نے پھسلا دیا۔ معلوم ہوا کہ شیطان کا راز و خباہت پر عمل جاتا ہے۔ مگر تم نے کیوں کہا کہ شیطان ان تک نہیں پہنچ سکتا۔

جواب ہم نے یہ کہا ہے کہ شیطان انہیں گمراہ نہیں کر سکتا درحان سے عجا گناہ کبیرہ کر سکتا ہے اس نے خود کہا تھا لا عو یثہم اجمعین
الّا عبادک منہ المخلصین اور یہاں ہے فار لہما الشیطان گمراہی اور جہنم ہے اور پھر بعد اور جہنم ہے۔

اعتراض ۱۴: یوسف علیہ السلام کہ بھیجیں کہ بہت سے لوگوں نے جھوٹا مانا ہے حالانکہ انہوں نے بڑے بڑے گناہ کئے بے قصور بھیجی کہ ستانا اور دھوکا دینا اس کی قیمت کھانا اپنے والد سے جھوٹ بول کر انہیں چالیس سال تک رہنا غرض کہ جرموں کو انتہا کر دی اور پھر بھی نبی ہونے سے معلوم ہوا کہ نبی کا مصوم ہونا شرط نہیں۔

جواب: جمہور علماء نے انہیں بخیر نہ مانا۔ ہاں ایک جماعت نے کچھ ضعیف دلائل سے ان کی نبوت کا دہم کیا ہے اسی لئے ہم نے مقدمہ میں عرض کیا کہ غیبا کہ ہم کا نبوت سے پہلے بدعتیہ کی سے پاک ہونا اجتماعی مسئلہ ہے اور گناہ کبیرہ سے پاک ہونا جمہور کا قول ہے اور بعد نبوت گناہ کبیرہ سے پاک ہونے پر بھی اجماع ہے ان حضرات کی نبوت کسی صریحی آیت یا حدیث یا قول صحابی سے ثابت نہیں۔ رب نے یہ فرمایا ہے۔

وَيْثَبُ نِعْمَتُهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ یہاں نعمت سے نبوت مراد نہیں اور نہ آل یعقوب سے انکی صلی ساری اولاد مراد ہے۔ رب تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ بِمَعْنَى** بعضوں نے کہا کہ رب فرماتا ہے **وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَّا رِجَالًا مِّنْكُمْ** اسے معلوم ہوا کہ یہ بھی سب صاحب دہی تھے مگر یہ بھی کمزوری بات ہے کہ کیونکہ **نُفُوزُ أَسْرَارٍ** میں بدوا سہمی آنے کی بیان ہے نہ کسی کی کوئی دلیل ہے کہ اسباط ان کے بیٹوں ہی کا لقب ہے، رب فرماتا ہے **قُلْ أَمَرَ بِاللَّهِ وَمَا أُنُورُ عِندَهُ وَمَا أُنُورُ عَلِيٍّ** (آلہ) یہاں **أُنُورُ** علیا کا یہ مطلب نہیں کہ ہم سب پر وحی آئی اور ہم سب پیغمبر ہیں اور اسباط بنی اسرائیل کے ہار و قیوں کا لقب ہے، درحقیقی ان میں انبیاء آتے رہے رب فرماتا ہے۔

فَأَنذَرْتُ عَدِيٍّ لَا كَثْرُونَ سَلَفٌ وَحَفِيفٌ یہ کہہ لے یگو، **أَيُّهَا** صلا، **فَلَمْ يَهْلُ** من الضحاة، **بَنَاتُهُ** قُلْ بَنَاتُهُمْ اسی طرح تفسیر روح البیان وغیرہ نے بھی ان کی نبوت کی بہت تردید کی ہے۔ ہاں وہ سب حضرت توح کے بعد ادیباء اللہ بلکہ پیغمبر کے صحابی ہوئے انہیں یوسف علیہ السلام نے خواب میں تاروں کی شکل میں دیکھا کیونکہ وہی۔ یہی تھے حضور ﷺ فرماتے ہیں **صَحَابِي كَالْحُجُومِ** نوزن کے یہ سارے گناہ یعقوب علیہ السلام کی محبت حاصل کرنے کے لئے تھے۔ پھر انہوں نے ان سے بھی اور یوسف علیہ السلام سے بھی معافی حاصل کرنی ان دونوں حضرات سے ان کے لئے دعائے مغفرت کی ہدایہ منظور ہوئے۔ ان کی شان میں گستاخی سخت عروہ کی علامت ہے، قاتل سے ایک عورت کی محبت میں گناہ کیا اور پھر آدم علیہ السلام سے معافی بھی حاصل۔ کہ کمال ہوا ہے ایمان رہا اور یہ ایمان نہ رہوئے۔

اعتراض ۱۵: قرآن کریم سے ثابت ہے کہ لیٹانے اور وہ زنا کیا جو کہ سخت جرم ہے اور تم کہہ چکے ہو کہ یہی کی بیوی فاحشہ نہیں ہوتی تو لیٹا علیہ السلام کی بیوی کیونکر ہو سکتی ہے۔ وہ فاحشہ بدکار تھی لہذا تو مانو کہ ان کا نکاح نہیں ہو پایا یہ قاعدہ صمد ہے۔

نوٹ: گھبرت کے بعض جاہل دیوبندیوں نے حضرت ریخا کے زوجہ یوسف علیہ السلام ہونیکا انکار کیا اور ان کی شان میں سخت گند سے الفاظ کہے۔ انہیں کا یہ اعتراض ہے۔

جواب: حضرت ریخا یوسف علیہ السلام کی زوجہ اور قابل احترام بیوی ہیں ان کا یوسف علیہ السلام کے نکاح میں آنا مسلم و بخاری کی حدیث اور عام تفسیر سے ثابت ہے انہیں سے یوسف علیہ السلام کے فرزند پیدا ہوئے۔ افریخیم اور مویہ و تفسیر خازن تفسیر کبیرہ، مدارک معالم التنزیل وغیرہ میں انکی تصریح ہے چنانچہ حضور ﷺ نے جناب م موشین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور اپنی دوسری ارواح پاک سے فرمایا **اَكُنْ لَّيْسَ كَصُوحِبِ يُوسُفَ** تم تو یوسف علیہ السلام کی بیوی کی طرح ہو گئیں۔ یعنی ریخا کی۔ صواحب صاحب کی جمع ہے صاحبہ بیوی کو کہتے ہیں۔

قرآن مجید **وَلَمْ نَكُنْ لَّهِ صَاحِبَةً** آپ نہ تو فاحشہ تھیں نہ آپ سے رونا جیسا ستانہ کھی صادر ہوا۔ بیوی ریخا سے ار دو جماع عیودی عشق کی حالت میں ہوگی جس میں یوسف نے انہیں وارفتہ و دیوانہ بنا دیا۔ اس واسطہ نہ حالت میں یہاں رادکر نہیں، جب مصری عورتوں نے اسی جماع سے بچو و ہو کر بچے ہاتھ کاٹ ڈالے تو اگر حضرت ریخا نے اس حسن پر فریفتہ ہو کر دامن مصر چاک کر دیا تو کیا تعجب ہے؟ پھر ان تمام خطاؤں سے توبہ کرنی یہ بھی خیال رہے کہ ریخا نے صرف یوسف علیہ السلام سے یہ رغبت کی نہ کسی دوسرے سے۔ رب نے انہیں ہر طرف محفوظ رکھا۔ ہم نے انبیاء کی بیویوں کو رنا اور فحش سے محفوظ مانا ہے کہ مصوم۔ حضرت ریخا نے یہ گناہ کر کے توبہ کر لی کہ عرض کیا **إِلَّا حَصْحَصَ الْحَقُّ** امار اوتہ غصہ **بِفَسْهٍ** ریخا نے اپنی خطا کا اقرار کیا اور قرر جرم توبہ ہے اسی لئے رب تعالیٰ نے ریخا کی خطا کا ذکر تو فرمادیا مگر پر عتاب یا عذاب کا ذکر نہ کیا۔ تاکہ معلوم ہو کہ ان کے گناہ کی معافی ہو چکی۔ اب اس کی خطاؤں کا بے ادبی کے طور پر ذکر کرنا سخت برا ہے اس سے رنا یا فحش کھی صادر نہیں ہوا۔ نہ

معلوم دیوبندیوں کی کسی شیطانے شکل باردی کہ ان کا حنڈ ہمیشہ انبیائے کرام کے عزت و آبرو پر ہوتا ہے۔ حضرت رلیٰ کا یوسف علیہ السلام کی اہل بیت ہیں۔ س کی تو جین اس با کمال وغیرہ کی تو جین رب تعالیٰ شکل سلیم عطا فرمائے۔ خاتمہ خیاں رہے کہ رب تعالیٰ امیائے کرم کا رب ہے اور وہ حضرت سکے پیارے بندے رب جس طرح چاہے اس کی لغزشوں اور خطاؤں کا ذکر فرمائے اور یہ حضرات جیسے چاہیں اپنے رب سے پتی ہار ممدی و بندگی کا اظہار کریں ہمیں کسی طرح حق نہیں کہ ان کی لغزشوں کی بیان کرتے پھریں یا گستاخیاں کر کے اپنا نامہ اعمال سیاہ کریں۔ رب تعالیٰ نے ہم کو اس کی تعلیم و توفیر کا حکم دیا۔ دیکھو یوسف علیہ السلام چونکہ مصر میں مظاہر دوست ہوئے تھے اہل مصر کچھ تھے کہ یہ عزیز مصر کے ذریعہ ہیں۔ رب تعالیٰ ن اسی دافع کو ان کے واس سے مٹانے کے لئے سات سال کی عام قحط سال بھیجی پہلے سال میں سب نے آپ کو رو پیہ پیسہ دے کر قحط خرید ادھر سے سب رو پیہ و جوہرات دے کر قحط سے سب چا نورادار چوپائے دے کر چھو تھے سب سے غلام بندیاں دیکر پانچویں سال اپنے مکانات و زمین دیکر چھٹے سال اپنی اولاد سے کر ساتویں سال مصر انوں نے اپنے کو یوسف علیہ السلام کے ہاتھ فروخت کر دیا اور عرض کیا کہ ہم آپ کے کوٹڑی غلام بنتے ہیں۔ ہمیں لحد دو۔ جب آپ نے سنا پراسنان فرمایا (مارک اور البیاض) میرے کیوں ہو۔ صرف اس لئے کہ جب سارے مصر والے آپ کے غلام بن گئے تو اب انہیں غلام کوں کہے۔ پتہ چلا کہ ایک ظفر کی عظمت برقرار رکھنے کیلئے سارے جہاں کو مصیبت میں ڈالا جاسکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک امام ہمیشہ نماز میں سورہ یحسین پڑھتا تھا۔ آپ کو پتہ لگا تو اسے قتل کر دیا ایکھو روح البیاض تفسیر سورہ عبس اس سورۃ کی نہایت عمدہ تفسیر ہماری کتاب شاں حبیب الرحمن میں دیکھو جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ یہ حضور کی اہت ہے رب تعالیٰ دیوبندیوں کو ہدایت دے۔ انہوں نے انبیاء کرام پر کون اس بکتے کی جرات پیدا کر دی۔

وصلی اللہ تعالیٰ حیر خلقہ و نور عرشہ سیدنا و موب محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین

لمعات المصايح على ركعات التراويح

پہلا باب

بیس رکعت نماز تراویح کا ثبوت

تراویح میں رکعت پڑھنا سنت اور آٹھ رکعت پڑھنا خلاف سنت ہے ہم بفضلہ تعالیٰ اس کا ثبوت قرآن پاک کی ترتیب و احادیث مجیدہ و اقوال علماء اور عقلی دلائل سے دیتے ہیں۔ (۱) قرآن پاک میں سورئیں بھی ہیں آیتیں بھی اور رکوع بھی۔ وہ مضمون جس کا کوئی نام رکھ دیا گیا ہو وہ سورت کہلاتا ہے اور قرآن کا وہ حصہ جس کا علیحدہ نام نہ ہو آیت کہلاتا ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ رکوع کو رکوع کیوں کہتے ہیں کیونکہ سورت کے معنی احاطہ کرے یا جڑ ہے اور آیت کے معنی ہیں نشانی۔ سورہ چونکہ ایک مضمون کو گھیرے ہوئی ہے جیسے شہر پناہ (سورہ البدر) اور آیت قدرت الہی کی نشانی ہے اسلئے ان کے یہ نام ہوئے۔ مگر رکوع کے معنی ہیں جھٹکا۔ دیکھنا یہ ہے کہ قرآنی رکوع کو رکوع کیوں کہتے ہیں۔ سب قرآنی سے معلوم ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہما تراویح میں جس قدر قرآن پڑھ کر رکوع فرماتے تھے اچھہ کا نام رکوع رکھا گیا یعنی ان حضرات کے رکوع کرنے کا مقام اتنا پڑھ کر رکوع ہوا اور چونکہ تراویح میں رکعت پڑھی جاتی تھیں اور ستائیسویں رمضان کو ختم ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے قرآن پاک کے کل ۵۴۰ رکوع ہوئے چائیس۔ لیکن چونکہ ختم کے دس بعض رکعتوں میں چھوٹی چھوٹی دوسو تیں پڑھی جاتی تھیں اس لئے قرآن کریم کے ۵۵۷ رکوع ہوئے۔ اگر تراویح آٹھ رکعت ہوئیں تو رکوع ۲۱۶ ہونے چاہیے تھے قرآنی رکوعات کی تعداد بتا رہی ہے کہ تراویح میں رکعت چائیس کیا وہابی آٹھ رکعت تراویح مان کر رکوعات قرآنی کی ہمد بتا سکیں گے؟ (۲) تراویح جمع ترویج کی ہے جس کے معنی ہیں جسم کو راحت دینا۔ چونکہ اس میں ہر چار رکعت پاکی قدر راحت کے لئے بیٹھتے ہیں اس بیٹھنے کا نام ترویج ہے اسی لئے اس نماز کو تراویح کہا جاتا ہے یعنی راحتوں کا مجموعہ اور تراویح جمع ہے۔ جمع تمام رکعتیں پر ہوتی جاتی ہے مگر تراویح آٹھ رکعت ہوئیں تو اس کے درمیان میں یک ترویج آتا پھر اس کا نام تراویح نہ ہوتا تین ترویجوں کے سے کم رکعتوں میں تراویح چائیس۔ جن میں ہر چار رکعت کے بعد ایک ترویج ہو اور وتر سے پہلے کوئی ترویج نہیں ہوتا۔ تراویح کا نام ہی آٹھ رکعت کی ترویج کرتا ہے۔ (۳) ہر دن میں میں رکعت نماز ضروری ہے۔ سترہ فرض اور تین وتر، دو فرض فجر میں چار غم میں چار عصر میں تین مغرب میں دو چار عشاء میں۔ رمضان شریف میں رب تعالیٰ نے ان ایس رکعت کی تکمیل کے لئے میں رکعت تراویح اور مقرر فرمادیں جس کی ہر رکعت ان کی ہر رکعت کی تکمیل کرے غیر مقلد شاہ فخر، رہنما گاندہ میں بھی آٹھ رکعت ہی پڑھتے ہوئے گئے۔ ورنہ آٹھ تراویح کو اس میں رکعت سے کیا نسبت۔ (۴) احادیث، خیال رہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے نماز تراویح ہجرت پابندی سے دلالت فرمائی۔ صرف دس دیکیں اور بعد میں فرمادیا کہ اگر اس پر پابندی نہ کی تو فرض ہو جائیگا اندیشہ ہے۔ جس سے ہماری امت کو دشواری ہوگی۔ لہذا اہم لوگ اپنے گھر ہی میں نماز پڑھ یا کرو۔ بعض تو کہتے ہیں کہ نہ رتبہ ہی تھی جو ہر رمضان میں اہتمام سے ادا کرانی گئی اسی لئے صحابہ کرام ہماری کے آخری وقت اس سے خارج ہوتے زمانہ صدیقی میں بھی اس کا کوئی باقاعدہ انتظام نہ فرمایا گیا۔ لوگ متفرق طور پر پڑھ پیتے تھے عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا اہتمام فرمایا اور میں رکعت تراویح مقرر فرمائیں اور ہر قاعدہ جماعت میں رکعت سنت فاروقی ہے چونکہ یہ کریم ﷺ نے نہ تو آٹھ رکعت کا حکم دیا اور نہ اس پر پابندی فرمائی بلکہ حق یہ ہے کہ آپ کا آٹھ رکعت تراویح پڑھنا صراحۃً کہیں ثابت ہی نہیں ہوا لہذا صحابہ کرام کا میں پر اتفاق کرنا سنت کی مخالف نہیں ہمیں حکم دیا گیا ہے **علیکم بسنی و سنت لہدء الرشیدین** لہذا اب ہم صحابہ کرام کا مکمل پیش کرتے ہیں میرے مقلدوں کو چاہئے کہ کوئی حدیث مرفوعہ صحیح کی پیش کریں جس سے تراویح کی آٹھ رکعت صریح ثابت ہوں۔ ان شاء اللہ نہ کر سکیں گے ہماری حدیث ملاحظہ ہوں۔

(۱) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں میں رکعت تراویح کی باقاعدہ جماعت کا انتظام فرمایا اسی پر صحابہ کرام کا جماع ہو۔ صحابہ کرام، مالک میں حضرت صاحب ابی یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ **فان کما بقوم فی عہد عمر بعشرین رکعة رواہ التیہقی فی الفرقہ یا سناد صحیح**

(۲) ابن ماجہ نے حضرت ابن کعب سے روایت کی **فصلی بہم عشرین رکعة** یعنی میں ہے۔ عن ابی المخصسات ان غنی بن ابی طالب امر رجلاً بصری بالاس خمس تز و نحات عشرین رکعة (۳) ابن ابی شیبہ اور طبرانی کبیر میں یحییٰ و عبد بن حمید و یحییٰ نے روایت کی **عن ابی عیسیٰ بن ابی سلمیٰ اللہ علیہ وسلم کان یصنی فی رمضان عشرین رکعة سوی لوتواں سے معلوم ہو کہ خود حضور علیہ السلام میں رکعت تراویح پڑھتے تھے۔** (۵) یحییٰ میں ہے **وعن شکر وکان من اصحاب علی انہ کان یترہم فی رمضان فیصلی خمس**

(۶) اسی بخاری میں ہے و عن اسی عبد الرحمن السلمي ان عبداً رعى الفراء في رمضان فمرو رُحلاً يصلي
لثلاث عشرة ركعة و كان عني بوتر بهم

(۷) اسی بخاری نے یہ بھی نقل فرمایا عن السائب ابن يزيد قال كانوا يقومون على عهد عمر في شهر رمضان
بعشرین رکعات اس کی تحقیق کے لئے صحیحہ میں لم یقر في الروایع دیکھو، ان روایت سے معلوم ہوا کہ خود حضور علیہ السلام میں
تراویح پڑھتے تھے اور عہد فاروقی میں تو اس میں رکعات پر عمل جاری ہو گیا تھا۔ حضرت ابن عباس علی ابی بنی کعب و عمر سائب بن یزید وغیرہم تمام صحابہ
رضی اللہ عنہم کا یہی معہر تھا۔

اقوال علماء امت (۱) ترمذی شریف ابواب الصوم باب جاء في قيام شهر رمضان میں ہے و اکثر اهل العلم عني ما روي عن
علي و عمر و غيرهما من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم عشرين ركعة وهو قول مصيب
الثوري و ابن المبارك و الثاقبي و قال الثاقبي هكذا دركت بسند مكتمل يصلون عشرين ركعة
عني اهل علم كامل اس پر ہے جو حضرت علی و عمر و دیگر صحابہ کرام سے مروی ہے یعنی میں رکعت یہی فرمان سفیان ثوری ابن مبارک اور امام شافعی کا ہے
امام شافعی نے اپنے شہر مکہ معظمہ میں یہی مروی ہے یعنی میں رکعت یہی فرمان سفیان ثوری ابن مبارک اور امام شافعی کا ہے امام شافعی نے اپنے شہر مکہ
معظمہ میں یہی عمل پایا کہ مسلمان میں رکعت تراویح پڑھتے ہیں۔

(۲) فتح البیہم شرح مسلم جلد دوم صفحہ ۴۹ میں ہے روى فحشد ابن نصر من طريق عطاء بن ادر كنهم يصلون
عشرين ركعة وثلاث ركعات الوتر وفي الباب آثار كثيرة اخرجها من أبي شيبه وغيره و قال ابن
قدامة وهذا كلاحماع اس سے معلوم ہوا کہ میں رکعت پر گویا مسلمانوں کا اجماع ہو گیا۔

(۳) عمدۃ القاری شرح بخاری میں جلد پنجم صفحہ ۳۷ میں ہے و روى الحارث بن عبيد لرواحم ابن زباب عن السائب
ابن يزيد قال كان القيام على عهد عمر بثلاث وعشرين ركعة قال اس عبد الله هد محمول على
ان الثلث للوتر اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے زمانہ میں میں رکعت تراویح اور تین وتر پر عمل تھا۔

(۴) اسی عمدۃ القاری میں اسی جگہ ہے کہ عن عبد الله بن مسعود يصلي بالي شهر رمضان فيصرف و عليه ليل
قال الاعمش كان يصلي عشرين ركعة

(۵) اسی عمدۃ القاری جلد پنجم صفحہ ۳۵ میں ہے قال اس عبد السز وهو قول جمهور العلماء دبه قال الكوفيون
ولسافعي و اكثر الفقهاء وهو الصحيح عن كعب بن عير حلاف من لصحابه يعني ابن عبد البر نے فرمایا کہ
میں رکعت تراویح عام تھا کا قول ہے اسی کے اہل کوہ در امام شافعی اور اکثر فقہاء قائل ہیں اور یہی حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے اس میں کسی
صحابی کا اختلاف نہیں۔

(۶) دلائل قاری نے شرح تھامیہ میں فرمایا فصار جماعاً لازماً البيهقي ماسايد صحيح انهم كانوا يصلون على
عهد عمر بعشرين ركعة و على عهد عثمان و عني صحابہ کرام حضرت عروشا و علی رضی اللہ عنہم کے واسطے میں تراویح
پڑھتے تھے تھامیہ اس پر اجماع ہو گیا۔

(۷) مولوی عبدالحی صاحب نے اپنے فتاویٰ جلد ۱۸ صفحہ ۸۶ میں علامہ ابن حجر مکی بخاری کا قول نقل فرمایا اجماع الصحابة عني ان
الارابح عشرون ركعة یعنی صحابہ کرام کا میں تراویح پر اجماع ہے۔

(۸) حدیث لقاری شرح بخاری جلد پنجم صفحہ ۲۵ میں ہے و اقام الفانلون به من التبعین فیسر ابن شکیب و ابن ابی ملیکنہ و الحارث الہمدانی و عطاء ابن ابی مکر و عمران العبدی ان عبارات سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام تابعین واقع تابعین و فقہ محدثین کا میں رکعت تراویح پر اتفاق ہے۔ ان میں سے نہ کسی آنحضرت تراویح پر عین شاک کا حکم دیا۔

مطیفہ غیر مقلد و راسل پٹی خویش نفس کے مقتد ہیں اس لئے انہیں اہل ہوا یعنی ہوا پرست کہا جاتا ہے جس میں نفس کو آراستہ وہ ہی ان کا مذہب۔ ہم ان کے آرمہ وہ مسائل دکھاتے ہیں مسلمان دیکھیں اور حیرت پکڑیں۔ (۱) دو ملکہ پانی کھگی گندہ نہیں ہوتا لہذا کتوں کتنا ہی پلید ہو جائے اس کا پانی پئے جاؤ۔ (۲) سفر میں چند لمبریں ایک وقت میں پڑھو۔ روانہ کی طرح کوں بار بار ترے اور پڑھے ریل میں بہت بھٹکتی ہوتی ہے۔ (۳) عورتوں کے ریزات پر کوئی رکوع نہیں ہاں جناب کیوں ہو اس میں خرچ جو ہوتا ہے۔ (۴) تراویح صرف آنحضرت رکعت پڑھ کر آرم کرو۔ ہاں صاحب نماز نفس پر گراں ہے (۵) وتر صرف ایک رکعت پڑھ کر سو ہو کیوں نہ ہو جہنم سے چھٹکار چھا۔ (۶) ایک ہاتھیں طلاق دے دو۔ صرف ایک ہی واقع ہوگی۔ دوبارہ رجوع ہو سکتا ہے کیوں نہ ہو اس میں آسانی ہے غرض کہ جس میں آرم وہ یاروں کا دین الیہ۔

طیفہ مسلم شریف کتاب الطلاق میں ہے کہ حضور علیہ السلام اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تیس طلاق ایک ہی واقع ہوتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں نے اس میں جلدی پیدا کر دی لہذا اب اس سے تیس طلاق ہی واقع ہونی چاہئیں۔ آرم طلب غیر مقتدین لئے ڈرے کہ ایک دم تیس طلاق ایک ہی ہوتی ہے، ان اللہ کے بندوں نے یہ نہ سوچا کہ کیا عمر رضی اللہ عنہ خلاف سنت حکم کر سکتے ہیں اور پھر لطف یہ ہے کہ آپ نے یہ قانون بنایا اور کسی صحابی سے مخالفت نہ کی۔ بات صرف یہ تھی کہ زمانہ نبوی میں بعض لوگ یوں کہہ دیتے تھے قہ طلاق ہے طلاق طلاق اور آخری میں دو طلاقوں سے پہلی طلاق کی تاکید کرتے تھے جیسے کوئی کہے میں قل حائس کا کل کل۔ میں روٹی کھاؤں گا روٹی روٹی۔ اب بھی اگر کوئی اس نسبت سے یہ الفاظ بولے تو عند اللہ ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ زمانہ فاروقی میں لوگ تیس طلاق ہی دے لگے۔ چونکہ عمل بدل گیا حکم بھی بدل گیا جب آپ نے یہ حکم نافذ فرمایا۔ اس مسئلہ کی بہت سی تفصیلات تھیں ہماری تفسیر جلد دوم آیت **الطلاق مرتان** کی تفسیر میں دیکھو جہاں بہت سی احادیث سے ثابت کیا ہے کہ ایک دم تین طلاق تین ہی ہوتی ہیں۔

دوسرا باب

بیس تراویح پر اعتراضات و جوابات

اعتراض ۱ مقلودہ باب قیام شہر رمضان اور موطا، مسند مالک میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور قسیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں ثابت ہو کہ آنحضرت تراویح سے باقی وتر۔

جواب اس کے عند جواب ہیں اولاً یہ کہ یہ حدیث مضطرب سے اور مضطرب سے دلیل نہیں پکڑی جاسکتی کیونکہ اس کے راوی محمد ابن یوسف ہیں موطا میں تو اس سے گیارہ رکعت روایت ہے اور محمد بن نصر مروزی نے ابی محمد بن یوسف سے بطریق محمد سحاق میرہ رکعت کی روایت کی اور محدث محمد زورانی نے ابی محمد ابن یوسف سے دوسری اسناد سے کیس رکعت نقل کیں۔ اس کی تحقیق کے لئے دیکھو فتح بخاری شرح بخاری جلد چہارم صفحہ ۸۰ مطبوعہ مطبعہ خیر یہ مصر۔ ایک ہی روایت کے بیانات میں اس قدر تضاد اور اختلاف ہے اس کو اضطراب کہتے ہیں تو اس سے تراویح آنحضرت ثابت ہوئیں مگر وتر تیس رکعت کیسے آپ وتر ایک رکعت کیوں پڑھتے ہیں؟ آپ کے قول پر تو رکعتیں ہونی چاہئیں کیا ایک ہی حدیث کا آدھا حصہ مقبول اور آدھا غیر مقبول۔ تیس یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اون آنحضرت تراویح کا حکم دیا گیا۔ پھر بارہ کا، پھر تیرہ میں پھر ارہو۔ کیونکہ مقلودہ باب قیام شہر

رمضان میں اسی حدیث کے بعد ہے و کان البخاری یقرأ سورۃ النور فی ثمان رکعات و ادا قام بہا فی ثمان عشر رکع۔ **بقرہ** راوی الناس انہ قد خفف یعنی قاری آنحضرت رکعت میں سورۃ بقرہ پڑھتا تھا اور جب بارہ رکعت میں یہ سورۃ پڑھتا تو

لوگوں کو ہلکا ہی محسوس ہوتا۔ اس حدیث کے تحت مرقاۃ میں ہے **بعثت العشرین فی رمی غمر و فی الموطا رواۃ** باحدی عشرۃ و جمع بیہما انہ وقع اولاً ثم اسقر الامر علی العشرین فانہ المتوارث یعنی ان روایت کو یوں جمع کیا گیا کہ اولاً تو آنحضرت کا حکم ہوا پھر میں پڑھا رہا ہو یہ میں رکعت ہی حقول ہیں چوتھے یہ کہ اصل تراویح ست رسول اللہ ﷺ ہے اور تیس چیزیں سنت فاروقی۔ ہمیشہ پڑھنا۔ باقاعدہ جماعت سے پڑھنا تیس رکعت پڑھنا۔ حضور علیہ السلام نے میں رکعت ہمیشہ نہ پڑھیں۔ درندہ صحابہ کرام کو باقاعدہ جماعت کا حکم دیا۔ اب اگر آنحضرت رکعت پڑھی جائیں تو سنت فاروقی پر عمل چھوٹ گیا۔ در اگر تیس رکعت پڑھی جائیں تو سب پر عمل ہو گیا کیونکہ میں میں آنحضرت آجاتی ہیں۔ در آنحضرت میں تیس نہیں آتیں حدیث شریف میں ہے کہ میری اور خلفائے راشدین کی سنتوں پر عمل کرو۔ تم بھی تراویح ہمیشہ اور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رسالہ طلاق الاولہ فی حکم الطلاق الثالثہ

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دے دے تو اگرچہ اس نے یہ کیا مگر اس صورت میں طلاقیں تین ہی واقع ہوگی نہ کہ ایک اور یہ عورت بغیر طلاق اس مرد کو حلال نہ ہوگی۔ چونکہ زمانہ موجود کے غیر معتد و باہلی اس کے منکر ہیں اور حواہش انسانی کے ماتحت کہتے ہیں کہ اس صورت میں طلاق ایک ہی واقع ہوگی اور عورت سے رجوع کرنا صحیح ہوگا اس لئے اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب لکھے جاتے ہیں پہلے باب میں مسئلہ کے دلائل اور دوسرے باب میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

مقدمہ بہتر یہ ہے کہ اگر عورت کو طلاق دینا ہو تو صرف ایک ہی طلاق طہر میں دے۔ اور اگر تین طلاقیں ہی دینا ہوں تو ہر طہر میں ایک طلاق دے۔ لیکن اگر بھارت حیض طلاق دیدے۔ یا تینوں طلاقیں یک دم دیدے تو اگرچہ اس نے برا کیا۔ مگر جو طلاق دے گا وہ ہی واقع ہوگی ایک ساتھ تین طلاقیں دینے کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) اگر شوہر اپنی اس بیوی کو جس سے صرف نکاح ہوا ہو اور خلوت نہ ہوئی ہو ایک دس تین طلاقیں اس طرح دے کہ تجھے طلاق ہے۔ طلاق ہے۔ طلاق ہے۔ اس صورت میں صرف ایک طلاق واقع ہوگی۔ اور آخری دو طلاق نہ ہوں گی۔ کیونکہ پہلی طلاق بولتے ہی وہ عورت نکاح سے خارج ہوگئی اور اس پر عدت بھی واجب نہ ہوئی۔ اور طلاق کے لئے نکاح یا عدت چاہیے ہاں اگر اس عورت سے یوں کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو تینوں پڑ جائیں گی کیونکہ اس صورت میں تینوں طلاقیں نکاح کی موجودگی میں پڑیں (ماہر کتب)۔

(۲) اگر شوہر اپنی اس بیوی کو جس سے خلوت ہو چکی ہے، سطرچ ہے سطرچ طلاقیں دے کہ تجھے طلاق ہے۔ طلاق طلاق۔ اور آخری دو طلاقیں سے پہلی طلاق کی تاکید کی جیت کرے۔ نہ کہ عید و طلاقوں کی تب بھی دیائے طلاق ایک ہی ہوگی (کافی اس کی یہ بات دے گا) کیونکہ اس شخص نے ایک طلاق کی دو تاکیدیں کی ہیں۔ جیسے کوئی کہے کہ پانی پیو۔ پانی پانی۔ کھانا کھاؤں کھانا کھاؤں میں کل کھا تھا کل کل۔ ان سب صورتوں میں پچھلے دو الفاظوں سے پہلے لفظ کی تاکید ہے۔

(۳) اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے جس سے نفوت ہو چکی ہے۔ ایک وقت تین طلاقیں دے خواہ یوں کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں یا یہ کہے کہ تجھے طلاق ہے۔ طلاق ہے، طلاق ہے۔ بہر حال طلاقیں تین ہی واقع ہوگی اور یہ عورت اب بغیر حلال اس مرد کو حلال نہ ہوگی۔ اس پر امام ابو حنیفہ و شافعی و مالک و احمد اور مسلمان خلافاً مجہور ہیں، کا اتفاق ہے۔ اس شخص کا یہ بین مولوی اس آخری صورت میں اختلاف کرتے ہیں۔

چنانچہ تفسیر صادی میں پارہ دوم زیر آیت **فَاِنْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا فِي مَرَّةٍ** (او مَرَاتٍ فَلَا تُحِلُّ لَهَا) (الابہ) **كَمَا اِذَا قَالَ لَهَا ابِ طَلَّقُ ثَلَاثًا وَهِيَ فِي الْمَحْجَمِ عَلَيْهِ** یعنی عدت میں اس پر اتفاق ہے کہ جو تین طلاقیں لگ لگ دے یا یک دم۔ عورت بہر حال حرام ہو جائے گی۔ نیز نووی شرح مسلم جلد اول باب الطلاق الثالث میں ہے **وَقَدْ اَحْتَمَفَ الْعُلَمَاءُ فِي مَنْ قَالَ لَامْرَأَةٍ اَبِ طَالِقٌ ثَلَاثًا فَقَالَ الشَّافِعِيُّ وَمَالِكٌ وَابُو حَنِيفَةَ لَا يَفْعَلُ بِدَلِكِ اِلَّا وَاحِدَةً** یعنی جو کوئی اپنی بیوی سے کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو چاروں امام اور مسلف و عتق کے عام علماء فرماتے ہیں کہ تین ہی واقع ہوں گی۔ ہاں بعض اہل ظاہر نے کہا ہے کہ ایک ہی واقع ہوگی۔ بلکہ جوج اہل درمات اور بنی مقاتل اور محمد بن اسماعیل کہتے ہیں کہ اس سے ایک طلاق بھی نہیں پڑے گی۔ دیکھو نووی یہی مقام۔ چونکہ موجودہ زمانہ کے غیر معتدل ہر جگہ نفس کا آرام ڈھونڈتے ہیں جس چیز میں نفس امارہ کو رستہ ملے خواہ وہ باطل سے باطل اور ضعیف توں ہو وہ ہی اس دین ایمان سے اس لئے اسہوں نے ابن تیمیہ کی اتباع کرتے ہوئے یہی عقیدہ رکھا ہے کہ ایک دم تین طلاقیں سے ایک ہی واقع ہوگی۔

تفسیر صادی پارہ دوم زیر آیت **فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تُحِلُّ لَهَا (الابہ) وَمَنْ الْقَوْلُ بَاَنَّ الطَّلَاقَ الثَّلَاثَ فِي مَرَّةٍ وَاحِدَةٍ لَا يَفْعَلُ اِلَّا طَلْقًا لَا يَعْرِفُ لَهَا لَا يَنْ تَعْمِيهِ وَرَدٌ عَلَيْهِ اَنْتُمْ مَدَّهَبُهُ حَتَّى قَالَ الْعُلَمَاءُ اِنَّهُ الصَّلَاةُ الْمُصِلُّ وَاسْتَبَاحَ اِلَى الْاِمَامِ اَشْهُبُ مَنْ لَا مَسْتَهَ الْعَالِكَةُ طَلَّقَتْ** یعنی یہ کہتا کہ ایک دم ہی ہوئی تین طلاقیں سے ایک ہی واقع ہوتی ہے یہ سو ابن تیمیہ صلی کے اور کسی نے بھی نہیں کہا ہے اور ابن تیمیہ کی حواہش کے مدد سے ہاں سے تردید کروئی علماء کرام تو فرماتے ہیں کہ ہاں

جیسے خود بھی گمراہ ہے، اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے، اور اس مسئلہ کی نسبت امام، اصحاب، ماہکی کی طرف غلط ہے، بہر حال پتہ یہ لگا کر موجودہ غیر متفقہ مصلحت نفسانی آسانی کے لئے یہ باطل عقیدہ مٹے بیٹھے ہیں۔ ہم نے اس مسئلہ کی بغیر تحقیق اپنی تفسیر یعنی جلد دوم زیر آیت **فَن طَنَقَهَا فَلَا نَحْلُ لَهُ** لایہ میں کر دی ہے مگر چونکہ آجکل اس مسئلہ کے متعلق بہت شور مچا ہوا ہے اور ہمارے پاس اس قسم کے سوالات بہت کثرت سے آرہے ہیں اس لئے ہم رب کے بھروسہ پر اس مسئلہ کا فیصلہ کئے دیجے جن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ سے امید قیوں ہے اور ماعرین سے امید انصاف۔ بیاں کا یہ ہی طریقہ ہوگا کہ مسئلہ دوبارہ بیاں کیا جائے گا۔ پہلے باب میں اپنے دلائل اور دوسرے باب میں مخالفین کے اعتراضات اور ان کے جوابات۔

پہلا باب اس کے ثبوت میں

بہر تو یہ ہے کہ طلاق ایک ہی دے دیا دوسرے ہی نہیں اور اگر تین طلاق ہی دینا ہے تو ہر طہر میں ایک طلاق ہے تین طہر میں تین۔ یکدم چند طلاقیں دینا سخت بر ہے لیکن اگر کسی نے ایک دم چند طلاقیں دے دیں تو اگرچہ یہ کیا مگر تینوں واقع ہو جائیں گی بحالت حیض کہ اگرچہ ہر ہے مگر طلاق واقع ہو جاتی ہے ان کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) رب تعالیٰ فرماتا ہے **الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاَمَّا كَ مَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِيْعٍ** ”باحتسابِ بھر، تا ہے فَن طَنَقَهَا فَلَا نَحْلُ لَهُ“ (لایہ) اس آیت سے معلوم ہو کہ دو طلاقوں تک رجوع کا حق ہے غم میں نہیں اور مرتان کے طلاق سے معلوم ہوا کہ الگ الگ دینا شرط نہیں جس کے بغیر طلاق واقع ہی۔ ہوں خواہ ایک دم دے یا الگ الگ حکم یہی ہوگا۔ چنانچہ تفسیر صاوی میں اس آیت کے تحت ہے **فَن طَنَقَهَا** ”لی صنفہ ثلثہ سوءاً“ **وَقَعَ الْاِثْنَانِ فِي مَرَّةٍ اَوْ مَرَّتَيْنِ وَالْمَعْنَى** **فَاِنْ ثَلَاثًا فَلَهَا ثَلَاثُ مَرَّاتٍ** یعنی آیت کا مقصد یہ ہے کہ اگر تین طلاقیں دیں تو واقع ہو جائیں گی خواہ ایک دم دے یا الگ الگ مگر عورت عدل سے رہے گی کے فرماتے ہیں **كَمَا اِذَا قُلْ لَهَا اِسْتِ طَلَّقِي ثَلَاثًا اَوْ لِسْتَهُ وَهَذَا هُوَ الْمَجْمَعُ عِنْدَهُ** یعنی اگر کوئی شخص یوں کہہ دے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو تین ہی واقع ہو جائیں گی اس پر امت حضرت محمد ﷺ کا اتفاق ہے اسی طرح در تفسیر میں بھی ہے۔

(۲) رب تعالیٰ فرماتا ہے **وَمَنْ يَتَعَذَّ خُنُودٌ اَللّٰهُ فَعَدَّ طَلَقَهُ بَعْدَهُ لَعْنٌ اَللّٰهُ يَحْدُثُ بَعْدَ ذَلِكَ اَمْرًا** جسے جو کوئی لہدی حدیں توڑے کہ ایک دم تین طلاقیں دے تو اپنی جان پر ظلم کرتا ہے کیونکہ کبھی انسان طلاق دے کر شرمندہ ہوتا ہے اور رجوع کرنا چاہتا ہے، مگر تین طلاقیں ایک دم دینے کا تو رجوع نہ کر سکے گا اس آیت میں یہ نہ فرمایا کہ ایک دم تین طلاقیں دے دے والے کی واقعہ ہوں گی بلکہ فرمایا یہ گویا کہ یہ آدمی عالم ہے، اگر اس سے طلاق ایک واقع ہوئی تو یہ عالم کیسے؟ خودی شرح مسلم باب الطلاق الشک میں ہے

وَحَتَّى اِحْضُورَ نَقُولُهُ تَعْدِي وَمَنْ يَتَعَذَّ خُنُودٌ اَللّٰهُ فَعَدَّ طَلَقَهُ بَعْدَهُ لَعْنٌ اَللّٰهُ يَحْدُثُ بَعْدَ ذَلِكَ اَمْرًا ”فَلَا يُمَكِّه“ **نَدْرُكُهُ لَوْ فُوعَ الْبَيِّنَاتُ هُوَ كَاثُ الثَّنُ لَمْ نَقْعُ طَلَا قَهُ هَذَا اَلَا رَحِيْعًا فَلَا يَسُدُّ** ترجمہ وہ ہے جو ہم اور عرض کر چکے ہیں۔

(۳) بیہقی و بیہقی میں سویہ ابن غنیمہ سے روایت ہے کہ حضرت امام حسن ابن علی رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی عائشہ شہیدہ کو ایک دم تین طلاقیں دے دیں۔ بعد میں خبر ملی کہ وہ حضرت امام کے فرق میں بہت روٹی ہیں تو آپ بھی رو پڑے اور فرمائے **لَکَ اَمْرٌ مِّنْ نَّيْ** پے والد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو الگ الگ یا ایک دم تین طلاقیں دے تو وہ عورت بغیر عدل سے جائز نہیں تو میں ضرور رجوع کر لیتا

حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں **لَوْ لَا اَنِّي سَمِعْتُ حَدِيْ وَحَدَّثَنِي اَمِي نَهَ سَمِعَ حَدِيْ يَقُوْلُ اَيُّمَا رَحِلَ طَلَّقَ** ”اَمْرًا تَه ثَلَاثَ عَمَدَ الْاَقْرَاءِ اَوْ ثَلَاثَ فُتُحَةٍ لَمْ نَحْلُ لَهُ حَتَّى تَسْجَحَ رَوْحًا عَمِيْرًا“ (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۱ ص ۳۶۶)

(۴) اس سنن کبریٰ بیہقی میں حبیب ابن ابی ثابت کی روایت سے ہے **قَالَ حَزَّاءُ رَحِلَ لِيْ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَدْ طَلَّقْتُ** ”اَمْرًا تَه ثَلَاثَ عَمَدَ الْاَقْرَاءِ اَوْ ثَلَاثَ فُتُحَةٍ لَمْ نَحْلُ لَهُ حَتَّى تَسْجَحَ رَوْحًا عَمِيْرًا“ (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۱ ص ۳۶۶)

جیسی ایک شخص سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھ رہا تھا کہ میں نے اپنی بیویوں کو بائٹ دے یعنی دو لغو ہیں مگر ہر ہے کہ اس سائل نے یہ ہزار ہا قریبی ہزار مہینوں میں تو تہ دی ہو گی ورنہ ۸۴ سال ۲ مہینے اسی میں صرف ہو جاتے۔ ایک دم ہی دی تھیں اور سیدنا موسیٰ علی رضی اللہ عنہ نے تینوں چاند

(۵) بتائی میں ہے عن جعفر ابن محمد عن عتی رضى الله تعالى عنه قال لا تحل له حتى تسکح روحاً غیرہ استن الکبریٰ علیہ السلام جلد ۷ صفحہ ۳۳۵ یعنی امام جعفر صادق اپنے جد امجد سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی بچی بیوی کو ایک دم تین طلاق دے تو بیوی بغیر حلالہ نہ رہے گی۔ اس کی تائید بھتی کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ جو کوئی بچی بیوی کو ایک دم تین طلاق دے بغیر حلالہ نہ رہے گی۔ اس کی تائید بھتی کی اس روایت سے ہوتی ہے جو اس مقام پر بی بی علی سے مروی ہے کہ عن عتی رضى الله عنه فیمن یطلق امرأه ثلاثاً قبل ان یدخل بها قال لا تحل له حتى تسکح روحاً غیرہ

(۶) یحییٰ نے محمد بن یار ابن کبیر سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو غلوٹ سے پہلے ایک درمیں طلاقیں دیدیں پھر اس کا خیاب ہوا کہ اس سے دوبارہ نکاح کرے۔ تو وہ بوہرہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہواں دونوں صحابیوں نے فرمایا ہم اس نکاح کے جوڑ کی کوئی صورت نہیں دیکھتے جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے وہ بولا حضرت میں نے ایک ہی لفظ سے تیس طلاقیں دی تھیں اس پر حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ جو کچھ تیرے قبضہ میں ہی کچھ تھا تو نے کھائی دے دیا۔ حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَعَسَلْ أَبْهُرْبِرَهُ وَعَبْدُ اللَّهِ ابْنُ عَتَابٍ فَقَالَ لَا تَبْرِي ۖ سَكَحَهَا حَتَّى سَكَحَ رُوحًا عَيْرَكِ قُلْ أَمَا
تَكُنْ طَلَالِي أَيْهَا وَاحِدَةٌ فَقَالَ ابْنُ عَتَابٍ إِنَّكَ أَرَمْتَ مِنْ بَدَكِ مَا كَانَ لَكَ مِنْ فَصْلِ
(سُورَةُ الْكَافِرَاتِ جلد ۲ ص ۲۳۵)

(۷) اسی جہتی میں مہد الحمید ابن رفع سے بروایت عطا ہے کہ کسی نے سیدنا مہد اللہ ابن جبر سے پوچھا کہ عباس طلفٹ امراتی ہائتہ
فلان قاحد ثناء و دغ سبعا تسعیس (سن کر یہ جہتی ہمدے سچوے ۳۷)۔

(۸) پہلی میں سعید اس جبر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ اس عباس سے عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو بزار طلاق دی ہیں۔ آپ نے فرمایا میں نے لو۔ ورنہ سوستانوے چھوڑ دو۔ عبادت یہ ہے ان رخلأح، الی اس عباس وقال طلقتم امرأتی المأفقال
 فَاخْذُثْلَقًا وَدَعْنِیْ سَعْمَةً وَتَسْبِیْحًا (سنن ترمذی - جلد ۱ صفحہ ۳۲)

(۹) بخاری میں بروایت سعید ابن جبیر ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس نے اس شخص سے فرمایا کہ جس سے اپنی بیوی کو ایک دم تمسک ملد قیس دی نہیں کہ تجھ پر تیری بیوی حرام ہوگئی۔ عبارت یہ ہے **عن ابن عباس** **انہ لولہ لو غلب طلق امرأه** **فہ نكاحاً حراماً** (سنن ابی ہادی جلد ۱ ص ۲۲)

(۱۰) بخاری میں بروایت عمرو ابن دینار ہے کہ کسی شخص نے عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ستاروں کے برابر مطلق قیس دے اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا اس سے کہ دو کہ تجھے برج جوڑو کا سر ہی کافی ہے۔ خیال رہے کہ برج جوڑو کے سر پر تمسک ستارے ہیں۔ عبارت یہ ہے۔

نفس غصہ میں دیر نہ رہیں عباسی مسل عن رحی طشق امراء نہ عدد النجوم فقال انما یکفیک راس
الجنوداء (سنن کبریٰ جلد ۷ ص ۲۷۷)

(۱۱) میں ماجہ شروع بوب الطلاق باب میں طلق ثلاثاً فی مجلس و حلیہ میں ہے کہ فاعلم قیس فرماتی ہیں کہ مجھے میرے شوہر نے یمن سے لایا۔ تین سال تک قیس ایک دم دیدیں۔ ساتھیوں کو حضور ﷺ نے چار بار کہا عبارت یہ ہے **فالت طُلُفُی رُوحی ثَلَاثٌ وَهُوَ نَاحِرٌ** "الی الیمن فاحار دلك رسولُ الله ﷺ"

(۲) حاکم النعمان مابا اجد و دوس نے انکے علی ایس یرید انکے رکنا نہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا میرے دادا اے اپنی بیوی کو طلاق نہ دی۔ پھر وہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ سے اس بارے میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ سے اس بارے میں سوس کیا اور عرض کیا کہ میں نے ایک نیت کی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا اللہ کی قسم تم نے ایک ہی نیت کی تھی۔ عرض کیا قسم ہے رب کی میں نے نہ نیت کی مگر ایک کی میں حضرت محمد ﷺ نے ان کی بیوی کو ان کو واپس فرمادیا۔

چنانچہ ابن ماجہ اور ابوداؤد میں ہے **عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنِ ابْنِ مَرْيَمَ بْنِ زَكَرِيَّا عَنْ أَبِيهِ عَنْ حَذَّهِ أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ**
الْبَيْتَةَ فَاسَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَضَلَّ مَا ارْذَتْ بِهَا وَاحِدَةً فَإِنَّ أَوْ اللَّهِ مَا رَذَتْ بِهَا أَلَا وَاحِدَةً قَالَ وَاللَّهِ
مَا رَذَتْ بِهَا أَلَا وَاحِدَةً قَالَ فَرُدَّهَا إِلَيْهِ (ابن ماجہ، ابوداؤد، ترمذی، ابویہ) اگر ایک دم تین طلاقیں سے ایک ہی طلاق ہوتی تو
 حضور علیہ السلام حضرت رکندہ سے اس نیت کی قسم کیوں لیتے انہوں نے کہا تھا است طلق "طلق" "طلق" اور آخری دو طلاقیں سے ہر ایک طلاق
 کی تاکید تھی۔ اس نے اسے ایک قرآن میں یہ روایت نہایت صحیح کا مل اعتماد ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ فرماتے ہیں کہ **ما اشرف هذا الحديث**
 یہ حدیث کیا ہی شریف الامام ہے ابوداؤد نے فرمایا ہے **هذا اصح من حديث ابن خزيمة** یہ روایت، بقدر روایت ابن جریر زیادہ صحیح ہے
 (۱۳) امام مالک وشافعی و ابوداؤد و ترمذی میں بروایت معاویہ بن ابی عباس سے کہ کسی نے حضرت ابو ہریرہ اور عبد اللہ ابن عباس سے پوچھا کہ جو کوئی
 اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دے۔ اس کا کیا حکم ہے۔ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ ایک طلاق اسے حد کر دے گی اور تین حرام کہ بغیر حد۔ نکاح
 درست نہ ہوگا۔ عبد اللہ ابن عباس نے اس کی تاکید فرمائی۔ عورت یہ ہے **عن محمد بن عبد الله بن عباس ان ابن عباس و اب هريرة**
وعبد الله ابن عمر ابن العاص نسوا عن لبيكرو حنيفة روحها ثقتان لا تحلل له حتى تنكح زوجاً
غيره وروى منك عن يحيى ابن سعيد عن نكير ابن اشخ عن معاوية ابن عبيد الله انه شهد هذه
القصص (ابن ماجہ، ابویہ، ابورحمن، ابوالفتح) (۱۴)

(۱۴) ترمذی نے بسام صریحی سے روایت کی کہ جعفر بن محمد فرماتے ہیں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو نادانی سے یا جاں بوجہ کر تین طلاقیں دے وہ عورت اس
 پر حرام ہو جائے گی۔

(۱۵) اسی ترمذی نے مسند بن جعفر احمد سے روایت کی کہ میں نے امام جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ یہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی ایک دم تین
 طلاقیں دے تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی؟ فرمایا معاویہ بن عبد اللہ نے یہ بھی نہ کہا اس کی طلاقیں تین ہی ہوں گی (تفسیر روح البیان پارہ دوم)
 (۱۶) مسلم شریف کتاب الطلاق باب الطلاق المشكك میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ قانون بنادیا کہ ایک دم تین طلاقیں تین ہی ہوں گی
 عمارت یہ ہے۔

فضل غفر ابن الخطاب ان الناس قد استعجنوا في امر كذا لهم فيه عادة فصباه عليهم فامسأه عليهم
 (۱۷) اس حدیث کی شرح نووی میں ہے کہ صحابہ کرام کا اجماع اس پر ہے کہ تین طلاقیں تین ہی ہوں گی ورنہ ہر بے کلمہ کرام بھی طلاق پر اجماع
 نہیں کر سکتے۔

(۱۸) جب شوہر تین طلاقیں دینے کا حق ہے تو کیا وجہ ہے کہ وہ دے تین اور پڑے ایک، مالک کا تعریف معتبر ہونا چاہیے۔
 (۱۹) فعل حرام ہونے سے قانون نہیں بدل جاتا۔ ایک دم تین طلاقیں دینا بیگناہ سخت منع ہے لیکن جب شوہر تین طلاقیں مرد سے بول رہا ہے تو واقع
 کیوں نہ ہوں دیکھو چوری کی کھجری سے جانور ذبح کرنا حرام ہے۔ لیکن اگر کوئی رعاع کرے تو بیگناہ طلال ہے بحالت حیض طلاق دینا حرام ہے لیکن اگر
 کوئی دیکھے تو واقع ہو جائے گی۔

(۲۰) مقام میں مسبب سبب سے وابستہ ہوتا ہے کہ سبب کے ہوتے ہی مسبب کا ہونا ضروری ہے۔ ہدایہ کتاب النکاح میں ہے۔
لَا الْحُكْمُ فِيهَا لَا لَا يَقْبَلُ الْمُفْضِلُ عَنِ الشُّبِّ لِأَنَّهُ سَفَاطٌ فَيَسْلُ الشُّبِّي یعنی اس مقام میں ہم اپنے سبب سے ملے
 نہیں ہو سکتا طلاق بولنا سبب ہے اور طلاق واقع ہونا اس کا ثمر اور طلاق زوج کی ملکیت کا محض ساقط کرنا ہے لہذا اگر ممکن ہو سبب پایا جائے اور حکم نہ پایا
 جائے کہ وہ دو تین اور پڑے ایک۔

(۲۱) جہور علماء خصوصاً چاروں امام حنفیہ مت مسلمہ کی مخالفت ہے جو کمرانی ہے غرضیکہ یہ مسئلہ قرآن و حدیث، اجماع صحابہ ائوال علماء محدثین و مفسرین
 و نقلی عقلیہ ہی سے ثابت ہے اس کی مخالفت عقل و نقل کی مخالفت ہے۔

دوسرا باب

اس مسئلہ پر اعتراض و جوابات

غیر مقیدین اس مسئلہ پر اب تک حسب ذیل اعتراضات کر سکتے ہیں انشاء اللہ اس سے زیادہ انہیں نہ ملیں گے بلکہ عام غیر مقلدوں کو تو اسے بھی نہیں معلوم جو ہم انکی وکالت میں بیان کرتے ہیں۔

پہلا اعتراض رب تعالیٰ فرماتا ہے **الطَّلَاقُ مَرْئِسٌ قَامِمٌ كَبْرٌ** بمعروف و ب او تسریع یا حسب پکچھا آگے چل کر رٹا دیتا ہے **فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا حُلَّ لَهَا مَرْئِسٌ** اور **فَاِنْ** کی ف سے معلوم ہو کہ طلاقیں الگ الگ چاہئیں۔ ایک دم میں طلاقیں الگ الگ کہہ سکتی ہیں۔ **مَرَّتَانِ** عیدگی بتا رہا ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایک دم میں طلاقیں ایک ہی ہوں گی بلکہ مقصد یہ ہے کہ طلاقِ رَحْمٰی دو طلاقیں ہیں۔ **الطَّلَاقُ** میں الف لام عہدی ہے پھر فرمایا کہ جو کوئی دو سے زیادہ یعنی تین دے تو بغیر عدل سے عورت حلال نہیں۔ تفسیر احمدی و صاوی و جلالین میں ہے **لَطَّلَاقٌ لِّى السُّطْلَاقِ لَدَى بَرِاحٍ** بعدہ **مَرْئِسٌ** دوسرے یہ کہ اگر ماں یا جاوے کے مرنے سے تین طلاقوں کی عیدگی مراد ہے تو یہ کہنا کہ تجھے طلاق طلاق ہے طلاق ہے اس میں بھی طلاقوں کی اتفاقاً عیدگی ہے اور یہ کہنا کہ تجھے تین طلاقیں ہیں اس میں عددی عیدگی کیونکہ عیدگی کے بعد کیسے عدد بنے گا؟ آیت کا یہ مطلب کہاں سے نکالا گیا کہ طلاقوں کے درمیان ایک خفیہ کا فاصد ہونا شرط ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **فَارَاجِعِ الصَّرْكَزِ نِیْسَ** آسان کو بار بار دیکھو اس کا یہ مطلب نہیں کہ عیدگی میں ایک ہی بار دیکھ لیا کرو تیسرے یہ کہ تمہاری تفسیر سے بھی آیت کا یہ مطلب بنے گا کہ طلاقیں الگ الگ ہونی چاہئیں ہر بھی یہی کہتے ہیں کہ چٹک ایک دم طلاقیں دینا سخت منع ہے۔ الگ الگ ہی دینا ضروری ہے مگر سوال تو یہ ہے کہ جو کوئی حماقت سے ایک دم میں طلاقیں دیدے تو قبیح بھی ہوگی یا نہیں اس کی آیت ساکت ہے۔

دوسرا اعتراض مسلم شریف کتاب الطلاق میں عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی بلکہ شروع عہد فاروقی میں بھی عہم یہ تھا کہ ایک دم میں طلاقیں ایک ہوں گی مہارت یہ ہے **عَنْ اَبِی عَنِاسٍ قَالَ كَانَ الطَّلَاقُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَ اَبِی بَكْرٍ وَ ثَنِسٍ مِنْ حِلَالِ غَمْرِ طَلَاقٍ اَثَلَابٍ وَاحِدَةٍ** بڑا ہی مسلم میں اسی جگہ ہے کہ ابواصحا ء نے حضرت عبد اللہ ابن عباس سے پوچھا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی میں تین طلاقیں ایک مانی جاتی تھیں انہوں نے فرمایا ہاں مہارت یہ ہے **نَبِیُّ ابِ الصَّحْبِ ؕ قَالَ لَاسْ عِنَاسٍ اَتَعْلَمُ اَنْتَا كَاثَ الثَّلَثِ نَحْمِلُ وَاحِدَةً عِنْدَ عَهْدِ نَبِیِّ ﷺ وَ اَبِی بَكْرٍ وَ ثَلَاثٌ مِنْ اَعَارَةِ غَمْرِ فَقَالَ اَبِی عَنِاسٍ نَعَمْ** اس حدیثوں سے صراحۃً معلوم ہو کہ ایک دم میں طلاقیں ایک ہیں۔

نوٹ غیر مقلدوں کا یہ انتہائی اعتراض ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تو یہ روایت ہے اور خود نبی کا یہ فتویٰ ہے کہ ایک دم میں طلاقیں۔ تین طلاقیں ہی ہوں گی۔ جس کا ذکر پہلے باب میں ہو چکا اور جہاں راوی حدیث کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو وہاں معلوم ہوگا کہ اس راوی کے علم میں یہ حدیث منسوخ ہے، نیز صحابہ کرام کی موجودگی میں حضرت عمر فاروق کا یہ قانون بنانا کہ یکدم میں طلاقیں تین ہی ہوں گی اور اس پر عمل درآمد ہو جانا اور کسی صحابی بلکہ خود سیدنا عبد اللہ ابن عباس کا اس پر اعتراض نہ کرنا تاؤر بلند خیر و نیت ہے کہ وہ حدیث یا منسوخ ہے یا ماؤں۔ کیا صحابہ کرام حدیث کے خلاف اجماع کر سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں اس عورت کو طلاق دینا مرد ہے جس سے غلط نہ ہوئی ہو درواقع اگر کوئی شخص اپنی سخی بیوی کو تین طلاقیں ایک دم اس طرح دے کہ تجھے طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے تو اس کی واقع ہوگی اور خیر کی دو طلاقیں بخیر۔ چنانچہ ابو داؤد کتاب الطلاق باب **بِسْمِ الْمُرَاجَعَةِ بَعْدَ التَّطْلِيقَاتِ الثَّلَاثِ** میں ہے کہ ابو صحبا نے عبد اللہ ابن عباس سے پوچھا کہ آپ کو خیر نہیں کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی در شروع خلافت فاروقی میں جو کوئی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیتا تو ایک ہی مانی جاتی تھیں۔ فرمایا ہاں جو غیر مدخول بہ بیوی کو تین طلاقیں دیتا تھا۔ اس کی طلاق ایک پڑتی تھی۔ عبارت یہ ہے **قَالَ اَبِی عَنِاسٍ بِنِیْ كَا لِرَجُلٍ اَدَا طَلَقَ اَمْرًا اَنْهَ ثَلَاثًا قَبْلَ اَنْ يَدْخُلَ بِهَا جَعَلُوْهَا وَاحِدَةً** الخ اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہو کہ مسلم کی روایت کا یہ نبی مطلب ہے اور یہ حکم اب بھی باقی ہے جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے تیسرے یہ کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی میں لوگ تین طلاقیں اس طرح دیتے تھے کہ تجھے طلاق

ہے طلاق طلاق۔ گویا جھگڑی و دھڑاقتوں سے پہلی طلاق کی تاکید کر۔
جدا و صورت مسئلہ بدلنے سے حکم بدل گیا۔ خودی شریف میں ہے۔

فِي هَالِكِ الْقَصْرِ

مقلدان کو عقل دے جس سے حدیث کا مقصد صحیح سمجھ کریں۔

کہ میں نے تمہیں ملائیس دی ہیں یہاں تاکید کا حوالہ نہیں اور پھر بھی یک ہی دلی گہنی۔

ہیں کہ طلاقیں تعین دیں۔ ماحولہ پوتے کی روایت زیادہ صحیح ہوگی عبارت یہ ہے۔

الْبَيْتُ وَحَدَّثَهَا النَّبِيُّ ﷺ وَاحِدَهُ (سُتُنِ كَرِيْمِي بِسْمِي (اِبْرَاهِيْمُ وَرَبِّي مَقَامِ)

— ۱۱۸ —

ساتواں اعتراض غسل بھی چاہتی ہے کہ تنہی تین طہ قیں ایک ہی مانی جائیں کیونکہ جن جن چیزوں کی عیحدگی کا حکم ہے اس کو کٹھا کر دینا ایک کے حکم میں ہوتا ہے۔ مثلاً حائض میں لگ لگ چار قسمیں کھانا واجب ہے، اور حج میں حجروں پر لگ لگ سات سنگر مارنا واجب ہیں اگر کوئی چاروں میں سے ایک لفظ سے کھائے تو یہ ایک قسم مانی جائے گی کہ تین قسمیں اور کھانی پڑیں گی۔ اگر کوئی ساتوں سنگر ایک دم پھینک دے تو ایک ہی رمی مانی جائیگی اور چھ سنگر اسکے بعد وہ مارنے ہوں گے ایسے ہی اگر کوئی قسم کھائے کہ میں ہزار درود پڑھوں گا اور پھر اس طرح پڑھے **اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی** **مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ** تو اس کا یہ درود بزرگ مانا جائے گا بلکہ ایک ہی مانا جائیگا لہذا چاہیے کہ اگر کوئی ایک دم تین طہ قیں دے دے تو ایک ہی واقع ہونے کہ تین۔

جواب **الحمد لله** آپ قیاس کے تو قائل ہوئے اور آپ نے قیاس کرنے کی زحمت کو رافرمائی مگر جیسے آپ ویسا آپ کا قیاس جناب اعلیٰ اور رمی میں فعل مقصود ہے نہ کہ اس کا اثر اور طلاق میں اثر مقصود ہے، نہ کہ محض فعل ہذا یہ قیاس صحیح نہیں۔ اعلیٰ کی ہر قسم ایک گواہ کے قائم مقام ہے۔ جب کہ زمانہ میں گواہ چار ہیں تو اعلیٰ میں جو اس کا قائم مقام ہے۔ یعنی فعل قسم بھی چار ہی چاہئے۔ ایک لفظ چار قسمیں کھانے میں فعل ایک ہی چونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے رمی میں سات فعل فرمائے ہیں۔ اس کی پیروی چاہیے۔ درود شریف میں ثواب بقدر محنت ملتا ہے ایک ہزار درود کی محنت اتنی محنت کی محنت ہے اور ظاہر کہ ایک بار **الف** **مرآۃ** کہہ یہے میں ہزار درود کی محنت نہیں پڑتی۔ لہذا اس کے احکام بھی مختلف جسم کا دھڑلہ ہوتا ہے، طلاق کو اس کا ثواب کا کام ہے۔ تاکہ اس میں زیادہ ثواب ملے۔ غرض یہ تمام اعتراضات کٹری کے جائے کی طرح کر رہے ہیں ان سب کی ممانعت آسانی اور افسوس ہر دوری ہے خدا تعالیٰ قرآن وحدیث کی صحیح فہم رکھ فرمائے۔ اگر تین طہ قوں سے ایک ہی واقع ہو اور شہر پہنچی سے لگ ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر تینوں واقع ہو جائیں اور پھر رجوع کر لیا جائے تو عمر بھر حرہ کا رعب ہوگی۔ لہذا احتیاط بھی اسی میں ہے کہ تین طہ قیں تین ہی مانی جائیں اسی لئے علماء اصوں فرماتے ہیں کہ اباحت در حرمت میں جب تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِينَ بِرَحْمَتِهِ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ

مقدمہ

اصل کتاب کے مطالعہ سے پہلے حسب ذیل قواعد اچھی طرح مطالعہ فرما کر یاد فرمائیں۔ یہ قواعد بہت ہی کارآمد ہیں۔

قاعدہ نمبر ۱

حدیث ضعیف

صحیح ۱۰ حدیث ہے جس میں چار خوبیاں ہوں۔

(۱) اس کی اسناد متصل ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر مؤلف کتاب تک کوئی روئی کسی جگہ چھوٹا نہ ہو۔

(۲) اس کے سارے راوی افس درجہ کے متقی پر بیس گار ہوں۔ کوئی فاسق یا مستوا حال نہ ہو۔

(۳) تمام راوی اہل یت قوی ای نق ہوں کہ کسی کا حفظ یا روئی یا بڑھاپے کی وجہ سے کمزور نہ ہو۔

(۴) دو حدیث مثلاً یعنی احادیث مشہورہ کے خلاف نہ ہو۔

حسن ۱۱ حدیث ہے جس کے کسی راوی میں یہ صفات اعلیٰ درجہ نہ ہوں۔ یعنی کسی کا تقویٰ یا قوت حافظہ اعلیٰ درجہ کا نہ ہو۔

ضعیف ۱۲ حدیث ہے جس کا کوئی راوی متقی یا قوی ای نق نہ ہوں۔ یعنی جو صفات حدیث صحیح میں مستخرج ہیں اس میں سے کوئی ایک صفت نہ ہو۔

قاعدہ نمبر ۲

پہلی دو قسمیں یعنی صحیح و حسن احکام اور فضائل سب میں معتبر ہیں۔ لیکن حدیث ضعیف صرف فضائل میں معتبر ہے۔ احکام میں معتبر نہیں یعنی اس سے طاعات و محرمات ثابت نہ ہوں گے ہاں اعمال یا کسی شخص کی عظمت و فضیلت ثابت ہو سکتی ہے۔

نتیجہ ۱۳ ضعیف حدیث جھوٹی یا غلط یا گڑھی ہوئی حدیث تو نہیں کہتے۔ جیسا کہ غیر مقلدوں نے عوام کے ذہن نشین کر دیا ہے کہ لوگوں نے اسے کھا جانے والا، نوا بھور کھا ہے۔ بلکہ محدثین نے محض احتیاط کی بنا پر اس حدیث کا درجہ پہلی دو سے کچھ کم رکھا ہے۔

قاعدہ نمبر ۳

اگر حدیث ضعیف کسی وجہ سے جس میں جاوے تو وہ بھی مطلقاً معتبر ہے۔ اس سے احکام و فضائل سب کچھ ثابت ہو سکتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۴

حسب ذیل چیزوں سے حدیث ضعیف حسن بن جاتی ہے۔ (۱) زیادہ سندوں سے روایت ہو جانا اگرچہ وہ سب اسنادیں ضعیف ہوں۔ یعنی اگر ایک حدیث چند ضعیف راویوں سے مروی ہو جاوے تو اب وہ ضعیف نہ رہی حسن بن گئی۔

(۲) مرقاۃ، موضوعات، کبیر، شامی، مقدمہ، مشکوٰۃ، شریف، مولانا مہد الحق، رسالہ اصول حدیث، بحر جانی، ذرۃ ترمذی شریف وغیرہ

۱۴ ماہر کا مین کے عمل سے ضعیف حدیث حسن بن جاتی ہے۔ یعنی اگر حدیث ضعیف پر علماء دین عمل شروع کر دیں تو وہ ضعیف نہ رہے گی حسن ہو جاوے گی اس ہی لیے امام ترمذی فرمادیتے ہیں۔

هذا الحديث غريب، صحيح، و يعمل عليه عند أهل نفعہ "یہ حدیث ہے تو غریب یا ضعیف مگر اہل علم کا اس پر عمل ہے۔"

ترمذی کے اس قول کا مطلب یہ نہیں کہ یہ حدیث ہے تو ضعیف، ناقابل عمل مگر عوام امت نے جو قوی سے عمل کر لیا اور سب گمراہ ہو گئے۔ بلکہ مطلب یہ ہی ہے کہ حدیث روایتیہ کے لحاظ سے ضعیف تھی۔ مگر عوام امت کے عمل سے قوی ہو گئی۔

۱۵ علماء کے تجربہ اور اہل علم کے کشف سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے شیخ عی الدین بن عربی ایک حدیث سی تھی کہ جو ستر ہزار بار کلمہ تھپہ پڑھے۔ اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ ایک دفعہ ایک جوان نے کہا کہ میں اپنی مری ماں کو روزن میں دیکھتا ہوں۔ شیخ نے ستر ہزار بار کلمہ پڑھا ہوا تھا۔ اپنے دس میں اس کی ماں کو بخش دیا دیکھ کہ جوان ہنس پڑا اور پور کہ اپنی ماں میں جنت میں دیکھتا ہوں۔ شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کی صحت اس دلی کے کشف سے معلوم کی (صحیح ابی ہریرہ) تھہیر الناس مصنفہ مولانا محمد قاسم میں یہی واقعہ حنیف رحمۃ اللہ علیہ کا نقل فرمایا۔

قاعدہ نمبر ۵

اسناد کے ضعف سے متن حدیث کا ضعف لازم نہیں۔ جبکہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک حدیث ایک اسناد میں ضعیف ہو دوسری اسناد میں حسن ہو تیسری میں صحیح کی۔ بیہیہ امام ترمذی ایک حدیث کے متعلق فرمادیتے ہیں۔

هذا الحديث حسن صحيح، غريب "یہ حدیث حسن بھی ہے صحیح بھی ہے غریب بھی۔"

ترمذی کے اس قول کا مطلب یہ ہی ہوتا کہ یہ حدیث چند سندوں سے مروی ہے ایک اسناد حسن ہے دوسری سے صحیح تیسری سے غریب۔

قاعدہ نمبر ۶

بعد کا ضعف اگلے محدث یا مجتہد کے لئے معتبر نہیں۔ لہذا اگر ایک حدیث امام بخاری یا ترمذی کو ضعیف ہو کر لی ہو۔ کیونکہ

اس میں ایک روئی ضعیف شامل ہو گیا تو ہو سکتا ہے کہ وہی حدیث امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو صحیح سے ملی ہے۔ آپ کے زمانہ تک وہ ضعیف، مروی اس کی اسناد میں شامل نہ ہو۔ بعد کسی وہابی کو یہ ثابت کرنا آسان نہیں کہ یہ حدیث امام عظیم کو ضعیف ہو کر لی۔

ایک دفعہ ایک وہابی غیر مقلد سے قرآن خلف الامام پر ہماری معمولی گفتگو ہوئی۔ ہم نے یہ حدیث پیش کی۔

قِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ" "کلام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔"

دہلی جی بولے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کی اسناد میں جاہر جھٹی ہے۔ جو ضعیف ہے ہم نے پوچھا کہ جاہر جھٹی کب پیدا ہوتا تھا۔ جس کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ضعیف ہے۔ تڑپ کر بولے ۳۳۵ھ میں ہم نے کہا کہ جب امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث سے استدلال فرمایا تھا تب جاہر اپنے باپ کی پشت میں بھی نہ آئے تھے۔ کیونکہ امام عظیم کی وراثت ۸۰ھ ہجری میں ہوئی اور وفات ۱۵۰ھ میں لہذا اس وقت یہ حدیث بالکل صحیح تھی۔ بعد کے محدثین کو ضعیف ہو کر لی دہلی صاحب سے اس کا جواب نہ مل پڑا۔ بغیر جواب دینے فوت ہو گئے۔

یہذا ضعیف علماء کو خیال رکھنا چاہئے کہ دہلی کو ضعیف ضعیف کہنے سے روکیں۔ وجہ ضعیف پوچھیں پھر یہ تحقیق کریں کہ ضعیف امام اعظم سے پہلے کا ہے یا بعد کا اس شاء اللہ دہلی جی پانی مانگ جائیں گے اور ضعیف کا سبق بھول جائیں گے۔ کیونکہ امام عظیم کا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی قریب ہے۔ اس وقت حدیثیں بہت کم ضعیف تھیں امام صاحب تاہی ہیں۔

۷۔ جرح مہم قابل قبول نہیں یعنی کسی نامحدود حدیث خصوصاً ابن جوری وغیرہ کا یہ کہہ دینا کہ فلاں حدیث یا روایت ضعیف ہے غیر معتبر ہے۔ جب تک یہ نہ بتائے کہ کیوں ضعیف ہے۔ اور اس راوی میں کیا ضعف ہے۔ کیونکہ جب ضعف میں آنے کا اختلاف ہے۔ ایک چیز کو بعض عیب سمجھتے ہیں۔ بعض نہیں۔ دیکھو تیس۔ رساں۔ گھوڑے دوڑانا۔ مذاق۔ نوعمری۔ فقہ میں مشغولیت کو بعض لوگوں نے روکی کا عیب جانا ہے۔ مگر خفیوں کے نزدیک ان میں سے کچھ بھی عیب نہیں۔ (نور الانوار ج ۱ ص ۱۷۷)

۸۔ اگر جرح تعدیل میں تعرض ہو تو تعدیل قبول ہے نہ کہ جرح جیسی ایک روایت کو محدث نے ضعیف کہا کسی نے اسے قوی فرمایا۔ بعض تو رخ سے اس کا فتنہ ثابت ہوا بعض نے فرمایا وہ متقی صالح تھا تو اسے متقی مانا جاوے گا۔ اور اس کی روایت ضعیف نہ ہوگی۔ کیونکہ مومن میں تقویٰ اصل ہے۔

۹۔ کسی حدیث کے صحیح نہ ہونے سے اس کا ضعیف ہونا لازم نہیں۔ لہذا اگر کوئی محدث کسی حدیث کے متعلق یہ فرمادیں کہ یہ صحیح نہیں اس کے معنی یہ نہیں کہ ضعیف ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ حدیث حس ہو۔ صحیح و ضعیف کے درمیان بہت درجے ہیں۔

۱۰۔ صحیح حدیث کا رد اور مدار مسلم بخاری یا صحاح ستہ پر نہیں صحاح ستہ پر نہیں صحیح ستہ کو صحیح کہے کا مطلب یہ نہیں کہ اس کی ساری حدیثیں صحیح حدیثیں زیادہ ہیں۔ ہاں راہیں حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ نہ کہ بعض بخاری و مسلم وغیرہ پر حضور ﷺ کی حدیث جہاں سے ملے ہمارے سر آنکھوں پر ہے بخاری میں ہونے کو ترجیح ہے۔ غیر مقلدوں پر کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید کو شرک قرار دیتے ہیں۔ مگر مسلم بخاری پر ایسا ایمان رکھتے ہیں اور ان کی یہی غلطی تقلید کرتے ہیں کہ حدیث کی بناء۔

۱۱۔ کسی عالم فقیہ محدث کا کسی حدیث کو بغیر اعتراض قبول کر لینا اس حدیث کے قوی ہونے کی دلیل ہے۔ مگر کوئی فقیہ عالم مجتہد ضعیف حدیث کو قبول فرمادے تو اس سے وہ ضعیف حدیث قوی ہو جاوے گی۔ وہی الدین محمد ابن عبد اللہ خطیب حمیری صاحب مشکوٰۃ ضعیف مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔

وَنَبِيٍّ إِذَا اُنْذَرْتُ الْحَدِيثَ الْيَقِينُ كَأَنِّي سَمِعْتُ لِي النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

"میں نے جب حدیث کو ان حدیث میں کی فرما منسوب کر دیا تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہی منسوب کر دیا۔"

ان تو حد سے آپ کو کچھ گئے ہوں گے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے۔ اس میں کوئی ضعیف نہیں ہو سکتی کہ ان پر استدلال کا عمل ہے اس کو علماء فقہاء نے قبول فرمایا ہے ان میں سے ہر حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے۔ فقیر فقیر اس شاء اللہ ہر مسئلہ پر اتنی حدیثیں پیش کرے گا۔ جس سے کوئی حدیث ضعیف نہ کہی جاسکے کیوں کہ اسنادوں کی کثرت ضعیف کو حسن بنا دیتی ہے۔ احمد و دارماں

۱۲۔ اگر حدیث و قرآن میں تعارض نظر آئے تو حدیث کے معنی ایسے کرنے چاہئیں جس سے دونوں میں موافق ہو جاوے تعارض جاتا رہے ایسے ہی مگر حدیثیں آپ میں مخالف معلوم ہوں تو ان کے ایسے معنی کرنے لازم ہیں کہ مخالف نہ رہے اور سب پر عمل ہو جاوے اس کی مثال یہ ہے کہ بفرماتا ہے۔

فَقَرَأُوا تَبَشِّرْ مِنَ الْفُقَرَاءِ "جس قدر قرآن مجید آسان ہو گا میں پڑھوں۔"

لیکن حدیث شریف میں ہے۔

لَا صِدْقَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَاجَةِ الْكُتُبِ "جو سورۃ فاتحہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔"

یہ حدیث اس آیت کی مخالف معلوم ہوتی ہے لہذا حدیث کے معنی یہ کر دو کہ سورۃ فتح کے پچھرے نماز کامل نہیں ہوتی۔ مطلقاً قراءت نماز میں فرض ہے اور

سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب تعارض اٹھ گیا اور قرآن وحدیث دونوں پر عمل ہو گیا۔ نیز رب فرماتا ہے۔

وَلَا تَقْرَأُ الْقُرْآنَ فَلا تَسْمَعُوا لَهُ وَانصِتُوا "جب قرآن پڑھا جاوے تو اسے کان لگا کر سنو اور چپ رہو۔"

لیکن حدیث شریف میں ہے

لَا صَوۡةَ لِمَنۡ لَّمۡ يَفۡرَأۡ بِمَاتِحَةِ الْكِتَابِ "جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔"

یہ حدیث اس آیت کے خلاف معلوم ہوتی ہے کہ قرآن مطلقاً خاموشی کا حکم دیتا ہے اور حدیث شریف مقتدی کو سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیتی ہے۔ لہذا یہ مانو کہ قرآن کا حکم مطلق ہے۔ اور حدیث شریف کا حکم ان کیلئے نہ رہی یا امام کے لئے ہے۔ مقتدی کے لئے امام کا ہڈ پینا کافی ہے کہ یہ اس کی عکس قرأت ہے، مگر یہ قاعدہ نہایت اہم ہے اور اگر کوئی حدیث آیت قرآنی کے یا اپنی سے اوپر والی حدیث کے ایسے مخالف ملے کہ کسی طرح مطابقت ہو ہی نہ سکے تو پھر قرآن کریم یا اس سے اوپر والی حدیث کو ترجیح ہوگی اور یہ حدیث قائل عمل نہ ہوگی۔ یہ حدیث منسوخ مانی جاوے گی۔ یا حضور ﷺ کی خصوصیت میں سے شمار ہوگی۔ انکی بہت مثالیں ہیں۔

قاعدہ نمبر ۱۳ حدیث کا ضعیف ہو جانا غیر مقلدوں کے لئے قیامت ہے۔ کیونکہ ان کے مذہب کا دار و داراں روایتوں پر ہی ہے۔ روایت ضعیف ہوئی تو ان کا مسئلہ بھی فنا ہو۔ مگر حنفیوں کے لئے کچھ معز نہیں۔ کیونکہ حنفیوں کے دہاکل یہ روایتیں نہیں ان کی دلیل صرف توں امام ہے۔ توں امام کی تائید یہ روایتیں ہیں۔ ہاں امام کی دلیل قرآن وحدیث ہیں۔ مگر امام صاحب کو جب حدیثیں پیش تو صحیح تھیں کہ ان کی بنا دیں یہ نہ تھیں جو مسلم بخاری کی ہیں اگر پولیس ملزم کو جیل میں دیدے تو پولیس کی دلیل حاکم کا فیصلہ ہے نہ کہ تعزیرات ہند کے دفعات ہاں حاکم کی دلیل یہ دفعات ہیں یہ بات یاد رکھو۔ تقلید اللہ کی رحمت ہے غیر مقتدی رب کا مدد ہے۔

حصہ دوم

پہلا باب

کانوں تک ہاتھ اٹھانا

نہر میں بکیر تحریر کے وقت مردوں کو کانوں تک ہاتھ اٹھا سنا ہے مگر وہابی غیر مقلد محروقات کی طرح کندھوں سے انگوٹھے چھو کر ہاتھ ہاندھ بیٹے ہیں۔ لہذا ہم اس باب کی دو نصیحتیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے حنفیوں کے دلائل۔ دوسری فصل میں غیر مقلدوں کے اعتراضات و جوابات۔

رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

پہلی فصل

کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی بہت سی حدیثیں ہیں جن میں سے ہم چند پیش کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱ تا ۳ بخاری، مسلم، ترمذی نے مالک ابن حوریت سے روایت کی۔

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَ كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يَجِدَ دِي بِيهَا فَرَفَعَ أَذْيَهُ
"حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب بکیر فرماتے تو اپنے ہاتھ مبارک کانوں تک اٹھاتے دیگر الفاظ یہ ہیں کہ کانوں کی لو تک اٹھاتے۔"

حدیث نمبر ۴ ابوداؤد شریف میں حضرت برہان عازب سے روایت ہے۔

رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَعَلَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يَلْبَسَ مِنْ أَذْيِهِ ثُمَّ لَا يَفْعُلُ
"میں نے حضور علیہ السلام کو دیکھا کہ جب نماز شروع فرماتے تو اپنے ہاتھ مبارک کان کے قریب تک اٹھاتے۔ پھر رفع یہ نہیں فرماتے۔"

حدیث نمبر ۵ مسلم شریف نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ كَبَّرَ قَالَ أَحْذَرُوا حَبْلَ
أَذْيِهِ لَمْ يَلْبَسْ ثِيَابَهُ.

"انہوں نے حضور علیہ السلام کو دیکھا کہ حضور جب نماز میں داخل ہوتے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے۔ ایک راوی نے فرمایا کہ اپنے کانوں کے مقابل پھر کپڑے میں ہاتھ چھپائیے۔"

حدیث نمبر ۶ تا ۸ بخاری، ابوداؤد سنائی نے حضرت ابوقحافہ سے روایت کی۔

أَنَّ مَالِكَ ابْنَ خُوَيْرِثٍ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ إِذَا كَبَّرَ وَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ
حَتَّى يَبْلُغَ فَرْوُغَ أَذْيِهِ

"مالک ابن حوریت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ہاتھ شریف اٹھاتے تھے جب بکیر تحریر فرماتے اور جب رکوع سے سر شریف اٹھاتے یہاں تک کہ ہاتھ کانوں کی لو تک پہنچ جاتے۔"

حدیث نمبر ۹ تا ۱۲ امام احمد۔ اسحاق بن راہویہ۔ دارقطنی۔ ترمذی نے برہان عازب سے روایت کی۔

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يَلْبَسَ مِنْ أَذْيِهِ حَتَّى يَلْبَسَ مِنْ أَذْيِهِ
"جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تو یہاں تک ہاتھ شریف اٹھاتے کہ آپ کے انگوٹھے اپنے کانوں کے مقابل ہو جاتے۔"

حدیث نمبر ۱۳ تا ۱۵ حکمے مستدرک میں دارقطنی اور بخاری نے نہایت صحیح سادہ سے جو بشرط مسلم و بخاری ہے۔ حضرت انس سے روایت کی۔

رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يَلْبَسَ مِنْ أَذْيِهِ

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے بکیر کی اور آپ کے انگوٹھے اپنے کانوں کے مقابل کر دیے۔"

حدیث نمبر ۱۶ تا ۱۷ عبد الرزاق اور ترمذی نے حضرت برہان عازب سے روایت کی۔

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَبَّرَ لَفَتْ بِحِ الصَّلَاةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يَلْبَسَ مِنْ أَذْيِهِ حَتَّى يَلْبَسَ مِنْ أَذْيِهِ
"جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع فرماتے کیسے بکیر فرماتے تو یہاں تک ہاتھ شریف اٹھاتے کہ آپ کے انگوٹھے کانوں کی گدی کے مقابل ہو جاتے۔"

ہو جاتے۔"

حدیث نمبر ۱۸ الہودا کہنے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى كَانَتْ بَحْبَنَ مُسْكِبِهِ وَحَدَى بَإُذُنَيْهِ دِينَهُ
 "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ مبارک اٹھائے یہاں تک کہ بھنبان مسکبہ و حدی بائیں کانوں کے مقابل ہو گئے۔"

حدیث نمبر ۱۹ دارقطنی نے حضرت براء عازب سے روایت کی۔

اَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ افْتَتَحَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى حَدَا بِهِمَا اُذُنَيْهِ ثُمَّ لَمَقَ يَعْذُ الِى شَيْئٍ
 مِنْ ذَلِكَ حَتَّى فَرَغَ مِنْ صَلَوَتِهِ

"انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب آپ نے نماز شروع کی تو اپنے ہاتھ مبارک اٹھائے یہاں تک کہ انہیں کانوں کے مقابل فرما دیا۔ پھر
 ان سے فرائض تک ہاتھ نہ اٹھائے۔"

حدیث نمبر ۲۰ طحاوی شریف نے ابو حمید ساعدی سے روایت کی۔

اَنَّهُ كَانَ يَفْعُلُ لِاصْحَابِ رَسُولٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا غُلِمَتْكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلَاةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَدَاً وَجْهَهُ

"وہ حضور علیہ السلام کے صحابہ سے فرمایا کرتے تھے۔ کہ تم سب سے زیادہ حضور کی نماز کو میں جانتا ہوں۔ آپ کھڑے ہونے نماز میں تو تکبیر فرماتے
 اور اپنے ہاتھ مبارک چہرے شریف کے مقابل تک اٹھاتے۔"

کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی اور بہت حدیث پیش کی جاسکتی ہیں۔ صرف میں حدیثوں پر کلمات کرتا ہوں۔ اگر زیادہ مطلوب ہوں تو کتب احادیث
 خصوصاً صحیح السیاری شریف کا مطالعہ کرو کہ اس بھی کتاب فضیلت کی تائید میں حدیث کی جامع کتاب تک نہ دیکھ گئی۔

عقلی دلائل عقل بھی چاہتی ہے۔ کہ نماز شروع کرنے وقت کانوں تک ہاتھ اٹھائے جائیں کیونکہ لاری نماز شروع کرتے وقت ہدایت میں
 مشغول ہوتا ہے۔ اور دنیاوی ہنگاموں سے بیزار رہ جاتا ہے۔ کھانا پینا بولنا اور احوال دیکھنا سب کو اپنے پر حرام کر لیتا ہے۔ گویا دنیا سے کل کر
 عام ہالاک یسر کرتا ہے۔ اور عرف میں جب کسی چیز سے توبہ یا پیرا دی جاتے ہیں تو کانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں۔ کندھے نہیں بکڑواتے گویا لاری
 قوس سے نماز شروع کرتا ہے۔ اور اپنے گل سے کانوں پر ہاتھ رکھ کر دنیا سے بیزار رہتا ہے۔ بسے موقع پر کندھے بکڑنا بالکل ہی خلاف عقل ہے۔
 جسے مسجد میں مسلمان نہاں سے تو رب تعالیٰ کی عظمت و کبریٰ کا اقرار کرتا ہے درمزد میں پر رکھ کر اپنے بخرونیار کا نظارہ بسے ہی شروع نماز کے
 وقت ایک جز کا قرآن پڑھنا سے ہے دوسری جز کا انکھار عقل سے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراض و جواب میں

غیر مقلدین کے پاس اس مسئلہ پر دو اعتراض ہیں جو ہر جگہ پیش کرتے ہیں۔

اعتراض ۱ مسلم و بخاری نے حضرت ابو حمید ساعدی سے ایک طویل حدیث نقل کی جس میں الفاظ یہ ہیں۔

اِذَا كَثُرَ جَعَلَ يَدَيْهِ حَذَاءَ مُسْكِبِهِ

"حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر فرماتے تو اپنے ہاتھ شریف کندھوں کے مقابل کرتے تھے۔"

انہی مسلم و بخاری نے حضرت ابی عمر رضی اللہ عنہما سے یہ الفاظ نقل کیے۔

اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْرَ مُسْكِبِهِ

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ مبارک کندھوں کے مقابل کرتے تھے۔"

یہ حدیث بہت شادوں سے مروی ہے معلوم ہوا کہ کندھوں تک ہاتھ اٹھانا سنت ہے اور کانوں تک ہاتھ اٹھانا خلاف سنت۔

جواب یہ احادیث حنیفوں کے بالکل خلاف نہیں کیونکہ کانوں سے انگوٹھے نکلنے میں ہاتھ کندھوں تک ہو جائیں گے۔ در دوں حدیثوں پر عمل
 ہو جائے گا لیکن کندھوں تک انگوٹھے لگانے میں ان احادیث پر عمل نہ ہو سکے گا۔ جس میں کانوں تک کا ذکر ہے۔ حنفی مذہب دونوں قسم کی حدیثوں
 پر عمل کرتا ہے۔ وہابی مذہب ایک قسم کی حدیثیں چھوڑ دیتا ہے۔ لہذا حنفی جامع ہیں۔

ملکہ حدیث نمبر ۱۸ میں اس کی تصریح فرمائی۔ کہ حضور اور صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ شریف ایسے اٹھاتے تھے کہ ہاتھ تو کندھوں تک ہوتے تھے اور انگوٹھے

کانوں تک لہذا احادیث متعارض ہیں نہ ان دونوں حدیثوں کا جمع کرنا مشکل صرف تمہاری سمجھ میں پھیر ہے۔

سارے غیر معتقدوں کو عام انکسار ہے کہ کوئی مرفوع حدیث سنی دھماؤ جس میں یہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے انگوٹھے کا مادہ حوس تک نکالتے۔
جہاں کا مذکور ہے وہاں ہاتھ ارشاد ہو اور جہاں کانوں کا ذکر ہے وہاں انگوٹھا فرمایا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ کانوں تک ہاتھ اسی طرح
اٹھتے تھے کہ انگوٹھے کانوں تک پہنچتے تھے۔

اعتراض؟ کانوں کی جتنی احادیث آپ نے پیش کیں۔ وہ سب ضعیف ہیں۔ لہذا قابل عمل نہیں۔

جواب اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ وہابی غیر معتد اپنی عادت سے مجبور ہیں کہ بے خلاف حدیثوں کو بلاوجہ ضعیف کہتے ہیں۔ دوسرے یہ
کہ ہم نے اسی سلسلہ میں مسموم بخاری کی احادیث بھی پیش کی ہیں۔ جن پر تمہارا ہفتہ ایمان ہے۔ تیسرے یہ کہ ضعیف حدیث جب کئی سنادوں سے
منقول ہو تو قوی اور حسن بن جاتی ہے۔ کمزور تکلیف کر مظلوم رسی بن جاتے ہیں۔ تو کمزور سنادیں مل کر تیں حدیث کو قوی کیسے کریں گی۔ دیکھو سی
کتاب کا مقدمہ چوتھے یہ کہ ان احادیث پر مت کے علماء انبیاء صالحین نے عمل کیا ہے۔ امت کے عمل سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے۔
پانچویں یہ کہ اگر یہ احادیث ضعیف بھی ہوں تب بھی امام، عظیم ابو حنیفہ جیسی بستی کا اسے قبول کرنا ہی قوی بنا دے گا۔ کیونکہ عالم صالح کا قبول کر لینا
ضعیف حدیث کو قوی کر دیتا ہے۔ چھٹے یہ کہ آپ کا اس حدیث کو ضعیف کہہ دینا جرح بھول ہے جو کسی طرح قابل قبول نہیں کیونکہ اس میں وہ ضعیف
نہ بتائی گئی کہ کیسا ضعیف ہے۔ ساتویں یہ کہ اگر محدثین کو یہ احادیث ضعیف ہو کر ملیں تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر اس کا اثر نہیں ہو سکتا کیوں کہ ان
کے وقت میں ضعیف راوی اسنادوں میں شامل ہی نہیں ہوئے تھے۔ بعد کا ضعف پہلے والوں کو معترض نہیں وہابیوں کے اس مایہ ناز اعتراض کے ٹکڑے

اڑ گئے۔ الحمد للہ رب العالمین۔

دوسرا باب

ناف کے نیچے ہاتھ باندھا سنت ہے

حیر مقلدین وہابی مار میں سینے پر یعنی ناف کے اوپر ہاتھ باندھتے ہیں اس سے ہم اس باب کی بھی دو قصیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے دلائل۔ دوسری فصل میں وہابیوں کے اعتراضات و جوابات۔

پہلی فصل

نہار میں مرد کو ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا مستحب ہے۔ سینے پر ہاتھ باندھنا مستحب کے خلاف ہے۔ اس کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہیں ہم صرف چند حدیثیں پیش کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱ عَنْ وَائِلِ بْنِ خُبَرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَعَ بَيْنَهُ عَلَى شِمَالِهِ تَحْتَ الشُّرَّةِ رَوَاهُ أَبُو نُبَيْلَةَ عَنْ أَبِي شَيْبَةَ عَنْ مُسْنَدٍ صَحِيحٍ وَرَوَاهُ ثِقَاتٌ
 "حضرت وائل بن خبیر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے دایا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا ناف کے نیچے یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے صحیح ستاد سے نقل کی۔ اس کے سب راوی ثقید ہیں۔"

حدیث نمبر ۲ ابن شہاب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ لَيْتَ مَنْ أَحْلَقَ الشُّبَّةَ مَعْبُورَ الْأَفْطَارِ وَحَبَرَ السُّجُودِ وَوَصَعَ الْكَفَّ عَلَى الْكَفِّ تَحْتَ الشُّرَّةِ
 "تمن چیزیں نبوت کی عادات سے ہیں۔ افطار میں جلدی کرنا، عمری دیر کرتا نماز میں دایا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا۔"
حدیث نمبر ۳ ابوداؤد شریف نے ابن اعرابی میں حضرت ابوداؤد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ أَبُو وَائِلٍ أَخَذَ الْكَفَّ عَلَى الْكَفِّ فِي الصُّلُوهِ تَحْتَ الشُّرَّةِ

"ابوداؤد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نہار میں ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا چاہیے۔"

حدیث نمبر ۴ دارقطنی اور عبد اللہ ابن عمر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ مِنَ السُّنَّةِ فِي الصُّلُوهِ وَصَعَ الْكَفِّ وَفِي رَوَايَةٍ وَصَعَ الْبَيْمِ عَلَى الشِّمَالِ تَحْتَ الشُّرَّةِ
 "نماز میں ہاتھ پر ہاتھ رکھنا اور ایک روایت میں ہے دایا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا ناف کے نیچے مستحب ہے۔"

حدیث نمبر ۵ ابوداؤد شریف نے ابن اعرابی، احمد، دارقطنی اور نسائی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّهُ قَالَ السُّنَّةُ وَصَعَ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ تَحْتَ الشُّرَّةِ

"ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا سنت ہے۔"

حدیث نمبر ۱۰ رزین نے حضرت ابی جہر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ مِنَ السُّنَّةِ فِي الصُّلُوهِ وَصَعَ الْكَفِّ وَفِي رَوَايَةٍ وَصَعَ الْبَيْمِ عَلَى الشِّمَالِ تَحْتَ الشُّرَّةِ
 "نماز میں ہاتھ باندھنا سنت ہے۔ اور دونوں ہاتھ ناف کے نیچے رکھے۔"

حدیث نمبر ۱۱ امام محمد نے کتاب الاذان شریف میں ابی نعیم نخعی سے روایت کی۔

أَنَّهُ كَانَ يَصْعُقُ يَدَهُ الْيُمَى عَلَى عَدَدِ الْبُيْرِ تَحْتَ الشُّرَّةِ

"آپ اپنا دایا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتے تھے۔"

حدیث نمبر ۱۲ ابن ابی شیبہ حضرت ابی نعیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ يَصْعُقُ يَمِينَهُ عَلَى شِمَالِهِ تَحْتَ الشُّرَّةِ

"آپ نے فرمایا کہ اپنا دایا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے۔"

حدیث نمبر ۱۳ ابن حزم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّهُ قَالَ مِنْ أَخْلَاقِ النَّبِيِّ وَصِعٌ لِيَمِيهِ عَلَى الشَّعَالِ نَحْبُ الشُّرَةِ

”آپ نے فرمایا دامن ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے کھنا نبوت کے احادیث میں سے ہے۔“

حدیث نمبر ۱۴ ابوبکر ابن ابی شیبہ نے حاج ابن حنبل سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ أَبَا مُجَبِّرٍ وَمُسَاطَةَ قُتَيْبَةَ كَيْفَ يَصْغُ قَالَ يَصْغُ بِأَصْلِ كَفِّهِ يَمِيهِ عَنِ ظَاهِرِ كَفِّ شَعَالِهِ وَ

يَجْعَلُهُمَا اسْمًا مِنَ الشُّرَةِ اسْمُهُ حَبْدٌ وَرَوَاتِهِ كُنْهُهُ ثَقَاتٌ

”میں نے ابوجبر سے پوچھا کہ نر میں ہاتھ کیسے رکھے آپ نے فرمایا کہ اپنے داہنے ہاتھ کی پھلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھے ناف کے نیچے اس کی اسناد بہت قوی ہے اور سارے عداوی ثقہ ہیں۔“

اس کے متعلق در بہت حدیثیں پیش کی گئی ہیں۔ صرف چند پر قیامت کرتا ہوں۔ اس کی تحقیق دیکھ۔ صحیح ابیہاری اور فتح القدیر میں۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ ہمارے ناف کے نیچے ہاتھ رکھے۔ کیونکہ غلام آقا کے سامنے ایسی ہی کھڑے ہوتے ہیں۔ نر میں چونکہ بندہ رب کی بارگاہ میں حاضر دیتا ہے۔ لہذا ادب سے کھڑا ہونا چاہیے۔ غیر مقلد جب نر میں کھڑے ہوتے ہیں تو پتہ نہیں لگتا کہ مسجد میں کھڑے ہیں یا اکھاڑے میں۔ نیاز مندی کے لئے کھڑے ہیں یا کشتی لڑنے خر ٹھونک کر۔

اللہ کے بند و جب رکوع میں ادب کا اظہار مجدد میں ادب۔ التقیات میں ادب اور نیاز مندی کا لحاظ ہے تو قیام میں کڑکڑ ٹھونک کر بے ادبی سے پہلو لوں کی طرح کھڑے ہوتے ہو یہاں بھی ناف کے نیچے ہاتھ باندھ کر علاموں کی طرح کھڑے ہو۔ اللہ تعالیٰ کچھ نصیب کرے غیر مقلدوں کے پاس ایک مرفوع صحیح حدیث مسلم بخاری کی نہیں۔ جس میں مردوں کو بیٹے پر ہاتھ رکھنے کا حکم دیا گیا ہو۔

دوسری فصل

اس پر اعتراضات و جوابات میں

اعتراض نمبر ۱ ابوداؤد شریف میں ابن جریر رضی نے اپنے والد سے روایت کی۔

قَالَ رَأَيْتُ عَبْدًا يُمْسِكُ شِمَالَهُ يَمِيهِ عَنِ مَرْئِعِ لَفَافِ الشُّرَةِ

”میں نے حضرت علی مرتضیٰ کو دیکھا کہ آپ نے بایں ہاتھ داہنے ہاتھ سے کلائی پر پکڑا ناف کے اوپر۔“

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ آپ نے ابوداؤد شریف کی یہ حدیث پوری نہیں لکھی۔ اس کے بعد مفصل یہ ہے۔ (سورہ اعراف)

قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَى عَنْهُ سَعِيدُ ابْنِ حُسَيْنٍ الشُّرَةُ وَقَالَ أَبُو حَلَالٍ سَمِعْتُ لَشْرَةَ وَرَوَى عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ

وَلَيْسَ بِالْقَوِي ”ابوداؤد نے فرمایا کہ سعید ابن حسیب سے ناف کے اوپر کی روایت ہے۔ ابوحلال نے ناف کے نیچے کی روایت کی۔ ابو ہریرہ سے اگلی روایت ہے مگر یہ کچھ قوی نہیں۔“

نوٹ ضروری زیر ناف یا ناف کے اوپر ہاتھ باندھنے کی احادیث میں ابوداؤد کے نسخوں میں نہیں ابن اعرابی والے ابوداؤد کے نسخوں میں موجود ہیں۔ جیسا کہ حاشیہ ابوداؤد میں اس کی تصریح ہے اسی نسخے سے فتح القدیر اور صحیح ابیہاری نے روایت کی۔

بہر حال آپ کی پیش کردہ ابوداؤد کی حدیث میں تعارض و قبح ہو گیا۔ اور تمام متعارض روایتوں کو خود ابوداؤد نے ضعیف فرمایا تعجب ہے کہ آپ ابوداؤد کی ضعیف حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جب حدیث میں تعارض ہو تو قیاس سے ترجیح ہوتی ہے۔ قیاس چاہتا ہے کہ زیر ناف والی احادیث قابل عمل ہوں۔ کیونکہ محدث رکوع۔ التقیات کی نشست سب میں ادب ملحوظ ہے تو چاہیے کہ قیام میں بھی ادب ہی کا لحاظ رہے۔ زیر ناف ہاتھ باندھنا ادب ہے جیسے پر ہاتھ رکھنا بے ادبی گویا کسی کو کشتی کی دعوت دینا ہے۔ رب کو درود کھاؤ وہاں زاری کرو۔

اعتراض نمبر ۲ آپ کی پیش کردہ احادیث ضعیف ہیں در ضعیف سے دلیل پکڑنا غلط ہے۔

جواب ضعیف ضعیف کی رٹ لگانا آپ برہمنوں کی پرانی عادت ہے۔ اس کے ساتھ جو بے ادب اس کی دوسری فصل میں دے چکے ہیں۔ کہ جو روایت چند سنادوں سے مروی ہو جاوے وہ ضعیف نہیں رہتی۔ ہم نے اس سنادیں پیش کی ہیں۔ نیز انتہا کے عمل سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ نیز امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ جیسے مجاہد القدر امام کے قبول فرما لینے سے ان کا ضعف جاتا رہا۔ نیز ان میں اگر ضعیف ہے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد پیدا ہوا بعد کا ضعف امام اعظم کو معز کیوں ہوگا۔ وغیرہ۔

طبیحہ ہم نے چھ رمضان مبارک دو شنبہ کو حافظ اُمّی بخش صاحب سکنہ جمال پور گجرات کو فخر اہل حدیث مولانا حافظ عنایت اللہ صاحب ملیم گجرات کی خدمت عریضہ دے کر بھیجا۔ جس میں اُن سے درخواست کی کہ براہ مہربانی جیسے پر ہاتھ باندھے کی احادیث مع حوالہ تحریر فرما کر ارسال فرمائیے۔ ہمارا خیال تھا کہ چونکہ حافظ مولانا عنایت اللہ صاحب اہل حدیث کے چوٹی کے دینار عالم ہیں وہ ضرور مسلم و بخاری یا صحاح ستہ سے اس کے متعلق بے شمار احادیث نقل فرما کر بھیجیں گے۔ جو سچ تک ہم نے دیکھی بھی نہ ہوں گی۔ مگر مولانا موصوف کی طرف سے جو جواب آیا وہ سینے اور سر دھننے۔ ایک انچ پرچہ پر ایک سطر لکھی تھی۔ جس میں یہ تھا۔

سورع المرام ص ۱۴ **عن وانہ اس خحر نہ فان صئبت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوضع یدہ فی النفسی عسی یدہ النیسوی عسی صدرہ**

”وائل بن حجر سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نہ رہی۔ پس آپ نے ہنسا بنا ہاتھ دائیں ہاتھ پر سپے سینے پر رکھا۔“

اور مولانا موصوف نے رہائی یہ ارشاد کیا بھیجا کہ تفسیر قادری اردو میں بھی لکھا ہے کہ **فصل لربک وانحر** کے معنی یہ ہیں کہ ”آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور کھڑی ہو جائیں۔“

یہ جواب دیکھ کر درس کرہ ہادی حیرت کی انتہا نہ رہی ہمیں صرف یہ افسوس ہے کہ یہ اکابر ہم سے ہر مسئلہ میں مسلم بخاری کی حدیث کا مطالبہ فرماتے ہیں اور صحاح ستہ سے باہر نہیں نکلنے دیتے اور جب اپنی باری آتی ہے تو ایسی روایت پر قناعت فرماتے ہیں جس کا سرنا پاؤں تا کوئی اس کی سند نہ کسی مستند کتاب کا حوالہ حافظ بخش نے ہمیں بتایا کہ بلوغ المرام کوئی تیس چالیس ورق کا رسا ہے۔ جس میں سے یہ حدیث مولانا صاحب نے نقل فرمادی۔ اگر کسی مسئلہ پر ہم ایسے رسالہ سے کوئی حدیث نقل کرتے تو قیامت آجاتی بخاری مسلم کا مطالبہ ہوتا۔

اڈل تو یہ نہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ ضعیف ہے یا کیسی ہے۔ اگر ماں کو کہ حدیث صحیح ہے تو حدیث میں بھی ذکر نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں سینے پر ہاتھ رکھا بلکہ موضع کی تعلقہ سے ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے بعد کسی حاجت سے سینے مبارک پر ہاتھ رکھے۔

رب فرماتا ہے۔ **فاداعطعتہم فانتشرؤا** ”جب تم کھانا کھاؤ تو چلے جاؤ۔“

اس کا مطلب یہ نہیں کہ کھانے کے دوران میں روٹی ہاتھ میں لئے چلے جاؤ۔ اس صورت میں یہ حدیث ہادی قریش کردہ احادیث کے خلاف نہ ہوگی۔ پھر اس حدیث میں اس کا طریقہ مذکور نہ ہو کہ ”یا عورتوں کی طرح سینہ پر ہاتھ رکھے یا پسو لوں کی طرح ہذا حدیث مجمل ہے۔ قابل عمل نہیں

”یہ کریم کے متعلق صرف یہ گزارش ہے کہ **وانحر** کے معنی تے معنی کسی مرفوع صحیح حدیث میں آئے نہ مہر مفسرین نے یہاں فرمائے۔ سب یہ ہی معنی کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ نکلے نماز پڑھو اور قرہانی کرد اور جو کہ کسی بڑی محیر تفسیر کا دیا۔ تفسیر قادری اردو جل جہاں اگر بیمار کماں مان ہو۔ تو اہل حدیث حضرت کو چاہئے کہ ب سے نماز میں بجائے سینے کے گلے پر ہاتھ رکھا کریں کیونکہ حرا گلے کے آخری حصے کو کہتے ہیں۔ جو سینے سے متصل دہری جانب ہے قربانی کو حراں لئے کہتے ہیں کہ اس میں ذراع کے وقت جا لور کا گلہ جیرا جاتا ہے۔ نہ کہ سینہ۔ لہذا اب ن بزرگوں کو ترقی کر کے جیسے سے اوپر لگا پکڑنا چاہیے۔

بہر حال ہم کو مولانا موصوف کے جواب پر سخت افسوس ہو۔ درہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ ن بزرگوں کے پاس سینے پر ہاتھ رکھنے کی کوئی حدیث مسلم بخاری یا صحاح ستہ کی موجود نہیں ان بھائیوں کو صحاح ستہ کی حدیث سمجھنا ملتی۔ اس کے بارے میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف یہ فرمایا۔

و ری بعضہم ان یضعہما فوب الشرة و رای بعضہما نحت الشرة و کل ذالک واسع عندہم

”بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ہاتھ ناف کے اوپر رکھے بعض کی رائے یہ ہے کہ ناف نیچے رکھے ان میں سے ہر ایک جائز ہے اہل کے نزدیک۔“

اگر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کو سینے پر ہاتھ باندھنے کی کوئی حدیث ملتی تو ضرور نقل فرماتے۔ صرف علماء کی رائے کا ذکر نہ فرماتے۔

تیسرا باب

نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھنا

مسئلہ یہ ہے کہ لاری سورۃ فاتحہ کے ازل بسم اللہ شریف آہستہ پڑھے۔ الحمد للہ سے قرآن شروع کرے۔ مگر غیر مقلد وہابی بسم اللہ بھی اونچی آواز سے پڑھتے ہیں۔ جو بالکل خلاف سنت ہے۔ بسم اللہ آہستہ پڑھے کے تعلق بہت احادیث شریفہ ہیں جن میں سے یہاں چند پیش کی جاتی ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

حدیث نمبر ۳۵۱ مسلم بخاری و امام احمد نے حضرت انس سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ حَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَلْفَ ابْنِ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَغُثْمَانَ فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَقْرَأُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

”میں نے نبی کریم ﷺ اور ابوبکر صدیق عمر فاروق عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھیں ان میں سے کسی کو نہ سنا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے ہوں۔“

حدیث نمبر ۱۸ مسلم شریف نے حضرت انس سے روایت کی۔

وَعَنْ أَبِي أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ كَانُوا يَفْتَحُونَ الصَّلَاةَ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

”یہ ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ الحمد للہ رب العالمین سے قرآن شروع فرماتے تھے۔“

حدیث نمبر ۷۵۵ نسائی۔ ابن حبان۔ عیاضی شریف نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ حَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَغُثْمَانَ فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَخْتَهَرُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

”میں نے نبی کریم ﷺ اور ابوبکر و عمر و عثمان کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ اس حضرات میں سے کسی کو بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتے نہ سنا۔ اسی اللہ عنہم“

حدیث نمبر ۱۱۵۸ ترمذی نے عجم کبیر میں یحییٰ نے حیدر میں ابن خزیمہ اور عیاضی نے حضرت انس سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَغُثْمَانَ كَانُوا يَسْتَفْتَحُونَ الْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

”یہ ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم بسم اللہ الرحمن الرحیم آہستہ پڑھا کرتے تھے۔“

حدیث نمبر ۱۵ مسلم شریف نے حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَغُثْمَانَ كَانُوا يَسْتَفْتَحُونَ الْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا يَدْكُرُونَ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ فِي أَوَّلِ قِرَاءَةٍ وَلَا فِي آخِرِهَا

”یہ ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم الحمد للہ سے قرآن شروع فرماتے تھے۔“

حدیث نمبر ۱۶ ابن شیبہ نے سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ أَبِي سَعْدٍ أَنَّهُ كَانَ يُحْمَنُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَالْإِسْتِغَاةَ وَرَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ

”عبداللہ ابن مسعود الحمد للہ اور اعوذ باللہ اور ربنا لک الحمد آہستہ پڑھا کرتے تھے۔“

حدیث نمبر ۱۷ امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ أَرْبَعٌ يَحْتَمِيَنَّ الْإِمَامُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَسُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَاعُوْذُ وَامْنُ

”آپ نے فرمایا کہ چار چیزوں کو امام آہستہ پڑھے۔ بسم اللہ۔ سبحانک اللہم۔ اعوذ باللہ اور آمین۔“

حدیث نمبر ۱۸ ۱۹۷۱ مسلم ابو ذر شریف نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قُلْتُ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَمِعُ الصَّلَاةَ بِالتَّكْبِيرِ وَالْقِرَاءَةِ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

”کہا جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز تکبیر سے شروع فرماتے تھے۔ اور قرآن الحمد للہ سے۔“

حدیث نمبر ۲۰ عبد الرزاق نے ابوقاقد سے روایت کی۔

رُ عِلِّيَّ كَانَ لَا يَخْهَرُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَكَانَ يَخْهَرُ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

حضرت علی مرتضیٰ بسم اللہ اونچی آواز سے نہ پڑھتے تھے الحمد للہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے۔“

اس کے متعلق اور بہت سی حدیث پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر ہم یہاں صرف میں حدیثوں پر کفایت کرتے ہیں۔ مگر شوق ہو تو طحاوی اور مکی البہاری شریف کا مطالعہ فرمادیں۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ بسم اللہ بلند آواز سے نہ پڑھی جاوے۔ کیونکہ سورتوں کے اول میں جو بسم اللہ لکھی ہوئی ہے وہ ان سورتوں کا جز نہیں۔ ان سورتوں میں فصل کرنے کے لیے لکھی گئی۔ اور حدیث شریف میں رشاد ہوا کہ جو اچھا کام سے بسم اللہ شروع نہ ہو وہ ناقص ہے تو جیسے برکت کہنے نمازی قرآن سے پہلے اغواذ باللہ پڑھتے ہیں۔ مگر آہستہ کی تکرار سورۃ کا جز نہیں۔ ایسے ہی برکت کے لئے بسم اللہ پڑھے۔ مگر آہستہ کیونکہ یہ بھی ہر سورۃ کا جز نہیں۔ ہاں سورۃ نمل شریف میں سورۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم جز ہے۔ امام وہاں بلند آواز سے پڑھتا ہے۔ کیونکہ وہاں کی آیت ہے۔ غرضیکہ ہم صرف قرآن کریم کو آواز سے پڑھے جو بسم اللہ سورۃ کے اول میں ہے۔ وہ سورۃ کا جز نہیں۔ لہذا آہستہ پڑھنی چاہئے۔

دوسری فصل

اس پر اعتراضات و جوابات

اعتراض ۱ چونکہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہر سورۃ کا جز ہے۔ مگر جز نہ ہوتی۔ تو قرآن میں لکھی نہ جاتی۔ قرآن کریم میں صرف آیات قرآن لکھی گئیں۔ غیر قرآن نہ لکھا گیا۔ لہذا جیسے اور آیتیں بلند آواز سے پڑھی جاتی ہیں۔ ویسے ہی بسم اللہ بھی اونچی آواز سے پڑھنی چاہئے۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ بسم اللہ ہر سورۃ کا جز نہیں۔ کیونکہ ہر سورۃ کے ساتھ تبارک نہیں ہوتی۔ چنانچہ شروع بخاری شریف باب کہل کان جالوتی میں سب سے پہلی وحی کے متعلق روایت کی ہے۔ کہ جبریل امین نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا افواء پڑھو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ فات بلفاری میں پڑھئے والا نہیں پھر عرض کیا افواء حضور علیہ السلام نے پھر وہی جواب دیا۔ آخر میں عرض کیا۔ اَقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ الخ غرضیکہ پہلی وحی یہ ہے۔ جس میں کاذکر نہیں معلوم ہوا کہ سورتوں سے اول میں بسم اللہ شریف تبارک نہیں ہوئی دوسرے یہ کہ **بسم اللہ** ہر سورۃ کا جز ہوتی تو سورۃ کے اوپر علیحدہ کر کے لیے حروف سے نہ لکھی جاتی بلکہ جیسے درآیتیں ہی ہوئی لکھی گئی ہیں۔ ایسے ہی بسم اللہ تمام آیتوں کے ساتھ لکھی جاتی۔ دیکھو سورۃ نمل شریف میں **بسم اللہ** سورۃ کا جز ہے تو وہاں علیحدہ اختیار ہی شکل میں نہ لکھی گئی بلکہ تمام آیات کے ساتھ تحریر ہوئی۔ معلوم ہو کہ سورتوں کے اول میں **بسم اللہ** کا بخاری شکل میں علیحدہ لکھنا قاصد کے لئے ہے۔

اعتراض ۲ بخاری شریف میں حضرت امین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں نماز پڑھتے تھے۔ تو پڑھتے تھے بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ۔

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام نماز میں بسم اللہ آواز سے پڑھتے تھے۔ ورنہ ائمہ سلمہ کیسے سن بیٹھیں۔

جواب اس حدیث میں آواز کاذکر نہیں۔ صرف بسم اللہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ بسم اللہ پڑھے۔ مگر آہستہ پڑھے ظاہر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر آہستہ ہی پڑھتے تھے۔ یہ نماز جو حضور ام سلمہ کے گھر پڑھتے تھے۔ فرض نماز نہ تھی۔ نفل تھی۔ فرض تو مسجد میں جماعت سے پڑھتے تھے۔ نفل میں قرآن آہستہ ہوتی ہے۔ لہذا یہاں بسم اللہ بھی آہستہ تھی۔ اور الحمد للہ بھی آہستہ۔ مگر اس موقع پر حضور کے قریب ہوتی تھیں۔ اسی لیے حضور کی آہستہ آواز شریف سن لیتی تھیں آہستہ قرآن میں بھی اتنی آواز چاہئے کہ برابر والا اس سے دور نہ ہو قرآن نہ ہوگی نظر ہوگا لہذا اس حدیث سے آپ کا دعویٰ ثابت نہیں۔

اعتراض ۲ ترمذی شریف میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْتَحُ صَلَاتَهُ بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز میں اللہ الرحمن الرحیم سے شروع فرماتے تھے۔“

جواب اس کے دو جواب ہیں یک یہ کہ افسوس ہے آپ نے ترمذی کا یہ مقام آگے نہ دیکھا فرماتے ہیں۔

من احديث ليس اساده بذاك ”یہ ایسی حدیث ہے جس کی سند کچھ بھی نہیں۔“

افسوس ہے کہ ہماری پیش کردہ حدیثوں کو بوجہ ضعف کر کے رد کرتے ہو، در خود ایسی حدیث پیش کر رہے ہو۔ جس کا سرانہ پتہ دوسرے یہ کہ اگر اس حدیث کو صحیح مان لیا تو بھی اس میں بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنے کا ذکر نہیں۔ صرف یہ ہے کہ نماز میں اللہ سے شروع فرماتے تھے۔ اہم بھی کہتے ہیں کہ بسم اللہ پڑھنی چاہیے۔ مگر آہستہ سیرے یہ کہ ہو سکتا ہے کہ بغیر تحریر سے پہلے بسم اللہ پڑھتے ہوں کیونکہ مسنونہ فرمایا نہ کہ قرآن۔

اعتراض ۳ طحاوی شریف نے حضرت عبدالرحمن بن اُمیہ سے روایت ہے۔

صَلَّيْتُ خُفَّ غَمْرٍ فَحَمَّرَ بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَكَانَ يَحْمُرُ ابْنِي بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

”میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم بلند آواز سے پڑھتے تھے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بسم اللہ بلند آواز سے پڑھتے تھے۔“

جواب اس کے چند جواب ہیں یک یہ کہ حدیث تمام اس مشہور احادیث کے خلاف ہے جو ہم پہلے فصل میں ذکر کر چکے ہیں۔ جب میں بخاری مسلم وغیرہ کی احادیث ہیں۔ جن سے بہت قوت سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خذہر شہیدیں الحمد للہ سے قرآن شروع کرتے تھے۔ بسم اللہ آہستہ پڑھتے تھے۔ لہذا یہ حدیث شاذ ہے اور احادیث مشہورہ کے مقابل حدیث شاذ قابل عمل نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں اس کی تصریح نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز کے اندر سبحان پڑھنے کے بعد الحمد سے پہلے بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے اس کے معنی کی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز ختم فرما کر دعا سے پہلے رکعت کے لئے بسم اللہ شریف پڑھتے تھے۔ پھر دعا فرماتے تھے اس صورت میں یہ حدیث ہماری پیش کردہ احادیث کے خلاف نہیں جہاں تک ہو سکے احادیث میں مطابقت کر لی چاہیے۔ تیسرے یہ کہ سورۃ سے پہلے بسم اللہ کا اونچی آواز سے پڑھنا اس لیے ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کا جز ہے اور سورۃ کا جز ہونا قطعی یعنی حدیث سے ہو سکتا ہے نہ کہ حدیث واحد سے۔ آپ کی پیش کردہ حدیث جبر واحد ہے جو یہ ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں افسوس یہ ہے کہ ہم آہستہ بسم اللہ کے لئے بخاری و مسلم کی روایات پیش کریں اور آپ اس کے مقابل طحاوی شریف کی آڑ میں۔ حالانکہ طحاوی شریف پر آپ کا اعتماد نہیں۔

چوتھا باب

امام کے پیچھے متدی قرأت نہ کرے

امام کے پیچھے مقتدی کو قرآن شریف پڑھنا سخت منع ہے مگر غیر مقدمہ والی مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض جانتے ہیں۔ اس ممانعت پر قرآن کریم احادیث شریفہ اقوال صحاح کبار عقلی دلائل بے شمار ہیں لہذا ہم اس باب کی دو حصیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس ممانعت کا ثبوت اور دوسری فصل میں اس پر سوالات مع جوابات رب تعالیٰ تعالیٰ قبول فرماوے۔

پہلی فصل

امام کے پیچھے مقتدی کو قرآن کی تلاوت کرنا منع ہے۔ حاشوش رہنا ضروری ہے دلائل ملاحظہ ہو قرآن شریف فرماتا ہے۔

وَاَقْرَأْ لِقُرْآنٍ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَكُمْ نَرْحَمُكُم

”اور جب قرآن شریف پڑھا جاوے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ رحم کیجئے جاؤ۔“

خیال رہے کہ شروع اسلام میں نماز میں دنیاوی بات چیت بھی جائز تھی اور مقتدی قرأت بھی کرتے تھے۔ بات چیت تو اس آیت سے منسوخ ہوئی۔

وَقَوْمُوا إِلَيْهِ فَاَنْصِتُوا ”اور گھڑے ہوتے کیسے حالت کرتے ہوئے۔ (حاشوش)“

چنانچہ مسلم نے باب تحریم الکلام فی الصلوٰۃ اور بخاری نے باب ما یحیی من الکلام فی الصلوٰۃ میں حضرت ربیع بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كُنْتُ دَلِكُمْ فِي الصَّلَاةِ يَكْتُمُ الرَّحْمَنُ صَاحِبَهُ وَهُوَ فِي حَبْلٍ فِي الصَّلَاةِ حَتَّى يَرْتَلِي وَفَوَافُوا لَهُ فَانصِتُوا فَانصِتُوا وَنَهَى عَنِ الْكَلَامِ عِدَّةً۔

”ہم لوگ نماز میں باتیں کر رہے تھے ہر ایک اپنے ساتھی سے نماز کی حالت میں گفتگو کر لیتا تھا۔ یہاں تک کہ یہ آیت اتری وہو موسیٰ الخ پس ہم کو حکم دیا گیا خاموش رہنے کا اور کلام سے منع فرما دیا گیا۔“

پھر نماز میں کلام تو منع ہو گیا۔ مگر تلاوت قرآن مقتدی کرتے رہے۔ جب یہ آیت اتری۔ تو مقتدین کو تلاوت بھی منسوخ ہو گئی۔

وَاَقْرَأْ لِقُرْآنٍ فَاسْتَمِعُوا ”جب قرآن پڑھا جاوے تو غور سے سنو اور چپ رہو۔“

چنانچہ تفسیر دارک شریف میں اسی آیت و اذا القراء کی تفسیر میں ہے۔

وَحَفْظُ الصَّحَابَةِ عَلَى أَنَّهُ فِي السَّمْعِ الْمَوْجِبِ

”عام صحابہ کرام کا فرمان یہ ہے کہ یہ آیت مقتدی کے قراءۃ، سننے کے متعلق ہے۔“

تفسیر خازن میں اسی آیت و اذا القراء کی تفسیر میں ایک روایت یہ نقل فرمائی۔

وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ مَعَ لَامِهِمْ فَقَالَ مَا لَكُمْ نَ تَقْصِرُونَ وَإِنِّي لَقُرْآنُ ”حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بعض لوگوں کو امام کے ساتھ قرآن پڑھتے سنا۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ کیا بھی تک یہ وقت نہ آیت کہ تم اس آیت کو سمجھو و اذا القراء“

تو یہ عباس بن تفسیر ابن عباس شریف میں آیت کی تفسیر میں ہے۔

وَاَقْرَأْ لِقُرْآنٍ فِي الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِلَى قِرَائِهِ وَأَنْصِتُوا لِقُرْآنِهِ

”جب فرض نماز میں پڑھا جائے تو اس کی قرأت کو کان لگا کر سنو اور قرآن پڑھے جاتے وقت خاموش رہو۔“

ہماری اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ قرآن سلام میں امام کے پیچھے مقتدی قرأت کرتے تھے اس آیت نہ کروہ کے زوال کے بعد امام کے پیچھے قراءۃ منسوخ ہو گئی اب احادیث ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر ۱

مسلم شریف باب تکوین التلاوة میں عطاء مکن یہ اسے مروی ہے۔

أَنَّهُ سَأَلَ رَبِّدَ ابْنِ ذَلْبٍ عَنِ الْقُرْآنِ مَعَ الْإِمَامِ فِي حَقِّ

جیسے خود بھی گمراہ ہے، اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے، اور اس مسئلہ کی نسبت امام، اصحاب، ماہکی کی طرف غلط ہے، بہر حال پتہ یہ لگا کر موجودہ غیر متفقہ مصلحت نفسانی آسانی کے لئے یہ باطل عقیدہ مٹے بیٹھے ہیں۔ ہم نے اس مسئلہ کی بغیر تحقیق اپنی تفسیر یعنی جلد دوم زیر آیت **فَن طَنَقَهَا فَلَا نَحْلُ لَهُ** لایہ میں کر دی ہے مگر چونکہ آج کل اس مسئلہ کے متعلق بہت شور مچا ہوا ہے اور ہمارے پاس اس قسم کے سوالات بہت کثرت سے آرہے ہیں اس لئے ہم رب کے بھروسہ پر اس مسئلہ کا فیصلہ کئے دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ سے امید ہوں ہے اور حاضرین سے امید انصاف۔ بیاں کا یہ ہی طریقہ ہوگا کہ مسئلہ دوبارہ بیاں کیا جائے گا۔ پہلے باب میں اپنے دلائل اور دوسرے باب میں مخالفین کے اعتراضات اور ان کے جوابات۔

پہلا باب اس کے ثبوت میں

مگر تو یہ ہے کہ طلاق ایک ہی دے دیا دوسرے ہی نہیں اور اگر تین طلاق ہی دینا ہے تو ہر طہر میں ایک طلاق ہے تین طہر میں تین۔ یکدم چند طلاقیں دینا سخت بر ہے لیکن اگر کسی نے ایک دم چند طلاقیں دے دیں تو اگرچہ یہ کیا مگر تینوں واقع ہو جائیں گی بحالت حیض کہ اگرچہ ہر ہے مگر طلاق واقع ہو جاتی ہے ان کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) رب تعالیٰ فرماتا ہے **الطَّلَاقُ مَرْدَن فَاَمَّا كَ مَعْرُوفٍ اَوْ نَسْرِيعٌ** ”باحتسابِ بھر، مارتا ہے فَن طَنَقَهَا فَلَا نَحْلُ لَهُ“ (لایہ) اس آیت سے معلوم ہو کہ دو طلاقوں تک رجوع کا حق ہے غم میں نہیں اور مرتان کے طلاق سے معلوم ہوا کہ الگ الگ دینا شرط نہیں جس کے بغیر طلاق واقع ہی۔ ہوں خواہ ایک دم دے یا الگ الگ حکم یہی ہوگا۔ چنانچہ تفسیر صاوی میں اس آیت کے تحت ہے **فَن طَنَقَهَا** ”لی صنفہ ثلثہ سوءاً“ **وَقَعَ الْاِثْنَانِ فِي مَرَّةٍ اَوْ مَرَّتَيْنِ وَالْمَعْنَى** فان ثلث طلاقها ثلث فی مَرَّةٍ اَوْ مَرَّاتٍ **فَلَا نَحْلُ لَهُ** ”یعنی آیت کا مقصد یہ ہے کہ اگر تین طلاقیں دیں تو واقع ہو جائیں گی خواہ ایک دم دے یا الگ الگ مگر عورت عدل سے ہے گی کے فرماتے ہیں **كَمَا اِذَا قُلْ لَهَا اِسْتِ طَلَقِي ثَلَاثًا اَوْ لِسْتَهُ وَهَذَا هُوَ الْمَجْمَعُ عِنْدَهُ** یعنی اگر کوئی شخص یوں کہہ دے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو میں ہی واقع ہو جائیں گی اس پر امت حضرت محمد ﷺ کا اتفاق ہے اسی طرح در تفسیر میں بھی ہے۔

(۲) رب تعالیٰ فرماتا ہے **وَمَنْ يَتَعَذَّ خُنُودٌ لِّلّٰہِ فَمَنْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَدَرٰی لَعْنُ لِّلّٰہِ یُحَدِّثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا** ”جی جو کوئی لہذا کی حد میں توڑے کہ ایک دم تین طلاقیں دے تو اپنی جان پر ظلم کرتا ہے کیونکہ کبھی انسان طلاق دے کر شرمندہ ہوتا ہے اور رجوع کرنا چاہتا ہے، اگر تین طلاقیں ایک دم دیا جائے تو رجوع نہ کر سکے گا اس آیت میں یہ نہ فرمایا کہ ایک دم تین طلاقیں دے دے والے کی واقعہ ہوں گی بلکہ فرمایا یہ گویا کہ یہ آدمی ظالم ہے، اگر اس سے طلاق ایک واقع ہوئی تو یہ ظالم کیسے؟ خودی شرح مسلم باب الطلاق الشک میں ہے

وَحَتَّجَ الْحَمُورُ بِقَوْلِهِ تَعَالٰی وَمَنْ يَتَعَذَّ خُنُودٌ لِّلّٰہِ فَمَنْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَحْ مَعَادَ نَ الطَّلَاقِ قَدْ یُحَدِّثُ لَهُ نَدَمٌ ”فَلَا یُمْکِنُ“ **نَدَرُکَ لَوْ فَوَّعَ الْبَیِّنَاتُ هُوَ کَانَ الثَّلَاثُ لَمْ یَنْفَعِ طَلَا قُهُ هَذَا اِلَّا رَحْمَةً فَلَا یَسَدُّ** ترجمہ ہے جو ہم اوپر عرض کر چکے ہیں۔

(۳) بیہقی و بیہقی میں سویہ ابن غنیمہ سے روایت ہے کہ حضرت امام حسن ابن علی رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی عائشہ شہیدہ کو ایک دم تین طلاقیں دے دیں۔ بعد میں خبر ملی کہ وہ حضرت امام کے فرق میں بہت روٹی ہیں تو آپ بھی رو پڑے اور فرمائے **لَکَ اَمْرٌ مِّنْ نَّیْ** پے والد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو الگ الگ یا ایک دم تین طلاقیں دے تو وہ عورت بغیر عدل سے جائز نہیں تو میں ضرور رجوع کر لیتا

حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں **لَوْ لَا اَنِّیْ سَمِعْتُ حَدَّثَیْ وَحَدَّثَنِیْ اِیْیَیْ نَهَ سَمِعَ حَدَّثَیْ یَقُولُ اَیْمًا رَّحِلْ طَلَّقْ** ”اَمْرًا تَه ثَلَاثَ عَمَدَ الْاَقْرَاءِ اَوْ ثَلَاثَ فُتُحَ لَمْ نَحْلُ لَهُ حَتّٰی تَسْکُجَ رَوْحًا عَمِیْرًا“ (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۱ ص ۳۶۶)

(۴) اس سنن کبریٰ بیہقی میں حبیب ابن ابی ثابت کی روایت سے ہے **قَالَ حَاضَا رَحِلْ لَیْ عَلٰی رَضٰی اللّٰہُ عَنْہُ فَقَدْ طَلَّقْتُ** ”اَمْرًا تَه ثَلَاثَ عَمَدَ الْاَقْرَاءِ اَوْ ثَلَاثَ فُتُحَ لَمْ نَحْلُ لَهُ حَتّٰی تَسْکُجَ رَوْحًا عَمِیْرًا“ (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۱ ص ۳۶۶)

جی ایک شخص سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ میں نے اپنی بیویوں کو بائٹ دے یعنی وہ لغو ہیں ظاہر ہے کہ اس سائل نے یہ ہزار ہا قیں ہزار بیٹوں میں تو نہ دی ہوں گی ورنہ ۸۴ سال ۲ مہینے اسی میں صرف ہو جاتے۔ ایک دم ہی دی تھیں اور سیدنا موسیٰ علی رضی اللہ عنہ نے تینوں چائز رکھیں۔

(۵) تہذیب میں ہے عن جعفر ابن محمد عن عیسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لا تدخل له حتی تکب روحاً غیرہ اسنن الکبریٰ لمصنفی جلد ۷ صفحہ ۳۳۵ یعنی امام جعفر صادق اپنے چچا محمد سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاق دے تو بیوی غیر حلال ہے۔ اس کی تائید بیہی کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاق دے غیر حلال حلال نہیں۔ اسکی تائید بیہی کی اس روایت سے ہوتی ہے جو اس مقام پر بیہی سے مروی ہے کہ عن عیسیٰ رضی اللہ عنہ فیمن طلق امرأه ثلاثاً قبل ان یدخل بها قال لا تدخل له حتی تکب روحاً غیرہ

(۶) تہذیب میں ہے محمد بن یارابن کبیر سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو غفلت سے پہلے ایک دم تین طلاق دے دیں پھر اس کا شیوا ہوا کہ اس سے دوبارہ نکاح کرے۔ تو وہ بوہرہ اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہو اں دونوں صحابیوں نے فرمایا ہم اس نکاح کے جوڑ کی کوئی صورت نہیں دیکھتے جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے وہ بولا حضرت میں نے ایک ہی لفظ سے تین طلاق دی تھیں اس پر حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ جو کچھ تیرے قبضہ میں ہے کچھ تھا تو نے کھائی دے دیا۔ حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فمن طلق امرأه ثلاثاً لا یریٰ سکتھا حتی تکب روحاً غیرک قال انما تکان طلاقاً واحداً فقال ابن عباس انک ارسیت من بدک ما کان لک من فصل (سنن کبریٰ جلد ۷ صفحہ ۳۳۵)

(۷) اسی تہذیب میں عبدالحمید ابن رفیع سے روایت عطا ہے کہ کسی نے سیدنا عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ عباس طلق امرأتی مائتہ قال قاحداً ثلاثاً ودع سبعاً تسعی (سنن کبریٰ جلد ۷ صفحہ ۳۳۷)۔

(۸) تہذیب میں سعید ابن جبیر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ ابن عباس سے عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاق دی ہیں۔ آپ نے فرمایا تم لے لو۔ ورنہ سو ستانوے چھوڑ دو۔ مہارت یہ ہے ان رخصلاً حب، السی ابن عباس وقال طلق امرأتی الفاً فقال لا تأخذ ثلاثاً ودع تسع مائتہ وسبعۃ وتسعی (سنن کبریٰ جلد ۷ صفحہ ۳۳۷)۔

(۹) تہذیب میں بروایت سعید ابن جبیر ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس نے اس شخص سے فرمایا کہ جس سے اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاق دی تھیں کہ تجھ پر تیری بیوی حرام ہوگئی۔ مہارت یہ ہے عن ابن عباس امہ قال لو غلب طلق امرأه ثلاثاً خرم عیبک (سنن کبریٰ جلد ۷ صفحہ ۳۳۷)۔

(۱۰) تہذیب میں بروایت عمرو ابن دینار ہے کہ کسی شخص نے عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ستاروں کے برابر طلاق دے اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا اس سے کہ دو کہ تجھے برج جوڑ کا سر ہی کافی ہے۔ خیال رہے کہ برج جوڑ اس کے سر پر تین ستارے ہیں۔ مہارت یہ ہے۔

عن عمرو ابن دینار ابن عباس مسل عن رجل طلق امرأه ثلاثاً فقال انما یکفیک راس الجوزاء (سنن کبریٰ جلد ۷ صفحہ ۳۳۷)۔

(۱۱) ابن ماجہ شروع باب من طلق ثلاثاً فی مجلس و حلیہ میں ہے کہ قاطر قیں فرماتی ہیں کہ مجھے میرے شوہر نے یمن جاتے وقت تین طلاق ایک دم دیدیں۔ میں تینوں کو حضور ﷺ نے جائز رکھا مہارت یہ ہے قلت طلفسی روحی ثلاثاً وهو خارج الى الیمس فاحار ذلك رسول الله ﷺ

(۱۲) حاکم ابن ابی یوسف و ابی ابن علی ابن یزید ابن زکاتہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا میرے دادا نے اپنی بیوی کو طلاق بتدی۔ پھر وہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ سے اس بارے میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ سے اس بارے میں سون کیا اور عرض کیا کہ میں نے ایک نیت کی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا اللہ کی قسم تم نے ایک ہی نیت کی تھی۔ عرض کیا قسم ہے رب کی میں نے نیت کی مگر ایک کی میں حضرت محمد ﷺ نے ان کی بیوی کو ان کو واپس فرمادیا۔

دوسرا باب

اس مسئلہ پر اعتراض و جوابات

غیر مقیدین اس مسئلہ پر اب تک حسب ذیل اعتراضات کر سکتے ہیں انشاء اللہ اس سے زیادہ انہیں نہ پیش کے بلکہ عام غیر مقلدوں کو تو اسے بھی نہیں معلوم جو ہم انکی وکالت میں بیان کرتے ہیں۔

پہلا اعتراض رب تعالیٰ فرماتا ہے **الطَّلَاقُ مَرْئِسٌ قَامِمٌ كَبْرٌ** بمعروف و ب او تسریع یا حسب پکچھا آگے چل کر رٹا دیتا ہے **فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا حُلَّ لَهَا مَرْئِسٌ** اور **فَاِنْ** کی ف سے معلوم ہو کہ طلاقیں الگ الگ چاہئیں۔ ایک دم میں طلاقیں الگ الگ کہہ سکتی ہیں۔ **مَرَّتَانِ** عیدگی بتا رہا ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایک دم میں طلاقیں ایک ہی ہوں گی بلکہ مقصد یہ ہے کہ طلاقِ رَحْمٰی دو طلاقیں ہیں۔ **الطَّلَاقُ** میں الف لام عہدی ہے پھر فرمایا کہ جو کوئی دو سے زیادہ یعنی تین دے تو بغیر عدل سے عورت حلال نہیں۔ تفسیر احمدی و صاوی و جلالین میں ہے **لَطَّلَاقٌ لِّى السُّطْلَاقِ لَدَى بَرِاحٍ** بعدہ **مَرْئِسٌ** دوسرے یہ کہ اگر ماں یا جاوے کے **مَرَّتَانِ** سے تین طلاقوں کی عیدگی مراد ہے تو یہ کہنا کہ تجھے طلاق طلاق ہے طلاق ہے اس میں بھی طلاقوں کی اتفاقاً عیدگی ہے اور یہ کہنا کہ تجھے تین طلاقیں ہیں اس میں عددی عیدگی کیونکہ عیدگی کے بعد کیسے عدد بنے گا؟ آیت کا یہ مطلب کہاں سے نکالا گیا کہ طلاقوں کے درمیان ایک خفیہ کا فاصد ہونا شرط ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **فَارَاجِعِ الصَّرْكَزِ نِیْسَ** آسمان کو بار بار دیکھو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہمیشہ میں ایک ہی بار دیکھ لیا کرو تیسرے یہ کہ تمہاری تفسیر سے بھی آیت کا یہ مطلب بنے گا کہ طلاقیں الگ الگ ہونی چاہئیں ہر بھی یہی کہتے ہیں کہ چٹک ایک دم طلاقیں دینا سخت منع ہے۔ الگ الگ ہی دینا ضروری ہے مگر سوال تو یہ ہے کہ جو کوئی حماقت سے ایک دم میں طلاقیں دیدے تو قبیح بھی ہوگی یا نہیں اس کی آیت ساکت ہے۔

دوسرا اعتراض مسلم شریف کتاب الطلاق میں عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی بلکہ شروع عہد فاروقی میں بھی عہم یہ تھا کہ ایک دم میں طلاقیں ایک ہوں گی مہارت یہ ہے **عَنْ اَبِی عَنِاسٍ قَالَ كَانَ الطَّلَاقُ عَمِیْ عَہْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَ اَبِی بَكْرٍ وَ ثَنِیْسٍ مِّنْ حِلَالِ غَمْرِ طَلَاقٍ اِنْشَاطٍ وَاحِدٍ** بڑا ہی مسلم میں اسی جگہ ہے کہ ابواصحا ء نے حضرت عبد اللہ ابن عباس سے پوچھا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی میں تین طلاقیں ایک مانی جاتی تھیں انہوں نے فرمایا ہاں مہارت یہ ہے **اِنَّ اَبَی الصَّحْبِ ؕ قَالَ لَاسْ عَنِاسٍ اَتَعْلَمُ اَنَّكَ كَاثِبٌ اَلْثَلَاثُ نَحْمَلُ وَاحِدَةً عَمِیْ عَہْدِ نَبِیِّ ﷺ وَ اَبِی بَكْرٍ وَ ثَلَاثٌ مِّنْ اَعَارَةِ غَمْرِ فَقَالَ اَبِی عَنِاسٍ نَعَمْ اِنْ اَحَدُ ثَلَاثٍ سَمِعَ صَرَاحًا مَّعْلُومًا** کہ ایک دم میں طلاقیں ایک ہیں۔

نوٹ غیر مقلدوں کا یہ انتہائی اعتراض ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تو یہ روایت ہے اور خود ان یہ کایہ فتویٰ ہے کہ ایک دم میں طلاقیں۔ تین طلاقیں ہی ہوں گی۔ جس کا ذکر پہلے باب میں ہو چکا اور جہاں راوی حدیث کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو وہاں معلوم ہوگا کہ اس راوی کے علم میں یہ حدیث منسوخ ہے، نیز صحابہ کرام کی موجودگی میں حضرت عمر فاروق کا یہ قانون بنانا کہ یکدم میں طلاقیں تین ہی ہوں گی اور اس پر عمل درآمد ہو جانا اور کسی صحابی بلکہ خود سیدنا عبد اللہ ابن عباس کا اس پر اعتراض نہ کرنا یا اور بلند خیر و جانتا ہے کہ وہ حدیث یا منسوخ ہے یا ماؤں۔ کیا صحابہ کرام حدیث کے خلاف اجماع کر سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں اس عورت کو طلاق دینا مرد ہے جس سے غلط نہ ہوئی ہو درواقع اگر کوئی شخص اپنی سخی بیوی کو تین طلاقیں ایک دم اس طرح دے کہ تجھے طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے تو اس کی واقع ہوگی اور خیر کی دو طلاقیں لغو۔ چنانچہ ابو داؤد کتاب الطلاق باب **بِسْمِ اللّٰهِ اَعْلَمُ اَنَّكَ كَاثِبٌ اَلْثَلَاثُ نَحْمَلُ وَاحِدَةً** میں ہے کہ ابو صحبا نے عبد اللہ ابن عباس سے پوچھا کہ آپ کو خبر نہیں کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی در شروع خلافت فاروقی میں جو کوئی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیتا تو ایک ہی مانی جاتی تھیں۔ فرمایا ہاں جو غیر مدخول بہ بیوی کو تین طلاقیں دیتا تھا۔ اس کی طلاق ایک پڑتی تھی۔ عبارت یہ ہے **قَالَ اَبِی عَنِاسٍ بِنِیْ كَاثِبٍ اَلْثَلَاثُ اَدَا طَلَقَ اَمْرًا اَنَّهُ ثَلَاثًا قَبْلَ اَنْ يَدْخُلَ بِهَا جَعَلُوْهَا وَاحِدَةً** الخ اس حدیث سے صراحہ معلوم ہو کہ مسلم کی روایت کا یہ ہی مطلب ہے اور یہ حکم اب بھی باقی ہے جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے تیسرے یہ کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی میں لوگ تین طلاقیں اس طرح دیتے تھے کہ تجھے طلاق

ہے طلاق طلاق۔ گویا کھجلی دو طلاقیں سے پہلی طلاق کی تاکید کرتے تھے۔ اور زمانہ فاروقی میں لوگوں کا یہ حال بدل گیا کہ دو تیس طلاقیں ہی دینے لگے۔
 بعد اس وقت مسئلہ بدلنے سے حکم بدل گیا۔ نووی شریف میں ہے۔

فَالَا صَحْاحٌ مَعَهُ أَنَّهُ كَانَ فِي الْأَمْرِ الْأَوَّلِ دَاوِلٌ لَهَا اسْتِطْلَاقٌ "أَنْتَ طَالِقٌ" "أَنْتَ طَالِقٌ" وَلَمْ يَنْتِ
 نَاكِدًا وَلَا اسْتِطْلَاقًا بِحُكْمِهِ بِوُقُوعِ صِفَتِهِ لِقَوْلِهِ ارَادَتِهِمْ لَا اسْتِطْلَاقًا بِدَلَالَةِ مَحْوُلٍ "عَلَى الْغَلَبِ
 الَّذِي هُوَ ارَادَةُ التَّكْيِيدِ فَلَمَّا كَانَ فِي رِمَاةِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَكَثُرَ اسْتِعْمَالُ النَّاسِ بِهِدِهِ بَضِيعَتُهُ وَ
 غَلَبَ مِنْهُ ارَادَةُ الاسْتِطْلَاقِ بِهَا خُصِمَ عَنْهُ الْإِطْلَاقُ عَلَى الثَّلَاثِ عَمَلًا بِمَعَالِ السَّابِقِ الْمُنْهَمِ مِنْهَا
 فِي هَذَا هَلْكَ الْقَضَرُ

یعنی چونکہ زمانہ نبوی میں عام طور پر لوگ تین طلاقیں میں دل طلاق سے طلاق کی نیت کرتے اور کھجلی دو سے تاکید کرتے تھے اس لئے جو کوئی بغیر
 نیت کے بھی یکدم تین طلاقیں دیتا تو یک ہی دلی جاتی تھی کہ اس وقت عاصب حال یہی تھا مگر زمانہ فاروقی میں لوگ عام طور پر تین طلاقیں سے تین ہی
 کی نیت کرنے لگے اس لئے تین جاری کر دی گئیں صورت مسئلہ بدلنے سے حکم مسئلہ بدل گیا دیکھو قرآن شریف میں رکوع کے مصنف "نہ ہاں ہوئے۔
 مَوَلَتْ الْقُلُوبِ (کفار مائل بہ اسلام) کو بھی رکوع دینے کی اجازت دی گئی۔ مگر زمانہ فاروقی میں صحابہ کرام کا جماع ہو گیا کہ مصنف رکوع صرف سات ہیں
 مَوَلَاتِ الْقُلُوبِ خارج کیونکہ مذکور قرآن کے وقت مسلمانوں کی جماعت تھوڑی در کثرت تھی اس لئے ایسے کافروں کو رکوع دیکر مائل کیا جاتا تھا۔ بعد فاروقی
 میں نہ مسلمانوں کی قلت رہی نہ کثرت رہی ہذاں کو رکوع دینا بند کر دیا گیا۔ جب بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے نہیں کیا گیا۔ اب تک یہ فقیر تھا سے رکوع لینے کا
 حکم دیا گیا۔ اب فنی ہو گیا تو رکوع دینے کا حکم ہو گیا۔ کچھ ایسا کچھ اس سے نہ رہا جواز قرار دی اب پاک ہو گیا اس سے نہ رہا نہ ہو گیا۔ ہندوستان میں
 حلال کوئی طلاق کی تاکید جاتا بھی نہیں تین ہی کی نیت سے طلاق دیتے ہیں تو عجیب بات ہے کہ صورت مسئلہ کچھ در حکم کچھ اور دیا جائے اللہ غیر
 مقلدوں کو عقل دے جس سے حدیث کا مقصد صحیح سمجھ کریں۔

تیسرا اعتراض ابو داؤد جلد اول اور مشور جلد اول ص ۹۷۲ عبد الرزاق دہلوی سے عبد اللہ ابن عباس سے روایت کی کہ عبد ربیعہ بورکانہ نے
 پتی بیوی ام رکانہ کو طلاق دی حضور ﷺ نے فرمایا کہ طلاق سے رجوع کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور میں نے تین طلاقیں دی ہیں فرمایا وہ ہم
 ہاتھ ہیں مگر رجوع کرو اور یہ آیت تلاوت فرمائی بِأَيِّهَا النَّسِ إِذَا صَفَّيْتُمْ لِسَاءً لَطْفُوهُمْ لَعْنَهُنَّ ابُودَاؤُدَ طَيْرُهُ كِي مَهْرَتِ يَدِ
 هُوَ طَلَّقَ عَبْدُ بَرِيدٍ اَنُورَ كَاتَهُ ثُمَّ رُكْنَتَهُ فَقَالَ النَّسِ سَتَرَ رَجَعَ بِأَمْرِ اَنْتَ فَهَانَ اَمِي صَفَّيْتَهَا لَنْتَ قَالَ
 قَدْ عَسَمْتُ اِرْجِعْهَا وَفَلَا يَأْتِيهَا النَّسِ (التبیین) (سنن کبریٰ جلد ۳ ص ۳۳۹) اور اب ج ۳ ص ۳۹۹) مگر کشمی میں طلاق تین ہی
 واقع ہوتیں تو رجوع ناممکن تھا وہاں تو طلاق کی ضرورت در پیش ہوا کہ ایک طلاق باقی رکھی گئی اور دو کو رد کر دیا گیا حالانکہ خود بورکانہ عرض کر رہے ہیں
 کہ میں نے تین طلاقیں دی ہیں یہاں تاکید کا حتم نہیں اور پھر بھی یک ہی دلی گئی۔

جواب السوس کہ معترض نے ابو داؤد اور بیہقی کی آدمی روایت نقل کی آگے اس اعتراض کا نہایت نہیں جواب وہاں ہی دیا گیا ہے جسے معترض چھوڑ
 گیا۔ اس جگہ ابو داؤد و بیہقی میں ہے کہ یافع ابن مجیر اور عبد اللہ بن علی ابن یزید ابن رکانہ نے اپنے دادا رکانہ سے روایت کی کہ انہوں نے پتی بیوی کو
 طلاق بتی تھی بعد انصوہ نے اس کی بیوی کو اس کی طرف واپس کر دیا۔ یہ حدیث دیگر احادیث سے صحیح ہے کیونکہ سکاہن اور اس کے گھر والے اس کے
 حالات بمقابلہ طبروس کے زیادہ واقف ہوتے ہیں رکانہ کے پوتے تو فرماتے ہیں کہ میرے دادا میری دادی کو طلاق بتی، اور دیگر حضرات فرماتے
 ہیں کہ طلاق تین دیں۔ ماحملہ پوتے کی روایت زیادہ صحیح ہوگی عبارت یہ ہے۔

وَحَدِيثُ دَافِعِ ابْنِ عَجْبَرٍ وَ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عَنِي بْنِ بَرِيدٍ ابْنِ رُكْنَتَهُ عَنِ ابْنِهِ عَنِ جَدِّهِ أَنَّ رُكْنَتَهُ طَلَّقَ
 امْرَأَةً تَهَ الْبَتَّةَ فَرَدَّهَا النَّسِ سَتَرَ اصْبَحَ لَا تَهَ وَلِذَا الرَّحْبِ وَ اَهْلُهُ اَعْلَمُ بِهِ أَنَّ رُكْنَتَهُ اَنْمَا طَلَّقَ امْرَأَةً
 الْبَتَّةَ وَ حَمَلَهَا النَّسِ سَتَرَ وَ اَحَدُهُ (سنن کبریٰ بیہقی) ابو داؤد و بیہقی (مقام)

خلاصہ یہ کہ تین طلاق دی روایت سب ضعیف ہیں بلکہ امام بیہقی نے اس جگہ فرمایا ہے کہ عبد اللہ ابن عباس سے آٹھ روایتیں اس کے خلاف ہیں اور پھر
 رکانہ کی اور دے سے بھی طلاق بتی کی روایت ہے بتاؤں کہ تین طلاقیں والی ایک روایت معتبر ہوگی یا طلاق بتی والی آٹھ و ایک نور وایتیں بیہقی کی
 عبارت یہ ہے۔

ساتواں اعتراض غسل بھی چاہتی ہے کہ تنہی تین طہ قیس ایک ہی مانی جائیں کیونکہ جن جن چیزوں کی عیحدگی کا حکم ہے اس کو کٹھا کر دینا ایک کے حکم میں ہوتا ہے۔ مثلاً حائض میں لگ لگ چار قسمیں کھانا واجب ہے، اور حج میں حجروں پر لگ لگ سات سنگر مارنا واجب ہیں اگر کوئی چاروں میں سے ایک لفظ سے کھائے تو یہ ایک قسم مانی جائے گی کہ تین قسمیں اور کھانی پڑیں گی۔ اگر کوئی ساتوں سنگر ایک دم پھینک دے تو ایک ہی رمی مانی جائیگی اور چھ سنگر اسکے بعد وہ مارنے ہوں گے ایسے ہی اگر کوئی قسم کھائے کہ میں ہزار درود پڑھوں گا اور پھر اس طرح پڑھے **اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی** **مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ** تو اس کا یہ درود بزرگ مانا جائے گا بلکہ ایک ہی مانا جائیگا لہذا چاہیے کہ اگر کوئی ایک دم تین طہ قیس دے دے تو ایک ہی واقع ہونے کہ تین۔

جواب **الحمد لله** آپ قیاس کے تو قائل ہوئے اور آپ نے قیاس کرنے کی زحمت کو رافرمائی مگر جیسے آپ ویسا آپ کا قیاس جناب اعلیٰ اور رمی میں فعل مقصود ہے نہ کہ اس کا اثر اور طلاق میں اثر مقصود ہے، نہ کہ محض فعل ہذا یہ قیاس صحیح نہیں۔ اعلیٰ کی ہر قسم ایک گواہ کے قائم مقام ہے۔ جب کہ زبان میں گواہ چار ہیں تو اعلیٰ میں جو اس کا قائم مقام ہے۔ یعنی فعل قسم بھی چار ہی چاہئے۔ ایک لفظ چار قسمیں کھانے میں فعل ایک ہی چونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے رمی میں سات فعل فرمائے ہیں۔ اس کی پیروی چاہیے۔ درود شریف میں ثواب بقدر محنت ملتا ہے ایک ہزار درود کی محنت اتنی محنت کی محنت ہے اور ظاہر کہ ایک بار **الف** **مرآۃ** کہہ یہے میں ہزار درود کی محنت نہیں پڑتی۔ لہذا اس کے احکام بھی مختلف جسم کا دھڑلہ ہوتا ہے، طلاق کو اس کا ثواب کا کام ہے۔ تاکہ اس میں زیادہ ثواب ملے۔ غرض یہ تمام اعتراضات کٹری کے جائے کی طرح کر رہے ہیں ان سب کی ممانعت آسانی اور افسوس ہر دوری ہے خدا تعالیٰ قرآن وحدیث کی صحیح فہم عطا فرمائے۔ اگر تین طلاقوں سے ایک ہی واقع ہو اور شہر پہنچی سے لگ ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر تینوں واقع ہو جائیں اور پھر رجوع کر لیا جائے تو عمر بھر حرہ کا رہی ہوگی۔ لہذا احتیاط بھی اسی میں ہے کہ تین طہ قیس تین ہی مانی جائیں اسی لئے علماء اصوں فرماتے ہیں کہ اباحت در حرمت میں جب تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰی نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِينَ بِرَحْمَتِهِ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ

کو مضربیں چند ضعیف اسنادیں مل کر حدیث کو حسن بنا دیتی ہیں وغیرہ۔

اعتراض نمبر ۱۰

اگر امام آہستہ تلاوت کر رہا ہو۔ جیسے ظہر و عصر میں یا مقتدی بہت دور ہو کہ وہاں تک امام کی تلاوت کی آواز نہ پہنچتی ہو تو چاہئے کہ وہ سورہ فاتحہ پڑھ لے۔ کیونکہ فاتحہ پڑھنا قرآن سننے میں خارج نہیں۔

جواب یہ اعتراض جب درست ہوتا جبکہ خاموشی صرف قرآن سننے کے لئے ہوتی حالانکہ خاموشی کا علیحدہ حکم ہے در سننے کا علیحدہ حکم۔ رب فرماتا ہے **اقْبِسُوا الصَّلَاةَ وَانْقُوا لِرُكُوفَةٍ** جیسے زکوٰۃ کی فضیلت نماز کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ نماز سے علیحدہ مستقل فرض ہے ایسے ہی خاموشی مستقل ضروری چیز ہے۔ خفیہ نمازوں میں خاموشی ہے سننا نہیں۔ جہزی نمازوں میں خاموشی بھی ہے اور سننا بھی۔

اعتراض نمبر ۱۱

بلکہ جب مقتدی نماز کے سارے ارکان ادا کرتا ہے جیسے تکبیر تحریر قیام رکوع وغیرہ تلاوت بھی نماز کا ایک رکن ہے۔ وہ بھی اکرے یہ کیا کہ سب ارکان ادا کرے ایک چھوڑ دے۔

جواب اس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ جماعت کی نماز مسلمان وفد بن کر دربار خداوندی میں حاضر ہوتے ہیں۔ جن کا نمائندہ امام ہوتا ہے۔ آداب شریقیہ، رکوع، سجدہ اور تحیۃ و ثنایا سب فرض نہیں کے فرض معروض یعنی تلاوت قرآن صرف اس کا نمائندہ اس سب کی طرف سے کرے گا۔ مقتدی پر اسی پئے تلاوت فرض نہیں۔ بلکہ منع ہے۔ اس پر اب سے خاموشی رہنا تجلہ قرآن کریم فرض ہے۔

اعتراض نمبر ۱۲

رکوع میں ملنے والے مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا معاف ہے۔ جیسا کہ مسافر پر چار رکعت والی نماز میں دو رکعت معاف ہیں۔ کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے۔

جواب الحمد للہ آپ قریباً خفی ہو گئے سبھی ہم کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا معاف ہے۔ جیسے مسافر پر دو رکعتیں فرض کی معاف ہیں۔ کیونکہ امام کی قراۃ اس کی قراۃ ہے آپ سے مان لیا کہ **لا صلوة لمن لم يقرأ** ان حدیث آپے ظاہری عموم پر نہیں۔ بعض نمازی اس سے مستثنیٰ ہیں۔ بس ہم یہ ہی سننا چاہتے تھے۔ آپ کے نزدیک خاص مقتدی سمجھنے میں۔ اگر سے نزدیک عام مقتدی۔ حدیث میں استیفاء ماننے میں ہم در آپ برابر ہوئے۔ صرف مقدار استثناء میں تھوڑی بحث رہ گئی۔ انشاء اللہ عزوجل وہ بھی آپ مان جائیں گے یہ جو ب الزامی تھا۔ جو ب تحقیقی یہ ہے کہ شریعت میں نہ بعض صورتوں میں آدمی رہ جاتی ہے جیسے سفر اور کبھی بالکل معاف ہو جاتی ہے جیسے دُکھی جنون اور عورت کی پیدگی کی حالت۔ لیکن نماز کے شرائط و ارکان کسی صورت میں معاف نہیں ہوتے۔ البتہ بعض مجبور یوں میں رکوع کا بدلہ کر دیا جاتا ہے۔ بالکل معاف کبھی نہیں ہوتی وضو کا بدلہ تیمم اور قیام کا بدلہ قعود کر دیا گیا۔ مگر بغیر وضو کسی مجبوری سے بھی جائز نہ ہوئی۔ اگر مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ پڑھنا نماز کا رکن ہوتا تو اس کے چھوٹ جانے سے رکعت ہرگز نہ ملتی۔ معلوم ہوا کہ اس کے لئے اس کی قراۃ بدل ہے بس بھی ہم کہتے ہیں۔ لہذا اس مسئلہ کو سر کی نماز پر قیاس کرنا بالکل بے عقلی ہے۔ دیکھو نماز میں کوئی شخص رکوع میں شامل ہو تو واجب ہے کہ رکوع میں ہی عید کی تکبیریں کہے۔ نماز جنازہ میں جو کوئی سخی تکبیر میں ملے تو اس پر واجب ہے کہ پہلی تکبیریں کہے جب رکوع میں شامل ہوئے والے پر تکبیرات عیدین معاف نہ ہوئیں اور آخر شامل ہونے والے پر جنازہ کی تکبیریں معاف نہیں ہوتیں۔ تو اگر مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنی فرض تھی تو رکوع میں شامل ہونے پر کیوں معافی ہو گئی۔

اعتراض نمبر ۱۳

رکوع پانے والے پر اسی رکعت کا قیام معاف ہو گیا۔ جو فرض تھا تو اگر سورہ فاتحہ معاف ہو جاوے تو کیا حرج ہے۔

جواب یہ نقطہ ہے اس پر قیام معاف نہیں ہوا ضروری ہے کہ تکبیر تحریر کہہ کر بعد ایک تسبیح قیام کرے پھر دوسری تکبیر کہہ کر رکوع کرے ورنہ نماز نہ ملے گی۔

پانچواں باب

آمین آپستہ کہنی چاہیے

احناف کے نزدیک ہر مہماری خواہ امام ہو یا مقتدی یا کید اور غدار جہری ہو یا سزی آئین آہستہ کہے۔ مگر غیر مقصد وہاں ہوں کے نزدیک جہری غدار میں امام و مقتدی بلند وار سے جیل کر آئیں کہیں۔ اس سے اس باب کی بھی دو فصلیں کی جاتی ہیں۔ پہلی فصل میں ہمارے دلائل، دوسری فصل میں وہاں ہوں کے اعتراضات مع جوابات۔

پہلی فصل

آہستہ آہستہ کہنا حکم خدا و رسول کے موافق ہے۔ سچ کر آئین تہذیب و تمدن کے بھی خلاف ہے اور حدیث و سنت کے بھی مخالف و بائبل حسب دلیل ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَذْعُرُّ بِكُمْ نَصْرًا وَحَقِيْبَةً "اپنے رب سے دعا مانگو کہ جی سے اور بہتر زمین بھی دے۔ لہذا یہ بھی بہتر کہنی چاہیے۔"

ربہا تاج۔ وادہ سالک عادی عی قریب' اُحیث دعوتہ شاع اد دعوت

”معلوم ہو کہ خلیج کردعا اس سے کی جاوے جو ہم سے دور ہے۔ رب تو ہماری شرک سے بھی زیادہ قریب ہے پھر آئین خلیج کرکہنا عبث بلکہ خلاف تعظیم قرآنی ہے۔ اس لیے کہ آئین دعا ہے۔“

حدیث مبارکہ ۸۴ بخاری۔ مسلم۔ عم۔ مالک۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «أَمِنْ أَلَامِهِ فَمَسُوا فَأَنَّهُ مِنْ وَاقِعِ تَرْمِيهِ» تَامِينَ الْمَلَكَ
غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ

”فریادِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب امام آئیں گے تو تم بھی سہیں کہو کیونکہ جسکی آئیں فرشتوں کی ہمیں کے موافق ہوگی۔ اس سے گدشتہ من و خاشا دیئے جائیں گے۔“

اس حدیث سے معلوم ہو کہ گناہ کی معافی سرکاری کے لئے ہے۔ جس کی آئین فرشتوں کی آئین کی طرح ہوا اور ظاہر ہے کہ فرشتے آہستہ آہستہ کہتے ہیں۔ ہم نے ان کی آئین تک نہ کسی تو چاہیے کہ ہماری آئین خجہ آہستہ ہوتا کہ فرشتوں کو موافقت ہو اور گناہوں کی معافی ہو۔ جو وہابی صحیح کر آئین کہتے ہیں وہ جیسے مسجد میں آتے ہیں ویسے ہی جاتے ہیں ان کے گناہوں کی معافی نہیں ہوتی کیونکہ وہ فرشتوں کی آئین کی مخالفت کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۳۵۹: بخاری۔ شافعی۔ وہ لکے۔ ابو داؤد۔ نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ الْأَمَامَ غَيْرَ الْمَعْصُوبِ عَنْهُمْ وَلَا الصَّالِحِينَ فَقُولُوا آمِينَ لَهُ مِنْ وَفْقِ قَوْلِهِ» قَوْلُ الْمُسْكَةِ غَيْرُهُ مَا تَقْدُمُ مِنْ دِينِهِ

”فریادِ نبی ﷺ نے کہ جب ہم کہے۔ غیر المقصوب، عیسم وناہ لین تو تمہو۔ آمین کیونکہ جس کا یہ ”میں کہنا فرشتوں کی ”آمین کہے کے مطابق ہوگا۔ اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔“

اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ مقتدی کے پیچھے سورہ فاتحہ ہرگز نہ پڑھے مگر مقتدی پڑھتا تو حضور علیہ السلام فرماتے کہ جب وہ الضائیں کہو تو تم تمہیں کہو۔ معلوم ہوا کہ تم صرف آئین کہو گے۔ وہ الضائیں کہتا ماما کا کام ہے۔

رب فرماتا ہے: اِذَا حَاءَ كُفُّ الْعُومَاتُ فَاَنْتَحَوْنَهَا ”جب تمہارے پاس سوئمہ عورتیں آئیں تو ان کا امتحان لو۔“

دیکھو امتحان یہنا صرف مومنوں کا کام ہے نہ کہ مومنہ عورتوں کا کسی حدیث میں نہیں آیا کہ

اِذَا قُلْتُمْ وَلَا ضَالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ "جب تمہور ضالین کہو تو آمین کہو۔" معلوم ہو کہ مقتدی اور ضالین کہے گا ہی نہیں۔

دوسرے یہ کہ آئین آہستہ ہونی چاہئے کیونکہ فرشتوں کی سمین کی موافقت سے مراد وقت میں موافقت نہیں بلکہ طریقہ ادائیں موافقت ہے۔ فرشتوں کی آئین کا وقت تو وہی ہے۔ جب امام سورہ فاتحہ قلم کرتا ہے۔ کیونکہ مہارے کا لفظ فرشتے ہمارے ساتھ ہی تہذیبوں میں شریک ہوتے ہیں اور اس وقت آئین کہتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۸۵۱۴ امام احمد۔ ابو داؤد طحاوی۔ ابوالخلیلی سہلی طبرانی۔ دارقطنی۔ درحاکم نے مستدرک میں حضرت واکل بن حجر سے روایت کی حاکم نے فرمایا کہ اس کی اسناد ضعیف صحیح ہے۔

عَنْ وَائِلِ بْنِ خُبْرَةَ عَنْ عَنِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا بَلَغَ غَيْرَ الْمَعْصُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الصَّائِلِينَ قَالَ آمِينَ وَخَفِيَ بِهَا صَوْتُهُ

”حضرت واکل ابن حجر نے حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب حضور علیہ السلام اور اصحابین پر پہنچے تو آپ نے فرمایا آمین اور آمین میں اور آہستہ دہری۔“

معلوم ہوا کہ آمین آہستہ کہنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، بلند آواز سے بالکل خلاف سنت ہے۔

حدیث نمبر ۱۸۵۱۹ ابو داؤد۔ ترمذی۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت واکل ابن حجر سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ غَيْرَ الْمَعْصُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الصَّائِلِينَ فَقَالَ آمِينَ وَحَفِصَ بِهِ صَوْتُهُ

”فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو سنا کہ آپ نے پڑھا غیر المَعْصُوبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الصَّائِلِیْنَ تو فرمایا آمین اور آواز مبارک آہستہ دہری۔“

حدیث نمبر ۱۸۵۲۰ طبرانی نے تہذیب نگار میں اور محادی نے حضرت واکل ابن حجر سے روایت کی۔

قَالَ لَمْ يَكُنْ عُمَرُ وَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَحْتَمِرُ أَنْ يَسْمُوَ اللَّهُ لِرُخْصِ بَرَحِيمَ وَلَا يَأْمِنُ

”حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما نہ اسم اللہ اور آواز سے پڑھتے تھے نہ آمین۔“

معلوم ہوا کہ آہستہ آمین کبلی سنت صحابہ بھی ہے۔

حدیث نمبر ۱۸۵۲۱ مثنیٰ شرع پر یہ ہے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ وَائِلِ بْنِ خُبْرَةَ عَنْ عَنِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا بَلَغَ غَيْرَ الْمَعْصُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الصَّائِلِينَ قَالَ آمِينَ وَخَفِيَ بِهَا صَوْتُهُ

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ امام چار چیزیں آہستہ کہے۔ اَعُوذُ بِاللّٰہِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ۔ آمین اور رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ

حدیث نمبر ۱۸۵۲۲ ترمذی نے حضرت ابو واکل سے روایت کی عبد اللہ ابن مسعود نے فرمایا۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ يَحْتَمِي الْأَمَامُ رِجْلَ سَمِ اللَّهِ وَأَسْمَهُ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَالتَّوَهُدُ وَالشَّهَادَةُ

”امام چار چیزیں آہستہ کہے۔ بِسْمِ اللّٰہِ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ۔ اَعُوذُ اور التَّحِيَّاتُ

حدیث نمبر ۱۸۵۲۳ امام ابو سعید رضی اللہ عنہ نے حضرت حماد سے انہوں نے یہ بیان بھی سے روایت کی۔

قَالَ رُبْعٌ يَحْتَمِي الْأَمَامُ لَتَعُوذُ وَبِسْمِ اللَّهِ وَتَسْبِيحُكَ اللَّهُ وَآمِينَ رَوَاهُ مُعْتَمِدٌ فِي الْأَثَرِ وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ فِي مُصَنَّفِهِ

”آپ نے فرمایا کہ امام چار چیزیں آہستہ کہے۔ اَعُوذُ وَبِسْمِ اللّٰہِ۔ مَبْحَاثُكَ اللّٰہِ۔ آمین یہ حدیث امام محمد نے آثار میں اور عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں بیان کی۔“

عقل بھی چاہتی ہے کہ آمین آہستہ کی حوالے کیونکہ آمین قرآن کریم کی آیت پاکہ قرآن نہیں دی بیٹے نہ جبریل امین اسے لائے۔ قرآن کریم میں لکھی گئی۔ بلکہ دعا ورد کر اللہ ہے تو جیسے شامہ التیات درود ابراہیمی۔ دعا، ثورہ وغیرہ آہستہ پڑھی جاتی ہیں۔ ایسے ہی آمین بھی آہستہ ہونی چاہیے یہ کیا کہ تمام ذکر آہستہ ہوئے آمین پر تمام لوگ صحیح پڑے یہ چنانچہ قرآن کے بھی خلاف ہے۔ احادیث صحیحہ کے بھی صحابہ کرام کے عمل کے بھی در عقل سلیم کے بھی رب تعالیٰ عمل کی توفیق دے دوسرے اس لیے کہ اگر مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا بھی فرض ہو اور اسے آمین کہنے کا بھی حکم ہو تو مقتدی سورہ فاتحہ کے دہن میں ہو اور نام واصلین کہہ دے اب اگر یہ مقتدی آمین نہ کہے تو اس سنت کے خلاف ہو اور اگر آمین کہے اور چیتے تو آمین درمیان میں آدھے گی۔ قرآن میں غیر قرآن آدھے گا اور درمیان سورہ فاتحہ میں شور مچے گا۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک ہم نے غیر متقدمین کے جس قدر اعتراضات سنے ہیں تفصیل وار مع جوابات عرض کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱ ستمین دعا نہیں ہے۔ لہذا اگر یہ بلند آواز سے کہی جاوے تو کیا حرج ہے۔ رب ے دعا آہستہ مانگنے کا حکم دیا ہے نہ کہ دیگر اذکار کا۔

جواب ستمین دعا ہے۔ اس کا دعا ہونا قرآن شریف سے ثابت ہے۔ دیکھو سوئی علیہ السلام نے بارگاہ الہی میں دعا کی۔

رَبِّ اَطْمَسْ عَنِي اَمْرَالِهْمَ وَشَدَّدْ عَلٰی قُلُوْبِهْمَ فَلَا يُؤْمَرُوْا حَتّٰی يَرُوْا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ

”اے رب! ہمارے ان کے مال برباد کر دے اور ان کے دلوں سخت کر دے کہ ایمان نہ لائیں جب تک درناک عذاب نہ دیکھ لیں۔“
رب نے ان کی دعا قبول فرماتے ہوئے ارشاد کیا۔

قَالَ قَدْ اُجِيبَتْ دَعْوَتُكُمْ فَاَسْتَجِيبُوا رَبِّ سَمِعَ فَرَمَا یا تم دونوں کی دعا قبول کی گئی تو ثابت قدم رہو۔“

لہذا صاف دعا تو صرف سوئے علیہ السلام ے مانگی تھی مگر رب نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کی گئی۔ یعنی تمہاری اور حضرت ہارون علیہ السلام کی۔
حضرت ہارون علیہ السلام نے کب دعا مانگی تھی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے سوئے علیہ السلام کی دعا پر ستمین کہا تھا۔ رب نے ستمین کو دعا فرمایا معلوم ہوا کہ آئین دعا ہے اور دعا آہستہ ہونا چاہیے یہ مسائل قرآن میں سے ہے۔

اعتراض نمبر ۲ ترمذی شریف میں حضرت ابن عمر سے روایت ہے۔

قَالَ سَمِعْتُ نَبِيَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمُ یَقْرَأُ عِبْرَ الْمَعْصُوْبِ عَلَیْہِمُ وَلَا لُفْطَیْنَ وَلَا اَمِیْنَ وَمَلَّہُ بِہَا صَوْتًا

”میں نے نبی ﷺ کو سنا کہ آپ نے حیران مغلوب علیہم ولا لطف لین پڑھا۔ اور آئین فرمایا پئی آواز کو اس پر بلند کیا۔“
معلوم ہوا کہ آئین بلند آواز سے کہنا سنت ہے۔

جواب آپ نے حدیث کا ترجمہ نہ کیا۔ اس میں مذکور ارشاد ہو ملا ملہ سے بنا۔ اس کے معنی بلند کرنا نہیں بلکہ آواز کھینچنا ہے مطلب یہ ہے کہ حضور سے آئین پر وزن کریم قصر سے نہ فرمائی۔ بلکہ پرواز قائلین الف اور ہم حوب کھینچی کر پڑھی۔ لہذا اس میں آپ کی کوئی دلیل نہیں۔ ترجمہ کی غلطی ہے۔ کیاں رہے کہ ملا مقابل قصر ہے فناء کا مقابل ہے جبر۔ رفع کا مقابل خفض ہے اگر یہاں جبر ہوتا تو دلیل صحیح ہوتی۔ جبر کی روایت میں نہیں رب فرماتا ہے۔

اِنَّہٗ یَغْنَمُ الْحَہْرَ وَمَا یَحْمٰی ”بیشک رب تعالیٰ جانتا ہے بلند اور پست آوار کو۔“

دیکھو وہب نے یہاں فناء کا مقابل جبر فرمایا نہ کہ ملہ۔

اعتراض نمبر ۳ ابوداؤد شریف میں حضرت وائل عمری سے روایت ہے۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمُ یَقْرَأُ وَلَا لُفْطَیْنَ وَلَا اَمِیْنَ وَرَفَعَ بِہَا صَوْتًا

”نبی ﷺ جب فرماتے در لطف لیں تو فرماتے تھے آئین اور اس میں آواز شریف بلند فرماتے تھے۔“

یہاں رفع فرمایا جس کے معنی ہیں اونچا کیا۔ بلند کیا معلوم ہوا کہ آئین اونچی آواز سے کہنا سنت ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت وائل ابن حجر کی اصل روایت میں ملہ ہے۔ جیسا کہ ترمذی شریف میں وارد ہوا۔ جس کے معنی کھینچنے کے ہیں نہ کہ بلند کرنا۔ یہاں اسناد کے کسی راوی نے روایت بالعمی کی مذکور مع سے تعبیر فرمایا اور مراد وہی کھینچنا ہے نہ کہ بلند کرنا روایت بالعمی کا عام دستور تھا۔ دوسرے یہ کہ ترمذی کے علاوہ بخاری قریظ کا ذکر فرمایا ہے۔ مگر جو روایات ہم نے پیش کی ہیں۔ اس میں ترمذی کا صراحت ذکر ہے۔

لہذا حدیث میں تو درج نہیں اور یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں۔ تیسرے یہ کہ آئین باخبر اور آئین خفی کی حدیث میں تو درج ہے مگر جبر والی روایتیں قرآن کریم کے خلاف ہیں۔ لہذا چھوڑنے کے لائق ہیں اور آہستہ کی روایتیں قرآن کے مطابق ہیں۔ لہذا واجب العمل ہیں۔ چوتھے یہ کہ آہستہ آئین کی حدیثیں قیاس شرعی کے موافق ہیں اور جبری آئین کی حدیثیں اس کے خلاف لہذا آہستہ آئین کی حدیثیں قابل عمل ہیں اس کے خلاف قابل ترک۔ قرآنی آیتوں اور قیاس شرعی کا ذکر ہم پہلی فصل میں کر چکے ہیں۔ پانچویں یہ کہ آئین جبری والی حدیثیں قرآن شریف سے درج احادیث سے جو ہم پیش کر چکے ہیں۔ منسوخ ہیں اسی لیے صحابہ کرام ہمیشہ ہمیشہ آئین کہتے تھے اور اسی کا حکم دیتے تھے اور دوسرے آئین کہنے سے منع کرتے

تھے۔ جیسا کہ پہلی فصل میں ذکر کیا گیا اگر جبر کی حد میں مسووع نہیں تھیں تو صحابہ نے عمل کیوں چھوڑ دیا۔

اعتراض نمبر ۴ ابن ماجہ میں حضرات ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الْفَاسِقِينَ قَالَ آمِينَ حَتَّى يَسْمَعُوهُ أَهْلُ الْمَقْعَةِ الْأَوَّلِ فَيَرْتَجِعُ بِهَا الْمَسْجِدَ

”حضور علیہ السلام جب غیر المغضوب علیہم ولا الفاسقین فرماتے تو آئین فرماتے یہاں تک کہ پہلی صف والے سن بیٹے تو مسجد گونج جاتی تھی۔“

اس حدیث میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں یہاں تو مسجد گونج جانے کا ذکر ہے۔ گونج بغیر شور نہیں پیدا ہوتی۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ آپ نے حدیث پوری پیش نہیں کی۔ اُن عبارت چھوڑ دی وہ یہ ہے ملاحظہ ہو۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ تَرَكَ النَّاسُ الْمَآئِينَ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ

”لوگوں نے آئین کہنا چھوڑ دی۔ حالانکہ حضور ﷺ اُٹھتا تھا

اس جملہ سے معلوم ہوا کہ عام صحابہ کرام سے بلند آواز سے آئین چھوڑ دی تھی۔ جس پر سیدنا ابو ہریرہ یہ شکایت فرما رہے ہیں اور صحابہ کا کسی حدیث پر عمل چھوڑ دینا اس حدیث کے نسخ کی دلیل ہے۔ یہ حدیث تو ہماری تائید کرتی ہے نہ کہ تمہاری۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ حدیث صحیح مان لی جائے تو عقل اور مشاہدہ کے خلاف ہے۔ اور جو حدیث عقل و مشاہدہ کے خلاف ہے۔ وہ قابل عمل نہیں خصوصاً جبکہ حدیث مشہورہ اور آیات قرآنیہ کے بھی خلاف ہو۔

کیونکہ اس حدیث میں مسجد گونج جانے کا ذکر ہے۔ حالانکہ گنبد دلی مسجد میں گونج پیدا ہوتی ہے نہ کہ پھردان مسجد میں حضور اللہ ﷺ کی مسجد شریف آپ کے زمانہ معنوں پھردان تھی۔ وہاں گونج پیدا ہوتی کیسے ملتی تھی۔ آج کوئی غیر متقلد صاحب کسی پھردانے گھر میں شور مچا کر گونج پیدا کر کے دکھائے اس شاء اللہ عروجل چیتے چیتے مرج دیں گے مگر گونج پیدا ہوگی۔ اس اعتراض کے باقی وہ جواب ہیں۔ جو اعتراض نمبر ۳ کے ماتحت عرض کیے گئے۔ تیسرے یہ کہ یہ حدیث قرآن کریم کے بھی خلاف ہے۔ لا ترفعوا أصواتكم فوق صوت النبي اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اونچی نہ کرو اگر صحابہ نے جی اونچی آئین کی کہ مسجد گونج گئی تو سب کی آواز صوری آواز سے اونچی ہو گئی۔ قرآن کریم کی صریح مخالفت ہوئی جو حدیث مخالفت قرآن ہو قابل عمل نہیں۔

اعتراض نمبر ۵ بخاری شریف میں ہے۔

فَقَالَ عَطَاءٌ آمِينَ دُعَاءُ النَّاسِ ابْنِ الْأَرْبَعِ وَمِنْ وَرَاءَهُ حَتَّى نَأْتِيَ الْمَسْجِدَ الْمُنْتَحِدَ

”حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ آئین دعا ہے۔ اور حضرت ابن ربیعہ واران کے پیچھے واپس نے آئین کی یہاں تک کہ مسجد میں گونج پیدا ہو گئی۔“
اس حدیث سے صاف معلوم ہو کہ آئین جی جی کر کہنا چاہئے کہ مسجد گونج جاوے۔

جواب اس اعتراض کے بھی چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا پہلا حمد ہمارے مطابق ہے کہ آئین دعا ہے اور قرآن کریم فرماتا ہے کہ دعا بہت مانگو کیونکہ فضل ذات۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں نہ زکاؤ کر نہیں نہ معلوم خارج نماز یہ عداوت ہوئی یا نہ میں ظاہر یہ ہے کہ خارج نماز ہوگی تا کہ ان حدیث کے خلاف نہ ہو جو ہم نے پیش کیں۔ تیسرے یہ کہ حدیث عقل و مشاہدہ کے خلاف ہے کیونکہ گونج اور پھردان مسجد میں گونج پیدا نہیں ہو سکتی۔ لہذا واجب التاویل ہے۔ جناب اگر قرآن کی آیت بھی عقل شرعی و مشاہدہ کے خلاف ہو تو وہاں تاویل واجب ہوتی ہے۔ ورنہ کفر ورم آجاتا ہے۔ آیات صلات کو کتابہان کر صرف ایمان لاتے ہیں اس کے عابری معنی نہیں کرتے کیونکہ ظاہری معنی عقل شرعی کے خلاف ہیں۔

جیسے بِذِ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ”اُن کے ہاتھوں اللہ کا ہاتھ۔“

فَيَسْأَلُ لَوْلَا فَتَمَّ وَحْدَهُ اللَّهُ ”تم جہد پھر دے دوسری اللہ کا من ہے۔“

خدا کے لئے ہاتھ منہ ہونا عقل کے خلاف ہے لہذا یہ آیات واجب التاویل ہیں رب فرماتا ہے۔

فَوَجَدَا هَا تَعْرُبُ فِي عَيْنِ حَمِيعَةٍ ”وہاں قرآن نے سورج کو کچھ کے چشمے میں ڈوبتے دیکھا۔“

سورج کا ڈوبتے وقت آسمان سے اترنا اور کچھ میں ڈوبنا خلاف عقل تھا۔ لہذا اس کی تاویل کی جاتی ہے۔ یہ تاویل ہمارے حاشیہ القرآن میں ملاحظہ کرو۔ جناب حدیث پڑھنا اور یہ حدیث سمجھنا بکھانا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایسی کوئی حدیث صحیح مرفوعہ موجود نہیں جس میں نماز میں آئین بالجبر کی تصریح ہو ایسی صحیح حدیث ملتی ہے۔ نہ ملے گی وہاں

کو چاہئے کہ ضد چھوڑ دیں اور صدقہ دین سے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا دامن بکھڑکیں کہ یہ ہی حضور ﷺ کا راستہ ہے اس مسئلہ کی زیادہ تحقیق ہمارے حاشیہ بخاری عربی میں ملاحظہ فرمادو۔

اعتواض مہمو ۶ بہتہ آئین کے متعلق آپ نے جس قدر حدیثیں پیش کی ہیں وہ سب ضعیف ہیں اور ضعیف سے استدلال نہیں کر سکتے۔ (ای ہا ناہا ہوا حق) دیکھو وائیں ہجری ترمذی وائیں روایت جو تم نے پیش کی۔ اس کے متعلق امام ترمذی فرماتے ہیں۔

حدیث ضعیف صلیح من حدیث شعبۃ فی حد الی ان وہاں وحقق بھا صوتہ و اسما هو مذہبھا صوتہ "آئین کے بارے میں سفیان کی حدیث شعبہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے شعبہ یہاں کہتے ہیں۔ نخص یعنی حضور سے پست آواز سے کہا جائے کہ یہاں مذہب ہے یعنی آواز کھینچ کر آئین فرمائی۔"

جواب ضد کا شکر ہے کہ آپ مقلد تو ہوئے امام ابوحنیفہ کے نہ کسی امام ترمذی کے کسی کہ ہف جرح کچھ بند کر کے قبول کر لیتے ہیں۔ جناب اس حدیث کے ضعف کی اصل وجہ یہ ہے کہ آپ کے خلاف ہے اگر آپ کے حق میں ہوتی تو آنکھ بند کر کے مان بیٹے۔ آپ کے اس سوال کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ ہم نے آہستہ آئین کی چھبیس سندیں پیش کیں کیا سب سندیں ضعیف ہیں اور سب میں شعبہ داری آرہے ہیں۔ اور شعبہ ہر جگہ غلطی کر رہے ہوں یہ ناممکن ہے۔

دوسرے یہ کہ اگر یہ چھبیس اسنادیں ساری کی ساری ضعیف بھی ہوں جب بھی سب مل کر قوی ہو گئیں۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔

تیسرے یہ کہ شعبہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے بعد اسناد میں شامل ہوئے جس سے یہ حدیث ضعیف ہوئی۔ امام صاحب کو یہی حدیث ہائل کل صحیح فی حق بعد کا ضعف پہلے والوں کو مضربیں۔

چوتھے یہ کہ اگر پہلے سے ہی یہ حدیث ضعیف تھی۔ جب بھی امام، عظم سراج امت، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قبول فرمائیے سے قوی ہو گئی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے۔

پانچویں یہ کہ چونکہ اس حدیث پر عام امت مسلمہ نے عمل کر لیا ہے لہذا حدیث کا ضعف جاتا رہا اور حدیث قوی ہو گئی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔

چھٹے یہ کہ اس حدیث کی قرآن کریم تائید کر رہا ہے اور بلند آواز کی حدیث قرآن کے خلاف ہے لہذا بہتہ آئین کی حدیث قرآن کی تائید کی وجہ سے قوی ہو گئی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔

ساتھویں یہ کہ اس حدیث کی قیاس شرعی تائید کر رہا ہے اور بلند آواز کی حدیث قیاس شرعی کے اور محل شرعی کے خلاف ہے لہذا بہتہ آئین کی حدیث قوی ہے اور بلند آواز کی حدیث ناقابل عمل غرضکہ بہتہ آئین کی حدیث بہت قوی ہے۔ اس پر عمل چاہئے۔

اعتواض مہمو ۷ ابو داؤد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور جب سورۃ فاتحہ سے فارغ ہوتے تو۔

قُلْ آمِین حَتّٰی یُسْمِعَ مِنْ بَیْنِهِ مِنَ الصُّفُوفِ الْاَوَّلِ "اس طرح کہتے کہ صف اول میں جو آپ سے قریب ہوتا وہ سن پتار۔"

جواب اس کے دو جواب ہیں یک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ پہلی آپ کی روایتوں میں تھا کہ مسجد گونج جاتی تھی اور اس میں یہ آواز کہ صرف پیچھے والے ایک دو آدمی ہی سنتے تھے۔ دوسرے یہ کہ اسی حدیث کی سند میں بشیر بن رافع آرہا ہے اسے ترمذی نے کتاب الجنائز میں حافظہ ذہنی نے میزان میں سخت ضعیف فرمایا محمد نے اسے منکر حدیث کہا ابن عیین نے اس کی روایت کو موضوع قرار دیا۔ امام سبکی نے سے قوی نہیں مانا۔ (دیکھو آفتاب محمدی لہذا یہ حدیث سخت ضعیف سے قابل عمل نہیں)

چھٹا باب

رفع یدین کرنا منع ہے

احناف اہل سنت کے نزدیک رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اُٹھتے وقت دونوں ہاتھ اٹھا کر خلاف سنت اور ممنوع ہے مگر وہابی غیر مقدان دونوں وقت میں رفع یدین کرتے ہیں اور اس پر بہت زور دیتے ہیں۔

لہذا ہم اس مسئلے کو بھی دو حصوں میں بیان کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے مسئلہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جواب رب تعالیٰ قبول فرمادے۔

پہلی فصل

نہر میں رکوع جاتے آتے رفع یدین کرنا مکروہ اور اختلاف سنت ہے جس پر بے شمار احادیث اور قیاس مجتہدین وارد ہیں ہم نے اس سے کچھ عرض کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۱۱ ترمذی۔ یوذاؤد۔ نسائی۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت علقمہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ لَبَّ ابْنُ مَسْعُودٍ اَلَا اَصْنَى بِكُمُ صَوْرَةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصْنَى وَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ اِلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً مَعَ تَكْبِيرِ الْاَوَّلِ اِسْرَمَرُى حَدَّثَنَا ابْنُ مَسْعُودٍ حَدِيثٌ "حَسَنٌ" وَبِهِ يَقُولُ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ اَهْلِ الْعَمَمِ مِنْ صَحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْبَعْضُ

"یک دفعہ ہم سے حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ میں تمہارے سامنے حضرت کی نہر نہ پڑھوں میں آپ نے نہر پڑھی۔ اس میں سوا بکیر تحریر کے کبھی ہاتھ نہ اٹھائے۔ امام ترمذی نے فرمایا کہ اس مسود کی حدیث حسن ہے اس رفع یدین نہ کرنے پر بہت سے علماء صحابہ و علماء تابعین کا عمل ہے۔"

مخبر دہم کہ یہ حدیث چند وجہ سے بہت قوی ہے ایک یہ کہ اس کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو صحابہ میں بڑے فقیہ عالم ہیں۔ دوسرے یہ کہ آپ جماعت صحابہ کے سامنے حضور کی نماز پیش کرتے ہیں اور کوئی صحابی اس کا ٹکار نہیں فرماتے۔ معلوم ہو کہ سب نے اس کی تائید کی۔ گر رفع یدین سنت ہوتا تو صحابہ اس پر ضرور حزم کرتے کیونکہ ان سب نے حضور کی نماز دیکھی تھی۔ تیسرے یہ کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف نہ فرمایا۔ بلکہ حسن فرمایا۔ چوتھے یہ کہ امام ترمذی نے فرمایا کہ بہت علماء صحابہ و تابعین رفع یدین نہ کرے تھے۔ ان کے عمل سے اس حدیث کی تائید ہوئی۔ پانچویں یہ کہ امام ابو حنیفہ جیسے جلیل القدر عظیم الشان مجتہد وقت نے اس کو قبول فرمایا اور اس پر عمل کیا چھٹے یہ کہ عام امت رسول ﷺ کا اس پر عمل ہے۔ ساتویں یہ کہ یہ حدیث قیاس و عقل کے بالکل مطابق ہے جیسا کہ ہم سیدہ اعراض کرینگے۔ انشاء اللہ ان وجوہ سے ضعیف حدیث بھی قوی ہو جاتی ہے چہ جائیکہ یہ حدیث تو خود بھی حس ہے۔

حدیث نمبر ۱۱۲ شیعہ نے حضرت برادر بن عازب سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا افْتَحَ الصُّلُوَّةَ رَفَعَ يَدَيْهِ ثُمَّ لَا يَرْفَعُهَا حَتَّى يَفْرُغَ

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تھے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نہر سے فارغ ہونے تک نہ اٹھاتے تھے۔"

خیال رہے کہ حدیث برادر ابن عازب کو ترمذی نے اس طرح نقل فرمایا کہ لی باب من البراء

حدیث نمبر ۱۱۳ یوذاؤد نے حضرت برادر ابن عازب سے روایت کی۔

قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِينَ افْتَحَ الصُّلُوَّةَ ثُمَّ لَمْ يَرْفَعْهُمَا حَتَّى اَنْصَرِفَ

"میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ نے نماز شروع کی تو دونوں ہاتھ اٹھائے پھر نہر سے فارغ ہونے تک نہ اٹھائے۔"

حدیث نمبر ۱۱۴ طحاوی شریف نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي اَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ ثُمَّ لَا يَرْفَعُ

"وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ پھر کبھی نہ اٹھاتے تھے۔"

حدیث نمبر ۱۸۴ حاکم و بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن عباس و عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرْفَعُ الْأَيْدِي فِي سَبْعِ مَوَاطِنَ عِدَا فَتَسَاحُ الصَّلَاةُ وَ سَتَقْبَالُ الْبَيْتَ وَ لِقَاصُهَا وَ الْمَرْوَةَ وَ الْمَوْقِفَيْنِ وَ الْحَمْرَيْنِ

”حضور ﷺ نے فرمایا کہ ساتھ جگہ ہاتھ اٹھائے جائیں نماز شروع کرتے وقت کعبہ شریف کے سامنے منہ کرتے وقت صغاء مرد و بچہ ڈپر اور دو مؤقف مناوہہ داخلہ میں اور دونوں جہروں کے سامنے۔“

یہ حدیث برابر سے حضرت ابن عمر سے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے بیہقی نے حضرت ابن عباس سے طبرانی اور بخاری نے کتاب المفرد میں عبداللہ ابن عباس سے کچھ فرق سے یہاں کی بعض روایات میں نماز عیدین کا بھی ذکر ہے۔

حدیث نمبر ۱۸۵ امام بخاری نے حضرت مغیرہ سے روایت کی کہ میں نے امرا ایم نخعی سے عرض کیا کہ حضرت وائل نے حضور کو دیکھا کہ آپ شروع نماز میں اور رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے تو آپ نے جواب دیا۔

إِنْ كَانَ وَالِيٌّ رَأَى رَأَى عَبْدَ اللَّهِ حَمِيسِينَ مَرْءَ لَا يَفْعَلُ ذَلِكَ

”اگر حضرت وائل نے حضور کو ایک بار رفع یدین کرتے دیکھا ہے تو حضرت عبداللہ ابن مسعود نے حضور کو پچاس رفع یدین کرتے دیکھا۔“ اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود کی حدیث بہت قوی ہے کیونکہ وہ صحابہ میں فقہ عام میں۔ حضور ﷺ کی صحبت میں اکثر رہنے والے نماز میں حضور سے قریب تر کھڑے ہوتے والے ہیں۔ کیونکہ حضور کے قریب دو کھڑے ہوتے تھے جو عام دعاؤں ہوتے تھے جیسا کہ روایات میں وارد ہے۔

حدیث نمبر ۱۸۶، ۱۷ بخاری اور ابن ابی شیبہ نے حضرت مجاہد سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ حَلْفَ ابْنِ عُمَرَ فَلَمَّا بَدَأَ بِدِيْنِهِ الْأُولَى فِي التَّكْبِيرِ لَا أُولَى مِنْ الصَّلَاةِ

”کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ نماز میں پہلی تکبیر کے سوا کسی وقت ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔“

حدیث نمبر ۱۸۷ بخاری شری بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کی۔

أَنَّ رَأَى رَأَى يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي الصَّلَاةِ عِنْدَ الرُّكُوعِ وَعِنْدَ رَفْعِ رَأْسِهِ مِنَ الرُّكُوعِ فَقَالَ لَهُ لَا تَفْعَلْ فَإِنَّهُ شَيْءٌ فَعَلَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ بَرَكَا

”کہ آپ نے ایک شخص کو رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے دیکھا تو اس سے فرمایا کہ ایسا نہ کیا کرو کیونکہ یہ کام ہے جو حضور ﷺ نے پہلے کیا تھا پھر پھوڑ دیا۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رکوع کے آگے پیچھے رفع یدین منسوخ ہے۔ جن صحابہ سے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع یدین ثابت ہے وہ پہلا فعل ہے بعد میں منسوخ ہو گیا۔

حدیث نمبر ۱۸۸، ۲۰ بیہقی و بخاری شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي التَّكْبِيرِ لَا أُولَى مِنْ الصَّلَاةِ ثُمَّ لَا يَرْفَعُ فِي شَيْءٍ مِنْهَا

”کہ آپ نماز کی پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر کسی حالت میں ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔“

حدیث نمبر ۱۸۹ بخاری شریف نے حضرت اسود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَأَيْتُ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ رَفَعَ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ ثُمَّ لَا يَفْعَلُ وَقَالَ حَدِيثٌ صَحِيحٌ

”میں نے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھائے پھر نہ اٹھائے امام بخاری نے فرمایا کہ حدیث صحیح ہے۔“

حدیث نمبر ۱۹۰ بوداؤ شریف نے حضرت سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

حَدَّثَنَا سَفْيَانُ ابْنُ عُثْمَانَ بِهَذَا فِي رَفْعِ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ مَرْءَ وَقَالَ بَعْضُهُمْ مَرْءَ وَاحِدَةً

”حضرت سفیان اسی اسناد سے فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود نے پہلی بار ہی ہاتھ اٹھائے بعض راویوں نے فرمایا کہ ایک ہی دفعہ ہاتھ اٹھائے۔“

حدیث نمبر ۲۳ وارفتگی نے حضرت برہان عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ رَأَى لِسِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ افْتَتَحَ الصُّلُوةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى حَادَى بِهِمَا أُبْيَهُ ثُمَّ لَمْ يَغْزِ إِلَى شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ حَتَّى فَرَغَ مِنْ صُلُوتِهِ

”کہ انہوں نے حضور ﷺ کو دیکھا جب کہ حضور ﷺ نے نماز شروع کی تو ہاتھ اتارے اٹھائے کہ کانوں کے مقابل کر دیئے پھر نازل سے فارغ ہونے تک کسی جگہ ہاتھ نہ اٹھائے۔“

حدیث نمبر ۲۴ امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ عن امام ابراہیم سے اس طرح روایت کی۔

أَنَّ قَدْرَ لَا تَرْفَعُ الْيَدَيْنِ فِي شَيْءٍ مِنْ صَلَاتِكَ بَعْدَ أَمْرِهِ لَا زَلِي

”آپ نے فرمایا کہ کبھی ہر کے سوائے نازل میں کبھی ہاتھ نہ اٹھاؤ۔“

حدیث نمبر ۲۵ بخاری نے برہان عازب سے روایت کی۔

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا افْتَتَحَ الصُّلُوةَ رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَى قَرِيبٍ مِنْ أُذُنَيْهِ ثُمَّ لَا يَغْزِ

”بیک صویر ﷺ جب نماز شروع کرتے تھے تو کانوں کے قریب تک ہاتھ اٹھاتے تھے پھر اتر کر کرتے۔“

رفع یدین کی ممانعت کی اور بہت سی حدیث ہیں۔ ہم نے یہاں بطور اختصار صرف چھپیں روایتیں پیش کر دیں کہ شوق ہو تو مولانا امام محمد رحمہ اللہ شریف صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرمادیں۔

آخر میں ہم حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا وہ منظر پیش کرتے ہیں۔ جو رفع یدین کے متعلق مکہ معظمہ میں امام اوزاعی سے ہو۔ ناظرین دیکھیں کہ امام اعظم رحمہ اللہ کس پایہ کے محدث ہیں اور کتنی قوی صحیح الامام حدیث پیش فرماتے ہیں۔

امام ابو محمد بخاری محدث رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سفیان بن عیینہ سے روایت کی کہ ایک دفعہ حضرت امام اعظم اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کی مکہ معظمہ کے درمیان طین میں ملاقات ہو گئی تو ان پر رگوں کی آپس میں حسب دلیل گفتگو ہوئی۔ سینے اور سینے تازہ کیجئے۔ یہ مناظرہ فتح القدیر اور مراقبات شرح مشکوٰۃ فیروہ میں بھی مذکور ہے۔

امام اوزاعی آپ لوگ رکوع میں جاتے در رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔

امام ابو حنیفہ آپ لوگ اس لئے کہ رفع یدین ان موقعوں پر حضور سے ثابت نہیں۔

امام اوزاعی آپ نے یہ کیا فرمایا میں آپ کو رفع یدین کی صحیح حدیث بتا رہا ہوں۔

حَدَّثَنِي الرَّهْرِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصُّلُوةَ وَعِنْدَ الرُّكُوعِ وَعِنْدَ الرَّفْعِ مِنْهُ

”مجھے زہری نے حدیث بیان کی انہوں نے سالم سے سالم نے اپنے والد سے انہوں نے نبی ﷺ سے کہ آپ ہاتھ اٹھاتے تھے جب نماز شروع فرماتے اور رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت۔“

امام اعظم میرے پاس اس سے قوی تر حدیث اس کے خلاف موجود ہے۔

امام اوزاعی اچھا فوڑ پیش فرمائیے

امام اعظم لکھتے بیٹے۔

حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ ابْنِ هُرَيْمٍ عَنْ عَمَلِهِمْ وَلَا سُدَّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا عِنْدَ افْتِتَاحِ الصُّلُوةِ ثُمَّ لَا يَغْزِ إِلَى شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ

”ہم سے حضرت حماد نے حدیث بیان کی انہوں نے ابراہیم نخعی سے انہوں نے حضرت علقمہ اور اسود سے انہوں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے انہوں نے ہاتھ اٹھاتے تھے پھر کسی وقت نہ اٹھاتے تھے۔“

امام اور اسی آپ کی پیش کردہ حدیث کو میری پیش کردہ حدیث پر کیا فوقیت ہے جس کی وجہ سے آپ نے اسے قبول فرمایا اور میری حدیث کو چھوڑ دیا۔

امام اعظم اس لیے کہ حجاز رہی سے زیادہ فقیہ ہیں۔ اور ابوہریرہؓ بھی سلم سے بڑھ کر عالم فقیہ ہیں۔ عقیقہ۔ سالم کے والد عبداللہ اس عمر میں کم نہیں اسود بہت ہی بڑی منجلی فقیہ و افضل ہیں۔ عبداللہ ابن مسعودؓ فقہ ہیں۔ قرآن میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں حضرت ابن عمرؓ سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں کہ بچپن سے حضور ﷺ کے ساتھ رہے۔

چونکہ ہماری حدیث کے راوی تمہاری حدیث کے راویوں سے علم و فضل میں زیادہ ہیں۔ لہذا ہماری پیش کردہ حدیث بہت قوی و قابل قبول ہے۔

امام اور اسی خلاصہ

غیر مقدمہ دہائی صاحبان امام صاحب کی یہ اسناد دیکھیں اور اس میں کوئی نقص نکالیں امام اور علی کو بچہ خاموشی کے چارہ کار نہ ہو یہ ہے۔ امام اعظم کی حدیث دلی در یہ ہے۔ ان کی حدیث کی اسناد۔ اللہ تعالیٰ حق قبول کرنے کی توفیق دے۔ ضد کا کوئی علاج نہیں یہ بھی سادیں در ان میں ضعیف راویوں کی شرکت حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد کی پیداوار ہیں۔ امام صاحب نے جو حدیث قبول فرمائی وہ نہایت صحیح ہے۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ رکوع میں رفع یہیں نہ ہو کیونکہ تمام کاس پر اتفاق ہے کہ بغیر تحریرہ میں رفع یہیں ہو۔ اور تمام اس پر بھی اتفاق ہے کہ مجدد اور تعدد کی تکبیروں میں رفع یہیں نہ ہو۔ رکوع کی تکبیر میں اختلاف ہے دیکھا چاہیے کہ رکوع کی تکبیر تحریرہ کی طرح ہے یا مجدد اور التقیات کی تکبیروں کی طرح غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رکوع کی تکبیر۔ بغیر تحریرہ کی طرح نہیں۔ بلکہ مجدد اور التقیات کی تکبیروں کی طرح ہے۔ کیونکہ تکبیر تحریرہ فرض ہے جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور رکوع مجدد سے کی تکبیریں سنت کہ ان کے بغیر بھی نماز ہو چاہے گی۔ تکبیر تحریرہ نماز میں صرف ایک دفعہ ہوتی ہے۔ رکوع مجدد سے کی تکبیریں ہر بار ہوتی ہیں۔ بغیر تحریرہ سے اصل نماز شروع ہوتی ہے رکوع مجدد سے کی تکبیروں سے رکن نماز شروع ہوتا ہے نہ کہ اصل نماز، تکبیر تحریرہ نماز پر پہلا رکوع کا مکھانا بنانا وغیرہ حرام کرتی ہے رکوع مجدد کی تکبیروں کا یہ حال نہیں ان سے پہلی ہی ہی حرمت آجکل ہے تو جب رکوع کی تکبیر مجدد کی تکبیر کی طرح ہوتی نہ کہ تکبیر کی طرح تو چاہے کہ رکوع کی تکبیر کا بھی وہی حال ہو۔ جو مجدد کی تکبیر کا حال ہے یعنی ہاتھ نہ اٹھانا لہذا حق یہ ہے کہ رکوع میں رفع یہیں نہ کرے۔ (راوی شریف)

خلاصہ یہ ہے کہ رفع یہیں بقوت رکوع حضور ﷺ کی سنت اور حضرات صحابہ خصوصاً خلفاء راشدین کے عمل کے خلاف ہے عقل شرعی کے بھی مخالف جن روایات میں رفع یہیں آیا ہے وہ تمام منسوخ ہیں جیسا کہ حدیث نمبر ۱۸ میں ملاحظہ مذکور ہے یا وہ سب مرجوح و ناقابل عمل ہیں ورنہ احادیث میں سخت تعارض واقع ہوگا۔ یہ بھی خیال رہے کہ نماز میں سکون و اطمینان چاہیے بلاوجہ حرکت و جنبش مکروہ اور سفت کے خلاف ہے اس ہی بیخیز نماز میں بلا ضرورت پاؤں ہلانا، انگلیوں کو جنبش دینا منوع ہے۔

رفع یہیں میں بلا ضرورت جنبش ہے۔ تو رفع یہیں کی حدیثیں سکون نماز کے خلاف ہیں اور ترک رفع کی حدیثیں سکون نماز کے موافق، لہذا عقل کا بھی تقاضا ہے کہ رفع یہیں نہ کرے کی حدیثوں پر عمل ہو۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقدمہ دہائیوں کی طرف سے اب تک مسئلہ رفع یہیں پر جو اعتراضات ہم تک پہنچے ہیں۔ ہم نہایت مسرت سے تحصیل و ارجاع جو بات عرض کرتے ہیں رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

اعتراض نمبر ۱ رفع یہیں نہ کرنے کے متعلق جس قدر روایات پیش کی گئیں وہ سب ضعیف ہیں اور ضعیف حدیث قابل عمل نہیں ہوتی۔ (دوسری بات منسلق)

جواب جی ہاں۔ صرف اس لیے ضعیف ہیں کہ آپ کے خلاف ہیں۔ مگر آپ کے حق میں ہوتیں تو گرچہ من گھڑت موضوع بھی ہوتیں آپ کے سر و آنگھوں پر ہوتیں۔ جناب آپ کی ضعیف ضعیف کی رٹ نے لوگوں کو حدیث کا منکر بنادیا و سطر کا یہ عادت چھوڑ دو۔ ہم ضعیف کے بہت جوابات دیکھنے بالوں میں عرض کر چکے۔

اعتراض نمبر ۲ ابوداؤد کی براء ابن عازب وان حدیث کے متعلق خود ابوداؤد نے فرمایا۔

هذه الحديث ليس بصحيح "یہ حدیث صحیح نہیں۔"

معلوم ہوا کہ یہ حدیث ضعیف ہے پھر آنے اسے پیش کیوں فرمایا۔

جواب اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ کسی حدیث کے صحیح نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ضعیف ہو یا صحیح اور ضعیف کے درمیان حسن و جہل۔ حسن بخیر و کادرجہ بھی ہے۔ ابو داؤد نے صحت کا انکار کیا ہے نہ کہ ضعف کا دعویٰ۔ **دوسرے** یہ کہ ابو داؤد کا فرمانا کہ یہ حدیث صحیح کثیر جرح مبہم ہے۔ انہوں نے صحیح نہ ہونے کی وجہ نہ بتائی کہ کون سا راوی ضعیف ہے اور کیوں ضعیف ہے جرح مبہم مستبر نہیں ہم ابو داؤد کے مقلد نہیں کہ ان کی ہر جرح آنکھ میچ کر مان لیں۔

اعتراض نمبر ۲ ابو داؤد آپ کی پیش کردہ حدیث نمبر ۲۵ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں یزید بن ابی زید ہیں۔ جو کہ خرمی میں بحول کی بیماری ہو گئی تھی انہوں نے بڑھاپے میں فرمایا۔

ثُمَّ لَا يَبْعُدُ درناسل حدیث میں یہ الفاظ موجود نہیں لیچے جرح مفصل حاضر ہے۔ اب یہ حدیث قویٰ ضعیف ہے جو قابل عمل نہیں۔ **جواب** اس کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ یزید بن ابی زید ابو داؤد کی مروت میں ہیں۔ مگر امام صاحب ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی اسناد میں نہیں تو یہ اسناد ابو داؤد کو ضعیف ہو کر ملی مگر امام ابو حنیفہ کو صحیح ہو کر ملی تھی۔ ابو داؤد کا ضعف امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے لئے معتبر کیوں ہو۔

دوسرے یہ کہ رفع یدین نہ کرنے کی حدیث بہت سناؤں سے مروی ہے سب میں یزید بن زید موجود نہیں۔ اگر یہ اسناد ضعیف ہے تو ہاقی اسنادیں کیوں ضعیف ہوں گی۔

تیسرے یہ کہ امام ترمذی نے رفع یدین نہ کرنے کی حدیث کو حسن فرمایا۔ اور بہت صحابہ کا اس پر عمل بیان کیا۔ آپ کی نظر ابو داؤد کے ضعیف کہنے پر تو گئی مگر امام ترمذی کے حسن فرمانے پر نہ گئی اور صحابہ کے عمل پر نہ گئی یہ کیوں۔

چوتھے یہ کہ اگر اس حدیث کی ساری سنادیں بھی ضعیف ہوں تب بھی سب ضعیف اسنادیں مل کر قوی ہو جائیں گی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔ پانچویں یہ کہ عام علماء و ادیب و جمہور ملت اسلامیہ کا عرف یدین نہ کرنے پر عمل رہا اور ہے اس سے بھی یہ حدیث قوی ہو جاتی ہے سواء ملے مجرہ و بیوں کے سب ہی اس پر حال میں تعجب ہے کہ آپ کی ذخیرہ آدمیوں کی جماعت تو حق پر ہو مگر عام امت رسول اللہ گمراہی پر۔ خیال رہے کہ دنیا میں پچانوے فی صدی مسلمان خلیفہ مسیح ہیں اور پانچ فی صدی دیگر مذاہب اس اندازہ کی صحت حرمیں طہیں جا کر معلوم ہوتی ہے۔ جہاں ہر ملک کے مسلمان جمع ہوتے ہیں۔ پھر سے وہابی تو کسی شمار میں نہیں یہ شاید ہزار میں یک ہوں گے۔ سرکار مطلقہ فرماتے ہیں۔

مراہ' لَمُؤْمِنُونَ حَسَبًا فَهُوَ عَبْدُ اللَّهِ حَسَبًا "جیسے عاصی المؤمنین اچھے سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھے ہیں۔"

اور فرماتے ہیں۔ **اتَّبِعُوا السُّوَادَ الْأَعْظَمَ فَإِنَّهُ مِنْ شِدِّهِ الدَّر**

" میری امت کے بڑے گروہ کی پیروی کرو۔ جو بڑی جماعت سے انک رہا وہ درخشاں میں ننگ جائیگا۔"

حیال دہے کر شافعی، مالک، حنبلی سب ایک گروہ ہے۔ عقائد کے ایک ہیں سب مقلد ہیں۔ غیر مقلد شافعی بھر جماعت مسلمانوں سے عقائد میں بھی علیحدہ ہے۔ اعمال میں جدا گانہ جذباتیوں کی کوئی حدیث ضعیف ہو سکتی ہی نہیں۔ مت کے عمل سے قوی ہے۔ دیکھو مقدمہ۔

اعتراض نمبر ۳ تہجدی پیش کردہ حدیث کبرا جو ترمذی و غیرہ نے حضرت ابن مسعود سے نقل کی وہ مجمل ہے کیونکہ اس میں نماز کا سارا طریقہ بیان نہ کیا گیا صرف یہ فرمایا گیا کہ ابن مسعود نے صرف ایک دو رکعت ہاتھ اٹھایا "کے کیا کیا یہ ذکر نہیں اور مجلس حدیث کا قابل عمل ہوتی ہے۔

(ابو داؤد کا ایک لائق وہابی)

جواب جناب یہ حدیث مجمل نہیں، مطلق نہیں، عام نہیں، مشترک لفظی یا معنوی نہیں بلکہ حدیث مختصر ہے۔ مختصر پر عمل کو کس سے منع کیا اور مجمل بھی بعد بیان مطلقہ قابل عمل بلکہ واجب العمل ہو جاتی ہے کیونکہ مجمل کے بعد محکم ہو جاتی ہے۔

ہمارا اعلان دنیا بھر کے وہابی غیر مقلدوں کو عدالت ہے کہ مطلق۔ عام۔ مجمل۔ مشترک معنوی۔ مشترک لفظی میں فرق قائم۔ دوران میں سے ہر ایک کی جامع، نفع تعریف کریں کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں اصول فقہ مطلق کو ہاتھ نہ لگائیں۔

وہابیو تم حدیث کے غلط ترجمے کیئے جاؤ۔ تمہیں ان علمی چیزوں سے کیا تعلق کسی حق عام سے مجس کا لفظ بیان ہوا تو دھونس جانے کے لئے یہاں اعتراض جڑ دیا اور اس میں یہ شائبہ لفظ استعمال کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے علوم کے دویہ تو مقلدین کے سینوں میں بھائے ہیں۔

اعتراض نمبر ۴ ابو داؤد۔ ترمذی۔ واری ابن ماجہ نے حضرت ابو حنیفہ ساعدی سے ایک حوالہ حدیث نقل کی جس میں رفع یدین کے متعلق عبارت یہ ہے۔

ثُمَّ يُكْبَرُ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُجَادِيَ بِهِمَا مَسْكِيهَ ثُمَّ يَرْكَعُ وَيَضَعُ رَأْسَهُ عَلَى رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ
فَيَقُولُ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ ثُمَّ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُجَادِيَ بِهِمَا مَسْكِيهَ ۚ
”پھر آپ تکبیر کہتے تھے اور اپنے ہاتھ اٹھاتے تھے کہ کندھوں کے مقابل ہو جاتے اور اپنی ہتھیلیاں اپنے گھٹنوں پر رکھتے پھر پائسر اٹھاتے پھر کہتے
سمع لله لمن حمده پھر اپنے ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ کندھوں کے مقابل ہو جاتے۔“

ابو حمید سہدی نے جماعت صحابہ میں یہ حدیث پیش کی جس میں بوقت رکوع رفع یدین کا ذکر ہے اور سب نے ان کی تصدیق کی معلوم ہو کر رفع یدین حصر کا فعل ہے اور صحابہ کی تصدیق و عمل لہذا اس پر عمل ہم کو بھی چاہیے۔
(ابو حاتم یہ حدیث دہلی میر مقلدان کی انتہائی دلیل ہے جس پر اسکی بہت تار ہے۔)
جواب اس کے چند جواب ہیں غور سے ملاحظہ کرو ایک یہ کہ یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے قابل عمل نہیں کیونکہ اس حدیث کی اسناد بوداد و غیرہ
میں یہ ہے۔

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى وَهْدٌ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ عَنْ حُذَلِّ بْنِ حَذَلٍّ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ يَعْنِي ابْنَ جَعْفَرٍ
أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَفْرٍ وَأَبْنُ عَطَاءٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا حَمِيدٍ السَّاعِدِيَّ فِي عَشْرَةِ رُجُلٍ
”ہم سے مسدد نے حدیث بیان کی وہ فرماتے ہیں ہمیں یحییٰ نے حدیث سنائی۔ احمد سے فرمایا کہ ہمیں عبد الحمید ابن جعفر نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ
میں نے ابو حمید سہدی سے اس صحابہ کی جماعت میں سنا۔“

ان میں سے عبد الحمید بن جعفر حرج مروج و صحیف ہیں۔ دیکھو طحاوی۔ دوسرے محمد بن عمر ابن عطاء نے ابو حمید سہدی سے مذاقات ہی نہیں کی۔ اور
کہہ دیا میں نے ان سے سنا ہے لہذا یہ غلط ہے۔ درمیان میں کوئی راوی چھوٹ گیا۔ جو مجھوں ہے (طحاوی) ان دو قطعوں کی وجہ سے یہ حدیث ہی
نا قابل عمل ہے مگر چونکہ آپ کے موافق ہے۔ اس لیے آپ کو مقبول ہے کچھ تو شرم کر دو۔
دوسرے یہ کہ یہ حدیث تہذیب کے مخالف ہے کیونکہ حدیث میں یہ بھی ہے۔

ثُمَّ إِذَا قَامَ مِنَ الْمَوَاطِنِ كَثُرَ وَرَفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُجَادِيَ بِهِمَا مَسْكِيهَ كَمَا كَثُرَ عِدْفُ الْفَسَاحِ الضُّوَّةِ
”پھر جب دو رکعتیں پڑھ کر اٹھتے تو تکبیر لڑتے اور اپنے ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ کندھوں کے مقابل ہو جاتے جیسے کہ نماز کے شروع پر کیا تھا۔“
فرمادہ آپ دو رکعتوں سے اٹھتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔
تیسرے یہ کہ جب ابو حمید سہدی نے یہ حدیث صحابہ کے مجمع میں پیش کی تو ان بزرگوں نے فرمایا جو بوداد میں ہے۔

قَالُوا فَلَمَّا قَامَ اللَّهُ مَا كُنْتَ بَكَثْرٍ مَالَهُ يَبْعُوهُ أَفَدَ مَالَهُ صَحْبَهُ وَنَبِيَّهُ
”انہوں نے فرمایا کہ قرآن سے زیادہ حضور ﷺ کی نذر کے کیسے وقف ہو گئے تو قرآن ہم سے زیادہ حضور کیساتھ ہے نہ ہم سے پہلے تم صحابی بنے تو
ابو حمید بولے بیشک ایسا ہی ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ ابو حمید نہ تو صحابہ میں فقیہ و عالم ہیں نہ انہیں حضور کی زیادہ محبت متبر ہوئی اور سیدنا عبد اللہ ابن مسعود عالم فقیہ صحابی ہیں جو
حضور کے ساتھ ساری کی طرح رہے۔ اور رفع یدین کے خلاف روايت کرتے ہیں تو یقیناً ابو حمید کی روایت کے مقابل میں حضرت ابن مسعود کی روایت
معتبر ہے جیسا کہ تعارض احادیث کا حکم ہے لہذا تمہاری یہ حدیث بالکل ناقابل عمل ہے۔

چوتھے یہ کہ ابو حمید سہدی نے یہ نہ فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر حیات شریف تک رفع یدین کیا صرف یہ فرمایا کہ حضور ایسا کرتے تھے مگر
کب تک اس سے خاموشی ہے ہم پہلی فصل میں حدیث پیش کر چکے ہیں کہ رفع یدین کی حدیثیں منسوخ ہیں۔ لہذا یہ اس منسوخ حدیث کا بیان ہے
کہ ایک زمانہ میں حضور ایسا کرتے تھے اب لائق عمل نہیں۔

پانچویں یہ کہ یہ حدیث قیاس شرعی کے خلاف ہے اور سیدنا ابن مسعود کی روایت قیاس کے مطابق ہوا وہ حدیث واجب العمل ہے درجہ داری یہ
روایت واجب الزکر کیونکہ جب احادیث میں تعارض ہو تو قیاس شرعی سے ایک کو ترجیح ہوتی ہے اس کی بہت مثالیں موجود ہیں۔ دیکھو ایک حدیث
میں ہے۔

الْوُضُوءُ مِمَّا مَسَّنَهُ النَّارُ ”گ کی پکڑ چیز کے استعمال سے وغیرہ واجب ہے۔“

دوسری حدیث شریف میں وارد ہوا کہ حضور انور ﷺ نے کھانا نہ کھنڈا کھنڈا کر بغیر وضو کے نہ پڑھی۔ یہاں حدیثوں میں تعارض ہوا تو پہلی حدیث

چھوڑ دی گئی کہ قیاس کے خلاف ہے وہ رات گرم پانی سے وضو کیا جاتا ہے۔ دوسری حدیث واجب العمل ہوئی کہ قیاس کے مطابق ہے ایسے ہی یہاں ہے۔

چھٹے یہ کہ عام صحابہ کرام کا عمل تہناری پیش کردہ حدیث کے خلاف رہا جیسا کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے معلوم ہوا کہ صحابی کی نظر میں رفع یدین کی حدیث منسوخ ہے۔

ساتویں یہ کہ ابو حمید ساعدی کی اس روایت میں عبد الحمید بن جعفر اور محمد ابن عمرو بن عطاء ایسے غیر معتبر راوی ہیں کہ حد کی پناہ۔ چنانچہ امام ہاروی نے جو ہر نقل میں فرمایا کہ عبد الحمید منکر حدیث ہے۔ یہ امام ہاروی وہ ہیں۔ جنہیں حجے بن سعید فرماتے ہیں۔ **ہو اعمام الناس فی ہذا الباب** حدیث کے فن میں وہ امام ہیں۔ محمد بن عمرو یہ چھوٹا راوی ہے۔ کہ اس کی حدیثات ابو حمید ساعدی سے ہرگز نہ ہوئی۔ مگر کہتا ہے سمعت میں نے اس سے سنا۔ ایسے چھوٹے راوی کی روایت موضوع یا کم سے کم اذول درجہ کی حدیث ہے۔ نیز اس حدیث کی سند میں سخت اضطراب ہے، اساد بھی مضطرب ہے اور متن بھی۔ نیز اس حدیث کی سند میں سخت اضطراب ہے، اساد بھی مضطرب ہے اور متن بھی۔ چنانچہ عطاء بن خازم نے جب یہ روایت کی تو محمد ابن عمرو اور ابو حمید ساعدی کے درمیان ایک مجہول خالی راوی بیان کیا لہذا یہ حدیث مجہول بھی وغیرہ اس حدیث میں ایک نہیں بہت فرمایاں ہیں یہ منکر بھی ہے مضطرب بھی حدیث یا موضوع بھی ہے۔ مجہول بھی ہے۔ دیکھو حاشیہ ابوداؤد یہی مقام اسکی روایت تو امام لینے کے قابل بھی نہیں۔ بجائے کہ اس سے دلیل پکڑی جاوے۔

”فہوین یہ کہ بخاری نے بھی ابو حمید ساعدی کی یہ روایت لی ہے مگر نہ اس میں ایسے راوی ہیں نہ وہاں رفع یدین کا ذکر ہے۔ دیکھو مقلدہ شریف باب صلۃ الصلوۃ کرب کی روایت میں رفع یدین کا ذکر درست ہوتا تو امام بخاری ہرگز نہ چھوڑتے۔ بہرحال تہناری یہ حدیث کسی لحاظ سے توجہ کے قابل نہیں۔

حکم بن عمار رفع یدین غیر مقلدہ ہیں کا چوٹی کا مسئلہ ہے اور یہ حدیث ابو حمید ساعدی یا یہ تازہ دلیل ہے جو وہابیوں کے بچہ بچہ کو حفظ ہوتی ہے عام حنفی لوگ انکی بن ترانیاں دیکھ کر کہتے ہیں کہ اس سے دلائل بڑے خوب قوی ہیں۔ الحمد للہ کہ اس دلیل کے پرچھے ٹھٹھے بڑے وہابی یہ حدیث پیش کرنے کی جنت نہیں کر سکتے۔

حیال دہ کہ وہابیوں کی کسی اسناد کا مجروح ہو جاو وہابیوں کے لئے قیامت ہے کیوں کہ ان کے مذہب کی جڑا صرف انہیں اسنادوں پر ہی ہے اگر ایک اسناد غلط ہوگئی تو سمجھو کہ نئے مذہب کی کچھ پھوٹ گئی کیونکہ ان چاروں کا سوا اسنادوں کے کوئی سہارا نہیں یہ سب پیرے، سبے مرشد بے نور سے اس آیت کے مصداق ہیں۔

رب فرماتا ہے۔ **وَمَنْ يُضِلْ فَلْسٌ يَحْدِلْهُ وَلَبَّيْ مُرْشِدًا** نیز رب فرماتا ہے **وَمَنْ يُلْهِمْ فَلْسٌ يَحْدِلْهُ نَصِيرًا** ”جیسے اللہ گمراہ کرے۔ کوئی ولی ملے۔ پیر مرشد۔ جس پر خدا اعانت کرتا ہے اس کا کالی مددگار نہیں۔“

لیکن احناف کی حدیث کی کسی اسناد کے مجروح ہونے سے حنواف پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہمارے مسائل فقہ کا دارومدار اسنادوں پر نہیں۔ بلکہ حضرت امام ائمہ کاشف الغمہ سراج المدام عظیم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے فرماں پاک پر ہے۔ وہ امام اعظم جو مت کا چرخ ہے امام بخاری و امام محدثین کے اسنادوں کا استاد ہے جس کے روبرو اس ہر رہا دوسرا اور علماء ہیں جس کا مذہب ہر اس جگہ موجود ہے جہاں دین رسول اللہ ﷺ موجود ہے ان کے قول ہمارے مسائل کی دلیل ہیں امام اعظم کی دینی آیات قرآنیہ اور صحیح احادیث ہیں۔

جن پر نہ کوئی حدیث ہے۔ ظہار کیونکہ امام اعظم حضور علیہ السلام سے بہت قریب زمانہ میں ہیں۔

مسائل دیکھو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی میراث تقسیم نہ فرمائی حالانکہ قرآن کریم میں میراث کا حکم ہے۔ جب ان کی خدمت میں یہ سوال ہوا تو فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ انبیاء کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ چونکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے خود براہ راست یہ حدیث سنی تھی بے دھڑک اس پر عمل کیا اگر اس حدیث سے ہم استدلال کرتے تو ہم کو ہزار ہا مصیبتیں پیش آجائیں۔ سنا پر ہر رہا قسم کی جرح ہو جاتی مگر صدیق اکبر کی آنکھوں سے خاموش قرآن میں تقسیم میراث کا حکم دیکھا تھا لیکن ان کے کانوں نے بولتے ہوئے صاحب قرآن ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اس علم سے انبیاء کرام مستثنیٰ ہیں۔ جیسے صدیق اکبر کی حدیث جرح و قدح سے پاک ہے ایسے ہی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی روایات جرح و قدح سے پاک کہ ان کا زمانہ حضور علیہ السلام سے متصل ہے لہذا وہابیوں کے لئے یہ اسنادیں آیت میں ہم مقلدوں پر ان جوہوں کا کوئی اثر نہیں۔ دیکھو ہم نے پہلی فصل میں جو امام اعظم رضی اللہ عنہ کی اسناد پیش کی سبحان اللہ عروج جل کیسی پاکیزہ اسناد ہے کیونکہ وہابی میں جنت ہے کہ اسناد پر جرح کر سکے۔

اعتوا ص ۶ بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنْ رُسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کَانَ یَرْفَعُ بِدَیْنِہِ حَسْبَ وَمُسْکِنِہِ اِذَا افْتُحَ الصَّلٰوۃُ وَاکْبَرُ لِلرُّکُوعِ اِذَا رَفَعَ رَاسَہٗ مِنَ الرُّکُوعِ رَفَعَهُمَا کَذٰلِکَ وَقَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمَدَ رَبَّ لَکَ الْحَمْدُ وَکَانَ لَا یَفْعَلُ ذٰلِکَ فِی السُّجُوْدِ

"وَبَیِّنَہٗ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ہاتھ شریف کا دھوس تک اٹھاتے تھے۔ جب نماز شروع فرماتے اور جب رکوع کے لئے تکبیر فرماتے۔ اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے اور فرماتے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمَدَ رَبَّہٗ لَکَ الْحَمْدُ اور بعد میں رفع یدین نہ کرتے تھے۔"

یہ حدیث مسلم و بخاری کی ہے۔ نہایت صحیح الاسناد ہے۔ جس سے رفع یدین رکوع کے وقت بھی ثابت ہے اور بعد رکوع بھی۔

جواب اس کے چند جواب ہیں۔ ایک ہی کہ اس حدیث میں یہ تو ذکر ہے کہ حضور ﷺ رکوع میں رفع یدین کرتے تھے یہ ذکر نہیں کہ آخر وقت تک حضور ﷺ کا یہ فعل شریف رہا۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ واقعی رفع یدین اسلام میں پہلے تھا بعد کو منسوخ ہو گیا۔ اس حدیث میں اس منسوخ فعل شریف کا ذکر ہے۔ اس کا منسوخ ہونا ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے۔

دوسرے یہ کہ صحابہ کرم نے رفع یدین کرنا چھوڑ دیا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کی نظر میں رفع یدین منسوخ ہے۔ چنانچہ قطعی میں صفحہ نمبر ۱۱۱ پر سیدنا عبداللہ ابن مسعود سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّیْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مَعَ مَنِ مَنَّکَ وَمَعَ عُمَرَ فَلَمْ یَرْفَعُوْا اَیْدِیْہِمُۃَ اِلَّا عِنْدَ التَّکْبِیْرِۃِ الْاُولٰی فِی الْفَسَاحِ الصَّلٰوۃِ

"فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام اور حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ساتھ نمازیں پڑھی ہیں ان حضرات نے شروع نماز تکبیر اولیٰ کے سوا اور کسی وقت ہاتھ نہ اٹھائے۔"

فرماؤ جناب اگر رفع یدین سنت ہوتی ہے تو اس پر رکوع سے اس پر عمل کیوں چھوڑ دیا۔ تیسرے یہ کہ اس حدیث کے راوی سیدنا عبداللہ ابن عمر ہیں اور ان کا خود اپنا عمل اس کے خلاف کہ آپ رفع یدین نہ کرتے تھے جیسا کہ ہم پہلی فصل میں نقل کر چکے اور جب راوی کا پتہ اصل اپنی روایت کے خلاف ہو تو معلوم ہوگا کہ یہ حدیث خود راوی کے نزدیک منسوخ ہے ہم پہلی فصل میں یہ بھی دیکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی رفع یدین نہ کرتے تھے۔ ان صحابہ کے عمل نے اس حدیث کا ختم ثابت کیا۔ چوتھے یہ کہ رسالہ "قیام محمدی" یہ ہے کہ یہ حدیث ابی عمر سے چند اسنادوں سے مروی ہے اور تحت ضعیف ہیں کیونکہ ایک روایت میں یونس ہے جو تحت ضعیف ہے جیسا کہ تہذیب میں ہے۔ اس کی دوسری سند میں یونس ہے جو قاضی تہذیب تھا یعنی یاحییٰ دیکھو تہذیب تیسری اسناد میں عبداللہ ہے یہ پکار افضی تھا۔ چوتھی سند میں شعیب بن اسحاق ہے یہ بھی مرجع مذہب کا تھا۔ غرض کہ رفع یدین کی حدیثوں کے راوی روافض بھی ہیں کیونکہ یہ روافض کا عمل ہے وہ رفع یدین کرتے ہیں۔

اعتوا ص ۷ بخاری شریف نے حضرت تابع سے روایت کی۔

اَنْ اَبِیْ عَمْرٍ کَانَ اِذَا دَخَلَ فِی الصَّلٰوۃِ کَثَرُ رَفْعِ بِدَیْنِہِ وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمَدَہٗ رَفَعَ بِدَیْنِہِ وَاِذَا قَامَ مِنَ الرُّکُوعَیْنِ رَفَعَ بِدَیْنِہِ وَرَفَعَ ذِکْرَ اَبْنِ عُمَرَ لَیْسَ

"حضرت عبداللہ ابن عمر جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب سمع اللہ لیس حمد کہتے جب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے تب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے اور اس فعل کو آپ نبی ﷺ کی طرف مرفوع کرتے تھے۔"

دیکھو سیدنا عبداللہ ابن عمر بوقت رکوع رفع یدین کرتے تھے۔ رفع یدین سنت صحابہ کی ہے۔

جواب اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تہذیب کے بھی خلاف ہے کہ اس میں دو رکعتوں سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین ثابت ہے۔ تم لوگ صرف رکوع پر کرتے ہو دو رکعتوں سے اٹھتے وقت نہیں کرتے۔ دوسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں حدیث بیان کر چکے ہیں کہ حضرت مجاہد فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن عمر کے پیچھے نماز پڑھی وہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اب حضرت ابن عمر کے دو فعل نقل ہوئے بوقت رکوع ہاتھ اٹھانا۔ اور ہاتھ اٹھانا ان دونوں حدیثوں کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ شیخ کی جہر ہے پہلے آپ ہاتھ اٹھاتے تھے۔ در شیخ کی جہر کے بعد نہ اٹھاتے تھے کیونکہ اس حدیث میں وقت کا ذکر نہیں کہ کب در کس زمانہ میں اٹھاتے تھے لہذا دونوں حدیثیں جمع ہو گئیں۔ چنانچہ طحاوی شریف میں ہے۔

فقد يجوز ان يكون ابن عمر فعل ماراء طامس قبل ان يشوه الخنجره عنده بسنحه ثم قامت الخنجره عنده بسنحه وتركه وفعل ماراكره عنده فصح

"جائز ہے کہ سیدنا بن عمر نے رفع یدین جو طامس نے دیکھا ثبوت فتح سے پہلے کیا۔ مگر جب سیدنا عبداللہ ابن عمر کو رفع یدین کے فتح کی حقیقی ہوئی تو چھوڑ دیا اور وہ کیا۔ جو مجاہد نے دیکھا۔ (رفع یدین نہ کرتا)"

بہرحال ہمارے نزدیک دونوں حدیثیں درست ہیں مختلف وقتوں میں مختلف عمل ہیں۔ مگر وہابیوں کو ایک حدیث چھوڑنا پڑی ہے کسی حدیث کو چھوڑنے سے دونوں کو جمع کرنا بہتر ہے۔

اعتواض منصوصہ مسلم شریف نے حضرت وائل بن حجر سے روایت کی۔ جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

فلما قال سمع الله لمن حمده رفع يديه فلما سجد سجد بين كفيه

"جب حضور ﷺ نے سمع اللہ من حمد فرمایا تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور جب سجد کیا تو دونوں ہاتھوں کے بیچ میں کیا۔"

اس سے بھی رفع یدین ثابت ہے۔

جواب حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت سیدنا عبداللہ ابن مسعود کی روایت کے مقابلہ میں مستحکم نہیں حضرت وائل بن حجر صرف ایک بار ہاتھ اٹھانے کی روایت کرتے ہیں۔ کیونکہ ابن حجر دیہات کے رہنے والے تھے۔ جنہوں نے ایک آدھ ہاتھوں کے بیچے نہ پڑھی انہیں فتح احکام کی خبر بشکل ہوتی تھی۔ مگر حضرت بن مسعود ہمیشہ حضور ﷺ کے ساتھ رہتے تھے بڑے عالم و فقیہ صحابی تھے۔ یہ حضرت وائل ابن حجر حضور ﷺ کے بیچے آخری صف میں کھڑے ہوئے ہوں گے۔ حضرت ابن مسعود صف اول میں خاص حضور ﷺ کے بیچے کھڑے ہونے والے صحابی ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیچے مواقیف بھی بہ کھڑے ہوتے تھے خود سرکار نے حکم دیا تھا کہ۔

ليدبى منكم اولو الاخلام والنهى "تم میں سے مجھ سے قریب وہ ہے جو علم و عقل والا ہو۔"

چنانچہ مسند امام اعظم ہیں ہے کہ کسی نے سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ سے حضرت وائل بن حجر کی اس روایت کے متعلق دریافت کیا جس میں انہوں نے رفع یدین کا ذکر کیا ہے تو حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ نے انہیں جواب دیا۔

قَالَ غُرَابِي لَا يَعْرِفُ شَرَايعَ الْإِسْلَامِ وَهُوَ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلَوةَ وَحَدَّةَ وَقَدْ حَدَّثَنِي مَنْ لَا يُخَصِّصُ عَنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ مَسْفُودَ نَهْ كَانِ يَرْفَعُ يَدَيْهِ لِنِ بَدْءِ الصَّلَاةِ، لَفَطٌ وَحِكْمَةٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ شَرَايعِ الْإِسْلَامِ وَحُدُودِهِ مُنْعَقِدٌ أَحْوَالِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا رَمَ لَهُ فِي أَمْتِهِ وَاسْفَرِهِ وَقَدْ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَا يُخَصِّصُ

"آپ نے فرمایا کہ وائل ابن حجر دیہات کے رہنے والے تھے اسلام کے احکام سے پورے واقف نہ تھے حضور ﷺ کے ساتھ ایک آدھ ہی نماز پڑھ سکے اور مجھ سے بے شمار شخصوں نے حضرت بن مسعود سے روایت کی کہ آپ صرف ابتداء میں ہاتھ اٹھاتے تھے اور یہ صورت سے نقل فرماتے تھے۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ احکام اسلام سے جبرور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی حقیقی خبر رکھنے والے۔ حضرت کے سفر حضر کے ساتھی تھے۔ انہوں نے حضرت علیہ السلام کے ساتھ بے شمار نمازیں پڑھیں۔"

خلاصہ یہ کہ عام و فقیہ اور حضور ﷺ کے ساتھ ہمیشہ رہنے والے صحابی کی روایت کو ترجیح ہوتی ہے لہذا حضرت عبداللہ ابن مسعود کی روایت قابل عمل ہے۔ اور اس روایت کے مقابل سیدنا وائل ابن حجر کی روایت قابل عمل انہوں نے رفع یدین کے فتح سے پہلے کا فعل مدحہ کیا درود ہی نقل فرمایا۔

اعتواض منصوصہ اگر تکبیر تحریر کے ساتھ رفع یدین نہ کرنا چاہے تو آپ کو نماز عید اور نماز وقت وتر میں رکوع کے وقت رفع یدین کیوں کرتے ہو کیا وہ دونوں نمازیں نماز نہیں۔ (بعض ذمہ غاری خالی دہلی)

جواب اس سوال سے آپ کی بے کسی ظاہر ہو رہی ہے۔ احادیث میں تو آپ رہ گئے اب لگے۔ نکل چکے بہانہ دہانے۔ جناب یہاں گفتگو اس رفع یدین میں ہے۔ جسے آپ صفت نماز یا صفت رکوع کہتے بیٹھے ہیں۔ عیدین اور وتر کے رفع یدین صفت رکوع نہیں بلکہ نماز عید اور دعا قنوت کی منتقلی ہیں۔ اسی ہی عید میں ایک رکعت میں تمس بار رفع یدین ہوتا ہے اور وتر میں رکوع سے پہلے نہیں بلکہ دعا قنوت سے پہلے ہوتا ہے جیسے نماز

ساتواں باب

وتر واجب ہیں اور تین رکعت ہیں

وتر کے لغوی معنی ہیں طاق عدد یعنی جس کے برابر دو حصے نہ ہو سکیں۔ جیسے تین پانچ سات دس وغیرہ اس کا مقابل ہے۔ شفعہ یعنی جفت عدد جو دو پر بر حصوں پر تقسیم ہو جاوے اصطلاح شریعت میں وتر اس طاق نما رکوع کا نام ہے جو بعد نماز عشاء و تہجد میں یا عشاء کے بعد پڑھی جاتی ہے۔
 ہمارے مذہب یہ ہے کہ وتر واجب ہے کہ اس کا چھوڑنے والا سخت گنہگار ہے اس کی قضا لازم اور وتر کی تین رکعتیں ہیں۔ لیکن غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ وتر جب نہیں سنت غیر موکدہ یعنی نفل ہے اور وتر ایک رکعت ہے نہ سب خفی حق ہے اور وہابیوں کا قول باطل محض ہم کو یہاں اصل بحث تو وتر کی تین رکعتوں پر کرنا ہے اس سے پہلے مخفی طور پر وتر کے جواب پر چند حدیثیں پیش کرتے ہیں۔

وتر واجب ہیں

حدیث نمبر ۳۵۱ ابو داؤد نسائی۔ بن ماجہ نے حضرت ابویوب سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوُتْرُ حَقٌّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ
 "حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر وتر لازم ہیں۔"

حدیث نمبر ۴ برار نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوُتْرُ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ
 "حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر وتر واجب ہیں۔"

حدیث نمبر ۶۵ ابو داؤد حاکم نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا۔

قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْوُتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مَأْمُورًا
 "میں نے حضور علیہ السلام کو کہتے ہوئے سنا کہ وتر لازم ضروری ہیں جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔"

حدیث نمبر ۷ عبد اللہ بن احمد نے عبد الرحمن ابن رافع نخعی سے روایت کی کہ حضرت معاویہ بن جبل جب شام میں تشریف لائے تو ملا حظہ فرمایا کہ شام کے لوگ وتر میں تسبیح کرے ہیں تو آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس کی شکایت کی کہ شامی لوگ وتر کیوں نہیں پڑھتے۔

فَقَالَ مُعَاوِيَةُ وَاجِبٌ ذَلِكَ عَلَيْهِمْ فَإِنْ نَفَعَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ
 رَادِي رُبِّي عَزَّوَجَلَّ صَلَوةً هِيَ الْوُتْرُ فَيُحِبُّ بَيْنَ الْعُتَمَاءِ إِلَى ظُلُوعِ الْفَجْرِ

"تو میرا معاویہ نے پوچھا کہ کیا مسلمانوں پر وتر واجب ہیں معاویہ ابن جبل نے فرمایا ہاں میں نے حضور علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے رب نے ایک نماز اور دی ہے جو وتر ہے عشاء اور فجر کے ظلوغ کے درمیان۔"

حدیث نمبر ۸ ترمذی نے حضرت زید ابن اسلم سے مسند روایت کی۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنْ وَتْرِهِ فَلْيُصَلِّ إِذَا أَصْبَحَ
 "جو وتر چھوڑ کر چ جائے صبح کے وقت اس کی قضا پڑھ لے۔"

حدیث نمبر ۹ ابو داؤد نسائی۔ بن ماجہ۔ احمد۔ ابن حبان۔ حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت ابویوب انصاری سے روایت کی اور حاکم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ شرطہ شخیص پر ہے۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوُتْرُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ
 "حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ وتر لازم ہے۔ واجب ہے ہر مسلمان پر۔"

ان احادیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ ایک یہ کہ وتر نفل نہیں۔ بلکہ واجب ہے دوسرے یہ کہ وتر کی قضا واجب ہے اور ظاہر ہے کہ قضا صرف فرض و واجب کی ہوتی ہے نفل کی قضا نہیں وجوب وتر کی بہت احادیث ہیں ہم نے صرف ۴ روایتیں پیش کیں۔

وتر تین رکعت ہیں

حدیث نمبر ۱۵۵۱ نسائی شریف۔ طحاوی۔ طبرانی نے منقول ہیں۔ حاکم نے مستدرک میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی حاکم نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے مسلم و بخاری کی۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتِرُ ثَلَاثَ لَا يُسَمُّهُ إِلَّا فِي آخِرِ هُنَّ
"فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے نہ سلام پھیرتے تھے مگر آخر میں۔"

حدیث نمبر ۱۵۵۵ دارقطنی اور بیہقی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتِرُ ثَلَاثَ كَوْتِرُ لُحَارِ صَوَاةِ الْمَغْرِبِ
"فرمایا نبی کریم علیہ السلام نے کہ رات کے وتر تین رکعت ہیں جیسے دن کے وتر نماز مغرب۔"

حدیث نمبر ۱۵۷۰ طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُؤْتِرُ بِثَلَاثَ رُكْعَاتٍ "بِثَلَاثَ نَبِيٍّ ﷺ وتر پڑھتے تھے تین رکعتیں۔"

حدیث نمبر ۱۵۸۰ نسائی شریف نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک شب میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ رات کو بیدار ہوئے اور وضو فرمایا۔ مسواک کی۔ اور یہ آیت کریمہ تلاوت فرماتے تھے۔

أَنَّ فِي حَقِّ السَّمَوَاتِ بِحِمْزٍ مَعْدُودٍ رُكْعَاتٍ ثَلَاثَ رُكْعَاتٍ۔

ثُمَّ عَدَدُهَا حَتَّى سَمِعْتُ نَفْعَهُ ثُمَّ قَامَ فَتَوَضَّأَ اسْتَاكَ ثُمَّ صَلَّى رُكْعَتَيْنِ ثُمَّ قَامَ فَتَوَضَّأَ اسْتَاكَ
وَصَلَّى رُكْعَتَيْنِ وَتَوَضَّأَ اسْتَاكَ ثُمَّ قَامَ فَتَوَضَّأَ اسْتَاكَ ثُمَّ صَلَّى رُكْعَتَيْنِ ثُمَّ قَامَ فَتَوَضَّأَ اسْتَاكَ
رُكْعَتَيْنِ پڑھیں پھر اٹھے اور وضو مع مسواک کیا اور دو رکعتیں پڑھیں اور تین رکعت وتر پڑھے۔"

حدیث نمبر ۱۵۸۹ ترمذی۔ نسائی۔ دارقطنی۔ ابن ماجہ۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْوُتْرِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
بِهَا الْكَافِرُونَ وَقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ فِي رُكْعَةٍ رُكْعَةٍ

"فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ وتر میں بسم اللہ لا اِلهَ اِلاَ اللہ اور قل ہوا اللہ احد پڑھا کرتے تھے۔
ایک ایک رکعت میں ایک ایک سورت۔"

حدیث نمبر ۱۵۹۱ ترمذی شریف۔ یرواد۔ ابن ماجہ۔ نسائی۔ امام احمد بن حنبل نے حضرت عبدالعزیز بن جریج۔ عبدالرحمن بن ابی ہریرہ سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ عَائِشَةَ بِنْتُ أَبِي بَكْرٍ تَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْوُتْرِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
بِهَا الْكَافِرُونَ وَفِي الثَّلَاثَةِ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ وَالْمَعُودَتَيْنِ
"فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ وتر میں کیا پڑھا کرتے تھے۔ تو آپ نے فرمایا کہ پہلی
رکعت میں بسم اللہ لا اِلهَ اِلاَ اللہ اور دوسری میں قل یا ایہا الکافرون تمہاری میں قل ہوا اللہ احد اور قل۔"

حدیث نمبر ۱۵۹۹ نسائی شریف نے حضرت ابی ابن کعب سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْوُتْرِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
بِهَا الْكَافِرُونَ وَفِي الثَّلَاثَةِ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ وَلَا يُسَمُّهُ إِلَّا فِي آخِرِ هُنَّ
"بِثَلَاثَ نَبِيٍّ ﷺ وتر میں بسم اللہ لا اِلهَ اِلاَ اللہ اور دوسری رکعت میں قل یا ایہا الکافرون اور تیسری رکعت میں قل ہوا اللہ احد پڑھا کرتے تھے اور سلام نہ
پھیرتے تھے اور سلام نہ پھیرتے تھے مگر ان تینوں رکعتوں کے آخر میں۔"

حدیث نمبر ۱۶۰۰ ابن ابی شیبہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ أَجْمَعُ الْمُتَّصِمُونَ عَلَى الْوُتْرِ ثَلَاثَ لَا يُسَمُّهُ إِلَّا فِي آخِرِ هُنَّ

”اس پر سارے مسلمان متفق ہیں کہ وتر تین رکعتیں ہیں نہ سلام پھیرے۔ مگر ان کے خرمیں۔“

حدیث نمبر ۲۱ طحاوی شریف نے حضرت ابو خالد سے روایت کی۔

قَالَ سَأَلْتُ أَبَا الْوَثَرِ فَصَلَّ عَلَیْهَا أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ الْوُتْرَ مِثْلُ صَوْتِ الْمَغْرِبِ هَذَا وَتَرِ الثَّلَاثِ وَهَذَا وَتَرِ الشَّاهِدِ

”میں نے حضرت ابو الوثرہ سے وتر کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ہم سب صحابہ رسول ﷺ تو یہی جانتے ہیں کہ وتر نماز مغرب کی طرح ہیں۔ یہ ارات کے وتر ہیں اور مغرب کی طرح ہیں یہ ارات کے وتر ہیں اور مغرب دن کے وتر۔“

یہ ایکس حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں ورنہ وتر کی تین رکعتوں پر بہت زیادہ حدیثیں موجود ہیں۔ اگر تفصیل ملاحظہ کرنا ہو تو طحاوی شریف اور صحیح السنہ کی ملاحظہ فرمائیے۔ ان احادیث سے یہ پتہ لگا کہ حضور علیہ السلام کا عمل شریف تین رکعت وتر پر تھا۔ تمام صحابہ کا یہ یہ عمل رہا اور اس میں رکعت پر سارے مسلمان متفق رہے۔ حنفی کہتے ہیں کہ تین رکعتیں ایک سلام سے پڑھے۔ مگر نفس مارو پر چونکہ نادر گراں ہے اس لیے ہوئے نفس و لوں نے صرف ایک رکعت وتر پڑھ کر سورہ بنیٰ کی عادت ڈالی۔ ناظرین نے ان مذکورہ احادیث میں دیکھ لیا کہ حضور وتر کی پہلی رکعت میں فلاں سورت پڑھتے تھے۔ دوسری میں فلاں سورت تیسری میں فلاں پہلی حضرات بتائیں کہ اگر وتر ایک رکعت ہے تو یہ سورتیں کیسے پڑھی جاسکتی۔

حقل کا بھی تقاضا ہے کہ وتر ایک رکعت نہ ہو کیونکہ وتر نماز تو فرض ہے نہ نفل۔ بلکہ واجب ہے کہ اس کا پڑھنا ضروری ہے نہ پڑھے ورنہ فاسق ہے لیکن اس کے وجوب کا انکار کفر نہیں واجب کا یہی حکم ہے ورنہ غیر فرض عبادت کی مثال فرض عبادت میں ضرور ہونی چاہئے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی غیر فرض عبادت بالکل جد گاہ ہو کہ اس کی مثال فرض میں نہ ہو۔ یہ شریعت کا عام قاعدہ ہے جو کوئی کج و غیرہ میں جاری ہے اگر وتر ایک رکعت ہو تو پاپ ہے کہ کوئی فرض نماز بھی ایک رکعت ہوئی۔ حالانکہ کوئی فرض نماز ایک رکعت نہیں فرض تو کیا کوئی نفل و سبغ مؤکدہ و سبغ غیر مؤکدہ بھی ایک رکعت نہیں۔ نماز فرض یا تو دو رکعت ہے جیسے فجر یا چار رکعت جیسے عصر۔ مثلاً باتیں رکعت جیسے مغرب وتر۔ تو چار رکعت ہو سکتی ہیں نہ دو کہ یہ مرد طلع ہیں۔ وتر نہیں تو نماز میں ہی رکعت چار ہے۔ ایک رکعت نماز اسلامی قانون کے خلاف ہے جس کی مثال کسی نماز میں نہیں ملتی، ایک رکعت نامکمل ہے ناقص ہے ہر ہے۔ فرض ایک رکعت ورنہ حقل کے بھی خلاف ہے ورنہ قتل کے بھی امت کا جماع صحابہ کرام کا عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز سب ہی اس کے خلاف ہے۔

دوسری فصل

اس پر اعتراضات و جوابات

مسئلہ وتر پر اب تک جس قدر دلائل غیر مقدمہ دہیزوں کی طرف سے ہم کو ملے ہم سب نمبر وار مع جواب عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ تمہارا واسع۔

اعتراض نمبر ۱ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتِرُ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ يُرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ

”فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ ایک رکعت وتر پڑھتے تھے۔ پھر بعد وتر دو نفل پڑھتے تھے۔“

معلوم ہوا کہ وتر ایک رکعت چاہئے۔ حضور ﷺ نے یہی پڑھی ہے۔

جواب آپ نے حدیث کا ترجمہ غلط کیا۔ جس کی وجہ سے یہ حدیث تمام احادیث کے خلاف ہو گئی جن میں تین رکعتوں کا ذکر ہے اور احادیث آپس میں متعارض ہو گئیں۔ حدیث کا ترجمہ ایسا کرنا چاہئے جس سے احادیث متفق ہو جائیں۔ اس حدیث شریف میں اب استثناء کی ہے۔

جیسے **كُنْتُ بِالْقَلَمِ** میں قلم سے لکھا کیونکہ اتر باب احوال متعدي فسر ہے تو حدیث کے معنی یہ ہوئے کہ حضور ﷺ نے نماز تہجد کو وتر یعنی طاق بنایا ایک رکعت کے درجہ سے اس طرح کہ دو رکعتوں کے ساتھ ایک رکعت ملائی جس سے نماز تہجد کا عدد جفت سے طاق بنا گیا۔ مثلاً آخر

رکعت تہجد اور فرمائی یہ عدد جفت تھا پھر تین رکعت قمر پڑھی تو وتر کی یہ ایک رکعت ہے۔ جو دو سے مل کر دو ہوئی۔ اس صورت میں یہ حدیث گشتہ تمام احادیث کا کیا جواب دو گئے جن میں صراحت تین کا عدد مذکور ہے یا جن میں وارد ہوا کہ حضور پہلی رکعت میں فلاں سورت پڑھتے تھے دوسری رکعت

میں فلاں اور تیسری رکعت میں فلاں سورت جو پہلے فصل میں مذکور ہوئی۔

اعتراض نمبر ۲ مسلم شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَوِّفْ لِيْلَ مَشْيَ ۱۵ حَتَّىٰ اخُذَ كَبْمُ الصُّبْحِ صَلَٰةَ رَكْعَةٍ وَاحِدَةٍ تَوْتَرُ لَهُ مَا قَدْ صَلَّيْتُ "فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تہجد کی نماز دو رکعت ہیں جب تم میں سے کوئی صبح ہو جانے کا خوف کرے تو ایک رکعت پڑھ لے یہ رکعت گزشتہ نماز کو ترمیم دے گی۔"

اس سے چار مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ نماز تہجد میں دو رکعت افضل اور کرنی چاہئے دوسرے یہ کہ نماز تہجد رات میں ہو صبح سے پہلے۔ تیسرے یہ کہ ہر تہجد کی نماز کے بعد افضل ہے چوتھے یہ کہ ہر ایک رکعت ہے۔ خلیفہ نے پہلے تین مسئلے تو ماننے میں چوتھے کے انکاری ہیں مگر یہ حدیث صحیح ہے تو چاروں مسئلے، میں اگر صحیح نہیں تو چاروں نہ مانیں۔

جواب غیر مقلد وہابی تو اس حدیث کا ترجمہ کرتے ہیں کہ جب صبح کا خوف ہو تو پہلی ایک رکعت غنیمتہ طور پر پڑھ لے اس ترجمہ سے یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہوگئی جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں اور دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل ناممکن ہو گیا خلیفہ اس کے معنی یہ کرتے ہیں کہ جب صبح کا خوف ہو تو دو کے ساتھ ایک رکعت ملا کر پڑھ لے جس کا ذکر ہو رہا ہے یعنی رکعت واحدۃ کے بعد صبح اگر رکعتیں پڑھیں تو یہ کیونکہ پہلے خلیفہ کا ذکر ہو چکا ہے اس صورت میں حدیث میں کوئی تعارض نہ ہا اور دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل ہو گیا جیسے کہ رب فرماتا ہے۔

وَلْيَتَوَكَّلْ عَلَىٰ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْمَنَةِ سَبْعِينَ أَلْفًا وَارْبَعًا "اسحاب کہتے ہیں کہ ہم میں تین سو سال گزرے تو بڑھا دیئے۔" اس آیت میں یہ نو سال تین سو سال سے غنیمتہ نہیں ہیں۔ بلکہ اس کے ساتھ ہیں مطلب یہ ہے کہ تین سو سال قیام کیا۔ چونکہ تین سے ساں قسمی تھے اور تین سو سال قریب اس لئے رب تعالیٰ نے اس طرح ارشاد فرمایا۔ ایسے ہی وتر کی یہ رکعت غنیمتہ اور دو سے نہیں۔ بلکہ ان میں سے آخری تھی یعنی دو کے ساتھ ہے لیکن چونکہ دو دو رکعتیں۔ تہجد کی قسم اور نفل قسم یہ تین رکعتیں وتر کی ہیں اور واجب ہیں اسی لئے اس اہم ترین دلیل و دلیل خیریں فصیح اطلاق ﷺ نے اس طرح ارشاد فرمایا۔ کہ وہابی کی حدیثوں کو "اچھا۔ یا احادیث میں موافق پیدا کر کے سب پر عمل کرنا بہتر کاش کہ آپ نے کسی مقلد سے حدیث پڑھی ہوتی۔"

اعتراض نمبر ۳ مسلم شریف نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

الْوَتْرُ رَكْعَةٌ مِنْ آخِرِ النَّيِّبِ "وتر آخرات میں ایک رکعت ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ وتر صرف ایک رکعت ہے۔

جواب اس کا جواب بھی دوسرے اعتراض کے جواب سے معلوم ہو گیا کہ وہابی اس کے معنی کرتے ہیں کہ وتر ایک رکعت ہے کیلی سب رکعتوں سے غنیمتہ اس صورت میں یہ حدیث بہت احادیث کے خلاف ہوگی اور حدیث کا معنی ناممکن ہوگا خلیفہ اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ وتر ایک رکعت ہے دو کے ساتھ جس کی تفسیر دوسری وہ حدیثیں ہیں جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں یا اس حدیث میں وتر بھی اسم فاعل ہے۔ یعنی تہجد کی نماز کو طاق بنانے کی ایک رکعت ہے کہ یہ دو سے مل کر ساری نماز کو طاق بنادیتی ہے کہ نمازی نے آٹھ رکعت تہجد پڑھی، پھر جب وتر کی تکبیر پڑھی جب تک دو رکعتیں پڑھیں تو نماز بھٹک ہی رہی۔ جب ان دو رکعتوں سے ایک رکعت اور ملائی تو طاق یعنی گیا رہ رکعتیں بن گئیں اس صورت میں یہ حدیث تمام دوسری حدیثوں سے موافق ہوگئی۔ حدیث کا تعارض دور کرنا ضروری ہے۔

اعتراض نمبر ۴ ابو داؤد نسائی شریف نے حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتْرٌ "يُحِثُّ لَوْنٍ فَأَوْتَرُوا يَا أَهْلَ الْفُرَاتِ"

"فرماتے ہیں کہ فرما رسول اللہ ﷺ نے اللہ وتر (بے جواز) ہے وتر کو پسند فرماتا ہے پس وتر پڑھا کر اسے قرآن ماننے والو۔"

خلیفہ بتائیں کہ اللہ ایک ہے یا تین، جب وہ ایک ہے تو وتر بھی ایک ہی رکعت چاہئے نہ کہ تین حضور ﷺ نے نماز وتر کو رب تعالیٰ کے وتر ہونے سے مثاں دی ہے۔

جواب اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی، دوسرے تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر وہابیوں کو چاہئے کہ مغرب کے فرض بھی ایک رکعت پڑھا کریں۔ نہ تین کیونکہ مغرب کے فرض دن کے وتر ہیں اور یہ وتر رات کے وتر۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے اور ہم پہلی فصل میں حدیث پیش کر چکے ہیں اگر وہابی کہیں کہ دوسری روایتوں میں "تین" کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کے فرض تین پڑھتے تھے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی روایتوں میں آگیا کہ حضور ﷺ نماز وتر بھی تین رکعت پڑھتے تھے دیکھو پہلی فصل تحقیقی جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے رب تعالیٰ کی محض وتریت بھی طاق بے جواز ہونے میں مثاں دی ہے۔ کہ ایک ہونے میں تین بھی وتر ہے ایک بھی وتر تمثیل میں اس لئے مناسب کافی ہوتی ہے ہر طرح مثل ہونا

ضروری نہیں اس لیے حضور ﷺ نے وتر فرمایا۔ نہ فرمایا یعنی یہ نہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے ایک رکعت کو پند فرماتا ہے

دیکھو رب فرماتا ہے۔ **مَثَلُ نُورَةٍ كَمْشَكَوَةٍ فِيهَا مُصْبِحٌ** "اللہ کے نور کی مثال یہی ہے جیسے ایک حلقہ جس میں چار غلے ہیں۔"

یہاں رب تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال چار غلے سے دی مطلقاً اور انیت میں اب اگر کوئی کہے کہ چار غلے میں تین ہی ہوتی ہے تو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے نور میں بھی رومن ہی ہوں تو اس کی حماقت ہے ہم کہتے ہیں فلاں شخص شیر ہے مطلب ہوتا ہے کہ صرف حماقت میں شیر کی طرح ہے یہ نہیں کہ اس کے دم اور پنجہ بھی ہے۔

اعتراض مبرہ بخاری شریف میں حضرت ابن ابی ملیحہ سے روایت کی۔

أَوْتَرُ مَعَاوِيَةَ بَعْدَ الْغُثَاءِ بِرُكْعَةٍ وَعِنْدَهُ 'مَوْلَى لَابْنِ عَبَّاسٍ فَاتَنَى بِنِ عَتَّاسٍ فَخَبَرَهُ 'فَقَالَ دَعْنَهُ فَهُ' قَدْ صَحِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

"سیدنا میر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عشاء کے بعد ایک رکعت وتر پڑھی اس وقت اس کے پاس سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے خادم حاضر تھے انہوں نے حضرت ابن عباس سے اسکا ذکر فرمایا تو آپ سے فرمایا نہیں کچھ۔ کیوں صحابی رسول ہیں۔"

معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک رکعت وتر پڑھتے تھے یہ فعل صحابی ہے۔

جواب یہ حدیث تو حناہ کی قوی دلیل ہے کہ وتر تین رکعت ہیں کیونکہ جب امیر معاویہ نے ایک رکعت وتر پڑھی تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام کو حیرت ہوئی جس کی شکایت حضرت ابن عباس سے کی۔ حیرت و تعجب اس کام پر ہوتا ہے۔ جو زوال اور عجیب ہے اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ کوئی صحابی ایک رکعت وتر نہ پڑھتے تھے ورنہ نہ انہیں تعجب ہوتا نہ شکایت کرتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اعتراض کرنے سے منع فرمایا کیونکہ امیر معاویہ مجتہد فقیہ صحابی ہیں فقہیہ مجتہد کی غلطی و خطا پر اعتراض جائز نہیں اسکا ذکر اس بخاری کی دوسری روایت میں اس طرح ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قِيلَ لَهُ 'هَلْ لَكَ فِي 'مَسْرِ النُّومِ مَعَاوِيَةَ مَا 'وَمَرُ لَا بُو حُدَّهِ قَالَ 'أَصَابَ اللَّهُ فُتَيْهِ' "حضرت ابن عباس سے عرض کیا گیا کہ کیا آپ کو حضرت امیر المومنین معاویہ پر کوئی اعتراض ہے وہ تو در ایک ہی رکعت پڑھتے ہیں آپ نے فرمایا ٹھیک کرتے ہیں وہ مجتہد عالم فقہیہ ہیں۔"

صاف معلوم ہو کہ وتر تین رکعت صحابہ اور خود سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی تین رکعت پڑھا کرتے تھے اس سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک رکعت پڑھنے کی شکایت کی گئی مگر چونکہ سیدنا امیر معاویہ صحابی ہیں، عالم ہیں، مجتہد ہیں اور مجتہد فقہیہ کی خطا بھی درست ہوتی ہے۔ ہر اعتراضات نہ کرو۔ مہربان من یہ حدیث تو خفیوں کی دلیل ہے آپ دعوے سے اپنی دلیل کچھ پیسنے یہ تو آپ کے خلاف ہے۔

اعتراض مبرہ خفیوں کی عجیب حالت ہے ہم ایک رکعت وتر پڑھیں تو اعتراض کرتے امیر معاویہ ایک رکعت وتر پڑھیں تو ان پر کوئی اعتراض نہیں۔ ہم رفع یدیں یا اونچی آئیں کہیں تو ہم پر ملامت ہے۔ امام شافعی ہماری ہی نہ پڑھیں تو نہ انہیں واہابی کہہ جاوے نہ ان پر کوئی اعتراض ہو یہ دوڑی پالیسی کیسی اور یہ فرقی کیوں ہے۔ (حامد ہلالی)

جواب جی ہاں بالکل ٹھیک ہے۔ عالم فقہیہ مجھ کی خطا پر بھی جواب دیتے ہیں جب دیکھتے ہیں کہ وہ سب سے منہ موڑ کر غلطی کرے تو سزا کا مستحق ہے اگر رسول سر جس سدا یافتہ لازم سرکار کسی چار کو غلط دے دے تو اس پر کوئی عتاب نہیں لیکن جاہل آدمی یوں ہی انگلی بچھ کسی کو غلط دے کھلا دے تو شرعاً و قانوناً مجرم ہے۔ جج۔ حاکم کسی حرم کو سزا دے حق ہے اگرچہ غلطی کرے مگر جو ایسے غیر قانون ہاتھ میں لے کر خود ہی لوگوں کو سزا دینے لگے مجرم ہے جیل کا مستحق ہے۔

دیکھو حضرت علی و امیر معاویہ رضی اللہ عنہما میں خوریر جنگ ہوئی جس میں بقیہ علی مرتضیٰ بہ حق تھے اور امیر معاویہ جھڑپ لیکن ان میں سے مہربان کوئی نہیں جس کو بھی نہ کہا جاوے تو نہ کہنے والا یہ ایمان ہو جاوے گا۔ قرآن نے حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کے ایک مقدمے میں مختلف فیصلوں کا ذکر فرمایا۔

ذِي حُكْمٍ فِي الْحَرْثِ ذِي عِلْمٍ فِيهِ عَمُّهُ نَفَرٌ مِّنَّا لِحُكْمِهِمَا هَاهُنَا هَاهُنَا وَكُلًّا أَنْتَبَ حُكْمًا وَعِلْمًا "جب وہ دونوں حضرات ایک کھیت کے متعلق فیصلہ فرماتے تھے جب اس میں قول کی بکریاں پھیل گئیں۔ ہم انکا فیصلہ مشاہدہ فرما رہے تھے پس ہم نے حضرت سلیمان کو وہ سمجھا دیا اور ہم نے ان میں سے ہر ایک کو حکمت و علم بخشا۔"

دیکھو حکمت کے اس مقدمہ میں داؤد و سلیمان علیہما السلام دونوں بزرگوں نے عظیمہ و عظیمہ فیصلہ کیا حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ بہ حق تھا جس کی رب تعالیٰ نے تائید فرمائی حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ خطا و اجتہادی تھی۔ لیکن ان پر کسی قسم کا عتاب ہوا ہرگز نہیں کیوں اس لیے کہ آپ مجتہد مطلق

تھے اور مجتہد کی خط پر محتاب نہیں۔ وہاں اگر تم بھی رفع پرین یا اونچی آئین۔ شانی بن کر کرو تو تمہیں وہاں نہ کہا جاوے گا۔ نہ تم سے یہ شکایت ہو تو خود ہے مکمل ہوتے ہوئے قانون ہاتھ میں لیتے ہو اور اپنی دس داری پر یہ حرکتیں کر کے دین میں فتہ قح کرتے ہو اس پر تمہاری یہ درگت بنتی ہے۔

اعتراض نمبر ۷ لیکن رکعت وتر کی جتنی حد شیش ہیں وہ سب ضعیف ہیں اور ضعیف حدیث حجت نہیں۔

جواب مگر اس میں اس لیے ضعیف ہیں کہ آپ کے خلاف ہیں یا اس لیے کہ ساری حد شیش سارے تیرہ سو برس کی پرانی ہو چکی ہیں۔ اگر تو سارے برس میں پورے ضعیف ہو جاتا ہے تو قریباً پورے سو برس کی حد شیش ضعیف کیوں نہ ہوں۔ آپ کی اس ضعیف ضعیف کی رٹ لگانے والے لوگوں کو حدیث کا منکر کرو یا۔ آپ کے اس اعتراض کے جوابات ہم کتاب میں بار بار دے چکے ہیں۔

آٹھواں باب

قنوت نازلہ پر غنا منع ہے

نماز کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے دعا قنوت ہمیشہ پڑھنا سنت ہے اور فجر کے فرض کی دوسری رکعت میں بعد رکوع قنوت نازلہ پڑھنا سخت مکروہ و در حداف سنت ہے مگر غیر مقلد و تابعوں کا عمل اس کے برعکس ہے وہ وتر میں دعا قنوت ہمیشہ نہیں پڑھتے بلکہ مضافان کی بعض تاریخوں میں لیکن فجر میں ہمیشہ قنوت نازلہ پڑھتے ہیں۔ دوسری رکعت کے رکوع کے بعد بعض دین بدعتی و ہابی جو دراصل درود غیر مقلد ہیں یہاں تک کہ فجر میں قنوت نازلہ پڑھنے لگے ہیں اس لیے اس باب کی بھی دو فصلیں کی جاتی ہیں پہلی فصل میں اس مسئلہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر سوالات مع جوابات۔

پہلی فصل

قنوت نازلہ کے معنی ہیں آفت و مصیبت کے وقت کی دعا حضور سید عالم ﷺ نے ایک بار ایک خاص مصیبت پر چند روز یہ دعا قنوت فجر کی رکعت دوم میں بعد رکوع پڑھی پھر آیت قرآنی نے یہ دعا منسوخ فرمادی۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پھر کبھی نہ پڑھی و اہل حسب دلیل ہیں۔

حدیث نمبر ۹۱۶ بخاری و مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا۔

أَسْبَقْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا أَنَّهُ كَانَ يَبْعَثُ أَمْسًا يَقُولُ إِنَّهُمْ الْفُرَاءُ سَعُونَ وَخَلَا فَأَصْبَحُوا فَقَسَمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ لِرُكُوعِ شَهْرٍ يَدْعُو عَلَيْهِمْ

”حضور ﷺ نے قنوت نازلہ صرف ایک ماہ پڑھی آپ نے سزا دیا کہ جو قاری تجھے ایک چار تنگ کے بے بھکاؤ شہید کر دے گئے تو حضور صلیہ السلام نے ایک ماہ تک رکوع کے بعد ان کفار پر بدعا فرماتے ہوئے قنوت نازلہ پڑھی۔“

ایک ماہ کی قید سے معلوم ہوا کہ حضور کا یہ فعل شریف ہمیشہ نہ تھا۔ بخاری وجہ سے صرف ایک ماہ پھر منسوخ ہو گیا۔

حدیث نمبر ۳ صحابی شریف نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَسَمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَدْعُو عَلَى رُكُوعٍ فَمَا ظَهَرَ عَلَيْهِمْ تَرْكُ الْقُنُوتِ

”حضور انور ﷺ نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی قیامِ رمل و رکوع پر بدعا فرمائی جب حضور ﷺ اس پر غائب آگئے تو چھوڑ دی۔“

اس حدیث میں چھوڑ دینے کا صریح ذکر آیا۔

حدیث نمبر ۷۶۴ بخاری و مسلم نے بخاری نے کبیر میں بتائی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَسَمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَدْعُو عَلَيْهِمْ شَهْرًا يَدْعُو عَلَى غَصِيَّةٍ وَدُكْرَانٍ شَهْرًا فَلَمَّا ظَهَرَ عَلَيْهِمْ تَرْكُ الْقُنُوتِ وَانْزَا فِي رُكُوعِهِ لَمْ يَفْعَلْ النَّبِيُّ ﷺ يَدْعُو عَلَيْهِمْ وَلَا شَهْرًا وَاحِدًا لَمْ يَقُتْ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ

”حضور انور ﷺ نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی۔ جس میں قبیلہ حبشہ و رکوع پر بدعا فرمائی جب اس پر غلاب آگئے تو چھوڑ دی پڑھنے اپنی روایت میں فرمایا کہ حضور ﷺ نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی اس سے پہلے یا اس کے بعد کبھی نہ پڑھی۔“

حدیث نمبر ۸۸۹ ابوداؤد و ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ يَدْعُو عَلَيْهِمْ شَهْرًا ثُمَّ تَرَكَهُ

”نبی کریم ﷺ نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی پھر چھوڑ دی۔“

حدیث نمبر ۱۰۶۱ تا ۱۰۶۲ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت ابومک اشجعی سے روایت کی۔

قَالَ قُلْتُ لَأَبِي بَأْسَى يَا أَبَا تُكَيْ قَدْ صَبَّبَ حَلْفُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي تُكَيْ وَغُمَرُ وَغُثْمَانُ وَعَبِي هُنَا بَانُكُونَهُ دَحْوًا مِنْ خُمْسِ سَبْعِينَ كُنُوا يَقْسُونَ قَالَ يَا بَنِي مُنْجَدَثٍ

”فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ ابا جان آپ نے حضور ﷺ اور ابوبکر و عمر اور علی رضی اللہ عنہم کے پیچھے کوفہ میں تقریباً پانچ سو نماز پڑھی کیا یہ حضرت قنوت نازلہ پڑھتے تھے انہوں نے فرمایا اے بیٹے یہ بدعت ہے۔“

یعنی ہمیشہ قنوت نازل نہ پڑھنا بالکل سخت کے خلاف ہے اور بدعت سیئہ ہے۔

حدیث نمبر ۱۲، ۱۳ مسلم و بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک دراز حدیث نقل کی جس میں "خرقی الفاظ یہ ہیں۔

وَكُنْ يَقُولُ فِي بَعْضِ صُورِهِ الْمُهْمُ الْعَيْنُ فَلَا تَفْلَاثُ لَا حَيَاءُ مِنْ الْعَرَبِ حَتَّى تُتْرِكَ الْمَنَّةَ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْإِمْرِ شَيْئٌ

"حضور انور ﷺ اپنی بعض نمازوں میں فرمایا کرتے تھے کہ خدا یا فلاں فلاں (عرب کے بعض قبیلے) پرعت کر یہاں تک کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوگی "لیس لک ام"۔

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ دعا و قنوت نازلہ فجر کی نماز میں پڑھنا منسوخ ہے دوسرے یہ کہ حدیث شریف "یہ قرآنی سے منسوخ ہو سکتی ہے کہ قنوت نازلہ پڑھنا حدیث سے ثابت ہے اور اس کا صحیح قرآن کریم سے ثابت ہے تیسرے یہ کہ دین کے دشمنوں پر بددعا یا لعنت جائز ہے۔ جن لوگوں پر حضور ﷺ نے بددعا فرمائی وہ حضور ﷺ کی ذات شریف کے دشمن تھے۔ بلکہ دین اسلام کے دشمن تھے۔ جب ان پر جہاد کر سکتے ہیں۔ تو بددعا بھی کر سکتے ہیں ہاں حضور ﷺ نے اپنے ذاتی دشمنوں کو معافی دی ہیں لہذا اس حدیث میں تو اس میں نہیں۔"

حدیث نمبر ۱۵ حافظ ابن حجر محدث نے اپنی مسند میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی اسناد سے روایت کی ہے۔

عَنِ الْإِمَامِ الْأَعْظَمِ عَنْ بَنِي بَنِي عِيَّاشٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَمْ يَفْقُتْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَهْجِ الْأَشْهُرِ وَحَدِّ لَأَنَّهُ حَارِبُ الْمُشْرِكِينَ فَقَتَ يَذُوغُوا عَلَيْهِمْ

"امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس سے روایت فرماتے ہیں وہ ابراہیم نخعی سے وہ حضرت علقمہ سے وہ حضرت مہد بن مسعود سے انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے فجر میں قنوت نازلہ کی نہ پڑھی سوائے ایک مہینہ کے کیونکہ حضور نے مشرکوں سے جنگ کی تھی تب ان پر ایک ماہ بددعا فرمائی تھی۔"

حدیث نمبر ۱۶، ۱۷ حافظ ابن خرونی نے اپنی مسند میں اور حنفی محدثین میں اسناد سے حضرت امام ابو حنیفہ سے انہوں نے حداد سے انہوں نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی ہے۔

قَالَ مَا قَتَ بُو بَكْرٍ وَغَمَزُ وَلَا عُثْمَانُ وَلَا عَلِيُّ حَتَّى حَارِبَ أَهْلَ الْأَشْهُمِ فَكُنْ بَقِيَتْ

"نہ حضرت ابو بکر عمر نے نہ حضرت عثمان نے نہ علی رضی اللہ عنہ نے قنوت نازلہ پڑھی۔ یہاں تک کہ حضرت علیؑ۔ اہل شام سے جنگ کی تو قنوت نازلہ پڑھی۔"

حدیث نمبر ۱۸ بخاری نے امام ابو حنیفہ سے نبیوں نے مصیبت کوئی سے انہوں نے حضرت ابوسعد خدری صحابی سے روایت کی ہے۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ لَمْ يَفْقُتْ لَأَنَّ رَمَعِينَ يَوْمَ بَدْعُو عَلَى عَصِيهِ وَذَكَرُوا لَهْ لَمْ يَفْقُتْ أَمِي مَاتَ

"انہوں نے حضور ﷺ سے روایت کی کہ حضور نے چالیس دن کے سوا قنوت نازلہ پڑھی۔ ان چالیس دن میں آپ نے مصیبت ذکر کواں پڑھنا فرمائی پھر وفات تک بھی نہ پڑھی۔"

یہ افوارہ حدیث بطور تسویر پیش کی گئی۔ اور نہ قنوت نازلہ پڑھنے کے متعلق بہت زیادہ احادیث شریفہ موجود ہیں مگر شوق ہو تو مطالعہ فرمایا۔

عقل کا بھی تقاضہ یہ ہے کہ قنوت نازلہ نماز میں نہ پڑھی جاوے۔ چند وجوہ سے ایک یہ کہ جنگ کا زمانہ اس کی رکعتیں قنوت نہیں۔ سب کے ارکان و دعائیں وغیرہ یکساں ہیں تو جب چار نمازوں میں قنوت نازلہ نہیں چاہئے کہ فجر کے فرضوں میں بھی نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ جماعت فرائض میں دعائیں اور ذکر مختصر ہیں تو اہل میں اس کی آزادی ہے۔ دیکھو رکوع سے اٹھتے وقت اکیس نمازی سمع اللہ لم حمدہ بھی کہتا ہے اور

رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ بھی۔ مگر جب جماعت سے پڑھتا ہے تو اہم ربنا لک الحمد نہیں کہتا صرف سمع اللہ لم حمدہ کہتا ہے اور مقتدی اس کے برعکس کہ ربنا لک الحمد تو کہتا ہے مگر سمع اللہ لم حمدہ نہیں کہتا۔ جب ان نمازوں میں اس قدر اختصار مطلوب ہے تو فجر کے رکوع کے بعد اتنی دراز یعنی دعا و قنوت نازلہ پڑھنا مقصد شرح کے بالکل خلاف ہے تیسرے یہ کہ نماز خصوصاً فرائض جنگ کا نہ کے ارکان یک دوسرے سے بالکل ملے ہوئے چاہئیں۔ قیام کے بعد فوراً سجدہ اور سجدہ کے بعد فوراً قیام یا جہر ان میں فاصلہ کرنا مقصد شرح کے خلاف ہے۔ رکوع فجر کے بعد جو قنوت ہے۔ اس میں صرف سمع اللہ لم حمدہ کے بعد پڑھنا چاہئے۔ مگر اس میں قنوت نازلہ پڑھی گئی تو

مجیدہ جو نماز کا اعلیٰ رکن ہے۔ دیر گئے گی۔ یا خیر فرض، اگر بھول کر ہو تو مجیدہ سہو واجب کرتی ہے اور اگر عجز ہو تو نماز فاسد کر دیتی ہے لہذا ائمہ و روایہ نماز قنوت نازل نہ پڑھنا چاہئے تاکہ نماز کے ارکان میں اتصال رہے۔

مسئلہ فقہی مذہب حنفی یہ ہے کہ جنگ یا دوسری آفات عامہ کے موقع پر بہتر یہی ہے کہ قنوت نازل نہ پڑھے تاکہ صحابہ کرام کے اختلاف سے بچا رہے کیونکہ بعض صحابہ آفات و جنگوں کے موقع پر قنوت نازل پڑھتے تھے بعض اسے بالکل منسوخ مانتے تھے لیکن اگر فجر کے فرسوں کی دوسری رکعت میں رکوع کے قنوت نازل نہ پڑھے تو اگرچہ چھوڑ دیا۔ مگر جائز ہے۔ ضرورت سے ممنوعات مباح ہو جاتے ہیں۔ لیکن آہستہ پڑھے بلند آواز سے نہ پڑھے فجر کے سوا کسی در نماز میں پڑھے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ اس سے بلا وجہ عجز مجیدہ میں تاخیر کر دی تاخیر فرض منسوخ نماز ہے۔

ایک شبہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آفت عامہ یا جہاد کے موقع پر ہر جہری نماز یعنی فجر۔ مغرب۔ عشاء میں قنوت نازل نہ پڑھنا چاہئے کیونکہ شرح نقیہ اور علیہ الاوطار میں ہے۔

قلت لا امام فی صلوۃ الجہر وهو قول الثوری و حماد

”اس موقع پر امام جہری نماز میں قنوت نازل نہ پڑھے امام ثوری و احمد کا یہی قول ہے۔“

مذہب میں بہت روز تک بعض جاہل اماموں نے اسی دلیل سے مطرب و عشاء فجر کی بلکہ نماز قنوت نازل نہ پڑھ کر لوگوں کی گمراہی برپا کر دی۔

شبہ کا ازالہ شرح نقیہ و رعایت، مطر میں یہاں کا تب نے لفظی سے بجائے فجر کے جہر لکھ دیا ہے یعنی ق کو جہم بنا دیا۔ چنانچہ اشباہ و الٹاڑ میں اس جگہ بھی نے صلوٰۃ الجہر کے صلوٰۃ الجہر ہے اور مطاویٰ علی در مختار اور علامہ ابن عابدین شامی نے مکمل الخالق علی بحر الرقی میں فرمایا۔

ولعدہ فحرف عن الفخر ”شاید کہ لفظ جہر فجر سے بگڑ کر بن دیا ہے۔“

مطاویٰ کی عبارت یوں ہے۔ **والدی بطہر لی ان قولہ فی السجود ان یسئل مارلہ قلت الامام فی صلوۃ الجہر تحریف من المساج و صوابہ الفخر** عرق نے جو فرمایا کہ اگر مسلمانوں پر کوئی آفت پڑے تو امام جہر نماز میں قنوت نازل نہ پڑھے میرا خیال ہے کہ یہ کا حنفی لفظی ہے کجی یہ ہے کہ یہاں فجر ہے۔“

ہم نے بہت اختصار سے اس کے متعلق کچھ لکھ دیے اور قنوت نازل نہ کرنا جو حق کرنا ہوتا۔ ہمارا تادیبییہ خط فرمادیں۔ چونکہ سب دیوبندی بھی بعض جہد قنوت نازل نہ پڑھنے لگے ہیں اس لیے وہاں اس مسئلہ پر کچھ جم کر بحث کر دی گئی ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقدمہ و دہیوں کی طرف سے اب تک جس قدر اعتراضات ہم تک پہنچے ہیں وہ ہم نہایت دیانتداری سے مع جوابات پیش کرتے ہیں۔ اگر آئندہ کوئی نیا شبہ نظر سے گزارا تو ان شاء اللہ اس کا جواب بھی عرض کر دیا جائے گا۔

اعتراض صبرا تم نے قنوت نازل نہ پڑھنے کی جس قدر احادیث پیش کی ہیں وہ تمام کی تمام ضعیف ہیں اور ضعیف حدیثوں سے حجت نہیں نکالی جاسکتی۔ (پرانہ سنی)

جواب اس کے جوابات ہم بار بار دے چکے ہیں اب ایک فیصلہ کن جواب عرض کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ ہمارے درمائل یہ روایات نہیں۔ ہماری اصل دلیل تو امام عظیم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے ہم یہ آیت و احادیث مسکول کی تائید کے لئے پیش کرتے ہیں احادیث یا آیات امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی دہلی ہیں۔ ان کی احادیث کی یہ اسنادیں نہیں۔ ان کی اسناد بہت مختصر اور کھری نقصان ہوتی ہے۔ جس میں دو تین راوی ہوتے ہیں وہ بھی نہایت ثقہ اس باب کی پہلی فصل میں آپ حدیث نمبر ۱۸ میں صرف چار راوی ہیں۔ ہاں اس میں ایک۔ برہیم غنی۔ علاقہ ابن مسعود بنیاد ان میں کون ضعیف ہے چونکہ امام صاحب کارمانہ خیر القروں میں سے ہے۔ ان کی احادیث کی اسنادوں میں بہت کم راوی ہیں۔ لہذا وہاں ضعیف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ضعف تالیس وغیرہ بیماریاں بعد میں لگیں۔ ہاں تمہاری کسی روایت کا ضعیف ہونا تمہارے لئے قیامت ہے کہ یہی روایتیں تمہاری دہلی ہیں جن پر تمہارے مذہب کا دار و مدار ہے۔ اور تمہارا زمانہ حضور سے بہت دور تمہاری روایتوں کی سداویں بہت لمبی جن میں ہر طرح کی بیماریاں موجود ہیں۔ لہذا ضعیف ضعیف کی رت سے کسی غیر مقلد کو ڈراؤ۔ حنفی کے لئے اس سے کچھ خطرہ نہیں باقی جوابات وہ ہیں۔ جو ہم پہلے بالوں میں عرض کر چکے ہیں ہم سے ہر حدیث کی بقصد تعالیٰ اتنی اسنادیں پیش کی ہیں کہ وہ وہ احادیث حسن ہو گئیں ضعف جا تا رہا۔

اعتراض مہربان تاہن ماجہ سے روایت کی کہ کسی نہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ حضرت نے کب قنوت پڑھی تو جواب دیا۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرَّكُوعِ وَهُوَ رَايَهُ قَبْلَ الرَّكُوعِ وَبَعْدَهُ

"حضور ﷺ نے رکوع کے بعد قنوت پڑھی اور ایک روایت میں ہے کہ رکوع سے پہلے بھی قنوت پڑھی اور بعد بھی۔"

اس سے معلوم ہوا کہ قنوت نازلہ پڑھنا سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس حدیث میں قنوت نازلہ کا ذکر نہیں اور صاحب مشکوٰۃ یہ حدیث دعا، قنوت کے بحث میں، لے گئے ہیں جو ترویس میں پڑھی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دعا، قنوت مراد ہے۔ لہذا آپ کا استدلال غلط ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر قنوت نازلہ ہی مراد ہوتا یہاں یہ ذکر نہیں کہ حضور علیہ السلام نے ہمیشہ پڑھی اور ہم پہلی فصل میں ثابت کر چکے ہیں کہ حضور سے قنوت نازلہ صرف ایک یا سواہ پڑھی پھر ہمیشہ کے لئے چھوڑ دی۔ لہذا یہ حدیث منسوخ ہے اور منسوخ سے دلیل پکڑنا سخت حرام۔ تیسرے یہ کہ اگر اس حدیث میں قنوت نازلہ ہی مراد ہو تو اس میں یہ فیصلہ نہ فرمایا گیا کہ رکوع سے پہلی یا بعد میں۔ تو تم نے بعد رکوع کا فیصلہ کیسے کر لیا۔ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے چوتھے یہ کہ یہ حدیث ابن ماجہ کی ہے اس کی اسناد بخرواج ہے۔ اس ہی لئے سے مسلم و بخاری نے نہ لیا مسلم و بخاری کی روایتیں اس کی خلاف ہیں۔ جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں۔ لہذا یہ حدیث بخرواج ہے غرضیکہ یہ حدیث تمہارے لئے کسی طرح حجت نہیں۔

اعتراض ممبر ۳ طحاوی شریف نے بہت سی سنادوں سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی تھی سنادوں والی روایت ضعیف نہیں ہو سکتی۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ حِينَ يَقْرَعُ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْرِ الْقِرَاءَةُ وَيُكَبِّرُ وَيَرْفَعُ رَأْسَهُ يَقُولُ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ يَقُولُ وَهُوَ دَسَّ النَّهْمُ أَنْجُ الْوَيْدُ الْوَيْدُ

"حضور علیہ السلام جب نماز فجر کی قراۃ سے فارغ ہوتے اور تکبیر کہہ کر رکوع فرماتے اور رکوع سے سر مبارک اٹھاتے۔ اور سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فرماتے تو کھڑے ہوئے یہ دعا پڑھتے اے اللہ ولید بن ولید کو نبیاد سے انج"۔

طحاوی شریف خفیوں کی کتاب ہے اس سے قنوت نازلہ کا ثبوت ہے۔

اعتراض ممبر ۴ حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ صلح کے زمانہ میں فجر میں قنوت نازلہ پڑھتے تھے۔ بعض روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے قنوت نازلہ پڑھنا منقول ہے۔ یہ سب دلیل القدر صحیحہ کا قنوت نازلہ پڑھنا ان کے ملت ہونے کی روشن دلیل ہے۔

جواب اس کے دو جواب ہیں اثری اور تحقیقی جواب اثری تو یہ ہے کہ یہ روایت تمہارے بھی خلاف ہیں کیونکہ اس میں بحالت جنگ کا ذکر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنگ کفار کے زمانہ میں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خواج یا بغاۃ کی جنگ میں یہ دعا پڑھتے تھے معلوم ہوا کہ اس کے زمانہ میں نہیں پڑھتے مگر تم ہمیشہ پڑھتے ہو تم نے آج تک کفار سے کتنی جنگیں کیں۔ تم نے مسلمانوں کو مشرک بنائے اور مسلمانوں سے لڑے کے سواہ کون سے جہاد کئے۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں کہ قنوت نازلہ کے متعلق صحابہ کرام میں اختلاف رہا بعض صحابہ کرام اسے بالکل منسوخ، نئے اور بدعت فرماتے ہیں جیسے حضرت ابو لک اشجعی رضی اللہ عنہ جیسا کہ ہم بحوالہ انسائی و ابن ماجہ پہلی فصل میں عرض کر چکے اور بعض صحابہ کرام بحالہ جنگ قنوت نازلہ پڑھتے تھے جیسے حضرت عمرو بن ابی سلمیٰ رضی اللہ عنہ اس لئے ہمارے فقہاء فرماتے ہیں۔

کہ سب بھی بحالت جنگ قنوت نازلہ پڑھنا جائز ہے، اگرچہ بہتر نہیں لیکن ہمیشہ پڑھنا کسی صحابی کا قنوت نہیں ہماری ساری مشکوٰۃ ہمیشہ پڑھنے کے متعلق ہے آپ کا دعویٰ کچھ اور ہے دلیل کچھ اور تمام دہائیوں کو عدل امام ہے کہ ایک حدیث مرفوع صحیح الکی دکھاؤ جس میں ہمیشہ قنوت نازلہ پڑھنے کا حکم یا ذکر ہو ان شاء اللہ قیامت تک نہ ملے گی۔ لہذا کیوں ضد کرتے ہیں مقلد بن کر گنج نمازیں پڑھا کرو۔

تکمّلہ

وتر میں دعائے قنوت ہمیشہ پڑھو

چونکہ غیر مقدمہ دہائی و ترویس میں ہمیشہ دعا، قنوت پڑھنے کو منع کرتے ہیں۔ صرف آخری چند ور حصص میں دعا، قنوت پڑھتے ہیں۔ ہم حنفی سارے بھر تک پڑھتے ہیں۔ اس لیے بطور اختصار کچھ اس کے متعلق بھی عرض کرتا ہوں۔ ہمیشہ دعا، قنوت وتر کے آخر رکعت میں قراۃ کے بعد رکوع سے پہلے پڑھنا مستحب ہے۔ اس کے خلاف کرنا سخت بُرا ہے۔ احادیث ملاحظہ ہوں۔

حدیث ممبر ۱ امام محمد نے آخر میں اور حافظ ابن خضر و محدث نے امام ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حضرت حماد سے انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اِنَّهٗ كَانَ يَفُتُّ السَّاعَةَ كُلَّمَا فِى الْوُتْرِ قَبْلَ الرَّكْعَةِ ”کہ آپ وتروں میں تمام رکوع سے پہلے دعا قنوت پڑھتے تھے۔“
حدیث نمبر ۷۲ دارقطنی اور بیہقی نے حضرت سیدنا ابن عقیل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ اَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَبَّادًا يَقُولُونَ قَسَمْتُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي آخِرِ الْوُتْرِ وَكَانُوا يَفْعَلُونَ ذَلِكَ ”وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیق عمر فاروق عثمان غنی علی مرتضیٰ سے سنا کہ وہ سب حضرات فرماتے تھے کہ حضور ﷺ وتر کی آخری رکعت میں دعا قنوت پڑھتے تھے اور تمام صحابہ بھی یہی کرتے تھے۔“

حدیث نمبر ۸۶۵ بوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

اِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ فِي آخِرِ وَتْرِهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ ”یقیناً حضور ﷺ پڑھنے والی آخری وتر میں یہ دعا پڑھتے تھے۔“ اَللّٰهُمَّ اِنْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ

خیر یا رہے۔ کہ غیر مقلد وہابیوں کے پاس صرف ”خری نصف رمضان میں دعا قنوت پڑھنے کی صرف ایک حدیث ہے۔ جو بوداؤد نے حضرت حسن بصری سے روایت کی الفالانیہ میں۔

اِنَّ غَمْرًا ابْنَ الْحَضَبِ جَمَعَ النَّاسَ عِندَ بَنِي اَبِي كَعْبٍ فَكَانَ يَصْنِي لَهُمْ عَشْرِينَ لَيْلَةً وَلَا يَفُتُّ لَهُمُ الْاَوَّلَى نِصْفَ الْبَاقَى ”حضرت مر ابن خطاب نے لوگوں کو ابی ابن کعب پر جمع کروا دیا انہیں بیس رات تراویح پڑھاتے تھے۔ اور قنوت نہ پڑھتے تھے گمراہی آوے رمضان میں۔“

غیر مقلد کہتے ہیں کہ آخری نصف رمضان میں دعا قنوت پڑھنا سنت صحابہ ہے۔

جواب اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ سے وہابی تمہارا چار حدیث پر ایمان ہے یا آدمی پر۔ گمراہی پر ہے تو کیوں۔ اور اگر پوری پر ہے تو اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت ابی ابن کعب تمام صحابہ کو بیس رات تراویح پڑھاتے تھے۔ تم ”شعر و تنبیہ کیوں پڑھتے ہو۔ صرف بیس رات کیوں نہیں پڑھتے اس قسم کی حرکات کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے۔

فَتَوَمَّنْ مِنْ بَعْضِ الْكُتُبِ وَتَكْفُرْ مِنْ بَعْضِ ”کیا بعض کتاب پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو۔“

مگر اس حدیث سے چند روزوں دعا قنوت ثابت ہوتی ہے۔ تو بیس رکعت تراویح صرف بیس رات تک ہی ثابت ہوتی ہیں۔ لہذا یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔
 دوسرے جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں دعا قنوت کا ذکر نہیں۔ ظاہر یہ ہے۔ کہ یہ دعا کوئی اور ہوگی۔ جس میں کفار کی ہلاکت کی دعا کی گئی ہو چونکہ اس زمانہ میں کفار سے جہاد بہت زیادہ ہوتے تھے تو صحابہ کرام آخر رمضان میں جس میں سب قتل ہو چکے تھے۔ کفار کی راتیں بھی کفار کی ہلاکت اور اسلام کی فتح کی دعا کہیں کر سکتے ہوں گے۔ مگر اس سے دعا قنوت مراد ہوتی ہے حدیث اس حدیث کے خلاف ہوگی۔ جو ہم پیش کر چکے ہیں جن میں فرمایا گیا کہ صحابہ کرام سارا سال دعا قنوت پڑھتے تھے۔ جہاں تک ہو سکتا حدیث میں تو ارم پیدا نہ ہونے دیا جاوے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے بھی چند روزوں دعا قنوت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ ابی ابن کعب نے بیس رات تراویح پڑھا کہ جس میں سے آخری نصف میں دعا قنوت پڑھی تو حساب سے کل دس یعنی دسویں رمضان سے بیس رمضان تک دعا قنوت ہوئی تم چند مہینوں سے تم تک کیوں پڑھتے ہو۔

ہمدرد اعلان ہم تمام دینداروں کو اطلاع کرتے ہیں کہ کوئی حدیث مرفوعہ صحیح مسلم بخاری کی اس پیش کردہ جس میں چند روزوں دعا قنوت کا حکم ہوا آگے پیچھے نہ جانے کی محاسنت ہو۔ قیامت تک نہ اس کو گمراہ اپنے موجود عمل سے توبہ کرو اور ہمیشہ دعا قنوت پڑھا کرو۔ ہمیشہ رب سے دعا مانگنے سے شرم نہ کرو۔

توان باب

التحيات میں بیٹھنے کی کیفیت

مرد کے لیے سنت یہ ہے کہ دونوں التحیات میں دو ہاتھ پاؤں کھڑا کرے اور بایں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے۔ عورت دونوں پاؤں وہی طرف نکال دے اور زین میں پر بیٹھے وہی غیر مستقیم التحیات میں تو مردوں کی طرح بیٹھتے ہیں مگر دوسری میں عورتوں کی طرح یہ سنت کے خلاف ہے اور بہت بُرا اس لیے ہم اس باب کی بھی دو تفصیلات کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جوابات۔

پہلی فصل

التحيات میں خواہ پہلی ہو یا دوسری مرد اپنے پاؤں کھڑا کرے اور اس کی انگلیوں کا سر کعبہ کی طرف دیاں پاؤں بچھائے اس پر بیٹھے اس پر بہت سی احادیث وارد ہیں۔ بطور نمونہ کچھ پیش کی جاتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱ مسلم شریف نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک طویل حدیث روایت کی جس کے آخری لفظ یہ ہیں۔

وَكُنْ يَفْتَرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَنُصِبَ رِجْلُهُ الْيُمْنَى

”آپ اپنا دایاں پاؤں شریف بچھاتے تھے اور داہنا پاؤں کھڑا کرتے تھے۔“

حدیث نمبر ۲، ۳ بخاری و نسائی نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ اَنَا لَسْتُ فِي الصَّلَاةِ اَنْ نُنْصِبَ رِجْلَكَ الْيُسْرَى وَتُنْشِ الْيُمْنَى رَا دَا لَنَا فِيهِ وَاسْتَقْبَالَهٖ بَا صَا

بَعَهَا الْفِيلَةَ

”سنت یہ ہے کہ تو اپنا داہنا پاؤں کھڑا کرے اور دایاں پاؤں بچھائے نہائی میں یہ رائج ہے کہ دایاں پاؤں کی انگلیاں تہ کی طرف کرے۔“

حدیث نمبر ۴ بخاری شریف۔ مالک۔ ابو داؤد۔ نسائی نے سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما صحابین سے روایت کی۔

اَنَّهُ كَانَ يَرَى عِنْدَ اَبِيهِ اَبِي غَمْرٍ يَرْبُوعٌ فِي الصَّلَاةِ اِنْ حَسَّ قُلُوبَهُ فَعَنَّهُ وَاِنْ يَوْمَئِذٍ حَدِيثُ النَّبِيِّ

فَهَيَّاهُ عِنْدَ اَبِيهِ اَبِي غَمْرٍ وَقَالَ سَلِّ الصَّلَاةَ اِنْ نُنْصِبَ رِجْلَكَ الْيُسْرَى وَتُنْشِ رِجْلَكَ الْيُمْنَى

فَقُلْتُ لَهُ اَنْتَ تَفْعَلُ ذَلِكَ فَهَلْ اَنْ رَاحِلًا مَحْمَلًا فِي

”کہ وہ اپنے والد عبداللہ بن عمر کو دیکھتے تھے کہ آپ نماز میں چار راتوں بیٹھتے تھے مارتے ہیں کہ ایک اس میں بھی ایسے ہی بیٹھا اس وقت میں تو عمر کو تو

مجھے حضرت عبداللہ نے اس سے منع فرمایا اور کہا کہ پاؤں بچھاؤ میں نے کہا کہ آپ تو یہ کرتے ہیں بھی چار راتوں بیٹھتے ہیں تو فرمایا کہ میرے پاؤں میرا

برجھائیں (یعنی مٹا دیے)۔“

حدیث نمبر ۵ ترمذی شریف اور طبرانی نے حضرت مالک ابن عمر سے روایت کی۔

قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ فَلَمْ لَا تَنْظُرْ اِلَى صَلَاةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا حَسَّ وَوَضَعَ

يَدَهُ الْيُسْرَى عَلَى رِجْلِهِ الْيُسْرَى وَنُصِبَ رِجْلُهُ الْيُمْنَى

”فرمایا کہ میں مدینہ منورہ میں آیا تو میں نے دیکھا کہ میں حضور ﷺ کی نماز دیکھوں گا۔ جب آپ نے اپنا دایاں پاؤں بچھا دیا اور دایاں ہاتھ

دایاں راس پر رکھا اور داہنا پاؤں کھڑا کر دیا۔“

حدیث نمبر ۶ امام احمد۔ ابن حبان۔ طبرانی نے کبیر میں حضرت رفاعہ ابن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ اِذَا حَسَّتْ فَاحْسَنُ عَلَى فَحْدِكَ الْيُسْرَى ”پھر جب تم بیٹھو تو دایاں راس پر بیٹھو۔“

حدیث نمبر ۷ طحاوی شریف نے حضرت ابوالانعم بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّهُ كَانَ يُسْتَجَبُّ اِذَا حَسَّ الرَّاحِلُ فِي الصَّلَاةِ اَنْ يَفْتَرِشَ قَدَمَهُ الْيُسْرَى عَلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَجْلِسُ عَلَيْهَا

”آپ مستحب جانتے تھے کہ مرد نماز میں اپنا دایاں پاؤں بچھائے زمین پر اور اس پر بیٹھے۔“

حدیث نمبر ۱۵ ابوہریرہ شریف نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَسَدَ فِي بَصُورَةِ الْفَرْشِ وَجَلَّهِ الْيَسْرَى حَتَّى اسْوَدَّ ظَهْرُ قَدَمِهِ
”وہ فرماتے تھے کہ نبی ﷺ جب نماز میں بیٹھتے تو ہتھکڑیاں پاؤں بچھاتے تھے یہاں تک کہ اس قدم شریف کی پشت سیاہ ہوگئی تھی۔“

حدیث نمبر ۱۶ عائشہ شریف نے سیدنا ابوسعید خدری سے ایک در حدیث نقل کی۔ جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

قَدْ جَسَدَ حَسَنٌ فَيُصَبُّ رِجْلَهُ الْيَسْرَى وَيُخَمِّصُ رِجْلَهُ الْيَسْرَى

”جب نماز میں بیٹھتے تو اپنے دائیں پاؤں کو کھڑکھڑا کر بائیں پاؤں بچھاتے۔“

حدیث نمبر ۱۷ محمد بن شریف نے حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَبَّتُ حُلْفَ لَا خُفَّ صَلَاةَ رَسُولٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَلَمَّا قَعَدَ لِلشَّهَادَةِ فَرَشَ
رِجْلَهُ الْيَسْرَى ثُمَّ قَعَدَ عَلَيْهَا

”میں نے حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی تو دل میں کہا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز یاد کروں گا۔ فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ التہیات کے لیے بیٹھے تو بائیں پاؤں بچھایا پھر اسی پر بیٹھے گئے۔“

حدیث نمبر ۱۸ محمد بن شریف نے حضرت ابومید ساعدی سے ایک طویل حدیث روایت کی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

قَدْ قَعَدَ لِلشَّهَادَةِ اصْبَحَ رِجْلَهُ الْيَسْرَى وَصَبَّ الْيَسْرَى عَلَى صَدْرِهَا وَبَشَفَهَا

”جب حضور ﷺ التہیات کیلئے بیٹھے تو آپ نے ہتھکڑیاں پاؤں بچھایا اور داہنے پاؤں اس کے سینے پر کھڑکیا اور التہیات پڑھتے تھے۔“

یہ افکار و حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں ورنہ اس بارے میں بہت حدیثیں ہیں۔ ان تمام حدیثوں میں مطلق التہیات کا ذکر ہے ذیل ”خرکی قید نہیں معلوم ہوا کہ مرد التہیات میں دائیں پاؤں پر بیٹھے عورتوں کی طرح دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر زمین پر نہ بیٹھے۔

معتقل کا ٹکافا بھی یہ ہے کہ دوسری التہیات میں بھی دائیں پاؤں پر بیٹھے کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ پہلی التہیات میں مرد دائیں پاؤں پر بیٹھے اور دو بھروس کے درمیان میں اسی طرح بیٹھے۔ خوں التہیات میں وہ بیوں کا اختلاف ہے۔ پہلی التہیات میں بیٹھنا اور جب ہے اور دو بھروس کے درمیان بیٹھنا فرض۔ دوسری التہیات میں بیٹھے اور فرض مانتے ہو تو اسے بھروس کی درمیانی نشست کی طرح ہونا چاہیے۔ یعنی دائیں پاؤں پر اور اگر اس نشست کو واجب مانا جاوے تو اسے پہلے التہیات کی نشست کی طرح ہونا چاہئے۔ دائیں پاؤں پر یہ کیا کہ وہ دونوں نشستیں دائیں پاؤں پر ہوں اور یہ آخری نشست زمین پر دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر اس نشست کی مثال نماز میں نہیں ملتی غرضیکہ دائیں پاؤں پر بیٹھنا قرین قیاس ہے اور زمین پر سرین رکھ کر بیٹھنا معتقل و قفل سب کے ہی خلاف ہے اس سے بچنا چاہیے خیال رہے کہ عورت زمین پر سرین رکھ کر دونوں پاؤں داخلی طرف نکال کر ضرور بیٹھتی ہے۔ مگر وہ پہلی التہیات میں بھی ایسے ہی بیٹھتی ہے اور دو بھروس کے بیچ میں بھی اسی طرح بیٹھا اس کا اس طرح بیٹھنا قرین قیاس ہے کہ اس کی ہر نشست اسی طرح ہے۔ غرضیکہ عورتوں کی ہر نشست زمین پر ہے۔ مردوں کی ہر نشست دائیں پاؤں پر۔ معلوم ہادیوں کی یہ داغی بیٹھتی نشست کس میں شامل ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک اس مسئلہ کے متعلق وہابیوں غیر مقلدوں کے جس قدر دلائل ہم کو مل سکے ہیں۔ ہم انہیں مع جوابات پیش کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرمادے۔ آمین

اعتراض نمبر ۱ محمد بن شریف نے حضرت حجتے ابن سعید سے روایت کی۔

أَنَّ الْقَاسِمَ ابْنَ مُحَمَّدٍ رَأَاهُمْ لِحَنُوسٍ فَصَبَّ رِجْلَهُ الْيَسْرَى وَثَنِي رِجْلَهُ الْيَسْرَى وَحَسَنٌ عَلَى وَرْكَه
الْيَسْرَى وَلَمْ يَجْلِسْ عَلَى قَدَمَيْهِ ثُمَّ قَالَ أَرَأَيْتُمْ هَذَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عُمَرَ وَحَدَّثَنِي أَنَّ أَبَا
عَبْدِ اللَّهِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَدْعُلُ دَبْكًا

”کہ قاسم ابن محمد نے ان لوگوں کو نماز میں بیٹھنا دکھایا تو اپنا داہنا پاؤں کھڑا کیا۔ اور بائیں پاؤں بچھایا اور اپنے بائیں سرین پر بیٹھے۔ آپ دونوں قدموں پر نہ بیٹھے پھر قاسم نے فرمایا کہ یہی مجھے عبداللہ بن عبداللہ ابن عمر سے دکھایا اور مجھے خبر دی کہ ان کے والد حضرت عبد اللہ ابن عمر ایسی ہی کرتے تھے۔“

”ایک بار ابو سعید خدریؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا تذکرہ کیا تو ابو سعید فرماتے لگے کہ تم سب سے زیادہ حضور ﷺ کی نماز کو میں جانتا ہوں حضور ﷺ اُتھتے تھے تو آپ نے بتایا یاں پاؤں بچھا دیا اور اپنے پاؤں کا سینہ قبلہ کی طرف کر دیا اور اپنی داہنی پٹیلی داہنے گھٹنے پر رکھی بائیں پٹیلی بائیں گھٹنے پر رکھی اور اپنی انگلی (کلی نی انگلی) سے اشارہ فرمایا۔“

اس سے معلوم ہو کہ حضور ﷺ اس ہی طرح اُتھتے تھے جیسے ہم بیٹھتے ہیں۔ ورنہ آپ کے داہنے پاؤں کا سینہ قبلہ کی طرف نہ ہوتا بلکہ یہ پاؤں کھڑا ہوتا۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ ہر اُتھتے تھے میں زمین پر بیٹھتے تھے تم پہلی اُتھتے تھے میں تو بائیں پاؤں پر بیٹھتے ہو دوسری میں زمین پر یہ کیوں جو تم جواب دو گے وہ ہی ہمارا جواب ہو گا پتی فکر کرو۔

دوسرے یہ کہ تمہاری دوسری اُتھتے میں نہیں کام ہوتے ہیں بائیں پاؤں کا داہنی طرف لٹکانا۔ دہنے پاؤں کا کھڑا ہونا۔ سرین کار میں پر لگنا عورتوں کی طرح اس حدیث میں ستنوں ہاتھوں میں سے ایک بھی ثابت نہیں۔ نہ تو بائیں پاؤں کا داہنی طرف لٹکانا۔ نہ سرین کا زمین پر رکھنا۔ نہ ایک بھی ثابت نہیں نہ تو بائیں پاؤں کا داہنی طرف لٹکانا۔ نہ سرین کا زمین پر رکھنا۔ نہ داہنے پاؤں کا کھڑا ہونا عجیب ہے کہ اسے آپ نے اپنی تائید میں کیسے کھنڈ کیا یہ آپ کی خوش فہمی ہے۔ داہنے پاؤں کے سینے کا قبلہ کی طرف ہونا تمہارے بھی خلاف ہے۔

تیسرے یہ کہ ابو سعید سہادی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث س تمام حدیثوں کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں خود انہی ابو سعید سہادی سے اس کے خلاف بھی منقول ہے وہ تمام احادیث اس حدیث سے زیادہ قوی ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلی فصل اور خود اس فصل میں عرض کر چکے۔ لہذا وہ احادیث قابل عمل ہیں اور یہ ناقابل عمل۔

چوتھے یہ کہ اس ہی ترمذی میں اس ہی جگہ حضرت ابو داؤد کی وہ حدیث بھی موجود ہے جس میں حنفیوں کی طرح بیٹھنا مذکور ہے اس کے متعلق امام ترمذی سے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے اور فرمایا کہ اگر علماء کا اس پر عمل ہے آپ نے یہی صحیح و صاف حدیث کو کیوں پھوڑا اور جعل حدیث پر کیوں عمل کیا جو آپ کے بھی موافق نہیں معلوم ہوا کہ آپ حدیث کے قبیح نہیں۔ اپنی رائے تاج کرتے ہیں آپ اپنا نام اہل حدیث نہیں بلکہ اہل رائے یا اہل قدر رکھیں۔

اعتراض مبہوم بائیں پاؤں پر بیٹھنے کے متعلق آپ نے جس قدر احادیث پیش کی ہیں وہ سب ضعیف ہیں قابل حجت نہیں۔ (پانہ سبق)

جواب کسی حنفی کو آپ اس منتر سے خدار یا کریں حنفی پر روایت کے ضعیف ہونے کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ حنفی مجدد و نقالی حتیٰ حدیثیں پیش کرتے ہیں کہ اگر بغرض محال وہ سب ضعیف بھی ہوں۔ تو بھی قوی ہو جائیں۔ نیز امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر مجتہد سراف مت کا قول فرمایا ہے اس کو قوی کرنے کے لئے کافی ہے۔ حنفی مذہب کی دلائل بید و لیاقت نہیں۔ یہ تو تائیدیں ہیں حنفیوں کی دلیل قول امام ہے ”ایمان کتاب پر بھی ہے سنت پر بھی اور جماع مت و قیاس مجتہد پر بھی ہمارے سامنے یہ آیت کریمہ ہے۔“

اطيعُوا اللَّهَ وَاَطِيعُوا رَسُوْلًا وَاُولٰٓئِیْ لَا مَرَمٰکُمْ

”لہذا کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے میں سے امر والوں (مجتہدین امت) کی“

دسواں باب

بیس رکعت تراویح

ہم میں رکعت تراویح کے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھ چکے ہیں جس کا نام ہے۔ ملعات المصابیح علی رکعات تراویح جس میں بہت تفصیل سے یہ مسئلہ بیان کیا ہے اس کتاب کو مکمل کرنے کے لیے کچھ بطور اختصار یہاں عرض کیا جاتا ہے جس کو تفصیل دیکھنی ہو وہ دارالسلام خطہ کرے۔ خیال رہے کہ ساری امت رسول اللہ ﷺ کا اس پر اتفاق ہے کہ وہابی و فرقہ ہے جسے نمازگراں ہے محض نفس پر بوجہ کچھ کر تراویح صرف کچھ رکعت پڑھا کر سوتے ہیں اور کچھ روئیں کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ اس لیے ہم اس مسئلہ کو دو ضلعوں میں عیاں کرتے ہیں پہلی ضلع میں بیس رکعت تراویح کے وراک دوسری ضلع میں وہابیوں کے اعتراضات مع جوابات رب تعالیٰ قبول فرماوے۔ آمین

پہلی فصل

بیس رکعت تراویح کا ثبوت

بیس رکعت تراویح سنت رسول اللہ ﷺ ہی پرست حدیث المسلمین ہے کچھ رکعت تراویح خلاف سنت ہے۔ اہل خطہ ہوں۔

حدیث نمبر ۱۵۵ اس لی شیر، جبرانی نے کبیر ہیں پہلی۔ عبدالمجید اور امام بیہقی نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ بَصْنِي فِي رَمَضَانَ عَشْرِينَ رَكْعَةً سَرَى الْوَنُورُ وَرَأَى نَبِيَّهُ فِي غَيْرِ جَمَاعَةٍ وَلَكِنْ نَبِيٍّ ﷺ اور رمضان شریف میں بیس رکعت پڑھتے تھے وتر کے علاوہ پہلی نے یہ زیادہ فرمایا کہ بغیر جماعت تراویح پڑھتے تھے۔

ان حدیث سے معلوم ہو کہ خود حضور انور ﷺ بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔ جن روایات میں آیا ہے کہ آپ نے صرف تیس دن تراویح پڑھاں، جماعت پڑھنا مراد ہے یہی بغیر جماعت تو ہمیشہ پڑھتے تھے جماعت سے صرف تیس دن پڑھیں۔ لہذا حدیث میں تعارض نہیں۔ یہ بھی معلوم ہو کہ تراویح سنت مذکورہ علی الصبح ہے کہ حضور ﷺ نے ہمیشہ پڑھیں اور لوگوں کو رغبت بھی دی۔

حدیث نمبر ۱۶ امام مالک نے حضرت یزید ابن رومان سے روایت کی۔

كَانَ النَّاسُ يَقْرَأُونَ فِي رَمَضَانَ عَشْرًا وَعَشْرِينَ رَكْعَةً

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہاں۔ میں رمضان میں سوگ تیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

اس سے دو مسئلہ معلوم ہوئے ایک یہ کہ تراویح میں رکعت ہیں۔ دوسرے یہ کہ وتر تین رکعت ہیں اس لیے کل تیس رکعتیں ہوئیں۔

حدیث نمبر ۱۷ بیہقی نے معرفہ میں حج ثار سے حضرات صاحب ابن یزید سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا نَقْرَأُ فِي عَهْدِ عُمَرَ بَعَشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوُسْ "ہم صحابہ کرام عرفہ فاروقی کے زمانہ میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔"

حدیث نمبر ۱۸ ابن جنح نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ امْرَأَهُ نَاصِلِي بِالْبَيْتِ فِي رَمَضَانَ قَالَ إِنَّ النَّاسَ بِضَوْفُونَ الْبُحَارِ وَلَا يَخْسُونَ

نَافِقُونَ وَافْتِرَاءَاتٍ عَلَيْهِمْ بِالْبَيْتِ قَالَ يَا امِيرَ الْمُؤْمِنِينَ هَذَا شَيْءٌ لَمْ يَكُنْ فَقَالَ فَقَدْ عَلِمْتُ وَلَكِنَّ

خَسْ "فصنئ بہم عربی رکعہ"

حضرت عمر نے انہیں حکم دیا کہ تم لوگوں کو رات میں تراویح نماز پڑھاؤ کیونکہ لوگ دن میں روزہ رکھتے ہیں اور قرآن کریم اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے بہتر یہ ہے کہ تم ان پر قرآن پڑھا کرو رات میں حضرت ابی نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین یہ دو کام ہے جو اس سے پہلے نہ تھا آپ نے فرمایا میں جانتا ہوں۔ لیکن یہ اچھا کام ہے تو حضرت ابی ان کو بیس رکعتیں پڑھائیں۔

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ عہد فاروقی سے پہلے مسلمانوں میں تراویح جاری ہی تھی۔ مگر جماعت اہتمام سے ہمیشہ تراویح کا رواج حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے ہو اصل تراویح سنت رسول اللہ ﷺ ہے اور جماعت۔ اہل بیہقی سنت فاروقی ہے۔

دوسرے یہ کہ بیس رکعت تراویح پر تمام صحابہ کا اجماع ہو۔ کیونکہ حضرت ابی بن کعب نے تمام صحابہ کو بیس رکعت پڑھائیں۔ صحابہ کرام نے پڑھیں کسی نے اعتراض نہ کیا

تیسرے یہ کہ بدعت حسہ بھی چیز ہے کہ حضرت نبی کعب نے عرض کیا کہ جماعت تراویح باقاعدہ جماعت کا اہتمام سے بدعت ہے اس سے پہلے نہ ہوئی۔ فاروق عظیم نے فرمایا کل ٹھیک ہے واقعی یہ بدعت ہے مگر اچھی ہے۔

چوتھے یہ کہ جو کام خصوصاً عورتوں کے زمانہ میں نہ ہو وہ بدعت ہے اگرچہ عہد صحابہ میں رائج ہو کہ تراویح کی جماعت مگر چہ زمانہ فاروقی میں ہوئی مگر اسے بدعت حسہ فرمایا گیا۔

حدیث نمبر ۹ پہلی نے پنی سنن میں حضرت ابو عبد الرحمن سلی سے روایت کی۔

أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ دَعَا لِقُرَاءَةِ رَمَضَانَ رَحْلًا يَصْنِي بِالنَّاسِ حُمْسَ نِزْوِيحَاتِ عَشْرِينَ رَكْعَةً
وَنَحْوَهَا عَنِّي يَوْمَئِذِهِمْ

"کہ علی رضی اللہ عنہ نے رمضان شریف میں قاریوں کو بلایا پھر ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو تیس رکعت پڑھاؤ حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں وتر پڑھاتے تھے۔"

حدیث نمبر ۱۰ پہلی نے پنی حضرت ابوالحسناء سے روایت کی۔

أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ مَرَّ رَحْلًا يَصْنِي بِالنَّاسِ حُمْسَ نِزْوِيحَاتِ عَشْرِينَ رَكْعَةً
"حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو پانچ ترویج یعنی تیس رکعت پڑھا میں۔"

بطور نمونہ چند حدیثیں پیش کی گئیں اور یہ ہیں رکعت کی احادیث بہت ہیں۔ مگر شوق ہو تو ہماری لمحات الصباح اور صحیح المسماہ ہی ملاحظہ کریں۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ ترویج میں رکعت ہوں نہ کہ آٹھ چند وجوہ سے ایک یہ کہ دن رات میں تیس رکعت فرض وہ جب ہیں۔ ۷ رکعت فرض تیس رکعت واجب ماہ رمضان میں ہیں ترویج پڑھی جاویں۔ ان رکعات کی تکمیل اور طاعت پڑھانے کے لیے قند آٹھ رکعت ترویج بالکل خلاف قیاس ہیں۔

دوسری یہ کہ صحابہ کرام ترویج کی ہر رکعت میں ایک رکوع پڑھتے تھے بلکہ قرآن کریم کے رکوع کو رکوع اس ہی لیے کہتے ہیں کہ اتنی آیات پر حضرت عمرو عثمان دمخا پیر کر رکوع میں رکوع کرتے تھے اور ستائیسویں شب کو ختم قرآن ہوتا تھا۔ آٹھ رکعت ہو تیں تو چار پڑھتے تھے کہ قرآن کریم کے رکوع دل دوا سولہ ہوتے۔ حالانکہ قرآن کریم کے کل رکوع ۵۵۷ ہیں میں رکعت کے حساب سے ۵۴۰ رکوع ہوتے کوئی دہائی صاحب آٹھ رکعت ترویج ماں کر قرآن کریم کے رکوع کی تعداد کی وجہ بیان فرمادیں۔

تیسرے یہ کہ ترویج کی جمع ہے۔ ترویج ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر بیٹھ کر راحت کرنے کو کہتے ہیں اگر ترویج آٹھ رکعت ہو تیں تو بیچ میں ایک ترویج ہوتا۔ اس صورت میں اس کا نام ترویج جمع نہ ہوتا جمع کم رکوع میں پڑھ لی جاتی ہے۔

چھام امت کا عمل ہمیشہ سے قریا ساری امت کا عمل تیس رکعت ترویج پڑھا اور آج بھی ہے۔ حرمین شریف اور ساری دنیا کے مسلمان ہیں رکعت ترویج ہی پڑھتے ہیں۔ چنانچہ ترمذی شریف باب قیام شہر رمضان میں اس طرح فرماتے ہیں۔

وَكثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلَى مَرْوَى عَنْ عَلِيٍّ وَعَمْرٍو وَغَيْرِهِمَا مِنْ صَحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
عَشْرِينَ رَكْعَةً وَهُوَ قَوْلُ سَعِيدِ الثَّوْرِيِّ وَسَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْفَرِ وَشَاةِ بْنِ الشَّافِعِيِّ وَكَأَنَّكَ
بَلَدَ مَكَّةَ يُصَلُّونَ عَشْرِينَ رَكْعَةً

"اور اکثر علماء کا عمل اسی پر ہے جو حضرت عمرو بن ولید وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے یعنی تیس رکعت ترویج اور یہی سفیان ثوری۔ ابن مبارک اور امام شافعی رحمۃ اللہ کا فرمان ہے امام شافعی نے فرمایا کہ ہم مکہ والوں کو تیس رکعت ترویج پڑھتے پایا۔"

عمدہ القاری شرح بخاری جلد پنجم صفحہ نمبر ۳۵۵ میں ارشاد فرمایا۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ وَهُوَ قَوْلُ جَمْعٍ مِنَ الْعُلَمَاءِ وَبِهِ قَالَ الْكُوفِيُّونَ وَالشَّافِعِيُّ وَكَثَرُ الْفُقَهَاءِ وَهُوَ
الصَّحِيحُ عَنْ أَبِي كَعْبٍ مِنْ غَيْرِ خِلَافٍ مِنَ الضَّحَاةِ

"ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ میں تیس رکعت ترویج ہی جمہور علماء کا قول ہے یہی کافی حضرات اور امام شافعی ورا اکثر علماء فقہاء فرماتے ہیں اور یہ ہی صحیح ہے

ابن ابن کعب سے منقول ہے اس میں صحابہ کا اختلاف نہیں۔"

مولانا علی قادری شرح ظاہر میں بیس رکعت تراویح کے بارے میں فرماتے ہیں۔

فصار اجماعاً لم يروى البيهقي باسناد صحيح كانوا يفتنون على عهد عمر رَكْعَةً وَعَلَى عَهْدِ

عثمان و على عشرين

"بیس رکعت تراویح پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ کیونکہ بیہقی نے صحیح سناد سے روایت کی صحابہ کرام اور سارے مسلمان حضرت عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔"

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔

اجماع الصحابة على ان التراويح عشرون رَكْعَةً "تمام صحابہ کا اس پر اتفاق ہے کہ تراویح بیس رکعت ہیں۔"

ان تمام حوالوں سے معلوم ہوا کہ بیس رکعت تراویح سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ بیس رکعت تراویح پر صحابہ کا اجماع ہے بیس رکعت تراویح پر عام مسلمانوں کا عمل ہے بیس رکعت تراویح حرمین شریفین میں پڑھی جاتی ہیں بیس رکعت تراویح مکہ کے مطابق ہیں بیس رکعت تراویح قرآنی رکوعات کی تعداد کے مناسب ہیں بلکہ آج حرمین مطہرین میں خدیجہ کی سلطنت ہے مگر اب بھی وہاں بیس رکعت تراویح پڑھی جاتی ہیں جس کا جی چاہے جا کر دیکھ لے۔ نہ معلوم ہمارے ہاں کے ہابی غیر مقلد کس کی تقلید کرتے ہیں۔ جو آٹھ رکعت تراویح پڑھتے ہیں آٹھ رکعت تراویح سنت رسول کے خلاف سنت صحابہ کے خلاف سنت مسبین کے خلاف سنت علماء و مجتہدین کے خلاف سنت حرمین مطہرین کے خلاف ہے ہاں ہوئیس کے مطابق ہے کہ نماز ہئیس بارہ پر پڑھی ہے۔ رب تعالیٰ ہئیس بارہ کے پسمندوں سے نکلے اور سنت رسول ﷺ پر عمل کی توفیق بخشے۔ آمین

دوسری فصل

بیس رکعت تراویح پر اعتراضات و جوابات

حقیقت یہ ہے کہ غیر مقدس کے پاس آٹھ رکعت تراویح کی کوئی قوی دلیل نہیں کچھ دوہم رکھتے در کچھ شاکہ سادہ ہیں۔ دل تو نہیں چاہتے تھ کہ ہم ان کا ذکر کریں مگر بحث مکمل کرنے کے لیے اس کے اعتراضات مع جوابات عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ انہیں ہدایت نصیب کرے۔

اعتراض پہلا امام مالک نے صاحب ابن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

ثُمَّ قَالَ امْرُؤُ غَمْرُ بْنُ الْحَضَّادِ أَنَسُ بْنُ كَعْبٍ وَسَمِعَهُ الذَّارِي أَن يَقُولُ لِلنَّاسِ بِأَخْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً رَاوِيًا وَفَرَمَاتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے انی ابن کعب اور حمید ذری و عثم دیا کہ لوگوں کو بارہ رکعت پڑھا کر کریں۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آٹھ تراویح کا حکم دیا تھا۔ اگر تراویح بیس رکعت ہوتیں تو کل رکعات ۲۳ متیل مع وتر کے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں۔ یک یہ کہ یہ حدیث تہارے بھی سخت خلاف ہے کیونکہ اس سے جہاں آٹھ تراویح کا ثبوت ہوا وہاں ہی تین وتر کا بھی ثبوت ہوا تب ہی تو کل رکعتیں گیارہ ہوں گی۔ نہ تین وتر۔ اگر تریک رکعت ہوتی تو کل نور کتیں ہوتیں۔ کہ گیارہ۔ تا دم یک رکعت و ترکیوں پڑھتے ہو کیا ایک ہی حدیث کے بعض حصہ کا اقرار ہے بعض کا انکار۔ بعد اس روایت کا جو ترجمہ جواب دو گے وہ ہی جواب ہمارا ہے۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث کے رواۃ محمد ابن یوسف ہیں۔ ان کی روایات میں سخت اضطراب ہے۔ مؤطا امام مالک کی اس روایت میں تو ان سے گیارہ رکعتیں منقول ہوئیں۔ اور محمد ابن تھرمذی نے انہیں سے تیرہ رکعات نقل کیں۔ محدث عبدالرزاق نے انہی سے کیس نقل فرمائیں دیکھو فتح البہاری شرح بخاری جلد چہارم صفحہ نمبر ۸ مطبوعہ مطبعہ خیر یہ مصر۔ بعد ان کی کوئی روایت معتبر نہیں قیوب ہے کہ آپ ہئیس بارہ کی خواہش پوری فرماتے کے نے ایسی واهیات روایتوں کی آڑ پکڑتے ہیں۔

تیسرے یہ کہ محدث فاروقی میں دنا آٹھ رکعت تراویح کا حکم ہوا۔ پھر بارہ رکعت کا پھر آخر میں بیس رکعت پر ہمیشہ کے لئے عمل ہوا۔ چنانچہ اسی مؤطا امام مالک میں حضرت اعرج سے ایک طویل حدیث نقل فرمائی جس کے آخر الفاظ یہ ہیں۔

وَكُنَ الْفَارِيُّ يَقْرَأُ بِسُورَةِ الْبَقَرَةِ فِي عَشْرِ رَكْعَاتٍ ثُمَّ قَامَهَا فِي آخِرِ عَشْرَةِ رَكْعَةِ رَأَى النَّاسَ أَنَّهُ قَدْ خُفِّفَ

"قاری آٹھ رکعت تراویح میں سورہ بقرہ پڑھتے تھے پھر جب بارہ رکعتوں میں پڑھنے لگے تو لوگوں نے محسوس کیا کہ اس پر تسہیل ہو گئی۔"

اس حدیث کی شرح میں مولانا قاری مرتقا شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔

وَفِي الْمَوْطَأِ رَوَايَةً بِأَحَدِي وَعَشْرَةِ رُكْعَةٍ وَخَمْعٌ بَيْنَهُمَا ثَمَّةٌ وَقَعَ أَوَّلُ ثَمَّةٍ اسْتَفْرَ الْأَمْرُ عَنِ الْعَشْرِينَ فَثَمَّةُ الْمُتَوَاتِرِ

"ہاں میں کا حکم حضرت عمر کے زمانہ میں ثابت ہوا، موطا شریف میں گیارہ رکعت کا ذکر ہے اس دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کیا گیا ہے کہ عہد فاروقی میں پہلے تو آٹھ رکعت کا حکم تھا۔ پھر بیس رکعت پر تراویح کا قرار ہوا یہی مسلمانوں میں رائج ہے۔"

معلوم ہوا آٹھ رکعت تراویح پر عمل متروک ہے۔ بیس رکعت تراویح صحابہ کرام اور قریہ مسلمانوں میں معمول۔

اعتراض نمبر ۹ تمہاری پیش کردہ احادیث سے ثابت ہوا کہ حضور انور ﷺ میں تراویح پڑھتے تھے تو حضرت عمر نے پہلے آٹھ رکعت کا حکم ہی کیوں دیا خلاف سلف حکم صحابی کی شان سے بعید ہے۔

جواب حضور ﷺ نے خود تو بیس رکعت تراویح پڑھیں۔ مگر صحابہ کرام اس تعداد کا صریح حکم نہ دیا تھا۔ صرف رمضان کی راتوں میں ہی مخصوص کی رغبت دی تھی بلکہ خود جماعت بھی باقاعدہ ہمیشہ نہ کرانی وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ تراویح فرض ہو جائے گا اندیشہ ہے اس لیے صحابہ کرام پر تراویح کی رکعتوں کی تعداد بڑھنا ہوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اذکار پے جتنے دے آٹھ پھر بارہ مقرر فرمائیں۔ بیس کی سبیل جانے پر بیس ہی کا دائمی حکم دے دیا۔ اس زمانہ میں آج کی طرح حدیث کتابوں میں جمع نہ تھی یک ایک حدیث بہت کوشش و محنت سے حاصل کی جاتی تھی۔

اعتراض نمبر ۳ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابوسلمہ نے ابوالحسن عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ نبی ﷺ رمضان کی راتوں میں کتنی رکعت پڑھتے تھے۔ تو ام المومنین نے ارشاد فرمایا۔

فَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرِيدُ فِي رَمَضَانَ لَا يَفِي عِبْرَهُ عَنِ أَحَدِي عَشْرٍ رُكْعَاتٍ
"حضور ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تراویح آٹھ رکعت پڑھتے تھے، قرین پڑھتے تو کل رکعت ۲۳ ہوتیں۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ یک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے اس لیے کہ اگر اس سے آٹھ رکعت تراویح ثابت ہوتی ہے تو بیس رکعت وتر بھی ثابت ہوئیں۔ تب ہی تو کل رکعت گیارہ ہوں تاکہ وتر یک رکعت کیوں پڑھتے ہو جو سب دو کیا بعض حدیث پر بیان ہے۔ بعض کا انکار۔

دوسرے یہ کہ حضرت ام المومنین یہاں نماز تہجد کا ذکر فرمادی ہیں نہ کہ نماز تراویح کا اس ہی لیے آپ نے ارشاد فرمایا کہ رمضان اور غیر رمضان دیگر گنتیوں میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔ تراویح رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں میں کب پڑھی جاتی ہے۔ اگر آپ اس پر غور کر لیتے تو ایسی جرات نہ کرتے اس ہی لیے ترمذی شریف نے اس حدیث کو باب صلوٰۃ اہل یعنی تہجد کے باب میں ذکر فرمایا۔ نیز اس ہی حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ وتر سے پہلی کیوں سے جاتے ہیں تو فرمایا کہ اے عائشہ ہماری آنکھیں سوتی ہیں وہ نہیں سوتا جس سے معلوم ہو کہ یہ نماز صریحاً صلی اللہ علیہ وسلم آخرت میں سو کر آٹھ کر ادا فرماتے تھے تراویح سونے کے بعد نہیں پڑھی جاتیں تہجد پڑھی جاتی ہے۔

تیسرے یہ کہ اگر کسی نماز سے مراد تراویح ہے اور آٹھ تراویح حضور صلی اللہ علیہ وسلم پڑھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس تراویح کا حکم کیوں دیا اور تمام صحابہ نے یہ حکم کیوں قبول کیا اور خواہ ام المومنین نے یہ سب کچھ دیکھ کر کیوں نہ غلاں فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آٹھ رکعت تراویح پڑھتے دیکھا ہے۔ تم بیس رکعت پڑھتے ہو۔ یہ خلاف سلف اور بدعت سید ہے آپ کیوں خاموش رہیں ذرا ہوش کرو حدیث کو صحیح سمجھنے کی کوشش کرو۔

وہابیوں سے سوالات

تمام دنیا کے وہابیوں سے حسب ذیل سوالات ہیں ساریے حل کرا ان کے جوابات دیں

۱۔ کہ حضرت عمر عثمان و علی رضی اللہ عنہم نے بیس رکعت کا حکم کیوں دیا کیا اس سنت کی انہیں خبر نہ تھی، آج قریب چودہ سو برس بعد تم کو پتہ لگا۔
۲۔ مگر نعوذ باللہ خلفاء و شیعین نے بدعت سید کا حکم دے دیا تھا تو تم صحابہ نے بے چون و چرا قبول کیوں کر کیا یہاں اس میں کوئی بھی حق کو اور قبیح سنت نہ تھا آج اتنے عرصے کے بعد تم حق کو بھی پید ہوئے اور قبیح سنت بھی۔

۳۔ مگر تم صحابہ بھی خاموش رہے تو میرا امین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ایک سمت رسول ﷺ کے خلاف بدعت سید کا رواج دیکھا تو وہ کیوں خاموش رہیں۔ ان پر تبلیغ حق فرض تھی یا نہیں جیسے آج تم آٹھ رکعت تراویح کے لیے بڑی چوٹی کا زبانی و لکشی بدعتی و مادی رد و لگا رہے ہو

میں نے یہ کیوں نہیں پھر تو امام ابوحنیفہ سے تم افضل ہوئے۔

۴۔ دو تمام خلفاء راشدین اور سارے صحابہ کرام خود حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہم میں رکعت تراویح پڑھ کر پڑھوا کر یا جاری ہوتے ہوئے دیکھ کر خاموش رہ کر ہدایت پر تھے یا غصہ یا بدگمانی نہ گمراہ۔ اگر آج حنفی میں رکعت تراویح پڑھنے کی بناء پر گمراہ اور بدعتی ہیں تو ان حضرات پر تمہارا کیا فتویٰ ہے۔ جواب دو، جواب دو، جواب دو۔

۵۔ اگر میں رکعت تراویح بدعت سید ہے اور آخر رکعت تراویح سنت اور تم مہادروں نے چودہ سو برس بعد یہ سنت جاری کی تو ہمارا حرمین الحرام کے تمام مسلمان بدعتی اور گمراہ ہیں یا نہیں مگر نہیں تو کیوں اور اگر ہیں تو تم آج غدی وہ ہیں کو اس کی تبلیغ کیوں نہیں کرتے تمہارے فتوے صرف ہندو پاکستان میں لہا دھندلنے ہی کے لیے ہیں۔

۶۔ حضرت احمد مجتہدین اور اُن کے سارے تبعین جس میں لاکھوں اولیاء کرام محدث فقہاء مفسرین داخل ہیں جو سب میں تراویح پڑھتے تھے وہ سب بدعتی اور گمراہ تھے یا نہیں۔

۷۔ اگر سارے یہ حضرات گمراہ تھے اور ہدایت پر تھری مٹھی بھر بدعت ہے تو ان گمراہوں کی کتابوں سے حدیث بیحد حدیث پڑھنا جائز ہے یا حرام اور ان کی روایت حدیث صحیح ہے یا نہیں جب بدعت کی روایت صحیح نہیں تو بدعتیہ کی روایت صحیح کیوں ہو سکتی ہے۔

۸۔ تمام دنیا کے مسلمان جو میں تراویح پڑھتے ہیں تمہارے نزدیک گمراہ اور بدعتی ہیں یا نہیں اگر ہیں تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے۔

اتَّبِعُوا السُّوَادَ لَا عَظَمَ ”مسلمانوں کے بڑے گمراہ کی اتباع کرو۔“

اور قرآن کریم سے عامۃ المسلمین کو حیرانت اور شہد علی الناس کیوں فرمایا۔

امید ہے کہ حضرات وہابیہ نجد تک کے علماء سے مل کر سن ۱۴۲۰ء کے جواب دیں مگر شکریں۔

۹۔ ہمارا مطالبہ ہم ساری دنیا کے وہابیوں نجدیوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ایک صحیح مرفوع حدیث مسلم بخاری یا کم از کم صحیح ترمذی کی اسکی پیش کریں۔ جس میں صریحاً مذکور ہو کہ حضور ﷺ آٹھ رکعت تراویح پڑھتے تھے یا اس کا حکم فرماتے تھے۔ مگر تردید کا لفظ ہو یا صحابہ کرام نے آٹھ تراویح کو رائجی طور پر قائم فرمایا۔

۱۰۔ اور ہم کہہ دیتے ہیں کہ قیامت تک نہ دکھا سکو کہ صرف ضد پر ہو رب تعالیٰ توفیق بخشے۔ میں رکعت تراویح کا ثبوت الحمد للہ حضور ﷺ کے فعل شریف صحابہ کرام کے فرماں و عمل عامۃ المسلمین کے طریقہ شرعی اور عقل سے ہوا۔ والحمد للہ رب العالمین

۱۱۔ عینہ غیر مقلد وہابی جب بھی خبیثوں میں پھنس جاتے ہیں۔ تو تراویح میں رکعت پڑھ لیتے ہیں جس کا بارہا مشاہدہ ہوا اور ہوا ہے معلوم ہوا کہ انہیں خود بھی اپنے مذہب پر حیرانت نہیں۔

گیارہواں باب

ختم قرآن پر روشنی کرنا

حاجت، سلسلے کا ہمیشہ سے دستور رہا ہے کہ ثواب اور روشنی قبر حاصل کرنے کے لئے یوں تو ہمیشہ ہی مگر رمضان شریف یا شب قدر اور ختم قرآن کے دوسرا خصوصیت سے مسجدوں میں چڑھاں بھی دعوم و دعاء سے روشنی کرتے ہیں۔ مسجدوں کو خوب آراستہ کرتے ہیں وہاں کی مسجدیں بے رونق بے نور روشنی ہیں انہیں مسجدوں میں چڑھاں کرنے وہاں زیارت دینے کی توفیق نہیں ملتی وہاں مسلمانوں کے اس کا ثواب کو بدعت حرام بلکہ شرک تک کہتے ہیں اس لئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس مسائل کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسائل پر اعتراضات مع جوابات۔ ناظرین سے توقع انصاف اور اپنے رب سے امید قبول ہے۔

پہلی فصل

روشنی کا ثبوت

مسجدوں میں ہمیشہ روشنی کرنا۔ خصوصاً ماہ رمضان خصوصاً شب بقدر یا ختم قرآن شریف کے دن وہاں چڑھاں کرنا اہل درجہ کی عبادت ہے جس کا ثبوت ثواب ہے وراثت مدخل ہوں۔

(اللہ رب العزت قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے۔

ثُمَّ يَغْمُرُ مَسَاحِدَ اللَّهِ مِنْ أَهْلِ الْيَوْمِ وَاللَّيْلِ وَالْأَجْرِ

”اللہ کی مسجدوں کو وہ لوگ آہاں کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ در قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔“

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مسجدوں میں جماعت نہ رہا قائم کرنا، وہاں صفائی رکھنا، عمدہ چٹائیاں فرش وغیرہ بچانا وہاں روشنی چڑھاں کرنا وغیرہ سب مسجد کی آبادی میں داخل ہیں۔ تعمیر روح البہاں فرمایا کہ حضرت سیدنا علیہ السلام مسجد بیت المقدس میں کبریت احمر کی روشنی فرماتے تھے جس کی روشنی میں میوں تک عورتیں چڑھ کات ملتی تھیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسجدوں میں رونق و چڑھاں کرنا ایمان کی علامت ہے تو ظاہر ہے کہ مسجدوں کو بے نور بے آباد رکھنا کفار کی نشانی۔

(۲) ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ اَوَّلُ مَنْ اُسْرِحَ فِي الْمَسَاجِدِ نَمْلَةٌ اِذَا رَأَتْ

”وہ فرماتے ہیں کہ جس نے پہلے مسجدوں میں چڑھاں جلائے وہ جمہوری صحابی ہیں۔ (رضی اللہ عنہ)

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں روشنی کرنا سنت صحابی ہے خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چڑھاں کا عام رواج نہ تھا بوقت جماعت کچھور کی کڑیاں جلا کر روشنی کر لی جاتی تھی حضرت قیصر ہمدانی نے وہاں چڑھاں کیا۔

(۳) ابو ذر شریف نے حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيْتُؤَفَّ قَصْلُؤُفِهِ وَكَانَتْ اَلْبِلَادُ فِي دَلِك حَرْبًا فَانْ نَمَتْ تَأْتُؤَفَّ وَفَصْلُؤُفِهِ فَاَتَعُوْا بِرَبِّبِ يَنْسُرُخُ فِي قَنَادِيْهِ

”انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں مسجد بیت المقدس شریف کے متعلق حکم میں تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ اس مسجد میں جاؤ اور وہاں نماز پڑھاؤ اس زمانہ میں شہروں میں جنگ تھی تو فرمایا کہ گرم وہاں نہ پہنچ سکو اور نماز پڑھ سکو تو وہاں تیس مسجدوں کو وہاں کی قندیلوں میں جلیا جاوے۔“

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ بیت المقدس کی مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے سفر کر کے جانا سنت ہے، دوسرے یہ کہ بیت المقدس کی مسجد میں معراج میں تمام نبیوں کو نماز پڑھاؤ۔ خود حضور انور ﷺ دوسرے وغیرہ سفر کر کے وہاں نماز پڑھنے پہنچے، دوسرے یہ کہ بیت المقدس کی مسجد میں بہت قدیمیں روشن جاتی تھیں۔ جیسا قادیل حج فرمانے سے معلوم ہوا۔ تیسرے یہ کہ مسجد روشنی کرنے کا ثواب وہاں نماز پڑھنے کی طرح ہے یعنی اہل درجہ کی عبادت اور باعث ثواب ہے جو تھے یہ کہ مسجد میں چڑھاں کرنے کے لئے دور سے تل بھیجنا سنت صحابہ ہے۔

(۳) حدیث امام رافعی محدث نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَسَى مِنْجَذًا بَسَى لِنَفْسِهِ فِي الْحَيَاةِ وَمَنْ عَقِيَ فِيهِ قَدْ بَدَلًا صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتَّى يَنْطَقِيَ ذَلِكَ الْقَدِيلُ

”کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جو اللہ تعالیٰ کے لیے مسجد بنائے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا اور جو مسجد میں قندیل جلائے گا اس پر ستر ہزار فرشتے دعا و رحمت کریں گے جب تک کہ یہ چراغ بجھ نہ جائے۔“

معلوم ہوا کہ مسجد کی روشنی ستر ہزار فرشتوں کی دعا پینے کا ذریعہ ہے۔

(۵) حدیث ابن بخاری نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَقِيَ فِي مَسْجِدٍ قَدْ بَدَلًا صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتَّى يَنْطَقِيَ ذَلِكَ الْقَدِيلُ

”فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جو مسجد میں کوئی قندیل لٹکائے تو اس پر ستر ہزار فرشتے دعا و رحمت کرتے ہیں یہاں تک کہ یہ قندیل گل ہو۔“
معلوم ہوا کہ جیسے مسجد میں چراغ لٹکا ہوا ثواب ہے ایسے ہی مسجد میں چراغ یا قندیل یا قندیل کا بھی ثواب ہے خواہ ایک چراغ ہو یا بہت۔

(۶) حدیث ابن کثیر میں ہے حضرت ابی اسحاق ہمدانی سے روایت کی۔

قَالَ حَرَّحَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ فِي أَوَّلِ بَنِيهِ مِنْ رَمَضَانَ وَلَقَدْ دَبِلَ تَرَهُزُ كِتَابُ اللَّهِ تَتَلَّى فَقَالَ نُورُ اللَّهِ لَكُمْ يَا أَيُّهَا النَّحْطُابُ فِي قَبْرِكَ كَمَا نُورُ مَسَاحِدِ اللَّهِ عَالِيًا لِقُرْآنِ

”فرماتے ہیں کہ رمضان کی پہلی شب کو حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے مسجد نبوی میں قندیل میں جھمک رہی تھیں اور قرآن کی تلاوت ہو رہی تھی تو آپ نے فرمایا اے میرا بن خطاب اللہ تعالیٰ تیری قبر روشنی کرے جیسے تم نے اللہ کی مسجدوں کو قرآن کے وقت روشن کر دیا۔“

(۷) حدیث صحیح ابن شریف نے بعض محدثین سے روایت کی کہ انھیں امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہوئی۔

”قَالَ قَالَ نُورُ اللَّهِ قَبْرِ غَمْرٍ كَمَا نُورُ عَيْبِ مَسَاحِدِ

”آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ حضرت عمرؓ کی قبر روشنی کرے جیسے انہوں نے ہماری مسجدوں کو روشن کیا۔“

ان آخری روایتوں سے معلوم ہوا کہ رمضان شریف میں مسجدوں میں چراغیں کرنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے مروج ہے۔ حضرت صحابہ کرام سے اس پر اعتراض نہ فرمایا بلکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے انہیں دعائیں دیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ روشنی مسجد سے ان شاء اللہ قبر منور ہوگی، لہذا سب جو اس روشنی مسجد کو روکتا ہے وہ درپردہ مسجد صحابہ پر اعتراض کرتا ہے اس پر غاں کے روکنے والے اپنی قبریں تاریک کر رہے ہیں۔

(۸) قرآن میں رب تعالیٰ نے بد کرنے والوں کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ مَعَ مَسَاحِدِ اللَّهِ أَنْ يَذْكُرَ فِيهَا اسْمَهُ وَسَمِيَ فِي حَرَامِهَا

”کس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں کو اللہ کے ذکر سے روکے اور ان کی بے آبادی میں کوشش کرے۔“

اس آیت میں ان لوگوں پر بھی عتاب ہے جو مسجدوں میں نماز، ذکر الہی، تلاوت قرآن، نعت خوانی سے منع کریں اور ان لوگوں پر بھی عتاب ہے جو مسجدوں میں چٹائیاں ڈالنے فرش بچھانے روشنی کرنے پر غاں وغیرہ

سے روکیں کہ آبادی میں یہ سب چیزیں داخل ہیں۔“

مختل کا تقاضا بھی ہے کہ موجودہ زمانہ میں مسجدوں کو آراستہ کرنا وہاں ہمیشہ یا بعض خصوصی موقع پر چرغاں کرنا اچھا ہے کیونکہ آج ہم اپنے مکانات میں زیب و زینت کرتے ہیں یہاں شادی وغیرہ پر خوب دس کھول کر روشنی و چراغیں کرتے ہیں، عمارتیں سجاتے ہیں جب ہمارے گھر آراستگی روشنی پر غاں کے مستحق ہیں تو اللہ کا گھر جو تم گھروں سے افضل ہے اسے عام گھروں سے زیادہ آراستہ کیا جاوے تاکہ مسجدوں کی عظمت لوگوں کے دلوں میں قائم ہو،

بیکام احرام مسجد اور تبلیغ دین کا ذریعہ ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلد ہائیں کے جس قدر اعتراضات اب تک ہم نے سنے ہیں وہ نہایت دباننداری سے مع جوابات عرض کرتے ہیں، رب تعالیٰ قبول فرماوے۔
اعتراض نمبر ۱ مسجدوں میں چراغاں کرنا فضول خرچی و اسراف ہے اور اسراف سے قرآن کریم میں منع فرمایا گیا، رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

كُلُوا وَ شَرُّوا وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ

"کھاؤ اور پیو اور نہ برباد کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ فضول خرچوں کو پسند نہیں فرماتا۔"

جواب مسجد کے چراغاں کو فضول خرچی کہنا غلط ہے، فصول خرچی اس خرچی کو کہ جاتا ہے جس میں کوئی دینی یا دنیاوی نفع نہ ہو مسجد کے چراغاں میں مسجد کی زینت ہے جو عبادت اور باعث ثواب ہے۔

اعتراض نمبر ۲ جب ایک چراغ سے روشنی حاصل ہو سکتی ہے تو باقی چراغوں سے بے کار ہیں اور بے کار خرچی فصول خرچی میں داخل ہے۔

جواب جب ایک قمیص و پانجامہ سے ستر حاصل ہو جاتا ہے تو چاہے کہ ایکس داسکتا ہیں فصول خرچی اور حرام ہے۔ جب چھ آئینہ گز کے گاڑے سے ستر چھپ جاتا ہے تو چاہے کہ دو روپے گز کی مٹل۔ لٹھا۔ چکن۔ داخل پہننا حرام ہو۔ جب گھر میں دو آئینہ کے چراغ سے روشنی حاصل ہو سکتی ہے تو دھارہ صمد ہارو پیہ خرچی کر کے بجلی فشنگ کرنا اور گیس کی روشنی کرنا اسراف و حرام ہونا چاہیے جب تھوڑا کلاس سے بھی راستہ ملے ہو جاتا ہے تو اکثر بلکے ٹیکند۔ فیسٹ میں روپیہ خرچی کرنا حرام ہونا چاہیے۔ جناب یکہ دیے سے نور روشنی حاصل ہوتی ہے اور زیادہ چراغوں سے مسجد کی زینت و رونق مسجد کی روشنی بھی عبادت ہے اور وہاں کی زینت بھی عبادت۔

اعتراض نمبر ۳ اگر مسجد میں چراغ کرنا بھی چیز ہے تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ شریف میں مسجد نبوی شریف میں چراغاں کیوں نہ کیا، کیا تم حضور ﷺ سے افضل ہو یا دین کے ریاضہ و ہمدرد جو کام حضور نہ کریں تمہیں کرنے کا کیا حق ہے۔

جواب اگر داسکتا۔ ایکس اپنے درجہ کی مجلسیں پہننا اچھا کام ہے تو حضور انور ﷺ نے کیوں نہ استعمال فرمائیں جو کام حضور ﷺ نے نہ کیا وہ اسے دہا بیچ تم کیوں کرتے ہو تم پہ گھروں میں بجلی کی فشنگ کیوں کرتے ہو تم اپنے گھر میں بجلی گیس کیوں جلاتے ہو جناب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ شریف میں لوگوں کے گھر بھی سارے معمولی تھے۔ جہاں کارما۔ تھا اس طرف توجہ فرماتے کا موقع ہی نہ تھا جب صحابہ کرام کے زمانہ میں لوگوں نے اپنے گھر اچھے بنائے، ان فقہاء و صحابہ نے سوچا کہ میں تو دنیا سے اپنے لیے اور اللہ کا گھر یعنی مسجد نبوی شریف ہمارے گھروں سے افضل ہے جب ہمارے گھر شاندار ہیں تو اللہ کا گھر بہت شاندار ہونا چاہئے یہ سوچی کہ حضرت عثمان نے مسجد نبوی شریف بہت عالی شان بنائی اور وہاں بہت زیب و زینت کی حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ۔

عَدَبُكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ "تم میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت مضبوطی سے پکڑو۔"

جیسے حضور کی سنت قابل عمل ہے ایسے ہی حضور ﷺ کے صحابہ کرام کی سنت، حق عمل حضور کے صحابہ نے مسجد نبوی شریف میں چراغاں کیا بلکہ خود حضور انور ﷺ نے بیت المقدس کی مسجد میں چراغاں کرے کے لیے نیل بھیجے کا حکم دیا۔

اعتراض نمبر ۴ ابو داؤد شریف نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مَرُفَتْ بِشَيْءٍ الْمَسْجِدِ قُلْ بِنِ عُبَّاسٍ لَمْ يَحْوَ قُلْهَا كَمَا رَخَرْتُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى

"فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ مجھے مسجد میں سجانے کا حکم نہیں دیا گیا، حضرت ابن عباس سے فرمایا کہ تم یہود و نصاریٰ کی طرح آراستہ کرو گے۔"

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسجد میں سجانے کا حکم نہیں۔ یہ بھی پتہ لگا کہ عبادت خانے جانا یہود و نصاریٰ کی سنت ہے نہ کہ مسلمانوں کا طریقہ اور ظاہر ہے کہ مسجد میں چراغاں کرنا بھی عبادت ہی ہے لہذا یہ بھی منع ہے۔

جواب اس کے دو جواب ہیں، ایک یہ کہ اگر اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مسجدوں کی زینت اور وہاں چراغاں کرنا منع ہے تو انہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کو مسجدوں کی زینت دیتے وہاں چراغاں کرتے دیکھا اور منع نہ فرمایا۔ کیا خود ہی اپنی روایت کی مخالفت کی نیز کیا تم صحابہ کرام اس حدیث کا وہ مطلب نہ سمجھے جو تم سمجھتے ہو اس صورت میں یہ حدیث قرآن کے مخالف ہوگی کہ رب تعالیٰ نے مسجد کی زینت و

ہادی کو ایسی کی علامت قرار دیا کہ فرمایا۔ **انما یحضر مساجد اللہ** ایچ پتہ لگا کہ تم نے حدیث کا مطلب سمجھا۔

دوسرے یہ کہ جہاں ہر زینت کی ممانعت نہیں بلکہ ناجائز ٹیپ ٹاپ پر عتاب ہے جیسے فوٹو تصویروں سے سجانا اس کی لئے یہود و نصاریٰ سے تشبیہ دی گئی۔ اس کے عبادت خانے تصاویر و فوٹو سے سجائے جاتے ہیں یا وہ زینت مراد ہے جو اللہ کے پیئے نہ ہو دکھلاوے اور نام و نمود ریاکاری کے پیئے جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہو رہا ہے مگر جو زینت و چراغائے صرف مسجد کے احترام اور رب تعالیٰ کی رضا کے پیئے وہ بہتر ہے رب تعالیٰ آپے اور آپے محبوب کے کلام کی صحیح فہم نصیب فرمائے۔

اعتراض نمبر ۵ ایوڈاؤرنسائی۔ واری اور اس جگہ نے حضرت انس سے روایت کی۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَسْرَطِ السَّاعَةِ أَنْ يَتَّهَى النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ
 "اور فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہا یقیناً عداوت قیامت سے یہ ہے کہ لوگ مسجدوں میں فخر کریں گے۔"
 اس حدیث سے معلوم ہو کہ مسجدوں کی زینت طاعت قیامت ہے۔ اس سے اللہ بچائے۔

جواب اس حدیث کے دو ہی معنی ہیں۔ جو ہم حجاز نمبر ۴ کے جواب میں عرض کر چکے ہیں یعنی فخر یہ مسجدیں بنانا اور شجی کے طور پر مسجدیں بنانا طاعت قیامت ہے کہ ایک محلے والے دوسرے محلے والوں کے مقابلہ میں مسجد کو زینت دے کر انہیں طعنہ دیں کہ ہماری مسجد تمہاری مسجد سے زیادہ آراستہ ہے جناب فخر دریا کے لئے پڑھنا ممنوع ہے تو اس سے لازم یہ نہیں آتا کہ اخلاص کی نثار بھی منع ہو جاوے۔
 یا حدیث کے معنی یہ ہیں کہ قریب قیامت لوگ مسجدوں میں جا کر بجائے ذکر اللہ کرنے کے دنیاوی باتیں یک دوسرے کے مقابل شجی مارا کریں گے، یہ سخت گناہ ہے اور اگر حدیث کے دو ہی معنی ہوں جو ہم سمجھے یعنی مسجدوں کی زینت عداوت قیامت ہے تو بھی اس سے ممانعت ثابت نہیں ہوتی قیامت کی ہر عداوت بُری نہیں۔ جیسے صلیب اسلام کا رد و اسلام مسجدی کا علو بھی علامت قیامت ہے مگر انہیں یک بہت ہمارے کت ہے۔

اعتراض نمبر ۶ مسجدوں میں چراغائے کرنا بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی۔

جواب یہ نقطہ ہے یہ تو سنت صحاح۔ ہے جیسا کہ ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں اور اگر یہ بدعت بھی تو تو ہر بدعت نہ حرام ہے۔ مگر یہی۔ بخاری شریف چھاپنا بدعت ہے مگر حرام نہیں بلکہ ثواب ہے حدیث کا فن انکی قسمیں بدعت ہیں مگر حرام نہیں بدعت کی نہیں تحقیقی اسی جاء الحق کے پہلے حصے میں لکھو جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ آج کلہ و روز بلکہ ساری عبادتوں میں بہت بدعتیں شامل ہیں ان بدعتوں پر ثواب ہے۔

بارہواں باب

شبینہ پڑھنا ثواب پر

میش سے صراخ مسلمانوں کا دستور ہے کہ ماہ رمضان المبارک میں شبینہ کرتے ہیں کبھی ایک رات میں، کبھی دو میں، کبھی تین راتوں میں پورا قرآن شریف تراویح میں ختم کرتے ہیں، بعض برہمنوں سے حقوق ہے کہ دو ماہ رمضان کے علاوہ کبھی روزانہ ایک قرآن شریف پڑھ لیتے تھے یہ سب کچھ جائز اور ثواب ہے۔ بشرطیکہ تہی جلدی نہ پڑھے کہ حروف قرآن درست ادا ہوں، نہ سستی اور کسل سے پڑھے مگر غیر مقلدہ ہائی سے بھی حرم کہتے ہیں رات بھی سیمادیکھنے والوں کو نہ نہیں کہتے مگر تمام رات قرآن پڑھنے والوں پر لعن طعن کرتے ہیں ان پر شرک و بدعت کے فتوے لگاتے ہیں اس لیے ہم اس باب کی بھی دو تفصیل کرتے ہیں پہلی فصل میں شبینہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلی فصل

شبینہ کا ثبوت

ایک شب میں قرآن ختم کرنا باعث ثواب ہے اس کا ثبوت قرآن و حدیث مثل بکہ خود ہادیوں کی کتابوں سے ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔
(۱) قرآن کریم اپنے محبوب ﷺ سے فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ قُمْ إِلَيَّ أَفَلَا تَصْصِرُ أَوْ تَنْفَسُ مِنْهُ أَوْ تَذُكُّهُ وَرَأَيْتَ الْفَرَانَ تَزِينُ

”اے چادر اوڑھنے والے محبوب رات بھر قہم فرما، ذوق نہ کر، اور رات کے آدھی رات یہ ”س“ سے کچھ کم کر دیا اس پر کچھ پڑھا اور قرآن پھر پھر کر پڑھو۔“
اس آیت کریمہ میں حضور ﷺ کو قربا تمام رات نماز پڑھنے کا حکم دیا اور شروع اسلام میں رات بھر عبادت کرنا فرض تھا کچھ توڑا حصہ آرام کے لئے رکھا گیا تھا، پھر ایک سال کے بعد یہ فریضت منسوخ ہو گئی مگر استہاب اب بھی باقی ہے اب جو شخص شبینہ میں تمام رات جاگے بہت کم سوئے وہ اس آیت پر عمل ہے مگر چاہئے یہ کہ شبینہ وہ پڑھے جو قرآن صحیح پڑھ سکے، جیسا کہ تہذیب کے حکم سے معلوم ہو رہا ہے۔

(۲) حدیث مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی جس میں نماز و خوف کا ذکر ہے۔ اس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

فَقَامَ قَبْلَ مَا طَوَّلْنَا نَحْوَهُ مِنْ قِرْأَةِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ

”حضور ﷺ نے نماز ہماری نماز میں بہت دراز قیام فرمایا قریباً سورہ بقرہ کی بقدر۔“

معلوم ہو کہ حضور ﷺ نے نماز میں سورہ بقرہ یعنی اُحسانی پارہ کی ہر قرأت کی شبہ میں فی رکعت دینے کا پابندی ہے جب ایک رکعت میں اُحسانی پارہ پڑھنا طاعت ہے تو دینے کا پابندی پڑھنا بدعت اور بدعتی ہے۔

(۳) حدیث ابوداؤد نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کی نماز تہجد کے متعلق ایک بہت دراز حدیث نقل فرمائی، جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَصْنِي رُبْعَ رُكْعَتَيْ قِرَاءِ فِيهِنَّ الْبَقَرَةُ وَالْإِنَّمَاءُ وَالْمَائِدَةُ وَالْأَنْعَامُ

”حضور ﷺ نے نماز تہجد میں چار رکعت پڑھیں، جن میں سورہ بقرہ اور آل عمران اور المائدہ سورہ انعام پڑھیں۔“

دیکھو نبی ﷺ نے تہجد کی چار رکعتوں میں قریباً آٹھ چارے پڑھنے یعنی فی رکعت قریباً دو پارے شبینہ میں ہر رکعت میں اتنی قراۃ نہیں ہوتی، دینے کا پابندی رکعت ادا ہے تو یہ کیوں حرام ہوگا۔

(۴) حدیث مسلم و بخاری نے حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى نَوَازِمَتْ قَدَمَاهُ فَفُتِلَ لَهُ لِمَا نَصَعَ هَذَا وَقَدْ عُفِّرَ لَكَ مَا

تَقْدَمُ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأْخُرُ قَالَ أَفَلَا أَتُكُونُ عَبْدًا مُشْكُورًا

”حضور ﷺ نے نماز سب میں اتنا قیام فرمایا کہ قدم مبارک پر درم آگیا تو عرض کیا گیا کہ آپ ایسی مشقت کیوں کرتے ہیں آپ کی بدعت آپ کی امت کے اگلے پچھلے گناہ بخش دینے کے تو فرمایا کہ کیا میں بنو شکر گزار ہوں۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عبادت میں مشقت اٹھانا سخت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے اگر کسی شیعہ میں کسی مومن کے پاؤں پر درم آ جاوے تو اس خوش نصیب کو یہ سخت نصیب ہوگئی، وہ ہا بیوں کو خود کو عبادت کی توفیق نہیں ملتی دوسروں کو بھی عبادت سے روکتے ہیں۔

(۵) حدیث طحاوی شریف نے حضرت ابن سیرین سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ تَمِيمٌ لِلذَّارِقِيِّ يُحِبُّ الْيَلَّ كُنْهُ بِالْقُرْآنِ كُنْهُ فِي رُكْعَةٍ

"فرماتے ہیں کہ حضرت تمیم داری تمام رات جاگتے تھے اور یک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھتے تھے۔"

شیعہ میں تو بیش رکعت تہذیب میں قرآن شریف پڑھا جاتا ہے۔ حضرت تمیم داری صحابی رسول تو ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔

(۶) حدیث طحاوی شریف نے حضرت اسحاق ابن سعید سے روایت کی۔

عَنْ ابْنِهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ الرُّبَيْعِ أَنَّهُ قَرَأَ نَقْرَانِ فِي رُكْعَةٍ

"وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن ربیع نے ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھا۔"

(۷) حدیث یوسفیم نے حدیث میں حضرت عثمان ابن عبد الرحمن مکی سے روایت کی۔

قَالَ لِي ابْنِي اعْمَسْ الْيَدَ عَلَى الْمَدَامِ فَلَمَّا صَلَّيْتُ الْعَتَمَةَ حَضَبْتُ ابْنِي الْمَدَامَ حَتَّى قَعْتُ فِيهِ فَيَبُا

قَتْنِمِ ادْرُخْلُ وَصَعِيدُهُ بَيْنَ كَفْعِي فَاذَا هُوَ عُثْمَانُ ابْنُ عَفَّانٍ فَبَدَأَ بِأَمِّ الْقُرْآنِ فَقَرَأَ حَتَّى خَتَمَ

الْقُرْآنَ لِرُكْعَةٍ وَسَجَدْتُ لَهُ أَحَدُ بَعْدَهُ فَلَا اِدْرِي أَصْلَى قُلِ دَالِكُ شَبَابًا لَا

"مجھ سے میرے والد نے فرمایا کہ تیرا تمام رات مقام ابراہیم پر جاؤں گا جب میں نماز عشاء پڑھ چکا تو مقام ابراہیم پر پہنچا میں کھڑا ہی ہو گا کہ

وہاں تک ایک صاحب نے میری پشت پر ہاتھ رکھا۔ وہ حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ تھے آپ نے سورہ فاتحہ سے قرآن شروع کیا اس پڑھتے

رہے یہاں تک کہ قرآن ختم کر لیا پھر کوٹھیا اور سجود کیا پھر اپنے نصیب شریف اٹھائے یہ مجھے خبر نہیں کہ اس سے پہلے نماز پڑھی یا نہیں۔"

(۸) حدیث یوسفیم نے حدیث میں حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

كَانَ اسْوَذُ يَخْتُمُ الْقُرْآنَ فِي رَمَضَانَ فِي كُلِّ لَيْلٍ وَكَانَ يَمُتُ لِمَغْرَبِ وَالْعِشَاءِ

"کہ حضرت اسود رضی اللہ عنہ ماہ رمضان میں ہر دورات میں ایک قرآن ختم فرماتے تھے اور مغرب و عشاء کے درمیان سوتے تھے۔"

(۹) حدیث طحاوی شریف نے حضرت حماد سے روایت کی۔

عَنْ سَعِيدِ بْنِ خَبِيرٍ أَنَّهُ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِي رُكْعَةٍ لَيْلِ

"حضرت سعید ابن جبیر صحابی نے بیت اللہ شریف میں ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھا۔"

ان احادیث سے ثابت ہو کہ اکثر رات جاگنا نماز پڑھنا روزانہ قیام فرمنا حتی کہ پاؤں پر درم آ جاوے، ایک رکعت میں ڈھائی پارے پڑھنا سنت

رسول ﷺ ہے اور ایک رات دورات تک ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھنا سنت صحابہ ہے، جو شیعہ کو حرام یا شرک یا فسق کے درجہ جال ہے۔

(۱۰) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ اب طاہرات القرآن میں صفحہ ۶۱۵ پر صحابہ کرام کا دستور اس طرح بیان فرمایا۔

فَخَتَمَهُ جَمَاعَةٌ فِي بَوِّهِ وَلَيْدَةُ مَرْءَةٍ وَاحِرُونَ مَرْتِنِينَ وَاحِرُونَ ثَلَاثَ مَرَاتٍ وَخَتَمَهُ فِي رُكْعَةٍ مِّنْ لَا

بِخَصُوصٍ كَثْرَةٍ

"ایک جماعت نے دن رات میں ایک ختم کیا ایک نے دو بار بعضوں نے تین بار اور ایک رکعت میں قرآن پڑھنے والے تو بے شمار ہیں۔"

مغل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ شیعہ عبادت ہے نہ کہ حرام کیونکہ عبادت کا ثواب بقدر مشقت ملتا ہے گرمیوں کے روزے، ٹکڑے کا جہاد، مشقت کے حج پر

ثواب ملے گا، عذاب نہ ہوگا، تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مسلمان رب کی رضا کے لیے تمام رات نماز بھی پڑھے۔ قرآن شریف کی تلاوت بھی کرے اور

بجائے ثواب کے عذاب پائے، قرآن کے ایک حرف پڑھے پودیں نیکیاں ہیں تو تعجب ہے کہ سارا قرآن پڑھے پر بجائے نیکیوں کے اٹکا عذاب ہو

حضرت و زید علیہ السلام بطور معجزہ تھوڑی دیر میں ساری ربور شریف پڑھ لیتے تھے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے تو اگر ایک سب میں قرآن پڑھے پر

عذاب ہوتا ہو تو پھر خود باللہ ساری ربور شریف پڑھ لیتے تھے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے تو اگر ایک سب میں قرآن پڑھنے پر عذاب ہوتا ہو تو پھر

خود باللہ حضرت داؤد علیہ السلام بقول وہابیہ پوری زبور پڑھنا پر گنہگار ہوتے ہوں گے رب تعالیٰ بخندے۔

طیفہ وہ ہیں نے اپنی کتاب ارواحِ ثلاثہ میں اپنے بانی مذہب مولوی اسماعیل صاحب کے فضائل بیان کرتے ہوئے لکھا کہ مولوی اسماعیل صاحب عصر سے مغرب تک قرآن کریم ختم کر بیٹے تھے لوگوں نے خود ان سے تہی دیر میں سارا قرآن سنا۔ اب میں وہاں سے پوچھتا ہوں کہ تم مارے امام عظیم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر اس بیٹے سے کتنے اور ان کی جناب میں گایاں بکتے ہو کہ وہ جناب ماہ رمضان میں سورہ نساء کو ایک قرآن شریف اور شب کو ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ یوں تمہارے اسماعیل تو عصر سے مغرب تک ایک قرآن ختم کر بیٹے تھے وہ بھی اسی لعن طعن کے مستحق ہیں یا نہیں، وہ بھی فاسق و فاجر ہوئے یا نہیں یا تمہارا امام جو کرے وہ سب ہے، جو بد۔

دوسری فصل

شبینہ پر اعتراضات و جوابات

شبینہ کے متعلق ہم وہ اعتراضات بھی نقل کرتے ہیں جو غیر مقلد وہابی کرتے ہیں، اور وہ اعتراضات بھی بیان کرتے ہیں جو آج تک ان کو نہ بھی نہیں، ہم ان کی نکالت میں عرض کرتے ہیں مع جوابات کے رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

اعتراض نمبر ۱ قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِلاً "قرآن شریف کی تلاوت غیر فحیر کر کر۔"

اور ظاہر ہے کہ جب ہر رکعت میں اڑھائی پڑھ کر سارا قرآن ایک رات میں ختم کیا جاوے گا تو حادثہ کو بہت تیز پڑھنا پڑے گا۔ جس سے ساری مخلوق بھٹک جائے گی۔ لہذا شبینہ پڑھنا حکم قرآن کے خلاف ہے۔

جواب اس اعتراض کے دو جواب ہیں، ایک یہ کہ تمہارے بانی مذہب مولوی اسماعیل دہلوی عصر سے مغرب تک پورا قرآن پڑھ بیٹے تھے اتفاقاً وہ غیر فحیر کر پڑھتے تھے یا محلوں محلوں وہ حرم کے سر تکب تھے یا نہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام بہت جلد ساری سورہ پڑھ بیٹے تھے، حضرت عثمان غنی، خیمہ داری، عبداللہ بن زبیر وغیرہم اکابر صحابہ نے ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھا ہے۔ خود حضور ﷺ تہجد کی ایک رکعت میں دو پارے اور نماز خوف میں ایک رکعت میں اڑھائی پارے تلاوت فرماتے تھے جن کے حوالے یہی فصل میں مذکور گئے یا آپ کا یہ اعتراض ان ہستیوں پر بھی جاری ہوگا۔ اگر نہیں تو کیوں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے بعض کثرت لسانی کی بخشی ہے کہ وہ بہت تیز پڑھ کر بھی صاف اور واضح پڑھ سکتے ہیں، بعض میں یہ قوت نہیں، وہ اگر تیز پڑھیں تو صرف محلوں محلوں ہی سمجھ میں آوے گا، شبینہ صرف یہی قسم کے حفاظ پڑھیں دوسری قسم کے حفاظ ہرگز نہ پڑھیں اس بات کو یہ کہ یہ غلطی ہے آیت کریمہ پڑھنا حق ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان پر رک صحابہ کرام کا مکمل شریف سمجھوں نے ایک رکعت میں بہت دراز تلاوت کی پڑھنا حق ہے۔

اعتراض نمبر ۲ حدیث ترمذی، ابوداؤد، دارقطنی سے حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کی۔ (مقلد ابی داؤد القرانی)

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ فِي وَحْيٍ مِنْ لَيْلٍ

"پیغمبر فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو تم میں سے کم میں قرآن پڑھے، وہ قرآن نہ سمجھے گا۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین دن سے کم میں پورا قرآن ہرگز نہ پڑھنا چاہیے کیونکہ پورا قرآن سمجھ میں نہ آوے گا۔ لہذا شبینہ بالکل منع ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے تم تو تین شب کا شبینہ بھی حرام کہتے ہو اور اس حدیث میں اس کی اجازت آگئی، دوسرے یہ کہ تمہارے پیشوا مولوی اسماعیل دہلوی عصر سے مغرب تک قرآن کریم ختم کر لیتے تھے وہ بھی اس رد میں آجاتے ہیں ان کی مخالفتی پیش کرو جو تمہارا جواب ہے وہ نقل ہمارا۔

تیسرے یہ کہ سرکار عالم ﷺ نے اس حدیث میں عام لوگوں کی جاس فرمائی کہ علیٰ عموم حفاظ اگر ایک یا دو دن میں ختم قرآن کریں، تو سمجھ نہ سکیں گے، بعض بندے جو اس پر قادر ہیں وہ اس حکم سے غیور رہیں، جیسے حضرت عثمان وغیرہم صحابہ کرام ایک رکعت میں قرآن ختم کرتے تھے اس ہی بیٹے اس حدیث کی شرح میں مرقات و معات شریف میں ہے کہ بعض بزرگ ایک دن و رات میں ختم کرتے تھے، بعض حضرات ختم فرما بیٹے تھے اور شیخ ابو یوسف مغربی ایک دن و رات میں ستر ہزار قرآن پڑھ لیتے تھے انہوں نے ایک دفعہ حجر سود جو مردود رکھ کر پڑھتے آتے ختم قرآن کر پڑھ کر لوگوں کے خوف بکرب سنا (مرقاۃ جلد ۲ ص ۲۶۲) وہ تلاوت قرآن میں ہے۔

وَلَا يَحْتَفِظُ إِلَّا بِحَدِّكَ تَحْتَلِفُ بِأَحْصَاصٍ "حق یہ ہے کہ تم مختلف لوگوں کے لحاظ سے مختلف ہے۔"

اعتراض نمبر ۳ حدیث مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے حویل حدیث نقل فرمائی جس کے سخری الفاظ یہ ہیں۔

”وَقَرَأْنِي كُلَّ سَبْعٍ لَيْلٍ وَلَا تَرُدُّ (مقلوبہ و منقولہ) ”ہر ہفتہ میں ایک قرآن ختم کرو۔ اس پر زیادہ نہ کرو۔“

دیکھو حضرت عبداللہ بن عمر نے حضور سے جلد ختم کرنے کی اجازت مانگی حضور ﷺ نے فرمایا تو ختم دیا کہ ایک ماہ میں ایک ختم کرو۔ اصرار کرنے پر ارشاد ہوا کہ ایک ہفتہ سے کم میں قرآن ختم نہ کرنا چاہیے لہذا شیعہ منع ہے۔

جواب مکرر ﷺ کا یہ جواب عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حالت کے لحاظ سے ہے، وہ ایک دور ت میں ختم کرنے پر مصافحہ پڑھ سکتے تھے۔ یہاں دائمی تلاوت کا ذکر ہے کہ گزرا دور نہ رہتا۔ ایک ختم کیا کرے تو دنیاوی کاروبار معطل ہو جاویں گے اگر سال میں ایک آدھ دن میں قرآن ختم کیا جاوے تو کوئی حرج نہیں جن صحابہ نے ایک ایک رکعت میں ایک ایک قرآن پڑھا ہے انہیں یہ حدیث معلوم تھی پھر بھی ایک رکعت میں ختم کرتے تھے۔

اعتراض نمبر ۴ حضور ﷺ نے کبھی ایک دورات میں پورا قرآن نہ پڑھا لہذا شیعہ بدعت ہے اور بدعت سے بچنا چاہیے۔

جواب حضور ﷺ کا ایک سب میں پورا قرآن پڑھنا وہ جسے ہے ایک یہ کہ آپ کی ذل حیات شریف میں پورا قرآن اترا ہی نہ تھا، وفات سے کچھ پہلے قرآن کی تکمیل ہوئی۔ لہذا وہاں ختم قرآن کا سو اس ہی پیدا نہیں ہوتا، دوسرے یہ کہ آپ ﷺ نے اپنی امت پر حرم فرمایا، تاکہ شیعہ پڑھنا ان پر ضروری نہ ہو جائے، پھر صحابہ نے شیعہ پڑھنا، جیسے حضور ﷺ نے تراویح ہمیشہ نہ پڑھی، پھر صحابہ نے ہر ماہ و ہر عت سے پڑھی۔ (شیعہ سنت صحابہ ہے) جس پر عمل کرنے سے ان شاء اللہ وہی ثواب ملے گا، جو سنت رسول ﷺ پر عمل کرنے سے ملتا ہے سنت صحابہ کو بدعت کہہ کر منع کرنا دہائیوں کو ہی سمجھا ہے ہم مل سنت یہ نہیں کہہ سکتے۔

اعتراض نمبر ۵ ”ج کل شیعہ کا یہ حال ہے کہ حافظ تلاوت کر رہا ہے، مقتدیوں میں کوئی سوراہا ہے، کوئی اوکھڑا ہوا ہے، کوئی سنسٹ بیٹھا ہے، اس میں قرآن کریم کی سب دہائی ہے اس لیے شیعہ بندہ ہو جانا چاہیے۔“

جواب یہ محض جھوٹا الزام ہے، شیعہ میں بعض لوگ ہر قاعدہ شیعہ سننے آتے ہیں وہ کھڑے ہو کر خوب شوق سے سنت ہیں، بعض محض شیعہ دیکھنے آتے ہیں وہ بیٹے بیٹھے رہ جاتے ہیں، جس میں کوئی حرج نہیں، قرآن سنا فرض کفایہ ہے، بعض کا سنا کافی ہے اور اگر بغرض محال مان بھی لیا جائے کہ سارے مسلمان سنتی سے سنتے ہیں تو کوشش کر کے سنیے دور کرو، شیعہ بندہ نہ کرو، آج کل شادی بیاہ میں بہت گناہ کیئے جاتے ہیں، مانع تماشے، باجے آکھاری سب ہی کچھ ہوتی ہے، ابراہیم بانی کلاچ بندہ نہ کرو، بلکہ ان چیزوں کو روکنے کی کوشش کرو، حضور ﷺ کے زمانہ میں کعبہ شریف میں بت تھیں، تو حضور ﷺ نے کعبہ نہ ڈھایا بلکہ جب رب سے قوت دی تب بتوں کو نکال دیا، مگر مسجد میں کتا گھس جاوے تو مسجد کو نہ گرو، نئے کو لالو، اگر چارپائی میں کھنڈ کپڑوں یا سر کے بالوں میں جو کچھ ہو جاویں، تو یہ کپڑے مار دو، چارپائی یا کپڑے یا ہاتھوں کو آگ نہ لگا دو، وہاں کعبہ کا یہ عجیب قاعدہ ہے کہ عبادتوں سے حریاں دور کرے کی بجائے خوب عبادت کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ لوگ اسی قسم کے بہانوں سے سارے مورخین کو روکتے ہیں، جیسے میں، و شریف، ختم بر رگاں وغیرہ مگر کسی بھائیوں نے ہمارے جواب یاد رکھا تو ان شاء اللہ وہاں کعبہ کے قتلوں سے بچ رہینگے، ہم نے شیعہ کے مسئلہ پر قدرے تفصیل سے گفتگو کی ہے کر دی کہ آج کل عام طور سے وہابی اس کے پیچھے چلے ہوئے ہیں، جہاں رمضان شریف میں کسی جگہ شیعہ کا اہتمام ہوا جھوٹ و باندی اور غیر مقلد وہابیوں نے حرم و شرک کے فتوے جڑے۔

تیسرا باب

بروقت جماعت سنت فجر پڑھنا

فقہی مسئلہ یہ ہے، کہ اگر کوئی شخص فجر کے وقت مسجد میں جب آئے جبکہ جماعت ہو رہی ہو اور بھی اس نے سنت فجر نہ پڑھی ہو تو سے چاہئے کہ جماعت سے کچھ قاصد پر کھڑے ہو کر سنت فجر پڑھ لے بشرطیکہ جماعت مل جائے تو یہ امید ہو اور التحیات بھی مل سکے تب بھی سنت فجر پڑھ لے مگر وہابی غیر مقلد اس کے تحت خلاف ہیں اور اسی مسئلہ کی وجہ سے حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کرتے ہیں اور کہتے ہیں، کہ ایسے موقعہ پر سنت فجر پھوڑ دے اور جماعت میں شرکت کرے ہم نہایت دبا سترہی سے اس باب کی دو شخصیں کرتے ہیں پہلی فصل میں مدہب حنفی کے دلائل دوسری فصل میں غیر مقلد وہابیوں کے سوالات مع جوابات رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

(۱) طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ بن ابی موسیٰ اشعری سے روایت کی۔

عَنْ أَبِيهِ حَيْثُ دَعَاهُمْ سَعِيدُ ابْنِ الْعَاصِ دُعَاءَ مُوسَى وَخَدِيعَةَ وَعَبْدُ اللَّهِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ الْغَدَاةَ ثُمَّ حَرَّخُوهُ مِنْ عِنْدِهِ وَقَدْ قُبِلَتِ الصَّلَاةُ فَعَلَسَ عِنْدَ اللَّهِ الْبَاسُطُ وَابَّةٌ مِنَ الْمَسْحُودِ فَصَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ ثُمَّ دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ

"اوپنے والد حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت کرتے ہیں، جب انیس سعید بن عاص نے دیا اس نے حضرت ابو موسیٰ حضرت خدیفہ اور عبد اللہ ابن مسعود کو بدیا نماز فجر پڑھنے سے پیچھے یہ حضرت سعید بن عاص کے پاس سے واپس ہوئے حالانکہ فجر کی گھیر ہو چکی تھی۔ حضرت ابن مسعود مسجد کے ایک ستون کے پاس بیٹھ گئے پھر وہاں دو رکعتیں پڑھیں پھر نماز میں شامل ہوئے۔"

دیکھو حضرت عبداللہ ابن مسعود نے جو فقہ صحابی ہیں، حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت خدیفہ کی موجودگی میں جماعت فجر ہوتے ہوئے سنت فجر پڑھیں، پھر جماعت میں شامل ہوئے اور اس پر نہ تو ان دونوں صحابوں سے کچھ اعتراض کیا۔ کسی دوسری سے معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کا عام طریقہ یہ ہی تھا کہ بوقت جماعت فجر سنت فجر پڑھتے پھر جماعت میں شامل ہوتے تھے اور صحابہ کرام بغیر حضور کے حکم کے ایسا نہ کر سکتے تھے غرضیکہ یہ فعل سنت صحابہ ہے۔

(۲) اسی طحاوی نے حضرت ابو جحلفہ سے روایت کی۔

قَالَ ذَكَرْتُ الْمَسْحُودَ فِي صَلَوةِ الْغَدَاةِ مَعَ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَالْإِمَامِ نَصْلَانِي فَمَا ابْنُ عُمَرَ فَدَخَلَ بِلِيٍّ لَصْفٍ وَأَمَّا ابْنُ عَبَّاسٍ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَ الْإِمَامِ فَلَمَّا سَمِعَ الْإِمَامَ قَعْدَ ابْنِ عُمَرَ مَكَارَهُ حَتَّى طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ

"اوپر فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ ابن عمر اور عبداللہ ابن عباس کے ساتھ مسجد میں گیا حالانکہ امام نماز پڑھا رہا تھا حضرت ابن عمر تو صف میں داخل ہو گئے، لیکن حضرت ابن عباس نے اور دو سنتیں پڑھیں پھر امام کے ساتھ نماز میں داخل ہوئے پھر جب امام نے سلام پھیرا تو ابن عمر وہاں ہی بیٹھے رہے جب سورج نکل آیا تو دو رکعت نقل پڑھیں۔"

حضرت عبد اللہ بن عباس سے جو بڑے فقیر صحابی اور حضور ﷺ کے اہل بیت اچھا رہے ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کی موجودگی میں جماعت فجر کے وقت دو سنتیں پڑھ کر جماعت میں شرکت فرمائی اور کسی نے آپ پر اعتراض نہ کیا۔

(۳) اس طحاوی نے حضرت ابومحان انصاری سے روایت کی۔

قَالَ حَاءَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ عَبَّاسٍ وَالْإِمَامِ فِي صَلَوةِ الْغَدَاةِ وَلَهُ يَكُنْ صَلَّي الرَّكْعَتَيْنِ فَصَلَّ ابْنُ عَبَّاسٍ الرَّكْعَتَيْنِ حَتَّى الْإِمَامُ ثُمَّ دَخَلَ مَعَهُنَّ

"کہ حضرت عبداللہ بن عباس مسجد میں اس حال میں آئے، کہ امام نماز فجر میں تھے اور حضرت ابن عباس نے ابھی سنت فجر نہ پڑھی تھیں، تو آپ نے امام کے پیچھے (دور) دو رکعتیں پڑھیں پھر ان سے کے ساتھ شامل ہوئے۔"

(۴) طحاوی شریف نے حضرت محمد بن کعب سے روایت کی۔

قَالَ حَرَّحَ ابْنُ عُمَرَ مِنْ بَيْنِهِ فَأَقْبَمَتْ صَوْدُ الصُّبْحِ فَرَكِعَ رُكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ الْمَسْجِدَ وَهُوَ فِي الطَّرِيقِ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلَّى الصُّبْحَ مَعَ أَهْلِ الْمَسْجِدِ
”فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر اپنے گھر سے نکلے اور نماز صبح کی تعمیر ہوئی تو آپ مسجد میں آنے سے پہلے ہی دو رکعتیں پڑھیں حالانکہ آپ راستہ میں تھے پھر مسجد میں آئے اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی۔“

(۵) طحاوی شریف نے حضرت ابی عبد اللہ سے روایت کی۔

عَنْ أَبِي الدُّرْدَاءِ أَنَّهُ كَانَ يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ وَأَسَاسُ صُفُوفٍ فِي صَوْدِ الْفَجْرِ فَيُصَلِّي الرُّكْعَتَيْنِ فِي مَحِيطَةِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي الصَّلَاةِ
”کہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لاتے تھے حالانکہ لوگ نماز فجر میں صف بستہ ہوتے تھے تو آپ مسجد کے ایک گوشہ میں دو رکعتیں پڑھا لیتے تھے پھر قوم کے ساتھ نماز میں شامل ہوتے۔“

(۶) طحاوی شریف نے حضرت ابو عثمان مہدی سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا سَاتِي غَمْرَ ابْنِ الْخَطَّابِ قَبْلَ أَنْ نُصَلِّيَ الرُّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَنُصَلِّيَ الرُّكْعَتَيْنِ فِي أَحْرَ الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي صَوْتِ هَمٍّ
”فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر فاروق کے پاس صنف فجر پڑھنے سے پہلے آتے تھے حالانکہ حضرت عمر نماز میں ہوتے تھے تو ہم مسجد کے کنارے پر صنف فجر پڑھا لیتے تھے پھر قوم کے ساتھ نماز میں شامل ہو جاتے تھے۔“

(۷) طحاوی شریف نے حضرت یونس سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ أَحْسَنُ بَقُولُ بَصَلِيهِمَا فِي مَحِيطَةِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي صَوْتِ هَمٍّ
”کہ امام حسن فرماتے تھے کہ صنف فجر مسجد کے ایک گوشہ میں پڑھا لے پھر قوم کے ساتھ ان کی نماز میں شامل ہو جاوے۔“

(۸) طحاوی شریف نے حضرت نافع سے روایت کی۔

بِقَوْلِ ابْنِ عُمَرَ لَصَوْدِ الْفَجْرِ وَفَدَّ أَقْبَمَتْ الصَّلَاةَ لَقَامَ فَصَلَّى الرُّكْعَتَيْنِ
”فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد بن عمر کو نماز فجر کے لیے بیدار کیا حالانکہ فجر کی تعمیر ہو رہی تھی تو آپ نے پہلے صنف فجر پڑھیں۔“

(۹) طحاوی شریف نے حضرت امام شعبی سے روایت کی۔

كَانَ مَسْرُوقٌ يَحِيُ إِلَى الْقَوْمِ وَهُمْ فِي الصَّلَاةِ وَلَمْ يَكُنْ رَكْعَ رُكْعَتَيْنِ لَفَجْرِ فَيُصَلِّي الرُّكْعَتَيْنِ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي صَلَاتِهِمْ
”حضرت مسروق قوم کے پاس آتے تھے جب کہ وہ نماز فجر میں مشغول ہوتے وہ مسروق نے صنف فجر پڑھی ہوئی تو آپ مسجد میں پہلے دو رکعتیں پڑھا لیتے پھر قوم کیساتھ نماز میں شامل ہوتے تھے۔“

(۱۰) طحاوی شریف نے حضرت عبد اللہ ابن ابی موسیٰ اشعری سے روایت کی۔

أَنَّهُ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَالْأَمْرُ فِي الصَّلَاةِ فَصَلَّى رُكْعَتَيْنِ الْفَجْرِ

”کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری مسجد میں آئے حالانکہ امر نماز میں تھا آپ نے پہلے دو صنف فجر پڑھیں۔“

یہ دس حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئیں ورنہ اس کے متعلق بہت روایات ہیں مگر شوق ہو تو طحاوی شریف کا مطالعہ فرمادیں۔

عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہر حالت میں سنت فجر پہلے پڑھے پھر جماعت میں شریک ہو، کیونکہ تمام سوکدہ سنتوں میں سنت فجر کی زیادہ تاکید ہے حتیٰ کہ مسلم بخاری ابوداؤد ترمذی و نسائی شریف نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

(۱۵۲۱) لَمْ يَكُنِ الشَّيْءُ صَلَّيَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمِي شَيْئٌ مِنَ التَّوْفِ فِي أَشَدِّ بَعَاظِهِ مَعَهُ عَلَى رَأْعَتِي الْفَجْرِ
”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جتنی تکبیر پڑھا کرتی تھی کسی سنت کی تفرغ نہ فرماتے تھے۔“

اور احمد، طحاوی، یوزاؤد شریف نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

(۸۲۱۶) قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَذْغُوا رُكْعَتِي الصُّبْحِ وَإِنْ طَرَدَتْكُمْ الْحِيلُ

”فرمایا نبی ﷺ نے کہ سنت فجر نہ چھوڑو، اگرچہ تمہیں دشمن کا شکر بھاگ رہا ہو۔“

غرضیکہ سنت فجر کی بہت تاکید ہے اور اگر سنت فجر رو جائے یا کسی فرض پڑھ لیجئے جاویں تو اس کی قضا نہیں ہوتی، سنت ظہر تو فرض ظہر کے بعد بھی پڑھ لیجئے جاتے ہیں، عصر جمعہ بھی واجب ہے، اگر یہ شخص سنت فجر کی وجہ سے جماعت چھوڑ دے، تو جب کا تارک ہو، اور اگر جماعت کی وجہ سے سنت فجر چھوڑ دے، تو اتنی ہم سنت مؤکدہ کا تارک ہو۔ لہذا اس میں سے کسی کو نہ چھوڑے۔ اگر جماعت مل سکے تو پہلے سنت فجر پڑھ لے، پھر جماعت میں شامل ہو جاوے اور عبادتیں کرنا بہتر ہے، ایک کو چھوڑنا بہت نہیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ جہاں جماعت ہو رہی ہو، وہاں ہی سنت فجر پڑھنا منع ہے کہ اس میں جماعت مخالفت اور اس سے منہ پھیرنا ہے، لہذا کسی جگہ کھڑا ہو، جہاں جماعت میں شامل نہ معلوم ہو، مسجد کے گوشہ یا دوسرے حصہ میں۔

ظہر کی پہلی سنتیں مؤکدہ ہیں، مگر بعد فرض پڑھی جاسکتی ہیں اور سنت عصر و عشاء مؤکدہ ہیں، اگر مؤکدہ ہیں اس لیے انہیں بوقت جماعت نہیں پڑھ سکتے، سنت فجر مؤکدہ بھی ہیں اور بعد فرض پڑھی بھی نہیں جاسکتی، اس لیے اگر جماعت مل جائے کی امید ہو، تو پڑھ لے لیکن اگر جماعت نہ مل سکے تو پھر سنت فجر چھوڑ دے، کہ جماعت واجب ہے، اور جب سنت سے زیادہ اہم ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک اس مسئلہ پر جس قدر اعتراضات معلوم کر سکے ہیں وہ مع جوابات نہایت دیا سنت نبوی سے عرض کیئے دیتے ہیں۔ اگر سمجھ نہ کوئی اور اعتراض ہمارے علم میں آیا تو ان شاء اللہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں اس کا بھی جواب عرض کر دیں گے۔

اعتراض نمبر ۱ طحاوی و میر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

غُضُّ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنْ أَدْفَعْتُ الصَّلَاةَ فَلَا صَوَّةَ لَا لِمَكْرُومَةٍ

”آپ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب نماز کی تعمیر کی جاوے تو فرض کے سوا کوئی نماز نہیں۔“

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ فجر کی تعمیر ہو جانے پر سنتیں پڑھنا، اس حدیث کے صریح خلاف ہے، کیونکہ تعمیر ہو چکنے کے بعد صرف فرض نماز ہی پڑھی جاتی ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے، کیونکہ تم بھی کہتے ہو کہ فجر کی تعمیر ہو جائے یا اگر کھڑے یا مسجد کے علاوہ دوسری جگہ سنتیں پڑھ لے، اگر دو دو جگہ مسجد کے بالکل متصل ہو جہاں تک امام کی قرات کی آواز جاری ہو، اور جماعت وہاں سے نظر آ رہی ہو تو جو تم جواب دے گے وہی حلال و حرام ہے۔

دوسرے یہ کہ اگر کسی سنت فجر یا دوسرے فرض جماعت سے پہلے شروع کر دیئے ہوں اور دوسروں میں فجر کی جماعت کھڑی ہو جاوے تو تم بھی اس نماز کا توراؤ واجب نہیں کہتے بلکہ جائز ہے کہ یہ نماز پوری کر کے جماعت میں شریک ہو حالانکہ اس حدیث میں کچھ تفصیل نہیں، لہذا یہ حدیث گویا محض ہے، جس پر بغیر تفصیل عمل ناممکن ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث مرفوع صحیح نہیں صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا فرماں ہے جیسا کہ اسی جگہ طحاوی شریف نے بہت تحقیق سے بیان فرمایا اور ہم پہلی فصل میں ثابت کر چکے ہیں کہ فقہاء صحابہ جماعت فجر کے وقت سنت فجر پڑھ کر جماعت میں شریک ہوتے تھے لہذا اس کا عمل دونوں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول پر ترجیح پاوے گا۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث پر ہر شخص عمل نہیں کر سکتا کیونکہ صاحب تربیت جس پر ترقی نماز فرض ہے اگر اس کی عشاء قضا ہوگئی ہو در جماعت فجر قائم ہو جاوے تو وہ اؤلاً عشاء قضا کرے، پھر جماعت میں شرکت کرے ورنہ ترتیب کے خلاف ہوگا۔

پانچویں یہ کہ اگر یہ حدیث مرفوع درست ہو، تب اس کے معنی یہ ہی ہوں گے کہ تعمیر فجر کے وقت جماعت کی جگہ جیسی صف سے متصل سنت فجر نہ پڑھے، بلکہ مسجد کے گوشہ میں جماعت سے علیحدہ پڑھے، تاکہ وہ بارخبر بیاں لازم نہ آوے، حنفی یہ ہے کہتے ہیں کہ جماعت سے متصل سنت فجر ہرگز نہ پڑھے۔

چھٹے یہ کہ علی شریف میں یہ حدیث اس طرح مروی ہے۔

«أَقْبَمْتُ الصَّلَاةَ فَلَا صَلَوةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةُ إِلَّا رُكْعَتِي الْمَعْمُورَ»

”جب لی رکی تکبیر کی جاوے تو سوائے فرض کوئی نماز جائز نہیں، بجز سنت فجر کے۔“

اس صورت میں آپ کا اعتراض بڑے کٹ گیا۔ یعنی کی یہ روایت اگر ضعیف بھی ہو تو بھی عمل صحابہ کی وجہ سے قوی ہو جاوے گی، عمل صحابہ پہلی فصل میں عرض کر چکے وہاں ملاحظہ فرماد۔

تو میں یہ کہ آپ کی پیش کردہ حدیث کے معنی یہ ہیں کہ تکبیر نماز کے بعد کوئی نفل جائز نہیں یعنی یہ درست نہیں کہ جماعت ہو رہی ہو اور دوسر آدمی اس جگہ نفل پڑھے جاوے۔ سنت فجر نفل نہیں بلکہ مکروہ سنت ہے ہی تاویل اس لیے سے تا کہ احادیث میں تصریح نہ رہے۔

اعتراض نمبر ۴ ممدوحی شریف نے حضرت مالک ابن انس رحمہ اللہ سے روایت کی۔

قَالَ قُتِبْتُ صَلَاةَ الْمَعْمُورِ لِمَا رَوَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى رَجُلٍ يُصَلِّي رُكْعَتِي الْمَعْمُورِ

فَقَدِمَ عَلَيْهِ وَلَا تَبَهُ النَّاسُ فَقَالَ تَصْنِيهِمْ رُبْعًا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ

”کہ ایک دن فجر کی تکبیر کی گئی اس حضور ﷺ ایک شخص پر نذرے جو سنت فجر پڑھ رہا تھا اس پر کھڑے ہو گئے دو لوگوں نے بھی سے گھیر لیا فرمایا کہ کیا تو فجر کے فرض چار پڑھتا ہے یہ تمہیں یاد فرمایا۔“

اس حدیث میں سنت فجر کا مکرہ نہ دیا گیا جس میں کوئی تاویل نہیں ہو سکتی معلوم ہوا کہ تکبیر فجر کے وقت سنت فجر منع ہے۔

جواب یہ صاحب مالک ابن انس رحمہ اللہ کے صاحبزادے عبد اللہ تھے وہاں ہی سنت فجر پڑھ رہے تھے جہاں جماعت ہو رہی تھی یعنی صف سے متصل، یہ واقعی مکروہ ہے، اسی پر حضور ﷺ نے عتاب فرمایا، چنانچہ اسی ممدوحی شریف میں اس حدیث سے کچھ آگے یہ حدیث متصل طور پر اس طرح مذکور ہے۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَعْدِ ابْنِ مَالِكِ ابْنِ بُحَيْصَةَ

وَهُوَ مُتَّصِلٌ نَحْنُ بَيْنَ يَدَيِ بَدَاءِ الصُّبْحِ فَعَالَ لَا نَحْمِلُوا هَذِهِ الصَّلَاةَ كَصَلَاةِ اسْتِهْمَا فَصَلَا

”محمد ابن عبد الرحمن سے روایت ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام عبد اللہ بن مالک ابن بحیصہ پر گزرے حالانکہ وہ وہاں ہی کھڑے ہوئے تھے تکبیر فجر کے بالکل سامنے، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس سنت فجر کو ظہر کی جیسی چھٹی سنتوں کو طرح۔ بناؤ، سنت فجر اور فرض فجر میں فاصلہ کرو۔“

اس حدیث نے آپ کی پیش کردہ حدیث کو بالکل دھخ کر دیا، اگر سنت فجر جماعت سے دور پڑھی جاوے تو بلا کر کہہ جاوے کہ جماعت سے متصل پڑھنا منع ہے، یہی ہم کہتے ہیں لہذا آپ کا اعتراض اصل سے بے لگ ہے۔

اعتراض نمبر ۵ جماعت فجر کے وقت چونکہ امام کی تلاوت کی آواز اس شخص کے کان میں بھی آوے گی اس لیے اس وقت سنت فجر نہ پڑھنا چاہیے، رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب قرآن پڑھا جاوے تو سے کان کا ترسنا اور خاموش رہو، لہذا سنت فجر جماعت کے وقت پڑھنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ ہم کو سخت تعجب ہے کہ یہاں تو آپ سنت فجر اس لیے منع فرماتے ہیں کہ تلاوت قرآن کے وقت خاموش رہنا فرض ہے اور خود آپ ہی امام کے پیچھے مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض کہتے ہیں، کیا قرآن کو غلط نام میں آپ کو یہ آیت یاد نہ رہی۔

دوسرے یہ کہ یہ اعتراض خود تم پر بھی پڑتا ہے تم کہتے ہو کہ مسجد کے باہر سنت فجر پڑھ سکتے ہیں مگر چودہ جگہ مسجد سے بالکل خصل ہو جہاں قرآن شریف پڑھنے کی آواز پہنچتی رہی ہو۔

تیسرے یہ کہ قرآن کا سنتا اور تلاوت کے وقت خاموش رہنا فرض کفایہ ہے، فرض عین نہیں مقتدیوں کا سنتا اور خاموش رہنا کافی ہے، اگر فرض عین ہوتا تو بہت مشکل درپیش آتی، ایک شخص کی تلاوت جہاں تک اس کی آواز پہنچتی ہو وہاں تک طعام کلام اور دنیاوی کاروبار بند ہو جاتے، ساجد سانس کا زور ہے، ریلوے پر تلاوت قرآن ہوتی ہے، جس کی آواز ساری دنیا میں پہنچتی ہے، اگر سنتا خاموش رہنا فرض عین ہو تو مصیبت آجاوے بہر حال یہ اعتراض محض لغو ہے۔

اعتراض نمبر ۵ جماعت فجر کے وقت سنت فجر پڑھنے میں جماعت کے مخالفت ہے کہ لوگ قیام میں ہیں یہ رکوع یا سجدہ میں لوگ سجدہ میں

ہیں، یہ التقیات میں اور مخالفت جماعت سخت بُری چیز ہے۔

جواب یہ مخالفت جب ہوگی جبکہ جماعت سے متصل سنت فجر پڑھی جاوے اسے ہم بھی سخت مکروہ کہتے ہیں، اگر جماعت سے دور مسجد کے گوشہ یا

دوسرے حصہ میں پڑھے تو مخالفت بالکل نہیں، بلکہ بوقت ضرورت یہ مخالفت بھی جائز ہوتی ہے، دیکھو جس مقتدی کا وضو ٹوٹ جاوے، اور وضو کر کے

واپس آئے اسی ثناء میں دو یک رکعت ہو چکیں تو اپنی جگہ پہنچ کر یہ غصہ پکلی اپنی نوبت شدہ رکعتیں پڑھے گا، پھر جماعت کے ساتھ شامل ہوگا، نہ

رکعتوں کے ادا کرنے میں تاہر ہے کہ جماعت کی مخالفت ہوگی مگر ضرور پڑھا جائے سنت فجر بھی ضروری ہے اگر جماعت سے دور رہ کر ادا کریں چاہیں تو

کوئی حرج نہیں۔

خدمت میں نے عرض کیا پھر کونسا عمل فرماید اللہ کی راہ میں جہاد فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے یہ باتیں فرمائی ہیں مگر زیادہ پوچھتا تو زیادہ بتاتے۔“

نمبر ۷ تا ۱۰ احمد، ابوداؤد، ترمذی نے حضرت عباد بن صامت سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُضُنُ صَوَابٍ أَفْرَصُهُنَّ اللَّهُ تَعَالَى مِنْ الْخَسِيسِ وَصَوَابٍ هُنَّ وَصَلَاتُهُنَّ لَوْ فَتِهْنُ وَأَتَمُّ رُكُوعُهُنَّ وَحُشُونُهُنَّ كَرٍّ لَهْ عَلَى اللَّهِ عَهْدٌ أَنِّي يَغْفِرُ لَهُ“

”فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے رب سے پانچ نمازیں فرض کیں جو مسلمان اس کا وضو بھی طرح کرے اور انہیں ان کے وقت پر دکرے اور اس کا رکوع در حضور قلبی پور کرے تو اس کے حقیقی اللہ کے کرم پر وعدہ ہے کہ سے بخش دے۔“

نمبر ۱۱ ترمذی شریف نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا عَلِيُّ ثَلَاثٌ لَا تُؤَخَّرُهَا صَلَاةٌ إِذَا آتَتْ وَنَجْرَةٌ إِذَا حَضَرَتْ وَلَا تَيْمٌ إِذَا وَجَدْتَ لَا تُكْفَرُ“

”بیکٹ نہی ﷺ نے فرمایا اے علی تین چیزوں میں دیر مت نکاد نماز جب آ جاوے اور جنازہ جب موجود ہو بلکہ جب تم اس کا کھوپاؤ۔“

نمبر ۱۲ تا ۱۴ احمد، ترمذی، ابوداؤد نے حضرت مہرود سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا عَمَالَ الْفَصْلُ قَالَ الضُّوْءُ لَاؤُنْ وَفَتْهُ“

”فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کونسا عمل افضل ہے فرمایا نماز پڑھنا اس کے اول وقت مستحب میں۔“

نمبر ۱۵ مسلم شریف نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةٌ بِمَقَامِ الْخَمْسِ وَبِرُقَّتِ الشَّمْسُ حَتَّى إِذَا أَصْفَرَتْ وَكَانَتْ بَيْنَ قُرُونِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَفَرَّ مِنْهَا لَا يَذْكُرُ لَهُ لَا قَبِيلًا“

”فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے یہ منقہ کی نماز ہے کہ میں جو اس وقت کا انتظار کرتا رہے یہاں تک کہ جب زرد ہو جائے اور سورج شیطان کے دو بیٹوں کے درمیان پہنچ جاوے تو چار چوڑی مارے جن میں رب کا ذکر تھوڑا کرے۔“

اس قسم کی احادیث بیشمار ہیں، جس میں نماز کو وقت پر ادا کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے اور دیر سے یا وقت مکروہ میں نماز پڑھنے پر سخت عقاب فرمایا، اسے منافقوں کا عمل قرار دیا گیا، یہاں بطور نمونہ چند احادیث پیش کی گئیں، انہوں نے ان وہابی غیر مقلدوں پر، جو گھر سے داخل جا کر، سہرا کا پہنا کر، وقت نکال کر نماز پڑھتے ہیں، کو کوئی مجبوری ہوتی ہے، کوئی بذر، صرف نفس امروہ کا دھوکہ ہے، کھانا وقت پر کھا میں، دیا ای قیام کام خوب سبھاں کر کر ہیں، مگر نمازیں بگاڑیں، جو اسلام کا پہلا فریضہ اور اعلیٰ رکن و مسلمانوں کو چاہئے کہ وہابیوں کی صحبت سے بچیں، اور سفر و حضر میں ہر نماز اپنے وقت پر پڑھیں،

تخل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ سفر میں ہر نماز اپنے وقت پر پڑھی جاوے، ظہر کو عصر کے وقت میں اور مغرب کو عشاء کے وقت میں نہ پڑھے، کیوں کہ شریعت نے پانچوں نمازیں اور نماز جمعہ، نماز عیدین، نماز تہجد، نماز اشراق، نماز چاشت سب کے اوقات علیحدہ علیحدہ مقرر فرمائے کہ ان میں سے کسی نماز کو دوسری نماز کے وقت میں ادا نہیں کیا جاتا، مسافر بحالت سفر نماز فجر، نماز عصر، نماز عشاء کو اپنے وقت میں ہی پڑھتا ہے، ایسے ہی مسافر نماز تہجد، نماز اشراق، نماز چاشت، نماز جمعہ پڑھے، تو اس کے مقرر وقتوں ہی میں پڑھے گا، یہ نہیں کر سکتا کہ نماز تہجد سورج نکلنے کے بعد یا نماز عصر کے وقت میں یا نماز فجر آفتاب نکلنے یا نماز عشاء صبح صادق ہو جانے پر پڑھے، تو ظہر اور مغرب نے کیا قصور کیا ہے کہ مسافر صبح ظہر کو عصر کے وقت میں پڑھیں، اور مغرب عشاء کے وقت میں، حالانکہ سفر میں ان دونوں نمازوں کے وہی وقت ہیں، جو حضر میں ہیں، دوسرے یہ کہ وہابی صاحب بتائیں کہ جب وہ سفر میں ظہر کو عصر کے وقت میں اور مغرب کو عشاء کے وقت میں پڑھتے ہیں تو یہ ظہر اور مغرب ادا ہوتی ہے، یا قضاء مگر قضاء ہوتی ہے تو دیکھ دو وائے نماز وقف کرنا سخت گناہ ہے اور گرا دیا ہوتی ہے تو کیوں حضرت جبریل امین سے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں نمازوں کے اوقات عرض کئے تو یہ فرمایا کہ مسافر کے لئے ظہر کا وقت آفتاب ڈوبنے تک اور مغرب کا وقت صبح صادق تک ہوگا۔ بلکہ ہر مسلمان کے لئے وقت ظہر عصر سے پہلے ختم ہوئے اور وقت مغرب عشاء سے پہلے ختم ہونے کا حکم دیا تھا، پھر تم نے مسافر کے لئے ان دونوں نمازوں میں یہ وقت کی گنجائش کہاں سے نکالی، اور مسلمانوں کی نمازیں کیوں حرام کیں، بہر حال پانچ نمازوں کے اوقات مسافر و مقیم ہر ایک کے لئے یکساں ہیں، ہر مسلمان پر فرض ہے کہ ہر حال میں نماز اس کے وقت میں پڑھے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلد وہابی سب تک اس مسئلے کے متعلق جس قدر اعتراضات کر سکے ہیں ہم وہ تمام نقل کر کے ہر ایک کے جوابات عرض کرتے ہیں، آمین۔ اگر کوئی اور اعتراض ہمارے علم میں آیا تو نشاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں اس کا جواب بھی عرض کر دیا جائے گا۔

اعتراض نمبر ۱ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ صَلَاةِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ إِذَا كَانَ عَلَى ظَهْرِ سَبْعِينَ يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ

”فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ جب سفر میں ہوتے تو نہ ظہر و عصر جمع فرماتے تھے اور مغرب و عشاء بھی جمع فرماتے تھے۔“

یہ حدیث ابوداؤد، ترمذی، موسیٰ امام مالک، مؤلف، امام محمد، طحاوی شریف وغیرہ بہت محدثین نے مختلف روایوں سے کچھ فرق سے بیان فرمائی ہے۔ یہی حدیث وہابیوں کی انتہائی دلیل ہے۔ جسے وہ بہت قوی دلیل سمجھتے ہیں۔

جواب اس کے چند جواب ہیں، بغور ملاحظہ فرمادے۔

ایک یہ کہ ابوداؤد شریف اور طحاوی شریف وغیرہ ہم نے انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت کی کہ حضور ﷺ بغیر سفر بغیر خوف کے مدینہ منورہ میں بھی ظہر و عصر ایسے ہی مغرب و عشاء جمع فرماتے تھے۔ چنانچہ ابوداؤد شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ جَمَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمَدِينَةِ مِنْ غَيْرِ خَوْفٍ وَلَا مَطَرٍ

”ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ ظہر و عصر مغرب و عشاء مدینہ منورہ میں بغیر ہارش اور بغیر خوف کے جمع فرماتے تھے۔“

چنانچہ ابوداؤد شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ لَعَالِيًا وَسَبْعًا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ

”حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے مدینہ منورہ میں سات نمازیں آٹھ نمازیں جمع کر کے ہم کو پڑھا کیں ظہر و عصر، مغرب و عشاء۔“

تو اسے دہرایا تم صرف سفر میں، صرف ظہر و عصر، مغرب و عشاء پڑھائی کہیں کرتے ہو؟ کہیں چاہے کہ روافض کی طرح سات آٹھ ٹھہرائیں ایک دم پڑھ کر آرام کیا کرو، سفر میں بھی، اور گھر میں بھی، کیا بعض احادیث کو مانتے ہو، بعض کے نکاری ہو؟

دوسرے یہ کہ تمہاری پیش کردہ بخاری کی روایت میں یہ مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر و عصر جمع فرمائی، مگر یہ تفصیل نہیں کہ کیسے جمع فرمائی، آیا عصر کو ظہر کے وقت میں پڑھا یا ظہر کو عصر کے وقت میں، ایسے ہی مغرب و عشاء کے وقت میں پڑھی، یا عشاء مغرب کے وقت میں، لہذا یہ حدیث محمل ہے، اور محمل حدیث بغیر تفصیل کے قابل عمل نہیں ہوتی۔

تیسرے یہ کہ حضور ﷺ کا سفر میں ان نمازوں کو جمع فرمانا عذر سفر کی وجہ سے تھا، ضرورت پر بہت سی ممنوع چیزیں حلال ہو جاتی ہیں، اور جمع بھی صرف صورتاً تھا، حقیقتاً نہ تھا، یعنی حضور علیہ السلام نے ظہر و عصر کے وقت میں نہ پڑھی، بلکہ سفر کرتے کرتے ظہر کے آخر وقت میں قیام فرمایا، ظہر آخر وقت میں ادا فرمائی، اور عصر اول وقت میں، بظاہر معلوم یہ ہو کہ حضور علیہ السلام نے دونوں میں ایک وقت میں دفرمائیں، لیکن حقیقتاً ہر ناپنے وقت میں کوئی ظہر یا مغرب آپ سے آخر وقت میں پڑھی، عصر یا عشاء اول وقت میں اس صورت میں اس صورت میں یہ حدیث نہ قرآن کے خلاف ہوئی نہ دوسری اس حدیث کے جوہم نے پہلی فصل میں پیش کی۔ یہ جمع بالکل جائز ہے، یہی ہمارا مذہب ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس کی وہ حدیث جو طحاوی و ابوداؤد نے روایت کی جس میں فرمایا گیا کہ حضور علیہ السلام مدینہ منورہ میں بغیر خوف بغیر ہارش سات آٹھ نمازیں جمع فرماتے تھے وہاں سات آٹھ نمازیں حراذین، بلکہ سات آٹھ رکعتیں حرا ہیں کہ اگر مغرب و عشاء صورتاً جمع فرمائیں تو فرض کی سات رکعتیں جمع ہو گئیں، تین مغرب کی چار عشاء کی، اور اگر ظہر و عصر جمع فرمائیں تو آٹھ رکعت جمع ہو گئیں، تین مغرب کی چار عشاء کی، چنانچہ یہ جمع صورتاً تھی نہ کہ حقیقتاً لہذا سفر بھی جائز تھی، بیان جواز کے لیے، حدیث سمجھنے کے لیے شرعی عقل اور حدیث والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے رشد علی چاہئے جس سے وہابی بے بہرہ ہیں۔

اصل معنی کی تائید

مذاہب جمع کرنے کے جو معنی ہم نے بیان کئے اس معنی کی تائید بہت سی احادیث سے ہوتی ہے، جس میں سے بعض جاوید نقل کی جاتی ہیں، سنو اور ہجرت پکڑو۔

حدیث نمبر ۱ طبرانی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت کی۔

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنْ يَجْمَعُ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِوَاحِدٍ فِي آخِرِ وَقْتِهَا وَيُعْتَمِلُ هَدْيُ أَوَّلِ وَقْتِهَا

”وَيْسُكَ نَبِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِوَاحِدٍ فَرَمَاتے تھے کہ مغرب اس کے آخر وقت میں ادا فرماتے تھے، اور عشاء اس کے اوّل وقت میں۔“

حدیث نمبر ۲ بخاری شریف میں حضرت سالم سے ایک طویل حدیث روایت کی۔ جس کے کچھ الفاظ یہ ہیں۔

وَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ عُمَرَ يَقُولُ: إِذَا أَجْمَعُ شَيْئًا يَفْعَلُهُ الْمَغْرِبُ فَيَصْنَعُهَا ثُمَّ يَسْلِمُ ثُمَّ قَدْ مَاتَ حَتَّى يَقِيمَ الْعِشَاءَ فَيَصْنَعُهَا رُكْعَتَيْنِ

”عبداللہ بن عمر بھی حضور ﷺ کا سا عمل کرتے تھے، کہ جب سفر میں جلدی ہوتی تو مغرب کی تکبیر کہتے، دو رکعت پڑھتے پھر سلام پھیرتے پھر تھوڑی دیر ٹھرتے پھر عشاء کی تکبیر فرماتے، اور دو رکعت عشاء پڑھتے۔“

حدیث نمبر ۳ نسائی شریف نے حضرت نافع سے روایت کی۔

قَالَ قَبْلَهَا مَعَ ابْنِ عُمَرَ مِمَّنْ كُنْ بَيْنَكَ الْبَيْتُ سَارِبًا حَتَّى أَفْسِدَ فَضْلًا ثُمَّ يَسِي الضُّوْءَ لِقَبْلِهِ لَضُوءُ فَسَكَتٍ وَسَارَ حَتَّى كَادَ لِنُفُوسٍ يَغْفُ ثُمَّ سَرَّ فَصَلَّى وَغَابَ الشَّفَقُ فَصَلَّى الْعِشَاءَ ثُمَّ أَقْبَلَ عَيْنًا فَقَالَ هَكَذَا نَضَعُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَذَّاهُ الشَّيْءُ

”فرماتے ہیں، کہ ہم کہ معمر سے حضرت ابن عمر کے ساتھ تھے، جب یہ رات ہوئی تو آپ چلتے رہے یہاں تک کہ شام ہوگئی، لم سمجھے کہ حضرت عبداللہ نار ہوں گئے ہم نے ان سے کہا کہ نہ زہد نہ کچھ کمر آپ چلتے ہی رہے یہاں تک کہ شفق اوڑھنے کے قریب ہوگئی تو اترے اور مغرب پڑھی، پھر شفق غائب ہوگئی تو نماز عشاء پڑھی پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ہم حضور ﷺ کیسے کیا تھا بھی ایسا ہی کرتے تھے، جب سفر میں جلدی ہوتی۔“

اس قسم کی بیشمار حدیثیں ہیں، جس میں صریحاً رشاد ہو ہے کہ سفر میں عصر و ظہر یا مغرب و عشاء صرف سورۃ جمع کی جاویں گی، کہ مغرب اپنے آخر وقت میں پڑھی جاوے، عشاء اپنے اول وقت میں، نہ تو ظہر عصر کے وقت میں پڑھی جاوے نہ مغرب عشاء کے وقت میں، اگر اس حدیث کی تفصیل دیکھنی ہو؟

تو طحاوی شریف، درمجمیع السہاری وغیرہ کا مطالعہ فرماؤ، ہم نے صرف تین حدیثوں پر اکتفا کی، لہذا انہیں کی تو جیسہ ہانکل درست ہے، اس کی تائید قرآن کریم بھی کر رہا ہے، اور دیگر احادیث بھی وہاں کی توجیہ کھل باطل ہے، قرآن کریم کے بھی خلاف ہے اور احادیث کے بھی۔

وہابیہ! اگر تم اس حدیث کی وجہ سے سفر میں جمع حقیقی، نے ہو تو حضرت ابن عباس کی حدیث کی وجہ سے، حوالہ، قاضی سات بلکہ آنحضرت ﷺ کی حدیث سے بھی، ایک دم پڑھو کہ یہ حدیث ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں، جب تم اس حدیث میں جمع صوری مردہ دیتے ہو، تو یہاں جمع حقیقی کیوں مراد دیتے ہو؟ کیا بعض حدیثوں پر ایمان ہے بعض کا انکار۔

اعتراض نمبر ۴ بخاری شریف میں حضرت انس سے روایت کی، جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ كُنْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَرْتِجَ الشَّمْسُ احْجَعْ نَظْرَكَ إِلَى وَقْتِ الْعِشَاءِ ثُمَّ يَرُفَعُ يَدَيْهِمَا

”فرماتے ہیں، کہ اگر حضور ﷺ سورج اُٹھنے سے پہلے سفر کرتے تو ظہر کو عصر کے وقت تک مؤخر کرتے پھر دونوں نمازیں جمع فرماتے۔“

اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ظہر عصر کے وقت میں پڑھتے تھے، جیسا کہ اَلِی لَعَصْرُ سے ظاہر ہے۔

جواب آپ نے اس حدیث کا ترجمہ غلط کیا، اَلِی سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر کے وقت سے پہلے روز فرماتے تھے، غایت مغرب سے خارج ہے، نہ کہ داخل عصر تک مؤخر فرماتے تھے، جیسا کہ عتران نمبر کے جواب کی حدیث سے معلوم ہو، لہذا جمع صوری مراد ہے نہ کہ جمع حقیقی۔

اعتراض نمبر ۳ طحاوی شریف نے حضرت نافع سے روایت کی جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

حَتَّىٰ إِذَا كَانَ عَشَدُ غَيْبَةِ الشَّعْبِ بَرَأَ فَمَجَّ بِسُفْحَا وَقَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَكَذَّبَهُ إِذَا جَذَبَهُ السَّيْرُ

حضرت ابن عمر چلتے رہے یہاں تک کہ شفق غائب ہونے کا وقت آگیا تو اترے، پس مغرب و عشاء جمع کرنا میں اور قرآن یا کہ میں نے حضور ﷺ کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے جب سفر میں جلدی ہوتی۔“

اس حدیث میں صراحت مذکور ہے، کہ حضرت عبداللہ بن عمر شفق غائب ہونے کے وقت ترے یقیناً آپ سے مغرب و عشاء کے وقت میں پڑھی۔

جواب یہ بھی آپ کی غلط فہمی پر مبنی ہے، اس کے معنی یہ کہ جب شفق غائب ہونے کے بعد ترے معنی بالکل ظاہر ہیں کہ جب شفق غائب ہونے لگی تھی غائب ہونے کے قریب ہوئی تب ترے نماز مغرب پڑھتے ہیں شفق غائب ہوگئی

اور وقت عشاء آگیا، عشاء پڑھ لی، ہم پہلے اعتراض کے جواب میں اس ہی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل شریف بیان کر چکے ہیں جس میں تصریح ہے کہ آپ نے مغرب آخر وقت میں پڑھی اور عشاء اول وقت میں وہ حدیث تمہاری اس حدیث کی تفسیر ہے۔

اعتراض نمبر ۴ اگر ہر نماز اپنے وقت میں ہی پڑھنی چاہیے اور سفر وغیرہ عذر کی حالت میں بھی ایک نماز دوسری نماز کے وقت میں پڑھنا

گناہ ہے تو حاجی لوگ عرفات میں نویں ذی الحجہ کو ظہر و عصر ملا کر کیوں پڑھتے ہیں، ظہر کے وقت میں عصر اور دسویں ذی الحجہ کی شب کو مزدلفہ میں مغرب و عشاء ملا کر عشاء کے وقت میں کیوں پڑھتے ہیں، خفی بھی وہاں نمازوں کا جمع کرنا جائز کہتے ہیں، جب حج کے موقعہ پر نماز ظہر و عصر ایسے ہی مغرب و عشاء حقیقی طور پر ایک ہی وقت میں جمع ہو گئیں، تو اگر سفر میں جمع ہو جائیں تو کیا حرج ہے۔ اے خفیو! تم قرآنی آیت اور یہ احادیث حج میں کیوں بھول جاتے ہو؟ (یہاں کا انتہائی اعتراض ہے)

جواب جناب۔ تو عرصہ میں عصر ظہر کے وقت میں ادا ہوتی ہے۔ عرصہ میں مغرب عشاء کے وقت میں بلکہ وہاں حجاج کے لئے عصر کا وقت ظہر کی

طرف اور مغرب کا وقت عشاء کی طرف منتقل ہو گیا ہے، یہی وہاں مغرب کا وقت شفق غائب ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور عصر کا وقت ظہر پڑھتے ہی شروع ہو جاتا ہے جیسے وتر کا وقت عشاء کے عرض پڑھتے ہی شروع ہو جاتا ہے لہذا وہاں نمازیں اپنے وقت سے نہ ہوئیں، اور تم سفر میں نمازوں کو اپنے وقت سے ہٹ گئے نمازیں اپنے وقت ہی میں ہوئیں، اور تم سفر میں نمازوں کو اپنے وقت سے ہٹاتے ہو وقت ہٹ جانے اور نماز ہٹ جانے میں بڑا فرق ہے۔

اس کی کھلی دلیل یہ ہے کہ اگر عام عرفہ میں ظہر اپنے ہمیشہ کے وقت میں پڑھے اور عصر ہمیشہ کے وقت، تو سخت گنہگار ہوگا، گویا اس نے عصر قضا کر دی اور اگر اس دن مغرب کی نماز اپنے ہمیشہ کے وقت میں پڑھی، اور عشاء اپنے معمولی وقت میں تو نماز مغرب ہوگی ہی نہیں اور یہاں کرے والا سخت گنہگار ہوگا گویا اس نے مغرب کی نماز وقت سے پہلے پڑھ لی، معلوم ہو کہ آج اس نماز کے وقت ہی بدل دیئے گئے ہیں۔

لیکن اگر مسافر ظہر و عصر جمع نہ کرے بلکہ ظہر اپنے وقت میں پڑھے اور عصر اپنے وقت میں ایسے ہی مغرب پڑھے وقت میں پڑھے اور عشاء، اپنے وقت میں تو تم بھی سے گنہگار نہیں مانتے، بلا کر بہت جائز کہتے ہو معلوم ہو کہ تمہارے نزدیک بھی سفر میں وقت نماز نہیں بدلتا، بلکہ نماز دوسرے وقت میں ادا کی جاتی ہے لہذا حاجیوں کی عرصہ و عذر والی نمازیں۔۔۔ قرآنی آیات کے خلاف ہیں نہ احادیث کے خلاف۔ وہاں ہر نماز اپنے وقت میں ادا ہوتی ہے اور مسافر کا حقیقی طور پر نمازوں کا جمع کرنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے، احادیث کے بھی۔ حج میں اوقات نماز میں تبدیلی۔ حدیث مشہور بلکہ حدیث صحیح متواتر معنوی سے ثابت ہے اس پر اسی طرح عمل واجب ہے۔ جیسے آیت قرآنیہ پر عمل ضروری ہے۔

ہم سے یہاں جمع نماز کا مسئلہ مختصر طور سے عرض کر دیا ہے مگر اس کی پوری تحقیقی دیکھنا تو ہمارا حافیہ بخاری فیعم الباری میں یہ ہی بحث ملاحظہ کرو، ان شاء اللہ ہاں لطف آجادے گا۔

تا ظہرین کو نہ بخشوں سے پتہ لگ گیا ہوگا کہ مذہب حنفی بظہر تعالیٰ بہات مضبوط مدلل در بہت ہی قوی و قرآن مجید و احادیث کے بالکل مطابق ہے۔ وہاں غلط فہمی میں جملہ ہیں ان کے مذہب کی بنیاد محض غلط فہمی پر قائم ہے مذہب تعالیٰ ہم کو ای مذہب حنفی پر قائم رکھے۔

ہمارا دین حنفی ہے۔ مذہب حنفی یعنی ملت ابراہیمی اور مذہب نعمانی۔

پندرہواں باب

سفر کا فاصلہ تین دن کی راہ ہے

شریعت، سما میں بے مسافر کا یہ مہیوت دی ہے کہ اس پر چار رکعت فرض میں بچائے چار کے دو جب فرمائی ہیں، لیکن وہاں غیر مقلدوں کے بعض تفصیلی خواہش سے لز میں کمی کرنے کے لئے سفر کو ایسا عام کر دیا ہے کہ خدا کی پناہ۔ مگر سے کھیت دیکھے گئے مسافر میں گئے، ایک آدمی میل سیر و تفریح کرتے شہر سے باہر نکلے۔ مسافر میں بیٹھے، اور نماز میں کمی کر دی۔ شرکا سفر کی مسافت تین دن کی راہ ہے کہ جب انساں اپنے وطن سے تین دن کی مسافت کا رادہ کا۔ دو کر کے نکلے تو وہ مسافر ہے اس پر صرف چار رکعت دن فرضوں میں قعر واجب ہے یعنی بچائے چار کے دو پڑھے۔ یہ تین دن کی مسافت عام صحیح راستوں پر تقریباً ستادس میل انگریزی جتے ہیں ہر منزل ۱۹ میل کی کل تین منزلیں ۵۷ میل اور ریتیلے یا پہاڑی راستہ اس سے کم ہے گا، غرضیکہ تین دن کے رادہ کا اعتبار ہے۔

حاجیوں کو ضروری ہدایت

سج کل حرم میں طہنیں میں نجد ہوں کی حکومت ہے، نجدی امام حج کے زمانہ میں مکہ معظمہ سے منی و عرفات میں تکرار نماز اور کرتا ہے حالانکہ منی کا فاصلہ مکہ معظمہ سے صرف تیس میل ہے، اور عرفات کا فاصلہ نو میل۔ خلیفہ عرب کی رو سے وہ امام قعر نہیں کر سکتا اس لئے خلیفہ یوگ اس کے پیچھے ہرگز نماز نہ پڑھیں اور نہ نماز ہی نہ ہوگی۔

شائق یا متعلیٰ، مام کو ایسے موقع پر یہ چاہئے کہ دی الجہ کی تین سو تارخ کو تک منظر سے ۷۵ میل دور نکل جاوے پھر واپس ہوتے ہوئے منی و عرفات میں قصرین سے تاکہ خلیجوں کی ٹہریں بھی 'س' کے پیچھے درست ہوں حانیوں کو بہت حیداد چاہئے، اس باب کی بھی ہم دو فصل کرتے ہیں، پہلی فصل میں سفر کی اس مسافت کا ثبوت۔ دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جوابات۔

پہلے حصہ

مسافت سفر تین دن کا ثبوت

سفر کی مسافت کم از کم تین دن راہ ہے، اس سے کم کا صدر شرعاً سفر نہیں ٹاہیے، غرض پر سفر کے احکام جاری ہوں، دلائل حسب ذیل ہیں۔
حدیث ۱: بخاری شریف سے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔

اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ لَا تُبَايِعُ الْمَرْءَ اَنْ يَمْلِكَ بِمَعْدِي رَحِمٌ
 "بیچک نبی ﷺ نے فرمایا کہ عورت تمہیں اس کی مسافت کا سفر بغیر قرہی رشتہ دار کے نہ کرے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کو کیسے سفر کرنا حرام ہے، وہی رحم قرآن کے ساتھ سر کر سکتی ہے یہی سفر کی مدت حضور ﷺ نے تین دن فرمائی معلوم ہوا کہ سفر کی مسافت تین دن ہے۔

حدیث؟ مسلم شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ جَعَلَ اللَّهُ صُنَى اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ لِلْمَسَافِرِ وَيَوْمًا وَبَيْعَةً لِمُقِيمِيهِمْ
 "حضور ﷺ نے مسافروں پر مسج کی مدت مسافر کیلئے تین دن تین راتیں مقرر فرمائی اور مقیم کے لئے ایک دن رات۔"

حدیث ۹۶۳ ابو ذر غفاریؓ، انس حبشیؓ، عطاء بن ابی ریحانؓ، ابو ذر غفاریؓ، ابو ذر غفاریؓ، ابو ذر غفاریؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی۔

عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ هِيَ الصُّبْحُ عَلَى الْحَقِيقِ لِلْحَقِيقِ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ
وَالْمُسَافِرِ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ وَلَيَا لِيَهُنَّ

”وہی علیؑ سے روایت کرتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا کہ مقیم کیلئے موزوں پر صبح کی مدت، ایک دن ایک رات ہے اور مسافر کے لئے تین دن تین راتیں ہیں۔

حدیث ۱۶۵۱۰ اثرم نے اپنی سنن میں، اس خزی دار قطنی نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَبِ السَّيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ رَخَّصَ لِمُسَافِرِ ثَلَاثَةِ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ لِيَهَيَّوْا وَلِيُغْنِيَهُمْ يَوْمًا وَلَيْلَةً إِذَا تَطَهَّرُوا فَبَسَّ حَقِيْبُهُ أَنْ يَمْسَحَ عَلَيْهَا وَقَالَ الْخَطَّابِيُّ وَهُوَ صَحِيْحٌ لِإِسْنَادِهِ

"اور روایت کرتے ہیں نبی ﷺ سے کہ مسافر کے لئے تین دن تین رات تک مسح کی اجازت دی اور مقیم کے لئے ایک دن ایک رات تک مسح کی اجازت دی اور مقیم کے لئے ایک دن ایک رات جب کہ وضو کر کے سو رہے ہوتے ہوں۔"

خطابی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

حدیث ۱۵۵۱۳ ترمذی۔ نسائی نے حضرت صفوان ابن عسال سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُ إِذَا كَانَ سَفَرًا أَنْ لُ سَبَّحَ حَتَّى تَثْبُتَ يَدَاكَ وَلِيَا لِيَهَيَّوْا بَعِ (المشکوٰۃ)

"حضور ﷺ ہم علم دیجئے تھے کہ جب ہم مسافر ہوں پہنے سو رہے تھے دن تین رات نہ اتاریں۔ انا ان احادیث شریفہ سے معلوم ہوا کہ ہر مسافر کو تین دن سوزے پر مسح کرنے کی اجازت ہے کوئی مسافر اس اجازت سے غفلت نہیں، اگر تین دن سے کم مسافت بھی سفر میں جاوے تو اس اجازت سے بہت سے مسافر فائدہ نہیں لے سکتے، مثلاً اگر وہابی صاحب اپنے کھیت پر سیر کرنے ایک میل کے فاصلہ پر جا کر مسافر بن جاویں، تو تین دن مسح کر کے دکھا دیں، ایسے ہی جو آدمی ایک دن چل کر گھر پہنچ جائے وہ اس اجازت سے کیسے فائدہ لے لے گا، لہذا تین دن سے کم سفر بن سکتا ہی نہیں روزہ سوزوں پر مسح کی یہ احادیث عمومی طور پر قابل عمل نہ رہیں گی، اس دلیل پر اچھی طرح غور کر لیا جاوے۔

حدیث ۱۶۰۱۹ امام محمد نے آثار میں حضرت علی بن ربیعہ دہلی سے روایت کی۔

قَالَ سَأَلْتُ عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ عُمَرَ أَلَيْ كَمْ تَقْصِرُ الصَّلَاةَ فَقَالَ اتَّعَرَفْتُ الشَّوْبِيَّةَ، قُلْتُ لَا وَلَكِنِّي قُلْتُ سَمِعْتُ بِهِ قَالَ هِيَ ثَلَاثُ دِيَارٍ فَوَاضِلُهُ قَدَّ حَرَّ حَمَا إِلَيْهَا فَتَقْصِرُ الصَّلَاةَ

"فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ ابن عمر سے پوچھا کہ کتنی مسافت پر نماز کا قصر ہو سکتا ہے تو آپ سے فرمایا کہ کیا تم نے مقام سویدا دیکھا ہے میں نے کہا دیکھا تو نہیں سنا ہے فرمایا وہ یہاں سے تین رات کے (۱۴۵۰۰) فاصلہ پر ہے ہم جب وہاں تک جائیں تو قصر کر سکتے ہیں۔"

حدیث ۱۶۰۱۷ دار قطنی نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کی۔

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَا هُنَّ مَكَّةُ لَا تَقْصِرُوا الصَّلَاةَ فِي ذِي مِنْ أَرْبَعَةِ نَوَاحٍ مِنْ مَكَّةَ إِلَى عُسْفَانَ

"بیشک حضور ﷺ نے فرمایا کہ مکہ والو چار برید سے کم سفر میں نماز قصر نہ کرو، یہاں تک کہ عسفر سے مسافروں کا ہے۔"

حدیث ۱۶۰۱۸ مؤطا امام مالک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ كَانُ يَقْصِرُ الصَّلَاةَ فِي مِثْلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَالطَّائِفِ وَفِي مِثْلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَغُسْفَانَ وَفِي مِثْلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَحَدَّةَ قَالَ بَعْثُ قَالَ مَالِكٌ وَدُنْكَ أَرْبَعَةُ نَوَاحٍ

"کہ آپ نماز قصر کرتے تھے مکہ و طائف اور مکہ و عسفر اور مکہ و حدہ کی برابر فاصلہ میں جتنے فرماتے ہیں کہ امام مالک سے فرمایا یہ فاصلہ چار برید ہے۔"

حدیث ۱۶۰۱۹، مشافعی نے ہر اسناد صحیح حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کی۔

أَنَّ سَبَّحَ الصَّلَاةَ إِلَى عَرَفَةَ قَالَ لَا وَلَكِنْ إِلَى عُسْفَانَ وَالْإِلَى حَدَّةَ وَالْإِلَى الطَّائِفِ وَوَأَنَّ لِلْإِمَامِ الشَّافِعِيِّ وَقَالَ إِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ

"حضرت ابن عباس سے سوال کیا گیا کہ کیا عرفات تک (۹ میل) جانے میں نماز قصر کی جاوے گی فرمایا نہیں لیکن قصر کی جاوے گی عسفر یا حدہ یا طائف تک اسے امام شافعی نے نقل فرمایا کہ اس کی اسناد صحیح ہے۔"

حدیث ۹۰، ام محمد نے مؤذن شریف میں حضرت تافح سے روایت کی

”اِنَّهٗ كَانَ يُسَافِرُ مَعَ اَبِي عُمَرَ الْبَرِيِّ فَلَا يَقْصُرُ لَصُدْرَةٍ“

”کہ آپ حضرت عبداللہ ابن عمر کے ساتھ یک برید سفر کرتے تھے تو قصر نہ فرماتے تھے۔“

خیال رہے کہ ۴ برید انگریزی میل کے حساب سے قریباً ۵ میل ہوتا ہے۔ محمی ۳۶ کوس تین منزلیں۔ یہ چند حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئیں، اور اس کے متعلق بہت احادیث وارد ہیں جس کو شوقِ ہود و صحیح فقہاء شریف کا مطالعہ کرے ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ مطلقاً شہر سے نکل جانا سفر نہیں بناس پر سفر کے احکام جاری ہوں۔ سفر کے لئے چار برید فاصلہ بھی تین منزلیں چاہیں، صحابہ کرام کا اس ہی پر عمل تھا۔

محل کا تقاضا بھی یہ ہے مطلقاً شہر سے نکل جانا سرتہ ہو، نہ شہر کے آس پاس کی ریش شہر کی دا کھلاتی ہے جس سے شہری ضروریات پوری ہوتی ہیں، جیسے قبرستان، عید گاہ، چرگاہیں، گھوڑ دوڑ کے میدان، یہاں پہنچ جانا شہر میں پہنچ جانا سمجھا جاتا ہے کوئی شخص اس جگہ سیر و تفریح کے لئے جا کر اپنے کو مسافر نہیں سمجھتا، نیز اگر اس جگہ مسافت کو سفر کہا جاسے تو چاہئے کو کوئی عورت بھی حرم کے مطلقاً شہر سے باہر نہ جائے، کیونکہ عورت کو بغیر محرم سفر کرنا حرام ہے، نیز ساری قانون ہے کہ مسافر تین دن رات سوزوں پر مسج کر سکتا ہے یہ قانون ہر مسافر کو عام نہ ہو سکے گا جب کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں تو چاہئے کہ سفر کی کم از کم کوئی حد مقرر ہو جسے محل شرعی بھی سفر مانے اور جس سے یہ اسلامی قانون بھی ہر مسلمان پر جاری ہو۔ وہ حد تین دی ہی ہے۔ نیز تین دن کی مسافت کا سفر ہونا تو یقینی ہے اس سے کم مسافت سفر کرنا مظلوم نماز کی چار رکعتیں یقین سے ثابت ہیں تو یقینی چیز کو مظلوم سے نہیں چھوڑ سکتے یقین کو یقین ہی رائل کر سکتا ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر دو بیوں کو صرف ایک ہی حدیث مل سکی ہے جو مختلف کتب حدیث میں مختلف راویوں سے منقول ہے چنانچہ مسلم، بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

”اَنْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صُنِيَ، يَطْهَرُ بِالْمَدِينَةِ اَرْبَعًا وَصَلَّى بَدَى الْحَبِيصَةِ رُكْعَتَيْنِ“

”کہ نبی ﷺ نے نماز ظہر مدینہ منورہ میں چار رکعت پڑھیں، اور وہی الجھید میں نماز عصر دو رکعتیں پڑھیں۔“

دیکھو ذاکلید مدینہ منورہ سے صرف ۳ میل فاصلہ پر ہے، جسے آج کل بیڑی کہا جاتا ہے، یہی مدینہ کے نیچے کامیقات ہے جب حضور ﷺ مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تھے۔ تو صرف ۳ میل فاصلے پر پہنچ کر قصر فرماتے تھے۔

جواب اس حدیث میں سیر و تفریح کیلئے صرف دو الجھید تک جانے کا ذکر نہیں ہے، بلکہ یہاں حضور ﷺ کے مجاہد اور عدا کا واقعہ کا بیان ہوا ہے کہ سر کا بہار دو بج مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے ذاکلید پہنچ کر وقت عصر گھبرا گیا تو چونکہ آپ آگے جا رہے تھے لہذا یہاں قصر فرمایا اس لئے یہاں فرمایا گیا، مگر الظہر ایک بار یہ واقعہ ہو گا اس جھیل پر فرمایا جس سے معلوم ہوتا کہ آپ ہمیشہ ایسا کیا کرتے تھے اس حدیث کی تفسیر وہ حدیث ہے جو مؤذن امام، کتب اور مؤذن، ام محمد میں حضرت تافح سے روایت کی۔

”اَنْ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ اِذَا حَرَّحَ حَاحًا اَوْ فَعَنَمَرًا قَصَرَ الصَّلَاةَ بَدَى الْحَبِيصَةِ“

”کہ حضرت عبداللہ بن عمر جب حج یا عمرہ کرنے کے لئے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تو ذاکلید پہنچ کر قصر پڑھتے تھے۔“

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ عمل شریف تمہاری پیش کردہ حدیث کی تفسیر ہے اس سے مسئلہ فقہی یہ معلوم ہوا کہ جو شخص سفر کے رادے سے ہے وطن رواد ہو جائے تو آبادی سے نکلنے ہی قصر پڑھے گا، ورنہ وہی میں داخل ہونے پر وہ قیام ہے گا یہ حدیث ۱۷۱ رے بالکل موافق ہے۔

اعتراض نمبر ۲ مسلم بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

”قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ لَأَمْرَةٍ تَوَسُّلُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ اَنْ تَسَافِرَ مَسِيرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ لِّسَنَ فَعَهَا حُرْمَةً“

”فرمایا کہ نبی ﷺ نے کہ جو عورت اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہو اسے یہ حلال نہیں کہ ایک دن رات کی مسافت کا سفر بغیر محرم کرے۔“

اس حدیث سے معلوم ہو کہ ایک دن رات کی مسافت طے کرنا سفر ہے کہ اسے حضور ﷺ نے سفر فرمایا اور اس پر سفر کے احکام جاری کئے کہ عورت کو بغیر محرم کے حتیٰ ذور جانا حرام فرمایا گیا، معلوم ہو کہ سفر کے لئے تین دن کی مسافت ضروری نہیں ایک دن کا بھی ہو جاتا ہے۔

جواب اس کے دو جواب ہیں، ایک یہ کہ تمہارا مذہب اس حدیث سے بھی ثابت نہ ہوا تمہارا مذہب تو یہ ہے کہ شہر سے میل دو میل سیر و تفریح کے لئے جانا بھی سفر ہے اور اس حدیث میں ایک دن و رات مسافت کی قید ہے، لہذا یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔

دوسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں تمہیں دن کی رویت اسی بخاری شریف کی پیش کر چکے ہیں ہم کو دو روایتیں ملیں، تین دن و لی اور ایک دن و لی، مگر ایک دن کی حدیث پہلی ہو اور تیس دن کی حدیث بعد کی، تو ایک دن کی حدیث منسوخ ہے اور اگر تیس دن والی حدیث پہلی ہے، ایک دن والی حدیث پیچھے تو تین دن کی حدیث، ایک دن والی حدیث سے منسوخ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ تیس دن میں ایک دن بھی آ جاتا ہے، اور جب ایک دن کی مسافت پر عورت کو کیلئے سفر حرام ہے تو تیس دن کا سفر بھی حرام ہوگا، لہذا تیس دن کی روایت۔ ہر حال قائل عمل ہے اور ایک دن کی حدیث پر عمل مشکوک اس لئے ایک دن کی حدیث قائل عمل نہیں، تیس دن کی حدیث قائل عمل ہے کہ حرمت شک سے ثابت نہیں ہوتی، نہ ہر حال سفر کی مدت تیس دن کی مسافت ہی ہو سکتی ہے۔

اعتراضی ممبر ۲ آج کل سولہ اور ریل وغیرہ سے تیس دن کا سفر ایک گھنٹہ میں طے ہو جاتا ہے، تو بتاؤ سورہوں پر مسج کی مدت تیس دن یہ مسافر کیسے پوری کرے گا تمہارے قوں پر بھی یہ حدیث علی العموم قائل عمل نہیں ہوئی۔

جواب یہ اعتراض بالکل لغو ہے۔ ایک ہے قانون کا اپنا قسم کہ قانون خود ہر جگہ جاری نہ ہو سکے یہ قانون کا عیب ہے ایک ہے کسی عارضہ کی وجہ سے قانون جاری نہ ہونا یہ قانون کا اپنا قسم نہیں شریعت میں سفر پیدل یا اونٹ کی رفتار مستحضر ہے اگر دو تیس دن کی ہے تو سفر ہے اسی رفتار میں ہر مسافر پر یہ مسج کا قانون حاوی اور جاری ہونا چاہئے اگر شخص ایک گھنٹہ میں اتنا سفر کر لیتا ہو تو یہ ایک خارجی عارضہ ہے جس کی وجہ سے یہ قانون کی رو سے نفع گیا۔ قانون اپنی جگہ درست ہے تمہارے قول کی وجہ سے قانون میں قسم لازم آتا ہے، لہذا تمہارا قول باطل ہے۔ ہمارا قول درست۔

سولہواں باب

سفر میں سنت و نفل

مسافر کو بحالت سفر صرف فرض نماز میں قصر کرنے کا حکم ہے کہ چار رکعت فرض دو پڑھے فرض کے علاوہ تمام نفل و مستحب و ترکہ کی طرح پورے پڑھے۔ ان نمازوں کا جو حکم گھر میں ہے وہی سفر میں ہے۔ تو ان میں قصر ہے نہ بیعت ہیں نہ بالکل معاف مگر غیر مقلد و ہابی سفر میں نفل نہ خود پڑھتے ہیں نہ اوروں کو پڑھنے دیتے ہیں بعض تو اس میں بہت سخت ہیں اس لیے ہم اس باب کی بھی دو تفصیلات کرتے ہیں پہلی فصل میں اس مسئلہ کا شرعی ثبوت دوسری فصل میں اس پر وہابیوں کے اعتراضات مع جوابات حق تعالیٰ قبول فرماوے۔

پہلی فصل

سفر میں سنت و وتر، نفل پوری پڑھو

مسافر صرف چار رکعت فرض میں قصر کرے، باقی ساری نماز پوری پڑھے اسے روکنا یا منع کرنا حرام ہے۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔

حدیث نمبر ۱ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

”رَبِّيتِ الدِّينَ يَهْدِي عَبْدًا اِذَا صَلَّى“ ”کیا آپ نے اُس مرد کو دیکھا جو بندہ سوئیں کو روکتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے۔“

حدیث نمبر ۲ رب تعالیٰ کفار کد کے محبوب اس طرح بیان فرماتا ہے۔

”وَلَا تَطْعُ كُلَّ حَلَاظٍ مُّهِيبٍ هَمَزٌ مِّثْلًا سَمِيحٌ مَّاءٌ لِّمَحِيْرٍ مُّغِيْبٌ ثُمَّ“

”اس کی بات نہ مانو جو بہت قسمیں کھانے والی، ذلیل، پھل خورد و بھد کی سے روکنے والا حد سے آگے نہ بڑھنے والا سخت تنہا رہے۔“

معلوم ہوا کہ لوگوں کو بھلائی سے روکنا کفار کا طریقہ ہے، ان کی بات ہرگز نہ ماننا چاہیے مسلمانوں کو بھد نیوں سے روکنا وہابیوں کی زندگی کا محبوب مشغلہ ہے، مینہ، جوئے اور شرب سے ٹھک چکے۔ چلتے ہیں تو کس سے؟ سر میں سعد، نفل نماز پڑھنے سے کوئی مسلمان اس کی بات ہرگز نہ مانے، اس کی بات پر عمل کرے۔

حدیث نمبر ۳ رب تعالیٰ مومنوں کی تعریف فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔

”لَدَيْنَ اَنْ مَكَانَهُمْ فِي الْاَرْضِ قَامُوا لَصُومِهِ وَامْرُوبِ مَعْرُوفٍ وَيَبُذُّ عَنِ الْمُسْكَرِ“

”مومن وہ ہیں کہ گھر ہم انہیں زمین میں سختی دے دیں تو نماز میں قائم کریں، بھی ہاتھ کا حکم دیں بری باتوں سے روکیں۔“

اگر خدا نہ کرے زمین میں وہابیوں کی سختی ہو جاوے تو لوگوں کو کس چیز سے روکیں گے، سفر میں سنت و نفل نماز پڑھنے سے، اللہ کے ذکر کی مجلسوں سے، میلاد شریف ختم و فاتحہ تلاوت قرآن سے۔ کن چیز کا حکم دیں؟ گندے کنوؤں سے وضو کرے گا۔ کونے چھپے کھانے کا ٹرکے پیٹاب اور مٹی کے پائک بھنے کا اپنے بطن کی ران کی لڑکی سے نکاح کر لینے کا۔ جیسا کہ ہم آخر کتاب میں وہابیوں کے خصوصی مسائل بیان کریں گے۔

حدیث نمبر ۴ ترمذی شریف اور بخاری شریف نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی، مگر قدرے لفظی اختلاف سے۔

”قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ اَبِي صَالِيٍّ لِلَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَصْرِ الظُّهْرِ رُفْعًا وَبَعْدَ هَارِ كُعْتَيْنِ وَصَلَّيْتُ مَعَهُ“

”فِي لِسْمِ الظُّهْرِ رُكْعَيْنِ وَبَعْدَ هَارِ كُعْتَيْنِ وَالْعَصْرِ رُكْعَيْنِ وَلَمْ يُصَلِّ بَعْدَ هَارِ شَبَا وَلَمُغْرِبٍ فِي“

”الْحَصْرِ وَالشَّمْرِ سَوَاءً نَبْتُ رُكْعَاتٍ وَلَا يَنْقُصُ فِي حَصْرِ وَلَا سَمَرٍ وَهِيَ دُتْرُ النَّهَارِ وَبَعْدَ هَارِ رُكْعَتَيْنِ“

”فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے ساتھ وطن اور سفر میں نماز پڑھی ہیں پس میں نے آپ کے ساتھ وطن میں ظہر چار رکعت پڑھی اسکے بعد دو

رکعت سنت اور آپ کے ساتھ سفر میں ظہر دو رکعت پڑھیں، اس کے بعد دو رکعتیں سنت عصر دو رکعت اس کے بعد کچھ۔ پڑھا اور مغرب وطن سفر میں

بر بر خمس رکعتیں اس میں کی نہ فرماتے تھے وطن میں نہ سفر میں وہ دن کے وتر ہیں اس کے بعد دو رکعت سنت پڑھیں۔“

بخاری شریف میں یہ الفاظ اور زیادہ ہیں۔

”وَصَلَّيْتُ الْعِشَاءَ رُكْعَتَيْنِ وَبَعْدَ هَارِ كُعْتَيْنِ“ ”حضور ﷺ نے عشاء کی نماز دو رکعتیں پڑھیں، اسکے بعد دو رکعتیں۔“

دیکھو نبی ﷺ نے سفر میں ظہر کے فرض دو اور بعد میں سمت دو مغرب کے فرض تین اور بعد میں سنتیں دو، عشاء کے فرض دو اور بعد میں سنتیں دو پڑھیں

اگر سفر میں سنت یا نفل پڑھا ممنوع ہوتا تو سر کا ہڈا تو رخصی اللہ علیہ وسلم کیوں پڑھتے یہ پہلی سنت سے چڑھتے ہیں۔

حدیث نمبر ۷، ۶ ابو داؤد و ترمذی نے حضرت ہرمان بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَحَبْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ سَفَرًا فَمَا رَأَيْتُهُ تَرُكُ رُكْعَتَيْ إِذَا عَابَ الشَّمْسُ قَبْلَ الطُّهْرِ

"فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے ساتھ ہزار و ستر کیسے میں نے آپ کو نہ دیکھا کہ آپ نے قنبر ڈھنسنے کے بعد ظہر کے پہلے کی دو رکعتیں چھوڑے ہوں۔"

حدیث نمبر ۸ ابو داؤد و شریف نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا مَرَّ وَارِادَ أَنْ يَنْطَوِّعَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ بِفَهْ وَكَفَّرَ ثُمَّ صَلَّى "فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ جب سفر کرتے اور نفل پڑھنا چاہتے تو اپنی تاق و کعبہ کی طرف توجہ فرمادیتے پھر تکبیر کہہ کر نفل پڑھتے۔"

حدیث نمبر ۹، ۱۰ مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ فِي السَّفَرِ عِنَى رَاحِلَتِهِ حَبْثًا تَوْخِثُ بِهِ يَوْمَهُ بِمَاءِ صَلَوةِ النَّبِيِّ لَا لِهَوَانِصٍ وَيُوسِرُ عَلَى رَاحِلَتِهِ

"فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سفر میں اپنی سواری پر نفل پڑھتے تھے۔ جدھر بھی اس کا منہ ہوتا آپ اشارے سے نماز پڑھتے تھیں کہ نماز سوائے فرض کے۔ ورنہ بھی سواری پر پڑھتے۔"

اس حدیث سے معلوم ہو کہ حضور ﷺ سفر میں رستہ طے کرتے ہوئے نماز تہجد بھی پڑھا کرتے تھے اور یہ لوگ غمرے ہوئے مسافر کو سخت مؤکدہ تک سے روکتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۱ مؤطا، مالک میں حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ إِنَّ عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَوْمَئِذٍ غَابِدًا غَابِدًا بَنِي السُّفَرِ فَلَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ "فرماتے ہیں کہ بے شک عبداللہ ابن عمر اپنے خزانہ حبیبہؓ کو سفر میں نفل پڑھتے دیکھتے تھے تو آپ منع فرماتے تھے۔"

حدیث نمبر ۱۲ ترمذی و شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ نَسِيٍّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَطْهَرُ فِي السَّفَرِ رُكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهُمَا رُكْعَتَيْنِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

"فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے ساتھ سفر میں ظہر کی دو رکعتیں پڑھیں ان کے بعد دو رکعت سنت اسے ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے۔"

حدیث نمبر ۱۳، ۱۴ مسلم و ابو داؤد نے حضرت ابو داؤد رضی اللہ عنہ سے سفر میں قمریوں کی رات نماز صبح قضاء ہو جانے کی بہت دراز حدیث روایت کی جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

عِنْدِي رُكْعَتَيْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ ثُمَّ صَلَّى الصُّبْحَ كَمَا كَانَ يُصَلِّي

"حضور علیہ السلام نے فجر کی سنتیں فرض سے پہلے پڑھیں پھر فجر کے فرض پڑھے جیسے ہمیشہ پڑھا کرتے تھے۔"

حدیث نمبر ۱۵، ۱۶ بخاری، مسلم، ترمذی، ابو داؤد نے حضرت ابن ابی نعیم رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ مَا أَخْبَرْنَا أَحَدًا أَنَّهُ رَأَى لَسِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّيَ الصُّحَى عِزًّا أَوْ هَانِيًّا ذَكَرْتُ أَنَّ لَسِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتَحَ مَكَّةَ عَتَسَلَ فِي بَيْتِهَا فَصَنَى ثَمَانَ رُكْعَتٍ

"فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت ام ہانی کے سوا اور کسی نے یہ خبر نہ دی کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز چاشت پڑھتے دیکھا، ام ہانی فرماتی ہیں کہ فتح مکہ کے دن حضور ﷺ نے ان کے گھر میں غسل فرمایا اور آٹھ رکعت نفل نماز چاشت پڑھیں۔"

دیکھو فتح مکہ کے دن حضور علیہ السلام مکہ معظمہ میں مسافر ہیں اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بس ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر میں نماز چاشت آٹھ رکعت پڑھی، حالانکہ نماز چاشت نفل ہے۔

حدیث نمبر ۱۹ ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ فَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْحَصْرِ وَصَلَاةَ النَّمْرِ فَكُنَّا نَصَلِّي فِي الْحَصْرِ قَبْلَهَا وَبَعْدَهَا وَكُنَّا نَصَلِّي فِي الشَّمْرِ قَبْلَهَا وَبَعْدَهَا

”فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے وطن میں بھی نماز فرض و قرآنی اور سفر میں بھی ہم وطن میں فرض نماز سے پہلے اور بعد نفل پڑھتے تھے اور سفر میں بھی فرض سے پہلے اور بعد نفل پڑھتے تھے۔“

حدیث نمبر ۲۰ بخاری شریف نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي تَتَوَلَّى وَهُوَ رَاكِبٌ فِي غَيْرِ الْفُتْلَةِ

”نبی کریم ﷺ سواری پر غیر قبہ کی طرف تہ ذلل پڑھا کرتے تھے۔“

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ سفر میں سنت نفل کی نہ تو معافی ہو اور نہ قصر چند ہو۔

ایک یہ کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج کی رات نمازیں دو رکعت فرض کی گئیں، فجر سفر میں تو وہی دور ہیں، عصر میں بعض نمازوں میں زیادتی کر دی گئی اور ظاہر ہے کہ معراج میں فرض نمازیں ہی نہ رکعتیں تھیں نہ کہ سنت و نوافل وغیرہ لہذا قصر صرف فرض میں ہوا نہ کہ نفل سنت میں دوسرے یہ کہ بحالت سفر فرض نماز میں بہت پابندی ہے کہ سواری پر چلتی ریل میں، غیر قبہ کی طرف ادا نہیں ہو سکتی، سنت و نفل میں یہ کوئی پابندی نہیں، سواری پر، غیر قبہ کی طرف بھی ادا ہو جاتی ہیں، فرض کے لیے مسافر کو سفر کوڑا پڑتا ہے جس سے دیر لگتی ہے اس لیے وہ نماز تو صحیح کر دی گئی چونکہ سنت و نفل کے لیے سفر توڑنا نہیں پڑتا ہے۔ سواری پر وہ ہو جاتی ہیں، اس لیے نہ تو اس میں قصر کی ضرورت ہے۔ معافی کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ یہ سمجھا کہ جب سفر میں فرض کم ہو گئے تو سنتیں کوئی کم نہیں ہوئی، فرض صحیح و نماز ہے اور سنت و نفل صحیح یعنی سنت و نفل فرض کی ایسی تابع نہیں کہ اگر فرض پڑھتے پڑھتے جاویں تو سنتیں بھی پوری ہوں، اور اگر فرض میں قصر ہو تو سنتوں میں بھی قصر ہو یا نفل صحاف ہو جاویں۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلد و پایوں کے پاس اس مسئلہ پر بہت سی تھوڑے دلائل ہیں جنہیں وہ ہر جگہ الفاظ بدلی کر بیان کرتے ہیں ہم ان کی اکالت میں ان کے سوالات کے جوابات پیش کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱ مسلم و بخاری وغیرہ نے حضرت جعفر ابن عامر سے روایت کی۔

قَالَ صَحِبْتُ ابْنَ عُمَرَ هُوَ لَرَيْنِ مَكَّةَ فَصَلَّى مَا الصُّبْحَ وَكَعْتَبِ ثَمَّ حَاءَ وَخَلَهُ وَحَسَّ فَرَايَ مَا لَمْ يَلِ مَا فَعَالَ مَا يَضَعُ هُوَ لَاءَ فَلَمْ يَسْتَحْزَنْ قَالَ لَوْ كُنْتُ فَسْتَحْزَنْتُمْ صَدَقْتُمْ صَحِبْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ لَا يَرِيدُ فِي الشَّمْرِ عَمِي وَكَعْتَبِ وَنَا بَكْرٍ وَغَمْرٍ وَعَثْمَانَ كَذَلِكَ

”فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ معظمہ کے راستہ میں تھا تو آپ نے ہم کو نماز فجر دو رکعت پڑھائیں پھر آپ اپنی منزل پر تشریف لے گئے اور میں نے کچھ لوگوں کو کھڑا ہوا دیکھا۔ فرمایا یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ نفل پڑھ رہے ہیں آپ نے فرمایا کہ اگر نفل پڑھتا تو نماز پوری پڑھتا میں حضور ﷺ کے ساتھ رہا تو آپ سفر میں دو رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے اور میں نے حضرت ابو بکر و عثمان رضی اللہ عنہما کو ایسے ہی دیکھا۔“

اس سے معلوم ہو کہ سفر میں نفل و سنت پڑھنا سنت رسول علیہ السلام و سنت خلفائے راشدین کے خلاف ہے اس لیے مسافر دو رکعت فرض پڑھے باقی کچھ نہ پڑھے۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تہرے بھی خلاف ہے کیونکہ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضور ﷺ اور خلفائے راشدین نے سفر میں کہیں دو فرض سے زیادہ نہ پڑھے، اور تم کہتے ہو کہ مسافر چاہے قصر پڑھے یا پوری۔ تم نے پوری نماز پڑھنے کا حکم اس حدیث کے خلاف کیوں دیا۔

دوسرے یہ کہ آپ کی اس حدیث سے نفل نہ پڑھنا ثابت ہے اور ہماری پیش کردہ بہت سی احادیث سے نفل پڑھنا ثابت ہوا تو آپ ان بہت سی احادیث کے مقابل صرف اس ایک حدیث پر کیوں عمل کرتے ہو۔ ان احادیث پر کیوں عمل نہیں کرتے؟ صرف فضائی خواہش کی وجہ سے کہ نفس امارہ پر غور و بھاری ہے۔

تیسرے یہ کہ خود سیدنا عبداللہ عمر رضی اللہ عنہ کی وہ احادیث ہم پہلی مصل میں پیش کر چکے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور پرور ﷺ کو سفر میں سواری پر نفل پڑھتے دیکھا، پھر ان ثبوت کی احادیث کو آپ نے کیوں نہ قبول کیا؟ صرف ایک اسی حدیث پر ہی کیوں عمل کیا؟ کیا سزا کم کرنے کا شوق ہے۔

چوتھے یہ کہ جب ثبوت دلی میں تعرض ہو، تو ثبوت کوئی پر ترجیح ہوتی ہے جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی دو روایتیں ہیں، ثبوت نفل کی بھی اور دلی کی بھی، تو ثبوت کی روایت قابل عمل ہوگی نہ دلی کی۔ دیکھو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام کو جسمانی معراج نہیں ہوئی۔

دیکھو صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہوئی، آج تمام دنیا معراج جسمانی کے قائل ہے؟ کیوں؟ اس لیے کہ ثبوت دلی پر مقدم ہے۔

پانچویں یہ کہ جب احادیث میں تعرض نظر آئے، تو ان کے ایسے معنی کیے جاویں، جس سے تعارض دور ہو جاوے، جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایات میں تعرض ہے، تو تمہاری اس حدیث کے معنی یہ ہیں، کہ نفل نماز اجتماع سے پڑھنا، اس کے لیے ستر توڑنا یا تھکاوہ در کرنا، زمین پر کھڑے ہو کر پڑھنا، چلتی سواری پر نفل درست نہ سمجھنا، یہ نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، نہ ان خلفائے راشدین سے رضی اللہ عنہم، چنانچہ اس حدیث کے بعض الفاظ بھی یہی بتا رہے ہیں، راوی فرماتے ہیں، کہ آپ نے بعض لوگوں کو ذریعے پر کھڑے ہوئے نفل پڑھتے دیکھ کر یہ فرمایا، حالت بھی ستر کی تھی ستر بھی حج کا تھا، ستر بہت تھا جہد پہنچنا تھا۔ ان حضرات کے اس طریقہ عمل سے ستر میں دشواری ہوتی تھی، اس لیے آپ نے یہ فرمایا اللہ یا یہ حدیث نہ تو دوسری احادیث کے خلاف ہے نہ خود حضرت ابن عمر کی دوسری روایتوں کے مخالف حدیث میں متضاد پید نہ کر، بلکہ موافقت کی کوشش کرو۔

چھٹے یہ کہ جہاں اس حدیث میں بھی سفر میں نفل پڑھنے کی ممانعت نہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے صرف قیاس فرما کر یہ فرمایا کہ نفل کا ایسا ہونا ضروری ہوتا، تو نہ فرض ہی پوری کیوں نہ پڑھی جاتی۔

اعتراض نمبر ۱ جب سفر میں فرض نماز ہی بجائے چار کے دو رکعت ہوگئی، تو سنت و نفل تو فرض سے درجہ میں کم ہیں چاہے کہ وہ بھی یا تو بجائے چار کے دو ہو جاویں یا بالکل مخالف ہو جاویں۔

جواب **الحمد للہ** کہ آپ قیاس کے قائل ہو گئے کہ سنت کو فرض پر قیاس کرنے کے لیکن جیسے آپ دیکھ آپ کا قیاس بہتر تھا۔ کہ مجتہدین آئمہ کی تقلید کرنی ہوتی تاکہ آپ کو ایسے قیاسات نہ کرے پڑتے۔ جناب سنت و نفل کو فرض پر قیاس نہیں کر سکتے، فرض نماز میں صرف دو رکعتیں بھری پڑھی جاتی ہیں، ہاتی خالی مگر سنت و نفل کی چاروں رکعت بھری ہیں، فرمائیے، وہاں سنت و نفل فرض کی طرح کیوں نہ ہوں گی۔ وہاں بھی کہہ دو کہ جب فرض میں دو رکعت حاکم ہوں تو چاہئے سنتیں و نفل کی چاروں رکعت خالی ہوں۔ جو کہ نماز میں فرض نماز بجائے چار کے دو رکعت ہو جاتی ہیں، مگر سنتیں بجائے کھینے کے پڑھ جاتی ہیں، کہ بعد فرض جو چار سنتیں مؤکدہ ہیں، چاہے کہ وہاں بھی قیاس کر دو کہ جب جو کے فرض بجائے چار کے دو رکعت گئے تو چاہے کہ جو کے بعد کی سنتیں بجائے دو کے ایک رکعت ہی رہ جاوے سنت و نفل میں قصور نہ ہوے کی وجہ ہم پہلی فصل کی مفصل دیہوں میں عرض کر چکے کہ مسافر کو سنت کے لیے ستر توڑنا نہیں پڑھا، سواری پر ہی پڑھ سکتا ہے، اس لیے اس میں قصور کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

نوٹ ضروری۔ یہ جو کہا گیا کہ نفل و سنت سواری پر پڑھی جاسکتی ہیں، سواری کا رخ کہہ رہی ہو، یہ مسافر کہہ رہے، سنت طے کرنے کی حالت میں ہے جبکہ وہ جنگل میں ہو شہر میں یا کسی جگہ قمرے کی حالت کا یہ ٹھکانہ نہیں، مگر مسافر کسی ہستی میں دو چاروں کے لیے نماز ہو تو سنت و نفل بھی فرض کی طرح تمام شرائط اور رکان کے ساتھ ذکرے گا غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک مسافر خواہ راست طے کر رہا ہو یا کہیں دو چاروں کے لیے نماز ہو تو سنت و نفل نہ پڑھے۔

اعتراض نمبر ۳ حضور ﷺ رحمۃ اللعالمین ہیں، جب رب تعالیٰ نے سفر میں اپنی فرض نماز میں رعایت کر دی تو چاہیے کہ حضور ﷺ بھی اپنی سنتوں میں کمی کر دیں، سنت کا اسی طرح رہنا حضور کی رحمت کے خلاف ہے۔

جواب جی ہاں۔ چونکہ حضور ﷺ رحمت عالم ہیں، اس لیے حضور نے اپنی سنتیں کم نہ فرمائیں نہ رحمت ہے، یہ جو نہیں شاید وہابیوں کے نفس پر نماز بوجھ ہوگی، اس لیے انہیں ایسے سوالات سوچتے ہیں، جناب اللہ کے فرض مومن کے بالغ ہونے پر لگتے ہیں اور مرنے سے پہلے چھوڑ دیتے ہیں مگر سنت رسول اللہ ﷺ کسی وقت اور کسی حالت میں مومن کا ساتھ نہیں چھوڑتی، مومن سنت رسول ﷺ کی آغوش میں پیدا ہوتا ہے سنت کے سایہ میں پرورش پاتا ہے۔ سنت کے دامن میں مرتا ہے اور ان شاء اللہ سنت والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت دنیوی میں قیامت میں اٹھے گا، دیکھو حقیقت یہ کہ گودوں میں تک دودھ پلانا سنت ہی تو ہیں۔ پھر مرتے وقت وضو۔ کہ کوزخ ہونا مرد کا نفل میں کپڑے عورت کا نفل پانچ کپڑے یہ سب سنتیں ہی ہیں، اس لیے ہمارا نام نفل فرض یا نفل واجب نہیں الی سنت ہے، ہمارے حضور ﷺ کی سنت رحمت ہے، یہ جو نہیں رحمت کا کم نہ ہونا ہی چاہے رب تعالیٰ، الگ الملک ہے، جب چاہے جتنی چاہے رحمت دے، اس کی رحمتیں یکساں نہیں ہوتیں، کبھی کم کبھی زیادہ، ایسے ہی فرض نماز مقیم کے لیے پوری مسافر کے لیے آدمی۔

سفر ہواں باب

سفر میں قصر واجب ہے

مسئلہ شرعی یہ ہے کہ مسافر پر چار رکعت والی فرض نماز میں قصر فرض ہے۔ مسافر یہ نماز پوری نہیں پڑھ سکتا، مگر بھوں کر بجائے دو کے چار پڑھ لے تو اس کا وہی حکم ہوگا، جو کوئی فجر کے فرض چار پڑھ لے کہ اگر پہلی اتحیات پڑھ کر تیسری رکعت میں کھڑا ہوا تو سجدہ سہو کرے ورنہ نماز کا اعادہ کرے، لیکن اگر سجدہ وادانت بجائے دو کے چار پڑھے تو نہ ہوگی، مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ مسافر کو اختیار ہے خواہ قصر پڑھے یا پوری مسافر کسی چیز کا پابند نہیں اس لیے ہم اس باب کی بھی دو تفصیلات کرتے ہیں پہلی فصل میں اپنے دلائل دوسری فصل میں اس مسئلہ پر سوالات و جوابات رب تعالیٰ تمہاری تمنا دے۔

پہلی فصل

سفر میں قصر ضروری ہے

سفر میں قصر ضروری ہونے پر احناف کے پاس بہت دلائل ہیں جن میں سے کچھ پیش کیے جاتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۴۴۰ بخاری۔ مسلم۔ مؤطا امام محمد۔ مؤطا امام مالک نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کچھ نفعی فرق کے ساتھ روایت کی یہ لفظ مسلم و بخاری کے ہیں۔

قُلْتُ لِمَ رُفِصَ الصَّلَاةُ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ هَا حِرْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فُرْصَتٌ رَافِعًا وَتُرْكُثُ صَوْتُهُ الشَّعْرَ عَلَى الْمَرْبِصَةِ الْأُولَى

”فرماتی ہیں کہ اذان وادور کعتیں فرض ہوئیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو نمازیں چار رکعت فرض کی گئیں اور نماز سفر پہلے ہی فریضہ پر رہی۔“
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہجرت سے پہلے ہجرت کی چار رکعتیں تھیں بعد ہجرت بعض کی چار رکعتیں کر دی گئیں مگر سفر کی نماز ویسے ہی رہی تو جیسے ہجرت سے پہلے کر کوئی شخص چار رکعت پڑھ لیتا تو اس کی نماز نہ ہوتی، ایسے ہی اب بھی جو مسافر سفر میں چار فرض پڑھ لے تو بھی نماز نہ ہوگی، لفظ فرض اور فریضہ کا غور سے ملاحظہ کرو۔

مؤطا امام محمد و امام مالک کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

فُرْصَتِ الصَّلَاةِ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فِي الْحَصْرِ وَالشَّعْرَ وَفُرْصَتِ صَلَاةِ الشَّعْرَ وَرَبْدٌ فِي صَوْتِ الْحَصْرِ
وَأَسْرَ حَضَرَ فِي نَارٍ دَوْرَ رَكْعَتَيْنِ فَرَمَ بُوْنِي تَحْمِيْلَ مَحْرَمٍ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَدِي وَأُورَلَا حَضَرَ فِي رَدِي كَرَدِي كَرَدِي كَرَدِي
حدیث نمبر ۷۶۵ مسلم شریف۔ نسائی۔ طبرانی نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قُلْ فَرَصَ لَنَّهُ الصَّلَاةُ عَلَى لِسَانِ بَنِي الْحَصْرِ أَرْبَعًا وَفِي الشَّعْرَ رَكْعَتَيْنِ وَفِي الْحَوَافِ رَكْعَةً
”فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کی زبان شریف پر دین میں چار رکعتیں اور سفر میں دو رکعتیں خوف میں ایک رکعت فرض کیں۔“
(یعنی جماعت سے ایک رکعت)

اس میں صراحت ہوا کہ سفر میں دو رکعت ہی فرض ہیں۔ جیسے دین میں فجر کی نماز۔

حدیث نمبر ۱۳۸۸ مسلم بخاری۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قُلْ حَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِيْنَةِ إِلَى مَكَّةَ فَكَانَ يَصْنِي رَكْعَتَيْنِ
”فرماتے ہیں کہ ہم حضور علیہ السلام کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کی طرح گئے تو حضور انور ﷺ دو رکعتیں ہی پڑھتے رہے۔“
حدیث نمبر ۱۶۹۴ بخاری۔ مسلم۔ نسائی نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قُلْ صَنِيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْضَ رَكْعَتَيْنِ وَبَنِي بَكْرٍ وَعُمَرُ وَمَعَ عَثْمَانَ صَدْرًا مِنْ
”فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم کے پیچھے دو رکعتیں پڑھیں اور خلافت عثمانی کے شروع میں بھی پھر حضرت عثمان نے پوری پڑھنا شروع کر دی۔“

حدیث نمبر ۱۷ طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ افْتَرَصَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُكْعَتَيْنِ فِي السَّهْرِ كَمَا افْتَرَصَ فِي الْحَصْرِ اَزْبَعًا
"فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے سفر میں دو رکعت ہی فرض فرمائی جیسے وطن میں چار رکعت فرض کیں۔"

حدیث نمبر ۲۰۶۱۸ نسائی ابن ماجہ ابن حبان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَوَةُ السَّهْرِ رُكْعَتَانِ وَ صَلَوَةُ نَاصِحَةٍ رُكْعَتَانِ وَ صَلَوَةُ الْفَطْرِ رُكْعَتَانِ وَ صَلَوَةُ الْجُمُعَةِ رُكْعَتَانِ
"مقام" غیر قصر عسی لسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم

"فرماتے ہیں کہ سفر کی نماز دو رکعتیں ہیں، چاشت کی نماز دو رکعتیں عید الفطر کی نماز دو رکعتیں ہیں، جمعہ کی نماز دو رکعتیں ہیں، یعنی دو رکعتیں پوری ہی ناقص نہیں، حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کی زبان شریف پر۔"

حدیث نمبر ۲۱ مسلم شریف نے حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کچھ دراز حدیث نقل کی، جس کے آخری الفاظ شریف یہ ہیں۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكُلْ صَدَقَةً تَصَدَّقُ اللَّهُ بِهِ فَاقْبَلُوا صَدَقَتَهُ

"میں نے حضور ﷺ سے نماز قصر کے بارے میں پوچھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اللہ کا صدقہ ہے جو صدقہ فرمایا اس صدقہ کو قبول کرو۔"
اس حدیث میں فاقبلو صلیہ مر ہے۔ امر واجب کے لیے تاکہ معلوم ہو کہ جو شخص سفر میں چار رکعت پڑھے، وہ خدا تعالیٰ کے صدقہ سے مستحق ہے۔
ہے، رب کا صدقہ قبول کرنا اور سفر میں قصر کرنا فرض ہے۔

حدیث نمبر ۲۲ طبرانی نے مسلم صلیہ میں سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السَّهْرِ رُكْعَتَيْنِ وَمَعَ ابْنِ بَكْرٍ رُكْعَتَيْنِ وَمَعَ عُمَرَ
رُكْعَتَيْنِ ثُمَّ مَضَتْ بَنُو السَّبِيلِ فَوَلَّاهُ لَوْ دِدْتُ أَنْ أُحْطِيَ مِنْ أَرْبَعِ رُكْعَاتٍ رُكْعَتَيْنِ مُتَقَبِّلَيْنِ

"میں نے سفر میں حضور ﷺ کے پیچھے دو رکعتیں پڑھیں اور ابوبکر صدیق عمر فاروق کے پیچھے دو دو رکعتیں پڑھیں پھر تم لوگوں کو مختلف رہوں نے متفرق کر دیا۔ قسم رب کی میں تمنا کرتا ہوں کہ مجھے بجائے چار رکعتوں کے دو مقبول رکعتوں کا حصہ ملے۔"

ہم نے بطور نمونہ صرف انہیں حدیثیں پیش کیں، اور نہ اس کے متعلق ہے شمار احادیث ہیں، ان پیش کردہ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں قصری فرض ہے حضور ﷺ و خلفاء و شہداء نے قصری پڑھی، چار رکعت پڑھنے سے سہا۔ نے منع فرمایا، یا اس پر بارہی کا ظہار کیا۔

عقل کا تقاضا بھی ہے کہ سفر میں قصر فرض ہے مسافر کو قصر و اتمام دونوں کا اختیار دینا عقل شرعی کے بالکل خلاف ہے اس لیے کہ سفر میں ہر چار رکعت والی نماز کی پہلی دو رکعتیں یا اتفاق فرض ہیں، حری دو رکعتوں کے متعلق سو ہوتا ہے کہ وہ بھی مسافر پر فرض ہیں یا نہیں اگر فرض ہیں تو ان کے نہ پڑھنے کا اختیار کیوں فرض ہیں، اختیار نہیں ہوگا، فرض و اختیار جمع نہیں ہوتے اور اگر فرض نہیں بلکہ لعل ہیں، تو ایک ایک تحریر سے فرض و لعل کی تکمیل تحریر یہ صحیح ہوتی ہے، لعل کی طہرہ ایک تحریر سے ایک ہی نماز ہو سکتی ہے نہ کہ دو۔

یہ ہر حال یہ اختیار کہ چاہے دو رکعت پڑھے چاہے چار شرعی عقل کے بالکل خلاف ہے نیز جیسے وطن میں چار رکعت ہی فرض ہیں، کم و بیش کا اختیار نہیں ایسے ہی سفر میں صرف دو رکعتیں پڑھنی چاہئیں، اختیار نہیں۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر ہم غیر مقلد دہابیوں کی طرف سے وکالت کرتے ہوئے اتنے اعتراضات و جوابات عرض کئے دیتے ہیں، جو ان شاء اللہ خود انہیں بھی یاد رہیں گے رب تعالیٰ تمہیں فرمادے۔

اعتراض نمبر ۱ رب تعالیٰ ہر شافرا ہے۔

قَالَ صَرَّحْتُ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ حَاجَةٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ أَنْ يَفْسِدَ الْدِّينُ كَهَرُؤًا

"اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر گناہ نہیں کہ بعض نمازیں قصر سے پڑھو مگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں یزادیں۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ سفر میں قصر فرض نہیں، بلکہ اس کی اجازت ہے کیونکہ ارشاد باری ہوا کہ تم پر قصر میں گناہ نہیں، نہ قصر پڑھنے میں گناہ ہے، نہ قصر نہ پڑھنے میں۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ آیت ظاہری معنی سے تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ یہاں قصر کے لئے کفار کے خوف کی شرط ہے، کہ اگر تمہیں کفار سے خوف ہو تو قصر میں گناہ نہیں، اور تم کہتے ہو کہ امن کے سفر میں بھی قصر کی اجازت ہے، اب جو تم جواب دو گے وہی ہمارا جواب ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ **لا حرج** حاتی کے مضامروہ کی سنی کے بارے میں بھی ارشاد ہوا ہے رب فرماتا ہے۔

قُلْ حُجَّ الْبَيْتِ أَوْ غَمِرْ فَلَا حِجَّ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا

”تو جو بیت اللہ کی حج یا عمرہ کرے، اس پر اس میں گناہ نہیں کہ مضامروہ کا طواف کرے۔“

حالانکہ مضامروہ کا طواف حج میں واجب ہے عمرہ میں فرض ایسے ہی سفر میں قصر فرض ہے لاجناب فرمیت کے خلاف نہیں۔

تیسرے یہ کہ اگر سفر میں قصر مباح ہوتا تو قرآن کریم یوں ارشاد فرماتا کہ تم پر قصر نہ کرنے میں گناہ نہیں، کیونکہ مباح کی پہچان یہ ہے کہ اس کے کرنے اور نہ کرنے میں گناہ نہیں ورنہ فرض کام کرنے میں گناہ نہیں ہوتا بلکہ اس کے نہ کرنے میں گناہ ہوتا ہے لہذا کرے میں گناہ نہ ہونا مباح ہونے کی دلیل نہیں، فرض واجب بھی ایسے ہی ہوتے ہیں۔

چوتھے یہ کہ نہ نبوی ﷺ میں صحابہ کرام کو حیاں ہو کہ بجائے چار رکعت کے دو رکعتیں پڑھنا گناہ ہوگا کہ یہ نہ ہوتا قصہ ہے انہیں سمجھائے کے لئے یہ ارشاد ہوا اللہ آیت بالکل واضح ہے تمہارے لئے مفید نہیں۔

اعتراض نمبر ۹ شرح میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

قُلْتُ كُنْ دَايِكُ فَذَهَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَصْرًا لِمُضَلَّةٍ وَاسْمُهَا

”فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے سب کچھ کیا، قصر بھی کیا اور پورن لہر بھی پڑھی۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں قصر بھی سنت ہے اور پوری پڑھنی بھی سنت، صرف قصر فرض نہیں۔

جواب اس اعتراض کے چند جوابات ہیں۔

ایک یہ کہ اس کی اسناد میں ایراسیم اس کی ہے، جو تمام محدثین کے نزدیک ضعیف ہے، لہذا یہ حدیث بالکل قابل عمل نہیں، دیکھو مرقاۃ شرح مشکوٰۃ اسی حدیث کی شرح۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث ان تمام احادیث کے مخالف ہے جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے کہ جلیل القدر صحابہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ہمیشہ سفر میں دو رکعتیں ہی پڑھیں۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث خود امام اسوئیل عاصم صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کے بھی خلاف ہے، جو ہم نے پہلی فصل میں پیش کی، آپ فرماتی ہیں کہ ”اذا لم يرد ركعت فرض ہوئی پھر سفر میں وہی دو رکعتیں فرض رہیں وطن میں بعض لمروں میں زیادتی کر دی گئی، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سفر میں دو رکعتیں فرض بھی ہوں اور کبھی حضور علیہ السلام نے چار رکعت بھی پڑھ لی ہوں، لہذا یہ حدیث واجب الاول ہے۔“

چوتھے یہ کہ اس حدیث میں لفظ سفر نہیں، یعنی آپ نے یہ نہ فرمایا کہ حضور ﷺ نے سفر میں قصر و اترا مفرمایا۔ لہذا حدیث کے معنی یہ ہیں کہ حضور نور ﷺ نے شروع مقام میں ذرا قصر یعنی ہر نماز دو دو رکعت پڑھی، پھر جب فرمایا یعنی دو سے زیادہ بعض چار رکعت کر دی گئیں اور بعض تین تو حضور ﷺ نے اتمام فرمایا یعنی دو سے زیادہ پڑھیں، اس صورت میں یہ حدیث بالکل واضح بھی ہوگئی اور گزشتہ احادیث کے خلاف بھی نہ رہی۔

پانچویں یہ کہ اگر یہاں حالت سفر میں قصر و اتمام مراتب بھی مطلب یہ ہوگا کہ حضور علیہ السلام نے بحالت سفر قصر پڑھی، اور جب کہیں پندرہ دن ٹھہرے کی نیت فرمائی تو اتمام فرمایا اب بھی حدیث بالکل واضح ہے۔

خطیفہ عجیبہ غیر مقلد وہابی ہمیشہ حرمین سے مسلم بخاری کی حدیث کا مطابہ کرتے ہیں، مگر جب نہیں خود حدیث پیش کرنا پڑے تو بخاری مسلم کی روایت کو صحیح ہو یا ضعیف ہر قسم کی حدیث پیش کر دینے سے شرم نہیں کرتے۔

یہ حدیث ایسی ضعیف ہے کہ اسے صحاح ستہ نے روایت نہ کیا، امام ترمذی نے بھی اس حدیث کا ذکر تک نہ کیا، بلکہ وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ قصر تو حضور ﷺ اور حضرت خلفائے راشدین سے ثابت ہے اتمام صرف عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اپنا فعل ہے، چنانچہ امام ترمذی قصر قرآن کے باب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

وَقَدْ صَحَّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَقْصِرُ فِي النَّهْرِ وَابْنُ بُكَيْرٍ وَغَمَرُوا غُثْمَانُ صَدْرًا

فمن خلافته وأُعمل على هذا عند أكثر أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم حضور ﷺ سے صحیح حدیث یہی ثابت ہے کہ آپ ہمیشہ سفر میں قصر کرتے تھے اور ایو بکر صدیق بھی عمر فاروق بھی حضرت عثمان بھی اپنی شروع خلاف میں اور اس پر ہی اکثر علماء صحابہ وغیرہ کا عمل ہے۔

اور سفر میں تمام کے متعلق ماہِ مرتذی بہت صعیب طریقے سے فرماتے ہیں۔

وَقَدْ رَوَى عَنْ عَائِشَةَ أَنَهَا كَانَتْ تَتِمُّ الصُّلُوهُ فِي السَّفَرِ
ہاں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ سفر میں اتمہ فرماتی تھیں۔

اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وہ مرفوع حدیث قابل اعتبار ہوتی جو تم نے پیش کی۔ تو امام ترمذی حدیث مرفوعہ کو چھوڑ کر صرف عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے عمل شریف کا ذکر فرماتے۔

یہ طلف بات وہ ہے جو آگے فرماتے ہیں۔

وَأُعْمَلُ عَلَى مَا رَوَى عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِهِ
عمل اس پر ہے جو حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ سے مروی ہے یعنی (قصر)۔

امام ترمذی کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی قصر و اتمہ دونوں کا اختیار نہ دیتی تھیں، بلکہ آپ ہمیشہ سفر تمام فرماتی تھیں۔ اہل علم نے حضور علیہ السلام کے فعل شریف پر عمل کیا یعنی میث قصر پڑھا۔

اعتراض نمبر ۳ نسائی و دارقطنی اور یحییٰ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

كَانَتْ حَارِثٌ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي عُمرَةٍ رَمَضَانَ فَطَرَّ وَصَفَّتْ وَقَصَرَتْ
وَلَطَرَتْ وَصَفَّتْ فَإِنْ أَحْسَنْتِ عَائِشَةُ وَمَاعِدُ عَلِيٍّ

فرماتی ہیں کہ میں حضور ﷺ کے ساتھ رمضان کے عمرہ میں گئی تو آپ نے روزہ نہ رکھا میں نے رکھا آپ نے نماز قصر پڑھی میں نے پوری پڑھی یعنی اتمہ کیا، تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے قصر کیا، میں نے پوری پڑھی، آپ نے قطا رکیاں، میں نے روزہ رکھا فرمایا اے عائشہ تم نے اچھا کیا، مجھ پر اعتراض نہ کیا۔

اس حدیث سے معلوم ہو کہ سفر میں قصر بھی جائز ہے اور تمام بھی۔

جواب یہ حدیث ضعیف ہی نہیں بلکہ محض لفظ اور بناوٹی ہے، کیونکہ حضور انور ﷺ نے کوئی عمرہ رمضان میں نہ کیا۔ حضور علیہ السلام نے کل چار عمرے کیے ہیں، جو سب کے سب وہی قصد میں تھے، البتہ حجۃ الوداع کے عمرہ کا احقر تو وہی قصد میں تھا۔ اور فعال عمرہ ایسا کچھ نہیں اور ابونے، خصوصاً حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا رمضان کے عمرہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونا ایسا عجیب اور عجیبہ مسئلہ ہے جسے وہابی صاحبان ہی حل کر سکتے ہیں، وہابیو! پہلے آپ بات عقل کی ترازو میں تولو، بعد کو بولو۔

اعتراض نمبر ۵ مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْنُ رَكْعَتَيْنِ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ بَعْدَ ذَلِكَ بَكْرٍ وَعُثْمَانُ
صَلُّوا مِنْ خِلافِهِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ ذَلِكَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا صَلَّى مَعَ إِمَامٍ صَلَّى أَرْبَعًا
صَلَّى وَاحِدَةً صَلَّيْ رَكْعَتَيْنِ

فرماتے ہیں حضور ﷺ نے منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں، ابو بکر صدیق نے ان کے بعد عمر فاروق سے اور عثمان غنی نے اپنی شروع خلافت میں، پھر حضرت عثمان نے چار رکعتیں منیٰ میں پڑھیں، حضرت ابن عمر جب امام کے ساتھ پڑھتے تو چار پڑھتے، جب انکے پڑھتے تو دو پڑھتے تھے۔

اگر سفر میں قصر فرمیں اور اتمہ ناجائز ہوتا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ منیٰ شریف میں اتمہ کیوں کرتے؟

جواب اس کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بالکل خلاف ہے، آپ نے تو مسافر و قصر و اتمہ کا اختیار دیا ہے، کہ چاہے قصر کرے، چاہے پوری پڑھے، مگر اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور ﷺ اور حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما نے ہمیشہ قصر پڑھی حضرت عثمان غنی نے اپنی شروع خلافت میں جب قصر پڑھی تو

تمام نہ کیا پھر جب پوری پڑھنے لگے تو کبھی قعر نہ پڑھی احتیاری کسی بزرگ نے نہ دیا، آپ کا یہ عقیدہ کہاں سے ثابت ہے۔

دوسرے یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے صرف منی شریف میں اقامہ کیا عام مغروں میں نہیں معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی مغرمیں اقامہ کے قائل نہ تھے، کسی وجہ خاص سے صرف منی شریف میں اقامہ فرماتے تھے۔

تیسرے یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا منی میں اقامہ فرمایا اس میں نہ تھا کہ آپ قصر و تمام دلوں جا رہے تھے بلکہ اس کی وجہ کچھ اور تھی، کیا وجہ تھی، اس کے متعلق دور واپتیں ہیں امام ابن فضال نے روایت کی کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے منی میں چار رکعت پڑھیں تو لوگوں نے اس کا انکار کیا تو آپ نے درش و فرمایا کہ میں حد معظمہ میں اہل دین ہوں اور میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جو کوئی کسی شہر میں گھر والا ہو جاوے وہ وہاں مقیم کی نماز پڑھے، چنانچہ مسند امام احمد کی حدیث کے ”قربى الفاظ یہ ہیں۔

أَنَّهُ صَنَعَ بِمِثْلِ أَرْبَعِ رُغْعَابٍ فَكَّرَ الدَّسَّ عَلَيْهِ فَضَلَّ يَهْمُ الدَّسَّ أَيْ تَاهَتَتْ بِمِثْلِهِ مُدَّ قَدَمْتُ وَبِئْسَ سَمْعُهُتُ الْخ (مرقاة فتح القدير)

”حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے منی شریف میں چار رکعت پڑھیں تو لوگوں نے آپ پر اعتراض کیا تو آپ سے فرمایا کہ جب سے میں مکہ معظمہ میں آیا، میں گھروالا ہو گیا ہوں۔“

اس رویت سے تین مسئلہ معلوم ہوئے، ایک یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے صرف منیٰ میں چار رکعتیں پڑھیں، ہر سفر میں نہیں، (دوسرے یہ کہ عام صحابہ نے آپ کے اس فعل پر اعتراض کیا، جس سے پتہ چکا کہ تمام صحابہ ہمیشہ سفر میں قصر ہی کرتے تھے، اتمام بھی نہ کرتے تھے، اور نہ آپ پر اعتراض نہ کرتے، تیسرے یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مکہ معظمہ آپ کا ایک قسم کا وطن بن گیا، اور اپنے وطن میں اگر کوئی یک دن کے بیٹے بھی جائے تو مقیم ہوگا، اور قصر نہ پڑھے گا، پھر یہ پڑھے گا، لہذا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا یہ فعل وہابیوں کے اس مسئلہ امتیاز سے کوسوں دور ہے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ رہا۔ عثمانی کے اوسم لوگوں نے حج میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو درگت پڑھتے ہوئے دیکھ کر سمجھا کہ اسلام میں لڑائیں درود رکعتیں ہی فرض ہیں جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اس لحاظ غشی کا علم ہوا تو آپ نے اس لحاظ غشی کو دور کر کے مکے لیے صرف غشی میں قیام کیا یعنی چار رکعتیں پڑھیں چنانچہ عہد ارضاق اور دارقطنی نے ابن جریج سے روایت کی۔

تَدْعِي أَنَّهُ أَوْفَى أَرْبَعًا بِمَعْنَى لَفْظٍ مِنْ أَحَدٍ أَنْ أُخْرِجَ بِأَدْفَى مَسْحَدٍ حَيْثُ بِمَعْنَى يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ
فَإِنَّكَ أَصْنَاهَا رُكْعَتَيْنِ مِنْكَ عَامَ لَأَزِلَّ صُلْبُهُ رُكْعَتَيْنِ فَحَسْبِيَ عُثْمَانُ أَنْ يَطْلُ خُفَاهُ
لَسَ لَصَلْوَةٍ رُكْعَتَيْنِ وَتَهَا كَانَ أَوْ هَذَا بِمَعْنَى

”مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے صرف منیٰ میں ہی چار رکعتیں پڑھیں کیونکہ ایک دیہاتی ے مسجد جہف میں آپ کو پکار کر کہا کہ شمس تو برآمد ہو اور کعتیں ہی پڑھا رہا ہوں جب سے کہ سال گزشتہ میں نے آپ کو دو رکعتیں پڑھتے دیکھ، تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو خطرہ پیدا ہوا کہ جہف و نہار کی دو رکعتیں ہی سمجھ لیں گے اس لیے آپ نے منیٰ میں چار رکعتیں پڑھیں۔“

یام احمد اور عبدالرزاق کی یہ دلوں رواہ تیں اس طرح جمع کی جا سکتی ہیں کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ دونوں کی اس فطرتی کاظم ہو تو آپ نے مکہ معظمہ میں بھی اپنا گھر یا رہنا پسند کیا تاکہ آپ یہاں آکر مقیم ہو کر میں اور محمد رچوری پڑھا کر میں۔

لہذا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اس فعل شریف سے وہابی غیر مقلد کسی طرے و دلیل نہیں چکا سکتے۔

اعتراض نمبر ۵ جیسے شریعت سے مسافر کو روزہ کا اختیار دیا ہے کہ روزہ رکھے یا نہ رکھے مسافر پر سفر میں نہ روزہ رکھنا فرض ہے۔ قضا کرنا فرض ہے ایسے ہی چاہئے کہ مسافر کو سفر میں نماز کا اختیار ہو کہ چاہے قصر کرے چاہے پوری پڑھے، اس پر قصر لازم کر دینا دورے کے اختیار کے خلاف ہے۔

جواب شکر ہے کہ آپ بھی قیاس کے قائل ہو گئے، کہ غدار کے قصہ کو دورے کی قضاء پر قیاس کرنے لگے، مقدمہ خفی قیاس کو، میں تو تمہارے نزدیک مشرک ہوں اور آپ قیاس کریں تو پختہ توحید ہے جس میں، افسوس۔

جنتابہ رورہ سفر میں مصافحہ نہیں ہوا، بلکہ مسافر کو رورہ قضا کر دیے کی اجازت ملی ہے۔ اگر سفر میں رکھے تو پورا، اگر قضا کرے تو پورے کی، ٹیکس فرض نماز سفر میں آدھی مصافحہ ہوگئی ہے کہ چار رکعت دلی نماز کی صرف دو رکعت باقی رہ گئیں، باقی دو رکعتیں نہ اب پڑھیں نہ وطن پہنچ کر، مصافحہ اور چیز ہے، تاخیر کی اجازت کچھ اور، لہذا تمہارے قہر کو رورہ کی، تاخیر پر قیاس کرتا مع تقاریر ہے، مسافر پر رورہ مصافحہ نہ ہو، رورہ اس کی قضا واجب نہ ہوتی، اس پر

رورہ فرض ہے۔

مگر یہ دور کعتیں سے معاف ہیں، اس لیے ان کی قضاء نہیں لہذا یہ رکعتیں اس کے لیے نفل نہیں۔ درنفل نماز فرض کے تحریمہ سے و ہونا خلاف قاعدہ
شرعیہ ہے۔

مسئلہ مسافر پر فرض ہے کہ وطن میں پہنچتے ہی ستر کے رہے اور روزوں کی قضاء شروع کر دے، مگر سفر میں آٹھ رورہ بے قضا ہو گئے پھر وطن پہنچ کر
چار دن بعد فوت ہو گیا تو قیامت میں اب چاروں روروں کی پکڑ ہوگی، باقی چار روروں کی پکڑ نہیں کہ اب کے قضا کرنے کا وقت ہی نہ پایا، یہ نیک بھارا اور
حاکمہ عورت کا حکم ہے، کہ شفا پاتے ہی روروں کی قضاء شروع کر دیں۔

اتھارہواں باب

نماز فجر اوجیالے میں پڑھو

حنفیوں کے نزدیک بہتر یہ ہے، کہ نماز فجر خوب اور اچانک سے پڑھی جاوے، جب سورج طلوع ہونے میں آدھ گھنٹہ باقی ہو، تو جس عت کھڑی ہو، مگر غیر مقلد وہابیوں کے روایک نماز فجر بالکل اور وقت یعنی بہت اندھیرے میں پڑھنا چاہئے، اس لیے ہم اس باب کی بھی دو تفصیلات کرتے ہیں، پہلی فصل میں اس کا ثبوت، دوسری فصل میں اس پر سوالات مع جوابات۔

نوٹ ضروری خیال رہے کہ مذہب حنفی میں دو نمازوں یعنی نماز مغرب اور موسم سرما کی تکبیر کے سوا تمام نمازیں کچھ دیر سے پڑھنا افضل ہیں، نماز مغرب میں جلدی کرنا مستحب ہے۔ ایسے ہی سردی کے موسم میں نماز تکبیر میں، اگر ہم کو اس کتاب کے طویل ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم ہر نماز کی تاخیر پر دلائل قائم کرتے، صرف نماز فجر کی تاخیر پر مکمل بحث کرتے ہیں، تاکہ تاثریں خود کریں، کہ مذہب حنفی کتنا عقلی اور مدلل ہے۔

پہلی فصل

نماز فجر میں اوجیالا باعث ثواب ہے

ہر زمانہ اور ہر موسم میں مستحب یہ ہے، کہ نماز فجر خوب روشنی ہو جانے پر پڑھی جاوے البتہ دسویں دی الحجہ کو حاجی لوگ مزدلفہ میں فجر اندھیرے میں پڑھیں، اس پر بہت احادیث شامد ہیں جن میں سے بطور نمونہ کچھ پیش کی جاتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱۸۸ ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، بخاری، ابوداؤد طیبری، طبرانی نے کچھ فرق سے حضرت رفیع بن خدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ 'اسْمُرُوا بِصُحُوفِهِ' عَظْمُ نَاحِرَةٍ وَقَالَ لِرُمَدِيِّ هَذَا حَدِيثٌ 'صَحِيحٌ'

"دو فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ نماز فجر خوب اوجیالا کر کے پڑھو، کہ اس کا ثواب زیادہ ہے ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔"

خیال رہے کہ اس حدیث میں اوجیالے کرنے سے مراد خوب اوجیالا کرنا ہے جب کے روشنی پھیل جاوے، یہ مطلب نہیں کہ فجر یقیناً ہو جاوے کیونکہ اس کے بغیر تو نماز ہوتی ہی نہیں جس اوجیالے سے ثواب زیادہ ہوتا ہے وہ یہی روشنی ہے جو ہم نے عرض کی۔

حدیث نمبر ۹، ۱۰ بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى صَلَاةً بَعْدَ وَقْتِهَا إِلَّا بَحْنَجَ وَبَصَنَى صَلَاةَ الصُّبْحِ مِنَ الْقَدِّ قَبْلَ وَقْتِهَا

"میں نے حضور ﷺ کو کبھی نہ دیکھا کہ آپ نے کوئی نماز غیر وقت میں پڑھی ہو سوائے مزدلفہ کے کہ وہاں حضور ﷺ نے مغرب و عشاء جمع فرمائی اور اس کی صبح نماز فجر اپنے وقت سے پہلے پڑھی۔"

اس سے معلوم ہو، کہ حضور انور ﷺ ہمیشہ فجر خوب روشنی میں پڑھتے تھے، مگر مزدلفہ میں دسویں و واجبہ کو اندھیرے میں یعنی وقت معاد سے پہلے کر حضور ﷺ ہمیشہ ہی ذیل وقت فجر پڑھتے ہوتے تو مزدلفہ میں پہلے پڑھنے کے کیا معنی، کیونکہ اس سے پہلے تو فجر کا وقت ہوتا ہی نہیں۔

خیال رہے کہ مزدلفہ میں کوئی نماز اپنے وقت سے پہلے نہیں ہوتی، ہاں نماز مغرب و عشاء کے وقت میں آتا ہوتا ہے، اور نماز فجر اپنے وقت میں اس پر ساری امت کا اتفاق ہے۔ اور اس حدیث کے یہ معنی نہیں کہ حضور نے نماز فجر وقت سے پہلے یعنی رات میں پڑھی بلکہ روزانہ کے وقت معبود سے پہلے پڑھی اس معنی پر حدیث بالکل واضح ہے۔

حدیث نمبر ۱۸۹ ابوداؤد، طیبری، ابن ابی شیبہ، اسحاق ابن رواہ، طبرانی نے بخاری میں حضرت رفیع ابن خدیق سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِبَلَالٍ يَا بَلَالُ نَوِّزْ بِصَلَاةِ الصُّبْحِ حَتَّى يَبْضُعَ الْقَوْمُ مَوَاصِعَ نَبْلِهِمْ مِنَ الْإِسْفَارِ

"فرماتے ہیں کہ حکم دیا حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا اے بلال صبح میں اوجیالے کر یا کرو، یہاں تک کہ لوگ اوجیالے کی وجہ

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

”فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کے صحابہ کسی مسئلہ پر ایسے متفق نہ ہوئے جیسے نماز فجر کی روشنی اور نماز مغرب کی جلدی پر متفق ہوئے امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے کہ صحابہ کرام حضور ﷺ کے خلاف عمل پر متفق ہو جاویں۔“

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق و عمر فاروق خوب اوجیلے میں نماز فجر پڑھتے تھے، حتیٰ کہ لوگوں کو سورج نکل آئے کا شبہ ہو جاتا تھا اور صحابہ کرام کا متفقہ عمل اس پر تھا، کہ نماز فجر خوب روشنی میں پڑھی جاوے۔

حدیث نمبر ۲۹ طحاوی شریف نے حضرت علی ابن ربیعہ سے روایت کی۔

قُلْ سَمِعْتُ عِبَّأَ بَقُولِ بَا قَبْرُ سَمْرُ سَمْرُ

”فرماتے ہیں میں نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ فرماتے تھے اے قہر اوجیلہ! کرو اوجیلہ! کرو۔“

معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خوب اوجیلے میں نماز فجر پڑھتے تھے جب کہ افسر دو بار فرماوے سے معلوم ہوتا ہے۔

ہم سے یہاں یہ انتیس حدیثیں بطور نمونہ پیش کیں، اگر یہ دو تحقیقی مقصود ہو تو طحاوی شریف اور صحیح ابیہامی شریف کا مطالعہ فرماؤ، یہ ہر جگہ پھونکا کہ اوجیلے میں فجر پڑھنا سنت رسول اللہ ﷺ منع صحابہ کرام کا تعاقبی عمل ہے۔

عقل کا اتفاق بھی یہ ہے کہ فجر کی نماز اوجیلے میں پڑھی جاوے چند وجہ سے ایک یہ کہ فجر کے نفی معنی ہیں اوجیلہ اور روشنی، لہذا نماز فجر اوجیلے میں پڑھنے سے کام نام کے مطابق ہوگا دراندھیرے میں پڑھنا نام کے مخالف ہے۔

دوسرے یہ کہ اوجیلے میں نماز پڑھنا زیادتی جماعت کا اور یہ ہے، کیونکہ کثیر مسلمان صبح کو دیر سے اٹھتے ہیں اگر جلدی بھی اٹھیں تو اس وقت استہوار بعض کو غسل دھو کرنا، ستیوں پڑھنا ہوتا ہے بعض لوگ اس وقت سنتوں کے بعد، استغفار اور کچھ اعمال کا ذکر کرتے ہیں اؤں وقت فجر کی جماعت کر پے میں بہت سے لوگ جماعت سے بکھیراؤلی سے رو جاتے ہیں اوجیلے میں پڑھنے سے تمام نمازی بخوبی جماعت کی تکمیل اولیٰ میں شرکت کر سکتے ہیں دیکھو نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ کو در قرأت سے اس پے منع فرما دیا تھا کہ ان کے عقیدے ہوں یہ بار ہوں تھی، جس چیز سے جماعت ٹھٹھ جادوے اس سے پرہیز کرنا بہتر ہے جو جماعت کی زیادتی کا سبب ہو، دوسرے یہ اندھیرا جماعت کی کمی کا سبب ہے اسفار جماعت کی زیادتی اور مسلمانوں کی آسانی کا ذریعہ لہذا اسفار بہتر ہے۔

تیسرے یہ کہ اندھیرے میں مسلمانوں کو مسجد میں تا دشاوار ہوگا۔ اوجیلے میں آسان چنانچہ حضرت عمر کو جب اندھیرے میں عین نماز کی حالت میں شہید کیا گیا تو صحابہ نے فجر میں بہت اوجیلہ کرنے کا اہتمام کیا، دیکھو طحاوی شریف صحیح ابیہامی، دار ابن ماجہ وغیرہ۔

چوتھے یہ کہ نماز فجر کو چند امور میں نماز مغرب سے مناسبت ہے، مغرب رات کی وہی نماز سے فجر کے دن کی وہی نماز، مغرب کا رونا بہت ہونے کا وقت ہے، فجر کا کار و بار، کلنے کا وقت مغرب نیند کا فجر بیداری کا پیش خیمہ ہے، ہمیشہ وقت فجر وقت مغرب کے برابر ہوتا ہے یعنی جس زمانہ میں جتنا وقت مغرب کا ہوگا اتنا ہی فجر کا جب نماز فجر نماز مغرب کے مناسبت ہوئی، تو جیسے نماز مغرب اوجیلے میں پڑھنا افضل ہے، ایسے ہی نماز فجر اوجیلے میں پڑھنا بہتر ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراض و جواب

تاخیر فجر بہت تک وہابیوں میر مقدسوں کی طرف سے جس قدر اعتراضات ہم کو معلوم ہو سکے، وہ ہم تفصیل وار مع جواب عرض کرتے ہیں، مگر بعد میں اور کوئی اعتراض معلوم ہو تو ان شاء اللہ تیسرے ایڈیشن میں اس کا جواب بھی دے دیا جائے گا۔

اعتراض نمبر ۱ ترمذی شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْ بَا عَمِيْ نَبْتُ " لَا تُؤَخِّرْهَا الصَّلٰوةُ اِذَا اَتَتْ وَالْجَنَازَةُ اِذَا حَضَرَتْ وَالْاَيَْمُ اِذَا وَجَدَتْ لَهَا كُفْرًا

”کہ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا اے علی! تین چیزوں میں دیر نہ لگاؤ، نماز جب اس کا وقت آ جاوے، جنازہ جب حاضر ہو، لڑکی کا نکاح جب اس کے لیے کفول جاوے۔“

نہ اس ترمذی میں سیدنا عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَقْتُ الْأَوَّلُ مِنَ الصَّلَاةِ رِصْوَانُ الْمَلِكِ وَالْوَقْتُ الْآخِرُ غَفْوُ الْمَلِكِ
 ”فرماتے ہیں کہ نماز کا حضور ﷺ نے کہ نماز کا اول وقت رب کی رضا و خوشنودی ہے اور نماز کا آخر وقت اللہ تعالیٰ کی معافی ہے۔“

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ ہر نماز کا اول وقت پڑھنی چاہئے، خلی وگ فجر ویر میں پڑھ کر رب تعالیٰ کی رضا مندی سے محروم ہیں۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث ہم سے بھی خلاف ہے، کیونکہ تم بھی نماز عشاء اور گرمیوں کی ظہر میں تاخیر مستحب و بہتر جانتے ہو تم بھی خدا کی خوشنودی سے محروم ہوئے تمہارا جواب ہے، وہ وہی ہمارا۔

دوسرے یہ کہ ان حدیثوں میں اول وقت سے وقت مستحب کا اول مراد ہے نہ کہ مطلق وقت کا اول بھی جب نماز کا مستحب وقت شروع ہو جاوے تب دیر لگاؤ نہ نماز فجر میں روشنی ہی اؤں وقت ہے جیسے نماز عشاء کے لیے تہی رات اور وقت ہے۔

اعتراض نمبر ۲ مسلم بخاری اور تمام محدثین سے روایت کی کہ حضور ﷺ ہمیشہ نماز فجر مجلس یعنی اندھیرے میں پڑھتے تھے، لہذا انہیں کا دیر سے فجر پڑھنا مستحب کے خلاف ہے۔

جواب اس اعتراض کے بھی دو جواب ہیں، ایک یہ کہ مجلس کے معنی ہیں، اندھیرا خواہ وقت کے اعتبار سے اندھیرا ہو یا مسجد کا اندھیرا ہو یا مسجد کا اندھیرا حضور ﷺ نماز فجر روشنی میں ہی پڑھتے تھے۔ مگر مسجد میں اندھیرا ہوتا تھا، کیونکہ مسجد نبوی شریف ﷺ بہت گہری بنی ہوئی تھی، چھت میں روشنی و طیر نہ تھے، اب بھی اگر مسجد میں روشنی نہ ہو تو اندر بہت اندھیرا ہے کیونکہ بہت گہری بنی ہوئی ہے مگر دور ہے، اس صورت میں یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے۔

دوسرے یہ کہ اگر مجلس سے صبح کا اندھیرا ہی مراد ہو تو یہ حضور ﷺ کا فعل شریف ہے۔ ارفاق شریف وہ ہے، جو ہم پہلی فصل میں بتا چکے ہیں، یعنی حضور ﷺ نے اندھیرے میں فجر پڑھی مگر ہم کو اوجیالے میں پڑھنے کا حکم دیا، اور جب حدیث قوی و فعلی میں تعارض معلوم ہو تو حدیث قوی کو ترجیح ہوتی ہے کیونکہ فعلی حدیث میں خصوصیت کا اعتبار ہے دیکھو سرکار ﷺ نے خود نو بیاباں نکاح میں رکھیں مگر ہم کو چار بیویوں کی جارت دی۔ ہم حکم پرمیل کر کے صرف چار بیویاں رکھ سکتے ہیں، آپ کے فعل پرمیل نہ کریں گے یہ قادیان رکھ چاہئے، اکتوں میں پراج ہے۔

تیسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے کہ عام صحابہ کرام اوجیالے میں فجر پڑھتے تھے، مانگے انہوں نے حضور ﷺ کا یہ عمل شریف دیکھا تھا، معلوم ہوا کہ حدیث قوی کو ترجیح دے کر اس پرمیل کرتے تھے، دوسری حدیث کو، کئی عمل نہ سمجھتے تھے۔

چوتھے یہ کہ نماز فجر کا اندھیرے میں ہونا قیاس شرعی کے خلاف ہے، اوجیالے میں ہونا قیاس کے مطابق ہذا اوجیالے واں حدیث کو ترجیح ہوگی، کیونکہ جب احادیث میں تعارض ہو تو اس حدیث کو ترجیح ہوتی ہے جو مطابق قیاس ہو۔

دیکھو ایک حدیث میں ہے۔ **لَوْ ضُومًا مِنْهُ لَمَّا** آگ کی پکی چیز کھانے سے وضو واجب ہوتا ہے، دوسری حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے کھانا کھا کر نماز پڑھ لی وضو نہ کیا، پہلی حدیث خلاف قیاس ہے، دوسری مطابق قیاس چند دوسری حدیث کو ترجیح ہوئی پہلی حدیث کی تاویل کی گئی کہ وہاں وضو سے مراد کھانا کھا کر ہاتھ دھونا، نفل کرنا ہے، ایسے ہی یہاں تاویل کی جاوے کہ مجلس سے مراد مسجد کا اندھیرا ہے، نہ کہ وقت کا بہر حال ترجیح روشنی کی حدیث کو ہے۔

ہمارا اعلان ہے کہ کوئی وہابی صاحب ایسی مرفوع حدیث پیش کریں جس میں فجر اندھیرے میں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہو، جیسے ہم نے اوجیالے میں فجر پڑھنے کی ایک دو نہیں، بہت احادیث پیش کر دیں، جس میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔

پانچویں یہ کہ اندھیرے کی تمام احادیث میں جواز کے لیے ہیں اور اوجیالے کی تمام احادیث میں استحباب کے لیے، لہذا دونوں حدیثیں موافق ہیں، مخالف نہیں، یعنی اندھیرے میں فجر پڑھنا جائز ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے اس پرمیل فرمایا اور اوجیالے میں فجر پڑھنا مستحب ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے اس کا حکم دیا۔

اعتراض نمبر ۳ مسلم بخاری نے حضرت ام اسود میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنِي الصُّبْحَ فَيَصْرِفُ النِّسَاءَ مُسْفَعَاتٍ بِمُرُؤَاتِهِنَّ
 مَا يُعْرِفُنَّ مِنَ الْغَنَسِ

”فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ نماز صبح سے ایسے وقت فارغ ہوتے تھے کہ عورتیں اپنی چادر میں لپی ہوئی مسجد سے: ہنس ہوتیں اور اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں۔“

معلوم ہوا کہ نماز فجر تہی جلدی شروع کرنا مستحب ہے کہ جب سامنے یہ سواتیں پڑھ کر نماز سے فارغ ہو تو کوئی لڑکی اندھیرے کی وجہ سے پہچانا نہ جا

سکے، جتنی تباہی و بربادی کر کے فجر پڑھتے ہیں، اگر شروع نماز کے وقت ہی لوگ پیچھے نہ جاتے ہیں، ان کا یہ عمل سنت کے خلاف ہے۔

جواب اس کے جوابات اعتراض ۳ کے جواب میں گذر چکے کہ یا تو یہ مسجد کا اندھیرا ہوتا تھا نہ کہ وقت کا، یا اس عمل شریف پر حضور علیہ السلام کے فرمان در حکم کو ترجیح ہے، وغیرہ، یہاں ایک جواب اور بھی ہو سکتا ہے وہ یہ کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ شریف میں عورتوں کو جماعت نماز میں حاضری کا حکم تھا، ان کے کاغذ سے نماز فجر جلدی پڑھی جاتی تھی، کہ وہ بیویاں پردہ سے گھر چلی جاویں، پھر عید فاروقی میں عورتوں کو مسجد سے روک دیا گیا، تو یہ رعایت بھی ختم ہوئی، عورتوں کو جماعت سے روکنے کی پوری تحقیق اور اس کی وجہ ہماری کتاب سیدی رمذی میں ملاحظہ کرو۔

اعتراض مہموز ترمذی شریف نے اس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قَدْ رَأَيْتُ مَا صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَوةً لَوْ فَتَنَها الْاَحْرَارُ مَرَّتَيْنِ حَتَّى لَبِثَهُ اللَّهُ
 "فرماتی ہیں کہ حضور انور ﷺ نے دو دفعہ بھی کوئی نماز آخر وقت میں نہ پڑھی یہاں تک کہ رب کے آپ کو وفات دی۔"

اس سے معلوم ہو کہ تمام نمازیں خصوصاً نماز فجر ذل وقت پڑھنا حضور ﷺ کی دائمی سنت ہے، یہ حکم منسوخ نہ ہو، حضور علیہ السلام نے آخر حیات شریف تک اس پر عمل کیا افسوس کہ حنفی ایسی دائمی سنت سے محروم ہیں، جو حضور علیہ السلام نے ہمیشگی۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث صحیح بھی نہیں، اور اس کی اسناد متصل بھی نہیں کیونکہ اس حدیث کو اسحاق ابن عمر سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا، اور اسحاق ابن عمر نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کبھی ملاقات نہ کی، لہذا اور میان میں روکی رہ گیا ہے۔ اس لیے امام ترمذی نے اس حدیث کے ساتھ فرمایا۔

قَالَ اَبُو عَنَسِي هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَلَسْ اَسَدُهُ بِمُتَّصِلٍ
 "یوں ہے کہ فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد متصل نہیں۔"

اس کے حاشیہ میں ہے۔

لَا تُهْلُ لَمْ يَنْتِ مُلَاقَاةُ اِسْحَاقَ مَعَ عَائِشَةَ مَرَّةً وَاحِدَةً
 "کیونکہ اسحاق کی ملاقات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نہ ہوئی۔"

لہذا یہ حدیث قابل عمل نہیں، افسوس ہے کہ دہائی ہم سے تو بالکل صحیح اور نکاحی حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں، اور خود ہی ضعیف اور ناقابل عمل حدیثیں پیش کر دینے میں تامل نہیں کرتے۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث بہت احادیث کے خلاف ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے بہت دفعہ نمازیں آخر وقت پڑھی ہیں۔ جب حضرت جبریل نماز کے اوقات عرض کرے آئے، تو یہوں نے دو دن حضور ﷺ کو نمازیں پڑھا میں، پہلے دن تمام نمازیں اذان وقت میں، دوسرے دن آخر وقت میں ایک دفعہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے نماز کے اوقات پوچھے تو آپ نے اسے دو دن اپنے پاس ٹھہرایا، ایک دن نمازیں اذان وقت میں پڑھا میں دوسرے دن آخر وقت، تقریباً کی رات میں حضور ﷺ نے فجر کی نماز قضا پڑھی، غزوہ خندق میں حضور علیہ السلام نے کئی نمازیں قضا کر کے پڑھیں، عام طور پر ستر میں حضور ﷺ نماز ٹکڑا "خروجت اور صراذان وقت پڑھتے تھے، ایسے ہی مغرب آخر وقت مثلاً اذان وقت پڑھتے تھے۔ ایک حضور ﷺ نماز فجر کے پینے بالکل "خروجت تشریف لائے، اور بہت جلد فجر پڑھا لی، بعد میں فرمایا کہ آج ہم ایک خواب دیکھ رہے تھے کہ رب تعالیٰ سے اپنا وسع قدرت ہمارے سینہ اقدس پر رکھنا۔ (مشکوٰۃ باب المساجد)

غرضیکہ حضور علیہ السلام نے بارہ نمازیں آخر وقت میں پڑھیں اور اس حدیث میں ہے کہ آپ نے کوئی نماز آخر وقت میں دو بار بھی نہ پڑھی لہذا یہ روایت ناقابل عمل ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث تہارے بھی خلاف ہے پھر تم عشاء آ کر وقت یعنی تہائی رات گئے پڑھنا مستحب کیوں کہتے ہو: اگر میں نے نماز فجر آخر وقت میں مستحب کیوں۔

اعتراض مہموز تم نے جو حدیث پیش کی تھی کہ فجر کو اوجھالے میں پڑھو، اس میں اوجھالے سے مراد صبح صادق کی وہ روشنی ہے جس سے وقت فجر آ جانا، یعنی ہو جاوے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نماز فجر خشک کی حالت میں نہ پڑھو، بلکہ بغیر ہو جاوے کہ وقت ہو گیا، تب پڑھو، وہاں اسفار سے وہ روشنی مراد نہیں جو جنیوں نے بھی یعنی خوب اوجھالے بہت سے محدثین نے اس حدیث کا یہی مطلب بیان کیا۔

جواب ہرگز نہیں کیونکہ اتنا اوجھالہ کہنا تو فرض ہے، خشک کی حالت میں نماز فجر پڑھنا جائز نہیں، اور یہاں فرمایا گیا کہ اس وجہ سے کا جواب زیادہ ہے یعنی یہ اوجھالہ مستحب ہے نہ کہ فرض، لہذا اس اوجھالے سے مراد وہی روشنی صبح ہے جس میں فجر پڑھنا مستحب ہے اور جو ہم نے معنی کیے وہ

یہ درست ہیں حدیث سمجھنے کے لیے تفسیر ضروری ہے۔

انیسواں باب

ظہر ٹہنڈ کر کے پڑھو

وقت ظہر سورج ڈھلنے سے شروع ہوتا ہے اور اس وقت تک رہتا ہے جبکہ برج کا سایہ اس کے نصف النہار کے سایہ کے علاوہ دو گنا ہو جاوے، سردیوں میں نماز ظہر جلدی پڑھنا اور گرمیوں میں کچھ دیریں پڑھنا، کہ دوپہر کی تیزی جاتی رہے کچھ ٹھنڈک ہو جاوے سنت ہے مگر غیر مقلد وہابی نماز ظہر چھپاتی دوپہر میں پڑھ لیتے ہیں اور ایک مثل سایہ کے بعد عصر پڑھ لیتے ہیں، طرح طرح خبیثوں کو بہکاتے ہیں کہ تمہارا مذہب حدیث کے خلاف ہے اس لیے اس باب کی بھی دو تفصیلات کی جاتی ہیں پہلی فصل میں اس کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر مختصر ضابطہ مع جوابات، خفیوں کو چاہیے کہ اپنے دلائل اور وہابیوں کے جوابات یاد رکھیں۔

پہلی فصل

ظہر ٹہنڈ کر کے پڑھو

سردیوں میں چونکہ دوپہر ٹھنڈی ہوتی ہے لہذا اس زمانہ میں سورج ڈھلنے ہی ظہر پڑھنی سنت ہے لیکن گرمیوں میں دیر سے پڑھنی سنت جبکہ ٹھنڈک ہو جاوے اور دوپہر کا جوش کم ہو جاوے، دلائل حسب ذیل ہیں۔

حدیث نمبر ۵۴۱ بخاری، مسلم، نسائی، ابوداؤد و ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا شَدَّ الْحَرُّ بَرَدُ بِالصَّلَاةِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

"فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب گرمی تیز ہو تو نماز ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

حدیث نمبر ۱۰۴۶ ابوداؤد و طیالسی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مسلم، بخاری، نسائی، ترمذی نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے کچھ اختلاف کے ساتھ روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ شَدَّ الْحَرُّ مِنْ فَيْحِ حَيْثُمْ قَامَ ذُو الْبَطْنِ وَشَكَّتِ الدَّارُ لِي رَيْبًا فَقُلْتُ رَبِّ اكُنْ بَعْضًا فِدَنٍ بَهَا بِفَقْسٍ بَقَسٍ فِي الشَّتَاءِ وَبَقَسٍ فِي الصَّيْفِ

"فرمایا نبی ﷺ نے گرمی کی تیزی و وزخ کی بھڑک سے ہے، چند عہد ٹھنڈی کر دو آگ بے رب کی ہار گاہ میں شکایت کی عرض کیا کہ مولا میرے بعض نے بعض کو کھڑا تا تو رب نے اس دوسانوں کی جازت دی ایک سانس سردی میں ایک سانس گرمی میں۔"

حدیث نمبر ۹۱ نسائی شریف نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ بَرْدٌ بِرَدِّ الصَّلَاةِ وَإِذَا كَانَ الْبَرْدُ عَجَلُ

"فرماتے ہیں کہ جب گرمی زیادہ ہوتی تھی تو حضور ﷺ ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھتے تھے اور جب سردی ہوتی تھی تو جلد پڑھ پیتے تھے۔"

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ گرمیوں میں ظہر جلد پڑھنا سنت کے خلاف ہے۔

حدیث نمبر ۱۹۴۱۲ بخاری، ابوداؤد، ابن ابی شیبہ، ترمذی، ابوداؤد و طیالسی، عیاضی، ابوعوانہ، ترمذی نے حضرت ابوزر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَسِيرٍ إِذْ دَنَا مِنَ الْمَوَازِينِ إِذْ بَرَدَ سَطْرُهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ بَرْدٌ حَتَّى رَأَيْتَ فِي النَّاسِ الْقُلُوبَ فَاقْلَبْهَا إِلَى اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا شَدَّ الْحَرُّ مِنْ فَيْحِ حَيْثُمْ قَامَ ذُو الْبَطْنِ وَشَكَّتِ الدَّارُ لِي رَيْبًا فَقُلْتُ رَبِّ اكُنْ بَعْضًا فِدَنٍ بَهَا بِفَقْسٍ بَقَسٍ فِي الشَّتَاءِ وَبَقَسٍ فِي الصَّيْفِ

"فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے، موازن نے ظہر کی آواز سنی، موازن نے فرمایا غصہ کرو، پھر انہوں نے آواز کا قصد کیا تو فرمایا غصہ کرو یہاں تک کہ ہم نے نیسوں کا سایہ دیکھ لیا تو فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ گرمی کی تیزی و وزخ کی بھڑک سے ہے، پس جب گرمی تیز ہو تو نماز ٹھنڈی کیا کرو ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

حدیث نمبر ۲۰ طحاوی شریف نے حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْتَمِدُ فِي الشَّيْءِ وَيُؤَخِّرُ هَافِي الضَّيْبِ

"انہوں نے دیکھا نبی ﷺ کو ظہر کی نماز سردیوں میں جلدی پڑھتے تھے اور گرمیوں میں دیر سے پڑھتے تھے۔"

اس کے متعلق اور بھی بہت سی احادیث پیش کی جا سکتی ہیں مگر اختصار جنس میں حدیثوں پر اکتفا کرتا ہوں، مگر تفصیل دیکھنی ہو تو صحیح ابیہاری، طحاوی وغیرہ کا مطالعہ فرماد۔

صال اہے

کہ نماز جمعہ کا وقت بھی ظہر کی طرح گرمیوں میں غنڈہ کر کے پڑھی جاوے بعض لوگ سخت گرمی میں بھی جمعہ کی نماز بالکل ادا کر دیتے ہیں یہ خلاف سنت ہے غیر مفید و ہائی تو اس سے پہلے بھی جمع پڑھ لینے سے گریز نہیں کرتے۔

بخاری شریف نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ أَمَرَ بِالصَّلَاةِ يَغْسِي الْجُمُعَةَ

"فرماتے ہیں کہ جب سخت غنڈہ ہوتی تو حضور ﷺ نماز جمعہ پڑھتے تھے اور جب گرمی تیز ہوتی تو نماز غنڈی کر کے پڑھتے تھے یعنی نماز جمعہ۔"

غرضیکہ نماز جمعہ نماز ظہر کی طرح سردیوں میں جلد در گرمیوں میں بکھد کر کے گرمی کی تیزی نوٹ جانے پر پڑھنی چاہیے۔

مصل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ نماز ظہر گرمیوں میں غنڈی کر کے پڑھنا چاہیے کہ تیز گرمی میں ظہر پڑھنا مسلمانوں کی تکلیف کا باعث ہے اس سے جماعت گھٹ جائیگا اندیشہ ہے، کیونکہ گرمیوں میں عام کاروباری لوگ دوپہر کا کھانا کھا کر قیوں بھی دوپہر کو آرام کرتے ہیں، اور دوپہر کی نماز گھر میں گزارنا چاہتے ہیں اگر اس حالت میں نماز ظہر پڑھی جاوے تو وہ لوگ سنت قبول سے بھی محروم رہیں گے اور اس پر اس وقت مسجد کی حاضری گرس بھی پڑے گی یہی مسئلہ پر شریعت مطہرہ آسانی کرتی ہے۔

ایک یہ کہ گذشتہ حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور نور ﷺ ظہر غنڈی کر کے پڑھتے تھے اور اس کا حکم دیتے تھے اور ظاہر ہے کہ تمام جگہ خصوصاً ملک عرب میں ایک مثل سایہ کے بعد دوپہر کی نماز ہوتی ہے ایک مثل تک سخت بھڑک رہتی ہے اگر ایک مثل پر وقت ظہر نکل جاوے تو یہ حادثہ غلط ہوگی۔ دوسرے یہ کہ گذشتہ حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت نماز ظہر پڑھی جب نیوں کا سایہ نمودار ہو گیا ایک مثل سایہ کے وقت نیوں کے سایہ نمودار نہیں ہوتا نیز تکہ پھیلا دے کی وجہ سے اس کا سایہ ایک مثل کے بعد ظاہر ہو سکتا ہے اگر ایک مثل پر وقت ظہر نکل جاوے تو یہ حدیث بھی غلط ہوگی۔

تیسرے یہ کہ نماز عصر کا وقت ہمیشہ ظہر کے وقت سے کم ہونا چاہئے اگر ایک مثل پر وقت عصر ہو جایا کرے تو ظہر کے برابر بلکہ کبھی ظہر سے بڑھ جاوے گا یہ قالوں شرعی کے خلاف ہے کیونکہ بخاری شریف نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مرفوعہ نقل فرمائی کہ حضور نور ﷺ نے اپنے امت کی مثال یہود و نصاریٰ کے مقابل اس طرح دی، کہ کوئی شخص کسی حذر کو صبح سے دوپہر تک ایک قیراط پر رکھے دوسرے کو دوپہر سے نماز عصر تک ایک قیراط پر رکھے تیسرے کو نماز عصر سے سورج ڈوبے تک دو قیراط اجرت پر رکھے، پہلے مزدور یہود ہیں دوسرے مزدور نصاریٰ اور تیسرے مزدور مسلمان کہ ان کے عمل کا وقت تھوڑا حذروری دو گنی حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

إِلَّا فَتَنُمُ الدُّيُنُ بِغَمَلُونَ مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلَى مَغْرِبِ الشَّمْسِ إِلَّا لَكُمْ الْآخِرُ مَرَّتَيْنِ

"حذر دار ہو کہ تم ہی وہ لوگ ہو جو نماز عصر سے سورج ڈوبے تک کام کرتے ہو تمہاری حذروری دو گنی ہے۔"

اگر عصر کا وقت ایک مثل سے شروع ہو جائے، تو ظہر کے برابر بلکہ کبھی اس سے زیادہ ہوتا اس صورت میں مسلمانوں کی یہ مثال بیاں نہ فرمائی جاتی، لہذا نماز عصر کا وقت ظہر سے کم ہونا چاہئے یہ جب ہی ہو سکتا ہے جب دو دو مثل سایہ سے شروع ہو اگر ایک مثل پر عصر شروع ہو جاوے تو بخاری شریف کی یہ حدیث بھی غلط ہو جاتی ہے، اس لیے ماننا پڑے گا کہ عصر دو مثل پر شروع ہو جاتی ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر غیر مقدمہ واپسوں کے بعض اعتراضات تو وہ ہیں جن کے جوابات ہم اس سے پہلے باب میں دے چکے ہیں، اچھے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ نماز اذان وقت میں پڑھنا افضل ہے یا جیسے تیس چیزوں میں دیر نہ لگاؤ۔ نماز بتوہ اڑنی کا نکاح بعض اعتراضات کے علاوہ ہیں، ہم وہ اعتراضات مع جوابات عرض کرتے ہیں، رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ۹: ابو داؤد۔ ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عباس سے ایک دراز حدیث روایت کی جس میں رشتہ دہن آیا کہ حضرت جبریلؑ نے مجھے دو دن راز پڑھا کی ایک دن ہر نماز اس وقت پڑھی دوسرے دن ہر نماز صغریٰ وقت میں اس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

وصلی بی العصر حیث صار ظل کبی شی منه

"حضرت جبریلؑ نے مجھے پہلے دس عرصوں کے وقت پر حوائج کے وقت پر حوائج کا سا چاہا ایک حشر ہو گیا۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عصر کا وقت ایک محل میں پر شروع ہو جاتا ہے اور عجم کا وقت اس سے پہلے نکل جاتا ہے۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ کسی حدیث میں ایک جگہ یہ بھی ہے

فَلَمَّا كَانَ الْغَدُ صَنَىٰ بِي الطُّهْرَ حَتَّىٰ كَانَ خُدَّةُ عَشَّةَ

"جب دوسرا دن ہوا تو مجھے حضرت جبریل نے نمازِ عصر پڑھائی جبکہ مرجع کا سایہ اس کی مثل ہو گیا۔"

فرمائیے پہلے دن ایک سیہ پر نماز عصر پڑھائی اور دوسرے دن خاص اسی وقت نماز عصر پڑھائی، حالانکہ وقت عصر، ظہر کا وقت نکل جانے کے بعد شروع ہوتا ہے اگر ایک مثل سیہ پر وقت عصر داخل ہو جاتا ہے تو دوسرے دن اسی وقت نماز ظہر کیوں پڑھائی گئی، دوسرے یہ کہ اس حدیث میں اسی جگہ یہ الفاظ ہیں۔

وصل ہی، العصر حین کہ ظنہ، غنلیہ "اور دوسرے دن مجھے لہر مصر جب پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ اوشل ہو گیا۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز عصر کا آخری وقت دو ٹکڑوں میں ہے حالانکہ آخری وقت سورج کا غروب ہے۔

تیسرے یہ کہ اس حدیث میں ذلی دن کی نماز عصر میں صرف ایک شل سا یہ کا ذکر ہے اور دوسرے دن کے آخر عصر میں دو شل سا یہ کا ذکر ہے اصل سا یہ کے علاوہ ہونا چاہیے تو جو تمہارا جواب ہے ۱۰۰ ہمارا۔ چوتھے یہ کہ اس حدیث میں تو یہ ہے کہ حضور کو ایک شل سا یہ پر نماز عصر پڑھا دی گئی اور جو حدیثیں ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں ان میں ذکر ہے کہ حضور ﷺ نے گرمی میں نماز عصر غنڈی کر کے اور نیسے کا سا یہ پڑ جانے پر فرمائی جو ایک شل کے بعد ہوتا ہے تو حدیثیں آپس میں متعارض ہوئیں لہذا ہماری پیش کردہ حدیثوں کو ترجیح ہوگی کیونکہ دو قیاس شری کے مطابق ہیں اور یہ حدیث قابل عمل نہیں کیونکہ قیاس شری کے خلاف ہے تعارض کے وقت حدیث کو قیاس سے ترجیح ہوتی ہے۔

یاد رکھیں یہ کہ حضرت جبریل کا یہ عمل پہلے واقع ہوا کیونکہ شب معراج کی صبح کو ہوا جب کہ نماز فرض ہی ہوئی تھی اور حضور ﷺ کا عمل جو ہم ثابت کر چکے ہیں یعنی شذک میں نماز پڑھنا بعد کا عمل ہے لہذا تمہاری پیش کردہ حدیث مسموع ہے ہماری پیش کردہ حدیث اس کی تائید اس لیے یہ حدیث قابل عمل نہیں۔

چھٹے یہ کہ شرعی قاعدہ ہے کہ یقینی چیز شک سے راکل نہیں ہو سکتی یقین کو یقین ہی دفعہ کر سکتا ہے اس قاعدہ پر محد ہا مسل کا لے گا لے گئے ہیں سورج اٹھنے سے وقت ظہر یقیناً آ گیا اور ایک شل سا یہ پر اس وقت کا اٹلنا مشکوک ہے تو اس شک سے وقت ظہر نہ نکلے گا اور وقت عصر داخل نہ ہوگا وشل پر ظہر کا نکل جانا یقینی ہے لہذا یہ ہی حکم قابل عمل ہے۔ کہ تمہارا قول۔

اعتراضِ مبہر ؟ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ نمازِ عکرماتنی جلدی پڑھتے تھے کہ فرش بہت گرم ہوتا تھا ہم اس پر سجدہ نہ کر سکتے تھے اسی لیے سجدہ سے کی جگہ کپڑا یا ٹھنڈی بھجری رکھتے تھے اس سے مظلوم ہوا کہ نمازِ عکرمات میں بھی ذل و قسوت ہی پڑھنی چاہیے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک ہی کہ یہ حدیث ان ترمذیوں کے خلاف ہے جن میں گریبوں کی ظہر کی تاخیر کرنے ٹھنڈی کرنے کا حکم ہے، اور وہ حدیثیں قیاس شرعی کے مطابق لہذا وہ ہی قابل عمل ہیں یہ حدیث ناقابل عمل یا منسوخ ہے۔

دوسرے یہ کہ قریش کی گرمی خصوصاً ملک عرب میں بہت دیر تک یعنی ایک خشک سایہ کے بعد تک رہتی ہے، یہ گرمی پہلے کی ہوتی تھی وقت ٹھنڈا ہو چکا تھا لہذا یہ حدیث ان احادیث کے بالکل خلاف نہیں جن میں ٹھنڈک کا علم ہے، جہاں تک ہر سکے احادیث میں مطابقت کی جاوے۔

اعتراض نمبر ۳ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ عصر اتنی جلد ہی پڑھتے تھے کہ بعد نماز عصر دسٹ دیا کر کے بوٹیاں بنا کر بھوس کر آفتاب ڈوبنے سے پہلے کھا لیتے تھے اور ہم میں سے بعض لوگ نماز عصر کے بعد تین میل مسافت طے کر کے اپنے گھر پہنچ جاتے تھے اور ابھی سورج چمکتا ہوتا تھا جیسا کہ مسلم شریف وغیرہ میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ عصر کی نماز دو رکعت سے پہلے پڑھی جاتی تھی کیونکہ دو رکعت کے بعد نماز وقت نہیں چلتا کہ یہ کام کیسے چاویں۔ (عام دہلی)

جواب یہ تمام حدیثیں درست ہیں مگر آپ کا یہ مذکورہ نتیجہ ٹکالنا غلط۔ دو رکعت کے بعد عصر پڑھ کر تین میل فاصلہ بخوبی طے ہو سکتا ہے اہل عرب بہت تیز رفتار ہیں ہمارے اس بھی بعض لوگ دس منٹ میں ایک میل چل لیتے ہیں تین میل آدھ گھنٹے میں چلے جاتے ہیں، عصر کا وقت بعض زمانہ میں دو گھنٹہ سے بھی زیادہ ہوتا ہے ایسے ہی وقت کا رخ کر لینا اور بھوس کرکھنا عروبا آفتاب سے پہلے ہو سکتا ہے اہل عرب رخ اور گوشت صاف کرنے پکانے میں بہت سی پھرتیے ہوتے ہیں جیسا کہ تحریر ہے۔

اعتراض نمبر ۴ مسلم بخاری میں حضرت بل بن سہ سے روایت ہے۔

لَا مَا كُنَّا بَقُلِّ وَلَا تَعْدِي إِلَّا بَعْدَ الْخُمَةِ "ہم صحابہ نہیں قبول کرتے تھے، نہ ناشتہ کھاتے تھے مگر جمعہ کے بعد۔"

اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز سخت گرمی میں بہت جلد پڑھنی چاہیے کہ دوپہر کا شمار بلکہ صبح کا ناشتہ بھی بعد نماز کا چاہیے، پھر تم کیسے کہتے ہو کہ گرمیوں میں جمعہ غصا کر کے پڑھو۔

جواب اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث ظاہری معنی سے تمہارے خلاف ہے کیونکہ اس سے ظہر آتا ہے کہ نماز جمعہ ناشتہ اور ٹیلور بھی دوپہر کے ظہر سے پہلے پڑھی چاہیے تو چاہیے کہ فجر کے بعد فوراً جمعہ پڑھ لیا چاہیے کیونکہ ناشتہ تو بالکل سویرے ہوتا ہے تم بھی قی حدی جمعہ پڑھ بنے کے قائل نہیں۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہم جمعہ کے دن جمعہ کی تیاری کی وجہ سے نماز سے پہلے نہ ناشتہ کرتے تھے نہ دوپہر کا ظہر بعد نماز یہ سب کچھ کرتے تھے یعنی نماز کی وجہ سے ناشتہ آرام چھپے کر دیتے تھے، نہ ناشتہ اور ظہر کی وجہ سے جمعہ پہلے پڑھ دیتے تھے جیسا کہ تم سمجھو۔

تیسرے یہ کہ اس حدیث میں سردیوں کے جمعہ کا ذکر ہے کہ اس زمانہ میں دن چھوٹا ہوتا ہے دوپہر میں گرمی نہیں ہوتی اس لیے سورج ڈھلتے ہی جمعہ پڑھ لیتے تھے دوپہر کھانا اور آرام بعد جمعہ کرتے تھے اب بھی مہینہ والے یہی کرتے ہیں۔ بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الْخُمَةَ حِينَ تَرَوْنَ الشَّمْسَ

"حضور ﷺ آفتاب ڈھلنے کے بعد جمعہ پڑھتے تھے۔"

لہذا اس مذکورہ حدیث کے معنی یہ نہیں کہ نماز جمعہ سورج ڈھلنے سے پہلے پڑھ لی جاتی تھی چونکہ نماز جمعہ نماز ظہر کی نائب ہے لہذا ظہر کے وقت میں ہی ادا ہوگی اور گرمیوں میں ٹھنڈک کر کے سردیوں میں سورج ڈھلتے ہی پڑھی جائیگی ظہر کی طرح اب حدیث میں کوئی تصریح نہیں۔

بیسواں باب
آذان و تکبیر کے الفاظ

شریعت میں آذان و اقامت کے (تعمیر) الفاظ اور احکام تقریباً یکساں ہیں جو الفاظ آذان کے ہیں اور ہی تعمیر کے صرف جن علی الفلاح کے بعد قدامت الصلوٰۃ اور بار بار دو تریج نہ آذان میں ہے نہ اقامت میں آذان کے کل چندہ کلمے ہیں، در اقامت کے سترہ کلمے جیسا کہ عام طور پر مسلمانوں میں رائج ہے۔ مگر غیر مقلد وہابیوں کی ذہن بھی اس آذان سے علیحدہ ہے اور اقامت بھی اس قدامت کے سوا ہے وہ دال کی دونوں شہادتوں کو دو دو بار کی بجائے چار چار بار کہتے ہیں، اولاً دو بار سترہ بھر بلند دہرائے سے تریج کہتے ہیں یعنی پہلے **اشھد** لا الہ الا اللہ آہستہ کہتے ہیں پھر تریج کر یہی **اشھدان محمد رسول اللہ** کو اس حساب سے ان کے نزدیک آذان کے کلمات چندہ کے بجائے انہیں ہیں اور قدامت (تعمیر) کے کلمات ایک ایک ہر کہتے ہیں اس طرح کہ دونوں شہادتیں اور **حی علی الصلوٰۃ** اور **حی علی الفلاح** ایک ایک بار ان کے نزدیک قدامت کے کلمات بجائے سترہ کے تیرہ ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلامی، ان و اقامت وہی ہے جو ہم کہتے ہیں۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر اس وجہ سے حق طعن کرتے ہیں اور اس ذات کریم کو کج لیاں دیتے ہیں، پہلی فصل میں اس مروجہ سدھی اذان کا ثبوت دوسری فصل میں اس پر اعتراضات مع جوابات اللہ رسول قبول فرماوے۔

پہلی فصل

موجودہ آذان و اقامت کا ثبوت

حق یہ ہے کہ آذانِ قامت کے گھنٹے دو دو ہیں، نہ آذان میں ترجیع ہے، نہ اقامت (گھنیر) کے گھنٹے ایک ایک پہلی گھنیر چارہتر حر میں کلمہ لا الہ الا اللہ ایک درہاقی تمام العاقل وود و لائل حسب ذیل میں۔

حدیث نمبر ۶۱ ابو ذر غفاری، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، اور قطنیؓ سے سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی

أَنَّهُ قَالَ كَانَ الْإِذَا نَ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مَرَّتَيْنِ وَالْأَقْدَمُ مَرَّةً مَرَّةً غَيْرَ أَنَّهُ يَقُولُ لَقَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ الْخ

"وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں اذان کے کلمات دو دو بار تھے اور تکبیر یک ایک بار اس کے ساتھ۔ کے تکبیر میں قد قامت الصلوۃ بھی کہتے تھے۔"

اس حدیث کے مطلق ابن جوزی جیسے ناقد فرماتے ہیں۔

ہذا "اسناد" صحیح، سعید المقبری و ثقہ ابن حبان و غیرہ بہری،
 "یہ اسناد صحیح ہے۔ سعید مقبری کی بن حبان نے توثیق کی۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان میں ترجیع نہیں ورنہ اذان کے کلمات دو دو نہ ہوتے شہدائیں چار چار یا پانچ پانچ کی قامت کے ایک بار ہوئے گا جو ب دوسری فصل میں عرض کیا جا رہا ہے۔

حدیث نمبر ۷ طبرانی نے معجم الاوسط میں بخاری و مسند احمد و سنن ابی داؤد و سنن ترمذی کے پوتے حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کے بارے میں بیان کیا ہے۔
ملازمہ سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ حَدِي عَبْدِ الْمَلِكِ ابْنَ أَبِي مَحْذُورَةَ يَقُولُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُ بِأُحْذُورَةَ يَقُولُ أَلَمِ عَيْ
رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِأَدَانَ قُحْرًا قَالَ اللَّهُ أَتُكْبِرُ إِلَهَ حُرٍّ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ تَرْحِيمًا

”فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دادا عید ملک ابن ابی محمد اور کوستا دفرماتے ہیں تھے کہ انہوں نے اپنے دادا ابو محمد فرماتے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور ان کا ایک ایک لفظ بتایا: ”اللہ اکبر“ ”اللہ اکبر“ آخر تک اس میں ترجیح کا ذکر نہ فرمایا۔“

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آذان میں ترجیع کا حکم حضور ﷺ نے دیا پہنچا ترجیع سنت کے خلاف ہے۔

حدیث نمبر ۹ ابن ابی شیبہ۔ ترمذی نے حضرت ابن ابی شیبہ سے کچھ اختلاف الفاظ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ رَيْدٍ الْأَنْصَارِيُّ مُنَوِّذٌ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَشْمَعُ الْأَدْنَ وَالْإِقَامَةَ ،

فرماتے ہیں، کہ عبداللہ ابن رید انصاری حضور ﷺ کے منوذن اذان اور تکبیر دو دو بار کہتے تھے۔

اس حدیث سے مسئلہ معلوم ہونے لگا کہ ایک ایک دواں ترجیع نہیں، دوسرے یہ کہ اقامت یعنی تکبیر کے کلمات دو دو بار کہے جاویں، نہ کہ ایک ایک بار۔

حدیث نمبر ۱۰ بخاری نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

نَهَى كَانَ يَقُولُ الْأَدْنَ مَشْيَ مَشْيٍ وَالْإِقَامَةُ مَشْيَ مَشْيٍ وَمَنْزِلٌ خَلِي يُقْبِلُهُ مَرَّةً مَرَّةً فَفَصَلَ اجْعَلْهَا مَشْيَ

مَشْيٍ لَا أَمَّ لَكَ

”آپ فرماتے تھے کہ اذان بھی دو دو بار، یہ تکبیر بھی دو دو بار اور ”پ“ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) ایک شخص پر گزرنے پر اقامت ایک ایک بار کہہ رہا

تھا۔ تو آپ نے فرمایا اسے دو دو بار کر تیری ماں بند ہے۔“

حدیث نمبر ۱۱ ابوود و شریف نے حضرت سفیان بن عیینہ سے ایک طویل حدیث بیان فرمائی جس میں عبداللہ ابن رید انصاری کی خواب

کا واقعہ مذکور ہے جو اسوں نے اذان کے متعلق دیکھی تھی انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا، کہ میں نے فرشتے کو خواب میں دیکھا

، جس نے قہر کی طرف منہ کر کے اللہ اکبر، اللہ اکبر، شہد، لا الہ الا اللہ، الخ کہا پھر کچھ ٹھہر کر، اذان کی طرح تکبیر بھی کہی الخ

حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَهَا مَلَا لَا فَادْنَ بِهَا

راوی کہتے ہیں، کہ حضور نے عبد اللہ سے فرمایا کہ یہ اذان حضرت جابر پر بتائیں کرو، وہی حضرت جابر نے اذان لہی کلمات سے دی۔

اس حدیث سے معلوم ہو کہ نہ تو خواب والے فرشتے نے اذان میں ترجیع کی تعلیم دی نہ اسلام کی پہلی اذان میں ترجیع تھی جو حضرت جابر نے حضور

کی موجودگی میں عبداللہ ابن رید کی تعلیم سے کہی یہ بھی معلوم ہو کہ اقامت بھی اذان کی طرح دو دو بار ہے۔ لیکن اس میں فقہ امام المصنف

بھی ہے۔

حدیث نمبر ۱۲، ۱۳ ابن ابی شیبہ اور بخاری نے عبدالرحمن ابن لیث سے روایت کی۔

قَالَ حَدَّثَنَا اصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ ابْنُ رَيْدٍ الْأَنْصَارِيُّ حَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ

اللَّهِ ﷺ رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَذًّا وَحَلَا قَاهُ وَعَبْدَهُ بَرْدًا أَحْصَرَ بِي فَقَامَ عَلَيَّ حَالِطٌ فَادْنَ مَشْيَ مَشْيٍ

وَأَقَامَ مَشْيَ مَشْيٍ

”فرماتے ہیں کہ ہم کو حضور ﷺ کے بہت صحابہ نے خبر دی کہ عبداللہ ابن رید انصاری حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا کہ میں نے

خواب دیکھا، جیسے ایک مرد کھڑا ہوا اس پر دو ہنر کھڑے ہیں۔ پس وہ دو بار پر کھڑا ہوا اور ”ان“ بھی دو دو بار دی، تکبیر بھی دو دو بار کہی۔“

خیال رہے کہ اذان کی تعلیم رب تعالیٰ نے صحابہ کو خواب میں فرشتے کے ذریعہ دی اس خواب میں نہ تو اذان میں ترجیع، نہ اقامت ایک ایک بار

معلوم ہوا کہ حلی کائنات تکبیر دو ہے، جس کی رب نے تعلیم دی۔

حدیث نمبر ۱۴، ۱۵ دارقطنی، عبدالرزاق، بخاری و شریف نے حضرت اسود ابن یزید سے روایت کی۔

أَنْ بَلََا كُنْ يَشِي الْأَدْنَ وَيَشِي الْإِقَامَةَ وَكَانَ يَبْدَأُ بِتَكْبِيرٍ وَيَحْتَمِلُ تِلْكَ تِلْكَ

”بے شک حضرت جابر اذان بھی دو دو بار کہتے تھے۔ اور اقامت بھی دو دو بار، نہ دونوں تکبیر ہی شروع کرتے تھے تکبیر پر ہی ختم کرتے تھے۔“

حدیث نمبر ۱۶ طبرانی نے اپنی کتاب مسند شامین میں حضرت جندبہ ابن ابی میہ سے روایت کی۔

عَنْ بِلَالٍ أَنَّهُ كَانَ يَجْعَلُ الْأَدْنَ وَالْإِقَامَةَ سَوَاءً مَشْيَ مَشْيٍ

”وہ حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں، کہ وہ اذان و اقامت دونوں برابر کہتے تھے یعنی دو دو بار۔“

حدیث نمبر ۱۸ دارقطنی نے حضرت یحییٰ سے روایت کی۔

اَنْ بَلَّالَا كَانَ يُنَادِي لَيْسِيْ سَبَّحَ مَشِيْ مَشِيْ وَيَقْبَهُ مَشِيْ مَشِيْ

حضرت بدل حضور انور ﷺ کے سامنے اذان دو دو بار کہتے تھے۔ اور اقامت دو دو بار۔

حدیث نمبر ۱۹ طحاوی نے حضرت حماد ابن ابی رافع سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ ثَوْبَانُ يُنَادِي مَشِيْ مَشِيْ "حضرت ثوبان اذان دو دو بار کہتے تھے۔"

حدیث نمبر ۲۰ طحاوی نے حضرت عبید بن جریج سے روایت کی۔

اَنْ سَلَمَةَ ابْنِ الْأَشْجَعِ كَانَ يُشِيْ الْاَذَانَ وَالْاِقَامَةَ "واقامت دو دو بار کہتے تھے۔"

ہم نے یہ بیس حدیثیں بطور نمونہ پیش کیں، ورنہ اس کے متعلق بہت زیادہ احادیث ہیں اگر تفصیل دیکھنی ہو تو صحیح البہاری، طحاوی شریف وغیرہ کا مطالعہ فرمائیے۔ احادیث سے حسب دلیل چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔

۱۔ عبد اللہ بن زید بن عبد اللہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ کی خواب جو اسلامی اذان کی اصل ہے اس میں نہ تو ترجیع کا ذکر ہے نہ اقامت ایک ایک بار کا، بلکہ وہی اذان و گمیر مذکور ہے۔ جو عام خود پر دلج ہے۔

۲۔ فرشتے نے جو اذان کی تعلیم دی، اس میں ترجیع بھی نہیں، اور اقامت ایک ایک بار بھی نہیں، وہی ہماری اذان ہے۔

۳۔ حضور ﷺ کے مشہور منکوں حضرت بدل، حضرت ثوبان وغیرہ ہمیشہ وہی اذان و اقامت دیتے تھے جو عام مسلمانوں میں مروج ہے یعنی حنفی اذان و اقامت۔

۴۔ جلیل القدر صحابہ دنا یحییٰ جیسے حضرت علی، عبد اللہ بن عمر، سلیمان بن اکوع، عبد اللہ بن زید، برائیم غفرلہ، حضرت عید، یحییٰ وغیرہم رضی اللہ عنہم یہی اذان کہتے اور کہتے تھے جو مرجع ہے ترجیع یا اقامت ایک ایک بار کے قائل نہ تھے۔

۵۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ایک اقامت کہنے والے پر ناراض ہوتے تھے دو دو بار کہواتے تھے، ترجیع یا اقامت ایک بار سنت ہوئی، تو یہ حضرات جو مزاج شناس رسول ست کے تابع و امت سے متعلق تھے، یہوں نے اس کو کیوں ترک کیا، اور کرنے والوں کو کیوں روکا اور اس پر کیوں ملامت کی۔

عقل کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ اذان کی شہادتوں میں ترجیع نہ ہو کیونکہ اذان میں اصل چیز صلوٰۃ اور فلاح ہے کہ اذان نمازی کے ارکان و دعوت کے لئے ہے باقی کلمات تکمیل و شہادت و میر و حرکت یا تہیہ یا نماز کی ترغیب کے لئے ہیں جب صلوٰۃ اور فلاح میں مکرار اور ترجیع نہیں جو اصل اذان ہے تو اس کلمات میں بھی ترجیع نہ ہونی چاہیے۔ جو اس کے تابع ہیں۔

دوسرے یہ کہ اذان کا مقصد ہے نماز کی عام اطلاع اس لئے اذان بلند مقام پر اونچی آواز سے کہنی چاہئے مقصد اذان کے بالکل خلاف ہے۔ اس کا ہر کلمہ بلند آواز سے چاہئے دیکھو اذان کے آواز میں تکبیر چار دفعہ کی جاتی ہے۔ مگر چاروں بار خوب اونچی سے گرہبات نہیں بھی چار دفعہ ہوتیں تو چاروں بار اونچی آواز سے ہوتیں۔

تیسرے یہ کہ اقامت اذان کی طرح ہے حتیٰ کہ اسے بعض احادیث میں اذان فرمایا گیا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا یُسْ كُلُّ دُبُسٍ صَوْدَةٌ "ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے یعنی آذان و اقامت کے درمیان ہاں فرق صرف قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ کا ہے کہ اقامت میں ہے اذان میں نہیں تو چاہئے کہ قامت کے الفاظ بھی اذان کی طرح دو دو بار ہوں۔ چوتھے یہ کہ اذان میں بعض الفاظ مکرر آئے ہیں کہ ذل میں بھی میں آخر میں بھی جیسے تکبیر اور کلمہ اور بعض الفاظ غیر مکرر ہیں کہ آواز میں بھی میں آخر میں جیسے تکبیر اور کلمہ اور بعض الفاظ غیر مکرر ہیں کہ صرف ایک جگہ آئے جیسے صَوْدَةٌ فَلَاحُ جو الفاظ مکرر ہیں وہ پہلی بار دو گئے ہیں دوسری بار اس کے نصف تکبیر پہلی چار دفعہ ہے اور پہلی بار دو دفعہ شہادت توحید پہلی بار دو دفعہ ہے تو آخر ہر ایک دفعہ۔ تو چاہئے کہ تکبیر میں بھی ایسا ہی ہو۔ لہذا حنفی اذان و اقامت جو آج عام مسلمانوں میں رائج ہے بالکل صحیح اور سنت کے مطابق ہے۔ اس پر طعن کرنا جہالت اور حماقت ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر سوالات مع جوابات

خفی اذن واقامت پر غیر مقلد وہابی اب تک جو اعتراضات کر سکے ہیں اور جن کی اطلاع ہم کو پہنچی ہے وہ تمام مع جوابات عرض کرتے ہیں 'گر سجدہ اور نئے اعتراضات ہمارے علم میں آئے تو انشاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں اس کے جوابات میں عرض کر دیئے جائیں گے۔

اعتراض نمبر ۱ مسلم شریف سے حضرت ابو محمد دورہ رضی اللہ عنہ سے پوری اذان کی حدیث نقل کی کہ حضور ﷺ نے انہیں بنفس نفیس اذان کی تلقین فرمائی اس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

ثُمَّ تَعُوذُ فَتَقُولُ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ
"دلوں شہادتوں کے بعد پھر یوں اور کہو اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ"

اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ

اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ

اس سے معلوم ہوا کہ خود حضور انور ﷺ نے حضرت ابو محمد دورہ کو اذان کی شہادتیں میں ترجیح سکھائی اذان میں ترجیح سنت ہے۔
جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ حضرت ابو محمد دورہ رضی اللہ عنہ کی روایت سخت متعارض ہیں اس حدیث میں تو وہ ترجیح کا ذکر فرماتے ہیں اور ان کی جو روایت ہم پہلی فصل میں بحوالہ بطرانی پیش کر چکے ہیں اس میں ترجیح کا ذکر بالکل نہیں بلکہ وہی شریف نے انہیں ہی ابو محمد دورہ سے جو حدیث نقل کی اس میں اذان میں پہلے چار کے دو ہار تکبیر کا ذکر ہے۔ ہذا ابو محمد دورہ کی روایت تھام کی وجہ سے ناقابل عمل ہے جیسا کہ تعارض کا حکم ہے۔

دوسرے یہ کہ حضرت ابو محمد دورہ کی یہ ترجیح وہی حدیث تمام ان مشہور حدیثوں کے خلاف ہے۔ جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں جن میں ترجیح کا ذکر نہیں، ہذا ادو احادیث مشہورہ قابل عمل ہیں۔ کہ یہ حدیث واحد۔

تیسرے یہ کہ حضور ﷺ کے مشہور مکتوب حضرت بلاں اور حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں انہوں نے حضور ﷺ کے زمانہ میں اور بعد میں کبھی اذان میں ترجیح نہ فرمائی۔ ہذا اس کا عمل زیادہ قابل قبول ہے۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث میں ابو محمد دورہ کو عام سمجھا۔ نے ترک کر دیا۔ اس کا عمل ترجیح پر نہ تھا۔ بلکہ ترجیح کے خلاف تھا۔ ہذا ادو ہی زیادہ قوی ہے۔
پانچویں یہ کہ یہ حدیث ابو محمد دورہ قیس شرمی کے بھی خلاف ہے اور ہماری پیش کردہ احادیث قیاس کے مطابق، ہذا وہ حدیث قابل عمل ہیں نہ کہ یہ حدیث جیسا کہ تعارض کا حکم ہے۔

چھٹے وہ جواب ہے جو عنائے شریعہ ہدایہ نے دیا کہ سیدنا ابو محمد دورہ کو زمانہ کفر میں توحید و رسالت سے محبت نفرت تھی در حضور ﷺ کی بہت مخالفت، جب یہ اسلام لائے در حضور ﷺ نے انہیں اذان دینے کا حکم دیا تو انہوں نے شرمی کی وجہ سے اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ اور اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ آہستہ آہستہ کہا۔ بلند آواز سے نہ کہا، تو حضور ﷺ نے انہیں دوبارہ بلند آواز سے یہ کلمات ادا کرنے کا حکم دیا یہ دوبارہ کہلوانا، اس وقت تھا۔ تعلیم کے لئے اور شرم دور کرنے کے لئے، لہذا یہ حکم عارضی ہے۔ جیسے اگر آج کوئی شخص آہستہ آہستہ دال کہہ دے۔ دوبارہ بلند آواز سے کہلوائی جاتی ہے۔ اس صورت میں ابو محمد دورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ہماری پہلی فصل کی حدیثوں کے خلاف نہیں۔
ساتویں وہ جواب ہے جو فتح اللہ بر نے دیا کہ حضرت ابو محمد دورہ نے یہ دونوں شہادتیں بغیر مذ کے کہہ دی تھیں، اس لئے دوبارہ کے ساتھ کہلوائیں۔ بہرحال یہ ترجیح یک خصوصی واقعہ تھا۔ نہ کہ سنت اسلام۔

اعتراض نمبر ۲ ابوہریرہؓ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اَلَادَنَ تِسْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً وَالْاِفْتِمَاءُ سَبْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً

”بے شک نبی ﷺ نے انہیں ۱۹ کلمے اور تکبیر کے کلمے سکھائے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان کے کلمے انہیں ہیں، یہ ترجیع سے ہی بتے ہیں، اگر اذان میں ترجیع نہ ہو تو کل پندرہ کلمے ہیں۔ ہذا ترجیع اذان میں چاہیے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اگر اس حدیث سے، ان میں ترجیع ثابت ہوتی ہے تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اقامت کے کلمات دو بار ہیں۔ اگر تمہاری طرح یک ایک بار کلمات ہوتے تو اس کے کلمات بجائے سترہ کے تیرہ ہوتے، کیا آدمی حدیث پر ایمان لائے ہو آدمی کے کٹاری ہو۔

ترجیع اذان کے تمام وہ جوابات ہیں جو اعتراض ۱ کے ماتحت گذر گئے، اگر حضور ﷺ نے حضرت ابوہریرہؓ کو ترجیع ایک خاص وجہ سے تعلیم دی تھی وغیرہ۔

اعتراض نمبر ۳ مسلم بخاری نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ ذَكَرْتُ النَّفُوسَ فَكُرُوا، لِيُيُودَ وَالنَّصَارَى فَاَمْرٌ بِلَا، اَنْ يُسْفَعَ الْاَدْنِ وَيُنَوْتَرِ الْاَلَامَةَ

”فرماتے ہیں کہ صحابہ نے اعلان نماز کے لئے تکبیر، نفوس کی تجویز کی تو یہود ویساریوں کا، کہ بھی کیا کہ وہ بھی اس چیزوں سے اعلان عبادت کرتے ہیں تو حضرت بلاں کو حکم دیا گیا کہ، اذان دو بار کہیں اور اقامت یک ایک بار۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اقامت کے کلمات ایک ایک بار کہے جائیں۔

جواب اس کے چند جواب ہیں یک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ اقامت کے سارے کلمات ایک ایک بار ہوں۔ مگر یہ کہتے ہو کہ اقامت میں، ڈالا تکبیر چار بار ہو۔ **قد قمت لصلاة** دو بار ہو، پھر تکبیر دو بار ہو لہذا جو جو تمہارا ہے وہی تمہارا۔ مگر کہو کہ دوسری حدیثوں میں **قد قمت لصلاة** کو دو بار کہنے کا حکم ہے خلیجی کے دوسری حدیث میں یہ بھی ہے کہ اقامت کے قائل کلمات دو بار کہے جائیں وہ احادیث قائل ذکر نہیں بلکہ فرمایا گیا کہ جب صحابہ نے آگ یا ناقوس کے ذریعہ اعلان نماز کا مشورہ کیا اور بعض صحابہ نے فرمایا کہ اس میں یہود و نصاریٰ سے مشابہت ہے۔ اسلامی احادیث اس کے خلاف چاہیے تو فوراً ہی حضرت بلاں کو اس معنی اعلان نماز مراد ہے جو محدث میں جا کر کیا جاوے اور اقامت سے مراد بوقت جمعہ مسجد والوں کو جمع کرنے کے لئے کیا جاوے کہ آج جمعہ کی گھڑی ہو رہی ہے۔ چونکہ یہ احادیث ایک ہی بار کافی تھیں۔ اس لئے بار کا ذکر ہو، پھر اس کے بعد عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خواب کا قصہ پیش آیا، جس سے مراد اذان شرعی اذان مراد نہیں بلکہ بغوی اس معنی اعلان نماز مراد ہے جو محدث میں جا کر کیا جاوے اور اقامت سے مراد بوقت جمعہ مسجد والوں کو جمع کرنے کے لئے کیا جاوے کہ آج جمعہ کی گھڑی ہو رہی ہے۔ چونکہ یہ احادیث ایک ہی بار کافی تھیں۔ اس لئے ایک بار کا ذکر ہو، پھر اس کے بعد عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خواب کا قصہ پیش آیا۔ جس سے مراد اذان و اقامت قائم کی گئی۔ وہ اعلانات چھوڑ دیئے گئے۔

حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خواب کا قصہ پیش آیا۔ جس سے مراد اذان و اقامت قائم کی گئی وہ اعلانات چھوڑ دیئے گئے۔ تیسرے یہ کہ حضرت عبد اللہ بن زید کی خواب میں فرشتے نے جو اقامت کی تعلیم دی اس میں الفاظ اقامت دو بار ہیں۔ اور وہ خواب ہی اذان و اقامت کی اصل ہے۔ لہذا وہی روایت قابل عمل ہے۔ دوسری روایت جو اس کے خلاف ہیں وہ جب التاویل میں یا ناقابل عمل۔ خیال رہے کہ یہ خوب صرف حضرت عبد اللہ کی نہیں بلکہ ان کے علاوہ سات صحابہ نے یہی خوب دیکھا۔ گویا یہ حدیث متواتر کے حکم میں ہوگئی۔

چوتھے یہ کہ روایات کا کسی پر اتفاق ہے کہ حضرت بلال اور ابن مسعود نے اذان میں ترجیع اپنے آخر دم تک نہ کی۔ دیکھو مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، نیز ابن جریر کی اقامت میں اقامت کے کلمات دو بار ہی رہے۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ حضرت بلال جیسے مشہور مکتوب حضرت ابن مسعود اپنی ساری عمر ترجیع کرتے۔ تکبیر کے کلمات ایک ایک بار کہیں، حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ حکم دیا ہو۔ ہذا ترجیع وغیرہ کی ساری روایتیں واجب التاویل ہیں۔ پانچویں یہ کہ یہ روایات قیاس شرعی کے مخالف ہیں اور ہماری پیش کردہ احادیث کے موافق، لہذا انہیں کو ترجیع ہوگی جب احادیث میں تعارض ہو تو قیاس سے ترجیع ہوتی ہے۔ دیکھو حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا **اَوْضَعُوا مَفَاسِدَ**

سار آگ کی ہلکی چیز استھانے سے دھو دوا جب ہے۔ دوسری روایت میں آیا کہ حضور علیہ السلام نے گوشت کھا کر نماز پڑھی، وضو نہ فرمایا نہ احادیث میں تعارض ہوا، تو قیاس کی وجہ سے دوسری حدیث کو ترجیح ہوئی اب کوئی نہیں کہتا کہ کھانا کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، یہ کھلی قانون ہے۔

اکیسواں باب

مقتل کے پیچھے فرض نماز

مسئلہ شرعی یہ ہے نفل والے کے پیچھے فرض نماز ادا نہیں ہوتی، اس فرض والے کے پیچھے نفل نماز ہو جاتی ہے، فرض نماز میں یہ بھی ضروری ہے کہ امام بھی فرض پڑھا ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ امام مقتدی دونوں یکے ہی نماز پڑھیں، ظہر والا عصر والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ فرض نماز نفل والے کے پیچھے جائز ہے۔

نوٹ ضروری۔ بالغ مسلمان کی کوئی نماز بالغ بچے کے پیچھے جائز نہیں، مگر فرس سے شروع نہ لعل، کیونکہ بچے پر نماز فرس نہیں محض لعل ہے، اور بچے کی نقل شروع کرنے کے بعد بھی نقل ہی رہتی ہے۔ اگر بچہ لعل شروع کر کے تو زودے تو اس پر اس کی قضا ضرور نہیں لیکن ہاتھ کی شروع ہو کر ضروری ہو جاتی ہے۔ کہ اگر تو زودے تو قضا و لاری ہے، اس لئے باج کوئی نماز بچے کے پیچھے نہیں پڑھ سکتا، مگر غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک یہ سب جائز ہے۔ اس لئے ہم اس باب کی بھی دو تفصیلات کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس مسئلہ کا ثبوت، دوسری فصل میں اس پر اعتراضات مع جوابات۔

پہلی فصل

متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز نا جائز ہے

فرض نماز اقل والے کے پیچھے ادا نہیں ہو سکتی، اس پر بہت احادیث شریعہ اور قیاس شرعی شہد ہیں، جس میں سے کچھ پیش کی جاتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱۴۸۱ ترمذی، احمد، ابوداؤد (شافعی) مشکوٰۃ نے باب الاذان میں حضرت ابوبکرؓ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قُلْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «صَامُومٌ وَآمِنٌ وَنَصِيحٌ» أَلَيْسَ ذَلِكَ بِأَمْرٍ عَظِيمٍ لِمَنْ يَتَّبِعُهُ؟
 فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے امام صامی ہے اور مومن امین ہے۔ اے اللہ! اس کو چاہت دے، اور سزاؤں کو بخش دے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام سارے مقتدیوں کی نماز اس کو اپنی نماز کے خمس میں لئے ہوتا ہے اور ظاہر ہے، کہ اعلیٰ شے ادنیٰ کو اپنے ضمن میں لئے سکتی ہے نہ کہ ادنیٰ شے اعلیٰ کو فرض لعل کو پے اندر لئے سکتا ہے، کہ لعل سے اعلیٰ ہے، لعل فرض کو اپنے ضمن میں نہیں لئے سکتی کہ فرض کو لہذا مگر امام نماز خمس پڑھ رہا ہو تو اس کے پیچھے غیر کی تعداد میں پڑھی جاسکتی کہ نماز مصرعہ رکعت کو اپنے ضمن میں نہیں لئے سکتی کہ یہ دونوں نمازیں علیحدہ ہیں۔

حدیث نمبر ۵: امام احمد نے حضرت سلیمانؑ کی روایت کی۔

أَنَّهُ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ مَعَدَّ ابْنَ حُلَيْبٍ يَأْتِي بَعْدَ مَا تَزَالُ فِيهِ أَعْمَالُهَا بِالسَّهَرِ فَيَسَادِي بِالضُّلُوعِ فَخَرَجَ إِلَيْهِ فَيَطْرُقُ عِدًّا فَقَالَ لَهُ: عَدِيهِ السَّلَامُ بِأَمْعَدٍ لَا تُكُنْ فِتْنَةً مَّا تُصَلِّيَ مَعِيَ وَإِنَّمَا أَنْ تُحَقِّقَ عَلَيَّ قَوْمَكَ

حضرت سلیم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے در عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ حضرت معاذ ابن جبلؓ ہمارے پاس ہمارے سوچاے کے بعد آتے ہیں۔ ہم لوگ دن میں اپنے کاروبار میں مشغول رہتے ہیں۔ پھر نماز کی اذان دیتے ہیں۔ ہم نکل کر ان کے پاس آتے ہیں وہ نماز بہت دور پڑھاتے ہیں تو ان سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے معاذؓ تم کا باعث نہ بنو یا تو میرے ساتھ نماز پڑھ لیا کرو یا اپنی قوم کو نکل کر نماز پڑھایا کرو۔

حیال دہ کہ حضرت معاویہ بن جبلہؓ نے عرشِ حضورؐ انور ﷺ کے پیچھے پڑ کر اپنا قوم میں پہلی سرائیس پڑھاتے اور روبرو پڑھاتے تھے، جس کی شکایت بارگاہِ نبوی ﷺ میں ہوئی۔ جس کا واقعہ یہاں ذکر ہوا۔

معلوم ہو کہ حضور ﷺ نے حضرت معاذ ابن جبل کو اس کی جائزت نہ دی کہ حضور ﷺ کے ساتھ تہہ پڑھ کر اپنی قوم کو پڑھائیں۔ کیونکہ اہل
والے کے پیچھے فرض جائز نہیں۔ بلکہ فرمایا کہ یا میرے پیچھے پڑھو تو قوم کو نہ پڑھاؤ۔ یا قوم کو پڑھاؤ تو میرے پیچھے نہ پڑھو۔

حدیث نمبر ۱۰۷ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال إذا دخلت في صلاة الفجر وأنت لا تؤتي صلواتك لا تحرك وإن صل الإمام صلواته وبوي
الذي حمله غيره، أخوات الإمام وله نحره رواه إمام محمد في الآثار

فرماتے ہیں کہ جب تم قوم کی نماز میں شامل ہو اور تم اس کی نماز کی نیت نہ کرو۔ تو تمہیں یہ نماز کافی نہیں دراکر امام ایک نماز کی نیت کرے اور پیچھے والے مقتدی دوسری نماز کی نیت کرے تو امام کی نماز تو ہو چا و گئی اور پیچھے والے کی نہ ہوگی۔

اس سے معلوم ہوا کہ عدا، عنت کا بھی یہی مسلک ہے کہ نفل والے کے پیچھے فرض نماز نہیں پڑھی جاسکتی۔ ایسے ہی ایک فرض کے پیچھے دوسرا فرض واجب نہیں ہو سکتا۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ نفل والے کے پیچھے فرض ادا نہ ہو، کیونکہ امام بیضاویؒ ہے مقتدی اس کا تا بعد رانہ کی نماز اصل ہے مقتدی کی نماز اس پر منقطع، اس لئے امام کے سوا سے مقتدی پر بعد اسکو واجب ہو جاتا ہے۔ لیکن مقتدی کے سوا سے نہ امام پر بعد و سہو واجب نہ خود اس مقتدی پر امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے۔ مگر مقتدی کی قرأت امام کے لئے کافی نہیں۔ جنہوں نزدیک تو مطلقاً وہابیوں کے نزدیک سورہ فاتحہ کے سونے۔ اگر امام ہے وضو نماز پڑھاوے تو مقتدی کی نماز بھی نہ ہوگی۔ لیکن اگر مقتدی ہے وضو نماز پڑھاوے تو امام کی نماز درست ہوگی۔ امام بعدہ کی آیت تلاوت کرے تو مقتدی پر بعد و تلاوت واجب ہے۔ مقتدی سنے یا نہ سنے۔ لیکن اگر مقتدی امام کے پیچھے بعدہ کی آیت تلاوت کرے، تو نہ امام پر بعدہ تلاوت واجب ہونے خود اس مقتدی پر۔ اگر امام عظیم ہو اور مقتدی مسافر تو مقتدی مسافر تو مقتدی کو پوری نماز پڑھنی پڑے گا۔ لیکن اگر امام ہو اور مقتدی عظیم تو امام پوری نماز نہ پڑھے گا۔ بلکہ قصر کرے گا۔ اس قسم کے بہت مسائل ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود مقتدی اور اس کی نماز تابع ہے امام اور امام کی نماز اصل و متبوع ہے متبوع تابع سے یا تو برابر ہو یا اعلیٰ و افضل ادنیٰ کے تابع نہ ہو جائے۔ اسی طرح ایک فرض دوسرے فرض کے پیچھے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ایک نوع دوسرے نوع کے تابع نہیں ہو سکتی۔ جب نماز بعد پڑھانے والے امام کے پیچھے نماز فجر نہیں ہو سکتی فرسکہ ضروری یہ ہے کہ یا تو امام و مقتدی کی نماز اور امام کی نماز سے ادنیٰ ہو کہ امام فرض پڑھا رہا ہو۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

ہم اس پر غیر مقدمہ وہابیوں کی دکاست میں ان کی طرف سے دو اعتراضات بھی عرض کئے دیتے ہیں، جو وہ کیا کرتے ہیں، اور وہ بھی جواب تک ان کو سونپے بھی نہ ہوں گے اور یہ تمام کے جوابات دیے دیتے ہیں۔

اعتراض ممبر ۱ عام محدثین نے حدیث روایت کی کہ معراج کی رات نماز پڑھنا واجب ہے۔ اس کے بعد دو دن تک حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور کو پانچ نمازیں پڑھاں تک پہلے دن ہر نماز اوس وقت میں دوسرے دن آخر وقت میں اور پھر عرض کیا کہ حضور ﷺ ان اوقات کے درمیان ان نمازوں کے اوقات ہیں۔ دیکھو حضور پر یہ نمازیں فرض تھیں اور حضرت جبریل علیہ السلام کے لئے نفل کیونکہ نماز پڑھنا فرشتوں پر فرض نہیں مگر اس کے باوجود جبریل علیہ السلام امام ہیں اور حضور ﷺ مقتدی معلوم ہوا کہ نفل والے کے پیچھے فرض نماز درست ہے بلکہ اسلام میں پہلی نماز ایسی ہی ہوئی۔ یعنی نفل کے پیچھے فرض اور یہ فصل سنت نبوی ﷺ بھی ہے اور سنت جبریل علیہ السلام بھی۔

جواب اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ بتاؤ جبریل علیہ السلام یہ نمازیں پڑھانے رب کے حکم سے آئے تھے یا خود اپنی طرف سے آگئے بغیر حکم الہی۔ دوسری بات تو باطل ہے کیونکہ حضرت جبریل علیہ السلام بغیر حکم الہی بھی نہیں آتے رب فرماتا ہے۔

وَمَا تَسْأَلُنِي إِلَّا بِغَيْرِ حُكْمٍ ”ہم رب کے حکم کے بغیر نہیں اترتے“

لہذا ماننا پڑے گا کہ رب تعالیٰ کے حکم سے آئے۔ جب حضرت جبریل کو رب نے ان نمازوں کا حکم دیا تو ان پر فرض ہو گئیں۔ رب کا حکم ہی فرض بنانے والی چیز ہے۔ لہذا ان نمازوں میں نفل کے پیچھے فرض پڑھے گئے۔

دوسرے یہ کہ ۷۰ روزوں میں نہ حضور ﷺ پر یہ نمازیں فرض تھیں نہ صحابہ پر کیونکہ اگرچہ معراج کی رات میں نمازیں فرض کر دی گئیں۔ لیکن ابھی ان کا طریقہ ادا اور وقت کی تعلیم نہ دی گئی کاغذ نکتہ سے پہلے واجب العمل نہیں ہوتا۔ اس لئے تمام مسلمانوں نے نہ تو حضرت جبریل علیہ السلام کے پیچھے یہ نمازیں پڑھیں نہ اس دنوں کی نمازیں قضا کیں۔ لہذا حضور ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے پیچھے نفل پڑھے الحمد للہ کہ تمہارا اعتراض جڑ سے اکڑ گیا۔

اعتراض ممبر ۲ مسلم و بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ مَعَاذُ ابْنِ حَبِّ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ يَأْتِي قَوْمَهُ فَيُصَلِّي بِهِمْ

فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ ابن جبل حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ پھر اپنی قوم میں آتے اور انہیں نماز پڑھاتے تھے۔

دیکھو حضرت معاذ عشاء کے فرض حضور کے پیچھے پڑھ لیتے تھے پھر اپنی قوم میں آکر پڑھاتے تھے آپ کی نماز نفل تھی اور سارے مقتدیوں کی نماز فرض۔ معلوم ہوا کہ نفل والے کے پیچھے فرض پڑھنا سنت صحابہ ہے۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت معاذ ابن جبل حضور ﷺ کے پیچھے نفل پڑھتے ہوں اور قوم کے ساتھ

فرض د کرتے ہوں حضرت معاذ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں حضور ﷺ کے پیچھے فرض پڑھا کرتا ہوں درمقتد ہوں کے آگے نفل کی نیت کرتا ہوں لہذا آپ کے لئے یہ حدیث بالکل بے فائدہ ہے۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث میں یہ نہیں آیا کہ حضرت معاذ نے یہ کام حضور کی اجازت سے کیا کہ انہیں حضور ﷺ نے اجازت دی ہو کہ فرض میرے پیچھے پڑھا کر اور نفل مقتدیوں کے ساتھ یہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا اجتہاد تھا جو کہ واقعہ میں درست نہ تھا۔ بارہا صحابہ کرام سے اجتہاد کی غلطی ہوئی۔

تیسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں حدیث پیش کر چکے ہیں کہ جب حضور نور ﷺ کی خدمت اقدس میں حضرت معاذ کے اس عمل کی اطلاع دی گئی تو حضور نے انہیں اس سے منع فرمادیا اور حکم دیا کہ یا تو میرے ساتھ نماز پڑھا کرو یا مقتدیوں کو پہلی نماز پڑھا دیا کرو۔ معلوم ہوا کہ حضرت معاذ کا یہ اجتہاد سنت نبوی کے خلاف ہوئی کی وجہ سے ناقص عمل ہے۔

اعتراض محبوب ۲: تنکی اور بخاری سے یہی حدیث جاری ہے حضرت معاذ کا یہی واقعہ روایت کیا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

قال كان معاذ يصلي مع النبي ﷺ لعشاء ثم يرجع لي فومه فيصلني بهم لعشاء وهي رواية

"فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ حضور ﷺ کے ساتھ نماز عشاء پڑھتے تھے۔ پھر اپنی قوم کی طرف لوٹتے تھے تو انہیں عشاء پڑھاتے تھے یہ نماز کی نفل ہوتی تھی۔"

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت معاذ بن جبل حضور ﷺ کے ساتھ نفل نہ پڑھتے تھے۔ بلکہ فرض ہی پڑھتے تھے اور مقتدیوں کے آگے نفل دے کر رہتے تھے۔ لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آپ حضور کے پیچھے نفل اور مقتدیوں کے ساتھ فرض پڑھتے تھے۔

جواب ۲: آپ کی یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ حضرت معاذ کا یہ واقعہ نقل کر کے اپنے منہ سے اترتے ہیں اور قیاس سے فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے ساتھ فرض پڑھتے تھے۔ اس میں یہ نہیں کہ حضرت معاذ نے اپنی نیت وارادے کا پتہ دیا ہو۔ دوسرے کی نیت کے متعلق اس سے بطریق جامع، یقین سے نہیں کہا جاسکتا ورنہ اس میں یہ ہے کہ انہیں حضور ﷺ نے اس کی اجازت دی۔ لہذا یہ حدیث کسی طرح آپ کی دلیل نہیں بن سکتی۔

اعتراض محبوب ۳: بخاری شریف نے حضرت عمر ابن سلمہ سے ایک طویل حدیث روایت کی جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ہماری قوم ایک گھاٹ پر رہتی تھی۔ جہاں سے قافلے گزر کرتے تھے۔ میں تجارتی قافلوں سے نبی کریم ﷺ کے حالات اور قرآنی آیات پوچھتا رہتا تھا۔ فتح مکہ کے بعد میرے والد عبد بن مضر جو کہ اپنی قوم کی طرف سے اسلام لانے وہاں سے نماز کے حکام معلوم کیے ان سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہاں کوئی آدمی نہ دے دیا کرے مگر نہ وہ پڑھاے جسے زیادہ قرآن کریم یاد ہو۔ جب وہیں ہوئے تو انہیں پتہ لگا کہ مجھے قرآن کریم سب سے زیادہ یاد تھا۔ مجھے امام بنادیا۔ اس وقت میری عمر چھ سال تھی، میں تو نہ کوئی پڑھتا تھا۔ حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَكَانَتْ عَلَيَّ بُرْدَةٌ كُنْتُ دَا سَحَدْتُ فَلَمَّصْتُ عَلَيَّ فَهَاجَتْ امْرَأَةٌ مِنَ الْحَيِّ لَا تَغْطُونَ عَنَّا اسْتَفْزَأْنَاكُمْ فَاسْتَرْزَأُوا لِمَطْفُونٍ لِي فَمِنْصًا . مشكوه باب عامه

"مجھ پر ایک چادر ہوتی تھی، کہ جب میں سجدہ کرتا تو مکمل جاتی توقیفیہ کی ایک عورت سے کہا کہ اپنے قاری صاحب کے چوتڑ کیوں نہیں ڈھکتے تو لوگوں نے میرے لئے کپڑا خریدا کر لیں سی دی۔"

دیکھو عمر و ابن سلمہ صحابہ ہیں، اور تمام صحابہ ان کے پیچھے نماز فرض پڑھتے ہیں، عمر و ابن سلمہ رضی اللہ عنہ کی عمر شریف چھ سال ہے ان پر کوئی نماز فرض نہیں بچے کی نفل بھی بہت دلتی ہوتی ہے لیکن جو ان بڑھے اس کے پیچھے فرض ادا کرتے ہیں معلوم ہوا کہ نفل واسے کے پیچھے فرض ادا ہو جاتے ہیں۔ **جواب ۳:** اس کے وہی جوابات ہیں جو اعتراض میں کے ماتحت گزر گئے کہ ان کا یہ عمل اپنی رائے سے تھا نہ کہ حضور ﷺ کے فرمان سے چونکہ یہ حضرت تبارہ اسلام لائے تھے۔ احکام شرعی کی خبر نہ تھی بے خبری میں ایسا کیا۔ اگر آپ اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت کرتے ہو تو یہ بھی مان لو کہ ننگے امام کے پیچھے بھی نماز پڑھاے۔ کیونکہ عمر و ابن سلمہ خود فرماتے ہیں کہ میرے کپڑا اتنا چھوٹا تھا کہ سجدہ میں چادر ہٹ جاتی اور چوتڑ ننگے ہو جاتے تھے۔ اس کے باوجود یہ حضرات نماز میں پڑھتے رہے کسی نے نماز نہ لوٹائی۔ کس مسائل شریعہ سے بے خبری کی وجہ سے افسوس کہ آپ حضرت آنکھ بند کر کے حدیث پڑھتے ہیں۔

اس قیام گفتگو سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ کے متعلق وہابیوں کے پاس صرف مرفوع حدیث موجود نہیں نہ حدیث قوی نہ فعلی یوں ہی چند شبہات کی بنا پر اس مسئلہ کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اور امام عظیم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر محض عداوت سے فخر کرتے اور ان جناب میں گستاخیاں مگانی مگلوچ بکتے ہیں۔

بائیسواں باب

خون اور قمے سے وضو تواتا ہے

شرعی مسئلہ یہ ہے کہ آٹھ چیزیں وضو توڑتی ہیں۔ جو چیز پیشاب یا خاتمہ کی راہ سے نکلے۔ غنفلت کی نیند، غشی، جنوں، ہمار میں ٹھنڈا لگا کر ہنسا، بہتا ہوا خون، منہ بھرتے ان کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھو۔ مگر غیر مقلد و ہابیوں کے نزدیک نہ تو بہتا ہوا خون وضو توڑے، نہ منہ بھرتے، بہا کوئی حنفی کسی غیر مقلد کے پیچھے نہ پڑے، کیونکہ یہ لوگ بد عقیدہ بھی ہیں اور ان کے وضو کا بھی اعتبار نہیں، کیا خبر ہے کہ قے کر کے یا تکسیر وغیرہ کر کے "نہیں" اور بغیر وضو کے مہینے پر کھڑے ہو جائیں، چونکہ غیر مقلد اس مسئلے پر بھی بہت شور مچاتے ہیں۔ اس لئے ہم اس باب کی بھی دو تفصیلات کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس کا ثبوت، اور دوسری فصل میں اس پر اعتراضات مع جوابات درپہ تعالیٰ قبول فرماوے۔

پہلی فصل

قمے اور بہتا خون بھی وضو توڑتا ہے

حنفیوں کے نزدیک منہ بھرتے درجہ سے خوش کا نکل کر ظاہر ہون پر یہ کہ پہنچ جانا وضو توڑ دیتا ہے، مگر بدن وہ ہے جس کا دھونا، غسل میں فرض ہے، دلائل مد حنفیوں۔

حدیث نمبر ۱ دارقطنی نے حضرت حمید داری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوُضُوءُ مِنْ كُلِّ دَمٍ سَائِبٍ

"فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ وضو واجب ہے ہر پتے ہوئے خون سے۔"

حدیث نمبر ۲ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ صَابِهٍ قِيٍّ أَوْ رَعَفٍ أَوْ قَلَسٍ أَوْ مَذْيٍ فَنِيْصْرَفْ وَلِيُوْضَ

"فرماتی ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے جس کسی کو قے یا تکسیر یا نہی "جھاوے تو نہارے عظیمہ ہو جاوے اور وضو کرے۔"

حدیث نمبر ۳ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور انور ﷺ کی خدمت میں فاطمہ بنت ابی جحش حاضر ہو کر عرض کرے لگیں کہ مجھے استسحاض کا خون آتا ہے کہ میں کبھی پاک نہیں ہوتی، کیا نماز چھوڑ دوں؟ فرمایا کہ یہ حیض نہیں ہے رگ کا خون ہے لہذا۔ خُصِي الصُّوْهُ بِأَمِّ مَحْنُصَكٍ ثُمَّ غُتْسِلَتْ وَتَوَضَّعَتْ لَكُرْ صَوْبِهِ وَأَنْ فَطَرَ لَدُمَّ عَلَى الْحَصِيْرِ "حیض کے زمانہ میں نماز سے بچ۔ پھر غسل کرو اور ہر نماز کے لیے وضو کرو پھر نماز پڑھو، مگر چھوڑ چھوڑنا پڑھنا ہے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ استسحاض کا خون وضو توڑ دیتا ہے، اور نہ حضور علیہ السلام ان بی بی صاحبہ پر معذور کے حکام جاری۔ فرماتے اور ہر نماز کے وقت ان پر وضو لازم نہ فرماتے دیکھو جسے ریح یا قطرے کی بیماری ہو وہ ہر نماز کے وقت یک وضو کر کے نماز پڑھتا رہے کیونکہ ریح اور پیشاب وضو توڑنے والی چیز ہے۔

حدیث نمبر ۴ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

عَبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَاءَ أَوْ رَعَفَ فِي صَوْبِهِ فَلْيُصْرَفْ وَلِيُوْضَ عَنِ صَلَوَتِهِ مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ

"آپ نبی ﷺ سے روایت فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس کو نہار میں قے یا تکسیر "جھاوے وہ نہارے عظیمہ ہو جاوے اور وضو کرے اور اپنی نماز پڑھنا کرے جب تک کہ بات نہ کی ہو۔"

حدیث نمبر ۶ ترمذی و یحییٰ نے حضرت طلق ابن علی سے روایت کی۔

قَالَ عُرْسِي يَا رَسُولَ اللَّهِ الرَّاحِلُ مَا يَكُونُ فِي الْعَلَاةِ لَتَكُونُ مِنْهُ رَوْنَحَةٌ وَيَكُونُ فِي الْمَاءِ قَلَّةٌ فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَدْ أَحَذَكُمْ فَبِتَوْعًا مُدْخَفًا

”ایک ہدائی کے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم میں سے کوئی شخص جگہ میں ہوگا ہے اسکی رت نکل جاتی ہے اور پانی میں تلخی ہوتی ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی تے کرے تو دھو کرے۔ (مخدہ)“

کذا فی جمع التوائد من جامع الاصول و مجمع التوائد

حدیث نمبر ۷ ترمذی نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَوْضَاءَ فَنَقِيبُ ثَوْبَانِ فِي مَنْحَدٍ دَمَشَقٍ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لَهُ فَهَذَا صَدَقَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَهُ وَصُورُهُ وَحَدِيثُ حُسَيْنٍ أَصَحُّ شَيْءٍ فِي هَذَا الْبَابِ

ایک بار نبی ﷺ کو تے آئی تو آپ نے وضو کیا پھر میں دمشق کی مسجد میں حضرت ثوبان سے ملا تو ابو الدرداء کی یہ حدیث بیان کی آپ سے فرمایا ابو الدرداء نے سچ کہا پانی میں تے ہی ذرا تھا یعنی میں نے ہی وضو کر لیا تھا۔“

حدیث نمبر ۸ طبرانی نے کبیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

رَفَعَهُ قَالَ إِذَا رَغِفَ أَحَذَّكُمْ فِي صَلَوةٍ فَتَصْرَفْ فَيَغْسِلُ عَنْهُ الذُّمُّ ثُمَّ لَبَدَ وَضُوءَهُ

”آپ مرفوع فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب تم میں سے کسی کو نماز میں نکمیر آ جاوے تو علیحدہ ہو جاوے اور خون کو دھو دے پھر وضو کر لے۔“

حدیث نمبر ۹ دارقطنی نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَدْ أَحَذَّكُمْ وَرَغِفَ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ أَوْ أَحْدَثَ فَيُتَصْرَفُ وَلِيَتَوَضَّأَ

”فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جب تم میں سے کسی کو نماز میں تے یا نکمیر آ جاوے یا اور کوئی حدث کرے تو علیحدہ ہو جاوے اور وضو کرے۔“

حدیث نمبر ۱۰ ابن ابی شیبہ نے حضرت محمد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ مِنْ رَغِفَ فِي صَلَوةٍ فَيُتَصْرَفُ لِيَتَوَضَّأَ فَإِنْ مِمَّا بَنَكُمُ بَنَى عَلَى صَوْتِهِ وَإِنْ كُنْتُمْ اسْتَأْذَنَ

”فرماتے ہیں کہ جسے نماز میں نکمیر آ جاوے تو وہ علیحدہ ہو جاوے اور وضو کرے پھر اگر کلام نہ کیا ہو تو ہاتھ نماز پائی کرے اور اگر کلام کر رہا ہو تو نئے سرے سے پڑھے۔“

حدیث نمبر ۱۱ امام مالک نے حضرت یحییٰ ابن قسطلی سے روایت کی۔

أَمَّا رَأَى سَعِيدَ ابْنِ الْمُسَيَّبِ رَغِفَ وَهُوَ يَتَلَوَّى فَاتَى خُفْرَةً سَلَمَةً دُوحَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاتَى الْوُضُوءَ فَوَضَّأَ ثُمَّ رَجَعَ فَبَنَى عَلَى مَا قَدْ صَلَّى

”ابنوں نے حضرت سعید ابن مسیب کو دیکھا کہ انہیں نماز میں نکمیر آ گئی تو آپ حضرت ام سلمہ زوجہ رسول ﷺ کے گھر آئے تو انہیں پانی دیا گیا انہوں نے وضو کیا، پھر واپس ہوئے اور قیہ نماز پڑھی کی۔“

حدیث نمبر ۱۲ ابو داؤد نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قَدْتُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَحْدَثَ أَحَدُكُمْ فِي صَلَوةٍ فَلْيَحْذَ بِأَنْفِهِ ثُمَّ لِيَتَصْرَفْ

”فرماتی ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جب نماز میں کسی کا وضو ٹوٹ جاوے تو وہ اپنی ناک پکڑے پھر چلا جاوے۔“

اس حدیث میں حضور ﷺ نے نماز کی کوتاہی پر یہ بتائی کہ اگر نماز میں کسی کی ریح نکل جاوے تو اپنے عیب کو چھپائے کے لیے ناک پر ہاتھ رکھے تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس کی نکمیر پھوٹ گئی پھر مسجد سے نکل کر وضو کی جگہ جا کر وضو کرے، اگر نکمیر سے وضو ٹوٹ جاتا تو یہ تدبیر بے فائدہ ہوتی ہم سے بطور نمونہ بارہ حدیثیں پیش کر دیں اور اس کے متعلق بہت احادیث موجود ہیں اگر شوق ہو تو صحیح ابیہاری شریف کا مطالعہ فرماد۔

عقل کا نقصان بھی وہی ہے کہ بہت خون اور منہ بھرتے وضو توڑ دے کیونکہ وضو طہارت اور پاکی ہے، ناپاکی نکلنے سے وضو ٹھٹھا جانا چاہئے، اسی لئے پیشاب و پاخانہ اور ریح سے وضو جاتا رہتا ہے، بہت خون منہ بھرتے ناپاکی ہے قرآن کریم فرماتا ہے۔ **اَوْ دَمًا مُّسْفُوحًا** اسی لئے بچے خون والا جاوے ریح سے حلال ہوتا ہے تاکہ ناپاکی خوں اللہ کے نام پر نکل جاوے تو جیسے پیشاب و پاخانہ اور ریح نکلنے پر وضو جاتا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ناپاکی چیز نکلی، ایسے ہی بہتا ہوا خون اور ریح نکلنے سے بھی وضو ٹھٹھا جانا چاہئے، کیونکہ یہ بھی نجس ہے، جو جسم سے نکلے نیز ستر خدا اور بد سیر کے خون سے اور مرد کی پیشاب کی جگہ سے خون نکلنے سے بالاتر حق وضو ٹھٹھا جاتا ہے، استغناء کے خون کے متعلق تو حدیث مرفوع بھی وارد ہے، جیسا کہ ہم اس فصل میں عرض کر چکے، جب یہ تین قسم کے خون وضو توڑ دیتے ہیں تو بالکل دوسری جگہ سے خوں نکل کر بھی وضو توڑے گا۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

حقیقت یہ ہے کہ غیر مقلد وہابیوں کے پاس اس مسئلہ پر کوئی قوی دلیل نہیں، صرف کچھ شبہات اور دھمیت ہیں، مگر تحلیل بحث کے لئے ہم اس کے جوابات بھی دینے دیتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱ احمد رتذلی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وَضُوءَ إِلَّا مِنْ صَوْبٍ أَوْ رِيحٍ

"فرماتے ہیں کہ نماز یا نبی ﷺ کے لئے نہیں ہے وضو مگر آواز سے یا آہستہ سے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ وضو صرف ریح سے ٹوٹتا ہے، خون سے کسی کے علاوہ ہے لہذا اس سے وضو نہیں ٹوٹتا چاہے وہ حصر کے لئے ہے۔

جواب اس کے دو جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ تم بھی کہتے ہو کہ پیشاب، پاخانہ، ہلکے و عورت کی شرمگاہ کو چھونے سے بھی وضو ٹھٹھا جاتا ہے اور وہاں کے حصر سے معلوم ہوتا ہے کہ سوائے ریح کے کسی چیز سے وضو نہ جاوے تو جو تمہارا جواب ہے وہی تمہارا جواب ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ حصر اصنافی ہے نہ کہ حقیقی، مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو ریح نکلنے کا شہد ہو تو بغیر آواز یا بدبو یا چھنی حساس ہوئے وضو نہیں ٹوٹے گا۔

اس کی تفسیر وہ حدیث ہے، جو مسلم شریف نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اِذَا فَحَدَّ أَحَدُكُمْ فِي بَطْنِهِ شَيْئًا فَشَكَّنَ عَلَيْهِ أَخْرَجَ مِنْهُ شَيْءٌ أَوْ لَا فَلَا يَغُزُّ حَتَّى يَمْسَحَ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا

"جب تم میں سے کوئی اپنے پیٹ میں کچھ حرکت پائے اس لئے سے شہد ہو جاوے کہ کچھ ہو نکلی یا نہیں تو مسجد سے نکلے یہاں تک کہ آواز سنے، یا بوی پائے۔"

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ آپ کی پیش کردہ حدیث اس شخص کے متعلق ہے جسے ریح نکلنے کا شہد ہو حدیث کا منشاء کچھ اور ہے اور آپ کچھ اور کہہ رہے ہیں۔

اعتراض نمبر ۲ حاکم نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّكَ كَانَ فِي عَرْوَةِ دَاوُدَ الرِّقَاعِ فَرَمَى رَحْلًا مِنْهُ فَتَرَفَهُ الدَّمُ فَرَكِعَ وَسَجَدَ وَمَضَى فِي صَلَاتِهِ

"کہ آپ غزوہ ذات الرقاع میں تھے کہ ایک صحابی کے تیر کا ان کے خون ٹھکا مگر انہوں نے رکوع کیا سجدہ کیا اور نماز پوری کر لی۔"

اس سے معلوم ہوا کہ صحابی کو یحییٰ عمار کی حالت میں تیر کا خون ٹھکا، مگر انہوں نے نماز نہ توڑی بلکہ رکوع سجدہ کر کے نماز مکمل کر لی، مگر حوں ٹھکانا وضو توڑنا تو اسی وقت آپ نہ توڑ کر وضو کرتے پھر نماز کیا نئے سرے سے پڑھتے یا دہری پوری فرماتے معلوم ہوا کہ خون وضو نہیں توڑتا۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ جب یہ صحابی کے تیر کا خون بہا تو یحییٰ عمار کے کپڑے اور جسم خون آلودہ ہو گئے لیکن اس کے باوجود وہ نماز پڑھتے ہی رہے تو چاہیے کہ آپ خون، پیشاب و پاخانہ سے بھرے ہوئے کپڑوں میں نماز جائز کہو، حالانکہ تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ نماز کا بدن و کپڑا پاک ہونا چاہیے لہذا یہ حدیث کسی طرح قابل عمل نہیں۔

دوسرے یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ مذکور نہیں کہ صحابی نے حضور ﷺ کی اجازت سے یہ عجم کیا معلوم ہوتا ہے دوسری کیفیت انہیں نہ تھی، اس لیے ایسا کر گزرے۔

تیسرے یہ کہ حدیث تمام اس مرفوع و موقوف حدیثوں کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں نا قابل عمل ہے۔

چوتھے یہ کہ حدیث قرآن کریم کے بھی خلاف ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے یہاں دیکھنے کے لیے پاک رکھنے کا حکم دیا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَا تُخْرَفُ هُنُورُ ”گندگی سے دور رہو۔“ اور فرماتا ہے۔ **وَبِكِفْهِمْ** ”اپنے کپڑے پاک رکھو۔“ اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر گز گندے جسم اور گندے کپڑوں میں مار پڑھ لی، لہذا یہ حدیث ہرگز قابل عمل نہیں۔

پانچویں یہ کہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ صحابی جن کا یہ واقعہ ہے، کون ہیں قیہ ہیں یا غیر قیہ اگر قیہ ہیں تو انہوں نے جہتہا سے یہ کام کیا جو وہ واجب تارک ہے اور اگر غیر قیہ ہیں تو ان سے یہ ہوا بہر حال حدیث کی طرح قابل عمل نہیں۔

اعتراض نمبر ۳ اگر خون وضو توڑتا ہے تو چاہے کہ تموز اخون بہت نہ ہو وہ بھی وضو توڑ دے جیسے پیشاب ناقص وضو ہے، بے یا صرف ایک قطرہ ہی لگے، جب تموز اخون یعنی نہ بننے والا وضو نہیں توڑتا تو زیادہ خون بھی ناقص وضو نہیں، ایسے ہی قے، اگر ناقص وضو ہے تو خواہ وہ بھر کر یا تموزی، وضو توڑ دیتی ہے، یہ فرق تم نے کہاں سے لیا؟

جواب الحمد للہ آپ قیاس کے قائل تو ہوئے کہ زیادہ خون کو تموز سے خون پر اور خون کو پیشاب پر قیاس کرنے لگے مگر جیسے آپ ہیں ایسے ہی آپ کا قیاس جناب گندگی کا لگنا وضو توڑتا ہے پیشاب مطلقاً گندا ہے، تموز ایسا زیادہ خون بننے والا گندا ہے، رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَوْ دَمًا مَّنْفُوحًا ”نہ بنے، گندا نہیں، آپ کا یہ قیاس قرآنی نیت کے خلاف ہے نیز ہر گندگی آپے معدن میں جہاں وہ پہچان پا کر ہوتی ہے، معدن سے نکل کر ناپاک ہوتی ہے دیکھو آغوش میں پاخانہ در مثانہ میں پیشاب بھرا ہے، مگر پاک ہے اس لیے آپ کی مار درست ہوتی ہے اگر یہ ناپاک ہوتے تو ہر کسی طرح جاڑت ہوتی کہ گندگی اٹھائے ہوئے کی نہ رہیں ہوتی ایسے ہی گندا نہ جو نہ سے خون ہو گیا جیب میں ڈال کر لہڑ پڑھ سکتے ہیں، اس کے اندر کا خون چونکہ اپنے معدن میں ہے پاک ہے جب ہی بکھیرا، تو ب پیشاب اور خون نکلنے میں فرق سمجھو پیشاب کی جگہ نہ ہے، وہ مثانہ سے ہٹ کر پیشاب کی ناں میں نہ کر سکتا ہے ہنہ جس ہے اگرچہ ایک ہونہ ہو مگر خون سارے جسم میں دوڑ رہا ہے اور کہاں کے نیچے اس کا معدن ہے مگر کہیں سوئی چھگنی اور خون چمک گیا مگر بہا نہیں تو وہ اپنی معدن میں رہ کر چمکا ہے ناپاک نہیں ہاں جب بنے تو سمجھو کہ اپنے معدن سے بکھیرا ہو گیا اور ناپاک، اس فرق کی بنا پر پیشاب تو چمک کر بھی وضو توڑ دیتا ہے مگر خون نہ کر توڑے گا، غرض کہ خون کا لگنا روا ہے چمکا کچھ اور لہذا خون کو پیشاب پر قیاس کرنا منع القاری ہے۔

اعتراض نمبر ۴ صلیٰ شرع بخاری نے ہی بہت سی حدیثیں نقل کیں۔

اِنَّ الشَّيْءَ صَنَىٰ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ وَلِهَ يَنْوَحًا ”بے شک نبی ﷺ نے قے کی اور وضو نہ کیا۔“

اگر قے وضو توڑتی، تو حضور قے کر کے وضو کیوں نہ فرماتے؟

جواب ماشاء اللہ کیا نہیں عرض ہے، جناب یہ بھی احادیث میں آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیت الکلاء سے تشریف لائے اور وضو کے لیے پانی پیش کیا گیا، مگر حضور علیہ السلام نے وضو نہ کیا تو کہہ دیا کہ پیشاب پاخانہ بھی وضو نہیں توڑتا۔ جناب وضو نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت وضو کی ضرورت نہ تھی، وضو ٹوٹ جائے پر فوراً وضو کرنا واجب نہیں، وہاں اگر حضور ﷺ فرماتے کہ قے وضو نہیں توڑتی، تو آپ پیش کر سکتے تھے، اگر یہ احادیث اس مسئلہ کی دلیل ہو سکتیں تو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ضرور پیش فرماتے امام ترمذی نے خون و قے کے ناقص وضو ہونے پر نہایت صحیح حدیث پیش کی اور ناقص نہ ہونے پر کوئی حدیث بیان نہ کی، صرف علماء کا مذہب یہاں مراد، معلوم ہوا کہ اس کی نظر میں قے و خون کے وضو نہ توڑنے کی کوئی حدیث نہیں، کیونکہ وہ مسئلہ پر حدیث پیش ہیں۔

اعتراض نمبر ۵ قے و خون کے متعلق آپ نے جو احادیث پیش کیں، جن میں ارشاد ہو کہ جس لہڑی کو لہڑا میں قے یا نکسیر جاوے تو وضو کرے، وہاں وضو سے مراد خون و قے سے کپڑا دھونا ہے، کہ شرعی وضو جیسے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ۔

الْوُضُوءُ مِمَّا مَسَّتْهُ الدَّرُ ”جس کی کچھ چیز کھانے سے وضو ہے۔“ وہاں وضو سے مراد ہاتھ دھونا، کلی کرتا ہے۔ کہ شرعی وضو، کیونکہ کھانا ہاتھ دھونا، کلی کرنا مستحب ہے، یہ ناقص وضو نہیں، ایسے ہی یہاں ہے لہذا تمہارے دلائل غلط ہیں۔

جواب واقعی آپ کا یہ سوال ایسا ہے جو آپ تک کسی کو نہ سوجھا ہوگا، ذہن نے بہت رسائی کی، اسی کا نام تحریف ہے، ذرا تو آپ نے یہ غور نہ کیا کہ وہاں وضو کے عربی معنی خود حضور ﷺ نے بیان فرما دیئے، کہ ایک بار کھانا تناول کر کے ہاتھ دھوئے کلی کی اور فرمایا،

هَذَا وَصُورُهُ: "فَمَا عَسَيْتُمْ لِنَارِ" "آگ کی چٹائی کے لئے"۔ یہاں آپ یہ معنی چھوڑ کر غیر معروف معنی کیوں مرا لے

رہے ہو، نیز اکی حدیث میں یہ ہے کہ جس کو لہذا میں قتل یا تکسیر آباد کرے تو وہ سو کرے اور نہ مرنے کی دعا کرے۔ جس کی باقی نماز پوری کرے، کرکٹر اور ہوتا

مر د ہوتا تو نماز کی دعا چتر نہ ہوتی بلکہ دوبارہ پڑھنی پڑھنی، جس کا کپڑا نماز میں بخش ہو چادے اور وہ دھوئے، وہ دعا نہیں کر سکتا اور بارہ پڑھے گا، لہذا

آپ کی یہ توجہ بہ محض باطل ہے۔

تیسواں باب

ناپاک کنواں پاک کرنا

مسئلہ شرعی یہ ہے کہ اگر کنوئیں، حوض یا حوض وغیرہ میں تھوڑی سی بھی ناپاکی رہ جاوے تو اس کا پانی نجس ہو جاوے، اگر نہ چھو جا سکتا ہے، نہ اس سے وجود وغیرہ چائے یا ایک قطرہ پینا، کنوئیں کو تدارک دیتا ہے، مستند اہل علم کے احکام یہ ہیں۔ مرجع مقلد وہابی کہتے ہیں کہ جب پانی دو ٹکڑے ہو تو اس میں خواہ کتنی ہی نجاست پڑ جاوے ناپاک نہ ہوا، جب تک کہ اس کا درجہ یا درجہ نہ بدے، لہذا اس کے نزدیک کنوئیں میں خوب ہومو تو کنواں پاک ہے شوق سے اس کا پانی پیو۔ وضو کرو، پھر طہریہ ہے کہ اس مسئلہ پر امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو ایسا دیتے ہیں، کہ انہوں نے ندی رہانے پر کنوئیں کو پاک کیوں نہیں قرار دیا، مسلمانوں کو پیشاب کیوں نہ پینے دیا، جنہوں کو چاہئے کہ نہ تو غیر مقلد وہابیوں کے پیچھے نہریں پڑھیں نہ ان کے کنوؤں کا پانی بہ تحقیق پئیں۔ اس کے کنوئیں اکثر خمرے ہوتے ہیں جس سے یہ لو پکڑے دھوئے، نہاتے در وضو کرتے ہیں، انسان کے ہر پاک، اگر کھڑے پاک چونکہ اس مسئلہ کا یہ بہت اہم اثرات اور آوارہ گئے ہیں اور کہتے ہیں، کہ یہ مسئلہ احادیث کے بالکل خلاف ہے، اس لیے ہم اس مسئلہ کی بھی توضیح کرتے ہیں، پہلی فصل میں اس مسئلہ کے دلائل، دوسری فصل میں اس پر سوالات مع جوابات۔

پہلی فصل

کنوئیں کا ناپاک ہونا

کنو آں خواہ کتنا ہی برا ہو اور اس میں کتنا ہی پانی ہو راہیں ایک قطرہ شرب یا پیشاب یا چوہائی، طہرہ و کرم جو وے تو ناپاک ہے بغیر کئے اس کا پانی استعمال کے قابل نہیں اس کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہیں جن میں سے ہم بطور نمونہ چند پیش کرتے ہیں ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر ۱۴۸۴ مسلم نہ کی، ابن ماجہ، طحاوی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ يَهْيِي أَنْ يَلْمِي فِي الْمَاءِ الزَّائِدُ ثُمَّ يَنْوَضُّ فِيهِ

”منع فرمایا ﷺ نے اس سے کہ خمرے پانی میں پیشاب کیا جاوے، پھر اس سے وضو کیا جاوے۔“

حدیث نمبر ۱۴۸۵ مسلم و طحاوی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ لَسْتُ صَلَّيْتُ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْتَسِلُ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الَّذِي فِيهِ خُبٌّ فَقَالَ كَيْفَ يَفْعَلُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ يَسْأَلُهُ تَتَاوَلَا

”اے ابی ہریرہ! میں نے کوئی شخص خمرے پانی میں نہایت سے غسل نہ کرے ابوسائب نے پوچھا کہ اے ابو ہریرہ! پھر تمہیں کیا کرے، فرمایا علیحدہ پانی لے لے۔“

یہ حدیث احمد۔ ابن حبان، عبد الرزاق وغیرہم بہر بہت حدیثین نے مختلف راویوں سے بالفاظ مختلف روایت فرمائی۔

ان احادیث سے معلوم ہو کہ حوض، کنوئیں اور تمام خمرے ہوئے پانیوں میں نہ پیشاب کرے نہ جنابت کا غسل، یہ کرنا تو پالی عد ہو کر قابل استعمال نہ ہے اور دو ٹکڑے پانی ندی کرنے سے ناپاک نہ ہوتا تو حضور ﷺ یہ ممانعت فرماتے۔

حدیث نمبر ۱۴۸۶ ترمذی حاکم (حدیث) ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مختلف الفاظ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَلِغَ الْكُتْبُ فِي الْأَمَاءِ غُسْلُ سَبْعِ مَرَّاتٍ وَلَهُنَّ بِالْغُرْبِ وَإِذَا وَلِغَ الْهَرَّةُ غُسْلُ مَرَّةٍ اسْفُطْ لَأَنْ عَسَا كِبَرُ

”فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جب برتن میں کت چاٹ جاوے تو سات بار دھویا جاوے پہلی بار مٹی سے، دھو جاوے اور جب مٹی چاٹ جاوے تو ایک بار دھویا جاوے۔“

یہ حدیث سے پہلے لاکھ برتن میں کتنا حلال دے تو برتن سات بار دھویا جاوے اور ایک بار مٹی سے بھی، دھو جاوے اور مٹی برتن سے پہلے تو ایک بار مٹی دھویا جاوے، برتن خواہ چھوٹا ہو، جیسے ہانڈی، دونا یا ٹیڑا جس میں دو چار ٹکڑے پانی آ جاوے، دو دو ٹکڑے پانی کسی نجاست سے ناپاک نہیں ہوتا، تو دو برتن کیوں ناپاک ہو جاتا ہے جس میں یہ پانی ہے، کتے کا سر تو پانی میں پڑا اور پانی برتن سے لا ہوا ہے جب برتن مٹی ہو یا خواہ وہ ٹکڑے ہو یا کم و بیش۔

حدیث نمبر ۱۵۶۱۶: دارقطنی، محمادی نے ابو نعیم سے اور بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ غُلَامًا وَقَعَ فِي بَيْرٍ مَزْمٍ فَتَزَحَّتْ

”روایت محمد بن یحییٰ بن یزید میں ایک بچہ گرا اور پانی کا پانی نکالا۔“

حدیث نمبر ۱۶۱۶: ابن ابی شیبہ اور طحاوی نے حضرت عطاء سے روایت کی، عطاء تابعی ہیں۔

أَنَّ حَبْشِيًّا وَقَعَ فِي رَمْرَمٍ فَصَاتَ فَامْرَأَةٌ مِنْ أَرْبَابِ فَرَجٍ مَاءً هَا فَجَعَلَ الْمَاءُ لَا يَنْقُطُ فَنَظَرَ فَادَّ

عَيْشٌ تَخْرُجُ مِنْ قَبْلِ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ فَقَالَ ابْنُ الرَّبِيعِ حَبْشِيَّتُكُمْ

”اگر ایک حبشی چادر حرم میں گر کر مرے حضرت عبداللہ ابن ربیعہ نے حکم دیا، پانی نکالا، پانی ختم نہ ہوا تھا اندر دیکھا تو ایک چشمہ آب سی سو کی طرف سے آ رہا تھا ابن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کافی ہے۔“

حدیث نمبر ۱۸: بخاری نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ حَبْشِيًّا وَقَعَ فِي رَمْرَمٍ فَصَاتَ فَامْرَأَةٌ مِنْ أَرْبَابِ فَرَجٍ مَاءً هَا فَجَعَلَ الْمَاءُ لَا يَنْقُطُ فَنَظَرَ فَادَّ

”وہ حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ چادر حرم میں ایک حبشی گر کر مرے تو آپ نے ایک آدمی کو تار حرم سے لکالا، پھر میں اس نے لکالا کہ جو پانی کنویں میں ہے، اسے نکال دو۔“

ان احادیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے، ایک یہ کہ رکنوں میں کوئی خون والا جاندار مر جاوے تو کنواں بھس ہو جاوے۔ دوسرے یہ کہ تا پاک کنوئیں کے پاک کر نیکاطریقہ یہ ہے کہ اس کا پانی نکال دیا جاوے اسکی دیواریں وغیرہ دھونے کی ضرورت نہیں۔ تیسرے یہ کہ رکنوں کا پانی ٹوٹ نہ سکے تو پرواہ نہ کی جاوے، جو پانی جی اٹھال موجود ہے وہ ہی نکال دیا جاوے، جو بھس میں آتا ہے اس کا مصافقہ نہیں۔ چوتھے یہ کہ جس ذول وری سے تا پاک کنوئیں کا پانی نکالا جاوے اسے دھونا ضروری نہیں، کنوئیں کیساتھ وہ بھی پاک ہو جاویں گے، وغیرہ مقلد وہابی ان احادیث میں غور فرمائیں، تو امام صاحب کو الیاء دینا، جیسوں کا مذاق آنا آواز سے کسنا چھوڑ دیں۔

حدیث نمبر ۱۹: محمادی شریف نے امام شافعی تابعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی

عَنْ الشَّعْبِيِّ فِي الطَّبْرِ وَالسُّورِ وَمَعَ هَذَا يَقَعُ فِي السَّرِّ قَالَ يُسْرَخُ مِثْلُهَا مِنْ زَبْعُونَ دَلْوًا

”ہم شعبی چپا، بلی وغیرہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ اگر یہ کنوئیں میں مر جاوے تو چالیس ذول نکالے جاویں گے۔“

حدیث نمبر ۲۰: محمادی شریف نے حضرت حماد بن عیسیٰ تابعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّهُ قَالَ لِي رُحَابِيَّةٌ وَقَعَتْ فِي بَيْرٍ فَصَاتَتْ فَامْرَأَةٌ مِنْ أَرْبَابِ فَرَجٍ مَاءً هَا فَجَعَلَ الْمَاءُ لَا يَنْقُطُ فَنَظَرَ فَادَّ

”آپ فرماتے ہیں کہ جب کنوئیں میں مرغی گر کر مر جائے تو اس سے چالیس یا پچاس ذول نکالے جاویں پھر اس سے وضو کیا جاوے۔“

حدیث نمبر ۲۱: محمادی شریف نے حضرت یحییٰ بن یزید سے روایت کی۔

عَنْ عُبَيْدِ بْنِ رِجْلٍ قَالَ لَمَّا سَقَطَتِ الْمَرْأَةُ أَوْ لَدُنْهُ فِي الْبَيْرِ فَاحْرَحَهُمَا حَتَّى يَغْلِبَكَ الْمَاءُ

”حضرت عبید بن ریحل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب چوبایا کوئی اور جانور کنوئیں میں مر جائے تو اس کا پانی نکالو یہاں تک کہ پانی تم پر قابض آجائے۔“

نمبر ۲۲: محمادی نے حضرت ابو نعیم نخعی تابعی سے روایت کی۔

عَنْ ابْنِ أَبِي هَيْثَمٍ فِي الْبَيْرِ يَقَعُ فِيهَا الْمَرْأَةُ قَالَ يُسْرَخُ مِنْهَا دَلْوًا

”ابو نعیم نخعی فرماتے ہیں کہ جب کنوئیں میں چادر جاوے تو اس سے کچھ ڈال نکال جاویں۔“

حدیث نمبر ۲۳: شیخ عبد اللہ ابن محبت نے بحوالہ محمادی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ (واللہ اعلم)

عَنْ أَنَسٍ أَنَّهُ قَالَ فِي الْمَرْأَةِ دَلْوًا مِثْلُهَا فِي الْبَيْرِ وَأُخْرَى مِنْ مِثْلِهَا يُسْرَخُ مِنْهَا عَشْرُونَ دَلْوًا

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا کہ جب چوبایا کنوئیں میں رچوے اور غور اٹکال یا جائے تو اس ذول نکالے جاویں۔“

حدیث نمبر ۲۴: ابوبکر ابن ابی شیبہ نے حضرت خالد ابن مسلم سے روایت کی۔

أَنَّ عَلِيَّ بْنَ سُلَيْمَانَ قَالَ فِي بَيْرٍ قَالَ يُسْرَخُ (انصار الحق ص ۲۵۷)

”حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا یا اس بارے میں کہ کوئی کنوئیں میں پیو شاب کر دے فرمایا کہ کنوئیں کا پانی نکال دیا جائے۔“

یہ چونکہ روایتیں بطور نمونہ پیش کی گئیں، جن سے معلوم ہو کہ مذکورہ چیز رہ جائے سے کنواں نہیں ہو جاتا، اور پانی کا نکالنا اس کی پاکی ہے، نہ زیادہ تحقیق دیکھنی ہو تو عطاوی شریف اور صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرماویں۔

عقل کا تقاضا بھی ای ہے کہ کنواں وغیرہ نجاست پڑنے سے نہیں ہو جادیں، کیونکہ جب نجاست ل جائے سے کپڑا جسم برتن وغیرہ تمام چیزیں نہیں ہوجاتی ہیں، تو پانی جو پتل چڑ ہے جس میں نجاست بہت زیادہ مراعت کر جاتی ہے، بددہ دلی ناپاک ہو جانا چاہئے نیز جب دو مکے دودھ، تیل، پتل، مٹی، شہد، کسی نجاست پڑنے سے نہیں ہو جاتے میں تو پانی کی چیزوں سے زیادہ پکا ہے، وہ بھی ضرور ناپاک ہو جانا چاہئے ورنہ فرق بیان کر دیکر دو مکے دودھ کیوں ناپاک ہو جاتا ہے اور اتنا پانی کیوں نہیں بھس ہو جاتا اس لیے سرکار محمد رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ سوکر جاؤ تو بغیر ہاتھ دھوے پانی میں نہ ڈال دو (مسلم، بخاری، پانی خواہ دو گئے ہو یا کم و بیش، دیکھو بے وضو آدمی تو پانی میں ہاتھ ڈالنے سے منع فرمایا، ہاں ناپاک چیزوں کے پاک کرنے کے طریقے مختلف ہیں تاہم شیشے کے برتن صرف پونچھ دینے سے پاک ہو جاتے ہیں، ناپاک جو تا صرف چلنے پھرنے اور مٹی سے رڑ جانے سے پاک ہو جاتا ہے، بھس رہن صرف سوکھ جانے اور اثر نجاست جاتے رہنے سے پاک ہو جاتی ہے، بھس کپڑ اور جسم دھونے سے پاک ہوتے ہیں، ایسے ہی ناپاک کنواں پانی نکالنے سے پاک ہو جاتا ہے ناپاک دودھ، تیل پاک دودھ، تیل کے ساتھ مل کر بہ جانے سے پاک ہو جاتا ہے پھر ان کے پاک کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک غیر مقدمہ دہلی اس مسئلہ پر جس قدر اعتراضات کر سکے ہیں ہم ان کے جوابات تفصیل وار عرض کرتے ہیں، اس کے بعد کوئی اور اعتراض ہمارے عمل میں آیا تو نا شاء اللہ اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں اس کا جواب بھی دے دیا جاوے گا۔

اعتراض نمبر ۱ ترمذی شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قِيلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَوْضَاءٌ مِنْ بَيْرٍ نَصَاعَهُ وَهِيَ بَيْرٌ يَنْفَى فِيهَا الْحَيْضُ وَلِخَوْفِ الْكَلَابِ وَلَا تُشْرَقُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمَاءَ ظُهُورٌ لَا يَنْسُخُهُ شَيْءٌ

”فرماتے ہیں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم بضاء کنوئیں سے وضو کر سکتے ہیں، بضاء یہ کنواں تھا جس میں حیض کے کپڑے، کتوں کے دشت اور بدبودار چیزیں ڈال جاتی تھیں تو حضور نے فرمایا کہ پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی۔“

بضاء بضاء پاک میں ایک کنواں تھا، جس میں ہر قسم کی مٹی حتیٰ کہ مرے کتے بھی پھینک دیے جاتے تھے، عرض اس کے ہاں جو دوسرا کار ﷺ نے کنوئیں کی ندی رسے پر بھی ناپاک نہیں فرماتے، مرہام ابوحنیفہ ایک قطرہ پیشاب رہ جانے پر بھی سارا کنواں ناپاک کہہ دیتے ہیں، حیض کا یہ مسئلہ حدیث کے بالکل خلاف ہے کیا ابوحنیفہ حضور ﷺ سے زیادہ پاک و مستحب تھے۔

جواب اس اعتراض کے چند جوابات ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ یہاں پانی میں کوئی قید نہیں، کہ کتنا پانی ناپاک نہیں، تو چاہئے کہ حُرے ہوئے میں بھی حیض کے کپڑے کتوں کے دشت ڈال کر دیا کر دے، کیونکہ پانی کو کوئی چیز ناپاک کرتی ہی نہیں۔

دوسرے یہ کہ، یہاں پانی سے کنوئیں کا پانی ہی مر دھو در مطلب یہ ہو کہ کنوئیں کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتے، تو بھی آپ کے خلاف ہے، کیونکہ تم کہتے ہو کہ رنجاست سے کنوئیں کے پانی کا رس یا بویا یا زہر یا جادوے تو نہیں ہو جادے، اور کونسا کنواں ہے جو مرے کتوں، حیض کپڑوں اور بدبودار چیزوں کے رنے کے باوجود ان کا رس، بویا، زہر نہ بدلے، دن رات کا تجربہ ہے کہ اگر ایک مرغی بھی کنوئیں میں پھول پھٹ جاوے تو پانی میں سخت نقص آ جاتا ہے اس حدیث کی رو سے آپ کو فتویٰ دینا چاہیے کہ وہاں کے کتوں میں مردار، کتے، سور، حیض کے کپڑے خوب ڈالے جاویں اور تم اسی بدبودار پانی کو پیتے رہو، تم نے ہمارے حرمہ ہونے کی قید کہاں سے لائی۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث تمام ان احادیث کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں، تعجب ہے کہ حضور علیہ السلام طہرے پانی میں پیشاب کرنے کو بھی منع فرماتے ہیں اور یہاں مردار کتے ڈالنے سے ممانعت نہیں فرماتے، لہذا یہ حدیث قائل عمل نہیں تمام مشہور حدیثوں کے خلاف ہے۔

چوتھے یہ کہ حدیث قیاس شرعی کے بھی خلاف ہے، جیسا کہ ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں اور جب احادیث میں تعارض ہو تو جو حدیث خلاف قیاس ہو، وہ واجب الترمک ہے اور جو مطابق قیاس ہو، وہ واجب العمل ہے لہذا ان احادیث پر عمل کر دو جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے۔

پانچویں یہ کہ بضاء کنواں ہمارے ملک کے کنوؤں کی طرح نہ تھا، بلکہ اس کے نیچے پانی جاری تھا جیسا کہ مکہ معظمہ کے کنوئیں بہر زبیدہ پر بہتے ہوئے

ہیں اور مدینہ منورہ کے کنوئیں منہرہ کا پر واقع ہیں، بظاہر کنوئیں معلوم ہوتے ہیں سرور حقیقت وہ آبِ رواں کی شہر میں ہیں چونکہ پانی جاری تھا اس لیے جو ندی رہی پانی، پاک و صاف پانی آیا نہ اس میں جو بھی نہ کوئی ندی جاری نہ ہو اور جاری دریا کا حکم یہ ہی ہے۔ چنانچہ طحاوی نے مام و اقدی سے نقل کیا۔

اَنْ يَبْرُ بَصَاعَةً كَمَا تَطْرُقُاَ لِنَسَاءٍ مِّنَ الْبَصِصِ فَاِنْ اَلْمَاءُ لَا يَنْقَرُ فِيْهَا
”بصاعہ کنوئیں پانی کا راستہ تھا جو بانگوں میں جاتا تھا، اس میں پانی خمر تانا تھا۔“

اس صورت میں تمام احادیث متعلق ہوئیں اور مسئلہ بالکل حل ہو یا بعد کنواں ندی رنے سے نجس ہو جاتا ہے۔

اعتراض نمبر ۱ ترمذی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُسَاقُ عَلَى الْمَاءِ يَكُونُ فِي الْهَلَاةِ مِنَ الْأَرْضِ
وَمَا يَنْوِيهِ مِنَ السَّبَاعِ وَالْمَذَوَابِ فَإِنْ اَدَاكَ الْمَاءُ فَنَسِيسَ لَكَ بِحِمْلِ الْحَبْثِ
”فرماتے ہیں کہ میں نے سنا ہے ﷺ کو صاف نکلے آپ سے اس پانی کے متعلق سوال ہو جو حلقوں میں ہوتا ہے جس پر درندے اور جانور وارد ہوتے ہیں، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب پانی دو ملے ہو تو نہایت کنوئیں اٹھاتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ دو ملے پانی نہایت رنے سے نجس نہیں ہوتا، مگر ترمذی نے محمد بن اسحاق سے روایت کی کہ دو ملے پانی نجس ہو جاتا ہے، جب پانی نجس ہو جاتا ہے تو کنوئیں میں تو بیوقوفوں کی فکر سے پانی ہوتا ہے وہ کیسے نجس ہو سکتا ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں یک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو ملے پانی نجس نہیں ہوتا خواہ کتنی ہی نجاست رنے حث میں مقدہ نجاست کی قید نہیں تو چاہے کہ دو ملے پانی میں چار ملے پیشاب پڑ جاوے اور اس کا بوجھ دھو، رن سب پیشاب کا سا ہو جاوے تب بھی وہ پانی پیتے رہیں رن دھو نہ پڑے کی قید تم نے کہاں سے رکھی؟ یہ بھی حدیث کے خلاف ہے۔

دوسرے یہ کہ **لَمْ يَحْمِلِ الْحَبْثُ** کے یہ معنی کیسے ہوئے؟ نجس نہیں ہوتا اس کے معنی ہیں نجاست برداشت نہیں کرتا۔ یعنی نجس ہو جاتا ہے جب یہ احتمال بھی موجود ہے تو تمہارا استدلال باطل ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ معنی کہنے جائیں کہ دو ملے پانی نجس نہیں ہوتا، تو یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں دیوں کر چکے ہیں کہ حضور ﷺ نے خمرے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا خواہ دو ملے پانی ہو یا کم، بیش اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے چاہو دھرم میں ایک جگہ رنے پر اس کا پانی نکلوایا، یہ کیوں وہاں تو بنبروس ملے پانی تھا۔ لہذا یہ حدیث راقی عمل نہیں۔

چوتھے یہ کہ قلحیں قلحہ کا مشنیہ ہے، قلحہ ملے کو بھی کہتے ہیں اور انہی کی قد و قامت کو بھی اور پہاڑی چوٹی کو بھی یہاں قلحہ کے معنی سائی قد و قامت ہے اور اس سے برائی کا نہ زہ بٹانا مقصود نہیں بلکہ لمبائی کا اندازہ بیان کرنا مقصود ہے۔ یعنی جب پانی بہہ رہا ہو اور دو قامت انسان کی بقدر اسے پہننے کیلئے فاصد مل جاوے تو اب کسی چیز سے مجس نہ ہو کیونکہ وہ پانی نہروں کی طرح رواں جاری ہے ندی کو بہا لے جا دیا، فوز اور دوسرے پانی آوے اس معنی سے حدیث میں تعارض بھی نہیں ہوا، اور ہر حدیث واجب العمل بھی ہوئی، یہ وجہ بہت بہتر ہے، کیونکہ اقلہ کے معنی ہوں ملکا تو پڑ نہ چلے اور کہ کتابا ملکا کہاں کا ملکا اور پانچ ملکہ مقدہ مقرر کرنا بھی درست نہیں کہ حدیث میں یہ مقدہ مذکور نہیں، نیز یہ خبر نہیں کہ کتابا ملکا اور کہاں کا، غرض کہ حدیث مجمل ہوئی مجمل پر عمل ناممکن ہے۔

پانچویں یہ کہ اس حدیث میں وہ صورت مرا ہے کہ دو ملے پانی زمین پر خوب پھیلا ہوا پڑے حوض کی مقدہ میں ہو یعنی سوہا تھو سلخ ہوئی۔ تو چونکہ یہ پانی تالاب کے حکم میں ہو یا، لہذا مضمون ندی رنے سے ناپاک نہ ہوا اس صورت میں بھی حدیث میں تعارض نہیں۔

اعتراض نمبر ۲ حنیوں کا ڈول پڑے کہاں والا ہے کہ ناپاک کنوئیں سے صرف ناپاک پانی چھانٹ کر نکال لانا ہے، پاک پانی چھوڑنا ہے حیرت ہے، کہ جب کنوئیں میں چھ یا مرنی جس سے سارا کنار کنواں ناپاک ہو یا اور حنیوں نے اس میں سے صرف تمیں ڈال کر نکالے تو یہ تو کہہ کر سارے کنواں ناپاک ہو یا تھا تو تمیں ڈال کر نکل جانے سے سارا پانی پاک کیسے ہو یا۔

جواب یہ کہ راست وہابیوں کے ڈول میں بھی خدا ہر ہوتی ہے جب کنوئیں کا پانی صحرہ رن بدل جانے کی وجہ سے ناپاک ہو جاوے اور کنواں چشمہ والا ہو، جس کا پانی ٹوٹ نہ سکے، اب وہابی صاحبان اسے پاک کریں، تاؤ اس صورت میں کل کنواں ناپاک ہو ہے یا کچھ ڈول رکھ ڈول پانی ناپاک ہو ہے تو وہابیوں کا ڈول واقعی کراماتی ہے کہ چھانٹ چھانٹ کر صرف خدا پانی نکال لایا، اور پاک پانی کو ہاتھ نہ دیا اور کل کنواں ناپاک ہو تھا تو

کنوئیں کا کل پانی نکال بھی نہیں، پانی کے آس پاس کی دیواریں دھوئی بھی نہ گئیں اور کنواں پاک ہو یا یہ کیسے ہو اس کا جواب وہابی دیں گے وہ اپنی ہماری طرف سے سمجھ میں۔ جناب عالی چہ یا مر جاتے سے سارا کنواں پاک ہو جاتا ہے مگر ناپاک چیزوں کے پاک کرنے کے طریقے مختلف ہیں کوئی چیز سوکھ کر کوئی جل کر کوئی بہ کر کوئی صرف پونچھ دیتے سے پاک ہو جاتی ہے ایسے ہی اس کنوئیں کا پانی صرف آسانی کیسے چاہیں ڈالیں نکال دینے سے پاک ہو جاتا ہے، دیکھو مٹی ناک ہے لیکن جب کپڑے میں کر خشک ہو جاوے تو صرف مل کر بھاڑ دینے سے کپڑا پاک ہو جاتا ہے تمہار بھی یہ عقیدہ ہے کہ یہ کپڑا بغیر دھوئے پاک کیسے ہو یا، صرف آسانی کیلئے ایسے ہی آسانی کے لئے صرف چالیس ڈال نکال دینے سے سارا کنواں پاک ہو جاتا ہے۔

اعتراض نمبر ۷ ار چہ یا چہ ہمارے سے کنوئیں ناپاک ہو جاتا ہے تو ناپاک پانی کی وجہ سے کنوئیں کی دیوار بھی نجس ہوئی اور جب اسے پاک کرنے کے لئے ڈال دیا تو وہ ڈال دی بھی نجس ہوئی تو چاہئے تھا کہ اسے پاک کرنے والی دیوار بھی دھوئی جاتی اور ڈال دی بھی پاک کی جاتی۔

جواب اس اعتراض کا جواب اعتراض نمبر ۳ کے جواب میں دریا کہ ایسے موقع پر شریعت آسانی کرتی ہے، کنوئیں کی دیواریں اور ڈال دی دھوئے میں سخت دشواری تھی، اس لیے اس کی معافی دی گئی تم بھی اپنے غم سے کنوئیں پاک کرتے وقت نہ کنوئیں کی دیواریں دھوتے ہو نہ ڈال دی دھوئے

آپ کا یہ قیاس حدیث کے مقابل ہے اور اہل کے مقابل قیاس دوڑانا جائز نہیں ہم یہی فصل میں بتا چکے کہ حضرت عبداللہ بن عباس وغیرہم صحابہ رضی اللہ عنہم نے چاہے ترمیم پاک کیا مگر اس کی دیواریں دھوئیں نہ ڈال دی۔

چوبیسواں باب

نماز جمعہ وعیدین گاؤں میں نہیں ہوتی

مسئلہ شری یہ ہے کہ ہمارے جمعہ و عید و بقرہ گاؤں میں نہیں ہوتی، ان تینوں نمازوں کیلئے شہر یا شہر کی محققہ جگہ میں ہونا شرط ہے۔ گاؤں والوں پر جمعہ و عیدین لازم ہے نہ وہاں گاؤں میں یہ نمازیں جائز ہیں۔ ہاں اگر گاؤں والے شہر آ کر یہ نمازیں پڑھ جائیں تو ثواب پائیں گے مگر غیر مقصد وہابی کہتے ہیں کہ جمعہ و عیدین ہر جگہ جائز ہے نہ ظہر کی طرح ہر گاؤں شہر میں ہو سکتی ہیں، اس لئے اس مسئلہ کی بھی دو قسمیں کی جاتی ہیں، پہلی فصل میں اس کی ممانعت کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات۔

نوٹ ضروری خیال رہے کہ شہر وہ جگہ ہے جہاں کوہے بازار ہوں ضروریات کی چیزیں مل جاتی ہوں اور وہاں کوئی حاکم بھی رہتا ہو جہاں یہ نہ ہو گاؤں ہے۔

پہلی فصل

لہر جمع ہو عیدین کیلئے دوسری شرائط ہیں عت، قطبہ وغیرہ کی طرح شہر یا قلعہ شہر بھی شرط ہے کہ یہ لازمی صرف شہر میں ہوں گی، گاؤں میں نہیں ہو سکتیں۔ دلائل ملاحظہ ہوں رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

ممبر ۱ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا دَاوُدُ لِلصُّلوةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَسِعُوا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَدِرْوَالِ الْبَيْعِ

”اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کی اور ان ہو جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور تجارتیں چھوڑ دو۔“

اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان دن جمعہ ہوجانے پر دو حکم دیئے جمعہ کے سینے حاضر ہونا دوسرے تمہاری کاروبار چھوڑ دینا جس سے شرعاً مظلوم ہوا کہ جمعہ وہاں ہی ہوگا، جہاں تمہاری کاروبار ہوں اور ظاہر ہے کہ تمہاری کاروبار ہاں روں منڈیوں میں ہی ہوتے ہیں اور ہاں رو منڈیاں شہروں ہی میں ہوتی ہیں۔

ممبر ۲ عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں یحییٰ نے فریب میں مروی نے کتاب المجموع میں میر لمونیش علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قُلْ لَا جُمُعَةَ وَلَا تَشْرِيقَ الْاُفْنِ مَصْرٍ حَامِعٍ ”آپ نے فرمایا کہ جمعہ اور بحیر تشریق نہیں ہو سکتے مگر بڑے شہر میں۔“

ممبر ۳ ابن ابی شیبہ نے ابن ابی امیر امونیش علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قُلْ لَا جُمُعَتِ وَلَا تَشْرِيقَ وَلَا صِدْرَ فِطْرٍ وَلَا صَحِيٍّ لَا فِي مَصْرٍ حَامِعٍ وَمَدِينَةٍ عَظِيمَةٍ

”آپ نے فرمایا کہ نہ تو جمعہ ہوتا ہے، نہ بحیر تشریق نہ عید بقرہ عید کی نماز مگر بڑے شہر میں۔“

ممبر ۴ یحییٰ نے عرف میں انہی حضرت علی سے روایت کی۔

قُلْ لَا تَشْرِيقَ وَلَا جُمُعَةَ لَا فِي مَصْرٍ حَامِعٍ ”آپ نے فرمایا کہ نہیں ہے جمعہ اور نہ بحیر تشریق مگر بڑے شہر میں۔“

ممبر ۵ فتح الباری شرح بخاری جلد ۲۔ ص ۳۱۶ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قُلْ لَيْسَ عَلَى أَهْلِ الْقَرْيَةِ جُمُعَةٌ ”نہاں جُمُعَةُ عَسَى أَهْلُ لَا مُصَارَ مَثَلِ الْمَدَائِنِ

”آپ نے فرمایا گاؤں والوں پر نماز جمعہ فرض نہیں جمعہ ان جیسے شہروں پر فرض ہے۔“

ممبر ۶ مسلم، بخاری، ابوداؤد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

كُلُّ النَّاسِ يَتَبَوَّنُ الْجُمُعَةَ مِنْ مَنَازِلِهِمْ وَالْعَوَّلِيَّ فَيَأْتُونَ فِي الْغُبَارِ وَالْعَرَقِ

”لوگ نماز جمعہ کے لئے اپنی منزلوں اور گاؤں سے مدینہ منورہ آتے تھے انہیں غبار لگ جاتا تھا اور پسینہ آ جاتا تھا۔“

ممبر ۱۰ ترمذی نے حضرت ثوبان سے انہوں نے قبا والوں میں سے ایک صاحب سے انہوں نے اپنے والد سے جو صحابی رسول اللہ ﷺ ہیں روایت کیا۔

قَالَ امْرُؤُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ شَهِدَ الْجُمُعَةَ مِنْ قَبْلِ
"فرمایا ہم قبا والوں کو ﷺ سے حکم دیا کہ نماز جمعہ کیسے قبا سے چل کر پڑھیں۔"

ممبر ۱۱ ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ وہ نبی ﷺ سے روای۔

قَالَ الْجُمُعَةُ عَلَى مَنْ أُوْدُ الدَّلِيلُ إِلَى هَلِهِ

"فرمایا جمعہ اس پر فرض ہے جو جمعہ پڑھ کر رات تک اپنے گھر واپس پہنچ جائے۔"

ممبر ۱۲ ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کیا۔

إِنَّ أَهْلَ قَبَاءَ كَانُوا يَخْضَعُونَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

"قباء والے لوگ جمعہ کے دن نبی ﷺ کے ساتھ جہاد کرتے تھے۔"

ممبر ۱۲، ۱۳ موطا، مالک، بائ لا جمعہ فی لغوی اور موطا، مام محمد بائ صوفہ العیدین و امر الخبطة

میں روایت ابن شہاب عن ابی سعید موسیٰ ابن ازہر ہے۔

قَالَ شَهِدْتُ الْعِيدَ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَالَ إِنَّهُ قَدْ جَمَعَ لَكُمْ فِي يَوْمِكُمْ هَذَا عِيدًا

يَسْتَعْرِضُ الْجُمُعَةَ فَيَسْتَظِرُّهَا وَمِنْ أَحْتِاجِ أَنْ يَرْجِعَ لِقَدِّمِ الدَّعَاءِ

"فرمایا میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز عید میں حاضر ہوا آپ نے نماز پڑھی پھر بولے اور فرمایا کہ آج کے دن میں دو عیدیں جمع ہو گئی ہیں تو گاؤں والوں میں سے جو صاحب جمعہ کا انتظار کرنا چاہیں وہ کہیں اور جو وہاں جانا چاہیں میں انہیں اجازت دیتا ہوں۔"

ان آخری احادیث سے معلوم ہو کہ رمانہ نبوی ﷺ اور رمانہ صحابہ میں قبا اور دیگر گاؤں سے لوگ نماز جمعہ عیدین پڑھنے کے لیے مدینہ منورہ حاضر ہوتے تھے خواہ وہ اپنے گاؤں میں یہ نمازیں نہ پڑھ سکتے تھے اگر گاؤں میں نماز جمعہ پڑھتی تو یہ حضرات وہاں ہی پڑھ سکتے اگر وہاں رعیش اور

پایہ کی رعیش تھا کہ جمعہ عیدین کے لیے مدینہ طیبہ نہ آیا کرتے۔ بخاری کے لفظ **يَسْتَظِرُّونَ** اور موطا کے لفظ **يَرْجِعُونَ** سے معلوم ہوا کہ گاؤں والوں پر جمع فرض نہیں، اور ندان کے باری ہادی نے کے کیا معنی اور صرف عید پڑھ کر جو جمعہ کے دن تھی بلیہ جمعہ پڑھ لوٹ جائیگا کیا مطلب؟

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ جمعہ گاؤں اور جنگلوں میں ہو۔ کہ صرف شہر میں ہو نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حج الوداع پر وہاں بھی ۱۵ ذی

الحجہ عرف کے دن جمعہ تھا جس میں ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ کا اجتماع تھا مگر حضور ﷺ نے نہ تو خود میدان عرفات میں جمعہ پڑھانے کے احکام دیے اس کا حکم دیا نیز صحابہ کرام نے بہت ملک فتح کیے مگر کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ ان حضرات نے گاؤں میں جمعہ قائم کیے ہوں چنانچہ فتح القدر پر ۲۶

الجمعہ میں ہے۔

وَلَقَدْ لِمَ يُنْفَخَ عَنِ الصُّحُفَةِ حِينَ فَتَحُوا الْبِلَادَ دَوَّاشْتَعْنُوْا مَسْبِ الْمَدِينِ وَالْجَمْعِ الْإِلَهِي الْمَصْدَرِ

"صحابہ کرام سے کہیں منفق نہیں کہ جب انہوں نے علاقے فتح کیے تو انہوں نے شہروں کے سوا کہیں اور عید اور جمعہ قائم کیے ہوں۔"

اگر جمعہ ظہر کی طرح ہر جگہ ہو جائے کہ تا تو یہ حضرت ہر جگہ ہی جمعہ قائم کرتے جیسے جمعہ کیسے خطبہ جمعہ و غیرہ شرط ہے جو نماز ظہر کے لیے شرط نہیں نیز جمعہ صاف اور عورت و بچہ پر فرض نہیں بلکہ سب پر فرض ہے ایسے ہی اگر جمعہ کیسے شہر شرط ہو تو کیا مضافتہ ہے فرض کہ جمعہ سارے احکام میں ظہر کی طرح نہیں۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراض و جوابات

اعتراض ممبر ۱ قرآن کریم سے نماز جمعہ کی فرضیت بطریق اطلاق ثابت ہے وہاں شہر کی قید نہیں تو تم مذکورہ احادیث کی وجہ سے قرآن

میں قید کیسے لگا سکتے ہو قرآن مطلق حدیث و حد سے مقید نہیں ہو سکتا۔

جواب اس کے چند جوابات ہیں ایک الزامی بانی تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ قرآن شریف میں نماز جمعہ کے لیے کوئی شرط نہیں لگائی گئی نہ وقت کی نہ خطبہ کی نہ جماعت کی نہ جگہ کی تو چاہئے کہ نماز جمعہ دل رب سے نکلے اور وقت میں پڑھا لیا کرو۔ غیر خطبہ کی بھی پابندی نہ ہو جنگل اور گھر میں اکیلے آدمی بھی جمعہ پڑھ سکے گا۔ نیک آپ لوگ بھی اس کے قائل ہیں۔

دوسرے یہ کہ آیت جمعہ مطلق نہیں بلکہ مجمل ہے اور مجلس کی تفصیل حدیث واحدہ سے بھی ہو سکتی ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث واحدہ نہیں عرفات میں حضور ﷺ کا جمعہ نہ پڑھنا تمام ان حاکمی صاحبوں نے دیکھا، جنگل تعداد ایک، کھ کے قریب تھی جس فضل شریف کو اتنے صحابہ یکھیں، وہ خبر واحدہ کیونکہ ہوگی۔

چوتھے یہ کہ خود قرآن کریم میں شہر کے شرط ہونے کی طرف اشارہ موجود ہے کہ رب نے علم جمعہ کے ساتھ فرمایا **وَدُرِّ السَّيْعِ** جیسا کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱ بخاری وغیرہ میں سیدنا عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ مسجد نبوی شریف ﷺ کے بعد سب سے پہلا جمعہ عبدالقیس میں ہو جو عرین کے ایک قریہ جو اُلیٰ میں واقع ہے معلوم ہو کہ قریہ یعنی گاؤں میں جمعہ ہو سکتا ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ عربی میں قریہ صرف گاؤں کو نہیں کہتے مطلقاً ہستی کو کہتے ہیں گاؤں ہو یا شہر قرآن کریم میں بہت جگہ شہر کو قریہ کہا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْغُرَبَاءِ عَظِيمٍ

”کفار بولے کہ یہ قرآن ان دو شہروں (مکہ و مدینہ) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اتارا گیا۔“

دیکھو اس آیت میں مکہ معظمہ و مکہ کو قریہ فرمایا گیا حالانکہ یہ بڑے شہر ہیں، مکہ معظمہ کی شہریت تو قرآن سے ثابت ہے۔

وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ اور فرماتا ہے۔

وَمَثَلُ قَرْيَةٍ أَلْقَىٰ كُفْرًا فِيهَا ”آپ ہمیں اس شہر سے جس میں کفر تھا۔“

حتیٰ اذ اتينا هـل قريته نـ سـطـعـمـا اھـمـا ”یہ دونوں (مکہ و مدینہ) ایک بہتی میں پہنچے اور وہاں کے باشندوں سے کہا گیا۔“ اس آیت میں اٹھا کر قریہ فرمایا گیا، حالانکہ یہ شہر ہے، بہر حال قریہ شہر کو بھی کہتے ہیں جو اُلیٰ گاؤں نہ تھا، بلکہ شہر تھا، چنانچہ صحاح میں ہے۔

ان حوائی حصص ”بالسخرین“ جو اُلیٰ بحرین میں ایک قلعہ ہے۔“

اور ظاہر ہے کہ قلعہ شہروں میں ہوتا ہے، (فتح قدر) ہبوط میں ہے۔

انہا مدینۃ ”بالسخرین“ ”وہ بحرین میں ایک شہر ہے۔“

بہر حال جب لوگوں نے کہا کہ جو اُلیٰ قریہ ہے انکی مراد یہ ہے، دوسرے یہ کہ اگر یہاں قریہ یعنی گاؤں ہو تو کسی کی پہلی حالت مرد ہے یعنی پہلے وہ گاؤں تھا، جمعہ قائم ہونے کے وقت شہر بن چکا تھا، لہذا شہر والی روایتیں بھی درست ہیں گاؤں والی بھی۔ تیسرے یہ کہ اگر جمعہ قائم ہونے کے وقت بھی گاؤں تھا تو وہاں جمعہ پڑھنا صحابہ کرم کے اپنے اجتہاد سے نہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے نہ بزرگوں کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا۔

(ارجع القدر وغیرہ)

اعتراض نمبر ۲ یحییٰ شریف میں مروی ہے عبدالرحمن بن کعب بن مالک سے فرماتے ہیں سب سے پہلے جمعہ ہم کو سہل ابن زرارہ نے مقام حرہ بنی بیاض پر پڑھا، پوچھا گیا کہ وہاں کتنے آدمی رہتے تھے تو فرمایا صرف چالیس آدمی تھے حضرت کعب جب بھی اذان سنتے تو حضرت سہل کو دعائیں دیتے تھے دیکھو سہل ابن زرارہ بھی صحابی ہیں اور حضرت کعب ابن مالک بھی ان بزرگوں نے مع دوسرے صحابہ کرام اسکی جگہ جمعہ پڑھا یا جہاں صرف چالیس کی ہستی تھی معلوم ہوا کہ گاؤں میں جمعہ پڑھے۔

جواب یہ واقعہ حضور ﷺ کی ہجرت سے پہلے کا ہے جب کہ جمعہ بھی فرض بھی نہ ہوا تھا۔ بیت عقبہ کے بعد جب مدینہ منورہ میں اسلام پھیلنا اور کچھ لوگ مسلمان ہو گئے تو ان مسلمانوں نے آہن میں مشورہ کیا کہ جیسے یہود ہفتہ کے دن اور عیسائی اتوار کے دن اپنے عبادت خانوں میں جمع ہو کر عبادت کرتے ہیں ہم بھی عروبہ کے دن جمع ہو کر عبادت کیا کریں۔ چنانچہ حضرت سہل ابن زرارہ نے حرہ بنی بیاض میں ایک حاکم مسجد کی شکل کی بنائی اور وہاں عروبہ کے دن جمع ہونا عمار و عطا کرنا شروع کر دیا اور اس دن کا نام یوم جمعہ رکھا مسلمانوں کے اجتماع کا وہاں یہ نماز ان بزرگوں کی اجتہاد ہی نہ تھی۔ نہ کہ موجودہ سہادی جمعہ پھر رب تعالیٰ نے اسی دن میں نماز جمعہ فرض فرمائی اس کی تحقیق یحییٰ میں اسی مقام پر درج القدر میں جمعہ کی بحث میں مدخلہ کروا کر مان بھی لیا جائے کہ وہ نماز موجود جمعہ ہی کی نماز تھی۔ تو حرہ بنی بیاضی مستقل گاؤں نہ تھا بلکہ مدینہ منورہ کے مضافات میں

سے تھ یعنی قتلے شہر اور ہم پہلے عزم کر چکے ہیں کہ قتلے شہر کے جنگلوں میں بھی جمعہ وعیدین جائز ہیں۔

اعتراض نمبر ۴ بخاری شریف میں حضرت یونس سے مروی ہے کہ جناب درہن بن حکیم سے ابن شہاب کو خط لکھا کہ کیا میں اپنی زمین اید میں جمعہ پڑھ لیا کروں جہاں چند سو فی وغیرہ مسلمان رہتے ہیں، انہوں نے جواب دیا ضرور دیکھو، محمد بن شہاب نے درہن کو ایک بہت چھوٹے سے گاؤں اید میں جمعہ پڑھنے کا حکم دیا معلوم ہوا کہ جمعہ گاؤں میں جائز ہے۔

جواب اس کا جواب بخاری شریف کے اسی مقام سے معلوم ہو جاتا ہے کہ محمد ابن مسلم ابن شہاب، برہن رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فتویٰ اپنے اجتہاد سے دیا ہے نہ کہ کسی حدیث کی بنا پر انہیں مسئلہ معلوم نہ تھا وہ دیکھتے کہ ظہر کی طرح جمعہ ہر جگہ ہو جاتا ہوگا لہذا یہ حکم دے دیا چنانچہ بخاری میں اس جگہ اس شہاب کا پورا خط نقل کیا ہے جس میں اس فتوے کی یہ دلیل نقل فرمائی ہے کہ مجھ سے سالم بن ابی عبد اللہ ابن عمر نے اس سے نبی ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص چہرام اس سے قیامت میں اپنے ماتحتوں کے متعلق سوال ہوگا اور اس سے معلوم ہوا کہ ابن شہاب کو گاؤں میں جو (جمعہ کی کوئی حدیث نہ ملی صرف اس حدیث سے استنباط کیا۔

اعتراض نمبر ۵ تہذیبی پیش کردہ حدیثیں سب حضرت علی کے قول ہیں کہ نبی ﷺ کے فرمان ایک صحابی کے قول سے قرآنی آیت کے خلاف فتویٰ کیے گھر دیا جاسکتا ہے۔

جواب صحابہ کرم کے قول بھی حدیث ہیں جنہیں حدیث موقوف کہا جاتا ہے، اور یہ حدیثیں مرقیاسات کی قسم کی نہ ہوں تو حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتی ہیں علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ قرآن شریف میں جمعہ کی نذر کے لیے شہر کی صراحت قید نہ لگائی گئی اور پھر آپ سے فرمایا کہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں معلوم ہو کہ آپ نے اپنی رائے سے یہ حکم نہیں فرمایا ہے بلکہ حضور ﷺ سے سن کر فرمایا اسی بیٹے صاحب بدیہ نے یہ حدیث مرفوعہ نقل فرمائی کیونکہ ایسی حدیثیں مرفوع کے حکم میں ہی ہوتی ہیں۔

اعتراض نمبر ۶ جمعہ کی نذر نہ ظہر کے قائم مقام ہے اسی بیٹے جمعہ کے دو ظہر نہیں پڑھی جاتی صرف جمعہ ہی پڑھا جاتا ہے جب ظہر گاؤں و شہر ہر جگہ ہو جاتی ہے تو جمعہ بھی ہفت جگہ ہو جاتا ہے۔

جواب یہ اعتراض تم پر بھی پڑ سکتا ہے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ ظہر کی طرح جمعہ بھی کہیں جماعت سے جنگل میں، گھر میں، مسجد میں، ہر جگہ ہو جانا چاہیے۔ اللہ کے بندو جب جمعہ اور ظہر میں بہت سے فرق ہیں کہ ظہر کی رکعتیں چار جمعہ کی دو ظہر میں ملت مٹا کر دو چار رکعتوں سے پہلے اور دو بعد میں جمعہ میں تھ چار فرض سے پہلے اور چار بعد میں جماعت شرما نہیں اور جمعہ میں شرط ہے۔ ظہر میں خطبہ شرط نہیں جمعہ میں شرط ظہر میں یکا اداں جمعہ میں ۲ ظہر گھر میں بھی جائز مگر جمعہ کے بیٹے اداں عامل کی جگہ ہونا ضروری ظہر سارے مسلمانوں پر فرض مگر جمعہ عورت و مسافر پر فرض نہیں، جب جمعہ اور ظہر میں اتنے فرق موجود ہیں تو اگر یہ فرق بھی ہو جائے کہ جمعہ کے لیے شہر شرط ہو تو کیا مضائقہ ہے تحقیق یہ ہے کہ جمعہ ہجرت سے پہلے ہی فرض ہوا تھا مگر نبی ﷺ نے نہ تو ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں جمعہ پڑھا اور نہ ہجرت کے بعد قبا کے قیام کے دوران میں کیونکہ اس وقت مکہ معظمہ و الاسلام نہ تھا اور قبا شریف شہر نہ تھا، جمعہ کے بیٹے دونوں چیزیں شرط ہیں۔

اعتراض نمبر ۷ حنفی کہتے ہیں کہ موسم حج میں منی میں جمعہ پڑھا جائے، منی تو گاؤں بھی نہیں محض جنگل ہے مگر جمعہ کے لیے شہر شرط تھا تو منی میں جمعہ جائز کیوں ہو گیا۔

جواب حج کے زمانہ میں منی شہر بن جاتا ہے کیونکہ وہاں ہر قسم کی رہائش لگی ہوئی ہے بازار تو پیسے ہی بٹے ہوئے ہیں، حج کے موسم میں دو سب تہاد ہو جاتے ہیں در وہاں حاکم بھی موجود ہوتا ہے، اس لیے وہاں جمعہ جائز ہے۔ اس زمانہ میں دہلی دکانپور کے مقابلہ کا شہر بن جاتا ہے عرفات محض میدان ہے چاہے تو تھا کہ وہاں نماز عید بھی پڑھی جاتی مگر چونکہ اس دن حج کے مشاغل بہت زیادہ ہیں اس لیے حجاج پر عید معاف ہے۔ دینی تقریبات، تقاضات، طوائف زیارت یہ سب دسویں تاریخ کو کئے جاتے ہیں اس کی اد میں شام ہو جاتی ہے خیال رہے کہ مسافر پر نہ جمعہ فرض ہے نہ عید واجب اور اکثر حجاج مسافر ہی ہوتے ہیں۔

نوٹ ضروری جہاں مسلمانوں کاؤں میں جمعہ پڑھا جیتے ہوں، وہاں کو ظہر احتیاطی پڑھنے کا تاکید حکم دیا جائے ورنہ اس کا فرض ادا نہ ہوگا اور ظہر پڑھا جائے گی۔

پچیسواں باب

نماز جنازہ میں الحمد شریف کی تلاوت نہ کرو

احناف کے نزدیک نماز جنازہ میں تلاوت قرآن مطلقاً خلاف سنت ہے اس میں نہ تو سورۃ فاتحہ پڑھی جاوے نہ کوئی اور سورت کہ اگر اس نماز میں صرف حمد الہی اور دو شریف اور دعا پڑھی جاوے ہاں اگر الحمد شریف یا کوئی دوسری سورت ثناء لٹی یا دعا کی نیت سے پڑھے تو جائز ہے تلاوت کی نیت سے جائز نہیں، تلاوت اور دعا کی نیتوں کے احکام مختلف ہیں دیکھو، پاکی (جنابت) کی حالت میں آیۃ قرآنی تلاوت کی نیت سے پڑھنا حرام ہے، دعا کی نیت سے پڑھنا درست کسی بے چارے، آپ کا حرج کیا ہے، ہم نے کہا **لنہد رب العاصمیں** اگر ہم ناپاکی کی حالت میں ہوں تب بھی یہ کہہ دینا جائز ہے لیکن، اگر تلاوت قرآن کی نیت سے یا آیۃ پڑھی تو سخت جرم ہے، مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ نماز جنازہ میں تلاوت قرآن کی نیت سے سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے اس لیے ہم اس باب کی بھی دو تفصیلات کرتے ہیں پہلی فصل میں بچے و راکل، دوسری فصل میں اسی پر سوال و جواب۔

پہلی فصل

اس مسئلہ پر دلائل

نمبر ۱ قرآن کریم فرماتا ہے۔

ولا تُضِلُّ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ فَاَت "مافقیں میں سے کوئی مر جائے تو آپ اُکی پر جنا دے پڑھیں۔"

آیت کریمہ میں نماز چارہ کو مصلوۃ فرمایا مگر ساتھ میں **علی** ارشاد فرمایا جس سے معلوم ہو کہ یہ نماز حقیقت دعا ہے۔ عرفی نماز نہیں جیسے رب فرماتا ہے۔

صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا "اے مسلمانو! تم نئی پروردگار اسلام پر رحم کرو۔"

یہاں صلواتیہ میں نمازِ حرا نہیں بلکہ درودِ حرا ہے تاکہ اس کے بعد **علی** رشا ہے جب صلوات کے بعد **علی** ہو تو وہ بمعنی دعا و رحمت ہوتی ہے نہ کہ عرفی نماز اور ظاہر ہے کہ سورۃ فاتحہ و صلوات قرآنی عرفی نماز کا رکن ہے نہ کہ دعا کا۔ دعا کے لیے حمد لینی درود شریف چاہیے چونکہ جنازہ و حقیقت دعا ہے نہ کہ عرفی نماز لہذا اس میں تلاوت قرآن کیسی ہی لیے اس میں رکوع سجدہ نہیں اور اس میں میت کو گے رکھا جاتا ہے۔

حدیث نمبر ۱ موطا امام مالک میں بروایت نافع عن ابن عمر ہے۔

اَنْ اَبْنِ عُمَرَ كَا لَا يَفْقَهُ اَفِي الصُّمُوۡةِ عَلٰى الْحِمَارَةِ "سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے جنازہ میں تلاوت قرآن نہ کرتے تھے۔"

حدیث نمبر ۲ اسی سوط نام ننگ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَمَّنْ سَنَلْ بِأَهْرِيرَةِ كَيْفَ يَصْنِي عَلَى الْحِمَارَةِ لَقَدْ بُؤْهِرِيرَةُ بِالْعَمْرَكِ أَحْبَرَكَ أَتْبَعَهَا مِنْ
يَعْنِدُ أَهْلِهَا هَدَدٌ وَصَحْبٌ كَثُرَتْ وَحَمْدُ اللَّهِ وَصَلَّى عَلَى نَبِيِّهِ ثُمَّ أَقُولُ اللَّهُمَّ عِنْدَكَ وَإِنْ
غَبَدَكَ وَإِنْ أَمْتَكَ كَانَ يَشْهَدُ بِكَ صَاحِبُ

”روایت ہے اس سے جس نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ وہ نماز جنازہ کیسے پڑھتے ہیں، تو آپ نے فرمایا تمہاری عمر کی قسم میں بتاتا ہوں میں میت کے گھر سے اس کے ساتھ جاتا ہوں جب میت رکھی جاتی ہے تو تکبیر کہتا ہوں اور اللہ کی حمد اس کے نبی ﷺ پر درود عرض کرتا ہوں پھر یہ دعا پڑھتا ہوں اَللّٰہُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ بِہِمْ بِنْدَہِمْ اَنْ تَجْعَلَ لَہُمْ دَفْنَہُمْ یَوْمَئِذٍ وَ تَجْعَلَ لَہُمْ رِجَافًا“

غور کرو، کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیٹائی ہوئی نماز چارہ میں حمد و سورہ و دعا کا ذکر تو ہے مگر تلاوت قرآن کا بالکل ذکر نہیں، معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام چارہ میں تلاوت قرآن نہ کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۴ ابوزادہ انصاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَبَّحْتُمْ عَلَى لُحْمٍ فَاحْضَرُوا لَهُ الدُّعَاءَ

”فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب تم میت پر ملو جہاں پر مہتو اس کے لیے خاص دعا کرو۔“

ہم لوگ اس حدیث کے معنی کرتے ہیں کہ جب تم میت پر نماز پڑھو تو خلوص دل سے اس کے لئے دعا مانگو اس سے دعا بعد نماز جنازہ کا ثبوت ہے مگر حضرت وہابی اس کے معنی یہ کرتے ہیں کہ جب تم میت پر نماز پڑھو تو نماز میں خالص دعا کرو۔

ان کے اس معنی سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہیں صرف دعا ہے کہ خالص اس کو کہا جاتا ہے کہ جس میں درجہ کی تلاوت نہ ہو تو ان کے ہاں مطلب یہ ہے کہ جیسے نمازوں میں تلاوت، رکوع، الحمد، استغیث و دعا وغیرہ سب کچھ ہوتی ہے اس جنازہ کی نماز میں جو دعا کے کچھ نہ ہو رہی، حمد و درود یہ دعا کے تعلق سے ہے کہ دعا کے ادب میں سے ہے، ہر حال یہ حدیث ان کے معنی سے ہی ٹکی کے خلاف ہے، درحقیقت کی تائید کرتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۶۷۱ یعنی شرح بخاری جلد دوم ص ۵۴ باب قرأت القدر علی الجنازہ میں حسب دلیل احادیث ہیں۔

وَمِمَّنْ كَانَ لَا يَقْرَأُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْحَمَارَةِ وَيَكْرَهُ غَمَزُ ابْنِ الْحَطَّابِ وَعَلِيُّ ابْنِ ابْنِ حَالِبٍ وَابْنُ غَمَرٍ وَابْنُ هُرَيْرَةَ وَمِنْ التَّبَعِينَ عَطَاءٌ وَطَاوُسٌ وَسَعِيدٌ وَابْنُ الْمُبَارِكِ وَسَعِيدُ ابْنِ حَبِشٍ وَابْنُ لُحَيْشٍ وَابْنُ الْحَكَمِ قَالَ ابْنُ الْمُدَرِّجِ قَدْ مَجَّهَدَ وَحَمَّادٌ وَالثَّوْرِيُّ وَقَالَ مَالِكٌ "قِرَاءَةُ الْقَائِلَةِ لَيْسَتْ مَغْمُولًا لَهَا فِي بَدَنِ فِي صَلَاةِ الْحَمَارَةِ"

"اور جو حضرات نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہ کرتے تھے اور اس کا نکار کرتے تھے، ان میں حضرت عمر، ابن خطاب، علی ابن ابی طالب، ابن عمر اور ابو ہریرہ ہیں اور تابعین میں سے حضرت عطاء و طائوس۔ سعید بن مسیب، محمد ابن میرین، سعید بن جبیر، امام شعبی، درحکم ہیں، ابن منذر کہتے ہیں کہ یہ ای قریب تھا کہ اور حدیثوں کی کا ہے، امام مالک فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ (حدیث سورہ) میں نماز جنازہ کے اندر سورہ فاتحہ پڑھنے کا رواج نہیں۔"

عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہ ہو کیونکہ عام نمازوں میں جیسے تلاوت قرآن رک رک ہے ویسے ہی انہیں رکوع، الحمد و التہیات میں بیٹھنا بھی رک رک ہے، اور ان نمازوں میں قریباً میت یا کسی زندہ آدمی کا مصافحہ سنا سنے ہونا حرام ہے نماز جنازہ میں نہ تو رکوع، الحمد و التہیات ہے اور یہ نماز میت کو آگے رکھ کر رکھی جاتی ہے، تو معلوم ہو کہ یہ نماز درحقیقت دعا ہے اور دعا میں حمد و درود تو ہے مگر تلاوت قرآن نہیں لہذا جنازہ میں تلاوت بھی نہیں اور ابی حضرت کو چاہیے کہ جب نماز جنازہ میں تلاوت کرتے ہیں تو رکوع الحمد بھی کیا کریں ہمارے ہاں پنجاب میں نماز جنازہ شروع ہونے وقت پکار کر ایک آدنی نیت کی پوچھتے ہیں۔

نماز جنازہ فرض کفایہ ثناء واسطے اللہ تعالیٰ کے درود واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دعا واسطے حاضر میت کے منہ طرف کعبہ شریف کے پیچھے اس امام کے اس سے معلوم ہوا کہ عام مسلمان نماز جنازہ کو حمد و درود دعا کا مجموعہ ہی سمجھتے ہیں اسے عربیہ پنجگانہ نماز نہیں سمجھتے۔ ہر حال نماز جنازہ میں تلاوت قرآن ممنوع ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک ہم کو جس قدر اعتراضات مل سکے ہیں، ان کے جوابات عرض کرتے ہیں مگر بعد میں کوئی نیا اعتراض ملا تو اس شاء اللہ اگلے پڑیش میں اس کا جواب بھی دے دی جائے گا۔

اعتراض نمبر ۱ مشکوٰۃ شریف باب نماز جنازہ میں بحوالہ بخاری شریف ہے۔

عَنْ طَنْحَةَ ابْنِ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عَوْفٍ عَنْ حَنْفِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلَى حَمَارَةٍ قَهْرَاءَ بِفَانَحَةِ الْكِتَابِ وَقَالَ لَتَعْلَمُوا أَنَّهَا مُتَّةٌ

"روایت ہے طلحہ بن عبد اللہ ابن عوف سے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس کے پیچھے یک نماز پڑھی تو آپ نے سورہ فاتحہ پڑھی اور فرمایا میں نے اس سے پڑھی کہ تم جان لو کہ یہ مت ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا سنت رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کا عمل ہے۔

جواب اس حدیث سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے چند وجہ سے، ایک یہ کہ اس روایت میں یہ نہیں آیا کہ جناب ابن عباس نے نماز جنازہ کے اندر سورہ فاتحہ پڑھی بلکہ ظاہر یہ ہے کہ نماز کے بعد میت کو یمال ثواب کے لیے پڑھی ہو جیسا کہ فقہاء کی ف سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ تعقیب کی ہے، دوسرے یہ کہ اگر ماں یا باپ کے نماز کے اندر ہی پڑھی تو یہ پتہ نہیں لگتا کہ عیت حمد و ثناء پڑھی یا عیت

ظہروت، غیبت و دعا و تلاوت پڑھنا ہم بھی جائز کہتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ آپ کے سورہ فاتحہ پڑھنے پر سارے حاضرین صحابہ و تابعین کو سخت تعجب ہوا۔ تب ہی تو آپ نے معذرت کے طور پر کہا کہ میں نے یہ عمل اس لیے کیا تاکہ تم جان لو یہ سنت ہے پتہ چلا کہ صحابہ کرام نہ تو پڑھتے تھے اور نہ سے سنت جاتے تھے اسی لیے آپ کو یہ معذرت کرنا پڑی۔ پانچویں یہ کہ آپ نے یوں نہ فرمایا کہ یہ سنت رسول اللہ ہے بلکہ لغوی معنی میں سنت فرمایا یعنی یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ بجائے دوسری شام اور دعا کے سورہ فاتحہ پڑھو جائے ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ چھٹے یہ کہ نبی ﷺ سے کہیں ثابت نہیں ہو کہ آپ نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھی ہو۔ ساتویں یہ کہ بجز سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے کسی صحابی سے جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں ہے بلکہ نہ پڑھنا ثابت ہے جیسا کہ ہم فصل اور میں عرض کر چکے ہیں چنانچہ تقدیر میں ہے۔

وَلَمْ تَكُنِ الْقِرَاءَةُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "نبی ﷺ سے جہاد میں قرأت ثابت نہیں۔"

بہر حال اس حدیث سے جتنا دلیل قاطعہ چاہنا ہو کر ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ بالکل محمل ہے۔ جس میں بہت سے احتمالات ہیں۔

اختصاصی ممبر؟

اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ عَنِ اَنْحَارِهِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ "کہ نبی ﷺ نے جہازہ پر سورہ فاتحہ پڑھی۔"
معلوم ہوا کہ نہ ر جہازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اسی کی سند میں ابراہیم بن حشام واسطی ہے جو محدثین کے نزدیک منکر لکھ رہا ہے، چنانچہ ترمذی شریف میں اسی حدیث کے تحت ہے۔

”بڑی فرماتے ہیں کہ عہد القہر بن عباس کی یہ حدیث اسناد اسی میں، امیر المؤمنین علی بن ابی طالب سے منقول ہے۔“

دوسرے یہ کہ: بخود دوزخ نے یہ حدیث نقل نہیں کی بلکہ، یہوں نے عبداللہ بن عباس کی حدیث موقوف نقل فرمائی ہے صاحب مشکوٰۃ فیسی سے ابوداؤد کا نام ملے گا (مرقاۃ)۔ تیسرے یہ کہ: اگر حدیث صحیح بھی مان موقوف بھی اس سے غلط جہادہ کے اندر سورۃ فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں ہوتا ہو سکتا ہے کہ نبی ﷺ نے نماز سے آگے یا پیچھے میت کے ایصال ثواب کے لیے سورۃ فاتحہ پڑھی ہو، یہاں اس کا بیان ہے چنانچہ اس حدیث کی شرح میں اشعۃ اللمعات میں ہے۔

و احتمال دارد که هر چنانچه بعد از زمان پیش از این بقصد تبرک خوانند باشد چنانکه آلاء معاف است

"یعنی تھکاس یہ بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر جنازہ سے پہلے یا بعد جنازہ پر برکت کیلئے پڑھی ہو جیسا کہ اب بھی رواج ہے۔"

بہر حال اس حدیث سے جنازہ میں تلاوت فاتحہ کا ثبوت ہرگز نہیں ہوتا تعجب ہے کہ حضرات اہل حدیث ہم لوگوں سے جو دنیا یا انتخاب ثابت کرنے کے لیے ہریت کھڑی صحیح نکتوں حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں اور خود وجوب ثابت کرنے کے لیے ایسی جھٹل اور منکر و ضعیف حدیثیں پیش کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ انصاف کی توفیق دے۔

اعتراض نمبر ۳ جب تم نمبر چار کو نمبر کہتے ہو تو اس میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب مانو۔

حدیث شریف میں ہے۔ **لا صلوة الا بعامة لکاب** (بغیر سورہ فاتحہ کوئی نماز نہیں ہوتی) نماز چاروں کی نماز ہے یہ بھی بغیر سورہ فاتحہ نہ ہوتی چاہیے۔

جواب اس کے دو جواب ہیں ایک الزمی دوسرا تحقیق۔ الزامی تو یہ ہے کہ پھر آپ نماز جنازہ میں رکوع سجدہ بھی کیا کریں، کیونکہ نمازوں میں یہ بھی فرض ہے، تحقیق جواب یہ ہے کہ نماز جنازہ نہیں بلکہ دعا ہے اسے نماز کہا صرف اس لیے ہے کہ اس میں ماز کی بعض شرطیں ملحوظ ہیں، جیسے وضو قبلہ کو رخ، اگر یہ نماز ہوتی تو اس میں میت کو کبھی آگے نہ رکھا جاتا۔

خاتمہ

”خز کتاب میں ہم چند اہم مسائل عرض کرتے ہیں، جن سے اہلسنت احناف کے دل ہار ہار ہو جائیں، گلش تھید کے یسے پھوس سگھاتے ہیں، جن سے ان کے دماغ ایسا جبک جاویں، کیونکہ وہابی غیر مقلدین کی خشک گفتگو سننے سننے دل ٹھہر گیا۔“

پہلا مسئلہ

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب

غیر مقلد وہابی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے تحت دشمن ہیں ان کے مسائل پر بہتیاں کستے در مذاق ڈالتے ہیں ان میں سے بعض نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی تاریخ و مدت سب اور تاریخ وفات کو تم جہاں پاک، انکی ہے۔ نعوذ باللہ اسی کے جوہ میں ہمیں احناف نے کہا، وگد کے عہد ایک ہی ہیں یعنی ۲۳ گد بھی مرد و زور ہے اور یہ لوگ بھی گمراہ ہوئے ہر گوں کے تہائی و نصبت کو قرآن کریم نے مرے بھائی کا گوشت کھانا قرا دیا ہے۔
خیاں رہے کہ وہابی کے عہد چھ ہیں، چہ کے عہد چھ ہیں، وہابی چہ کی طرف دین کھتے ہیں، گد کی طرف نصبت کر کے مردار کھاتے ہیں۔ مجھے اس سے صدمہ ہوا، دل سے چاہا کہ اس عادی جناب کے کچھ عادت اور مناقب مسلمانوں کو سناؤں اور بتاؤں کہ حضرت امام کا اسلام میں کیا وجہ و منزلت ہے، شانہ رب تعالیٰ ان ہر گوں کی مدح خوبی کو میرے لیے کفارہ نیات بنا دے اور مجھے ان ہر گوں کے عدا میں حشر نصیب فرما دے مسلمان اپنے امام کے مناقب میں اور ایمان تازہ کریں۔

امام اعظم کا نام و نسب حضرت امام ابو حنیفہ کا نام شریف نعمان ابن ثابت ابن رطلی ہے۔ حضرت رطلی یعنی امام کے دادا فارسی نسل ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عاشق و راوی آپ کے خاص مقرر میں ہار گامیں سے تھے آپ ہی کی محبت سے کوفہ میں قیام اختیار کیا، جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس کا دار الخلافہ تھا، حضرت زوطی اپنے مرید حضرت ثابت کو جو چہ ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس دعا کیسے لے گئے، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ثابت کے بیٹے دعا فرمائی، و بہت بکرت کی بشارت دی، حضرت امام حضور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی کرامت و بشارت ہیں۔
حضرت امام ابو حنیفہ ۷۷ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۵۰ھ ہجری میں بغداد میں وفات پائی، خیراں قبرستان میں دفن ہوئے، آپ کی قبر زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ ستر سال عمر شریف ہوئی۔

حضرت امام سے بہت صحابہ کا زمانہ پایا، جن میں سے چار صحابہ سے ملاقات کی، اس میں مالک جو اہل کوفہ میں تھے، عبد اللہ ابن ابی اونی جو کوفہ میں تھے، سبیل ابن سعد سہدی جو مدینہ منورہ میں تھے۔ یوٹھیں عام میں ماحصل جو مکہ معظمہ میں تھے اس کے متعلق اور بھی روایات ہیں، مگر یہ توں راجح ہے۔ امام اعظم حضرت حماد کے شاگرد رشید اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے کفیلہ خاص و مخصوص صحبت یافتہ ہیں۔ دو سال تک امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی معیت نصیب ہوئی، حضرت امام کو منصور ہارشاہ کوفہ سے بندہ دلایا، پھر آپ سے قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول کر نیکی درخواست کی آپ نے ٹکار کیا اس پر آپ کو قید کر دیا اور قید میں ہی یہ آفتاب و قلوب ہو گیا۔ رضی اللہ عنہ۔

امام اعظم کے مناقب حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام اعظم کے فضائل و مناقب ہماری حد و حد سے باہر ہیں۔ حضرت امام حضور ﷺ کا رندہ جاوید مجزہ اور حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی نہ منبے وادی کرامت ہیں، امت مصطفویہ کے چرخ و دلی مشکلات کو حل فرما دے واسے ہیں۔ الحمد للہ اہل سنت احناف بڑے خوش نصیب ہیں ہمارا رسول اعظم ﷺ ہمارا پیغمبر و مبعوث اعظم رضی اللہ عنہ ہمارا امام اعظم عظمت و عزت ہمارے ہی نصیب میں ہے۔ بھعدہ تعالیٰ و کرمہ ہم تمہک کے لیے چند مناقب عرض کرتے ہیں جنکی میں اور ہار ہار ہوں۔
حضور سید عالم ﷺ نے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی جھنگوئی اور فضیلت نہایت ہتمام سے بیان فرمائی چنانچہ مسلم و بخاری نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یوسف، شیرازی، طبرانی نے قیس، ابن ثابت ابن مہادہ سے روایت کی۔

لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَسَاوَلَهُ رَحْلًا ۖ مِنْ أَسَاءِ فَارِسٍ وَفِي رَوَايَةِ الْبُخَارِيِّ وَالْمُسْنَمِ وَالْدَيْ
نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ كَانَ الذُّبُّ مُعْتَقًا بِالثُّرَيَّا لَسَاوَلَهُ رَحْلًا ۖ مِنْ أَسَاءِ

”اگر ایمان ثریا تارے کے پاس ہوتا تو فارسی اور دھن سے بعض لوگ وہاں سے لے آتے مسلم بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ قسم انکی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر وہیں ثریا تارے میں لٹکا ہوتا تو فارسی کا ایک آدمی اسے حاصل کر لیتا۔“

بتاؤ فارسی نسل میں اس شان کا امام اعظم ابو حنیفہ نعمان ابن ثابت رضی اللہ عنہ کے سوا کون ہوا؟

۲۔ علامہ بر جگر کی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام اعظم کے قصا کل میں ایک مستقل کتاب لکھی جس کا نام ہے، خیرات الاحسان فی ترجمہ اپنی حدیثہ الاحسان اس میں ایک حدیث نقل فرمائی کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔

تَرْفَعُ رِیْثُ الدُّنْیَا سَۃَ حَمِیْمٍ وَمَا نَہُ "سزا بخور میں دنیا کی زینت اٹھائی جاوے گی۔"

سنہ ۶۱۰ھ میں حضرت امام اعظم کی وفات شریف ہے مظلوم ہوا کہ امام اعظم دینائے شریعت کی تربیت و شریعت کی رونق علم و عمل کی زیاباش تھے، امام کروڑی نے فرمایا کہ اس حدیث سے حضرت امام ابوحنیفہ کی طرف ہی اشارہ ہے۔

حضرت امام اعظم، نیا نے اسلام میں پہلے دوا لمودین ہیں جسوں نے فقہ اور اجتہاد کی بنیاد رکھ کر ساری سنت رسول ﷺ پر حساب عظیم فرمایا باقی تمام ائمہ جیسے امام شافعی، امام مالک، امام احمد ابن حنبل وغیرہم رضی اللہ عنہم نے اسی بنیاد پر عمارت قائم کی، حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اسلام میں جو اچھا و نیک طریقہ بعد ازکے سے اپنا بھی ٹوا بٹے گا ورنہ مٹل کرنے والوں کا بھی۔

حضرت امام اعظم تمام فقہاء، تمام محدثین کے بڑے واسطے کے بڑے واسطے یا بالواسطہ استاد ہیں، یہ تمام حضرات امام اعظم کے شاگرد چنانچہ امام شافعی حضرت امام محمد کے سوتیلے بیٹے اور شاگرد ہیں، ایسے ہی امام مالک نے حضرت امام کی تصدیقات سے فیض حاصل کیا، نیز امام بخاری محدثین کے استاد ہیں اور امام بخاری کے بہت استاد و شیخ متوفی ہیں۔ مگر یہ آسان علم کے سورت امام اعظم ہیں باقی علماء تارے۔

۵۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے جد و جدہ شام، یک لاکھ سے زیادہ ہیں، جن میں سے کثر مجتہد ہیں، جیسے، امام ابو یوسف، امام رفیع، امام ابن مبارک جو دنیا کے علم کے چمکتے ہوئے ستارے ہیں حضرت امام محمد صاحب نے لاکھوں سے دینی شائے رکتابیں تصنیف فرمائیں جن میں سے چھ کتابیں بڑے پائے کی ہیں، جنہیں کتب طار الویۃ کہا جاتا ہے اور یہ تمام کتب فقہ کی اصل مانی جاتی ہیں۔

۱۰۔ تمام بیویں کے سردار نبی ہیں آسمانی صحیفوں کی سردار چار کتب، فرشتوں کے سردار چار فرشتے، مہی بہ میں افضل، اعلیٰ چار یار، علما کے مجتہدین میں افضل چار امام پھر ان چار سیویں میں حضور افضل، چار کتابوں میں قرآن افضل، چار فرشتوں میں حضرت جبریل افضل، چار یدار میں، ابو بکر صدیق، افضل چار اماموں میں، امام عظیم افضل، اسی لیے امام شافعی نے فرمایا کہ فقہاء ابو حنیفہ کی اور اویں سے وہ ان سے کے والد۔

یہ امام اعظم جیسے آسمانِ علم کے سورج ہیں ویسے ہی میدانِ عمل کے شہسور چنانچہ آپ نے چالیس سال مشاء کے دھنوسے فجر کی نماز پڑھی۔ چالیس سال ایسے روزے رکھے کہ کسی کو جرہ ہوئی، گھر سے کھانا لائے، دہر طلبہ کو کھل دیا، گھر وے سمجھے کہ دہر چاکر کھایا، دہر والے سمجھے کہ گھر میں کھا کر تشریف لائے۔ ہمیشہ دہر رمضان میں انکسٹھ قرص کریم ختم کرتے تھے، ایک قرآن دن میں، ایک رات میں یک سارے مہینے میں تراویح میں معتدل ہوں کیساتھ، بچپن میں ہی کیے۔

۵ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا حرار پر انوار قبول دعا کے لیے اکسیر اعظم ہے، چنانچہ حضرت امام شافعی قدس سرہ فرماتے ہیں، کہ جب مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے، تو میں بلند و شریف امام اعظم کے حرار شریف پر حاضر ہوتا ہوں، دو رکعت نفل پڑھ کر امام اعظم کی قبر شریف کی برکت سے دعا کرتا ہوں، بہت ہی جلد حاجت پوری ہوتی ہے، امام شافعی جب امام اعظم قدس سرہ کی قبر انور پر حاضر ہوتے تو خفیہ لفظ پڑھتے تھے، کہ قوت مار رہے پڑھتے تھے کسی نے پوچھا اس کی وجہ کیا ہے فرمایا کہ اس قبر والے کا احرام و ادب کرتا ہوں۔ شامی۔

حالات کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ امام شافعی بعد از شریف میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے حرر کے ادب میں سنت ترک فرما دیتے تھے۔ مطلب یہ کہ کوئی امام یا مقلد یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ میں برحق ہوں، دوسرے آئمہ عظمیٰ پر ہلکا سا حق ہوئے کا ظن غالب کرتا ہے یہ بھی کہتا ہے کہ شاید دوسرے امام کا قول حق ہو، عقائد میں یقین ہے اور آئمہ کے اختلافی مسائل میں ہر ایک کو ظن غالب ہے تو گویا حضرت امام شافعی نے یہاں حاضر ہو کر اس پر عمل کیا جسے امام اعظم سنت سمجھتے ہیں اس میں ایک سنت کا ترک دوسری سنت پر عمل سے لہذا اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

۹۔ ماسما عظیم: خدا میرے سوا اور رب تعالیٰ کا خوب میں دیکھا، آخری بار جو خدا رب سے پوچھی اور رب نے جو جواب دیا وہ دلائل میں تفصیل و درج ہے۔

۱۰۔ نسبت محمدیہ کے بڑے بڑے اولیاء اللہ، غوث و قطب و ابدال، اوتاد و حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے دامن سے وابستہ ہیں اور آپ کے مقلد ہیں، جس قدر اولیاء مذہب حنفی میں ہیں دوسرے مذہب میں نہیں، چنانچہ حضرت ابراہیم بن ادھم، قطعی ثقی، معروف کرخی، حضرت بابرید، سلمیٰ فضیل ابن عیاض خراسانی، واذا بن نصر، ابن نصیر ابن سلیمان طائی، ابو یوسف و حنفی، ابو یوسف خازن، ابو یوسف، عبد اللہ بن مبارک دی، فقیہ، محدث، و کاتب بن جراح، شیخ الاسلام ابو بکر بن وراق ترمذی جیسے سردار اب اولیاء حنفی ہی ہیں، اور حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے دامن سے وابستہ ہیں، فرضیکہ مذہب حنفی مذہب اولیاء ہے، آج بھی تقریباً سارے اولیاء حنفی ہی ہیں، فخر پاک و ہند حضرت داتا گنج بخش جومیری رحمۃ اللہ علیہ جن کا ستانہ مرجع خلائق ہے، حنفی تھے آپ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں حضرت امام اعظم کے بڑے فضائل کشف سے بیان فرمائے اسی طرح تمام چشتی، قادری، نقشبندی، سہروردی مشائخ سب حنفی ہیں۔

۱۔ حضرت امام عظیم کاندھب حنفی عام میں اتنا شائع ہوا، اتنا پھیلا کہ جہاں اسلام ہے، وہاں مذہب حنفی ہے، اکثر مسلمان حنفی ہیں، حرمین مکین میں کٹر حنفی بلکہ دنیا کے اسلام کے بھٹے اسیے بھی ہیں جہاں صرف حنفی مذہب ہی ہیں، دوسرے مذہب کو عوام جانتے بھی نہیں، جیسے ملج بخارا، کابل، قندھار اور تقریباً سارے ہندوستان اور پاکستان کی یہاں شافعی، حنبلی، وکی دیکھے میں نہیں آئے کچھ غیر مقدمہ دہانی جو کہیں کے نہیں وہ دیکھے جاتے ہیں مگر یہ مٹھی بھر جماعت اسی گم ہے کہ اس کا ہونا نہ ہوے کی طرف ہے اس مقبوت عامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام عظیم مقبول بارگاہ الہی ہیں اور مذہب حنفی خدا کا محبوب ہے۔

۲۔ امام عظیم کے مخالفین نے بھی امام عظیم کے مسائل و مناقب میں بہت عظیم الشان کتابیں لکھیں چنانچہ علامہ بن حطری نے خیرات الحسائی فی ترجمۃ ابی حنیفۃ اصحاب لکھی اور سبط ابن جوزی نے کتاب الاحقار امام احمد المصنف و مجددوں میں لکھی، امام جلال الدین سیوطی شافعی نے تمہیل الصوفیہ فی مناقب ابی حنیفہ لکھی، علامہ یوسف بن عبداللہ ابی حنبلی نے تنویر المصطفیٰ فی ترجمۃ ابی حنیفہ تحریر فرمائی، جس میں بن عبداللہ کا قول نقل فرمایا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ جیسا عالم، عظیم متقی بہترین نہ دیکھا۔

غرض کہ لغت مرحومہ حضرت امام ابو حنیفہ قدس سرہ کے فضل و کمال کے گواہ ہیں، اگر حنفی بھر وہابی اس کی شان میں بکواس کریں، تو کیا اہتمام، اگر چکاؤ سورج کو زلزلہ کہتے تو سورج سیا نہیں ہوا جاتا، جیسے آج درافض حضرت مسیح پر طعن و تشنیع کرتے ہیں ایسے ہی وہابی میر مقدمہ حضرت امام پر۔ رضی اللہ عنہ۔

۳۔ تمام آئمہ مجتہدین میں حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا درجہ حضور ﷺ سے نہایت قریب ہے کہ آپ کی ولادت پاک سنہ ۸۰ ہجری میں ہے آپ تابعی ہیں آپ کے چار صحابہ سے ملاقات روایت کی۔ جنہوں نے آپ تابعیت کا انکار کیا محض تعصب سے کیا، یہ کیسے ہو سکتا ہے، کہ سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی جیسے صحابی امام عظیم کے زمانہ میں کوفہ میں ہوں اور حضرت امام ان سے نہ بیس آٹ پر رگوں سے ملنے دیا کبھی آتی ہے، ہسی چکی شان کا کیا ہا پھنا، بہر حال آپ تابعی ہیں اور آپ کو کچھ حدیثیں حضور سے ہیں، خیر القرآن میں ہوئے۔

حال ابھی کہ امام عظیم رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سنہ ۸۰ ہجری میں وفات سنہ ۱۵۰ھ میں عرش شریف ۸۹ سال، عرش شریف بغداد دہلیہ منورہ میں امام شافعی کی ولادت شریف سنہ ۵۰ھ میں وفات سنہ ۲۰۴ھ عرش شریف ۳۵ سال، آپ امام عظیم کی وفات کے دس پیدا ہوئے، امام احمد بن حنبل کی ولادت شریف سنہ ۱۶۲ھ میں وفات سنہ ۲۴۱ھ میں عرش شریف ۷۹ سال۔

۴۔ حضرت امام عظیم رضی اللہ عنہ نے اہل بیت نبوت سے عام فحوض و برکات حاصل کئے جو دوسرے آئمہ کو حاصل نہ ہوئے، کیونکہ امام عظیم حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی مجلس پاک میں دو سال حاضر رہے خود فرماتے ہیں۔

لولا لئناں لہلک، نعمان "اگر وہ دوسرا نہ ملے تو نعمان یعنی میں ہلاک ہو جاتا۔"

۵۔ حضرت امام عظیم رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عظیم ائمہ ہیں، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے خلیفہ اول ہیں اور امام عظیم حضور ﷺ کی امت کے متحدہ اول صدیق کبریا جامع قرآن ہیں امام عظیم جامع مسائل فقہ اور قواعد دینیہ ہیں حضرت صدیق اکبر نے حضور ﷺ کے بعد پیسے عدل و انصاف کے قوانین خلافت کی بنیاد رکھی، امام عظیم نے اجتہاد اور فقہ کی بنیاد رکھی، ابو بکر صدیق نے امت مصطفویٰ کی بروقت مدد و اعانت کی کہ انہیں اختلاف سے بچایا، شیر راہ نکھرنے نہ دیا۔ امام عظیم کے مسلمانوں کی اتنی بڑی مدد کی کہ انہیں کفر و زندقہ کی گندھیلوں سے بچایا، آج ان کے اجتہاد علمی کی برکت سے امت کفار و مرتدین کے قتل سے محفوظ ہے۔

۶۔ جیسے حضور غوث اعظم رحمی اللہ عنہ تمام ادویہ اللہ کے سردار ہیں کہ سب کی گردن پر حضور غوث اعظم رحمی اللہ عنہ کا قدم ہے، آپ طریقت کے امام اول ہیں کسی نے کیا خوب کہا۔

غوث اعظم درمیان ولیا ہوں جناب مصطفیٰ درمیان

ایسے ہی امام عظیم تمام علماء کے سردار ہیں کہ تمام علماء شریف آپ کے زیر سایہ ہیں اسی طریقت کے امام اول لقب غوث اعظم ہو اور شریعت کے امام اول لقب امام عظیم بعد از شریف مجمع بحرین ہے کہ دونوں امام وہاں آرام فرما ہیں۔

دوسرا مسئلہ

تقلید کی اہمیت

ہم نے رب تعالیٰ کے فضل و کرم سے جہاں الحق حصہ اس میں مسئلہ تقلید تفصیل سے لکھ دیا ہے، جس کا جو اب آج تک وہابی غیر مقدس سے نہ بن سکا اگر شوق ہو تو وہاں مطالعہ فرماویں، اس جگہ کتاب کی تحمیل کے لیے کچھ بطور حقار تقلید کی ضرورت تقلید کے فوائد تقلید نہ کرنے کے نقصانات عرض کیے جاتے ہیں، رب تعالیٰ قبول فرماوے، آمین۔

ہمالا رہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ و اکمل النبیۃ میں بعض وہ خوش العیب لوگ ہیں، جنہیں حضور سید عالم ﷺ کی محبت میسر ہوئی، اور انہوں نے اپنی ہنگاموں سے دیدار یا رسد یا وہ حضرت آسمان بیوت کے تارے ساری امت کے ہادی و امام ہیں ان کے حق میں خود حضور الودیع ﷺ سے بشارت دی۔

اَصْحَابِنِیْ کَالْحِجُوْمِ بِرِیْہِمَا اَقْدَبِنِہُ اَقْدَبِنِہُ

"میرے صحابہ تاروں کی طرح ہیں تم ان میں سے جس کی جی وی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔"

بد تقلید کی لاش و اجور سے محفوظ رہا، خود و خود رشاد فرماتا ہے۔

و لَمْ یُہِمْ کَلِمَۃُ النِّفَیْ و کُنُوْا حَقِّیْ بِہَا و اٰہِبِہَا

"رب تعالیٰ سے نہ صحابہ پر پرہیزگاری کا کلمہ لازم فرمایا اور وہ اس کے مستحق ہیں۔"

دوسری جگہ صحابہ کرام کو مخاطب فرماتے ہوئے رشاد فرمایا ہے۔

و کُذِّہْ لِبَکُمْ، اِنْکُفِّرْ و اَلْیَسُوْفِ و اَلْعَصْبِیٰ

"اے صحابہ کرام رب نے کفر و فسق اور گناہوں سے تمہارے دلوں میں نفرت ڈال دی۔"

اور تمام صحابہ سے رب نے جنتی ہونے کا وعدہ فرمایا کہ رشاد فرمایا۔

و کُلُّوْا وَّعَدَ اللّٰہِ الْخَیْسِیْ "رب نے سارے صحابہ سے حسد کا وعدہ فرمایا۔"

بلکہ رب تعالیٰ نے جماعت صحابہ کو تمام جہاں کے ایمان کا معیار بتایا کہ جسکا ایمان ان کی طرح ہو وہ مؤمن ہے جس کا ایمان ان کے خلاف ہو وہ ہے دین ہے، کہ فرمایا۔

فَیْنَ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَا اٰمَنُوْا بِہُ فَہُ دِیْنُہُمْ "گر یہ لوگ تمہارے ایمان کی طرح ایمان لادیں تو ہدایت پر ہوں گے۔"

اگر صحابہ کرام کے فضائل و مرتبہ دیکھیں تو ہماری کتاب امیر معاویہ پر ایک نظر مطالعہ کرو۔ بہر حال حضور ﷺ کی محبت شریف کی ایک برکت سے صحابہ کے دل روشن سیسے نورانی تھے، وہ حضرت فرشتہ پر قدسی صفات کے حامل تھے، نہ اس میں دینی جھگڑے تھے۔ بہت سے فرقے نہ تھے، اختلاف نہ تھے، و لہذا اس خیر لقرون کو باقاعدہ تقلید کی ضرورت نہ تھی، و تمام جہاں کے امام تھے وہ کس کو تقلید کرتے۔

بعد میں مسلمانوں میں یہ سب کا اختلاف حیات و انتشار مساکین کی فراوانی و غلظت و منطق کا حلق پیدا ہوا، تب علماء ملت نے قرآن و حدیث سے مسائل مسئلہ طفرائے دیں محمدی ﷺ کے جزئیات کو تنبیہ کی طرح صاف فرمادیا امت نے محسوس کیا کہ سب تقلید ائمہ کے بغیر چارہ نہیں، غرضکہ بعد کے مسلمان تین قسم کے ہو گئے، عام علماء، مجتہدین، عام نے علماء کی جی وی اور علماء نے ائمہ مجتہدین کی تقلید کو لازمی ضروری سمجھا، یہ تقلید و اجتہاد ضروریات زمانہ کے لحاظ سے لازم ہوئی۔

اس کی مثال یوں سمجھو کہ اولاً جب تک ضرورت پیش نہ آئی صحابہ کرام نے قرآن کریم بھی کتابی شکل میں جمع نہ فرمایا، عہد عثمان میں جب ضرورت پڑی تو قرآن کتابی شکل میں جمع ہوا، پھر بہت عرصہ کے بعد قرآن میں ریزہ لگانے کا بہت عرصہ کے بعد اس میں رکوع پارے مرتب کئے گئے کسی صحابی نے جمع حدیث اور حدیث کے اقسام و احکام بنانے کی ضرورت محسوس نہ فرمائی، بخاری مسلم وغیرہ عہد صحابہ کے بہت بعد کی کتابیں ہیں، غرضکہ دینی ضرورتیں بڑھتی گئیں، یہ چیزیں جتنی گئیں، یہی حال ائمہ کی تقلید کا ہے، جیسے آج یہ نہیں کہا جاسکتا، کہ قرآن کا جمع، عراب پارے بنانا، علم حدیث اور کتب حدیث، بدعت ہیں، عہد نبوی یا عہد صحابہ میں نہ تھے، یہی بھی کہا جاسکتا ہے کہ تقلید ائمہ اور علم فقہ بدعت ہے عہد صحابہ میں اس کا رواج نہ تھا آج گرج جمع شدہ قرآن اور مسلم بخاری ضروری ہیں تو اماموں کی تقلید بھی لازم ہے ہم اس جگہ ہدایت اختیار سے تقلید کی ہیئت قرآن، حدیث عمل امت، عقلی دراکل سے ثابت کرتے ہیں، دینیے و راہبان تازہ کیجئے رب فرماتا ہے۔

۱۔ **وَسُئِلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ** ”پھر اگر تم نہ جانتے ہو تو علم والوں سے پوچھو۔“

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ دینی بات میں جی نکلے گا تو اوقف کو سروری ہے کہ اوقف سے پوچھے جا مل عام سے نہ پوچھے، غیر مجتہد عام مجتہد عام سے دریافت کریں، اس ہی کا نام تقلید ہے۔

۲۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا طِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ**

”اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی فرما، نبیہ دی کرو اور اپنے میں سے امر والے علماء کی۔“

قرآن کریم ہمیں کی اطاعت ہے حدیث شریف ہمیں حضور کی فرما، نبیہ دی اور فقہ پر عمل اولی المرئ حاجت ہے، یہ تینوں احادیث سروری ہیں، امام راری نے التفسیر کبیر میں فرمایا کہ یہاں اولوالامر سے مراد علماء دین ہیں۔ کہ سلاطین کیوں۔ یا دشاہوں پر علماء کی اطاعت ہم حال سروری ہے۔ مگر علماء پر بادشاہوں کی اطاعت ہر حال میں واجب نہیں، صرف ان کے احکام میں واجب ہے جو شریعت کے موافق ہوں، ایسے ہی حکام و سلاطین علماء سے احکام حاصل کریں گے۔

۳۔ **وَلَسَابِقُونَ الْأَزْوَاجَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ حَرِيمٌ وَأَلْفَاصُ وَ لَدِينِ اتَّبِعُواهُمْ مَا خَسَانِ وَصَى اللَّهُ عَنْهُمْ**

وَرِضْوَانُهُ ”اے بہت کرینا اے ہم جہین اور انصار اور دو جسموں سے ان کی اتباع کی اللہ ن سے راضی ہوا، یہ اللہ سے راضی۔“

اس سے پتہ لگا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی جس جماعتوں سے راضی ہے، ہم جہین، انصار اور تاقی مت ان کی اتباع و تقلید کرے، اے مسلمان میرے مقلد ان تینوں جماعتوں سے خارج کیونکہ نہ تو وہ ہم جہین ہیں نہ انصار دی، اور نہ ان کے مقلد ان کے نزدیک تقلید شرک ہے۔

۴۔ **وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ ابْنِ اسْمٰی** ”اس کی راہ چلو جو میری طرف رجوع پایا۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اللہ کے مقبول بندوں کا راستہ اختیار کرے چاروں امام خود بھی اللہ کے مقبول بند ہیں اور تمام اویسا علماء و صلحین مومنین ان کے مقلد، لہذا تقلید مقبولوں کا راستہ ہے غیر مقلدیت و ہدایت مردودوں کا راستہ ہے۔

۵۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ** ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔“

معلوم ہو کہ صرف اہل راتقوی و پرہیزگاری بخشش کے لیے کافی نہیں، پرہیزگاری کے ساتھ اچھوں کی شرکت بھی، لازم ہے ورنہ راستہ میں ڈکیتی کا اندیشہ ہے چاروں امام اچھے ہیں اور امت کے سارے اچھوں نے تقلید کی سارے اولیاء مجتہدین منسربین مقدمہ گزرے، غیر مقلدوں میں گر کوئی ولی گزرا ہو تو دکھا دو، جس شاخ میں پھل پھول پتے نہ تھیں وہ چوڑھے کے لائق ہوتی ہے کیونکہ اس کا تعلق جز سے نوٹ چکا ہے، ایسے ہی فرقہ میں اویسا اللہ نہ ہوں وہ دوزخ کے قابل ہے، کیونکہ اس کا تعلق حضور ﷺ سے نوٹ چکا ہے۔

۶۔ **أَهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ** ”ہم کو ہدایت دے سیدھے راستے کی کار راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ سیدھے راستے کی پہچان یہ ہے کہ اس پر اویسا، اللہ علماء صالحین ہوں دیکھو سارے اویسا و صلحین مقلد ہیں، حضور غوث پاک، خواجہ جیمیری خواجہ بہاؤ الدین نقشبند امام ترمذی و غیرہ جیسے پایہ کے برگ مقصدین گزرے لہذا تقلید سیدھا جنت کا راستہ ہے اور وہایت غیر مقلدیت نیز ہر راستہ جو دوزخ تک پہنچائے گا۔

۷۔ **وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمَوْعِظِينَ يُولِجْهُ جَهَنَّمَ**

”جو کوئی ہدایت ظاہر ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کے راہ کے علاوہ دوسرا راستہ اختیار کرے جدھر وہ پھرے گا ہم ادھر ہی پھر دیں گے اور اسے دوزخ میں پہنچا دیں گے۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو سزا حضور کی مخالفت کرنے والے کفار کی ہے وہی سزا اس نکر گوے دینوں کی بھی ہے جو مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر اپنی ذیادہ امت کی مسجد تک بتائیں، تقلید عام مسلمانوں کا راستہ ہے، غیر مقلدین سب سے علیحدہ وہ اپنا انجام سوچتے ہیں۔

۸۔ **وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ شَهِيدٍ عَلَى النَّاسِ وَبُكُورُ الرُّسُولِ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا**

”یہی طرح ہم نے تم کو ہر ایمانی امت بتایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور نبی تمہارے گواہ۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان رب تعالیٰ کے دیا و آخرت میں گواہ ہیں، جس آدمی یا جس راستے یا جس مسکن کو عام مسلمان اچھا کہیں واقعی چھا ہے اور جس کو برا کہیں وہ وہ قد میں نہ عام دیکھو۔ مسلمان تقلید کو اچھا کہتے ہیں اور مقلد ہیں اور غیر مقلدوں کو برا چانتے ہیں، لہذا تقلید ہی اچھا راستہ ہے اور مقلد ہی اچھی جماعت۔

احادیث شریفہ

اس پارے میں احادیث بہت ہیں کچھ بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱ ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ فَإِنَّهُ مِنْ شَدِّ شَدِّ فِي السَّارِ

"بڑے گروہ کی پیروی کرو کیونکہ جو مسلمان کی جماعت سے لگ رہا وہ دورِ رخ میں علیحدہ ہی جاویگا۔"

معلوم ہوا کہ مومن کو مسلمانوں کی بڑی جماعت کے ساتھ رہنا چاہئے، جماعت سے علیحدگی دورِ رخ میں جانے کا راستہ ہے، عام مسلمان مقلد ہیں، غیر مقلد اپنا انجام سوچتے ہیں۔

حدیث نمبر ۲ مسلم۔ ترمذی۔ احمد نے حضرت عازہ اشعری سے روایت کی۔

مَنْ حَرَّجَ مِنَ الْجَمَاعَةِ فَبَدَّ شَرًّا فَفُضِّ حُجُّهُ رَفَعَهُ الْإِسْلَامُ مِنْ غُفْهِ (مشکوٰۃ کتاب الامارۃ)

"جو شخص ہاشت بر پر جماعت سے نکل گیا، اس کے اسلام کا پتہ پٹی مردوں سے تارویا۔"

حدیث نمبر ۳ مسلم و بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَمُنُّ لِبَارِئِ الْمَدِينَةِ كَمَا تَارَزُ لُحْيَةُ إِلَى خُجْرِهِ (مشکوٰۃ باب الاعتصام)

"فرمایا نبی ﷺ نے کہ ایمان مدینہ منورہ کی طرف، ایسا صحت دے گا، جیسے سب سے سورت کی طرف۔"

معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ ہمیشہ سے سلام کا مرکز ہے اور رہیگا۔ وہاں ان شاء اللہ کبھی شرک نہ ہوگا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا سارے جہات کے معبود ہیں۔ سارے مسلمان مقلد تھے اور مقلد ہیں وہاں غیر مقلد ایک بھی نہیں۔ نذیر حسین دہلوی شریف حسین کے زمانہ میں حرمین شریفین گئے، غیر مقلدیت کی وجہ سے گرفتار کر لیے گئے وہاں لکچر کر کے مقلد بن کر جاں چھڑائی، پھر ہندوستان آکر غیر مقلد بن گئے، نذیر حسین غیر مقلدوں کے سرگروہ گزرے ہیں۔ اب اگرچہ وہاں مجددوں کی سلطنت ہے مگر نجدی بھی اپنے آپ کو غیر مقلد کہتے ہوئے دارتے ہیں، اپنے کو جعلی کہتے ہیں، مگر تقلید شرک ہوتی تو حرمین طہن اس سے پاک و صاف رہتے۔

حدیث نمبر ۴ امام احمد نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَنْبُ لِسَانٍ كَذَبَ اللَّهُ بِأُحْذِ الشَّدَّةِ وَالْقَاصِيَةِ وَالنَّاحِيَةِ أَبَاكُمْ وَالشَّعْبَ وَعَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَالْعَاقَةَ (مشکوٰۃ باب الاعتصام)

"فرمایا نبی ﷺ نے کہ شیطان انسان کا بھیڑیہ ہے، جیسے بھیڑیا ریوڑ سے علیحدہ رہنے والے و کنارہ والے یا چھڑ جانوالے کا شکار کرتا ہے ایسے ہی شیطان جماعت مسلمان سے الگ رہنے والے کا شکار کرتا ہے تم گھانٹوں سے بچو جماعت اور صبر مسلمان کے ساتھ رہو۔"

لَا يَجْتَمِعُ أُمَّتِي عَلَى الضَّلَالَةِ وَيُذِلُّهُ اللَّهُ عَلَى الْجَمَاعَةِ فَإِنَّ مِنْ شَدِّ شَدِّ فِي السَّارِ (مشکوٰۃ)

"میری امت گمراہی پر کبھی متفق نہ ہوگی، جماعت پر اللہ کی رحمت ہے، جو جماعت سے لگ رہا وہ دورِ رخ میں لگ رہ کر جاوے گا۔"

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے نجات کی صرف یہ صورت ہے کہ اپنے عقائد عامہ مسلمانوں کے سے رکھے جو جماعت مسلمانوں سے الگ رہا شیطان کے شکار میں آگیا، عام جماعت مسلمان مقلد ہے، لہذا غیر مقلد رہنا جماعت مسلمانوں سے علیحدگی ہے۔

عمل مسلمان ہمیشہ سے ہر طبقہ کے مسلمان غیر مقلد ہوئے، محدثین، مفسرین، فقہاء، ولیاء اللہ میں کوئی غیر مقلد وہابی نہیں، چنانچہ امام قسطلانی اور تاج الدین بکلی نے صراحتاً امام نووی نے شارح فرمایا کہ امام بخاری شافعی ہیں، ترمذی بود و بدسائی، در قسطنطنیہ وغیرہ تمام محدثین شافعی ہیں۔ محامدی و امام زہری، یعنی شارح بخاری، عینی قاری، عبدالحق محدث دہلوی وغیرہ ہم تمام محدثین حنفی ہیں۔

تفسیر کبیر، تفسیر خازن، بیضاوی، جلالین، تہذیب الفقہاء و لے سارے مفسرین شافعی ہیں۔ تفسیر مدارک، تفسیر صاوی و لے سارے مفسرین حنفی، فقہاء اور ولیاء اللہ سارے کے سارے مقلد ہیں اور عام اویا حنفی ہیں جیسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، غیر مقلد وہابی سوچیں، کہ ان میں کتنے محدث، کتنے مفسر، کتنے فقہاء، کتنے اویا ہیں، ان کی جڑ کس زمین پر قائم ہے اور وہ کس درخت کی شاخ یا کس کا پھل ہیں۔

عقل کا نقصان بھی یہ ہے کہ تقلید شدہ ضروری فریضے اور غیر مقلدیت نجدیت ذہن کا قل ہے، ایمان کے لیے سخت خطرناک ہے چند وجوہ سے ایک یہ کہ قرآن و حدیث مسائل نگاہ کے لیے آسان نہیں، اس نے مسائل کا استنباط سخت دشوار ہے، اس ہی لیے رب تعالیٰ نے قرآن سکھانے کے لیے تین بڑے رسول ﷺ کو بھیجا مگر اسے سمجھنے کے لیے صرف عقل نسانی کافی ہوتی تو اس کی تعلیم کے لیے حضور ﷺ نے بھی جاتے فرماتا ہے۔

يُعْنَفُهُمُ الْكُتُبُ وَالْحِكْمَةُ "وہ رسول مسلمانوں کو قرآن و حکمت سکھاتے ہیں۔"

جیسے قرآن مجھ لے کے اپنے حضور بھیجے گئے ایسے ہی حدیث سمجھانے کیسے کر مجتہدین پیدا فرمائے گئے جو لوگ آج تقلید سے منہ پھڑے ہوئے ہیں۔ وہ قرآن و حدیث میں ایسی غور کریں سمجھتے ہیں کہ حد کی بنیاد میں نے بڑے بڑے غیر مقلد و ہمیں کو ہر دلائل کیا کہ حدیث سمجھنا تو کیا تم صرف یہ ہی بتاؤ کہ حدیث اور سنت میں کیا فرق ہے، حدیث کسے کہتے ہیں، اور سنت کسے کہتے ہیں؟ کو اہل حدیث کہتے ہو، ہم اہل سنت ہیں بتاؤ تم میں ہم میں فرق کیا ہے؟ مگر یہ فرق کے حدیث سے ثابت کیا جاوے؟ آں تک نہ بتا سکے اور ان شاء اللہ قیامت تک نہ بتا سکیں گے، ہمارا اعلان عام ہے کہ آج بھی کوئی وہابی صاحب تکلیف کر کے جو بویں، حدیث سمجھنا اس سے مسائل کا ناتوان بچاؤں کو نصیب ہی کہاں صرف رفع یدین اور آئین ہجرت کی چار حد میں بے سمجھ رٹ لیں اور اہل حدیث بن گئے حدیث سمجھنا تو خدا کے فضل سے مقلدوں کا ہی کام ہے اگر ہم حدیث کا لطف اٹھانا ہے تو ہمارا حاشیہ بخاری عربی جی نعیم البہاری کا مطالعہ فرماؤ جس میں بغضوتی یک ایک حدیث سے "تھو آٹھ دس دس مسائل کا استنباط کیا ہے کہ یہاں تارہ ہو جاتا ہے، بطور مثال یک عام مشہور مختصر ہی حدیث پیش کرتا ہوں۔

أُخِذَ حِلٌّ يَحِبُّ وَبِحُبِّهِ "اُخِذَ پہلا ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔"

ہم نے حسب ذیل مسائل شریعت و طریقت کے معنی کیے۔

۱۔ حضور ﷺ کی محبوبیت صرف انسانوں سے خاص نہیں کہ بے عقل جانور بے حال لکڑی پتھر بھی حضور ﷺ کے چاہنے والے ہیں، حسن یوسف رکھوں نے دیکھا، مگر عاشق صرف زیبا، جس محمدی "ج" کسی نے نہ دیکھا مگر عاشق کر دیا۔ حضور ساری مخلوق کے محبوب ہیں، کیوں نہ ہوں، کہ خالق کے محبوب ہیں۔

۲۔ جس انسان کو حضور ﷺ سے محبت نہ ہو وہ پھروں سے زیادہ سخت اور جاہلوں سے بھی گیا گزرا ہے۔

۳۔ جب حضور ﷺ پھر کے دل کا حال چاہتے ہیں کہ فرماتے ہیں اُخِذَ ہم سے محبت کرتا ہے تو انسانوں کے دل کے رکھوں نہ چاہیں ان سے کوئی غیب چھپا نہیں۔

۴۔ حضور ﷺ کی بارگاہ میں عشق و محبت اور ذہنیت زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں وہ دل کی گہریوں کو جانتے ہیں، اُخِذَ ہم سے کہہ نہ کہا، مگر اس کے دل کا حال حضور ﷺ پر روشن تھا۔ اگر حضور ﷺ انسانوں کے دلی حالات نہ چاہیں تو کل قیامت میں شفاعت کیسے کریں گے جو بھی حضور ﷺ سے شفاعت کی درخواست کرے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیں کہ مجھے خبر نہیں مومن تھا یا کافر شفاعت کیسے کروں کیونکہ بعض وہ بھی ہوں گے جو بغیر وضو کیے فوت ہوئے ان کے چہروں پر آثار وضو چمک نہ ہوگی۔

۵۔ تمام عبادتوں کا بدن جنت ہے مگر محبت مصطفویٰ کا ثبوت محبت ہے۔ فرمایا اُخِذَ ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں، اللہ عاشق رسول عبادات سے اعلیٰ ہے کس کا بدلہ جنت والا محبوب ہے۔

بخاری شریف کی ایک حدیث سنو اور اس سے ایمانی و عرفانی مسائل کا استنباط مدح و ثناء کا راز پڑا کرو۔

حدیث حضور دراز گوش پر سوار چارہ ہے جس سامنے دو قبریں نمودار ہوئیں در نہ گوش اوپاؤں سے کھڑا ہو گیا، حضور اتر پڑے، در فرمایا کہ ان قبر والوں پر عذاب اور ہمارے جیسے دیکھ کر ٹھہرا گیا، ان میں سے ایک تو نوٹوں کا چڑھا تھا جو انوں کے پیشاب کے پیشاب کے چھینٹوں سے پر ہیر نہیں کرتا تھا۔ دوسرا چٹل خور تھا اس بے عذاب قبر میں گرفتار ہوئے، یہ فرما کر کھجور کی شاخ کی دو چریں فرما کر دونوں پر گاڑ دیں در فرمایا کہ جب تک یہ تر ہیں، عذاب قبر میں تخفیف ہوگی۔

موافق اس حدیث سے چند فوائد حاصل ہوتے۔

۱۔ حضور ﷺ کی چشم مبارک کے لیے کوئی چیز آڑ نہیں، آپ جس پر وہ بھی دیکھتے ہیں، دیکھو عذاب ہزاروں من مٹی کے نیچے یعنی قبر کے اندر ہو رہا ہے، مگر لگا دیا کہ مصطفیٰ ﷺ قبر کے اوپر سے ملاحظہ فرمادی ہے۔

۲۔ جس جانور پر حضور سوار ہو جاویں، اس جانور کی آنکھ سے بھی حجاب اٹھ دینے جاتے ہیں کہ پھر نے حضور ﷺ کی برکت سے قبر کا عذاب دیکھ لیا اور کھڑک گیا اور سارا رے پھر دن رات قبرستان سے گزرتے ہیں نہیں بھڑکتے، لہذا اگر حضور ﷺ کسی دنی پر نظر کر رہے ہوں تو اس کی نگاہ سے بھی

فیسی جواب اٹھا جائیں گے۔

مع حضور ﷺ کے ظاہر و خیر اچھے بچھنے تمام اعمال جانتے ہیں، کہ فرمایا کہ ایک چٹاں حور تھا، دوسرا بیٹا شب سے پرہیز نہ کرتا تھا اچھا، نیکو نہ دونوں نے یہ عمل حضور ﷺ کے سامنے نہ کئے تھے لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہر عمل سے خبردار ہیں۔

مع حضور ﷺ عذاب الہی سے بچنا عذاب دور کرنا بھی جانتے ہیں، گویا روحانی بیماریوں اور اس کے علاج سے خبردار ہیں، کہ نہ قبر والوں کا عذاب دفع کرنے کے لیے تر شاخیں قبروں پر گاڑ کر فرمایا کہ اس سے عذاب ہلکا ہوگا۔

یہ تر ہیزہ کی تسبیح کی برکت سے مومن کا عذاب قبر ہلکا ہوتا ہے۔ لہذا اگر قبر پر تلاوت قرآن یا ذکر اللہ کیا جاوے تو میت کو فائدہ ہوگا۔ کیونکہ مومن کی تسبیح و تہلیل سے تر ہیزہ کی تسبیح سے اعلیٰ ہے۔

۱۰ گرچہ خشک چریں بھی تسبیح پڑھتی ہیں، **لَا يَسْبَحُ بِحَمْدِهِ** ”مگر انکی تسبیح سے عذاب قبر دفع نہیں ہوتا۔“ ذکر کی تاثیر کے یہ بات بھی تاثیر دلی چاہیے، لہذا وہابی وغیرہ خشکوں کی تلاوت قرآن وغیرہ بے فائدہ ہے، مومن جسکے دس میں محبت مصطفیٰ ﷺ کی تری و ہیزی ہے اس کا ذکر تاثیر والا ہے۔

یہ مومن کی قبر پر سبز و غیرہ ڈالنا مفید ہے کہ اس سے قبر والے کو فائدہ ہے حضور ﷺ نے سبز شاخ قبر پر لٹائی اور فرمایا جب تک کہ یہ تر شاخیں جب تک عذاب میں تخفیف ہوگی۔

۱۱ حدال جالور کا پیشاب نہیں ہے اس سے پرہیز ضروری ہے اس کی تمہینیں عذاب قبر کا باعث ہیں دیکھو سنت حدال ہے اس سے پرہیز ضروری ہے اس کی تمہینیں عذاب قبر کا باعث ہوئیں۔

یہاں تک تو ہم نے آپ کو سنے حاشیہ بخاری کی دیکھ سیر کرائی۔ اب ہمارے حاشیہ القرآن کی بھی دیکھ سیر کرو، صرف ایک آیت کے فوائد عرض کرتا ہوں۔

لَمَّا دَنَبَهُمْ عَلَى مَوْتِهِ الْأَدْنَىٰ لَارِضٍ مُّأْتَلٍ مُّسْكٍ

”جنات کو حضرت سیماء کی وفات نہ مائی گھر میں کی دیکھ نے جو آپ کا مصائب کھاتی تھی۔“

حضرت سیماء علیہ السلام کی وفات بحالت نحر ہوئی بیت المقدس کی تعمیر ہو رہی تھی، آپ اسی طرح لکڑی کے سہارے کھڑے رہے چھ ماہ کے بعد دیکھ مے لاشی کھائی۔ لاشی گرنے کی وجہ سے آپ کا جسم شریف زمین پر آ رہا۔ جب جنات جو بیت المقدس کی تعمیر کر رہے تھے، کام چھوڑ کر بھاگ گئے۔

فَعَدَّ اس آیت اور دو قصہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

۱۔ انبیاء کرام کے جسام وفات کے بعد گئے یا بگڑنے سے محفوظ ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسم شریف چھ ماہ تک قائم رہا، مگر کوئی مرق نہ آیا۔
۲۔ نبیاء کرام کے اجسام شریف کو کبیر نہیں کھا سکتا۔ دیکھو دیکھ ۷ حضرت سلیمان علیہ السلام کی لاشی کھائی پاؤں شریف نہ کھا یا لہذا بلعصب علیہ السلام کو یقین تھا کہ یوسف کو بھیڑیے نے نہ کھا یا یہ فرزند خدا کہہ رہے ہیں۔

۳۔ پیغمبر کا کفن بھی گلے میں ہونے سے محفوظ ہے، دیکھو حضرت سیماء علیہ السلام کا لباس شریف ۷ چھ ماہ تک نہ گنا نہ میل ہوا اور نہ جنات کو آپ کی وفات کا پتہ چل جاتا۔

۴۔ نبیاء کرام بعد وفات بھی دیدار دینی حالتیں پوری کرتے ہیں، دیکھو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بعد وفات مسجد بیت المقدس کی تکمیل کرا دی۔

۵۔ دینی ضرورت کی وجہ سے پیغمبر کے دفن و کفن میں دیر لگانا سنت الہیہ ہے، دیکھو رب تعالیٰ نے تکمیل مسجد کے لیے حضرت سیماء علیہ السلام کو بعد وفات چھ ماہ تک بغیر کفن دفن رکھا، لہذا اصحاب کرام کا تکمیل عبادت کے لیے حضور کے کفن و دفن میں تاخیر کرنا بالکل صحیح تھا کیونکہ تکمیل عبادت تکمیل مسجد سے کھنک زیادہ اہم ہے۔

۶۔ بات نقل بھی چاہے موت اللہ کے نیک بندوں کے بیٹے عذاب نہیں بلکہ رحمت ہے۔ دیکھو حضور سیماء علیہ السلام کی وفات چاہے ہوئی، مگر رحمت تھی ہاں غافل کے لیے عذاب ہے کہ اسے توبہ کا وقت نہیں ملا، لہذا حدیث شریف واضح ہے۔

ایک اور آیت کریمہ کے فوائد و مسائل سنو جو ہم نے سنے حاشیہ قرآن میں بیان کیے۔

اِذَا حَضَرَ نَفْسُ الْفَتْحِ وَرَأَيْتَ لِنَاسٍ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ الْفَتْحِ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

آیت کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ سے اپنی دو خاص نعمتوں کا ذکر فرمایا اور ان کے شکر یہ میں رب کی تسبیح و حمد کا حکم دیا ایک تو فتح مکہ دوسرے فتح کے دن اور اس کے بعد لوگوں کا جوق در جوق فوج در فوج اسلام قبول کرنا۔

اس آیت سے حسب ذیل فائدے حاصل ہوئے۔

۱۔ صحابہ کرام کی تعداد دو چار یا دس میں نہیں بلکہ ہزار ہا ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے انہیں افواج یعنی فوجیں فرمایا دو چار آدمیوں کی فوجیں نہیں جیسے حضرات انبیاء کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار میں جس میں تین سو تیرہ رسول ہیں اور چار سرسل ایسے ہی صحابہ کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں جن میں تین سو تیرہ بدر والے اور چار خلفاء راشدین جو کہے کہ مومن صحابہ کل چار پانچ تھے۔ وہ اس آیت کا منکر ہے۔

۲۔ فتح مکہ کے دن اور اس کے بعد ایمان لانے والوں کا ایمان رب تعالیٰ کے ہاں قبول ہوا کہ انہیں رب نے فرمایا کہ وہ اللہ کے دین میں داخل ہو گئے، ان کا داخل فی الدین ہو جانا قرآن سے ثابت ہوا جہذا یوسفیان، ہند، مکرہ، امیر معاویہ وغیرہم رضی اللہ عنہم تھے، کچھ مخلص مومن ہیں، جو ان کے ایمان کا انکار کرے وہ اسی آیت کا منکر ہے۔

۳۔ فتح مکہ کے دن ایمان لانے والوں میں سے کوئی مرتد نہ ہوا یہ حضرات ایمان پر قائم رہے ان کا خاتمہ ایمان پر ہوا کیونکہ ان کے ایمان میں داخل ہونے کی یہ صریحی آیت موجود ہے، اسلام سے نکل جانے کی کوئی آیت نہیں نیز رب تعالیٰ نے ان کے ایمان کا ذکر بطور نعمت الہیہ کیا اگر یہ لوگ آئندہ ایمان سے نکل جانے والے ہوتے تو رب تعالیٰ بجائے تسبیح و تحمید کے حکم کے یوں فرماتا کہ محبوب ان کے ایمان کا اعتبار نہ کریں یہ لوگ پھر جائیں گے، اب جو تاریخی واقعہ ان کا کفر ثابت کرے، وہ جھوٹا ہے کہ قرآن شریف کے خلاف ہے۔

۴۔ **وسابیو** بولوا آج تک قرآن وحدیث کے ایسے ایمان افراد عارفانہ مسائل کی وہابی صاحب کے ذہن شریف میں بھی آئی یہ نعمت تو اللہ تعالیٰ نے مقلدوں کو ہی بخشی ہے، تم نے صرف غلط سلسلہ ترجیحے کر ہی سکے ہیں۔

حنفی بھائیو اگر تمہیں اس جیسے صد ہا عارفانہ، عاشقانہ ایمانی مسائل دیکھنے کا شوق ہو تو ہمارا حاشیہ القرآن اُردو اور حاشیہ بخاری انشراح بخاری عربی کا مطالعہ کرو۔

دوسرے یہ کہ قرآن وحدیث طب ایمانی کی دوائیں ہیں جب طب یونانی کی دوائیں ہر شخص اپنی رائے سے نہیں کر سکتا اگر کرے گا تو جان سے ہاتھ دھوے گا، ایسے ہی قرآن وحدیث سے ہر شخص مسئلہ نہیں نکال سکتا، اگر نکالے گا تو وہابیوں کی طرح ایمان سے ہاتھ دھوئے گا۔

تیسرے یہ کہ قرآن وحدیث سندور ہیں، جیسے سندور سے ہر شخص موتی نہیں نکال سکتا ایسے ہی قرآن وحدیث سے ہر شخص مسئلہ نہیں نکال سکتا، جنہیں موتی سندور سے نہیں ملیں گے بلکہ جوہری کی دوکان سے ایسے ہی جنہیں مسائل قرآن وحدیث سے نہیں ملیں گے، بلکہ امام ابوحنیفہ وشافعی وغیرہ رضی اللہ عنہم کی دوکانوں سے ملیں گے۔

چوتھے یہ کہ دنیا میں ہر شخص کسی پیشوا کا مقلد ہوتا ہے، کھانا پکانا، کپڑا سینا پہننا، غرض کہ دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں جس میں اس کے ماہروں کی تقلید نہ کی جاوے، دین تو دنیا سے کہیں اہم ہے اگر اس میں ہر شخص بے کھیلے اونٹ کی طرح بے قید ہو کہ جس کا جس طرف منہ اٹھا دھر چل دیا تو دین جاہ ہو جائیگا غیر مقلد وہابیوں کے چاہئے کہ پاؤں میں ٹوپی، سر پر جوتا ناگوں میں کرت اور کندھے پر پٹا باندھ کر چلیں، کیونکہ عام لوگوں کی طرح لباس پہننے میں تقلید ہے یہ ہیں، غیر مقلد یہ کیا بات ہے کہ آپ ہر کام میں ہر طرح مقلد اور صرف تین چار مسئلے، قرأت خلف الامام رفع یدین وغیرہ ہیں، غیر مقلد اگر غیر مقلد ہوں تو پورے ہو ہر کام انوکھا کرو، ہر بات خرائی کہو۔

پانچویں یہ کہ بظاہر احادیث دیکھی جاویں تو چکر آ جاتا ہے اگر تقلید نہ کی جاوے، صرف حدیثیں دیکھی جاویں، تو حیرانی ہوتی ہے کہ اللہ کیا کریں کہ ہر جائیں کوئی وہابی صاحب دو رکعت نماز ایسی پڑھ کر دکھا دیں، جس میں ساری حدیثوں پر عمل ہو، ایک ایک مسئلہ پر دس دس قسم کی روایتیں موجود ہیں حضور ﷺ وتر ایک رکعت پڑھتے تھے تین یا پانچ پڑھتے تھے، ساتھ پڑھتے تھے، تو گیارہ تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے، اب غیر مقلد ایسی وتر پڑھ کر دکھائیں، کہ سب حدیثوں پر عمل ہو جاوے ایک وہابی صاحب نے آئین بانچہ کی ایک حدیث پڑھی میں نے آئین بالا خفاء کی پانچ پڑھ دیں بھارے منہ نکلے رو گئے یہ کام مجتہد کا ہے کہ دیکھے کون حدیث مانج ہے کون منسوخ کون حدیث ظاہری معنی پر ہے کون واجب التاویل، حدیث پر وہ عمل کرے جو مزاج شناس رسول ہو، اور راز دار وغیرہ یہ مزاج شناسی راز داری ہر ایرے سے غیرے کا کام نہیں۔

وسابی اور حدیث

غیر مقلدوں کا اصلی نام وہابی ہے، لقب نجدی کیونکہ ان کا مورث اعلیٰ محمد ابن عبدالوہاب ہے جو نجد کا رہنے والا تھا، اگر انہیں مورث اعلیٰ کی طرف نسبت کیا جاوے تو وہابی کہا جاتا ہے اور اگر جائے پیدائش کی طرف نسبت دی جائے تو نجدی جیسے مرزا غلام احمد قادیانی کی امت کو مرزائی بھی کہتے ہیں اردو قادیانی بھی جتنی نسبت مورث کی طرف ہے، دوسری نسبت جائے پیدائش کی طرف اسی جماعت کی بعض کوئی خود حضور ﷺ نے کی تھی کہ

نجد کے متعلق ارشاد فرمایا تھا۔

هُنَاكَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتْنُ وَيُخْرِجُ مِنْهَا قَرْنُ الشَّيْطَانِ 'نجد میں زلزلے اور فتنے میں ہوں گے، اور وہاں سے ایک شیطانی فرقہ نکلے گا۔'

غرض کہ اس جماعت کا بانی محمد ابن عبدالوہاب نجدی ہے اور اس کا ہندوستان میں پرورش کرنے والا اسماعیل دہلوی ہے، اس فرقہ کے حالات ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میںلاحظہ فرمائیے لوگ عام مسلمانوں کو مشرک اور صرف اپنی جماعت کو موصوفہ کہتے ہیں، مقلدوں کے جانی دشمن اور انہر بعد حضرت امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد ابن حنبل رضی اللہ عنہم اجماع کی شان اقدس میں تھرے کرتے ہیں۔

یہ لوگ اپنے آپ کو اہل حدیث یا عامل بالحدیث کہتے ہیں، یہ لوگ پہلے تو اپنے کو فخریہ طور پر وہابی کہتے تھے، چنانچہ ان کی بہت کتب کے نام تحفہ وہابیہ وغیرہ ہیں، مگر اب وہابی کے نام سے چڑتے ہیں، ان کے عقائد و اعمال نہایت ہی گندے اسلام اور مسلمانوں کے دامن پر بد نما داغ ہیں، ہم یہاں اہل حدیث نام پر مختصر تبصرہ کرتے ہیں، تاکہ معلوم ہو کہ ان کا نام بھی درست نہیں، مسلمانوں سے امید انصاف ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب ﷺ سے امید قبول ہے۔

خیال رہے کہ دنیا کوئی شخص اہل حدیث یا عامل بالحدیث ہو سکتا ہی نہیں، کسی کا اہل حدیث یا عامل بالحدیث ہونا ایسا ہی ناممکن ہے، جیسے دو تھیں یا دو ضد میں کا جمع ہونا غیر ممکن کیونکہ حدیث کے لغوی معنی ہیں بات، گفتگو یا کلام رب فرماتا ہے۔

فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ "قرآن کے بعد کوئی بات پر ایمان نہ کریں گے۔"

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ "اللہ تعالیٰ نے سب سے اچھا کلام نازل فرمایا۔"

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ

"بعض لوگ وہ ہیں، جو کھیل کی باتیں و ناول، قصے خریدتے ہیں، تاکہ اللہ کی راہ سے بہکا دیں۔"

اس تیسری آیت میں ناول قصے کہانیوں کو حدیث فرمایا گیا ہے۔

اصطلاح شریعت میں حدیث اس کلام و عبارت کا نام ہے، جس میں حضور سید عالم ﷺ کے اقوال یا اعمال اسی طرح صحابہ کرام کے اقوال و اعمال بیان کئے جاویں، اس عامل بالحدیث فرستے سے سوال ہے کہ تم کوئی حدیث پر عامل ہو، لغوی یا اصطلاحی پر ہو اگر لغوی حدیث پر عامل ہو تو چاہئے کہ ہر ناول کو قصہ خواں اہل حدیث ہو کہ وہ حدیث یعنی باتیں کرتا ہے ہر جی بھوئی بات پر عمل کرتا ہے، اگر اصطلاحی حدیث پر عامل ہو تو پھر سوال یہ ہوگا کہ ہر حدیث پر عامل ہو یا بعض پر دوسری بات تو غلط ہے کیونکہ حضور کے کسی نہ کسی فرمان پر ہر شخص ہی عامل ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ سچ نبیات دیتا ہے بھوٹ ہلاک کرتا ہے، ہر مشرک و کافر اس کا قاتل ہے، وہ سب ہی اہل حدیث ہو گئے، تم حقیقی، شافعی، مالکی۔ حنبلی مسلمانوں کو اہل حدیث کیوں نہیں مانتے یہ تو ہزار ہا حدیثوں پر عمل کرتے ہیں، اگر حدیث کے معنی ہیں حضور کی ساری حدیثوں پر عمل کرنے والے تو یہ نہ ممکن ہے کیونکہ حضور کی بعض حدیثوں منسوخ ہیں، بعض حدیثوں میں حضور کے وہ خصوصی اعمال شریف بیان ہوئے جو حضور کے لیے مباح یا فرض تھے، ہمارے لیے حرام ہے، جیسے منبر پر نماز پڑھنا اونٹ پر طواف فرمایا، حضرت حسین سید الشہداء و خاتم آل عمار رضی اللہ عنہ کے لیے سجدہ دراز فرمایا، حضرت امامہ بنت ابی العاص کو کندھے پر لے کر نماز پڑھنا، نو بیویاں نکاح میں رکھنا، بغیر مہر نکاح ہونا ازواج میں عدل و مہر واجب نہ ہونا۔ بلکہ

حدیث سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ کلمہ یوں پڑھتے تھے۔ **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَإِنِّي رَسُولُ اللَّهِ**

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔"

یہ حضرات اسی حدیث پر عمل کر کے اس طرح کلمہ کا ورد نہیں کر سکتے، غرض کہ حدیث میں حضور ﷺ کے ایسے اقوال و اعمال بھی ذکر ہیں جو حضور کے لئے کمال ہیں، ہمارے لیے کفر۔

اسی طرح حضور علیہ السلام کے وہ افعال کریمہ جو نسیان یا اجتہادی خطاء سے سرزد ہوئے حدیث میں مذکور ہیں، عامل بالحدیث صاحبان کو چاہیے کہ ان پر بھی عمل کیا کریں۔ ہر حدیث پر جو عامل ہوئے بہر حال کوئی شخص ہر حدیث پر عمل نہیں کر سکتا، جو اس معنی سے اپنے کو اہل حدیث یا عامل بالحدیث کہے، وہ غلب کہتا ہے جب ہی نام بھوٹ ہے، تو اللہ کے فضل سے کام بھی سارے کھوئے ہی ہوں گے، اسی لیے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ "لازم پکڑو میری اور خلفاء راشدین کی سنت کو۔"

یہ نہ فرمایا کہ میری حدیث کو لازم پکڑو، کیونکہ ہر حدیث لائق عمل نہیں ہر سنت لائق عمل ہے، حضور کے وہ اعمال طیبہ جو منسوخ بھی نہ ہوئے ہوں، حضور سے خاص بھی نہ ہوں خطاء انیسٹا بھی سرزد نہ ہوں، بلکہ امت کے لیے لائق عمل ہوں، انہیں سنت کہا جاتا ہے، لہذا ہمارا نام اہل سنت بالکل حق

دورست ہے، کہ ہم بفضلِ تعالیٰ حضور ﷺ کی ہر سنت پر عامل ہیں، مگر وہابیوں کا نام اہل حدیث بالکل غلط ہے کہ ہر حدیث پر عمل ناممکن۔

اب حدیثوں کی یہ جھانٹ کہ کون سی حدیث منسوخ ہے کون حکم کون حدیث حضور ﷺ کی خاصاں میں سے ہے، کون سب کی اتباع کے لیے کون فعل شریف اقتداء کے لیے ہے، کون نہیں کس فرمان کا کیا منشاء ہے، کس حدیث سے کیا مسئلہ صراحت ثابت ہے اور کون مسئلہ اشارہ کون دلائل کون اقتضاء یہ سب کچھ امام مجتہد ہی بتا سکتے ہیں ہم جیسے عوام وہاں تک نہیں پہنچ سکتے، جیسے قرآن عمل کرانا حدیث کا کام ہے، ایسے ہی حدیث پر عمل کرانا امام مجتہد کا کام یوں سمجھو کہ حدیث شریف رب تک پہنچنے کا راستہ ہے اور امام مجتہد اس راستہ کا نور جیسے بغیر روشنی راہ ملے نہیں دیتا، بغیر امام و مجتہد حضور ﷺ کی سنتوں پر عمل ناممکن ہے، اسی لیے علماء فرماتے ہیں۔

الْقُرْآنُ وَالْحَدِيثُ يُضِلُّانِ إِلَّا بِالْمُجْتَهِدِ "بغیر مجتہد قرآن و حدیث گمراہی کا باعث ہیں۔"

رب تعالیٰ قرآن کریم کے مطلق فرماتا ہے۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا "اللہ تعالیٰ قرآن کے ذریعے بہت کو ہدایت دیتا ہے اور بہت کو گمراہ کر دیتا ہے۔"

چکڑا لوی اس ہی لیے گمراہ ہیں کہ وہ قرآن شریف بغیر حدیث کے نور کے سمجھنا چاہتے ہیں، براہ راست رب تک پہنچنا چاہتے ہیں، وہابی غیر مقلد اسی لئے راہ سے ہٹکے ہوئے ہیں کہ یہ حدیث کو بغیر علم کی روشنی اور بغیر مجتہد کے نور کے سمجھنا چاہتے ہیں، مقلدین اہل سنت کا ان شاء اللہ بیڑا پار ہے، کہ ان کے پاس کتاب اللہ بھی ہے سنت رسول اللہ بھی اور سراج امت امام مجتہد کا نور بھی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اہل حدیث بنان ناممکن اور جھوٹ ہے، اہل سنت بنانا حق و درست ہے، اہل سنت وہ ہی ہو سکے گا جو کسی امام کا مقلد ہوگا، قیامت میں رب تعالیٰ بھی اپنے بندوں کو اماموں کے ساتھ پکارے گا، رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اَقْنَاسٍ بِاِمَا مِمْ "اس دن ہم ہر شخص کو اس کے امام کیساتھ بلائیں گے۔"

خیال رکھو کہ قرآن و سنت کا سمندر ہم مقلد بھی عبور کرتے ہیں، اور غیر مقلد وہابی بھی، لیکن ہم عقیدہ کے جہاز کے ذریعہ جس کے ناخدا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ہیں ان کی ذمہ داری پر سفر کر رہے ہیں، غیر مقلد وہابی خود اپنی ذمہ داری پر اس سمندر میں چھلانگ لگا رہے ہیں۔

ان شاء اللہ مقلدوں کا بیڑا پار ہے، اور وہابیوں کا انجام فرقانی ہے۔

آخر میں ہم اہل حدیث حضرات سے پوچھتے ہیں کہ اسلام کی پہلی عبادت نماز ہے، براہ صہبانی آپ احادیث صحیحہ کی روشنی میں بتادیں کہ فرض واجب سنت مستحب مکروہ تحریمی اور حرام میں کیا فرق ہے، اور نماز میں کتنے فرض ہیں، کتنے واجب، کتنی سنتیں، کتنے مستحبات، کتنے مکروہ حرامی، کتنے مکروہ تحریمی اور کتنے حرام، ان شاء اللہ تا قیامت یہ تمام مسائل یہ حضرات حدیث سے نہیں بتا سکتے، حالانکہ دن رات ان مسائل سے واسطہ ہوتا ہے تو دوست و متضد کیوں کرتے ہو عقیدہ اختیار کرو، جس میں دینی و دنیا کی بھلائی ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ یہ کتاب یکم رمضان سنہ ۱۴۲۶ھ اپریل سنہ ۱۹۵۷ء بروز جمعہ کو شروع ہو کر ۳ ذی الحجہ سنہ ۱۴۲۷ھ بروز جمعہ یعنی دو ماہ دو دن میں اختتام کو پہنچی۔ رب تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے اسے قبول فرمائے، میرے لیے کفار و سیئات اور صدقہ جاریہ بنائے، مسلمانوں کے لئے اسے نافع بنائے جو کوئی اس کتاب سے فائدہ اٹھائے وہ مجھ بے کس گناہگار کے لیے حسن خاتما و معافی سیئات کی دیا کرے کہ اس ہی لالچ میں میں نے یہ محنت کی ہے۔

وَضَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهٖ وَتَوَرَّعَزَّ بِهٖ سَيِّدَتُهٗ مُحَمَّدٌ وَّآلِهٖ وَاصْحٰبِهٖ اَجْمَعِيْنَ اٰمِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَكَفَى وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ

مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفَى وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أُولِي الصِّدْقِ وَالصَّفَا

وجه تصنیف

جاننا چاہیے کہ موجودہ دور بہت فتنہ و فساد کا زمانہ ہے۔ کفر و افواج بے دینی کی ہوس رہا ہے۔ آندھیاں مچ رہی ہیں بد مذہبی لادینی نئی نئی صورتوں میں نمودار ہو رہی ہے۔ مسلمان کو ایمان سنبھالنا مشکل ہو گیا ہے وہی اس وقت ایمان سنبھال سکتا ہے جو کسی مقبول ہار گاہ بندے کے دامن سے وابستہ ہے۔ ان فتنوں میں سے ایک خطرناک فتنہ غیر مقلدیت کا ہے جو اجراعِ سنت کے پردہ میں نمودار ہوا ہے۔ یہ لوگ اہل حدیث کے نام سے مشہور ہیں۔ اپنے سوا سب کو مشرک سمجھتے ہیں۔ تقلید شخصی کو شرک کہتے ہیں۔

المسوس ہے کہ جسے یہ بھی پتہ نہیں کہ حدیث کیا ہے اور سنت کیا۔ بلکہ جنہیں عربی مہارت پڑھنا نہیں آتی وہ آمین بالجہد و رفع یدین کی چار حدیثیں یاد کر کے اپنے آپ کو امام ابو حنیفہ سے بڑھ کر سمجھتا ہے۔ فقیر نے اپنی کتاب جہاد الحق اول میں مسئلہ تقلید اور ضمیمہ جہاد الحق میں رکعت تراویح اور تین طلاق پر معرکہ الآراء بحث کی جہاد الحق میں وعدہ کیا گیا تھا کہ ہم اس کا حصہ دوم بھی تحریر کریں گے۔ بہت عرصہ تک یہ وعدہ پورا کرنے کا موقع نہ ملا۔ پھر بعض احباب کا اصرار ہوا کہ دوسرے حصہ میں غیر مقلد و بانہوں کی پر زور تردید کی جاوے اور احناف کے دلائل غیر مقلدوں کے دندانِ حُسن جواب دیئے جاویں۔ مگر اس حکم کی تعمیل میں دی ہی ہوتی چلی گئی۔ نیز ہم نے ان مسائل پر اپنے ”فتاویٰ نعیمیہ“ اور حاشیہ بخاری نعیم الباری عربی میں مفصل گفتگو کی خیال تھا کہ اب علیحدہ کتاب لکھنے کی ضرورت نہیں۔ مگر بزرگوں کا اصرار ہوا کہ ان مسائل پر مستقل کتاب اردو زبان میں لکھی جاوے۔ تو کلا علی اللہ اور توجہ کی اس حصہ کا طریقہ وہ ہی ہوگا۔ جو جہاد الحق حصہ اول کا ہے۔ کہ ہر مسئلہ علیحدہ باب میں بیان ہوگا۔ اور ہر باب میں دو فصلیں ہوں گی۔ پہلی فصل میں ضعیفوں کے دلائل دوسری فصل میں غیر مقلدوں کے سوالات و جوابات غیر مقلدوں کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے مخالف ہر حدیث کو ضعیف کہہ دیتے ہیں۔ اور کسی نہ کسی معقول نامعقول حوالہ کی آڑ لیتے ہیں۔ حالانکہ محدثین کے نزدیک جرح بہم معتر نہیں۔ نیز اگر جرح و تعدیل میں مقابلہ ہو تو تعدیل مقدم ہے۔ نیز کسی استاد کے ضعیف ہونے سے مشین حدیث کا ضعف لازم نہیں۔ نیز بعد کا ضعف پہلے والوں کو معتر نہیں۔ یہ تمام بحثیں ان شاء اللہ مقدمہ کی جائیں گی۔ مگر انہیں ان سے کیا فرض۔ انہیں صرف ضعیف کا سبق یاد ہے ان کے اس ضعیف ضعیف کے رٹ لگانے نے آج مسلمانوں میں منکرین حدیث کر دیئے۔ جو کہنے لگے کہ کسی حدیث کا اعتبار نہیں۔ سب ضعیف ہی ہیں۔ صرف قرآن کو مانو۔

نیز مقامِ تعجب ہے کہ غیر مقلد ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ وغیرہم کی تقلید کو شرک کہتے ہیں۔ مگر ابن جوزی وغیرہ ناقدین حدیث کے ایسے مقلد ہیں کہ جس حدیث کو وہ ضعیف کہہ دیں۔ اسے بغیر سوچے سمجھے آنکھیں بند کر کے مان لیتے ہیں۔ چونکہ اس وقت یہ فتنہ بڑھ رہا ہے اس لیے فقیر نے ان کے جواب میں قلم اٹھایا۔ قلم تو اٹھا دیا۔ مگر مجھے اپنی بے بضاعتی و کم علمی کا اعتراف و اقرار ہے۔ اپنے رب کریم کے کرم اور اس کے حبیب ﷺ کے فضل پر بھروسہ ہے رب تعالیٰ اس رسالہ کو قبول فرمادے۔ میرے لیے اسے کفار یہ سینات و صدقہ جاریہ بنائے اس کا نام جہاد الحق حصہ دوم رکھتا ہوں۔ جو کوئی اس سے فائدہ اٹھائے۔ وہ مجھ فقیر بے نوا کے حسن خاتمی دعا کرے اللہ اسے جزائے خیر دے۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

احمد یحسان نعیمی اشرفی بدایونی خطیب جامع

مسجد خوشہ چوک پاکستان کجرات

یکم ماہ رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ دوم اپریل ۲۰۱۵ء

دوشنبہ مبارک